بہ عزیزم یا حیات باد

واضح البیان

مؤلفہ: مولوی محمد ابراہیم میر سیالکوٹی

بار اوّل (۱۰۰۰) مجلد [illegible]، غیر مجلد [illegible] علاوہ محصول ڈاک

[illegible] نبیل و فاضلِ جلیل حضرت الاستاذ محمد فؤاد مصری سابق مدرس مدرسۃ المعلمین بغداد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

[illegible] من الاستاذ العلامۃ الباحث [illegible] والعالم الکبیر مولانا الحافظ **محمد ابراہیم** السیالکوتی [illegible] القلب [illegible] الی الفؤاد [illegible] لاغایۃ [illegible] الآلاء تعشق قبل العین احیانا [illegible] فرصۃ [illegible] لاجتماعها [illegible] **الفلاب** [illegible] **غلام رسول مہر** والاستاذ [illegible] سالک [illegible] من رأی **العلامۃ السیالکوتی** [illegible] واضح البیان [illegible] القرآن [illegible] الخطب الثلاث [illegible] فاذا ھی [illegible] والعبارۃ [illegible] ان [illegible] تماتحتاج الیہ [illegible] فقد [illegible] ھذہ الخطب آیۃ فی بابھا [illegible] فی [illegible] الحقیقۃ ما [illegible] والطیب [illegible] الی **مقدمۃ الکتاب** فاذا بھا العجب العجاب [illegible] الاستاذ قد [illegible] شرح معاقد القرآن وازاحۃ [illegible] محمد فؤاد [illegible]

(۲) ومما یستوجب الغبطۃ [illegible] فی **الاستاذ العلامۃ** ذلک [illegible] الذی سلک فی کتابتہ والنہج الثابت الذی [illegible] الحقائق العظیمۃ التی تظہر واضحۃ کالشمس فی رابعۃ النہار: **ولعمری** [illegible] **الاستاذ** قاضیۃ علی کل [illegible] ھادمۃ لکل فریۃ وبدلالۃ کافیۃ لمن یتطلب الحق ویبغی الطریق القویم ولیس ادل علی ذلک من کتابہ **السیرۃ المحمدیۃ** الذی [illegible] حین قراءتہ

طال الفروج وھم [illegible] — [illegible] واعتقدوا
فقام استاذنا **ابراہیم** [illegible] — حتی [illegible] ما قصدوا
الاحمدیۃ [illegible] — [illegible] **احمد** لایسلاھم [illegible]
فما بنوہ من [illegible] — واعلم الناس ان القوم قد فسدوا

وختاما ادعو اللہ ان یجعل لنا من حیات **الاستاذ فینا قرۃ عین** لدینا وفخرا لنا والسلام

محمد فؤاد

نوٹ:۔ اس تقریظ کا ترجمہ اصل کے تیسرے صفحے پر لکھا گیا ہے۔ وہاں سے پڑھیں ۱۲ کاتب

فہرست مضامین واضح البیان فی تفسیر اُمّ القرآن

مضمون	نمبر صفحہ
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم	۲/۵
امابعد فی تحریک التفسیر	۶
مقدمہ فی اصول التفسیر	۱۰
دیباچہ تفسیر (اردو)	۱۸
شکایت زمانۂ حال	۲۰
خوش اعتقادی اور باپ کا تقاضا	۲۱
التماس ضروری	〃
عام ناظرین سے گذارش	۲۴
تفسیر بالرائے کیا ہے؟	۲۴
معذرت و عرض حال	۲۵
علم اسرار دین	۲۶
طرز تحریر و طریق بیان	۲۹
ذکر لطائف کا نمونہ	۳۰
اصول تفسیر ہذا (اردو)	۳۳
تفسیر قرآن بزبان قرآن	۳۴
ردّ منکرین	۳۵
تفسیر بالآیات	۳۷
تفسیر بالاحادیث	۳۸
تفسیر باقوال الصحابہ	۳۹
جمع منقول و معقول	۴۰
اسمائے سورت فاتحہ	۴۱
امام بخاری رح کی طرف جواب	۴۲ بر حاشیہ
جائے نزول	۴۶
بحث اولیت نزول	〃
فضائل سورت فاتحہ	۴۷
سورت فاتحہ کا دم موجب شفاء	۴۸
تفسیر بسم اللہ	۴۹
بسم	۵۰
بسم اللہ کا رسم الخط	〃
اللہ تعالیٰ کا اسم بھی بابرکت ہے	۵۱
نقشہ فہرست اسمائے حسنیٰ	۵۲
اسم اعظم	۵۳
دعا مانگنے کا طریق	۵۴
آنحضرت کی بعض دعائیں	۵۵
بے خوابی کی دعا	〃
ہر مصیبت کی دعا اور اسم اعظم	〃
حضرت ایوبؑ کی دعا	۵۶
غم و اندوہ کی دعا	〃
آگ جلنے کے لیے دعا	〃
بیمار کے لئے حضرت علیؓ سے منقول دعا	۵۷
حضرت یونسؑ کی دعا	〃
ازالہ شبہ	۵۷
اللہ	۵۸
رسم الخط	〃
معانی بلحاظ اشتقاق	۵۹
حکمت	۶۱
رحمٰن رحیم	۶۲
رحمت کا اطلاق بنی آدم کیلئے اور ذات باری کیلئے	〃
اسم الرحمٰن کی خصوصیت	۶۴
تنبیہ	۶۵
وجہ تقدیم الرحمٰن	۶۵
تتمہ اسم الرحمٰن	〃
آیۂ عجیب	۶۶
مسائل و سنن متعلق بسم اللہ	۶۷
ہر اہم کام کے ابتدا میں بسم اللہ	〃
میاں بیوی کے خاص تعلق کے وقت بسم اللہ	〃
وضو کے ابتدا میں بسم اللہ	۶۸
بیت الخلاء میں جانے پر بسم اللہ	۷۱
کھانے پینے کے وقت بسم اللہ	۷۱
سونے کے وقت بسم اللہ	۷۲
سواری کے وقت بسم اللہ	۷۳
سورت توبہ کے سوا سب سورتوں کا ابتدا بسم اللہ سے ہے	۷۳
جہری نماز میں بسم اللہ بھی بالجہر پڑھے	۷۵
صحابہ قائلین جہر بسم اللہ	۷۷
تابعین و تبع تابعین	〃
امام ابو حنیفہ رح اور بسم اللہ	〃
ترک و اخفائے بسم اللہ کی روایات اور فیصلہ	۸۲
تفسیر الحمد للہ	۸۶
الحمد	۹۰
حمد مدح اور شکر میں فرق	〃
للہ	۹۲
نکات اربعہ و زائدہ	۹۲/۹۳
قرآن میں الحمد للہ کی تعداد	۹۳
قرآن میں مواقع حمد	۹۴
فضائل الحمد للہ از احادیث	۹۸
آنحضرت احمد اور آپ کی امت حمادون	۹۹
بائیبل کا حوالہ	۱۰۰
نیند سے بیداری پر حمد	〃
نئے لباس پر الحمد للہ	۱۰۱
نئے چاند پر الحمد	〃
سفر سے واپس آنے پر الحمد للہ	〃
قبولیت دعا و شفا پر حمد	〃
چھینک آنے پر الحمد للہ	۱۰۲
مبتلائے مصیبت کو دیکھ کر الحمد للہ کہنا	〃
فرزند کی موت پر الحمد للہ	〃
بچے کی زبان کھلنے پر پہلا سبق	〃
سواری پر بیٹھے تو الحمد للہ	〃
خوشخبری پانے پر حمد	۱۰۳
دشمن کے بھاگ جانے پر حمد	〃
روز قیامت اور لوائے حمد	〃
مقام محمود اور حمد	〃
رب العلمین	۱۰۴
ترکیب نحوی و حل لغات	〃
نکتہ و استنباط عجیب	۱۰۶
لطائف نادرہ	〃

مضمون	نمبر صفحہ
قرآن میں اسم ربّ کتنی دفعہ آیا ہے	۱۰۸
توحید خالقیت و ربوبیت کی آیات	۱۱۱
انبیاءؑ کی دُعائیں اور اسم ربّ	۱۱۳
ان مواقع سے اسم ربّ کی مناسبت	۱۱۶
اسم ربّ سے خدا کی ہستی کا ثبوت	۱۱۸
فرعون انا ربکم الاعلیٰ کہتا تھا اس کے مقابلہ میں حضرت موسیٰؑ نے خدا کو ربّ العلمین کہا	〃
حضرت موسیٰؑ اور فرعون کا مکالمہ	۱۱۹
اسم ربّ سے اثبات نبوت	۱۲۱
اسم ربّ سے اثبات معاد	۱۲۵
مضمون جزا سزا کے عنوانات	۱۲۶
ان سب عنوانوں میں اسم ربّ	〃
تعدد ربوبیت کا باہم یکجا ذکر	۱۳۲
نکتۂ معرفت	۱۳۳
تتمہ تفسیر الحمد للہ ربّ العلمین	۱۳۴
الرحمٰن الرحیم	۱۳۵
ربوبیت و رحمت میں مناسبت	۱۳۶
رحمت عامہ و خاصہ	۱۴۰
اسم رحمٰن اور رحیم باہم یکجا	〃
قرآن کا نزول رحمت ہے	۱۴۱
اسم اللہ کے بعد اسمائے رحمٰن و رحیم کی مناسبت	۱۴۲
اسمائے رحمٰن و رحیم اور مجرب و مسنون دعا	۱۴۳

مضمون	نمبر صفحہ
رحمت و محبت میں فرق	۱۴۳
رحمانیت و رحیمیت کا تعلق آیت سابقہ و لاحقہ سے	۱۴۴
مالک یوم الدین	۱۴۵
مالکیت جزا کی مناسبت حمد سے	۱۴۶
مطیع اور عاصی میں امتیاز	〃
ذات حق ہر وجہ سے لائق حمد ہے	۱۴۷
لطیفہ عجیبہ متعلق تفسیر مرزا قادیانی	۱۴۹
رجوع بمطلب	〃
ملکیت اور رحمت	〃
الرحمٰن الرحیم اور مالک یوم الدین میں ربط	۱۵۰
نکتہ در اضافت مالک یوم الدین	۱۵۲
فاتحہ میں بھی اور خاتمہ قرآن میں بھی ملکیت	۱۵۲ حاشیہ
یوم الدین کی تخصیص	۱۵۲
قرأت مالک و ملک	۱۵۳
رسم خط عثمانی میں کمال	〃
ملک اور مالک کے معنے	〃
تنبیہ متعلق مولوی محمد علی صاحب لاہوری	۱۵۴
یوم کے معنے	〃
دین کے مختلف معانی	۱۵۵
مرکب یوم الدین کی مراد یوم قیامت	〃
تفسیر	۱۵۶
روز قیامت کے مختلف نام اور ان کی وجوہات	۱۵۶
تنبیہ متعلق حکیم نور الدین صاحب قادیانی اور مولوی محمد علی صاحب لاہوری	۱۵۷
روز قیامت کے دیگر نام	〃

مضمون	نمبر صفحہ
اعمال پر جزا سزا کا ترتب	۱۵۸
جیسے اعمال ویسی جزا	۱۶۱
ختم، طبع وغیرہ امور سے مراد	۱۶۲
دنیا میں جزوی اور عاقبت میں کلی جزاء	۱۶۳
فائدہ عجیبہ و غریبہ در صورت ہلاکت امم سابقہ	۱۶۸
قومی تقلب و ملکی انقلاب	۱۶۹
ایرانیوں اور رومیوں کا زوال اور فتوحات فاروقیہ	〃
سکرات کے وقت جزوی جزا سزا	۱۷۱
عالم برزخ یا قبر میں بھی جزوی عذاب و ثواب	۱۷۳
ایک شبہ کا ازالہ کہ جو دفن نہیں کئے جاتے اُن کو کس طرح عذاب قبر ہوتا ہے	〃
روح اور بدن کا تعلق پانچ طرح پر ہے	۱۷۴
عالم برزخ کی راحت و تکلیف کی تقسیم تین طرح پر ہے	۱۷۵
اول عالم مثال و خواب	〃
تجسد معانی کی رویت بعض کاملین کو عیاناً بھی ہو جاتی ہے	۱۷۷
مؤلف تفسیر کا اپنا واقعہ	۱۷۷
دوسری اور تیسری صورت	۱۷۸
امام غزالی اور عذاب قبر	〃
تتمہ بحث عالم برزخ	۱۷۹
کلی فیصلہ قیامت کو ہوگا۔	۱۸۱
فیصلہ کے لئے تقرر تاریخ	〃
اس کے وجوہات	۱۸۲
قیامت یوم الجمع ہونے کی آیات	۱۸۳

مضمون	نمبر صفحہ
میعاد کا تقرر خدا کے اختیار میں ہے	۱۸۳
سورہ بیار کی تازہ [illegible]	۱۸۴
تناسخ عالم کی بعض آیات	۱۸۵
عمل وزن کے تین مرتبے	[illegible]
وزن اعمال	۱۸۶
غیر جسمانی امور کا وزن	۱۸۷
حافظ ابن حزم رح اور وزن اعمال	۱۸۸
تردد و شک کی دو صورتیں	۱۹۰
امام غزالی اور وزن	〃
امام رازی اور وزن	۱۹۱
قرآن اور اعمال نامہ	۱۹۱
دو پیارے کلمے ہلکے اور بھاری	۱۹۲
حساب کے بعد جنت یا دوزخ	۱۹۳
قرآن کا مذہب جسمانی جنت و دوزخ کا ہے	۱۹۴
فہرست نعمائے جنت و تکالیف دوزخ	〃
رد تشبیہات و اعتراضات	۱۹۶
ایک منکر اسلام اور ایک قائل اسلام کے اقوال کا مقابلہ اور اُن کے جوابات	۱۹۷/۱۹۹
تحقیقی جواب	۲۰۰
ابدیت جنت و دوزخ اور حجت استقرائی	۲۰۰
شیخ بو علی سینا کی نصیحت	۲۰۱
حضرت ابن عباسؓ اور نعمائے جنت کے نام	۲۰۲
یہ دنیا اور اس کی نعمتیں	۲۰۳

مضمون	نمبر صفحہ
تثنیہ اور جنت پر اعتراض	۲۰۴
امکان حشر اجساد	۲۰۵
ردّ تناسخ	۲۰۹
قائلان تناسخ کے جواب	۲۱۳
تحقیق حقیقت	۲۱۵
تتمہ بحث تناسخ	۲۱۹
سورت فاتحہ اور مسئلہ ذات وصفات باری تعالیٰ	۲۲۴
ان چار صفات کی ترتیب	″
ہدایت درباره نکتہ معرفت	۲۲۴
تفسیر ایاک نعبد	۲۲۵
ارتباط بماقبل	″
صنعت التفات میں نکتہ	۲۲۶
شرک کی ابتدا وہم پرستی سے ہے	۲۲۶/۲۲۷
قرآن نے وہم پرستی دور کی	″
تمدن کی ہیئات ترکیبی	″
آنحضرت صلعم کا سب سے بڑا کمال	″
ایاک نعبد میں کاف ضمیر کو کیوں مقدم کیا	″
لفظ ایا کی مختلف لغات	۲۲۸
عبادت صرف خدا کا حق ہے	۲۲۹
آدمی کے حالات تین زمانوں پر	۲۳۰
لفظ عبادت کے معنے	″
اقسام عبادت	۲۳۱
وایاک نستعین	۲۳۱
صیغہ خطاب کا مکرر لانا	″
عبادت کے بعد استعانت کا ذکر	″
دعا بھی ایک قسم کی عبادت ہے	۲۳۲

مضمون	نمبر صفحہ
تبتل الی اللہ	۲۳۲
رسوم شرکیہ اور مذہب حنفی	۲۳۳
ازالۂ شبہات	″
تحفۂ عزیزیہ متعلق واسطہ و وسیلہ	۲۳۵
انبیاء و صلحا کی قبروں کو مسجد بنانے کی ممانعت	″
عناصر پرستی اور شرک میں ترقی	۲۳۶
فائدہ۔ سب کاملین کے کمال خدا کی دین ہیں	۲۳۷
نماز کے سب اذکار اور حرکات شرک کی تردید کرتے ہیں	۲۳۸
فائدہ دربارہ درود شریف	۲۳۹
تقرر درود شریف میں شرک کی تردید	۲۴۰
کلمہ شہادت میں عبدہ ورسولہ کی تعلیم سے شرک کی تردید	۲۴۰
اپنے خرید کردہ غلام کو بھی عبدی نہ کہو	۲۴۱
سیاسی نکتہ دماغ کو روشن کرنے والا	″
آیت ایاک نعبد الخ شان الوہیت اور مقام عبدیت کی بات ہے	۲۴۲
ایاک نعبد الخ کے مشترک معنی	۲۴۳
فائدہ اسلام کا امتیازی کمال توحید خالص ہے	″
اهدنا الصراط المستقیم	۲۴۵
ارتباط بماقبل	۲۴۶
حل لغات۔ ہدایت	″

مضمون	نمبر صفحہ
صراط مستقیم	۲۴۷
تفسیر شہادت آیات و اقتباس فوائد	″
استقامت کیا ہے؟	۲۴۹
اصحاب استقامت کی قدر	۲۵۲
صراط مستقیم کیا ہے؟	″
اسکی توضیح	۲۵۳
ہدایت ضروری متعلق خرچ مال و برداشت قرض	۲۵۵
تفسیر صراط الذین انعمت علیہم	۲۵۷
ترکیب نحوی۔ ارتباط و لطائف نحویہ	۲۵۸
تبصرہ متعلق اضافت صراط	۲۵۹
توضیح اقسام انعامات	۲۶۰
المغضوب کے بعد غیر المغضوب	۲۶۱
صراط مستقیم والے اور لازم والے چار گروہ ہیں۔	″
توضیح مقامات اربعہ **نبوت**	۲۶۲
سب انبیاء و رسل پر ایمان واجب	۲۶۳
توضیح متعلق اقسام کفر	۲۶۴
مسلمان ہونے میں ایمانی ترقی	۲۶۸
تفہیم متعلق اہل قرآن	۲۶۹
مسئلہ سیادت آنحضرت ؐ	۲۷۰
آیات و وجوہات فضیلت آنحضرت ؐ	″
سب انبیاء کے اسم پر لفظ یا اور آنحضرت ؐ کے عہدے پر یا	″
منادے معرف باللام کی خصوصیت	۲۷۳
رجوع بمطلب	″
نتیجہ تفصیل	۲۷۴
ہر دو آیات عسیٰ ان یبعثک اور ولسوف یعطیک میں ترقی شفاعت کا وعدہ ہے۔	۲۷۵

مضمون	نمبر صفحہ
آیت دو فضائل [illegible]	[illegible]
تنبیہ و رجوع بمطلب	۲۷۷
چوتھی قسم کے کفار دریائی مدشر اور آخر خطرناک ہیں	″
ازالہ شبہ دربارہ تعیین مذہب	۲۷۹
آیت ان الذین امنوا والذین ھادوا الخ اور بعض لوگوں کے شبہات	۲۸۰
قرآن اور بائیبل کا مقابلہ	۲۸۱
اس آیت کے اندر کلمات مثبت نبوت ہیں	۲۸۲
یہودی، نصرانی، صابی سب نبوت کا اقرار کرتے ہیں	″
شہادت پر دیگر آیات	۲۸۳
شبہات نمبر ۱ و نمبر ۲	۲۸۴
سورہ بقرہ کے پہلے اور دوسرے رکوع کی بعض آیات	۲۸۵
چوتھا قرینہ۔ ذکر قیامت سے ثبوت نبوت	۲۹۰
پانچواں قرینہ حال آدم سے ثبوت نبوت	″
صبغۃ اللہ یعنی خدائی رنگ کے لئے نبی کی ضرورت	۲۹۱
چھٹا قرینہ وعدہ اجر ثبوت نبوت	۲۹۳
پیغمبر خدا کی اطاعت واجب	۲۹۴
صراط الذین انعمت علیہم اور صراط مستقیم	۲۹۸
[illegible] کی خدمت میں [illegible]	۳۰۰
تتمہ بحث اور مسلمانوں کی بعض تفرقات	۳۰۰ / ۳۱۱

مضمون	نمبر صفحہ
آیت ولقد کتبنا فی الزبور اور حوالجات بائبل	۳۱۶
مرتبہ صدیقیت	۳۲۱
حضرت صدیق اکبر کا مرتبہ	۳۲۲
نکتہ سینے کو ٹھنڈا کرنے والا	۳۲۵
خلافت راشدہ	۳۲۷
مرتبہ شہادت	۳۳۰
ایمان شہودی استدلالی وتقلیدی میں فرق	۳۳۲/۳۳۳
مرتبہ صلاحیت	۳۳۴
صلاحیت کے دو مقام	〃
پہلا مقام ولایت	〃
دوسرا مقام نبوت	۳۳۶
نکتہ۔ آفتاب ظاہری و باطنی	۳۳۸
محدثین اور خلافت معنوی	۳۳۹
غیر المغضوب علیہم ولا الضالین	۳۴۱
ارتباط بما قبل	〃
ترکیب نحوی	〃
تنبیہات و نکات	۳۴۲/۳۴۴
حقیقت غضب	۳۴۴
اسباب غضب	۳۴۴
حقیقت ضلالت	۳۴۶
بدعت ضلالت ہے	۳۴۷
نکات	۳۴۸/۳۵۰
طریق استدلال	۳۵۰
تنبیہات ثلثہ	۳۵۱
تتمہ	۳۵۲

مضمون	نمبر صفحہ
الاجمال بعد التفصیل	۳۵۳
ساتوں آیتوں میں ربط باہمی	۳۵۴
آیات فاتحہ اور آنحضرت کی نبوت کا ثبوت	۳۵۵
التماس مکرر	۳۵۶
فہرست خاتمہ تفسیر	
فصل اول در ختم نبوت	۳۵۷
وجوہ اجرائے نبوت	〃
دوسری وجہ ہر قوم میں الگ نبی	۳۶۱
لطیفہ متعلق مرزائے قادیانی	۳۶۳
حفاظت قرآن وحدیث کے اسباب	۳۶۴
ختم نبوت کے خاص دلائل	۳۶۷
آیت ختم نبوت کا شان نزول	〃
خاتم کے معنے	۳۶۹
احادیث ختم نبوت	۳۷۱
آنحضرت کے بعد کا مدعی نبوت کاذب ہے۔	۳۷۴
تعریضات مرزائے قادیانی	۳۷۵
بحث چہارم۔ رد شبہات	
شبہ اول۔ آیت صراط الذین انعمت علیہم کے متعلق	۳۸۰
شبہ دوم ختم کے معنے میں تبدیلی	۳۸۳
فصل دوم۔ آمین بالجہر	۳۸۹
لفظ آمین کا اصل اور معنے	〃
آمین کا رواج	۳۹۰
سورت فاتحہ اور آمین	〃

مضمون	نمبر صفحہ
اسرار و فضائل آمین	۳۹۱
امام مقتدی اور منفرد ہر ایک آمین کہے	۳۹۲
اونچی قراءت میں اونچی آمین	۳۹۳
اسمائے صحابہ و تابعین و ائمہ مجتہدین و علماء و شراح حدیث قائلین آمین بالجہر	۴۰۰
حدیث دان حنفی علماء	۴۰۱
صوفیائے کرام قائلین بالجہر	۴۰۵
آمین بالجہر کی حکمت	۴۰۷
فصل سوم در حکم سورت فاتحہ در نماز	۴۰۷
نماز کی صورت اور حقیقت	〃
نماز اور سورت فاتحہ میں مناسبت	〃
حدیث قدسی میں فاتحہ کا نام الصلوۃ کیوں رکھا	〃
قراءت قرآن اور نماز	۴۱۰
مطلق قراءت سب کو مسلم ہے	۴۱۱
مقدمہ در شناخت ارکان	〃
رکنیت فاتحہ کے مفصل دلائل	۴۱۴
پہلی دلیل۔ لا صلوۃ الخ	〃
دوسری دلیل۔ قسمت الصلوۃ الخ	۴۱۷
تیسری دلیل سبعا من المثانی	۴۲۲
دفع دخل سبعا من المثانی	〃
قراءت فاتحہ خلف الامام کے خاص دلائل	۴۲۵
امام المغازی محمد بن اسحاق کی روایت فاتحہ خلف الامام	۴۳۲
قراءت فاتحہ و حضرات حنفیہ	۴۳۶
عذر اول آیت فاقرءوا ما تیسر من القرآن	〃
تنبیہ اسکا پہلا جواب	۴۳۸

مضمون	نمبر صفحہ
اسکا دوسرا جواب	۴۴۰
حضرات حنفیہ کی دوسری دلیل حدیث مسیئی الصلوۃ مع جواب	۴۴۶
زیادت فصاعدا اور اسکا جواب	۴۴۷
حضرات حنفیہ کی تیسری دلیل آیت اذا قرئ القرآن الخ	۴۵۲
اس کا جواب	〃
تحقیقی جواب	۴۵۵
امام بخاری اور آیت فاستمعوا	۴۶۱
حضرات حنفیہ کی چوتھی دلیل حدیث من کان له امام	۴۶۲
تنبیہ ضروری اجمالی طور پر سب روایات کا جواب	۴۶۷
حضرت امام ابوحنیفہ اور بعض محققین حنفیہ	〃
حضرات صوفیہ قائلین قراءت خلف الامام	۴۷۲
مسئلہ ادراک رکوع	۴۷۳
نماز جنازہ اور سورت فاتحہ	۴۸۱
اختتام کتاب	۴۸۴
قرآن کی تفسیر کے پانچ طریقے	〃
شکر و دعا بدرگاہ خدا	۴۸۶
عام ناظرین سے گذارش	۴۸۸
معذرت	〃

بندۂ ضعیف
محمد ابراہیم میر سیالکوٹی
۲۹ رجب ۱۳۵۵ھ موافق ۱۸ اکتوبر ۱۹۳۶ء

تصحیح اغلاط طباعت تفسیر واضح البیان

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲	۱۲	آنْحَمَ	اَنْحَمُ
۴	۱۳	یَحقَہٗ	یَلْحقُہٗ
۵	۴	السّوال	السُّؤال
۶	۵	منتدلّ	اسْتَدَلّ
۱۵	۱۱	مَتَرادِیا	مُتَرادِیا
۲۴	۲	بے	سے
〃	۳۱	ص۵	ص۱۲
۲۳	۲	بے	سے
۲۵	۳	خُدا کا بے	خُدا کا شریک ہے
۲۷	۲۰	سنہ ۱۳۴۳ھ	سنہ ۱۱۴۳ھ
۳۰	۱۱	سِرّہٗ	سَرّہٗ
۳۸	۳	اَلفرقانَ	اَلفُرقانِ
۴۳	۱	ص ۲۷	ص ۴۲
۵۰	۴	الشُرُوعْ	الشُّرُوعُ
۵۶	۱۱	الضُّرَّ	الضُّرُّ
۸۵	۸	پڑھ گیا	پڑ گیا
۱۰۵	۱۳	وحدا بنۃ	واحد انیتہ
۱۰۸	۱۱	وَ اِنّ	اِنّ
〃	۱۲	(پ۔ مومنون)	(پ۔ انبیاء)
۲۰۶	۲۳	سمجھانے کے	سمجھانے کیلئے
۲۱۳	۷	دیتا ہے	دیتا ہے اور جب میں بیمار پڑتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے۔
۱۲۴	۱۱	نہیں ہے	نہیں ہیں
۱۶۱	۱۳	کرتے ہیں	کرتی ہے
۰۱	۱۵	کو	کی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۹۷	۲۲	الاَدْنیٰ	الاُدْنیٰ
۱۹۹	۵	نیل کر	نکل
〃	۲۰	رہتی	رہتا
۲۱۱	۲۱	جاکر نالمی بنجاتی ہے	جاکر غیر ظلق بنجاتی ہے
۲۲۸	۲۳	اِیا	اِیّا
〃	〃	اِیّا	اِیا
۲۴۷	۵	مستقیم ل	مستقیم کی طرف
۲۴۰	۹	کُحّل	کحل
〃	۱۸	بُری	بُرائی
۲۵۰	۴	فاستقیموہ	فاستقیمو
〃	〃	آمرت	اُمِرتَ
۲۷۷	۱۰	کفار سے	کفار کے لئے
۲۸۹	۹	کبیگا	کریگا
۲۹۳	۱۳	لینے	لینا
۳۰۰	۱۴	کے	کا
〃	۱۵	پڑے	پڑا
۳۰۶	۱۷	سبیلاً اور باریک	سبیلاً باریک
۳۱۷	〃	نہ کا	نہ اُن کا
۳۰۹		کر کیا	کرلیا
۳۱۳	۱۹	عَلم	عُلم
۳۱۷	۲۲	نہ ہوگی	ہوگی
۳۲۰	۸	صلاحت	صلاحیّت
۳۲۳	۹	الاسلاہ	الاسلامَ
۳۲۴	۱۲	سمہ	مسیلمہ
۳۲۶		بعض لوگ اور مسلمان	بعض لوگ اور نفاق نے سر بلند کیا اور مسلمان

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۳۲	۱۰	سے	لے
۳۳۳	۱۹	کلاہت	کلمات
۳۳۶	۴	کثیرا	کثیرٌ
〃	۱۷	لوں	یوں
۳۴۴	۲	خف لاں	خذلان
〃	۲۰	نہیں ہیں۔	نہیں ہے
〃	〃	پائی جاتی ہیں	پائے جاتے ہیں
۳۴۷	۷	کتاب	کتاب پر
۳۵۱	۲۱	تو وہ اُسکی	تو اُسکی
۳۵۲	۱۹	اور صاف	اوصاف
۳۶۰	۱	مستلم	متسلم
۳۶۵	۲۱	کا ایک	کا ایک ایسا
۳۶۸	۷	تم سے	تم میں سے
۳۶۹	۸	حاطۂ	احاطۂ
۳۸۶	۶	دینے والی بنائی گئی	دینے والی اور پیدا کی گئی
۴۰۳	۱۷	سنن ماجہ	سنن ابن ماجہ
〃	۱۸	کتاب الامام	کتاب الام
۴۰۵	۲۰	فالمرید،	فالمزید،
۴۱۸	۶	مرکب سے اُسکی	مرکب ہو اُسکی
۴۲۴	۹	خواہ	×
۴۳۰	۱۱	امام داؤد	امام ابوداؤد
۴۴۰	۱۱	خاتمہ	فاتحہ

اس وقت تک مطبع سے ۱۷۲ اوراق مطبوعہ میرے پاس ۴۳۴ صفحات تک پہنچے ہیں۔ اسلئے باقی اوراق کی تصحیح نہیں ہوسکی۔

میر سیالکوٹی

بغیر اجازت کوئی نہ چھاپے

الرحمن علم القرآن

عبرت دیدار زپیغام گرفتیم مشتاق تو دیدن نہ شنیدن نشناسد

تفسیر سورت فاتحہ

واضح البیان فی تفسیر ام القرآن

از نتائج مطالعہ وافکار

خاکسار حافظ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی

شعبان سنہ ۱۳۵۲ھ مطابق نومبر سنہ ۱۹۳۳ء میں

برقی ثنائی پریس امرتسر میں

باہتمام ابورضا عطاء اللہ پرنٹر طبع ہوئی اور مصنف نے اپنے دفتر الہادی سیالکوٹ سے شائع کی

بسم الله الرحمن الرحيم

الخطب الجياة

على وجه براعة الاستهلال فى محامد الله ذى الجلال ومدائح كلامه المعجز فى الانتضال: ونعوت نبيه وصفيه صاحب الجمال ومناقب اله واصحابه اهل الكمال

الخطبة الاولى الغير المنقوطة فى محامد الله تعالى

لا اله الا الله محمد رسول الله

اول الامور والاوامر حمد الله الاول الاحد، الواحد الملك العدل الصمد، الحكم الواسع الودود، المصور السلام المحمود، هو الله لا اله الا هو، ولا ملك ولا مولى للماسور سواه، سامع العود والهود والدعاء، وسامح المكارم والالاء، علم ادم الاسماء كلها، وحمل اولاده سهلا وطودا وماءا، اعلى سمك السماء، وسطح المهاد واسر الماء، له الحول والعلاء، وله الطول والعطاء، مصحح الداء ومحول الهموم واللاواء، ارحم الرحماء، واكرم الكرماء، علام الاسرار ومحاء للمعار والاصار، ممطر الامطار، ومسهل الاوطار، مكور الدهور، ومصلح الامور، مسكن المهاد و

...الأطوادَ ... حمداً لا أحدَ ولا أمدَ له، وأحمده حمداً لا أمدَ له

وَلَا كَدَّ مَعَهُ، حَامِدُهُ كُلُّ مَا سِوَاهُ، وَسَائِلُهُ كُلُّ مَا سِوَاهُ، وَالسَّلَامُ الْأَكْمَلُ الْأَعَمُّ

عَلَى رَسُولِهِ الْأَكْرَمِ وَمُرْسَلِهِ الْمُكَرَّمِ مُحَمَّدٍ، مَوْدُودِ كُلِّ صَالِحٍ وَمَحْسُودِ كُلِّ

طَالِحٍ، أَرْسَلَهُ اللهُ الْعَلَّامُ، مُسَدِّدًا لِعَقَائِدِ الْإِسْلَامِ، وَمُمَهِّدًا لِمَسَالِكِ صَوَالِحِ

الْأَحْكَامِ، وَمُحَدِّدًا لِحُدُودِ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ، وَمُبَدِّدًا لِأَعْدَاءِ الْإِسْلَامِ، أَعْطَاهُ اللهُ

مَرْفُوعَ الْآلَاءِ وَأَصْعَدَهُ مَصَاعِدَ السَّمَاءِ، حَصَّلَ لَهُ الْمَرَامَ وَكَمَّلَ عَلَاهُ

الْإِكْرَامُ، وَعَدَهُ اللهُ الْوَدُودُ، الْمَوْرِدَ الْأَطْهَرَ، وَالْمَحَلَّ الْمَحْمُودَ، وَلِوَاءَ الْحَمْدِ

وَالْعَطَاءَ الْمَوْعُودَ الْمَعْهُودَ، وَعَلَى أَعْرَاسِهِ إِمَامِ أَهْلِ الْإِسْلَامِ، وَأَوْلَادِهِ الْأَطْهَارِ

الْكِرَامِ وَرَهْطِهِ الْأَحْرَارِ، أُولِي الْأَحْلَامِ وَسَائِرِ رُسُلِ اللهِ وَأَمْلَاكِهِ أُولِي الْعُلَاءِ وَالْإِكْرَامِ

الْخُطْبَةُ الثَّانِيَةُ فِي أَوْصَافِ الْقُرْآنِ الْمَجِيدِ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْأَكْرَمِ، الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ، عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ، أَرْسَلَ

رَسُولَهُ بِالْهُدٰى وَدِينِ الْحَقِّ إِلَى النَّاسِ كُلِّهِمْ عَرَبِهِمْ وَعَجَمِهِمْ وَأَوْحَى إِلَيْهِ رُوحًا

مِّنْ أَمْرِهِ فَجَعَلَهُ نُورًا يُسْتَضَاءُ بِهِ فِي الظُّلَمِ، وَدَوَاءً يُسْتَشْفٰى بِهِ مِنَ السَّقَمِ، وَ

خَطَابًا مُعْجِزًا أَعْجَزَ فُصَحَاءَ الْأُدَبَاءِ وَبُلَغَاءَ الْخُطَبَاءِ وَنُجَبَاءَ الشُّعَرَاءِ مِنَ الْعَرَبِ

الْعَرَبَاءِ، عَنِ الْإِتْيَانِ بِمِثْلِهِ فَأُفْحِمُوا وَأُبْكِمُوا، وَلَمْ يَنْهَضْ نَاهِضٌ مِنْ زُعَمَائِهِمْ

بِالْإِتْيَانِ بِمَا يُمَاثِلُهُ أَوْ يُسَاوِيهِ، وَلَمْ يَنْبِضْ لِأَحَدٍ مِنْ عُظَمَائِهِمْ عِرْقُ

الْعَصَبِيَّةِ بِمُعَارَضَتِهِ بِمَا يُوَازِيهِ أَوْ يُدَانِيهِ فِي الْهِدَايَةِ وَجَمْعِ الْكَلِمِ،

مَعَ اشْتِهَارِهِمْ وَتَفَاخُرِهِمْ فِي الصَّنَاعَةِ وَالرَّقْمِ، قُرْآنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ

بِأَظْهَرِ بَيِّنَاتٍ وَأَبْهَرِ حُجَجٍ لِإِظْهَارِ الْحَقِّ الْحَقِيقِ وَإِزْهَاقِ الْبَاطِلِ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ

وَإِدْحَاضِ الْمُبْطِلِينَ الْعَوَاطِلِ فِي قَعْرٍ عَمِيقٍ، أَمَرَ فِيهِ وَأَزْجَرَ وَبَشَّرَ وَأَنْذَرَ

وَوَعَظَ وَذَكَّرَ، قَصَّ عَنِ الْأُمَمِ السَّالِفَةِ لِمَنِ اعْتَبَرَ وَتَذَكَّرَ وَضَرَبَ الْأَمْثَالَ

لِمَنِ اتَّعَظَ وَتَفَكَّرَ، شَهِدَ الضَّمَائِرُ بِوُجُودِهِ، وَاعْتَرَفَتِ الْقُلُوبُ بِنَوَالِهِ وَجُودِهِ

نَصَبَ دَلَائِلَ تَوْحِيدِهِ لِمَنْ نَظَرَ فِي عَجَائِبِ مَصْنُوعَاتِهِ وَبَيَّنَ بَرَاهِينَ صِدْقِ

رَسُولِهِ لِمَنْ تَفَكَّرَ فِي مُحْكَمِ آيَاتِهِ، فَأَوْضَحَ الْمَحَجَّةَ وَلَمْ يَدَعْ لِأَحَدٍ الْحُجَّةَ، جَمَعَ

فِيهِ أَنْوَاعَ الْعُلُومِ، مَا يَقْصُرُ عَنِ الْإِحَاطَةِ بِهَا الْفُهُومُ، لَا تَنْتَهِي عَجَائِبُهُ بِانْتِهَاءِ

الدُّهُورِ، وَلَا تَنْقَضِي غَرَائِبُهُ بِانْقِضَاءِ الْعُصُورِ، جَعَلَهُ دُونَ كُلِّ مُعْجِزَةٍ بَاقِيًا

عَلَى الْأَعْصَارِ، وَسَائِرًا مِنْ بَيْنِ الْكُتُبِ فِي الْأَمْصَارِ، لَا يَغْلِبُهُ حُجَّةٌ وَلَا يَلْحَقُهُ عِلْمٌ

بَلْ يَكَادُ زَيْتُهُ يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ، مُصَدِّقًا لِمَا سَلِمَ مِنَ الْكُتُبِ

السَّالِفَةِ مِنَ التَّحْرِيفِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ مِنَ التَّزْيِيفِ، مُخْبِرًا عَنِ الْوَقَائِعِ الْآتِيَةِ

وَالْأُمُوْرِ الْغَائِبَةِ، وَمُطْلِعًا عَلَى الْفِتَنِ الْهَائِلَةِ وَالْحَوَادِثِ النَّازِلَةِ
فَوَاللهِ الَّذِيْ بِأَمْرِهٖ قَامَتِ الْأَرْضُ وَالسَّمٰوٰتُ، وَتَلَوَّنَتْ مِنْ رَشَحَاتِ فَيْضِهٖ
الْخَضْرَاوَاتُ، وَوَضَعَتْ دُوْنَ سُدَّةِ حَضْرَتِهٖ نَوَاصِي الذُّلِّ وَالْاِبْتِهَالِ، وَ
وَبُسِطَتْ إِلٰى بَابِ رَحْمَتِهٖ أَيْدِي التَّضَرُّعِ وَالسُّؤَالِ إِنَّهٗ لَكِتَابٌ عَزِيْزٌ لَا يَأْتِيْهِ
الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ، تَنْزِيْلٌ مِنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ه وَصَلَّى اللهُ
عَلٰى نَبِيِّهِ الْأُمِّيِّ سَيِّدِ الْكَائِنَاتِ نَاسِخِ الْاِنْجِيْلِ وَالتَّوْرٰتِ، اَلْمَأْذُوْنِ
بِالشَّفَاعَةِ الْكُبْرٰى فِي الْعَرَصَاتِ، وَعَلٰى اٰلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ أَرْبَابِ الْفَضَائِلِ وَالسَّعَادَاتِ
مَا تَدُوْمُ الْأَرْضُ وَتَقُوْمُ السَّمٰوٰتُ.

اَلْخُطْبَةُ الثَّالِثَةُ

فِي

نُعُوْتِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَمَنَاقِبِ اٰلِهٖ وَأَصْحَابِهِ الْكِرَامِ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْمَحْمُوْدِ بِكُلِّ لُغًى، اَلْمَعْبُوْدِ بِالْحَقِّ لِمَنْ أَطَاعَ أَوْ طَغٰى لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ه
لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى، أَنْزَلَ الْقُرْاٰنَ بِأَفْصَحِ اللُّغٰى وَأَبْلَغِ الْحِجٰى، هُدًى لِّلنَّاسِ
وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدٰى، وَجَعَلَهٗ نُوْرًا يَسْتَضِيْئُ بِهٖ فِي الدُّجٰى مَنْ سَلَكَ مَسَالِكَ
التُّقٰى وَتَجَنَّبَ مَهَالِكَ الرَّدٰى، فَشَيَّدَ مَبَانِيَهٗ غَايَةَ التَّشْيِيْدِ وَالرَّسٰى، وَالَّذِ

مَعَانِيهِ نِهَايَةَ التَّأْكِيْدِ فَمَا أَجْلٰى وَمَا أَحْلٰى، وَفَضَّلَهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّلَمْ يَجْعَلْ لَّهُ
عِوَجًا فَلَا مَانِعَ لِمَا أَمَرَ وَلَا نَاقِضَ لِمَا قَضٰى، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ
الْمُجْتَبٰى وَنَبِيِّهِ الْمُرْتَضٰى وَأَمِيْنِهِ الْمُصْطَفٰى مُحَمَّدٍ الْمَبْعُوْثِ بِالْحُجَجِ بِعَدَدِ
الْحَصٰى، صَاحِبِ اللِّوَاءِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالشَّفَاعَةِ الْكُبْرٰى، سَيِّدِ مَنْ وَّطِئَ الْأَرْضَ
وَالْحَصٰى، وَسَنَدِ مَنِ اسْتَدَلَّ لِلْأَمْرِ وَتَأَسّٰى، نَصَبَ مَعَالِمَ الدِّيْنِ لِلْوَرٰى، بَعْدَ
مَا كَانَتْ أَبْعَدَ مِنَ الثُّرَيَّا بَلْ أَقَلَّ مِنْ لَا، وَأَغْضٰى لِلّٰهِ عَلَى الْقَذٰى، وَأَمَاطَ
الْأَذٰى عَنِ الطَّرِيْقَةِ الْمُثْلٰى، وَعَلٰى اٰلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ أُولِي الْمَكَارِمِ وَالنُّهٰى، الْعَارِضِيْنَ
بِالْحَقِّ لِمَنْ تَصَدّٰى لِلْجُحُوْدِ أَوْ طَغٰى، أَئِمَّةِ مَنْ رَكِبَ الْفَرَسَ، وَمَطٰى يَوْمَ الْوَغٰى
وَسَادَةِ مَنْ سَارَ فِيْ نُصْرَةِ الدِّيْنِ وَسَعٰى فَيَا بُشْرٰى لِمَنِ احْتَذٰى حَذْوَهُمْ
وَاقْتَدٰى، وَطُوْبٰى لِمَنِ اهْتَدٰى بِهَدْيِهِمْ وَاقْتَفٰى، صَلٰوةً وَّسَلَامًا عَدَدَ مَا لَا يُحْصٰى

أَمَّا بَعْدُ

فَيَقُوْلُ الْعَبْدُ الضَّعِيْفُ سَمِيُّ خَلِيْلِ اللّٰهِ الْحَنِيْفِ مُحَمَّدُ إِبْرَاهِيْمُ مِيْرُ
الْكَاشْمِيْرِيُّ أَصْلًا وَّمَحْتِدًا وَّالسِّيَالْكُوْتِيُّ وَطَنًا وَّمَوْلِدًا طَالَمَا كَانَ الْأَحِبَّةُ
يُلِحُّوْنَ عَلَيَّ وَيُظْهِرُوْنَ الْفَقْرَ لَدَيَّ وَإِلَيَّ أَنْ أُفَسِّرَ لَهُمُ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ
بِلِسَانِهِمُ الْهِنْدِيِّ، أَوْ أُتَرْجِمَهُ وَأُعَلِّقَ عَلَيْهِ الْحَوَاشِيَ تَكْشِفُ عَنْ وُجُوْهِ

لطائفہ الغواشی، فکنت اطوی عن ذلک کشحاً و اضرب صفحاً، و اعتذر الیھم قلۃ بضاعتی و ضعف مساعتی، و فقدان من ارجع الیہ فی حل المشکلات و کشف المعضلات، و انتھی الیہ فی فتح المغلقات، و فھم دقائق الاشارات، و اخذ حقائق العبارات، و عدم وجدانی من اثق بہ فی مزال الاقدام و اعتمد علیہ فی تقریر المرام لان العلم قد ضعف نماءہ، و ذھب رواءہ و بھاءہ و نضا ماءہ و رتق ارضہ و سماءہ کیف لا و قد اخبر الصادق المصدوق بانہ یقل العلم و یکثر الجھل (البخاری) و قال ایضاً ان اللہ لا یقبض العلم انتزاعاً ینتزعہ من العباد و لکن یقبض العلم بقبض العلماء (ق بخاری) فالعلماء الحذاق قد ارتحلوا الی القبور و من خلفھم اقتصروا دون اللبوب علی القشور فوقع ما قال النبی المعصوم حتی اذا لم یبق عالم اتخذ الناس رؤساء جھالاً فافتوا بغیر علم فضلوا و اضلوا (ق۔ البخاری) فیا لیتنی مت قبل ھذا و لم ار ھذا الزمان المشؤم و علی ذلک کان یمنعنی کثرۃ الاشغال و یعوقنی تقلب الاحوال، فاعتذرت الی الاحبۃ ثانیاً عدم مقدرتی فلم یسمعوا معذرتی بل شرعوا فی معتبتی و سلقونی بالسنۃ حداد و انذرونی اللجم الشداد، ظناً منھم انی لا امنح علیھم ما فتح اللہ علیّ من الرشاد

فخضعت عنقی لجلال الکبیر المتعال وتذکرت قیامی فی حضوره لحساب الاعمال
فترکت اشغالی وشمرت لانجاح التماسهم اذیالی، فهربت من الحضارة الی الجبل
التعالی، کی اوصل فی التجرد امالی، واخترت الزاویة فی الوادی وتجنبت المحافل
(ای المجالس ۱۲)
والنوادی، فاقمت هنا شهرا الا یوما او یومین، فشرعت فی تحریر مسودة
تفسیر الفاتحة وجمعت فیها اشیاء کثیرة من فوائد لطیفة ونکات عجیبة
فی اسبوعین بفضل الله رب الخافقین.

ثم خطر ببالی الفاتر ان الله سمی الفاتحة بالقرآن العظیم وقال النبی
الکریم صلعم انها ام القرآن واساسه فواجب ان افسرها علی نمط بدیع
حیث اجری فی ذیل کلماتها آیات القرآن مراعیا وحدة المرام فی کل مقام
لیدل علی انها متن متین والقرآن کله شرحها المبین. کیف لا ویقول
منزله الرءوف کتاب احکمت آیاته ثم فصلت من لدن حکیم خبیر (هود)
فاردت ان اجعل تفسیرها جزءا مفردا من تفسیر الکبیر المسمی
بتبصیر الرحمن الذی قصدت تحریره ونویت تحبیره بحول الله
القدیر، واسمیه واضح البیان فی تفسیر ام القرآن. فکررت النظر فی
البیاض واخذت اقتبس الاوابد من الغیاض، واجمع متفرقات الفضاض

وَشُرُوحِ الْمَعَاقِدِ لِلْاِمْتِحَانِ فَجَاءَ بِحَمْدِ اللّٰهِ (كَمَا سَتَرَاهُ) مَا يَرُوقُ النَّوَاظِرَ وَيَسُرُّ الْخَوَاطِرَ
وَيُزِيحُ وَسَاوِسَ الصُّدُورِ وَيُزِيلُ دَسَائِسَ اَهْلِ الْفُتُورِ فَوَاللّٰهِ الَّذِي خَضَعَتْ
لِجَلَالِ عِزَّتِهِ وُجُوهُ الْاَبْطَالِ، وَعَجَزَتْ عَنْ اِدْرَاكِ حِكْمَتِهِ عُقُولُ اَهْلِ الْكَمَالِ
اِنَّ الْفَاتِحَةَ لَشَامِلَةٌ عَلٰى جَمِيعِ مَقَاصِدِ الْقُرْاٰنِ، حَافِلَةٌ لِمُهِمَّاتِ اَرْكَانِ الْاِيْمَانِ
جواب قسم ۱۲
وَهٰذَا التَّفْسِيرُ الْمُسَمّٰى بِوَاضِحِ الْبَيَانِ فِيهِ حَلُّ رُمُوزِهَا الْمَحْجُوبَةِ، وَكَشْفُ كُنُوزِهَا
الْمَسْتُورَةِ، لَمْ يَاْتِ مِنَ الْاَقْرَانِ (فِيمَا اَعْلَمُ) اَحَدٌ بِمِثَالِهِ وَلَمْ يَنْسِجْ نَاسِجٌ عَلٰى مِنْوَالِهِ
فَهُوَ حَرِيٌّ بِاَنْ يَرْغَبَ فِيهِ الْعَوَامُّ وَالْخَوَاصُّ، وَيَصْرِفُوا نَفَائِسَ اَوْقَاتِهِمْ فِي
مُطَالَعَتِهِ كَالْجَصَّاصِ وَيَبْذِلُوا الْكَرَائِمَ اَمْوَالِهِمْ فِي تَحْصِيلِهِ بِكَمَالِ الْاِخْلَاصِ مِنْ قَبْلِ
اَنْ يَاْتِيَ اَمْرٌ لَا مَحِيصَ عَنْهُ وَلَا مَنَاصَ

هٰذَا وَلَا اَفْتَخِرُ بِهِ لِاَنَّ الْفَخْرَ عِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُوهٌ مَذْمُومٌ، وَالْمُفْتَخِرُ مِنْ فَضْلِ
اللّٰهِ مَحْرُومٌ. وَلَمْ اَفْعَلْ فِي ذٰلِكَ شَيْئًا غَيْرَ اَنِّي اَرَزْتُ اِلَى الْفَاتِحَةِ مَا كَانَ فِي الْقُرْاٰنِ
بتقديم المهملة ۱۲
مُتَفَرِّقًا فِي بَابِهَا، وَاَبْرَزْتُ مَا كَانَ كَامِنًا فِي خِطَابِهَا، فَتَحَصَّنْتُ بِحِصْنِ الْقُرْاٰنِ
اٰمِنًا وَاحْتَرَزْتُ كُلَّ الْاِحْتِرَازِ اَنْ اَخْرُجَ عَنْ دَائِرَتِهِ بَائِنًا، وَهٰذَا سَهْلٌ عَلٰى مَنْ
رَزَقَهُ اللّٰهُ حِفْظَ كِتَابِهِ وَمَنَحَ عَلَيْهِ فَهْمَ خِطَابِهِ وَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ وَلَمْ
اَقُلْ فِيهِ شَيْئًا مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِي حَذَرًا اَنْ يَمْتَلِئَ نَارًا رَمْسِي لِاَنَّ التَّفْسِيرَ بِالرَّاْيِ
مِنْ غَيْرِ مُسْتَنَدٍ حَرَامٌ وَصَاحِبُهُ فِي الدَّارَيْنِ مُلَامٌ وَهَا اَنَا اَبْرَءُ اِلَى اللّٰهِ

[illegible] بادغاً مولعاً بمطالعة الكتب مات رحمه الله سنة [illegible] ۱۲ منه

وَاسْتَغْفِرُهٗ مِنْ كُلِّ كَلِمَةٍ تُخَالِفُ مُرَادَ اللّٰهِ اَوْ لَا تُطَابِقُ بَيَانَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اَوْ تُفَارِقُ تَفْسِيْرَ جَمَاعَةِ الصَّحَابَةِ اَوْ لَا تُوَافِقُ اَسَالِيْبَ الْفَصَاحَةِ وَالْبَلَاغَةِ فَبِاللّٰهِ اسْتِنَادِیْ وَعَلَيْهِ اِعْتِمَادِیْ فِیْ هٰذِهٖ وَيَوْمَ التَّنَادِیْ،

مُقَدِّمَةٌ[1]

فِی

اُصُوْلِ التَّفْسِيْرِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَثْبَتَ اُصُوْلَ دِيْنِهٖ وَاَعْلٰى فُرُوْعَهٗ فِی السَّمَآءِ وَشَيَّدَ مَبَانِيَهٗ بِاَحْسَنِ خِطَابِهٖ وَاَحْكَمَ اَسَاسَهٗ بِمُحْكَمِ كِتَابِهٖ فَمَا اَتْقَنَ الْبِنَاءَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ بُعِثَ بِالْحَنِيْفِيَّةِ الْبَيْضَاءِ وَاُرْسِلَ بِالْحُجَجِ الْقَوَاطِعِ وَالْحِكَمِ الْبَوَالِغِ فَاَفْحَمَ بِهَا عَرَبَ الْعَرْبَاءِ وَاُوْتِیَ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ فَاَبْكَمَ مَصَاقِعَ الْخُطَبَاءِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الَّذِيْنَ شَمَّرُوْا لِتَسْبِيْحِ دِيْنِهٖ فِی الْعُمْرَانِ وَالْبَيْدَاءِ وَسَعَوْا فِیْ اِحْيَاءِ اٰثَارِهٖ عَلٰى رَغْمِ اُنُوْفِ الْاَعْدَاءِ وَعَلٰى تَابِعِيْهِمْ

[1] قال الزمخشری رح فی الفائق المقدمة الجماعة التی تتقدم الجیش من قدم بمعنی تقدم وقد استعیرت لاول کل شیء فقیل منه مقدمة الکتاب ومقدمة الکلام وفتح الدال خلف (صفحہ ۲) وتبعه التفتازانی رح فی المطول حیث ... علی الکسر وقال المقدمة من قدم بمعنی تقدم مدة جلال (صفحہ ۳۴)

بإحسان من الباذلين جهدهم في إشاعة أمره وإذاعة هديه في بيوت المدر والأخبية

أما بعد فاعلم (أرشدك الله وإياي إلى سبيل الرشاد وهدانا إلى طريق السداد) أن
أحسن الطرق إلى تفسير القرآن الحكيم وأسلم المناهج إلى فهم كلام الله الكريم
وأقرب الموارد إلى شرح مقاصده وأقوم السبل إلى حل معاقده وضبط شوارده هو
التفسير بآياته البينات لأن الله نزل الكتاب منجما لفصل الخطاب وتحقيق الصواب
(كما قال عز برهانه) وقال الذين كفروا لولا نزل عليه القرآن جملة واحدة
كذلك لنثبت به فؤادك ورتلناه ترتيلا ولا يأتونك بمثل إلا جئناك بالحق وأحسن
تفسيرا (الفرقان پ۱۹) (وقال تعالى شانه) وقرآنا فرقناه لتقرأه على الناس على مكث ونزلناه
تنزيلا (بنی اسرائیل پ۱۵) (وقال سبحانه) الر كتاب أحكمت آياته ثم فصلت من لدن
حكيم خبير (هود پ۱۲)، فما أجمل في موضع فإنه قد فصل في موضع آخر فلذلك
سمي القرآن متشابها مثاني (حيث قال تعالى) الله نزل أحسن الحديث كتابا متشابها مثاني
(زمر پ۲۳)، قال ابن جبير رح عن ابن عباس مثاني قال القرآن يشبه بعضه بعضا ويرد بعضه
على بعض[۱] وقال في مجمع بحار الأنوار ومنه المتشابهات يصدق بعضه بعضا[۲] ۱۲

ثم التفسير بالأحاديث النبوية (على صاحبها الصلوة والتحية) لأن الله اصطفاه
بالرسالة وأنزل عليه كتابه لأداء الأمانة وعلمه بيانه مبينا لما أراد من خطابه

[۱] ابن کثیر جلد ۹ صفحہ ۱۲ ۱۲ منہ [۲] مجمع البحار ۲ صفحہ ۲۲۲ ۱۲ منہ

مَعنَی الکَلامِ وَالمُقتَضَبِ مِنْ قُوَّةِ الشَّرعِ وَهٰذَا هُوَ الَّذِی دَعَا بِهِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِابْنِ عَبَّاسٍ حَیثُ قَالَ اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِی الدِّینِ وَعَلِّمْهُ التَّاوِیلَ وَالَّذِی عَنَاهُ عَلِیٌّ بِقَولِهِ اِلَّا فَهْمًا یُؤْتَاهُ الرَّجُلُ فِی الْقُرْاٰنِ وَمِنْ هُنَا اخْتَلَفَ الصَّحَابَةُ فِی مَعْنَی الْاٰیَةِ فَاَخَذَ کُلٌّ بِرَاْیِهِ عَلٰی مُنْتَهٰی نَظَرِهِ وَلَا یَجُوزُ تَفْسِیرُ الْقُرْاٰنِ بِمُجَرَّدِ الرَّاْیِ وَالْاِجْتِهَادِ مِنْ غَیْرِ اَصْلٍ قَالَ اللّٰهُ وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِهٖ عِلْمٌ وَقَالَ اَنْ تَقُولُوا عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ[1]

اَلتَّنْبِیهُ (فَاِنْ قُلْتَ) اِذَا کَانَ الْقُرْاٰنُ بِنَفْسِهٖ کِتَابًا مُفَصَّلًا وَبَیَانًا وَاضِحًا وَلَمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ فِیهِ رَیْبًا وَلَا عِوَجًا وَعَلٰی ذٰلِکَ یُفَسِّرُ بَعْضُهٗ بَعْضًا، وَاَیْضًا بَیَّنَهُ النَّبِیُّ صَلْعَمْ بِعَمَلِهٖ وَاِرْشَادِهٖ بَیَانًا شَافِیًا، فَمَا الْحَاجَةُ اِلٰی تَفْسِیرِهٖ ثَانِیًا وَکَیْفَ وَقَعَ الْاِخْتِلَافُ فِی مَطَاوِی التَّفْسِیرِ وَمَجَارِی التَّعْبِیرِ

(قُلْتُ) اَلْقُرْاٰنُ کَلَامٌ بَدِیعُ النَّظْمِ لَطِیفُ الْفَهْمِ جَمَعَ الْمَعَانِیَ الرَّشِیقَةَ وَالْاَسْرَارَ الدَّقِیقَةَ فِی الْاَلْفَاظِ الْعَدِیدَةِ، وَطَوَی النِّکَاتَ اللَّطِیفَةَ فِی مَطَاوِی الْعِبَارَاتِ الْوَجِیزَةِ وَحَوَی الْمَطَالِبَ الْعَالِیَةَ وَالْمَقَاصِدَ الْبَاسِقَةَ الَّتِی لَا یَعْرُجُ عَلٰی اَکْثَرِهَا اِلَّا الْجَهَابِذَةُ وَلَا یَطَّلِعُ عَلٰی اَوْفَرِهَا اِلَّا الْمَهَرَةُ الْکَمَلَةُ فَنَاسَبَ بَلْ وَجَبَ اَنْ یُبْرَزَ اَسْرَارُهٗ وَیُکْشَفَ اَسْتَارُهٗ لِاَنَّ التَّفْسِیرَ تَفْعِیلٌ مِنَ الْفَسْرِ وَهُوَ الْبَیَانُ وَالْکَشْفُ وَیُقَالُ هُوَ مَقْلُوبُ السَّفْرِ تَقُولُ اَسْفَرَ الصُّبْحُ اِذَا اَضَاءَ، وَقِیلَ مَاخُوذٌ مِنَ التَّفْسِرَةِ وَهِیَ اِسْمٌ لِمَا یَعْرِفُ بِهِ الطَّبِیبُ الْمَرَضَ[2] وَاَمَّا الْاِخْتِلَافُ فَلَمْ یَکُنْ فِی الصَّحَابَةِ اِلَّا قَلِیلًا جِدًّا وَکَذَا فِی تَلَامِیذِهِمْ اَیِ التَّابِعِینَ

[1] تفسیر اتقان جلد ثانی ص ۱۷۹ ۱۲ منہ [2] اتقان للسیوطی رحمہ جلد ۲ ص ۱۷۳ ۱۲ منہ

لَهُمْ بِالْإِحْسَانِ الَّذِيْنَ أَخَذُوا الْقُرْآنَ عَنْهُمْ بِالْإِتْقَانِ وَأَمَّا مَنْ بَعْدَهُمْ مِنْ أَئِمَّةِ
السُّنَّةِ فَغَالِبُ اخْتِلَافِهِمْ فِي الْاِسْتِنْبَاطَاتِ وَالْمَصَادِيْقِ وَالْمَحَامِلِ وَهٰذَا هُوَ اخْتِلَافُ
التَّنَوُّعِ لَا اخْتِلَافُ التَّضَادِّ وَذٰلِكَ لِأَسْبَابٍ (مِنْهَا) سِعَةُ كَلَامِ الْعَرَبِ، قَالَ الشَّافِعِيُّ[1]
لِسَانُ الْعَرَبِ أَوْسَعُ الْأَلْسِنَةِ مَذْهَبًا وَأَكْثَرُهَا أَلْفَاظًا وَلَا نَعْلَمُهُ يُحِيْطُ بِجَمِيْعِ عِلْمِهِ
إِنْسَانٌ غَيْرُ نَبِيٍّ (وَمِنْهَا) شُيُوْعُ عُلُوْمِ الْعِلْمِيَّةِ الْيُوْنَانِيَّةِ (وَمِنْهَا) تَنَوُّعُ أَذْوَاقِ
الطَّبَائِعِ وَتَفَنُّنُ الْمَنَاهِجِ وَالْمَسَالِكِ (وَمِنْهَا) تَفَاوُتُ مَدَارِجِ الْعِلْمِ وَتَفَارُقُ
مَعَارِجِ الْفَهْمِ وَالْقُرْآنُ جَامِعٌ لِجُمَّةٍ، حَاوٍ عَلَى جُمْلَةِ الْمَسَالِكِ الْمُهِمَّةِ ط
أُصُوْلُهُ لَا تَتَنَاقَضُ وَفُرُوْعُهُ لَا تَتَعَارَضُ (فَالْفَقِيْهُ) مَثَلًا يَنْظُرُ فِي آيَةٍ لِاسْتِنْبَاطِ
الْأَحْكَامِ الْعَمَلِيَّةِ، أَوْ يَحْمِلُ النَّظِيْرَ عَلَى النَّظِيْرِ لِيُطَابِقَ بَيْنَ الْجُزْئِيَّاتِ الْفِقْهِيَّةِ
(وَالْمُتَكَلِّمُ) يُلَاحِظُ فِيْهَا تَطَابُقَ الْمَعْقُوْلِ وَالْمَنْقُوْلِ وَإِقَامَةَ الْحُجَّةِ وَإِلْزَامَ الْخُصُوْمِ
(وَالْأَدِيْبُ) يَتَغَوَّصُ فِيْ بِحَارِ الْأَدَبِ مُرَاعِيًا أَسَالِيْبَ الْعَرَبِ (وَالزَّاهِدُ)
يَرَى الْحَقَّ سُبْحَانَهُ بَاقِيًا وَمَا سِوَاهُ فَانِيًا فَيُفَسِّرُ حَقَائِقَ الْعِبَارَاتِ بِدَقَائِقِ
الْإِشَارَاتِ (فَكُلٌّ) يُفَسِّرُ بِحَسَبِ رُجْحَانِ قَلْبِهِ وَمَيَلَانِ طَبْعِهِ، وَأَنْتَ خَبِيْرٌ
بِأَنَّ هٰذَا لَيْسَ بِاخْتِلَافٍ مَعِيْبٍ فِي الْحَقِيْقَةِ بَلْ مَنْشَأُهُ اخْتِلَافُ طَبَائِعِ الْخَلِيْقَةِ
وَمَا أَلُوْفَاتِهِمُ الْأَنِيْقَةِ، فَالْعَيْنُ وَاحِدَةٌ وَالْمَشَارِبُ مُتَشَعِّبَةٌ، وَالْقِبْلَةُ
وَاحِدَةٌ وَالْجِهَاتُ مُتَفَرِّقَةٌ، فَأَخَذَ كُلٌّ مَشْرَبَهُ، وَذَهَبَ مَذْهَبَهُ، وَهٰذَا

[1] الرسالة الاصولية مع المضمومة بكتاب الام ص۱۲ منه

أَمْرٌ لَا يَتَعَجَّبُ مِنْهُ الْفُحُولُ، وَلَا يَرْتَابُ فِيهِ أَرْبَابُ الْعُقُولِ، لِأَنَّ الْكَلَامَ الَّذِي لَيْسَ لَهُ مَعْنًى ثَانٍ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ السَّاقِطِ عَنْ دَرَجَةِ الْاِعْتِبَارِ عِنْدَ الْبُلَغَاءِ[1] بَلْ هُوَ حَرِيٌّ بِأَنْ يُعَدَّ مِنْ أَصْوَاتِ الْبَهَائِمِ الْعَجْمَاءِ وَأَمَّا اخْتِلَافُ أَهْلِ الزَّيْغِ وَالْعِنَادِ فَلَا يَعْبَأُ بِهِ عَاقِلٌ فَضْلًا عَنْ عَالِمٍ كَامِلٍ أَوْ فَاضِلٍ نَاضِلٍ فَهَا أَنَا أَشْرَعُ فِي الْمَقْصُودِ بِحَوْلِ اللّٰهِ الْمَعْبُودِ، وَالْاِلْتِمَاسُ مِنَ الْكُمَّلِ أَنْ يَعْفُوا الزَّلَلَ وَيَسُدُّوا الْخَلَلَ لِأَنَّ جُهْدَ الْمُقِلِّ مَشْكُورٌ وَبَاذِلَ الْوُسْعِ مَعْذُورٌ فَإِنْ أَصَبْتُ فَمِنَ اللّٰهِ الْكَرِيمِ وَإِنْ أَخْطَأْتُ فَمِنْ نَفْسِي اللَّئِيمِ وَاللّٰهَ أَسْأَلُ أَنْ يَعْصِمَنِي مِنَ الْخَطَلِ وَيَحْفَظَنِي مِنَ الْخَبَلِ،

وَأَنَا عَبْدُهُ النَّاسُوتِيُّ مُحَمَّدٌ إِبْرَاهِيمُ مِيرُ السِّيَالْكُوتِيُّ

[1] مطول بحث تعقيد ١٢ منه

(كتبه محمد [illegible] السيالكوتي عفي عنه)

وَإِنَّهُ فِي أُمِّ الْكِتَابِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيمٌ

وَاضِحُ الْبَيَان

فِي تَفْسِيرِ

أُمِّ الْقُرْآن

لِلْعَبْدِ الْحَقِيرِ النَّاسُوتِي

الحافظ محمد ابراهيم مير السيالكوتي

دیباچہ تفسیر

واضح البیان

فی

تفسیر امّ القرآن

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ مُنَزِّلِ الْقُرْاٰنِ ۞ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۞ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدِنِ الْمَبْعُوْثِ بِوَاضِحِ الْبَيَانِ وَاَوْضَحِ الْبُرْهَانِ ۞ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الْمُبَلِّغِيْنَ عَنْهُ بِرُسُوْخِ الْعِلْمِ وَوُثُوْقِ الْاِذْعَانِ ۞ مَادَامَ الْقَمَرَانِ وَدَارَ الدَّوَرَانُ ۞

امّابعد پس بندہ حقیر محمد ابراہیم میر سیالکوٹی نکتہ رس اور دقیقہ شناس اصحاب کی خدمت میں عرض پرداز ہے۔ کہ قرآن مجید ایک بحر ناپیدا کنار ہے۔ کیونکہ وہ کلام خالق جبار ہے۔ ہزار برس سے زائد عرصہ گذر گیا۔ کہ بڑے بڑے نامی علماء جو اپنے اپنے زمانے میں آسمانِ علم و فضل کے آفتاب و ماہتاب ہوئے ہیں۔ کیا محدثین مثلاً امام ابوجعفر طبریؒ اور حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ اور کیا متکلمین مثلاً امام فخر الدینؒ

رازی رح اور قاضی بیضاوی رح اور کیا زبانِ عرب کے کامل اُستاد و ادیب مثلاً جار اللہ زمخشری رح اور کیا اصحابِ اشاراتِ دقیقہ مثلاً محی الدین ابن عربی رح سب نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق قرآن شریف کی تفسیریں لکھیں اور اپنے علم و فہم کی رسائی بھر حلِ مطالب۔ استنباطِ مسائل۔ کشفِ لطائف اور بیانِ نکات میں پوری کوشش کی خدا تعالےٰ اُن سب کو جزائے خیر عطا کرے لیکن قرآن مجید ابھی تک اسی طرح ہے۔ کہ اُسکو کسی نے چھوا تک نہیں۔ کیوں نہ ہو۔ عالم الغیب حکیم و خبیر کا کلام ہے۔ جس کے کام یعنی خلق کے اسرار ابھی تک محصور نہیں ہو سکے۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے علمائے مادیات گھبرا کر پکار اُٹھے۔ Nature Unsubdued

یعنی قدرت کے کام کسی کے احاطہ میں نہیں آسکتے۔ تو اُسکے امر و کلام کے اسرار و حِکَم کس طرح ختم ہو سکیں۔ چنانچہ اسی معنی میں فرمایا:-

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّىْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّىْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا (کہف پ ۱۶)	اے پیغمبر! اِن سے کہدو کہ اگر میرے ربّ کے کلمات کے لئے سمندر سیاہی بن جائے۔ تو البتہ سمندر ختم ہو جائیگا پیشتر اسکے کہ میرے ربّ کے کلمات ختم ہوں۔ اگرچہ ہم اُسکی مثل اور مدد لائیں۔

انسانی حوائج و تعلقات اور اپنے زمانے کی ضروریات پر نظر رکھنے والے علماء نے قرآن مجید میں سے صراحتاً یا رمزاً و اشارۃً ضروریات کو پورا کیا۔ لیکن انقلابِ زمانہ میں سے یہ بھی ہے کہ لوگوں کی ذہنیت ہر زمانہ میں بدلتی رہتی ہے اور اُسی کی متابعت میں اُنکی طبیعتیں اثر پذیر ہوتی ہیں۔ بعض امور ایک زمانہ میں بطور مسلّمات و مبادی کے تسلیم کیے جاتے ہیں۔ اور اُنپر کسی دلیل کی حاجت نہیں ہوتی۔ بلکہ دلیل کا مطالبہ قابلِ ملامت و موجب تحقیر سمجھا جاتا ہے لیکن دوسرے زمانے میں وہی اُمور محتاجِ دلیل بلکہ محلِ انکار ہو جاتے ہیں۔ بلکہ قرآن مجید کے نصوصِ متعلقہ اور شواہدِ قدرت سے اعراض کرنا موجبِ فخر و علم و دانش سمجھا جاتا ہے۔ اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْاَشْيَاءَ كَمَا هِیَ ؎

دیگر یہ کہ کسی دعوے کے بیان کرنے یا دعوے اور دلیل میں مطابقت کے واضح کرنے۔ یا اُسکی تائید میں نظائر کے پیش کرنے۔ یا کسی حُکم کی علت کے قرار دینے اور اُسے اُس کے نظائر میں دائر کرنے اور مخالفین کے شبہات و اعتراضات کے جواب دینے میں ہر ایک عالِم کا مذاقِ طبع اور طرزِ استدلال اور طریقِ بیان جدا ہوتا ہے۔ اور ہر ایک کے علم کی وسعت اور استقلالِ ذہن اور دماغ کی رسائی کے مدارج بھی مختلف ہوتے ہیں۔ اسلئے ہر عالم کا فرض ہے۔ کہ اپنی تحریر و تقریر اور تدریس میں اپنے مذاقِ طبع اور ذوقِ علمی کے ساتھ اپنے زمانے کی ذہنیت اور

روش کا بھی لحاظ رکھے تاکہ ابنائے زمان اُس سے فائدہ حاصل کرسکیں ۔
تحدیثاً بنعمۃ اللہ کہتا ہوں نہ فخراً کہ خدائے ذوالجلال کا احسان ہے کہ اس نے اِس ہیمدان کو مذاق جامع کے ساتھ اپنے زمانے کی ذہنیت و روش کی سمجھ بھی بخشی اور تحریر و تقریر و تدریس میں اُسکو ملحوظ رکھنا بھی سمجھایا ہے اور سب سے بڑھکر یہ احسان ہے کہ سب مذاقات و مراعات کو قرآن و حدیث کی تصریحات اور خدا و رسول کی منشا کے ماتحت رکھنے کی توفیق بخشی ہے۔ اور معقول و منقول کی موافقت و مطابقت میں سوار کو سردار اور خادم کو خادم رکھنے کی قوت بھی عطا کی ہے۔ ان ہر دو طراق کی جامعیت ہر زمانے میں نہایت کم رہی ہے اور ایسے علما ہر زمانے میں خال خال رہے ہیں ؎

در کفے جامِ شریعت در دگر سِندانِ عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سِندان باختن

شکایتِ زمانۂ حال

پہلے زمانوں میں اتنی خیر تھی کہ مخالفین سے مناظرہ کرنیوالے مسائلِ دینیہ میں تصنیف کرنیوالے۔ قرآن شریف کا درس دینے والے۔ اور اُس کا ترجمہ و تفسیر لکھنے والے علما اہلِ کمال ہوا کرتے تھے اور کمالِ علمی کے علاوہ جمالِ عملی سے بھی مزین ہوتے تھے وہ اپنی ذمہ داری کو محسوس کرتے تھے لیکن اِس زمانے میں تو یہ آفت ہے۔ کہ یہ سب کام یعنے **مناظرہ و وعظ گوئی تصنیف و تالیف درس قرآنی اور تفسیر نویسی** پیشہ ہو گئے ہیں۔ کہ اُن کو وجہ معاش کے طور پر اختیار کیا جا رہا ہے۔ اور ہر کس و ناکس نہایت جرأت و دلیری سے اُن میں قدم انداز ہو رہا ہے۔
بعض اردو یا انگریزی خوان جنکی قابلیت کا مدار محض اُردو یا انگریزی تراجم ہیں۔ یا کسی عالم کی صحبت کی وجہ سے مذہبی مذاق رکھتے ہیں۔ اور خود براہ راست علوم متعلقہ قرآن و حدیث اور دیگر فنونِ عقلیہ سے ناواقف ہیں اور اس تہیدستی اور کم مائگی کے بعد کج فہمی و فسادِ اعتقاد اور زیغِ قلبی کے آفت زدہ بھی ہیں۔ اور ان سب کے بعد باوجود تمام اسبابِ علم و فہم سے خالی ہونے کے اُن کے دماغ پر ہمہ دانی کا جن بھی سوار ہے۔ وہ بھی علامہ تفتازانی بنکر قرآن شریف کا درس دینے بیٹھ جاتے ہیں۔ یا مخالفین کے مقابلے میں ڈٹ جاتے ہیں۔ بلکہ اُن میں سے بعض نہایت جرأت کرکے قرآن شریف کی تفسیر بھی لکھ ڈالتے ہیں۔ وہ درس میں۔ مناظرہ میں۔ عام تصنیف میں تفسیرِ قرآن میں اجتہادی اُموریں نہیں۔ بلکہ اعتقادی اور بنیادی اُصول میں، نصوصِ قرآن و حدیث کی بھی پرواہ نہیں کرتے اور بالکل بیفکر ہو کر سلف صالحین اور قواعدِ علمیہ اور بڑے بڑے ائمہ کی تصریحات کے خلاف بیحاو

وباطل تاویلیں بلکہ تحریفیں کرتے جاتے ہیں۔ ایسے مدرس۔ ایسے مناظر ایسے مفسر بجائے اس کے کہ قرآن کے مطالب بیان کریں۔ اور اسکی تفسیر بتائیں۔ اگر اعتقاداً اور قولاً نہیں تو عملاً تو ضرور قرآن مجید کی ترمیم کرنا چاہتے ہیں۔ پھر غضب یہ کہ شرک وبدعت۔ کفروضلالت تاویلِ باطل وتحریف کا نام حقائق ومعارف نکات ولطائف رکھا جاتا ہے۔ اور اسپر لوگوں کی بدمذاقی کا یہ عالم ہے۔ کہ ان اباطیل کو جھوم جھوم کر اور سبحان اللہ سبحان اللہ کہکر ملنے کے لئے تیار ہیں۔ فالی اللہ المشتکیٰ۔ یہ سب کچھ قلتِ علم اور ذمہ داری کو نہ سمجھنے کی آفت سے ہے۔ والعیاذ باللہ ✣

خوش اعتقاد احباب کا تقاضا

زمانے کے حالات سے متاثر ہو کر اور اُسکی ضرورت کو سمجھ کر بعض خوش اعتقاد احباب محض اپنے حسنِ ظن سے سالہاسال سے میرے گرد ہو رہے تھے اور باوجود میرے انکار پر انکار کرنے کے وہ لگاتار اصرار پر اصرار کر رہے تھے (اور بعض تو بارہا ناراضی کا اظہار بھی کر چکے ہیں)۔ کہ میں اُردو زبان میں قرآن شریف کی ایک تفسیر لکھوں۔ جس میں قرآن وحدیث کی تصریحات کی ماتحتی میں مذاق وضروریاتِ زمانہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے قرآن شریف کے لطائف اور تعلیمِ قرآن کے اسرار وحِکم ظاہر کروں یا کم از کم اردو ترجمہ اور حاشیہ پر فوائدِ مفیدہ متضمنِ لطائف ونکات لکھوں جنمیں منکرین کے شبہات واعتراضات کے جواب اور ملحدین کے الحاد کی تردید اور بعض کم علم وکج اعتقاد مترجمین ومفسرینِ زمانہ کی غلط فہمی ومغالطہ دہی اور کجروی کو بھی طشت ازبام کروں ✣

ہر چند کہ ان دوستوں کا سوال واصرار ضرورت کے لحاظ سے بالکل بجا تھا۔ اور ان کی یہ خواہش وآرزو نہایت نیک اور مقصد بہت پاک تھا لیکن میں اس خدمت کے پورا کرنے سے بچند وجوہ قاصر رہا۔

اوّل۔ اس وجہ سے کہ تفسیرِ قرآن کے لئے جو علمی وعملی قابلیت درکار ہے۔ وہ مجھ میں نہیں ہے۔ اور جو صاحب مجھے اس قابل جانتے ہیں وہ حسنِ ظنی سے کہتے ہیں۔ ورنہ من آنم کہ من دانم ✣

دوم یہ کہ خدائی توفیق کے بعد اس عظیم الشان خدمت کے انجام دینے کے لئے جن اسباب وآلات کی ضرورت ہے۔ وہ مجھے میسّر نہیں۔ اور جو کچھ کتب خانہ لوگوں کی نظر میں میرے پاس موجود ہے۔ وہ اس خدمت کے لئے میرے نزدیک کافی نہیں کسی کام کے باحسن صورت انجام دینے کے لئے جن اسباب کی ضرورت کاریگر کے ذہن میں ہوتی ہے۔ دوسرے لوگ اُسے نہیں سمجھ سکتے۔

سوم یہ کہ یہ زمانہ قلتِ علم اور قحط الرجال کا ہے۔ حلِّ مشکلات کے لئے میرے نزدیک جیسے علماء کی طرف رجوع

ضروری ہے وہ زمانۂ حال میں (حضرات علمائے عصر معاف رکھیں) بفحوائے اِنَّ اَلْکِرَامَ قَلِیْلٌ بہت کم ہیں اور اگر شامتِ اعمال سے کسی سے کچھ دریافت کرنے کی بیوقوفی کر بھی لیجائے تو اسکے یہ معنے ہیں۔ کہ فضیحت و رسوائی کا ٹیکا اپنے ہاتھوں سے اپنی پیشانی پر لگا لیا۔ اعاذنا اللہ منہا ؎

چہارم یہ کہ اگر ان سب مراتب سہ گانہ سے تجاوز بھی کر لیا جائے اور جو کچھ بھی خدا نے سمجھ بخشی ہے۔ اور جو اسباب و آلات اُس نے اپنے فضل سے عطا کئے ہیں بغیر کسی کی طرف رجوع کرنے کے صرف اُنہی سے کام لیا بھی جائے تو اُن دنیوی اشغال و فرائض کو بجالاتے ہوئے جو میرے گلے پڑ چکے تھے روزانہ ایک آیت بھی نہیں لکھ سکتا تھا بسا اوقات احباب کے تقاضے سے متاثر ہو کر کچھ لکھنا شروع بھی کیا۔ تو دو چار روز کے بعد پھر رہ گیا۔ کیونکہ جملہ اُمور جو کسی آیت کے متعلق خدا تعالےٰ نے محض اپنے کرم سے مجھے سمجھائے ہیں یا دیگر بزرگوں کی تفاسیر سے حاصل کئے ہیں اُن سب کے بیان کرنے میں خوفِ طوالت دامنگیر ہو جاتا اور اختصار و انتخاب سے اپنی طبیعت نہ بھرتی۔ بلکہ انتخاب میں تردد واقع ہو جاتا کہ کس بات کو چھوڑوں۔ اور کس کو لکھوں۔ پھر اس کا نتیجہ یہ ہوتا۔ کہ طبیعت اکتا کر چھوٹ جاتی۔ اور تفسیر و تحشیہ کا کام ترک کر دینا پڑتا ؎

دنیوی اشغال (انتظام زمینداری اور تعلقاتِ میونسپلٹی نے میرے اوقات کو ایسا گھیرا کہ عملاً علمی خدمت تو درکنار ذہناً دماغی توجہ میں بھی کمی ہو گئی۔ اِسی اُدھیڑ بُن میں کئی سال گذر گئے۔ اور میں بنی اسرائیل کی طرح اسی حیرت و تردد کے بیابان میں وہیں کا وہیں رہ گیا۔ آخر دنیوی اشغال و تفکرات دِن بدن بڑھتے گئے۔ و بدنی و دماغی قویٰ اضمحل ہونے لگے۔ اور قلبی حظوظ میں بھی کمی آنے لگی۔ تو مجھے اپنی حالت پر تاسف ہوا۔ اور میں نے اپنی اس نئی افتاد میں تبدیلی اور انقلاب ضروری سمجھا لیکن پیش افتادہ معاملات و تعلقات کو چھوڑنا اور شہر اور مُلک کے لوگوں سے منہ موڑنا آسان نہیں تھا۔ اِدھر خدا تعالےٰ نے میرے دل میں افسوس پیدا کیا۔ اور اُدھر ایک عزیز[1] نے جسے مجھ سے واقعیت سے زیادہ حُسنِ ظن ہے مجھے اِس مضمون کا خط لکھا کہ

"آپ کی عمر کا گرانمایہ حصہ رائگاں جا رہا ہے۔ صحت دن بدن خراب۔ اور قوت روز بروز کم ہو رہی ہے۔"

"جب قویٰ بالکل مضمحل ہو جائینگے۔ اور دل میں خدمت قرآن کا ولولہ جوش مارے گا۔ لیکن ضعف و ناتوانی"

"کے سبب کچھ نہ ہو سکیگا۔ تو جو افسوس و حسرت اُس وقت ہو گی۔ اُسکا تصور اسوقت کرکے"

"ترجمہ یا تفسیر قرآن کا کام شروع کر دیجئے۔ اور فہم قرآن کی جو نعمت خدا تعالےٰ نے آپ کو عطا کی ہے اُس سے لطائف"

---

[1] عزیزم مولوی ظفر اقبال صاحب سلمہ اللہ ایم اے۔ بی ٹی لیکچرار ٹریننگ کالج لاہور ۱۲ منہ

"وہ نکات قرآنیہ کے تشنہ لبوں کو سیراب وخوش کام کیجئے۔" (ولکذا)
میں عزیز مذکور کی اس تحریر سے بہت متاثر ہُوا۔ دو رکعت نمازِ توبہ کی نیت باندھی۔ گناہوں کی معافی اور اس نیک کام یعنے تفسیر قرآن کے لئے خدا تعالےٰ سے مدد طلب کی۔

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ عَضُدِیْ وَنَصِیْرِیْ بِكَ اَحُوْلُ وَبِكَ اَصُوْلُ
اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ وَسَاوِسِ الصَّدْرِ وَشَتَاتِ الْاَمْرِ

نماز اور دعا سے فارغ ہوکر قلم دوات پکڑ کر لکھنے بیٹھ گیا۔ کچھ مدت بعد خدا کی قدرت کا ظہور یوں ہونے لگا کہ میرے بدنی اور دماغی قویٰ دن بدن مضمحل ہونے لگے۔ اور اب میں اپنی گذشتہ غفلت وکوتاہی اور موجودہ ضعف وناتوانی پر کمال تاسف کرتا ہوں کہ اب سے پیشتر جو محنت آسانی وخوشی سے برداشت کر لیتا تھا۔ اب بمشکل بھی اس کا متحمل نہیں ہو سکتا ؎

صَرَفْتُ الْعُمْرَ فِیْ لَغْوٍ وَّلَہْوٍ فَھَاھَا ! ثُمَّ ھَاھَا ! ثُمَّ ھَاھَا !!!

گذشتہ رائگاں گئے وقت کی تلافی تو نہیں ہو سکتی۔ لیکن موجودہ حالت کو بھی غنیمت نہ سمجھوں اور خدا کی دی ہوئی بخشش کو اس کے بندوں میں تقسیم نہ کروں۔ تو مجھ سے زیادہ نادان کون ہوگا؟

لہٰذا اب سب طرف سے منہ موڑ کر اور خدا کی کتاب کو ہاتھ میں لیکر بیٹھ گیا ہوں۔ اب خدا کا کام ہے کہ اُسے پورا کرائے۔ صحت وفراغت نصیب کرے۔ اور جملہ مسائل اپنی منشا کے مطابق اور اپنے رسول مقبولؐ کی سنت کے موافق سمجھائے۔ میرے قصوروں اور میری لغزشوں سے درگذر کرے۔ اور میری اس ناچیز خدمت کو اپنے فضل عمیم سے قبول فرمائے۔ اور اسے دین ودنیا میں میرے لئے بھی اور دیگر مسلمانوں کے لئے بھی نافع ومفید بنائے۔

اٰمِیْنَ یَارَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ؛

اِلتماس ضروری

اِنسان ہوکر میں نہیں کہہ سکتا کہ غلطی سے پاک ہوں۔ اور وَفَوْقَ كُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ ۝ (پ ۱۳ یوسف) قرآن شریف میں پڑھ کر دعوے نہیں کر سکتا۔ کہ دیگر علمائے عصر سے بڑھ کر ہوں۔

لہٰذا اُن علما کی خدمت میں جو علم کو ایک خدا داد اور اجتہادی قوت سمجھتے ہیں اور اس نعمتِ عظمےٰ سے بہرہ اندوز ہیں اور تفاسیر متقدمین پر نظر بالغ رکھتے ہیں۔ اور میں اُن کی علمی قابلیت اور خلوص دینی کا بدل قائل ومعترف ہوں؛

التماس ہے کہ مَیں خدا کے فضل سے اُن اسباب علم سے جو تفسیر قرآن کیلئے درکار ہیں اپنی طاقت بھر پورے غور و خوض سے کام لیا ہے جیسا کہ مطالعہ سے آپ پر روشن ہو جائیگا۔ پھر بھی جانتا ہوں کہ میرے کام میں نہ خدا کے کلام میں، آپ کو کئی ایک خامیاں نظر آئینگی۔ سو بفوائے حدیث نبوی ؐ اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ (مسلم) اُمید ہے کہ آپ بجائے اس کے کہ دوسروں کے پاس زبان شکایت و ملامت کھولیں مجھے اطلاع دیکر ممنون فرمائینگے کیونکہ مجھے اطلاع دینے میں تو اصلاح کی اُمید ہو سکتی ہے۔ اور دوسروں کے پاس شکایت کرنے میں درِ فتنہ کھلنے کا اندیشہ ہے۔ جو آپ کو بھی پسند نہیں ہوگا۔ مَیں خدا کے فضل سے اُس پر اپنے فہم کی رسائی بھر غور کرونگا۔ اور سمجھ آجانے پر شکریہ کے ساتھ قبول کرونگا اور اگر کوئی معمولی لغزش یا اختلاف رائے ہو۔ تو اُمید ہے کہ اُس سے آپ بھی درگزر کرینگے۔

عام ناظرین سے گذارش ہے۔ کہ شاید آپ کو تفسیر میں کوئی ایسی بات بھی نظر آئے۔ جو آپ کے ذاتی خیال یا اختیار کردہ مذہب یا عوام کی روش و رواج کے خلاف ہو۔ سو آپ اُسے صرف اسی خیال سے درجۂ قبولیت سے نہ گرا دیں۔ کہ وہ اِن چیزوں کے موافق نہیں ہے۔ کیونکہ مَیں قرآن شریف کی تفسیر کر رہا ہوں۔ نہ کہ اس سے باہر کسی کے خیال یا مذہب یا لوگوں کی رسم و رواج کی ترجمانی۔ نزول قرآن کے وقت نہ آپ تھے۔ نہ مَیں تھا۔ نہ یہ مذاہب متفرقہ تھے۔ باقی رہے لوگوں کے رسم و رواج سو قرآن نے انکی اصلاح کر کے خدا کی شریعت قائم کر دی پس اِن باتوں کو تفسیر قرآن کی صحت کا معیار قرار دینا درست نہیں۔
جب کوئی بات اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک صلعم سے ثابت ہو جائے۔ تو ایک مومن کی شان یہ ہے۔ کہ اس کے سامنے سر جھکا دے اور کسی حیل و حجت کی گنجائش نہ رکھے۔ چنانچہ فرمایا:۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا (احزاب پ۲۲)	اور کسی ایماندار مرد یا عورت کو شایاں نہیں کہ جب خدا اور اُس کا رسول کوئی بات ٹھیرا دے۔ تو اُس میں اُن کا کوئی اختیار (باقی) رہے۔ اور جو خدا اور اُس کے رسول کے حکم سے سرتابی کرے گا۔ تو وہ صریح گمراہی میں پڑ چکا۔

خدا کے فضل سے اِس تفسیر میں یہ نہیں ہوگا۔ کہ مَیں خدا اور اس کے رسول صلعم اور جماعت صحابہ رضؓ کی تصریحات کے خلاف پہلے ایک بات کو اپنے ذہن میں قرار دے لوں اور پھر اُسکی تائید کے لئے آیات قرآنیہ کو توڑ مروڑ کر اپنے ناقص ذہن کے سانچے میں ڈھالوں اور اُسے بیان القرآن قرار دیکر اپنا معتقد بناؤں۔ میں اس بات کو سراسر حرام مطلق جانتا ہوں۔ میرا ذہن میری سمجھ۔ میرا علم میرا عقیدہ۔ میرا خیال۔ غرض سب کچھ قرآن و حدیث کے تابع ہے۔ اور ہونا چاہئے۔ پس مجھے اُن کے سانچے میں ڈھلنا چاہئے۔ نہ یہ کہ اُلٹا قرآن و حدیث کو اپنے ذہن اور اپنی سمجھ اور اپنے عقیدے کے تابع کروں کہ یہ عکس موضوع ہے

رشتہ در گردنم افگندہ دوست
می بُرد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

حضرت شیخ علی مہائمیؒ نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں تفسیر بالرائے کی کئی صورتیں لکھی ہیں۔ ایک اُن میں سے یہ ہے

وقیل المذموم جعل الرائی معیارا انما جاء بہ القرآن فیفسر علی وفقہ تقریراله ویترک ظاہر القرآن والمحمود جعل الرائی تابعا لدلالة القرآن (مقدمہ تفسیر رحمانی ص۶)	بعض نے کہا مذموم یہ ہے کہ جو کچھ قرآن لے کر آیا اُس کے لئے اپنی رائے کو معیار بنائے پس اپنی رائے کو ثابت رکھنے کے لئے اُس کے موافق تفسیر کرے اور ظاہر قرآن کو چھوڑ دے۔ اور محمود یہ ہے کہ اپنی رائے کو ہدایت قرآنی کے تابع کرے۔

مَیں خود ایسا کسطرح کر سکتا ہوں جب اس تفسیر کے لکھنے سے میری ایک غرض یہ بھی ہے کہ جو لوگ ایسا کر رہے ہیں۔ اُنکی غلط فہمی۔ مغالطہ دہی اور کجروی کو بھی طشت ازبام کردوں، (ص۵ تفسیر ہذا)
بس آپ مضبوطی سے گرہ دے لیجئے۔ کہ مَیں جس امر کو اختیار کرونگا۔ اُسمیں میری متفردانہ رائے نہیں ہوگی۔ بلکہ صاف صاف آیات قرآنیہ اور حدیث نبویہ میرے سامنے ہونگی۔ اور ایسے پاک نفوس کی ایک جماعت میرے ساتھ ہوگی۔ جو فرقہ بندیوں سے پیشتر تھے۔ ھٰذا واللہ الھادی۔

آپکا صادق محمد ابراہیم میر سیالکوٹی نزیل جموں مورخہ ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ ۲۱ اپریل ۱۹۳۳ء

معذرت و عرضِ حال

"زبانِ عربی" میری مادری زبان نہیں۔ بلکہ تعلیمی ہے تعلیمی زبان کو اُس زبان کے قواعد و محاورات سے سمجھا جاتا ہے۔ اور یہ درجہ اصلیت کے برابر نہیں ہوتا۔ تاہم خدا کا ہے۔ کہ اس نے مجھے قرآن شریف کی محبت عطا کی ہے۔ اور اسی محبت کی وجہ سے مَیں نے شروع جوانی ہی میں اپنے خاندانی حالات کو نظر انداز کر کے بجائے کرسی نشینی کے بوریا نشینی اختیار کر لی تھی[1] الحمد للہ کہ مَیں اِس حالت پر خوش ہوں۔ اور مجھے اس بات کا ہرگز افسوس نہیں ہے۔ کہ مَیں نے اس تبدیلِ وضع میں کچھ نقصان اٹھایا۔ بلکہ سراسر فائدہ پایا ہے۔ ایسا فائدہ جسے دنیادار نہیں پا سکتے۔ بلکہ مَیں خدا کا ہزار ہزار شکر کرتا ہوں۔ کہ اُس نے مجھے انگریزی کالج سے نکال کر اپنے دین کی خدمت میں لگا دیا ؎

منّت مِنہ کہ خدمتِ سلطاں ہمی کنی　　منّت بداں ازو کہ بخدمت گذاشتت

اسی محبت قرآنی کی وجہ سے اور قواعدِ زبان و اسلوبِ فصحا کی رعایت سے (کہ یہ بھی میری ذہنیت بلکہ طبیعت ہو گئی ہے) کوئی کوئی کار آمد بات سمجھ میں آجاتی ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ[2]

---

[1] اُستاذنا حضرت مولٰنا سیالکوٹی مصنّف تفسیر ہٰذا زید مجدہٗ کے والد ماجد جناب حاجی قادر بخش صاحب امیر مرحوم اپنے وقت میں شہر سیالکوٹ کے نامی رئیس اور امیر کبیر بزرگ تھے۔ سادگی اور تواضع کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ اہل علم کی بغایت عزت کرتے تھے۔ مجھ عاجز سے بھی کمال خلق سے پیش آتے تھے باوجود اسقدر تمول اور وسیع دنیاداری کے شب زندہ دار تھے۔ جہانتک مجھے یاد ہے نماز تہجد کبھی بھی فوت نہیں ہوئی ہوگی۔ قوی مضبوط تھے بیمار کم ہوتے تھے۔ ۹ محرم ۱۳۳۲ھ کو چھیاسی سال کی عمر میں وفات پائی۔ (خاکسار محمد الدین کاتب سیالکوٹی)

[2] اُستاد پنجاب محدث کامل حضرت مولانا حافظ عبد المنان صاحب مرحوم وزیر آبادی اپنے اُس اجازت نامہ میں جو انہوں نے اِس عاجز کو تدریسِ حدیث کے متعلق عنایت کیا تھا۔ فرماتے ہیں: "ان الاخ المکرم المفخم اعنی ابراهیم بن حاج الحرمین الناصر لسنة سید المرسلین۔ الخادم لخدام سنة سید الثقلین۔ اعنی مستری قادر بخش سیالکوٹی الکاشمیری منعه الله بعمره وعمل اولاده فی العقبی وفی هذه فقد قرء علیّ ترجمة القراٰن فی مواضع متعددة وصحیحی البخاری ومسلم مثل ذالك واشیاء من جامع الترمذی وسنن ابی داؤد وشرح النخبة وغیرها من دواوین السنة واستفاد منی بفوائد عجیبة ومسائل غریبة فی ازمنة متفرقة من علوم مختلفة اصولاً وفروعاً فطلب منی الاجازة فاجزت له بجمیع ما قرء علیّ وبجمیع ما یشتمل علیه فهرسی فعلیه ان یروی عنی جمیع ما اجزت له لانه ذو فهم ثاقب وصاحب فکر صائب ربما یتغوص فی بحار العلوم فیخرج منها اللؤلؤ والمرجان زاده الله علماً وعملاً ووفقه وعامله بالرحمة والرضوان فی سنة سید الانس والجان الخ (سنه ۱۳۱۶ھ)

(۲) اسی طرح شیخ الکل حضرت میاں صاحب مرحوم سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے اجازت نامہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ "ان المولوی ابراهیم بن قادر بخش السیالکوٹی الکشمیری قد قرء علیّ طرفاً الوفا من الصحاح الستة والمشکوٰة

عِلمِ اَسرارِ دین و لطائفِ قرآنِ مجید

اِس فن شریف کی قدر و منزلت اور اُسکی ضرورت و حاجت کی نسبت خاکسار اپنی طرف سے کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ صرف اُن بزرگوں کے الفاظ پر اکتفا کرنا چاہتا ہے جنکے فیوض سے اِس ہیچمرز ہیچمدان کو بہرہ ملا ہے۔

(۱) استاد الہند حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جنکی دقیقہ شناسی اور نکتہ رسی مسلم کل ہے اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔

"باید دانست کہ علمِ لطائف و نکاتِ قرآن علمیست کہ نہایت ندارد۔ و ہر روز در تزاید و ترقیست۔ زیرا کہ ہر صاحبِ فن بقدرِ حوصلہ و استعدادِ خود آنچہ متعلق بفنِ خود است ازین کلام مجید می آرد پس استیفائے این علم در دنیا ممکن نیست"۔ (ص۱۳ تفسیر عزیزی جلد اوّل)

(۲) اور اُن کے والد ماجد حجۃ الہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حجۃ اللہ میں علم حدیث کے متعلق فرماتے ہیں:۔ کہ اِس فن کے کئی طبقے ہیں جن اُن سب کا ذکر کرکے فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک علوم حدیثیہ میں سے سب سے دقیق اور عمیق اور سب سے اعلٰے و اولٰی اور ارفع و اعظم علمِ اسرارِ دین ہے۔ جسمیں احکامِ الٰہیہ کی حکمتوں اور اُنکی لمیات سے بحث ہوتی ہے اور خواصِ اعمال کے اسرار اور نکات مذکور ہوتے ہیں"

اِس کے بعد حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں:۔

خدا کی قسم یہ علم اِس بات کا سب سے زیادہ حقدار ہے کہ جو شخص اسکی طاقت رکھے وہ اپنے عمدہ اوقات اِس میں

مشکوٰۃ المصابیح و موطا مالک فعلیہ ان یشتغل باقراء ھذہ الکتب المذکورۃ و تدریسھا لانہ احق بھا واھلھا بسبب الاستعداد الخ (۱۳۱۶ھ)

(۳) اسی طرح حضرت الاستاذ مالک ازمۃ السنن مولانا عبید اللہ غلام حسن صاحب سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ جنکے فیض صحبت نے اِس گنہ گار کے ظاہر و باطن پر پرتو ڈالا۔ اور شریعت و طریقت کے حقائق و معارف کا دروازہ کھولا اور اُنکی وفات کے بعد وہ لطف کہیں نہ پایا تحریر فرماتے ہیں:۔

اما بعد علامہ فہیم مولوی حافظ محمد ابراہیم بارک اللہ فی عمرہ امین از اعزۂ اصحاب و اخص احباب وارشدِ اربابِ ارادتِ کاتب الحروف است۔ و در علومِ عقلیہ و نقلیہ مہارتِ کما ینبغی بہم رسانیدہ و در اکثرے ازاں علم ہمہ آں نسبتِ تلمذ باایں ہیچمیز درست داشتہ۔ و در زبانِ قصیر استفادہ فنونِ کثیرہ نمودہ۔ معہذا بکمالِ ذہن است و بمطالعۂ صحیح و فہم سلیم مناسبتِ متین پیدا کردہ۔ طبعِ نکتہ رس دارد۔ و دلِ بیدار۔ و باایں ہمہ بریاضات و مجاہدات و خلوصِ نیت و حسنِ طویت موصوف است۔ و از سعادت در رشد و اہلیت و شرم و حیا نصیبۂ وافی و بہرہ کافی نصیبِ اوست۔

ھذا ما اعلم واللہ حسیبہ، الخ ۱۲ منہ

خرچ کرے اور فرض عبادت کے بعد اسے اپنی عاقبت کا ذخیرہ اور توشہ بنائے "

اِس کے بعد حضرت شاہ صاحب اِس علم کی قدر و منزلت کی وجہ بتلاتے ہیں کہ انسان اِس سے امورِ شرعیہ کا علیٰ وجہ البصیرت عالم ہو جاتا ہے"

اِس کے بعد اِس فن کا فائدہ مزید بتاتے ہیں:-

وَبِهٖ يَأْمَنُ اَنْ يَكُوْنَ كَحَاطِبِ لَيْلٍ اَوْ كَغَائِصِ سَيْلٍ اَوْ يَخْبِطُ خَبْطَ الْعَشْوَاءِ اَوْ يَرْكَبُ مَتْنَ الْعَمْيَاءِ (حجۃ اللہ ص ۳)	اور اِس علم سے (انسان) اس بات سے بےخوف ہو جاتا ہے کہ رات کے وقت ایندھن اکٹھا کرنے والے کی طرح یا سیلاب میں غوطہ لگانے والے کی طرح ہو۔ یا یہ کہ شبکوری والے

کی طرح ٹامک ٹوئے مارے۔ یا یہ کہ اندھے جانور کی پشت پر سوار ہو"

اِسکے بعد فرماتے ہیں۔ کہ اگرچہ اِن سب (علوم مذکورہ بالا) کے متعلق علماء نے بہت کچھ لکھا ہے۔ لیکن اِس فن یعنے علم اسرارِ دین میں تصنیف بہت کم ہے"

اس کے بعد اپنی ذاتِ گرامی کی نسبت ذکر کرتے ہیں:-

وَاِنَّ مِنْ اَعْظَمِ نِعَمِ اللّٰهِ عَلَيَّ اَنْ اٰتَانِيْ مِنْهُ حَظًّا وَجَعَلَ لِيْ مِنْهُ نَصِيْبًا (حجۃ اللہ ص ۳)	مجھ پر خدا تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت یہ ہے کہ اُس نے مجھے اِس علم سے (کافی) حصہ عطا کیا ہے"

اِس کے بعد تواضع و انکساری کے طور پر کہتے ہیں:-

وَمَا اَنَا اِلَّا اَعْتَرِفُ بِتَقْصِيْرِيْ وَاَبُوْءُ وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِيْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ (حجۃ اللہ ص ۳)	اور مَیں ہمیشہ اپنی قصورواری کا اعتراف کرتا رہتا ہوں اور اپنے نفس کو پاک نہیں کہتا۔ بیشک نفس (امّارہ) برائی کا

حکم زیادہ کرتا ہے"

اِس کے بعد اپنا ایک **مراقبہ** ذکر کرتے ہیں جس میں اُن پر **رُوحِ مُقدّسِ** آنحضرت صلعم کا ظہور ہوا اور آپ کو اِس علم (اسرارِ دین) کے بیان کا القا ہوا۔

اِس کے بعد فرماتے ہیں۔ کہ جب مَیں (بتقریب حج ۱۱۴۳ھ میں) مکہ شریف میں مقیم تھا۔ تو مَیں نے حضرات حَسنین رضؓ کو خواب میں دیکھا گویا کہ اُنہوں نے (خدا اُن سے راضی ہو) مجھے ایک قلم دیا اور فرمایا:-

هٰذَا قَلَمُ جَدِّنَا رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ یعنے یہ ہمارے **جدِّ امجد** (صلے اللہ علیہ وسلم) کا قلم ہے"

اِس کے بعد حضرت شاہ صاحب رہ نے اپنے مخلص صادق مولانا **محمد عاشق** صاحب رہ کا ذکر کیا ہے۔

جنہوں نے نہایت الحاح واصرار سے حضرت شاہ صاحب رح سے درخواست کی کہ آپ اسرارِ دین میں کوئی کتاب لکھیں۔

حضرت شاہ صاحب رح فرماتے ہیں کہ ان کے اصرار سے مجھے یقین ہوگیا۔ کہ یہ وہ صورت ہے جو مجھے الہام کی گئی تھی۔ تو میں نے خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کی اور استخارہ کیا اور خدا سے مدد طلب کی، وغیرہ وغیرہ

خاکسار گنہ گار بھی محض تحدیثاً بنعمۃ اللہ (نہ فخراً) کہتا ہے۔ کہ خدا تعالےٰ نے اِس عاجز کو بھی اِس فن (اسرارِ دین و لطائفِ قرآن مجید) سے کچھ حصہ عطا کیا ہے۔ اور یہ سب کچھ اپنے مشفق اُستادوں کی کفش برداری اور سابق علماء کی خوشہ چینی خصوصاً اپنے برادر مکرم مولانا مولوی احمد دین پال صاحب (مصنف الحکمۃ الیمانیہ وغیرہ) کے فیض و برکت سے ہے۔ جنہوں نے یہ فن یکتائے زمانہ جناب مولٰنا ابوسعید محمد حسین صاحب مرحوم بٹالوی سے حاصل کیا۔

اعلی اللہ مقاماتھم

حضرت شاہ صاحب جیسے پاک نفس نے اپنے عجز و تقصیر میں ایسے الفاظ تحریر کئے ہیں۔ تو یہ عاجز اس اقرار کا زیادہ حقدار ہے۔ کیونکہ مَیں تو سچ مچ گنہ گار بلکہ گناہوں میں لتھڑا ہوا شرمسار ہوں۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ ذَنْبِیْ کُلَّہٗ دِقَّہٗ وَجُلَّہٗ اَوَّلَہٗ وَاٰخِرَہٗ وَعَلَانِیَتَہٗ وَسِرَّہٗ

مراقبہ کی حالت میں فیضانِ الٰہی کا نازل ہونا تو بہت اونچا مقام ہے۔ اور مَیں کہہ چکا ہوں کہ میں واقعی گنہ گار ہوں اسلئے وہ مقام مجھے کہاں حاصل ہوسکتا ہے۔ ہاں فیضانِ الٰہی کی دیگر صورتیں بھی ہیں۔ اِن میں سے ایک سچا خواب ہے۔ خدا کا احسان ہے۔ کہ وہ اپنے فضل سے بعض اوقات اِس دروازے سے مجھ عاجز پر بھی کچھ فیضان نازل کردیتا ہے۔ چنانچہ اُن میں سے صرف دو خواب جن کو اس تحریر (تفسیر قرآن) سے مناسبت ہے۔ عرض کردیتا ہوں۔

(۱) پہلی عمر میں جب مَیں انگریزی سکول میں پڑھتا تھا۔ خواب میں مولٰنا عبدالحکیم صاحب مرحوم فاضل سیالکوٹی کی زیارت سے مشرف ہُوا۔ مولٰنا مرحوم نے سامنے کے ایک کھیت کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے وہاں کتابوں کے انبار کتابوں کے پائے۔ مَیں نے چادر بچھا کر وہ سب کتابیں اُس میں باندھ لیں۔ کتابوں کا گٹھر بہت بڑا اور اتنا وزنی ہوگیا۔ کہ مَیں اکیلا اُس کے اُٹھانے سے عاجز رہ گیا۔ خدا کی قدرت سے میرے دادا مرحوم (میاں حیات محمد صاحب) جو بڑے عابد و پرہیز گار تھے۔ اور کئی سال سے فوت شدہ تھے۔ وہاں پر نمودار ہوگئے۔ اُنہوں نے کتابوں کا وہ گٹھر مجھے اُٹھوا دیا اور مَیں گھر کو روانہ ہُوا۔ اِتنے میں آنکھ کھُل گئی۔ جاگنے کے ساتھ ہی بغیر تامل کے خدا نے یہ تعبیر سمجھائی کہ خدا تعالےٰ اِس عاجز کو مولٰنا عبدالحکیم صاحب سیالکوٹی رح کا علم عطا کرے گا۔

سو خدا کا شکر ہے کہ اُس نے مجھے تعلیم انگریزی میں کمال حاصل کرنے کی بجائے اپنے دین کے علم کی تحصیل

میں لگا دیا۔

(۲) اس کے کچھ عرصہ بعد جب میں امتحان انٹرنس سے فارغ ہو کر کالج میں پڑھتا تھا۔ خواب میں دیکھتا ہوں کہ جس جگہ میں سویا ہوں۔ وہاں آسمان سے میری چارپائی تک ایک مضبوط رسہ لٹکتا چلا آیا ہے۔ میں نے اس رسے کو خوب مضبوطی سے پکڑ لیا۔ اور وہ رسہ میرے سمیت اوپر کو چڑھتا گیا۔ میں اس کے ساتھ دور تک اوپر کو چڑھ گیا۔ اور میری آنکھ کھل گئی۔ فوراً خدا تعالےٰ نے دل میں ڈالا کہ وہ مجھے قرآن کریم سے تمسک کرنے کی نعمت عطا کرے گا۔ سو اس کا ہزار ہزار شکر ہے۔ کہ اس نے محض اپنے فضل سے باوجود میری گنہگاری کے ہمارے دین خاصکر قرآن شریف کے لطائف کا دروازہ کھولدیا۔ اور اس کے ساتھ ظاہراً یہ انعام بخشا کہ ایک مہینے کی قلیل مدت میں ایک پارہ روزانہ کے حساب سے تمام قرآن شریف حفظ کروادیا۔

وَهٰذَا مِنْ نَوَادِرِ نِعَمِ اللّٰهِ عَلٰى هٰذَا الْعَبْدِ الضَّعِيْفِ"

طرزِ تحریر و طریقِ بیان

میرے ایک محترم دوست[۵] نے تحریر فرمایا تھا۔ کہ "تفسیر ایسی آسان اور مختصر ہو جسے میں بھی سمجھ سکوں اور مطالعہ کی فرصت بھی پاسکوں" سو اسکی نسبت کیا عرض کروں؟ مجھے خود خیال ہے کہ یہ دونوں باتیں ضروری ہیں۔ لیکن مشکل ہے۔ ان دونوں کا نبھانا۔ تسہیل میں طوالت ہو جاتی ہے۔ اور اختصار میں کئی ایک مطالب الفاظ کی تہ میں اور اسلوب بیان کی لپیٹ میں لپیٹنے پڑتے ہیں جس کی وجہ سے دقتِ نظر کی ضرورت پڑتی ہے اور میرے لئے ایک تیسری مشکل بھی ہے۔ کہ قرآن شریف نے ادائے مقاصد کیلئے زبان میں سے جن الفاظ کو منتخب کیا ہے۔ اور ان کے ہم معنی الفاظ کو (کہ اگرچہ وہ بھی مروّج و عام فہم ہیں) نہیں لیا۔ یا قرآنی الفاظ ہی میں سے مترادف الفاظ میں سے بعض جگہ ایک کو اور دوسری جگہ دوسرے کو اختیار کیا ہے تو اس موقع پر بلحاظ چستیِ تلفظ و ترنم و درستی و مناسبتِ معنی وہی موزوں ہے جسے اختیار کیا ہے۔ مثلاً تقویٰ اور خشیت، فواد اور قلب، اور صدر، نیز کسی جگہ خاتمہ آیت پر يَتَفَكَّرُوْنَ فرمایا اور کہیں يَعْقِلُوْنَ، اور کسی جگہ لِاُولِی الْاَبْصَارِ اور کہیں لِاُولِی النُّهٰى اور کہیں لِاُولِی الْاَلْبَابِ نیز کسی جگہ تَسْمَعُوْنَ فرمایا اور کسی جگہ تُبْصِرُوْنَ فرمایا۔ وھکذا گو ظاہر میں سب کا حاصل ایک ہی معلوم ہوتا ہے لیکن باریک بین نگاہ میں ان میں نہایت باریک فرق ہے۔ جو انشاء اللہ ان کے اپنے اپنے موقع پر آپ بڑی تفسیر

[۵] جناب خانصاحب چودھری محمد امین صاحب بی۔ اے پبلک پراسیکیوٹر شیخوپورہ ۔ پنجاب ۱۲ منہ

تبصیر الرحمٰن[۱] میں ملاحظہ فرمائینگے۔

اور پھر اُن الفاظ کو جس ترتیب میں رکھا ہے۔ اور جو طریق بیان اختیار کیا ہے۔ وہ نفس مضمون (مسائل و مقاصد) کے مقبول ہونے کے علاوہ اتنا دلچسپ ہے کہ میرے سینے سے اُسکے متعلق قریبًا ہر آیت پر فوارے اُبلتے ہیں اور اتنا ہجوم ہوجاتا ہے۔ کہ کوئی بھی بات چھوڑ دینے کو جی نہیں چاہتا۔ اور طوالت کا اندیشہ بھی ساتھ ہی لگا رہتا ہے۔ آخر اسی اُدھیڑ بُن میں رہ جاتا ہوں۔ کہ کیا لکھوں اور کیا نہ لکھوں۔ مثلاً سورہ اَلْحَمْدُ ہی میں دیکھئے کہ کُل چھوٹی چھوٹی سات آیتیں ہیں۔ لیکن سبحان اللہ کس اعجازی قوت سے کوزے میں دریا نہیں، سمندر بند کیا ہوا ہے۔ اسکی تفسیر بالاختصار کرعں تو کیا کروں؟ سُنتے جایئے:۔

ذکرِ لطائف کا نمونہ

(۱) بِسْمِ اللّٰہِ میں لفظ اِسْم کیوں ذکر کیا، اور پھر یہ کہ بِاللّٰہِ کیوں نہیں کہا؟

(۲) پھر یہ کہ اسجگہ متعلق بہ (فعل یا مصدر) کو کیوں ترک کر دیا۔ اور آیت اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ میں کیوں نہیں کیا؟

(۳) رَحْمٰن و رَحِیْم ہر دو مصدر رَحْمَۃ سے ماخوذ ہیں دونو کو اکٹھا کیوں ذکر کیا؟

(۴) رَحْمٰن کو پہلے اور رَحِیْم کو پیچھے کیوں ذکر کیا؟

(۵) اَلْحَمْد میں مدح۔ شکر اور ثنا الفاظ تعریفی کو ترک کرکے حمد کو کیوں منتخب کیا؟

(۶) اور نیز یہ کہ اسجگہ اَلْحَمْد کو لِلّٰہِ خبر پر کیوں مقدم کیا۔ اور فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ (جاثیہ) میں خبر کو اَلْحَمْدُ پر کیوں مقدم کیا؟

(۷) لِلّٰہِ میں لامِ جارہ نے کیا فائدہ دیا؟

(۸) حمد کے ساتھ دیگر اسمائے الٰہیہ کو چھوڑ کر اسم اَللّٰہ کو کیوں منتخب کیا؟

(۹) جملہ اسمیہ کیوں اختیار کیا۔ اور اَحْمَدُ اللّٰہَ بصورتِ جملہ فعلیہ کیوں نہیں کہا؟

(۱۰) اسم اللّٰہ کے بعد صفاتِ ربّ العٰلمین؛ الرحمٰن الرحیم اور مالک یوم الدین کیوں ذکر کیں؟

(۱۱) ان کو اس ترتیب میں کیوں رکھا؟

(۱۲) بِسْمِ اللّٰہِ میں بھی رَحْمٰن و رَحِیْم مذکور ہو چکے تھے۔ ایک ہی آیت کے فصل سے پھر دوبارہ انکا کیوں ذکر کیا؟

(۱۳) مالکیت کو یوم الدّین کے متعلق کیوں کیا۔ حالانکہ خدا تعالےٰ ہر شئے کا ہر وقت مالک ہے۔

[۱] سارے قرآن کی مکمل تفسیر جو ذہن میں ہے اسکا نام تبصیر الرحمٰن ہے یہ تفسیر واضح البیان اسکی پہلی جلد ہے خدا تعالےٰ ان ہر دو کی تکمیل کی توفیق بخشے

(۱۴) مٰلِكِ اور مالِكِ میں کیا فرق ہے۔؟ اور قرآن میں انکی متعلقہ آیات کا ذکر۔

(۱۵) اِن صفات کے بعد اِیَّاكَ نَعْبُدُ میں عبادت کا ذکر کیوں کیا؟

(۱۶) اسمیں غائبانہ ذکر سے التفات کرکے خطاب کا صیغہ کیوں اختیار کیا؟

(۱۷) عبادت کے بعد استعانت کے ذکر میں کیا نکتہ ہے؟

(۱۸) اِیَّاكَ کو اُس کے عامل نَعْبُدُ پر کیوں مقدم کیا؟

(۱۹) اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ میں اِیَّاكَ کو مکرر کیوں لائے؟

(۲۰) عبادت و استعانت کے بعد استقامت کی دعا کیوں سکھائی؟

(۲۱) صراط کو استقامت سے کیوں موصوف کیا؟

(۲۲) صِراط کو مکرر کیوں ذکر کیا؟

(۲۳) یہاں صِراط کو اَلَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ کی طرف اور آیات وَھٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِیْمًا وغیرہا میں اپنی ذات کی طرف مضاف کیا اِسکی کیا وجہ ہے؟

(۲۴) اَنْعَمْتَ میں صورت معروف رکھی اور اَلْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ میں مجہولی۔ اِسکی کیا وجہ ہے؟

(۲۵) مُنْعَمْ عَلَیْهِمْ کون لوگ ہیں؟

(۲۶) منعم علیھم۔ غیر مغضوب علیھم اور غیر ضالّین ایک ہی ہیں۔

(۲۷) اِن اوصاف کے ذکر میں کیا خوبی ہے؟

(۲۸) اَنْعَمْتَ کو بصیغہ ماضی کیوں ذکر کیا؟

(۲۹) مغضوب علیھم اور ضالّین کون کون ہیں؟

(۳۰) کسی خاص مذہب اور فرقے کا خاص نام نہیں لیا۔ بلکہ صرف اَوصاف ذکر کردیئے ہیں؟ اِس میں کیا خوبی ہے؟

اَب مَیں اِن باتوں کو کیسے نظر انداز کردوں۔ اور اِن میں کیا کیا اختصار کروں؟

اِن سب باتوں کے سمجھ لینے سے صاف کُھل جاتا ہے۔ کہ متکلم نے یہ الفاظ اور یہ ترتیب اور یہ اُسلوبِ بیان خاص ارادے سے اختیار کیا ہے۔ یونہی بلا ارادہ و بلا حکمت نہیں نکل پڑے۔ چونکہ اِن کے بیان سے قرآن مجید کے محاسن ولطائف کھلتے ہیں۔ اِسلئے اِس عاجز کے نزدیک اِن کو چھوڑ دینا تفسیر میں کوتاہی کرنا ہے۔

مَیں تو ایسی باتوں سے اپنے اندر ہی اندر لوٹ جاتا ہوں بلکہ بعض اوقات از خود رفتہ ہو جاتا ہوں۔ لیکن اِس کا کیا علاج ہا کہ زمانے میں عربی زبان کا ذوق کیا شوق بھی نہیں رہا۔ مذہب کی قدر و منزلت عقلی و قلبی ہے۔ جو نظر سے پوشیدہ ہے۔ اور معیشت کی ضرورت بمنزلہ محسوسات کے ہے۔ بلکہ طبعی و اضطراری ہے معیشت کے لئے عربی کی ضرورت نہ رہی[۵]۔ تو ذہنوں سے اُسکی قدر بھی اُتر گئی۔ علماء کو نہیں رہی تو عوام بیچارے کون ہا پس اندیشہ ہے۔ کہ دوسرے لوگ میری اِس طرز کو بوجہ اپنی بد ذوقی یا بے ذوقی کے شاید پسند نہ کریں۔ مجھے نہ تو ملمع سازی کی باتیں آتی ہیں اور نہ تکلف سے چکنی چپڑی باتیں بناکر اور کچھ اِدھر کی اور کچھ اُدھر کی ہانک کر لوگوں کو پرچانا اور خوش کرنا آتا ہے۔ جو کچھ ہے طبیعت کی سادگی اور بے تکلف روانی سے حقیقت آگاہی ہے اور بس۔ نفس الامر میں کسی کو پسند آئے یا نہ آئے۔ یہ میرا فرض نہیں ہے۔

مَیں نہیں چاہتا کہ قرآن کریم کو لوگوں کی بدذوقی کے تابع کر کے (معاذ اللہ) اِس گوہر بے بہا کو غبار آلود کروں بلکہ چاہتا ہوں کہ لوگوں کا مذاق اِس کے موافق کر کے اُن کو اس کی حلاوت سے خوش کام کروں۔ اگر اُن کے مذاق درست نہ ہونگے۔ تو قرآن تو درست رہیگا۔ سو مشکل یہ ہے کہ پہلی بات یعنے قرآن کو بگاڑنا گناہ عظیم ہے۔ اور دوسری بات یعنے لوگوں کے مذاق کو سنوارنا اور درست کرنا میرے اختیار میں نہیں۔

خدا نہ کرے کہ اس کا نتیجہ یہ ہو کہ میرے اپنے افکار اور تفاسیر متقدمین سے میرے انتخابات جو میرے نزدیک دُنیا جہان کے جواہرات آبدار سے بھی بیش قیمت ہیں میرے ساتھ ہی قبر میں چلے جائیں۔

اِس اندیشہ کا بوجھ بھی طبیعت پر بہت پڑ رہا ہے۔ اور اِسی کو ہلکا کرنے کے لئے مَیں نے اب یہ صورت اختیار کی ہے کہ جو کچھ اور جس طرح پر ہو سکے وہ نہاں خانہ دل سے نکالکر فراز قرطاس پر رکھ دوں۔ مطالعہ کرنیوالے اصحاب اپنے اپنے مذاق کے مطابق خود انتخاب کر لینگے۔ اور کچھ نہ ہوگا۔ تو عمر کا باقی حصہ جو قریب بیقین گذشتہ سے بہت کم باقی رہ گیا ہے۔ اِس نیک شغل یعنے خدمت قرآن میں تو گذرے گا۔ وَمَا تَوْفِيقِيْ إِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيْبُ ۝

[۵] آہ! ہندوستان سے سلمانوں کی سلطنت اُٹھ گئی۔ تو انکی مذہبی زبان کی قدر بھی جاتی رہی، جب یہ زبان تحصیل زر و مال کا ذریعہ نہیں بن سکتی۔ تو کوئی اس کے سیکھنے کی زحمت کیوں اُٹھائے۔ اور اِس میں کمال حاصل کر کے کیا کرے، باقی رہی عاقبت، سو اُسکی فکر اُسکو جسے عاقبت بینی کی نظر ملی ہو۔ ظاہر بین اسباب پرست عاقبت کو کیا جانیں؟ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غَافِلُوْنَ (روم پ۲۱) العبد

محمد ابراہیم میر سیالکوٹی

اُصُولِ تفسیر ہٰذا

کسی فصیح کلام کی توضیح کے دو ہی اصول ہیں۔ اوّل اوسکی زبان و صورتِ واقعی کی رعایت۔ دوم اُسکے متکلم کی تصریح یا تفویض +

زبان و صورتِ حال سے ہماری یہ مراد ہے۔ کہ جس زبان میں وہ کلام ہے۔ اُس کے قواعد و محاورات کی رعایت رکھی جائے۔ اور متکلّم نے اپنی مراد و مقصود کی تعیین یا تفہیم کیلئے اپنے کلمات کو جس ترتیب و وضع پر رکھا ہے۔ اُسکے وصل و فصل کو اسلوبِ فصحا پر سمجھا جائے +

بعض وقت ایک لفظ کے کئی معنے ہوتے ہیں۔ یا اُس کا مفہوم عام ہوتا ہے۔ اور اُس کے ضمن میں کئی ایک انواع ہوتی ہیں یا وہ حقیقت و مجاز ہر دو میں مستعمل ہوتا ہے لیکن خاص خاص الفاظ سے ملکر آنے کی صورت میں اور سلسلۂ کلام کے ربط کی وجہ سے اُسمیں خصوصیّت ہو جاتی ہے۔ اگر سلسلۂ کلام کے ربط کو یا اُس لفظ کیساتھ کے جوڑ کو نظر انداز کر دیا جائے تو مفہوم کلام بالکل بدلجائیگا۔ اور ہم متکلم کی مراد سے بہت دور جا پڑینگے،

لہذا ضروری ہے۔ کہ مفرداتِ زبان کے جان لینے کے بعد اُس زبان کے محاورات اور اسلوبِ بیان میں بھی مہارتِ تامّہ حاصل ہو۔ اور پھر اس کے بعد ذوقِ سلیم اور فہمِ صحیح کی نعمت سے بھی حصّہ ملا ہو۔

متکلّم کی اپنی تصریح سے یہ مراد ہے۔ کہ اگر اُسنے اپنے کلام کی توضیح کسی دوسرے موقع پر کر دی ہے تو اُسکی پیروی واجب ہے۔

متکلّم کی تفویض سے ہماری یہ مراد ہے کہ اگر اُسنے اپنے کلام کے لئے کوئی درمیانی واسطہ بنایا ہے۔ اور وہ کلام اُسکے ذریعے سے پہنچایا ہے۔ تو وہ بعض وقت کسی خاص امر کی مزید توضیح کے لئے یہ بھی کہہ دیتا ہے۔ کہ اسکی تفصیل قاصد یا حاملِ ہذا سنا سمجھا دے گا۔ یہ قاصد صاحب ہمارے بڑے اعتباری اور امین ہیں۔ کوائف سے واقف اور ہمارے اشاروں کے سمجھنے والے ہیں۔ ہمارے ہاں انکی خاص عزت ہے۔ اِن کی زبان کو ہمارا فرمان سمجھنا۔

پس اُس سفیر کی ذاتی قابلیت و امانتداری متکلم کے نزدیک اُسکی قدر و منزلت۔ اور سب کے بعد خود متکلم کی تفویض و سپردکاری سب اس بات کی کافی ضمانت ہیں کہ اُسکی توضیح و تشریح تفصیل و تفہیم کا اعتبار دیگر سب سے بڑھکر کیا جائے اور اُس سے سرِ مو بھی تجاوز نہ کیا جائے۔

اِس اصولی تمہید کو زیرِ نظر رکھتے ہوئے۔ بیانِ ذیل کو مطالعہ فرمایئے :۔

تفسیرِ قرآن بزبانِ قرآن

یہ ایک واقعی اور ثابت شدہ حقیقت ہے کہ قرآن شریف فصیح عربی زبان میں ہے۔ اس کے الفاظ کی خوبی، اور موقع و محل پر ان کے معانی کی درستی۔ اس کے کلام کی نشست اور مقصود سے اس کے محاورات کی مناسبت۔ زبانِ عربی کا ذوق اور اس میں مہارت رکھنے والوں کے نزدیک محتاجِ ثبوت نہیں۔

قرآن مجید خود کہتا ہے۔ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ (شعراء پ۱۹) یعنی قرآن واضح و فصیح عربی زبان میں اُتارا گیا ہے۔ نیز وہ کہتا ہے۔ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ (پ۲۳ زمر) یعنی "قرآن عربی جس میں کوئی کجی نہیں، تاکہ ان کو تقویٰ حاصل ہو یعنی چونکہ تحصیلِ تقویٰ اس کتاب کے اہم مقاصد سے ہے۔ اسلئے اسکے مطالب صاف اور واضح زبان میں بیان کئے گئے ہیں" تاکہ لوگ کج فہمی سے فہم مراد سے دور نہ جا پڑیں۔ اسی لئے اس موقع پر اسکی صفت میں غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ فرمایا گیا۔ کہ اس کے بیان میں کوئی کجی نہیں ہے۔ جب بیان میں کجی نہیں تو فہم میں کیوں ہو۔

اِس کے علاوہ قراءت و سماعت میں اسکی حلاوت و دلنشینی، صاحبِ ذوق کے وجدان میں جو کیفیت پیدا کرتی ہے وہ لفظی بیان سے بالا ہے۔ یہ سب امور قرآن مجید کی زبان کی خوبی اور اس کے مرتبے کی بلندی کے دلائل میں داخل ہیں۔

قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا کے معنے یہ بھی ہیں۔ کہ قرآن شریف فصیح و واضح زبان میں ہے۔ کیونکہ لفظ عربی کے معنے فصیح بھی ہیں۔ چنانچہ لسان العرب میں ہے۔ "تَقُوْلُ رَجُلٌ عَرَبِيُّ اللِّسَانِ اِذَا كَانَ فَصِيْحًا" یعنی جب کوئی شخص فصیح اللسان ہو۔ تو تو اُسکے وصف میں کہیگا۔ رَجُلٌ عَرَبِيُّ اللِّسَانِ یعنی "فصیح زبان والا آدمی"

نیز اسی کے یہ حوالے ہیں:۔

(۱) رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ الثَّيِّبُ تُعْرِبُ عَنْ نَفْسِهَا اَيْ تُفْصِحُ۔	آنحضرت صلعم سے مروی ہے کہ شوہر دیدہ عورت (دوسرے نکاح کے وقت) اپنی مرضی خود اپنی زبان سے کھولکر بیان کرے،
(۲) يُقَالُ اَعْرَبَ عَنْهُ لِسَانُهٗ وَعَرَّبَ اَيْ اَبَانَ وَاَفْصَحَ،	(۲) محاورہ "اَعْرَبَ عنہ لسانہ وعَرَّبَ" ہر دو کے معنے ہیں اس نے خوب کھولکر اور وضاحت سے بیان کیا۔
(۳) وَاِنَّمَا سُمِّيَ الْاِعْرَابُ اِعْرَابًا لِتَبْيِيْنِهٖ وَاِيْضَاحِهٖ	(۳) اِعراب کو اسی لئے اِعراب کہتے ہیں۔ کہ اس سے معنے کی صفائی اور وضاحت ہو جاتی ہے۔

(۴) وَمِنْهُ الْحَدِيثُ الْآخَرُ فَاِنَّمَا كَانَ يُعْرِبُ عَمَّا فِي قَلْبِهِ لِسَانُهُ

(۴) اسی (لغت اَعْرَبَ) سے ایک اور حدیث ہے کہ جو کچھ اس کے دل میں ہے۔ اسے اسکی زبان صاف بیان کرتی ہے۔

(۵) وَمِنْهُ حَدِيثُ التَّيْمِيِّ كَانُوا يَسْتَحِبُّونَ اَنْ يُلَقِّنُوا الصَّبِيَّ حِيْنَ يُعْرِبُ اَنْ يَقُولَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ اَيْ حِيْنَ يَنْطِقُ وَيَتَكَلَّمُ

(۵) اور (اَعْرَبَ بالتشدید کی مثال) تیمی کی حدیث ہے کہ صحابہ رض اس بات کو مستحب جانتے تھے کہ جب بچے کی زبان کھلے یعنے وہ کلام کرنا سیکھے تو اسے سات دفعہ لا اله الا الله تلقین کیا جائے یعنی اسکی زبان سے کہلوایا جائے۔

(۶) وَفِي حَدِيثِ السَّقِيفَةِ اَعْرَبُهُمْ اَحْسَابًا اَيْ اَبْيَنُهُمْ وَاَفْصَحُهُمْ

(۶) اور حدیث سقیفہ بنی ساعدہ میں ہے کہ (قریشی) حسب نسب میں سب سے بلند اور روشن ہیں۔

(۷) وَيُقَالُ اَعْرِبْ عَمَّا فِي ضَمِيرِكَ اَيْ اَبِنْ وَمِنْ هٰذَا يُقَالُ لِلرَّجُلِ الَّذِي اَفْصَحَ بِالْكَلَامِ اَعْرَبَ

(۷) اور محاورہ میں کہا جاتا ہے اَعْرِبْ الخ یعنے جو کچھ تیرے جی میں ہے اسے کھولکر بیان کر۔ اور اسی سے اس شخص کو جو صفائی سے کلام کرے کہتے ہیں۔ اَعْرَبَ یعنے اس نے صفائی سے بیان کیا۔

نیز لسان العرب میں حضرت ابوبکر صدیق رض کا یہ قول مسطور ہے:-

قُرَيْشٌ هُمْ اَوْسَطُ الْعَرَبِ فِي الْعَرَبِ دَارًا وَاَحْسَنُهُ جِوَارًا وَاَعْرَبُهُ اَلْسِنَةً

قریشی عربوں میں سب سے اچھے گھرانے کے لوگ ہیں۔ اور ہمسائگت اور پناہ دینے میں بھی سب سے اچھے ہیں۔ اور زبان میں دیگر سب سے زیادہ فصیح ہیں۔

ان حوالجات سے صاف ظاہر ہے۔ کہ لفظ عَرَبِی بمعنے فصیح کثیر الاستعمال ہے۔ لہذا جہاں پر قرآن کو عَرَبِیٌّ مُبِیْن کہا گیا ہے وہاں اسکے زبانِ عربی میں ہونیکے علاوہ اسکا فصیح ہونا بھی ملحوظ رکھنا ہوگا!

پس میں نے اپنے اوپر لازم کر رکھا ہے کہ جہاں تک میری علمی رسائی ہے۔ الفاظِ قرآنی کا مفہوم زبانِ عربی کے قواعدِ صرف (ہیئاتِ لفظی) اور قواعدِ نحو (ہیئاتِ ترکیبی) اور قواعدِ بلاغت (اسلوبِ فصحا) کے مطابق بیان کروں، بشرطیکہ موقع ومحل کے بھی مناسب ہو، محض اپنے خیال کی کھچڑی نہ ہو۔

پس متکلم کا منشاء اور مقصود انہی امور کی رعایت سے سمجھا جاتا ہے کیونکہ وہ اپنا مقصود ومنشا الفاظ ہی میں بتاتا ہے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیئے۔ کہ پہلے ایک بات اپنے جی میں ٹھان لیں اور پھر الفاظ قرآنی کو توڑ مروڑ کر اس کے

پیچھے کھینچ لے جائیں۔ کلام کے وصل وفصل کے علم کا دوسرا نام علم بلاغت ہے۔ اور بلاغت کی جان مقتضائے حال کی رعایت ہے۔ (مطول وغیرہ)

لغوی معنے ہرچند کہ لغت میں متعارف ہوں لیکن موقع ومحل کے مناسب نہ ہوں تو سب غلط وبیکار ہوتے ہیں۔ مضمون کی صحت کا ذمہ دار خود متکلم ہے جسنے ہم سے اِن الفاظ میں اور اِس طریق پر خطاب کیا ہے۔ چونکہ قرآن کا متکلم نہایت سچا اور لطیف وخبیر اور علیم کل ہے۔ لہٰذا اُس کا اِن الفاظ میں بیان کردہ مضمون غلط وقابلِ اعتراض نہیں ہوسکتا۔ وہ خود فرماتا ہے:۔

(۱) ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ (بقرہ پ۱)	یہ ایسی (کامل صفت) کتاب ہے کہ اس میں کوئی شک کی بات نہیں ہے
(۲) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰي عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا (کہف پ۱۵)	(۲) سب تعریف کا مالک وہ خدا ہے جسنے اپنے بندے محمدؐ پر یہ کتاب اُتاری اور اس میں کوئی کجی نہیں رکھی۔
(۳) الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ (ہود پ۱۱)	(۳) الرٰ یہ وہ کتاب ہے جسکی آیات محکم ہیں۔ پھر یہ کہ مفصل ہیں، حکیم خبیر (خدا) کے ہاں سے (اُتری ہے)۔
(۴) اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ (طارق پ۳۰)	(۴) بیشک یہ قرآن، فیصلے کی بات ہے کوئی ہنسی مخول نہیں ہے۔
(۵) وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ (حٰم سجدہ پ۲۴)	(۵) بیشک یہ (قرآن) بڑی زبردست کتاب ہے اِس میں باطل کو دخل نہیں ہے۔ نہ اسکے سامنے نہ اسکے پیچھے۔ حکیم وحمید (خدا) کی اُتاری ہوئی ہے۔

لہٰذا اگر کوئی بات کسی کو درست نظر نہ آئے۔ تو اُسکی اپنی سمجھ کا قصور ہے۔ نہ کہ کلام خدا کا، کہ ہم اُس میں کھینچ تان کرکے اپنی غلط فہمی کو درست رکھنے کے لئے اُسی کی اِصلاح وترمیم شروع کردیں۔ اور عکس موضوع کے مرتکب بنیں یہی تفسیر بالرائے ہے۔ (ابوداؤد، ترمذی) جس سے آنحضرت صلعم نے ڈرایا ہے۔ کہ پہلے اپنے جی میں ایک بات ٹھان لی۔ اور اُسے جہالت یا زیغ قلبی سے صحیح سمجھ لیا۔ پھر اُس کے لئے قرآن وحدیث کی نصوص کو توڑ مروڑ کر اُسکے تابع کرنے کی کوشش کی اور جو جی میں آیا کہدیا۔ نہ قرآن کی نصوص کی پرواہ کی۔ نہ احادیث نبویہ کا کچھ لحاظ کیا۔ نہ علمائے صحابہؓ کی تصریحات کو خاطر میں لائے۔ اور زبان عرب سے نابلد ہونے پر بھی اجتہاد کے مدعی بن بیٹھے۔ بلکہ اِن سب وسائلِ علم وہدایت کو اپنی رائے کے سانچے میں ڈھالنے لگ پڑے۔ ایسے مفسر آگے بھی ہوئے ہیں جنہوں نے اپنی بدعات وضلالات کی ترویج میں نصوص شرعیہ کو نظرانداز کردیا۔ اور اب اِس زمانے میں نوبرسات

کی مینڈکوں کی طرح ہر طرف سے ٹترا رہے ہیں۔ جنکے حال میں یہ کہنا نہایت موزوں ہے۔کہ "لکھے نہ پڑھے نام محمد فاضل"

مجھے نہ تو بناوٹی تواضع آتی ہے۔ اور نہ میں اجتہاد کا مدعی بنکر ہمہ دانی کی جھوٹی شیخی بگھارنا جانتا ہوں مجملاً اتنا کہہ سکتا ہوں کہ مینے اِس تفسیر میں خدا کی توفیق سے ہر اُس امر سے پرہیز کی ہے جس سے ائمہ سُنت نے اجتناب کرنا لکھا ہے۔ اور جہانتک میری رسائی ہے وہاں تک وہی کچھ لکھا ہے۔ جو مینے خدائے پاک کے کلام پاک میں (صراحۃً یا اشارتاً) مذکور پایا۔ یا اُس کے رسول پاکؐ نے فرمایا۔ یا زبانِ عرب اور صحابہؓ کی پاک جماعت نے اُسکی شہادت دی ؛

باقی رہے دیگر علماء سو مینے اِس کچکول کو اُنکی دریوزہ گری سے بھی بھرا ہے لیکن اس شرط سے کہ اُنکی تائید قولِ خداوندی، یا سنّتِ رسولِ خدا، یا کم از کم شہادتِ صحابہؓ اور قواعد علمیہ سے میری سمجھ میں آگئی ہے۔

هٰذا وَاللهُ وَلِيُّ الهداية

رَدِّ مخالفینؔ

مخالفین کے شُبہات کے متعلق جو طریق اختیار کیا ہے۔ اُسکی بابت اصولاً معروض ہے۔ کہ صحیح مراد تک پہنچنے کے لیئے رستے میں کئی ایک روکاوٹیں آجاتی ہیں۔ اور ہر روکاوٹ کے دفعیے کے لئے ایک ہی ہتھیار نہیں ہوتا۔ بلکہ اسکی نوعیت کے لحاظ سے الگ الگ ہتھیار ہوتے ہیں۔ پس میں نے ہر ٹھوکر کو اُس کے مناسب ہتھیار سے دور کرنے کی کوشش کی ہے اور اُس میں قرآن شریف کے اپنے بیان اور اُس کے رسول صلعم کی حدیث اور قواعدِ علمیہ کو پیش نظر رکھا ہے۔ واللہ ولیّ التوفیق ؛

تفسیر بالآیات

قرآن شریف کے محکم و استوار اسلوبِ بیان کی بابت ہم جو کچھ سابقاً بیان کر آئے ہیں، اُسکے علاوہ قرآن مجید نے اپنے اجمال کی تفصیل اور اپنے اشارات کی توضیح و تصریح خود بھی کی ہے۔ اور منکرین کے جوابات بھی دیئے ہیں چنانچہ یہ امر قرآن مجید میں کثرت سے موجود ہے۔ علاوہ اِس کے صراحۃً بھی فرمادیا :-

وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ	اور نہیں لاتے یہ (منکر) تیرے پاس کوئی بات مگر ہم تیرے پاس

تفسیر القرآن بالقرآن (پ۱۹ الفرقان) بالکل حق اور نہایت درست تشریح (جو اب پیش کرتے ہیں)

اسی معنے میں دوسری جگہ یوں فرمایا:۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ (بقرہ پ۲) رمضان کا مہینہ (روزوں کے لئے مقرر ہے) جس میں قرآن کا نزول (شروع) ہوا سب لوگوں کے لئے ہدایت، اور ہدایت کے روشن دلائل اور (حق و باطل) میں فرق کرنے والا+

اس آیت میں قرآن شریف کو ہدایت کے دلائلِ بینہ اور (حق و باطل میں) فرق کرنیوالا، کہا ہے،

تفسیر بالاحادیث

(۲) پھر دیکھتا ہوں۔ کہ اس باریک بین متکلم نے اپنا پاک کلام اوپر سے اینٹ پتھر کی طرح نہیں پھینک دیا۔ اور اُسے کسی معمولی انسان کے مُنہ میں بھی نہیں دیا۔ بلکہ اپنی جملہ مخلوقات کے خلاصہ اور بہترین ہستی کے قلبِ پاک پر اُتار کر اُسکی پاک زبان سے نکلوایا ہے جسکی ضمانت میں خود ہی فرمادیا:۔

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ پ۲۷ یعنے (ہمارا رسولؐ) خواہش سے نہیں بولتا۔ (جو بولتا ہے) سو وحی ہوتی ہے۔ جو اُسکی طرف کی جاتی ہے"

پھر یہ کہ اسکے دل و دماغ کو اپنی رضا کے کاموں کے لئے مخصوص کرلیا ہے۔ اور تبلیغِ الفاظ کے علاوہ عملی کوائف کی تعلیم و تفہیم بھی اُسی کے متعلق رکھی ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

(۱) وَمَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ (نحل پ۱۴) (اے پیغمبرؐ) ہمنے (خاص) تمپر یہ کتاب صرف اسلئے نازل فرمائی کہ تم اِن (لوگوں) کو وہ (سب) باتیں بالوضاحت بتادو جنمیں وہ اختلاف کرتے ہیں ؎

(۲) وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ (نحل پ۱۴) (۲) (اے پیغمبرؐ) ہمنے یہ نصیحت نامہ تمہاری طرف اسلئے نازل کیا ہے۔ کہ تم لوگوں کو وہ (سب کچھ) بالوضاحت بتادو۔ جو اُنکی طرف اُترا، یعنے جس بات کا اُن کو حکم ہوا۔

(۳) ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ (قیمۃ پ۲۹) (۳) پھر یہ بھی کہ نکو اُس کا بیان و وضاحت بھی سمجھا دینا ہمارے ذمے ہے؎

علاوہ بریں یہ کہ خدائے حکیم نے اپنے دستور کے مطابق اپنا کلامِ پاک اُس برگزیدہ ہستی کی زبان میں اُتارا ہے۔ اور وہ اپنی زبان کا ایسا ماہرِ کامل ہے اور اُسکی زبان اتنی شستہ اور صاف ہے کہ تمام عمر میں ایک بار بھی کوئی لفظ ہیئتِ لفظی یا ہیئتِ ترکیبی میں یا اسلوبِ بیان میں غلط تو کجا سُست اور خلافِ روزمرہ بھی نہیں نکلا۔ اور اُس کے دماغ نے فہمِ کلام میں کبھی بھی خطا نہیں کی۔

پس مَیں عاجز آنحضرت (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سیرت وطرزِ عمل سے بھی سرِمُو بھی نہیں سَرک سکتا بلکہ ہر کیف اور ہر حال میں اپنے فہم اور جملہ جہان کے عقلا کے فہم کو اُس کے ماتحت رکھتا ہوں۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جمعہ وغیرہ کے خطبوں میں پڑھا کرتے تھے۔

اِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْىُ مُحَمَّدٍ (صلے اللہ علیہ وسلم)	بتحقیق سب کلاموں سے بہتر اللہ کی کتاب (قرآن شریف) ہے۔ اور سب طریقوں سے بہتر محمد (صلعم) کا طریقہ ہے

هَدْی کے معنے ہیں سیرت یعنے روش اور دستور العمل، هَدْی هَدْی سے اور سیرت سَیْر سے ماخوذ ہے۔ دونوں کے معنی ہیں۔ روش اور طریق۔

تفسیر باقوال الصحابہؓ

باقی رہی صحابہؓ کی مقدس جماعت سو ان کے علماء زبانِ عربی کی سند ہیں۔ اور وہ سب حضرت پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کے بہترین شاہد ہیں اور حضرت پیغمبر صلعم اور بعد کی اُمت کے درمیان وہی واسطہ ہیں قرآن اُن کے سامنے اترا۔ اُس میں اُن کے واقعات مذکور ہیں۔ وہ اپنی زبان اور اپنے واقعات کو دوسروں کی نسبت اچھا جانتے ہیں پس اُن کے اجماع یا اُن کے جمہور علماء کے اقوال سے سر نہیں پھیر سکتے۔

ہاں اُن کے غیر اجماعی مجتہدات، مجتہدین کے نزدیک محلِ نظر رہے ہیں کیونکہ معصوم سوائے پیغمبر برحق کے کوئی نہیں اور حدیث مَنْ فَسَّرَ الْقُرْاٰنَ بِرَاْيِهٖ الخ کے لفظ مَنْ کے افراد میں وہ بھی شامل وداخل ہیں۔ اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے اِس فرمان کے وقت وُہی آپکے سامنے تھے۔ پس وہ اصالتاً مخاطب ہیں۔ اور بعد کی اُمت تبعاً۔ اگر ایسا نہ ہو تو حضرت صدیقِ اکبرؓ کیوں فرمائیں۔

اَیُّ سَمَآءٍ تُظِلُّنِیْ وَاَیُّ اَرْضٍ تُقِلُّنِیْ اِنْ قُلْتُ فِیْ کِتَابِ اللّٰهِ مَا لَا اَعْلَمُ[1] یعنی اگر مَیں خدا کی کتاب میں

---

[1] تفسیر فتح البیان سورت عبس ۱۲ منہ

ایسی بات کہدوں جس کا مجھے علم نہیں۔ تو کونسا آسمان مجھے سایہ دے گا۔ اور کونسی زمین مجھے قرار دیگی۔"

بس میرے پاس خدا کے خطاب کو سمجھنے کے لئے یہی چار ذریعے ہیں۔

اوّل وہ جو اُسنے خود قرآن ہی میں دوسرے موقع پر واضح کردیا۔

دوم اُس بزرگ ہستی کی سیرت اور طریقِ عمل جسکی معرفت اُسنے ہمسے خطاب کیا۔

سوم وہ زبان جس میں اُسنے اپنا کلام بھیجا۔ اور اپنے رسول کو پیغام دیا۔

چہارم اُن پاک نفوس کی شہادت جن کے سامنے قرآن اُترا۔ اور قرآن نے اُن کو براہِ راست خطاب کیا۔ اور قرآن میں ان کے واقعات جابجا مذکور ہیں۔ باقی رہی میری اپنی یا کسی اور کی ذاتی رائے سو وہ نہ قابلِ فخر ہے نہ لائقِ اتباع۔

جمع منقول و معقول

اِس زمانے میں بہت مشکل کی ضرورت منقول و معقول کو جمع کرنا اور انمیں مطابقت و موافقت پیدا کرنا ہے۔ گویا بظاہر آگ پانی کو یکجا کرنا ہے بعض علما منقولات کو ایسے طریق پر بیان کرتے ہیں کہ باوجود ان کے صحیح اور درست ہونے کے اُنکی حقیقت وحقانیت معقولی مذاق والوں کے دماغ میں نہیں آتی اور بعض واعظ و مصنف روایات کا دریا کچھ ایسی بے تمیزی سے بہاتے ہیں کہ صحیح و سقیم، قوی و ضعیف، ثابت و غیر ثابت، اصلی و جعلی میں مطلقاً تمیز نہیں کرتے۔ اور جو کچھ جی میں آتا ہے۔ یا اُن کو یاد ہوتا ہے۔ انٹ شنٹ، بلا تحقیق دھر دہاتے ہیں۔ اُن کے نزدیک تحریر و تقریر کا حق اسی سے پورا ہو جاتا ہے۔ اور معیارِ منقولات یہی ہے۔ کہ جو کچھ اُن کو یاد ہو اور اُنکی بے قابو زبان پر چڑھ جائے یا جو کچھ اُن کا بے پناہ قلم لکھ سکے۔ اُسے بیان کردیں یا تحریر میں لے آئیں۔ اِس روش کی وجہ سے کئی لوگ تو منقولات سے بدظن ہو گئے اور کئی بلا امتیاز ہر قسم کی واہی تباہی باتوں پر گرہ باندھ کر دین سے گمراہ ہو گئے۔ بلکہ لوگوں کی جہالت و زیغِ قلبی کے ساتھ اس روش نے نئے فرقے بننے اور بدعات کے رواج دینے میں ہیزم کشی کا کام دیا ہے۔

اور بعض وہمی و خیالی معقولات کی دلدل میں ایسے پھنس جاتے ہیں۔ کہ ثابت شدہ صحیح منقولات۔ بلکہ متواترات، بلکہ آیاتِ قرآنیہ کی صاف صاف تصریحات کو صریحاً نظر انداز کر دیتے ہیں۔ بلکہ بعض قلتِ علم یا فسادِ عقیدہ کی وجہ سے اُنکا انکار بھی کر دیتے ہیں۔ بڑے بڑے مدعیانِ اصلاح و تجدید اس ظلمت میں ٹامک ٹوئے مار مار کر رہ گئے۔ اور اِس سیلابِ ضلالت میں خس و خاشاک کی طرح بہ گئے۔

ضرورت سے انکار نہیں۔ لیکن اِس کا پورا کرنا از بس مشکل اور خطرے سے خالی نہیں۔

اِس عاجز نے خدا کے فضل و توفیق سے اِس ضرورت کو اِس طرح پورا کیا ہے۔ کہ قرآن و حدیثِ صحیح کو تو رکھا ہے سردار، اور دیگر سب علوم و علما کو اُن کے خدمتگار۔ خدمتگاروں کو سردار کی خدمت پر لگایا جاتا ہے۔ نہ کہ اُن کو سر پر چڑھا کر سردار کو بقید و سبک کیا جاتا ہے۔ اِسی اُصول کے مطابق مَیں نے اِس تفسیر میں معقولات سے بھی کام لیا ہے۔ لیکن اثباتِ مسئلہ کے لئے نہیں، بلکہ تفہیمِ مسئلہ کے لئے بس میری تعمیر کا مسالہ (مصالح) قرآن و حدیث سے ہے اور کارگذاری کے لئے بہتر سے بہتر کارگذاروں اور خدمتگاروں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر لایا ہوں۔ واللہ ولی الھدایۃ،

خاکسار محمد ابراہیم میر سیالکوٹی

سُورَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ هِيَ سَبْعُ آيَاتٍ

سُورتِ فاتحہ مکہ میں اُتری- اور اُسکی سات آیتیں ہیں-

اِس سُورت کا سب سے زیادہ مشہور نام فاتحۃ الکتاب یا الفاتحہ ہے۔ فاتحہ ابتدا اور شروع کو کہتے ہیں چونکہ یہ سورت ترتیبِ خلقی میں جو خدا کے علم میں پہلے ہی مقدر تھی۔ قرآن مجید کے ابتدا میں ہے۔ اِسلئے اِس کا نام فاتحہ رکھا گیا- چنانچہ مفرداتِ راغب میں ہے:-

وفاتحۃ کل شئ مبدءہ الذی یفتح بہ مابعدہ وبہ سمی فاتحۃ الکتاب وقیل افتتح فلان کذا اذا ابتدءبہ وفتح علیہ (زیر لفظ فتح ص ۳۷۳)

ہر شئے کی فاتحہ اُس کے شروع کے مقام کو کہتے ہیں- جس سے اُس کے مابعد کا دروازہ کھلتا ہے۔ اور اِسی وجہ سے سورت فاتحۃ الکتاب کا یہ نام رکھا گیا۔ اور محاورہ "فلاں شخص نے اِس طرح افتتاح کیا" اُسوقت بولتے ہیں- جب وہ اُس سے ابتدا کرے:

نیز اسلئے کہ یہ سورت علوم قرآنی کی مِفتاح (چابی) ہے، (رحمانی)

اِس سورت کا یہ نام احادیث میں آنحضرت (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور صحابہؓ کی زبانی بکثرت مذکور ہے اِس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے اِس سورت کی جگہ خود مقرر کردی تھی کہ شروع قرآن میں رکھی جائے؛

نیز یہ کہ آنحضرت صلعم قرآن شریف کو ایک خاص ترتیب میں (جو اَب موجود ہے) یاد رکھتے تھے۔ اور صحابہؓ کو بھی یاد کرواتے اور لکھواتے تھے۔ پس سورتوں کی ترتیب خود آپ (صلے اللہ علیہ وسلم) کی مقرر کردہ ہے۔ نہ کہ صحابہؓ کی، وللتفصیل مقام اٰخر؛

اِس سورت کے اور بھی کئی ایک نام ہیں- اور نیک القاب کی کثرت فضیلت کی دلیل ہوتی ہے-

(۲/۳) اُمّ الکتاب اور اُمّ القرآن (جامع ترمذی) اِس لئے کہ یہ ابتدائے قرآن میں ہے-

چنانچہ صحیح بخاری میں ہے:-

سُمّیت ام الکتاب لانہ یبدء بکتابتہا

سورت فاتحہ کا نام اُمّ الکتاب اسلئے رکھا گیا کہ قرآن شریف

کی کتابت کی ابتدا اسی سے ہوتی ہے۔ اور نماز میں [۵۱] قرأت بھی اسی سے شروع ہوتی ہے۔	فی المصاحف ویبدء بقراءتہا فی الصلوٰۃ [۵۱] (بخاری کتاب التفسیر)

۵۱ علامہ ابو السعود رح نے امام بخاری کی اس وجہ تسمیہ کی نسبت لکھا ہے:۔

ومناط التسمیۃ ما ذکر فی ام القرآن لا ما اوردہ الامام البخاری فی صحیحہ من انہ یبدء بقراءتہا فی الصلوٰۃ فانہ مما لا تعلق لہ بالتسمیۃ کما اشیر الیہ (ص ۵۲)
برحاشیہ تفسیر کبیر

اور ام الکتاب نام رکھنے کا مدار وہ ہے جو ام القرآن میں بیان ہو چکا۔ نہ وہ جو امام بخاری رح نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے۔ کہ نماز میں اسی کی قرأت پہلے ہوتی ہے۔ کیونکہ اس وجہ کو نام رکھنے سے کوئی تعلق نہیں۔ جیسا کہ اشارہ کیا گیا ہے۔

شیخ شیخنا حضرت نواب صاحب رح نے فتح البیان میں علامہ ابو السعود رح کی وجہ تسمیہ جو ہمنے متن میں امام راغب رح کی عبارت کے بعد نقل کی ہے۔ ذکر کرکے امام بخاری رح کی مذکورہ بالا وجہ تسمیہ بھی نقل کی ہے۔ اس کے بعد علامہ ابو السعود رح کی اگلی عبارت منقولہ نقل کی ہے۔ لیکن اسکی تائید یا تردید کچھ بھی نہیں کی۔

خاکسار کہتا ہے کہ علامہ ابو السعود رح کی دقیقہ شناسی مسلم ہے۔ لیکن امام بخاری رح کی نکتہ رسی میں بھی کلام نہیں۔ علامہ ابو السعود رح نے جو وجہ تسمیہ بیان کی ہے۔ وہ بجا اور درست ہے۔ اسلئے ہمنے اُسے بھی نقل کر دیا ہے۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے سوا کوئی دیگر خصوصاً امام بخاری رح کی بیان کردہ وجہ تسمیہ درست نہ ہو کیونکہ ایک امر کی متعدد وجوہ ہو سکتی ہیں۔

امام بخاری رح نے سورت فاتحہ کے ام الکتاب ہونے کی دو وجہیں لکھی ہیں۔ اول کتابت قرآن کے وقت اسکا ابتدائے قرآن میں آنا۔ دوم نماز میں قرأت قرآن کی ابتدا اس سے ہونا۔ نظر بر واقعیت یہ دونوں باتیں درست ہیں۔ اور ان دونوں کی بنا ایک ہی جامع امر پر ہے یعنے ابتدا اور یہی فاتحہ کے معنے ہیں۔ اور جس طرح اُمّ اپنی اُس اولاد کا اصل اور مبدء اور منشا ہوتی ہے جو اُس سے پیدا ہوتی ہے اُسی طرح اُسکا وجود بھی اُن سے پہلے ہوتا ہے لان المبدئیۃ تستلزم الابتداء یعنے مبدء ہونا اس بات کو لازم پکڑتا ہے۔ کہ وہ ابتدا میں ہو۔ پس ایک وجہ کو علامہ ابو السعود رح نے لیا۔ اور دوسری کو امام بخاری رح نے اور دونوں درست ہیں۔ بلکہ جمع بھی ہو سکتی ہیں۔ لہٰذا علامہ ابو السعودؒ کی جرح بجا نہیں۔

علامہ ابو السعود رح نے ایک وجہ پر توجرح کر دی یعنے نماز پر اور دوسری سے مطلقاً تعرض نہیں کیا۔ حالانکہ دونوں میں جامع امر ایک ہی ہے یعنے ابتدا۔

امام بخاری رح محدث ہیں۔ اُنہوں نے قرآن شریف کی کتابت اور نماز میں قرأت قرآن کے متعلق آنحضرت صلعم کی سنت مستمرہ پر نظر کی کہ دونوں کا افتتاح سورہ فاتحہ سے ہے۔

اگرچہ قرأت نماز کا سورت فاتحہ سے افتتاح ساری دنیا کے مسلمانوں کے تعامل کے بعد کسی دیگر دلیل کا محتاج نہیں۔ لیکن پھر بھی ہم اس تعامل کی سندی شہادت بھی بتا دیتے ہیں کہ لفظ افتتاح جس سے فاتحہ کو لفظاً و معناً مناسبت ہے۔ صحیح بخاری۔ جامع ترمذی۔ سنن نسائی۔ مسند دارمی وغیرہا کتب حدیث میں حضرت انس رض اور حضرت عائشہ رض کی روایات میں بالتصریح وارد ہے۔ وہ سب روایات امام بخاری رح کی نظر میں تھیں۔ جس سے انہوں نے سورت فاتحہ کی نسبت لکھا

م باقی حاشیہ ص۴۳ پر دیکھو ۱۲ منہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶)

ویبدء بقراء تھا فے الصلوٰۃ یعنی نماز کی قرات بھی اسی سے شروع ہوتی ہے۔

اِن منقولی دلائل کے بعد لغوی دلیل بھی ملاحظہ فرمائیے۔ اور امام بخاری رح کی دِقتِ نظر اور وسعتِ معلومات کی داد دیجیے۔ وہ یہ کہ لفظ اُم جس طرح جامعیت و شمول پر دلالت کرتا ہے۔ اُس طرح تقدم پر بھی دلالت کرتا ہے۔ عام اِس سے کہ وہ تقدم زمانی ہو یا جگہ میں۔ عربی زبان میں اُس لفظ کا استعمال بہت وسیع ہے اور قریباً ہر اُس موقع پر جس میں جامعیت یا تقدم پایا جائے اِسے اِستعمال کرتے ہیں۔

چنانچہ محدث ابن جریر امام بخاری رح کی موافقت کرتے ہوئے فاتحۃ الکتاب اور اُم القرآن کی وجہ تسمیہ میں فرماتے ہیں

وسمیت فاتحۃ الکتاب لانھا یفتتح بکتابتھا المصاحف ویقرأ بھا فی الصلوٰۃ فھی فواتح لما یتلوھا من سور القرآن فی الکتابۃ والقراءۃ وسمیت ام القرآن لتقدمھا علی سائر سور القرآن غیرھا وتأخر ما سواھا خلفھا فے القراءۃ والکتابۃ وذالک من معناھا شبیہ بمعنی فاتحۃ الکتاب وانما قیل لھا لکونھا کذالک ام القرآن لتسمیۃ العرب کل جامع امرا او مقدم لامر اذا کانت لہ توابع تتبعہ ھو لھا امام جامع اُمّاً (جلد اول ص ۳۵)	اِسکا نام فاتحۃ الکتاب اسلئے رکھا گیا کہ اِس سے قرآن کی کتابت شروع ہوتی ہے۔ اور نماز کی قرات میں بھی پہلے یہی پڑھی جاتی ہے۔ پس کتابت اور قرات میں یہ قرآن کی باقی سب سورتوں پر مقدم ہے۔ اور اس کا نام اُم القرآن بھی اسی تقدم کی وجہ سے ہے کہ یہ قرآن کی باقی سب سورتوں سے پہلے ہے۔ اور دیگر سب قرات اور کتابت میں اس کے پیچھے ہیں۔ اور اِس کے یہ معنے فاتحۃ الکتاب کے معنے سے مشابہ ہیں اور اِسے ایسا ہونے کی وجہ سے اُم القرآن اسلئے کہا گیا کہ عرب ہر اسکو جو کسی امر کا جامع ہو یا ایسے شخص کو جو کسی چیز میں

مقدم ہو اور دیگر اس کے پیچھے لگنے والے ہوں۔ جن کا وہ جامع امام ہو اُم کہتے ہیں۔

اِس کے بعد محدث طبری رح نے چند مثالیں لفظ اُم کے استعمال کی بیان کی ہیں۔ جنہیں جامعیت و تقدم کے معنے پائے جاتے ہیں۔ لیکن ہم اُن کو بخوفِ طوالت نقل نہیں کر سکتے۔

(۲) اِسی طرح علامہ ابن منظور افریقی رح لسان العرب میں فرماتے ہیں:۔

(۱) وام الکتاب فاتحۃ لانہ یبتدأ بھا فی کل صلاۃ	اور اُم الکتاب قرآن کا شروع ہے کہ اُسے ہر نماز میں ابتداء پڑھا جاتا ہے۔
(۲) وجاء فے الحدیث ان ام الکتاب ھی فاتحۃ الکتاب لانھا ھی المقدمۃ امام کل سورۃ فے جمیع الصلوات وابتدئ بھا فی المصحف فقدمت (جلد ص ۲۹۷ زیر لفظ ام)	(۲) اور حدیث میں وارد ہے۔ کہ اُم الکتاب ہی فاتحۃ الکتاب ہے۔ کیوں سب نمازوں میں ہر سورت سے پہلے وہی پڑھی جاتی ہے۔ اور قرآن شریف میں اُسے ہی پہلے لکھا جاتا ہے۔ اِس کے بعد اس کتاب لسان العرب میں بھی اس لفظ کے

استعمالات کی ایک لمبی فہرست لکھی ہے۔ جسے ہم نظر بر کفایت نقل کرنا ضروری نہیں جانتے۔

(۳) علامہ بدرالدین عینی رح شرح صحیح بخاری میں امام بخاری رح کی اسی زیر بحث وجہ تسمیہ کی تائید میں فرماتے ہیں:۔

۳ وقیل سمیت ام القرآن لانھا تؤم غیرھا کالرجل یؤم غیرہ فیتقدم علیہ (عمدۃ القاری جلد ہشتم ص ۱۵۸) بعض کا قول ہے کہ اُم القرآن اسلئے نام رکھا گیا۔ کہ وہ دوسری سورتوں سے مقدم ہے جس طرح کوئی شخص دوسروں کا امام ہو تو وہ ان سب کے آگے ہوتا ہے۔

بیان بالا سے واضح ہو گیا۔ کہ امام بخاری کی توجیہ از روئے احادیث نبویہ اور بلحاظ تحقیقات لغویہ بالکل بجا اور درست ہے۔ ہٰذا والحمد للہ ملہم الحقائق د

نیز مفردات امام راغب میں ہے:-

وقیل لفاتحة الکتاب ام الکتاب لکونها مبدء الکتاب (ص۲۱)

اور سورتِ فاتحہ کو ام الکتاب اسلئے کہا گیا۔ کہ یہ قرآن کا مبدء ہے۔ یعنی قرآن اس سے نکلتا یا شروع ہوتا ہے۔

شروع ہونے کا ذکر اوپر صحیح بخاری سے نقل ہو چکا۔ اب قرآن کے اس سے نکلنے اور پیدا ہونے کی بابت ملاحظہ فرمایئے:- علامہ ابو السعود رح فرماتے ہیں:-

وتسمّی ام القرآن لکونها اصلا ومنشأ له امّا لمبدئیتها له واِمّا لاشتمالها علی ما فیه

(برحاشیہ تفسیر کبیر ص۳)

اسے اُمّ القرآن اسلئے کہتے ہیں۔ کہ یہ قرآن کی اصل اور اُسکی پیدائش کی جگہ ہے۔ یا تو اِس لحاظ سے کہ وہ اِس سے شروع ہوتا ہے اور یا اِس نظر سے کہ یہ سورت جملہ مقاصدِ قرآن پر مشتمل ہے۔

وجہ مناسبت یہ ہے کہ اُمّ (ماں) کا وجود اولاد کے وجود سے پہلے ہوتا ہے۔ بلکہ وہ ساری اولاد کا مبدء یعنے پیدا ہونے کی جگہ ہے۔ اور ماں کا شکم بالاجمال اس ساری اولاد پر مشتمل ہوتا ہے۔ جو اُس سے پیدا ہو۔ اِسی طرح قرآن شریف کے جملہ مقاصد اِسی سے پیدا ہوتے ہیں اور یہ سورت اُن سب پر حاوی و مشتمل ہے۔ یا یوں کہئے کہ یہ سارے قرآن کا خلاصہ ہے۔ یا یوں کہ سارا قرآن اسکی تفسیر ہے۔

اِسی لئے اِس عاجز نے یہ قصد کیا ہے کہ اپنی اِس تفسیر واضح البیان میں سارے قرآن مجید کو بالاختصار سمیٹ کر اور اِس سورت کے ذیل میں لا کر واضح کر دوں کہ واقعی یہ سورت اُمّ القرآن ہے۔ اور اصولاً قرآن شریف کے جملہ مضامین اور مقاصد کی جامع ہے۔ واللہ الموفق

علامہ ابو السعود رح نے عبارت مذکورہ بالا کے بعد بالاجمال وہ سب امر ذکر کر دیئے ہیں جو اِس سورت میں مذکور ہیں۔ اور وہی امور قرآن شریف میں متفرق طور پر جا بجا بالتفصیل مسطور ہیں چنانچہ وہ یہ ہیں:-

من الثناء علی الله عزّ وجلّ والتعبّد بامره ونهیه وبیان وعده ووعیده او علی جملة معانیه من الحکم النظریة والاحکام العملیة التی هی سلوك الصراط المستقیم والاطلاع علی معارج السعداء ومنازل الاشقیاء (ابو السعود ص۵۱)

(برحاشیہ تفسیر کبیر)

یعنی خدا تعالیٰ کی ثناء، اور امر و نہی میں اُسی کا بندہ بنکر رہنا۔ اور خدا کے وعدے اور وعید (عذاب) کا ذکر۔ یا اِس وجہ سے کہ سورت فاتحہ قرآن کریم کے جملہ اہم مقاصد پر مشتمل ہے یعنے حکمتِ نظری اور احکامِ عملیہ جنپر کاربند ہونا صراط مستقیم پر چلنا ہے۔ اور نیز سعادتمندوں کے بلند درجوں اور

بدبختوں کی نچلی منزلوں کی اطلاع پر بھی مشتمل ہے)

(۴) **اَلسَّبْعُ الْمَثَانِیْ** (جمرہ وصحیح البخاری) یعنی ایسی سات آیتیں جو بار بار دُہرائی جائیں، چونکہ سورۂ فاتحہ کی سات آیتیں ہیں اور اسے نماز کی ہر رکعت میں دُہرایا جاتا ہے۔ اسلئے اسے یہ نام دیا گیا۔ (مزید توضیح الصلوٰۃ نام کے ضمن میں دیکھو)

امام رازی نے اس سورت سے دس ہزار مسئلہ نکل سکنا ذکر کیا ہے۔ (کبیر ص۲)

(۵) **اَلْقُرْاٰنُ الْعَظِیْمُ** (جمرہ وصحیح البخاری) اسلئے کہ یہ سورت قرآن شریف کے جملہ مضامین پر شامل ہونے کے علاوہ عظمت وثواب میں بھی سارے قرآن کے برابر ہے۔

جس طرح کہ سورۂ اخلاص (قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ الآیہ) ثلث قرآن کے برابر ہے۔ (موطا وبخاری) کیونکہ اسلام کے اعتقادی ارکان تین ہیں، توحید، نبوت اور آخرت۔

اور سورۂ اخلاص میں انہیں سے صرف ایک یعنے توحید خالص کا بیان ہے لیکن سورت فاتحہ میں ان تینوں کا ذکر ہے؛ بِسْمِ اللّٰهِ سے مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ تک توحید وصفات الٰہیہ کا بیان ہے۔ اور مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ میں روز جزا یعنے آخرت کا ذکر ہے۔ اور اَلَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے ضمن میں انبیاء علیہم السلام بھی داخل ہیں لقولہ تعالیٰ

فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ الآیہ (پ النساء)

نیز اسلئے کہ قرآن شریف مجموعہ ہے۔ اعمال صالحہ اور صحیح اعتقادوں کا۔ باقی تمام امور انہی دو کے فروع اور ظلال ہیں جنکی پابندی چاہیئے۔ یا انہی کی اضداد ہیں جنسے پرہیز لازم ہے۔ قرآن میں انہی کی تفصیل ہے۔ اور سورت فاتحہ میں یہ ہر دو (صحیح اعتقاد واعمال صالحہ) بالاجمال موجود ہیں اسلئے اس کا نام القرآن العظیم بھی رکھا گیا۔

(۶) **اَلصَّلٰوۃُ** (صحیح مسلم) اسلئے کہ اسکی قرأت نماز کا ایک ضروری رکن ہے۔ حضرت سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں:

فَاِنَّ قِرَاءَتَهَا فَرِيْضَةٌ وَهِيَ رُكْنٌ تَبْطُلُ الصَّلٰوةُ بِتَرْكِهَا (ص۵۵)

(نماز میں) اسکی قرارت فرض ہے۔ اور یہ (اُسکا) ایک ضروری رکن ہے۔ جس کے ترک سے نماز باطل ہوجاتی ہے۔

تمام قرآن میں سے صرف اسی کو نماز میں بطور رکن مقرر کیا گیا۔ اور باقی قرارت کے لئے اختیار دیا گیا۔ کہ جہاں سے چاہو یا سکو، پڑھ لو۔ اسکی وجہ یہ ہے۔ کہ یہ پڑھنے میں آسان مضمون میں جامع اور سارے قرآن کا خلاصہ، اور ثواب میں سارے قرآن کے ختم کے برابر ہے۔ اتنے اوصاف والی کوئی دیگر سورت نہیں ہے۔[1]

---

[1] مسئلہ قرأت فاتحہ خلف الامام کی توضیح وتشریح بقدر ضرورت خاتمۂ فاتحہ پر لکھی جائیگی، انشاء اللہ ۱۲ منہ

(۷، ۸) **اَلْحَمْدُ** اور **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ** (بخاری و دارقطنی) اسلئے کہ اسمیں اصولی طور پر خدا تعالیٰ کی جملہ محامد بہتہ مذکور ہیں جیسا کہ آپ انشاء اللہ اس تفسیر میں آیت مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کی تفسیر کے بعد صفات الہیہ کی تقسیم میں مطالعہ فرمائینگے۔

(۹، ۱۰) **اَلشِّفَاءُ و وَالرُّقْيَةُ** اسلئے کہ آنحضرت صلعم کے عہد میں ایک صحابی نے ایک سانپ ڈسے شخص پر اس سورت سے دم جھاڑا تھا۔ تو اُسے شفا ہوگئی تھی (بخاری) اور سنن دارمی میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ سورت فاتحہ میں ہر بیماری کی شفا ہے" (صفحہ ۴۳)

اِن مذکورہ بالا ناموں کے علاوہ اور نام بھی ہیں۔ مثلاً الکنز[۱۱] - الاساس[۱۳] - الکافیہ[۱۴] - الشافیہ[۱۵] - الوافیہ[۱۶] - الشکر[۱۷] - الدعا[۱۸] - تعلیم المسئلہ[۱۹] - المناجاۃ[۲۰] - التفویض[۲۱] - (ابو السعود - فتح الباری اور رحمانی) اِن میں سے بعض نام مرفوعاً ثابت ہیں۔ بعض موقوف ہیں اور بعض ائمہ کے اقوال سے ہیں۔ غرض یہ کہ یہ سورت بڑے شان کی ہے۔

جائے نزول

یہ سُورت مکہ شریف میں نازل ہوئی، کیونکہ اِسکی قرأت نماز میں مقرر ہے۔ اور نماز بالاتفاق مکہ شریف میں فرض ہوئی۔ نیز اسلئے کہ سورہ حجر (پ۱۴) جس میں اِسے سبع مثانی کہا گیا ہے۔ وہ مکی ہے۔"

اِسکی بالاتفاق سات آیات ہیں پہلی آیت بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ہے۔ جیسا کہ انشاء اللہ بِسْمِ اللّٰهِ شریف کی تفسیر میں مدلل بیان ہوگا۔

بحث اوّلیتِ نزول

بعض روایتوں میں وارد ہے۔ کہ سب سے پہلے سورتِ فاتحہ نازل ہوئی لیکن یہ روایت مُرسل ہے[۱] (اتقان) اور مُرسل روایت جمہور محدثین کے نزدیک قابلِ احتجاج نہیں، بالخصوص جبکہ وہ صحیح بخاری کی روایت کے معارض ہو جس میں غارِ حرا کے واقعہ کے ضمن میں منقول ہے کہ اُسوقت آنحضرت صلعم کو حضرت جبرئیل نے سُورتِ علق (پ۳۰) کی بسم اللہ کے بعد کی پانچ آیتیں سکھائی تھیں یہی عطائے نبوت کا وقت تھا۔ اور یہی سب سے پہلی وحی تھی۔ اِس میں کسی کو کلام نہیں۔

اور اگر اِس مُرسل روایت کا اعتبار بھی کیا جائے۔ تو اس کے یہ معنے ہونگے کہ سب سے پہلے یکدفعہ مکمل سورت

[۱] مُرسل اُس روایت کو کہتے ہیں جسے تابعی بغیر ذکر صحابی کے خود رسول اللہ صلعم کی طرف نسبت کرے ۱۲ منہ

یہی نازل ہوئی۔ اِس سے پہلے جو سورتیں نازل ہوئیں وہ نجماً نجماً اُترتی رہیں؛

فضائل

اوّل تو اسکی فضیلت اِسکے اسمائے سے ظاہر ہے۔ جیسا کہ اوپر گذر چکا۔ دیگر یہ کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا:۔

(۱) اَلْفَاتِحَةُ اَعْظَمُ سُوْرَةٍ مِّنَ الْقُرْاٰنِ وَهِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنُ الْعَظِيْمُ (خ-د-س-ق) (الحصن)

(۱) فاتحہ قرآن میں سے سب سے زیادہ عظمت والی سورت ہے اور یہی سبع مثانی اور قرآن عظیم بھی ہے۔

(۲) اُعْطِيْتُ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ مِنْ تَحْتِ الْعَرْشِ (مس) (الحصن)

(۲) مجھے سورت فاتحہ عرش الٰہی کے نیچے سے ملی ہے؛

(۳) مَا اُنْزِلَتْ فِي التَّوْرٰىةِ وَلَا فِي الْاِنْجِيْلِ وَالزَّبُوْرِ وَالْقُرْاٰنِ مِثْلُهَا يَعْنِيْ اُمَّ الْقُرْاٰنِ وَاِنَّهَا سَبْعٌ مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنُ الْعَظِيْمُ الَّذِيْ اُعْطِيْتُ (دارمی ص۴۳۰)

(۳) کوئی سورت مثل اُمّ القرآن کے نہ توریت میں اُتری۔ نہ انجیل میں۔ نہ زبور میں۔ اور نہ قرآن میں۔ یہی سبع مثانی بھی ہے۔ اور قرآن عظیم بھی ہے۔ جو مجھے عطا ہوئی،

(۴) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اُمُّ الْقُرْاٰنِ وَاُمُّ الْكِتَابِ وَالسَّبْعُ الْمَثَانِيْ (دارمی ص۴۳۰)

(۴) سورت الحمد للہ ہی اُمّ القرآن اور اُمّ الکتاب اور سبع المثانی ہے؛

سورت حجر پ۱۴ میں خدا تعالےٰ نے آنحضرت صلعم کو خطاب کرکے فرمایا:۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ (حجر پ۱۴)

(اے پیغمبر!) بیشک ہمنے تمکو سات آیتیں عطا کی ہیں۔ جو بار بار پڑھی جاتی ہیں اور وہ القرآن العظیم بھی ہیں؛

سبع مثانی اور القرآن العظیم سے صرف یہی سورت فاتحہ مراد ہے۔ ان ناموں سے کوئی دیگر سورت موسوم نہیں ہے۔ جیسا کہ احادیث مذکورہ بالا میں گزر چکا، اُن کے علاوہ صحیح بخاری کی ایک خاص حدیث ہے جو اسکی خاص فضیلت کی بھی دلیل ہے، اور اسی مناسبت سے ہم اُسے عنوان فضائل کے ذیل میں لکھتے ہیں؛

عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُعَلّٰى قَالَ مَرَّبِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اُصَلِّيْ فَدَعَانِيْ فَلَمْ اٰتِهٖ حَتّٰى صَلَّيْتُ ثُمَّ اَتَيْتُ فَقَالَ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَاْتِيَ فَقُلْتُ كُنْتُ اُصَلِّيْ فَقَالَ اَلَمْ يَقُلِ

حضرت ابو سعید بن معلّیٰؓ سے مروی ہے کہ (ایکدفعہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گذرے، اور میں اسوقت نماز پڑھ رہا تھا۔ آپ نے مجھے یاد فرمایا۔ لیکن میں نماز پڑھکر ہی حاضر ہوا۔ تو آپ (ص) نے فرمایا

اللہ تعالیٰ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ ثُمَّ قَالَ اَلَا اُعَلِّمُکَ اَعْظَمَ سُوْرَۃٍ فِی الْقُرْاٰنِ قَبْلَ اَنْ اَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ فَذَھَبَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَذَکَّرْتُہٗ فَقَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ھِیَ السَّبْعُ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنُ الْعَظِیْمُ الَّذِیْ اُوْتِیْتُہٗ

(بخاری کتاب التفسیر سورہ حجر)

میرے پاس آنے سے تجھے کس چیز نے روکا۔

مینے عرض کیا۔ کہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔ اِس پر آپ نے فرمایا۔ کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا کہ اے ایمان والو جب تمہیں اللہ اور اُس کا رسول بلاوے۔ تو اُس کے حکم کو (فوراً) قبول کیا کرو۔

پھر آپ نے فرمایا کہ کیا میں تجھکو مسجد سے نکلنے سے پیشتر وہ سورت نہ سکھاؤں جو قرآن میں سب سے بزرگ ہے۔

اِسکے بعد جب آپ مسجد سے نکلنے لگے تو مینے آپ کو یاد دلایا۔ تو آپ نے فرمایا:۔

سورت اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ہی اَلسَّبْعُ الْمَثَانِیْ اور اَلْقُرْاٰنُ الْعَظِیْمُ ہے۔ جو مجھے عطا ہوئی ہے:

اِس حدیث سے صاف معلوم ہوگیا۔ کہ آیت سورۂ حجر میں مِنَ الْمَثَانِیْ کا مِنْ بیانیہ ہے۔ اور اَلْقُرْاٰنُ الْعَظِیْمُ کا اَلْمَثَانِیْ پر عطف من باب عطف الصفۃ علی الصفۃ ہے[1]

سننِ ابن ماجہؒ و مسندِ احمدؒ و مستدرکِ حاکمؒ میں حضرت اُبی بن کعبؓ سے مروی ہے۔ کہ ایک اعرابی نے آنحضرت صلعم سے عرض کی۔ کہ حضرت! میرے بیٹے کو تکلیف ہے۔ آپ نے فرمایا کیا ہے؟ اُس نے عرض کی۔ اُسے آسیب ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اُسے میرے پاس لے آؤ۔ وہ لے آیا۔ تو آپ نے اُسے اپنے سامنے بٹھایا۔ اور اسپر سورتِ فاتحہ اور دیگر آیات سے دم جھاڑا۔ تو وہ لڑکا اٹھ کھڑا ہوا۔ گویا کہ اُسے کوئی بھی تکلیف نہیں تھی۔ (حصن حصین ص۱۷۱ و نیز ص۱۷۲ حاشیہ نمبر۲)

---

[1] مجمع بحار الانوار ص۱۶۵ جلد اول) ۱۲ منہ

الجزء الاول

وهو

الكهف والرقيم

في اسرار

بسم الله الرحمن الرحيم

مِ	سْ	بِ
نام	ساتھ	(شروع)

(۱) بِ - سورتوں کے شروع میں جو بھی بِسْمِ اللّٰہ ہے اسکی ترکیب نحوی کی نسبت کہ بَ جارہ کس کے متعلق ہے مفسرین و ائمہ نحاۃ کے کئی اقوال ہیں - انسب یہی ہے کہ اَلشُّرُوْعُ یا اَلْاِبْتِدَاءُ مبتدا محذوف کے متعلق ہے کیونکہ قول بِسْمِ اللّٰہِ جب ذات باری کی طرف منسوب ہو تو اَبْتَدِئُ یا اَشْرَعُ بصیغہ متکلم موزوں نہیں ہے - اور جب غیر خدا کی طرف منسوب ہو تو یہ بھی اور اَسْتَعِیْنُ بھی اور مُسْتَعِیْنًا وغیرہ بھی سب جائز ہیں، حضرت سلیمان علیہ السلام کے خط میں جو بِسْمِ اللّٰہ ہے اور آنحضرتؐ کے مکاتیب میں جو لکھی جاتی تھی - وہ سب اسی جنس سے ہیں - اور بعض کا یہ کہنا کہ ہر کام کے مناسب صیغۂ متکلم کو محذوف ماننا چاہیئے - یعنے پڑھنے کا موقع ہے - تو اَقْرَءُ اور لکھنے کا موقع ہے - تو اَکْتُبُ اور کام کرنے کا ہے تو اَصْنَعُ یا اَفْعَلُ سمجھنا چاہیئے - یہ بھی اسی کی تفصیل و تطویل ہے - جو قولِ مخلوق ہونیکے وقت سب درست ہو سکتے ہیں - اور بعض نے اِقْرَءْ (بصیغہ امر) محذوف مانا ہے، کیونکہ سورۂ علق میں آیا ہے -

اِقْرَءْ بِاسْمِ رَبِّكَ (زینی زادہ) لیکن پھر سورۂ علق میں تکرار لازم آئیگا - وَهُوَ كَمَا تَرٰى -

(۲) اِسْمِ - لفظ اِسم کے اصل کی نسبت بھی ائمہ صرف کے مختلف اقوال ہیں - بعض کے نزدیک اصل میں سَمْوٌ تھا - بمعنے بلندی - کیونکہ یہ اپنے مسمّٰی کے لئے موجب رفعت و بلندی ہوتا ہے - واو آخیر سے کثرتِ استعمال سے گر گئی - اور ہمزۂ وصل شروع میں بڑھایا گیا، اسی لئے اسکی جمع اَسْمَاء اور اَسَامِیْ اور فعل تزئیہ سَمّٰی اور سَمَیْتُ آتے ہیں - امام زمخشری رہ اور قاضی بیضاوی رہ نے اسی کی تائید کی ہے ؛

(۳) رَسْمُ الْخَطِّ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کی کتابت میں اِسْم کا الف نہیں لکھا جاتا اور بَ جارہ اور اسم کے سَ کو ملاکر اور سین کے دندانے نکالکر یوں بِسْمِ لکھتے ہیں، اسکے علاوہ جس جگہ بِاسْمِ لکھا جائیگا الف کے ساتھ لکھا جائیگا - جیسے اِقْرَءْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ (پ علق) اور فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِیْمِ (واقعہ و حاقہ)

(۴) بِاللّٰہِ نہیں کہا - بِسْمِ اللّٰہِ کہا ہے اور بِاللّٰہِ نہیں کہا - تاکہ معلوم ہو کہ جس ذات کا نام برکت والا ہے خود اس ذات کی عظمت کسقدر ہوگی ! اَللّٰهُ اَکْبَرُ مِنْ کُلِّ کَبِیْرٍ !!

(۵) نیز اسلئے کہ محاورۂ عرب میں بِاللّٰہِ، یمین (قسم) کے لئے اور بِسْمِ اللّٰہ الخ تیمّن (تبرک) کے لئے بولا جاتا ہے - پس اس امتیاز کو قائم رکھا گیا +

(۶) اللہ تعالیٰ کا اسم بھی بابرکت ہے۔ چنانچہ سورۂ الرحمٰن میں فرمایا:-

تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِی الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ؕ (الرحمٰن پ ۲۷)	(اے پیغمبر) تیرا پروردگار جو بہت بزرگی والا اور جلال والا ہے اسکا اسم بہت برکت والا ہے؛

اسی طرح اللہ (جل جلالہ) کی ذات بھی بہت برکت والی ہے۔ چنانچہ فرمایا:-

تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ ؕ (سورہ الملک پ ۲۹)	بہت برکت والی ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہے (تمام) بادشاہی اور وہ ہر شئے پر قادر ہے؛

پس جس طرح اسکی ذات عیوب ونقائص سے منزہ ہے چنانچہ فرمایا:-

فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ (یٰس پ ۲۳)	سو پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہے حکومت ہر چیز کی؛

اسی طرح اس کے اسمائے حسنیٰ بھی معانی کی برائی اور بے ادبی سے منزہ ہیں کیونکہ جسکی ذات پاک اس کے اسماء اور صفات بھی پاک۔ چنانچہ تسبیح اسم کے لئے فرمایا:- سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَی (پ ۳۰) یعنی پاکیزگی بول اپنے رب کے اسم کی جو سب سے اعلےٰ (اوپر) ہے؛ نیز فرمایا فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِیْمِ (الواقعہ والحاقہ) یعنی پس پاکیزگی بول اپنے رب کے نام کی جو بڑی عظمت وبزرگی والا ہے۔

اور آنحضرت صلعم اس حکم کی تعمیل میں رکوع میں سُبْحٰنَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ اور سجدہ میں سُبْحٰنَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی پڑھا کرتے تھے۔ (ترمذی وغیرہ)

اور تسبیح ذات کی نسبت فرمایا:- سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ (صف پ ۲۸) یعنے اللہ کے لئے پاکیزگی بولتی ہے۔ ہر شئے جو آسمانوں میں ہے۔ اور ہر شئے جو زمین میں ہے؛

اس طرح کی آیات قرآن مجید میں بکثرت ہیں۔

چونکہ ذاتِ برحق اور اسکی جملہ صفاتِ کمال اور اس کے تمام اسمائے حسنیٰ منزہ اور بابرکت ہیں اسلئے جس طرح ذات کے ذکر کا حکم کیا۔ کہ فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِكُمْ (النساء پ ۵) یعنی پھر جب تم نماز ادا کر چکو! تو یاد کرو اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور پڑے؛

اور دوسری جگہ فرمایا:-

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (انفال پ ۱۰ وجمعہ پ ۲۸) یعنی یاد کرتے رہو اللہ کو بہت بہت تاکہ تم فلاح (نجات وکامیابی) حاصل کرو؛

اِسی طرح اپنے اسم کے ذکر کی نسبت بھی فرمایا:۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا (مزمل پ ۲۹)	یعنے (اے پیغمبر) یاد کر اپنے رب کا اسم اور چھوٹ آ اُسی کی طرف سب سے الگ ہو کر۔

اِسی طرح دوسری جگہ فرمایا:۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَأَصِيلًا (دہر پ ۲۹)	یعنے یاد کر نام اپنے رب کا صبح و شام۔

اِسی کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

إِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ اسْمًا مِائَةً إِلَّا وَاحِدًا مَنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ (صحیح بخاری کتاب التوحید)	اللہ تعالیٰ کے ایک کم سو یعنے ننانوے ۹۹ ایسے نام ہیں کہ جو کوئی اُن کو حفظ کرلے وہ جنت میں جاوے۔

اِن ننانوے ۹۹ ناموں کی تفصیل جامع ترمذی کی روایت میں حسب ذیل ہے:۔

فہرست اسمائے حسنیٰ

هُوَ اللّٰهُ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ (۷)

۱ الرحمٰن	۲ الرحیم	۳ الملک	۴ القدوس	۵ السلام	۶ المؤمن	۷ المہیمن	۸ العزیز
۹ الجبار	۱۰ المتکبر	۱۱ الخالق	۱۲ البارئ	۱۳ المصور	۱۴ الغفار	۱۵ القہار	۱۶ الوہاب
۱۷ الرزاق	۱۸ الفتاح	۱۹ العلیم	۲۰ القابض	۲۱ الباسط	۲۲ الخافض	۲۳ الرافع	۲۴ المعز
۲۵ المذل	۲۶ السمیع	۲۷ البصیر	۲۸ الحکم	۲۹ العدل	۳۰ اللطیف	۳۱ الخبیر	۳۲ الحلیم
۳۳ العظیم	۳۴ الغفور	۳۵ الشکور	۳۶ العلی	۳۷ الکبیر	۳۸ الحفیظ	۳۹ المقیت	۴۰ الحسیب

۴۲ الجلیل	۴۳ الکریم	۴۴ الرقیب	۴۵ المجیب	۴۶ الواسع	۴۷ الحکیم	۴۸ الودود	۴۹ المجید
۵۰ الشهید	۵۱ الحق	۵۲ الوکیل	۵۳ القوی	۵۴ المتین	۵۵ الولی	۵۶ الحمید	۵۷ المحصی
۵۸ المبدی	۵۹ المعید	۶۰ المحیی	۶۱ الممیت	۶۲ الحی	۶۳ القیوم	۶۴ الواجد	۶۵ الماجد
۶۶ الواحد	۶۷ الصمد	۶۸ القادر	۶۹ المقتدر	۷۰ المقدم	۷۱ المؤخر	۷۲ الاول	۷۳ الآخر
۷۴ الظاهر	۷۵ الباطن	۷۶ الوالی	۷۷ المتعالی	۷۸ البر	۷۹ التواب	۸۰ المنعم	۸۱ المنتقم
۸۲ العفو	۸۳ الرؤف	۸۴ مالک الملک	۸۵ ذوالجلال والاکرام	۸۶ المقسط	۸۷ الجامع	۸۸ الغنی	۸۹ المغنی
۹۰ المانع	۹۱ الضار	۹۲ النافع	۹۳ النور	۹۴ الهادی	۹۵ البدیع	۹۶ الباقی	۹۷ الوارث
			۹۸ الرشید	۹۹ الصبور			

اسم اعظم

حدیث میں وارد ہے۔ کہ خدا تعالےٰ کا ایک اسم اعظم ہے۔ کہ اس سے خدا تعالےٰ کو پکارا جائے۔ تو قبول فرماتا ہے۔ اور کچھ مانگا جائے تو عطا کرتا ہے۔ (الحصن الحصین)

بنابر روایات و تجربہ، بقولِ اکثر صلحاء وہ اسم یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ ہے۔

جامع ترمذی میں حضرت معاذ رضہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ کہتے سنا، تو اُسے فرمایا: تیری (پکار) قبول ہو گئی پس (جو کچھ تجھے مانگنا ہو وہ) مانگ لے" (حصن)

قال العبد الضعیف وقد جربتہ مرارًا وھو من اورادی فی المخاوف والاھوال ۱۲،

نیز حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے پاس سے گذرے، جو کہ رہا تھا۔ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ اس پر آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ نے تیری طرف نظرِ (رحمت) کی ہے۔ پس (جو مانگنا ہو) مانگ" (حصن) قال العبد الاثیم وقد جربتہ عند ما لا احصیہ وھو ایضا من اورادی فی ھجوم الافکار والاحزان ہ

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کا ایک فرشتہ اسی بات پر مقرر ہے کہ جو شخص خدا تعالیٰ کو تین دفعہ اس طرح پکارے کہ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ، تو وہ فرشتہ اُسے کہتا ہے کہ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ نے تیری طرف توجہ فرمائی ہے پس تو (جو مانگنا چاہے) مانگ لے،

جس طرح اللہ تعالیٰ کے اسماء کی تسبیح و ذکر کا حکم کیا ہے۔ اُس طرح اسمآءِ الٰہیہ سے یعنے اُس کے اسماء حُسنٰی سے پکار کر دعا کرنے کا بھی حکم کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا (اعراف ۹) یعنے اللہ ہی کے لیئے ہیں اسمائے حُسنٰی پس تم پکارو اُسکو اُن (ناموں) سے

نیز فرمایا قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى (بنی اسرائیل ۱۵) یعنے (اے پیغمبر) ان سے کہو، تم اللہ (کہکر) پکارو، یا رحمٰن (کہکر) پکارو، کسی (نام) سے پکارو، اُسی کے ہیں سب اچھے نام،

دُعا مانگنے کا طریق

شیخ اکبر قدس سرہ اسمائے الٰہیہ سے دعا مانگنے کے متعلق زیر آیت (وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى) یعنے اللہ ہی کے ہیں سب اچھے نام۔ فرماتے ہیں:۔

قد مر ان کل اسم ھو الذات مع صفتہ واللہ یدبر کل امر باسم من اسمائہ (فادعوہ) عند الافتقار الی ذلک الاسم بہ اِمّا بلسان الحال کما ان الجاھل اذا طلب العلم یدعوہ باسمہ العلیم والمریض اذا طلب الشفاء یدعوہ باسمہ الشافی والفقیر اذا طلب الغنا یدعوہ

پیشتر گذر چکا ہے کہ ہر اسم ذات مع صفت ہے اور اللہ تعالیٰ ہر امر کی تدبیر اپنے کسی اسم سے کرتا ہے۔ (پس اُسے اُن ناموں سے پکارو) یعنے اُس اسم کی حاجت کے وقت خدائے تعالیٰ کو اُس اسم سے پکارو۔ یا تو زبانِ حال سے۔ جیسے کہ کوئی جاہل جب علم کا طالب ہو تو اُسے اُس کے اسم علیم سے پکارے، اور مریض جب شفا کا

بإسمه المغنی، کل بتحصیل الاستعداد الذی استلزم قبوله لتاثیر ذالک الاسم واثر تلک الصفة واِمّا بلسان القال کما اذا قال الاول یارب یرید به یا علیم لاختصاص ربوبیته بذالک الاسم والثانی یرید بیارب یاشافی والثالث یامغنی (التفسیر الصغیر للشیخ الاکبر المطبوع مصر ص ۱۲۳)

(جلد اول سورہ اعراف)

خواہاں ہو تو اُسے اسمِ شافی سے پکارے اور محتاج جب غنا کی طلب رکھے۔ تو اُسے اُس کے اسمِ مغنی سے پکارے، ہر کوئی استعداد حاصل کرنے سے جو مستلزمِ قبولیت ہے۔ اُس اسم اور صفت کی تاثیر کے لئے۔ اور یا زبانِ قال سے۔ جس طرح کہ پہلا یعنے جاہل یا رب کہے تو اُسکی مراد ہو۔ یا علیم۔ کیونکہ اُسکی ربوبیت اِس اسم سے مخصوص ہے۔ اور دوسرا یعنے بیمار یا رب سے یا شافی اور تیسرا یعنے محتاج یا مغنی (مراد رکھے)

آنحضرت صلعم کی بعض دُعائیں

بیخوابی کی دُعا جو کچھ حضرت شیخ اکبرؒ نے ذکر کیا۔ وہ اُنہوں نے قرآن وحدیث سے لیا ہے۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہت سی دعائیں ایسی ہی ہیں۔ چنانچہ حضرت زید بن ثابتؓ (کاتب وحی) کو آپ نے اضطراب کے سبب نیند نہ آنے کے علاج میں یہ دعا سکھلائی تھی:-

اَللّٰهُمَّ غَارَتِ النُّجُوْمُ وَهَدَأَتِ الْعُيُوْنُ وَ اَنْتَ حَيٌّ قَيُّوْمٌ لَا تَاْخُذُكَ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ اَهْدِئْ لَيْلِيْ وَاَنِمْ عَيْنِيْ (الحصن الحصین ص۹۵)

یا اللہ! ستارے نیچے چلے گئے اور لوگوں کی آنکھیں بھی آرام کر گئیں اور تو حیّ قیّوم ہے تجھے نہ اونگھ آتی ہے اور نہ نیند۔ اے سدا بذاتِ خود زندہ اور قائم خدا میری رات آسائش و آرام کی بنا دے اور میری آنکھ کو سُلا دے۔

ہر مُصیبت کی دعا اور اسمِ اعظم

۲- اِسی طرح آپ صلعم واقعۂ بدر میں سجدے میں پڑھا کرتے تھے۔
يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ مُسْ ی وَیُکَرِّرُ وَهُوَ سَاجِدٌ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ سَ مُسْ (الحصن الحصین یوسفی ص۱۷۹)

اے سدا بذاتِ خود زندہ وقائم خدا میں تیری رحمت کا واسطہ پکڑ کر فریاد کرتا ہوں۔

نیز آنحضرت صلعم سجدے میں پڑ کر بار بار کہتے تھے يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ۔

۳- اسی طرح یہ ہے کہ ایک شخص کو آپ صلعم نے یہ کہتے سنا۔ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ، تو آپ نے فرمایا
قَدِ اسْتُجِیْبَ لَکَ فَسَلْ (الحصن ص۳۹) یعنی تیری دُعا قبول ہوگئی، پس (جو مانگنا ہو) مانگ لے۔"

۴- اسی طرح یہ ہے کہ آپ صلعم ایک شخص کے پاس سے گذرے اور وہ کہہ رہا تھا۔ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ
تو آپ نے فرمایا:- سَلْ فَقَدْ نَظَرَ اللّٰہُ اِلَیْکَ (الحصن ص۳۹) یعنی مانگ اللہ (ارحم الراحمین) نے تیری
طرف نظرِ عنایت کی ہے۔ اسم ارحم الراحمین کی نسبت آپ نے یہ بھی فرمایا۔ کہ اللہ تعالےٰ نے ایک فرشتہ اسم ارحم
الراحمین کے متعلق مقرر رکھا ہے جو شخص اسی اسم سے پکارے، وہ فرشتہ اس شخص کو کہتا ہے کہ ارحم الراحمین نے
تیری طرف عنایت فرمائی ہے۔ پس (جو مانگنا ہو سو) مانگ لے" (حصن حصین یوسفی ص۳۹)

حضرت ایوبؑ کی دُعا

حضرت ایوب علیہ السلام کی دُعا جو قرآن مجید میں وارد ہے کہ انہوں نے اپنی رفع تکلیف کے لئے مانگی تھی۔ وہ اسی اسم ارحم الراحمین سے تھی اور وہ قبول ہوئی۔ چنانچہ فرمایا:-

وَاَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّہٗ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ فَاسْتَجَبْنَا لَہٗ فَکَشَفْنَا مَا بِہٖ مِنْ ضُرٍّ الخ (انبیاء پ۱۷)	مجھے نہایت درجے کی تکلیف پہنچی ہے۔ اور تو سب رحم والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ پس ہمنے اسکی دعا قبول فرما کر اسکی تکلیف دور کردی الخ

۵- غم واندوہ کی دُعا۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فکر و اندوہ کے دُور کرنے کیلئے سکھایا:-

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْحَلِیْمُ الْکَرِیْمُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْاَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْکَرِیْمِ خ (الحصن ص۱۴۲)	اللہ کے سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں ہے۔ وہ حلیم وکریم ہے۔ اللہ کے سوا کوئی بھی لائق پرستش نہیں ہے۔ وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔ اللہ کے سوا کوئی بھی لائق بندگی نہیں ہے۔ وہ آسمانوں کا اور زمین کا اور عرش کریم کا صاحب ہے۔

۶- آگ جلے کے لئے دُعا۔ آگ سے جلے ہوئے بیمار کی شفا کے لئے سکھایا۔ کہ اُس پر پڑھا جائے

اَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ لَا شَافِیَ اِلَّا اَنْتَ س م (الحصن ص۱۲۳)	اے سب لوگوں کے پروردگار اور مالک اس تکلیف کو دُور کر دے اور شفا دے، تو ہی شافی ہے۔ تیرے سوا

کوئی بھی شفا دینے والا نہیں"۔

۷۔ حضرت علیؓ کے پاس ایک شخص آیا۔ اور کہنے لگا کہ فلاں شخص بیمار ہے۔ آپ نے فرمایا کیا تجھے خوش لگتا ہے۔ کہ وہ شفا پا جائے۔ اُس نے کہا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا۔ یہ کلمات) کہ تو وہ شفا پائے گا۔ (الحصن ص۱۱۱) کلمات یہ ہیں:-

بیمار کے لئے دُعا یَا حَلِیْمُ یَا کَرِیْمُ اشْفِ فُلَانًا[۱] (لفظ فلاناً کی بجائے بیمار کا نام لے)

الغرض آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں اِسکی مثالیں بکثرت ملینگی کہ جن میں اللہ تعالےٰ کے اسماء حاجت کے مناسب ذکر کئے گئے ہیں۔

حضرت نوحؑ کی دُعا حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کی نسبت اس طرح عرض کی:-

رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَھْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْکَمُ الْحَاکِمِیْنَ ۝ (ھود پ۱۲)	اے میرے پروردگار! میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے، اور بیشک تیرا وعدہ سچا ہے اور تو احکم الحاکمین ہے

حضرت نوح علیہ السلام کے خیال میں آپ کا بیٹا اللہ تعالےٰ کے وعدے میں داخل تھا۔ اس لئے اپنی حاجت کے مناسب اللہ تعالےٰ کو اسم احکم الحاکمین سے یاد کیا، کیونکہ حاکم کی بات پختہ ہونی چاہیئے۔ اور اس کا وعدہ سچا ہونا چاہیئے۔

قرآن مجید میں جو مختلف مقامات پر اللہ تعالےٰ کے مختلف اسمآء مذکور ہیں۔ وہ سب مناسبتِ موقع کے لحاظ سے ہیں۔ چنانچہ آپ انشاءاللہ بڑی تفسیر **تبصیر الرحمٰن** میں ہر موقع پر دیکھتے رہینگے۔

ازالۂ شبہ صحیح بخاری کی ننانوے (۹۹) ناموں والی روایت اور جامع ترمذی سے اُن کی فہرست جو اوپر لکھی گئی اُس میں ستائیس نام جو قرآن میں وارد ہیں مذکور نہیں۔ مثلاً رب۔ قدیر۔ نصیر۔ شاکر۔ غالب وغیرہا پس کس طرح کہا جا سکتا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کے یہی ننانوے (۹۹) نام ہیں؟ اِس کا **حل** اسطرح ہے۔ کہ حدیث کا منشاء یہ نہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ کے صرف یہی ننانوے (۹۹) نام ہیں۔ بلکہ منشاء یہ ہے کہ اِن مخصوص ننانوے (۹۹) ناموں کا وظیفہ منجملہ اُن اعمال و اذکار کے ہے۔ جو موجبِ جنت ہیں (فتح الباری)

---

[۱] کیا اپنی بیماری اور کیا دوسروں کی بیماری کے لئے مصنف خاکسار کا ہمیشہ ان کلمات سے دعا کرنے کا معمول ہے اور عموماً خدا کے فضل سے بیمار جلد شفایاب ہو جاتے ہیں صدہا بار تجربہ کیا گیا۔ وللہ الحمد ۱۲ منہ

اَللّٰہُ

لفظ اللّٰہ جو ذاتِ برحق کا علَم اور اسمِ ذات ہے۔ زبان کے رُو سے اصل میں اَلْاِلٰہ تھا، ہمزہ اِلٰہ کا حذف کیا گیا۔ اور الف لام اُس کے عوض لزوماً شامل رکھا گیا۔ گویا کہ یہ جزوِ کلمہ ہے۔ اِسی لئے ندا کے وقت یَا اَللّٰہُ الگ الگ بولتے ہیں[1] اور اکثر ندا کے وقت یا کلمۂ ندا کو حذف کرکے اُس کے عوض اخیر میں میم مشدد لگاکر کہتے ہیں اَللّٰھُمَّ (لسان) اور اِلٰہٌ اصل میں وِلَاہٌ تھا۔ واؤ کو ہمزہ سے بدلا، اِسکی مثالیں زبان میں بہت ہیں۔ جیسے وُقِّتَتْ سے اُقِّتَتْ (مرسلات پ ۲۹) اور وِشَاحٌ سے اِشَاحٌ بمعنے عورتوں کے پہننے کا ہار اور وُجُوْہٌ سے اُجُوْہٌ اور وِجَاحٌ سے اِجَاحٌ بمعنے پردہ (لسان مع الزیادہ)

رسم الخط یہ لفظ کیا بلحاظ رسم الخط اور کیا بلحاظِ اشتقاق و معنے عجیب عجیب خصوصیتیں رکھتا ہے۔ رسم الخط کے رُو سے اِس طرح کہ اِس کی تحریر کا طریق یوں ہے۔ (اَللّٰہُ) اگر ہمزہ کو ابتدا سے گرادیں تو باقی صورت لِلّٰہِ رہ جاتی ہے۔ اور یہ لام جارہ داخل کرنے سے لِلّٰہِ کی صورت ہے۔ پھر اگر اِس کے پہلے لام کو بھی گرادیں۔ تو صورت لَہٗ کی رہ جاتی ہے یعنے لام جارہ اور ضمیرِ غائب سے مرکب۔ اور اگر لام ثانی کو بھی گرادیں۔ تو صرف ہٗ صورت ضمیرِ غائب کی رہ جاتی ہے۔ اور یہ سب یعنے لِلّٰہِ اور لَہٗ اور ہٗ ذاتِ برحق کیلئے وارد ہیں۔ چنانچہ یہ تینوں ایک ہی آیت میں موجود ہیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَلَہُ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَۃِ وَھُوَ الْحَکِیْمُ الْخَبِیْرُ (سبا پ ۲۲)	سب خوبیاں اللہ ہی کے لئے خاص ہیں جسکی مِلک میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے۔ اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور اُسی کی تعریف ہے آخرت میں بھی۔ اور وہ بڑا باحکمت (اور) ہر چیز سے خبردار ہے"

لفظ ھُوَ جو اِس آیت میں اسمِ ضمیر ہے۔ اصل میں صرف ہٗ ہی تھا۔ واؤ تلفظ میں سہولت پیدا کرنے کے لئے زیادہ کیگئی ہے۔ دلیل اسکی یہ ہے کہ اسکی جمع و تثنیہ ھُمَا اور ھُمْ ہے۔ اگر واؤ اصلی ہوتی۔ تو تثنیہ اور جمع میں قائم رہتی۔

---

[1] سید شریف رح حاشیہ کشاف میں فرماتے ہیں۔ اعلم ان العقلا کما تاھوا فے ذات اللّٰہ وصفاتہ لاحتجابھا بانوار العظمۃ واستار الجبروت کذالک تحیروا فے لفظ اللّٰہ کانہ انعکس الیہ من مسماہ اشعۃ من تلک الانوار فقہرت اعین المستبصرین عن ادراکہ فاختلفوا اسریانی ھو ام عربی ، اسم او صفۃ مشتق ومم اشتقاقہ وما اصلہ او غیر مشتق علم او غیر علم واختار العلامۃ انہ عربی وانہ کان فی الاصل اسم جنس ثم صار علما للذات المعبود بالحق واصلہ الالٰہ وانہ مشتق من اَلِہَ بمعنے تحیر ۱۲ منہ (ص ۳)

سبحان اللہ! کیسا مبارک لفظ ہے کہ اس کے حروف مجموعی اور انفرادی ہر دو طرح پر اسی ذات پاک پر دلالت کر سکتے ہیں۔ ؎

عِبَارَاتُنَا شَتّٰی وَحُسْنُكَ وَاحِدٌ	وَكُلٌّ اِلٰی ذَاكَ الْجَمَالِ يُشِيْرُ
ہماری عبارتیں مختلف ہیں اور تیرا حسن ایک ہی ہے	ہر کوئی اسی جمال بے مثال کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

اشتقاق و معنے کے لحاظ سے اس طرح کہ بنا بر اشتقاق اسکے کئی ایک معنی ہیں:-

اَلَہَ (بفتح اللام) اَلِهَةً وَاُلُوْهَةً وَاُلُوْهِيَّةً (مصادر) بمعنے عَبَدَ، اسی سے ہے تَاَلَّهَ تَعَبَّدَ، اِسْتَاْلَهَ، اِسْتَعْبَدَ، پس اِلٰہ کے معنے ہوئے "عبادت کے لائق"

اَلِهَ (بکسر اللام) بمعنے تَحَيَّرَ (لسان) پس اِلٰہ کے معنے ہیں۔ ایسی ذات جس کے ادراک و معرفت میں عقل حیران ہو۔ کما قال الشهرستانی المتکلم

لَعَمْرِیْ لَقَدْ طُفْتُ الْمَعَاهِدَ كُلَّهَا	وَسَيَّرْتُ طَرْفِيْ بَيْنَ تِلْكَ الْمَعَالِمِ
اپنی زندگی کی قسم کہ میں نے سب بڑے بڑے معبدوں کے گرد چکر کاٹے	اور ان سب نشانوں میں خوب نظریں دوڑائیں
فَلَمْ اَرَ اِلَّا وَاضِعًا كَفَّ حَائِرٍ	عَلٰی ذَقَنٍ اَوْ قَارِعًا سِنَّ نَادِمٍ
پس میں نے سوائے اسکے نہ دیکھا کہ کوئی تو حیران ہو کر اپنی ہتھیلی	ٹھوڑی پر رکھے ہوئے ہے اور کوئی ندامت کے دانت بجا رہا ہے

اَلِهَ بمعنے فَزِعَ، اور اس کے مزید میں اَلَهَهٗ غَيْرُهٗ یعنے کسی دوسرے نے اسے پناہ دی کہ پس اِلٰہ سے مراد وہ ذات ہے۔ کہ شدائد کے وقت اسکے پاس گڑگڑائیں، اور وہ پناہ دیوے۔ اور ظاہر ہے۔ کہ مصائب و شدائد میں اللہ کی طرف التجا کی جاتی ہے۔ اور وہ اس شدت کے وقت پناہ دیتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:-

قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ (مومنون پ ۱۸)	(اے پیغمبر! ان سے کہو کہ (اللہ کے سوا) وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی حکومت ہے۔ اور وہ پناہ

دیتا ہے اور اسکی گرفت پر کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔

وَقَالَ الْاِمَامُ الشَّافِعِيُّ رح :- ؎

يَا مَنْ اِلَيْهِ الْمُشْتَكٰى وَالْمَفْزَعُ	اَنْتَ الْمُعَدُّ لِكُلِّ مَا يُتَوَقَّعُ

اے وہ ذات کہ شکوے شکایت اور رونے چلانے کی جگہ وہی ہے تو ہی ہر اس چیز کا مہیا کر دینے والا ہے جسکی توقع ہو

اَلِهْتُ اِلٰی فُلَانٍ ای سَکَنْتُ اِلَیْہِ یعنے اِس کے معنے میں سکون واطمینان بھی ہے۔ پس اِلٰہ وہ ذات ہے۔ جس سے قلوب کو تسکین اور ارواح کو راحت واطمینان حاصل ہو۔ چنانچہ فرمایا:۔

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (رعد پ۱۳) یعنے سُن رکھو! دلوں کی تسلی (صرف) اللہ ہی کے ذکر سے ہے۔"

اِلٰہ کے معنے یہ بھی ہیں "ایسی ذات جسکی طرف نہایت پیار اور شیفتگی سے رجوع کیا جائے" اور یہ ماخوذ ہے۔ محاورہ اَلِہَ الْفَصِیْلُ اِلٰی اُمِّہٖ سے "یعنے رجوع کیا (اونٹنی کے) بچے نے اپنی ماں کی طرف" اور ظاہر ہے۔ کہ ذات برحق کیطرف ہر ایک کا رجوع نہایت شیفتگی و فریفتگی سے ہوتا ہے۔ چنانچہ لسان العرب میں ہے:

ومعنے وِلٰہٍ ان الخلق یولھون الیہ فی حوائجھم و یضرعون الیہ فیما یصیبھم ویفزعون الیہ فی کل ما ینوبھم کما یولہ کل طفل الی امہ (ص۳۶۶ جلد ۱۷)	وِلٰہ کے معنے یہ ہیں کہ خلقت اپنی حاجات میں اُسکی طرف مضطرب ہوتی ہے۔ اور اپنے مصائب میں اُسکے سامنے گڑگڑاتی ہے۔ اور اپنے حوادث میں چلاّتی ہے۔ جسطرح کہ بچہ اپنی ماں کی طرف شوق سے رجوع کرتا ہے؛

اِسی کے موافق مفرداتِ راغب میں ہے:۔

وقیل اصلہ وِلاہ فابدل من الواو ھمزۃ و تسمیتہ بذالک لکون کل مخلوق والھا نحوہ (ص۲۰)	بعض کا قول ہے کہ اِلٰہ کا اصل وِلاہ تھا۔ واو کو ہمزہ سے بدلا اور ذاتِ حق کو اِس نام سے اسلئے موسوم کیا گیا کہ ہر مخلوق اُسکی طرف فریفتگی سے رجوع کرتی ہے؛

بعض کہتے ہیں کہ اِس کا اصل لَاہٌ تھا جو مصدر ہے چنانچہ اِس کا باب مجرّد باع یَبِیْعُ کے وزن پر لَاہَ یَلِیْہُ لَاھًا وَلَیْھًا الخ آتا ہے

قاضی بیضاوی رح نے اِسکی شہادت میں یہ شعر لکھا ہے:۔

کَحَلْفَۃٍ مِنْ اَبِیْ دَبَاحٍ یَشْھَدُھَا لَاھُہُ الْکُبَارُ

لُوْہٌ اور لَیْہٌ کے معنے ہیں۔ احتجاب وارتفاع چنانچہ قاموس میں ہے:۔

لَاہَ یَلِیْہُ لَیْھًا تستر وجوز سیبویہ اشتقاق الجلالۃ منھا وعلا وارتفع وسمیت الشمس الٰھۃ لارتفاعھا (زیر لفظ لاہ)	لاہ کے معنے ہیں پوشیدہ ہوا۔ اور امام سیبویہ نے اِس سے اسم اللہ کا اشتقاق جائز جانا ہے۔ نیز اِس کے معنے ہیں بلند ہوا۔ اور آفتاب کو اُسکی بلندی کی وجہ سے اِلٰھۃ کہتے ہیں"

چونکہ ذاتِ برحق آنکھوں سے پوشیدہ ہے اور سب سے اُوپر ہے[1]۔ اور ہر اُس نسبت سے جو اُسکی شان کے لائق نہیں بلند ہے۔ اِس لئے اُسے اِلٰـہ کہتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ (انعام پ۷)	یہ آنکھیں اُس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ اُسے ان سب آنکھوں کا ادراک ہے۔ اور وہ بہت باریک بین اور خبردار ہے،،

اِسی معنے میں خواجہ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا ہے:۔ ؎

زِ ہجر و وصلِ تو بحیرتم چہ چارہ کنم ۔۔۔ نہ در برابرِ چشمی نہ غائب از نظری

یعنے ذاتِ برحق چشمِ ظاہر سے تو پوشیدہ ہے۔ لیکن اسکی قدرت کے مظاہر اِس کثرت سے ہیں کہ اُسے عیاں سے عیاں کہہ سکتے ہیں"

اور حدیث میں ایک دُعا ہے، جس کا شروع اسطرح ہے:۔

يَا مَنْ لَا تَرَاهُ الْعُيُوْنُ وَلَا تُخَالِطُهُ الظُّنُوْنُ (الحصن) یعنے اے اللہ وہ ذات جسے یہ آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں اور وہم و گمان اُس تک نہیں پہنچ سکتے"

حکمت اللہ تعالیٰ کے حواسِ انسانی سے پوشیدہ ہونے میں یہ حکمت ہے۔ کہ جب نظر کسی شئے کو محدود کر لیتی ہے۔ اور عقل اُسکی حقیقت کو پالیتی ہے۔ تو اکثر اُسکی ہیبت و عظمت ویسی باقی نہیں رہتی۔ جو اُس کے دیکھنے سے پہلے ہوتی ہے۔ اور ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ کہ لفظِ اِلٰہ کے معنے بلحاظ اشتقاق یہ بھی ہیں۔ کہ عقل اُس کے ادراک سے عاجز ہے۔ اور یہ بھی کہ وہ نہایت بلند شان والا ہے پس اُسکی ذات کے پوشیدہ رہنے اور آثارِ قدرت کے نمایاں ہونے سے اُسکی جلالت و عظمت دل و دماغ میں بہت بیٹھتی ہے۔ ؎

عطا کی عقل جسنے بھلا وہ عقل میں کسطرح آئے ۔۔۔ سمجھ بخشی ہے جسنے وہ سمجھ میں کس طرح آئے
یہ کہدو فلسفے والے سے سر پتھر سے ٹکرائے ۔۔۔ حدیثِ علّت و معلول سے ناحق نہ سر کھائے
یہاں جو آگے بڑھتا ہے وہ منہ کی کھا کے ہٹتا ہے
جگر فہم و خرد کا عالمِ حیرت میں پھٹتا ہے

---

[1] ذاتِ حق کو اوپر کی طرف ماننا فطری و جبلی امر ہے۔ ہر مضطر بیقراری کے وقت اوپر کو ہاتھ پھیلا کر طالبِ قبولیت ہوتا ہے۔ ہر دعا کہنے والا خدا کی رحمت کی آس میں بلا تامل اوپر کو دیکھتا ہے۔ آیت قد نرٰی تقلب وجھک فی السمآء (پ۲) میں اسی کا اظہار ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے منہاج السنہ جلد اول صفحہ ۲۶۳ میں اسے مفصل ذکر کیا ہے اور نقل کیا ہے کہ قرآن شریف میں کوئی تین سو مقامات پر اس علو کا ذکر ہے ۱۲ منہ

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نہایت رحمت والے نہایت مہربان کے

رحمٰن اور رحیم دونوں اسم ہیں اور مصدر رحمت سے مشتق ہیں رحیم اور راحم کے ایک ہی معنے ہیں۔ مثل علیم اور عالم کے (بخاری) ہر دو مبالغے کے صیغے ہیں بمعنے کثیر الرحمۃ، رحمۃ لغت میں تعطف کو کہتے ہیں۔ لسان العرب میں ہے الرَّحْمَۃُ، اَلرِّقَّۃُ وَالتَّعَطُّفُ اور اساس البلاغۃ میں علامہ زمخشری رح لکھتے ہیں۔ اِسْتَرْحَمْتُہٗ اِسْتَعْطَفْتُہٗ وَتَرَاحَمُوْا تَعَاطَفُوْا اسی معنے کے رو سے بچہ دان کا نام رَحِم ہے۔ کہ وہ بھی اپنے اندر کے بچے پر منعطف ہوتا ہے،

چونکہ بنی آدم میں یہ تعطف و مہربانی، رقتِ قلب (دل کی نرمی) کے سبب ہوتی ہے۔ اور یہ تاثر (اثر قبول کرنے) کا درجہ ہے۔ اور ذاتِ برحق تاثر و انفعال سے پاک اور برتر ہے۔ اسلئے اہل لغت نے تو یہ فرق بتایا ہے۔ کہ اگر اسکی نسبت بنی آدمؑ کی طرف ہو تو رقتِ قلب ہی مراد ہے۔ کیونکہ بنی آدم کے دل اسی طرح مجبول و مخلوق ہیں۔ اور اگر ذاتِ بیچون کی طرف ہو۔ تو محض تفضل و احسان مراد ہوتا ہے۔

چنانچہ لسان العرب میں ہے:۔

والرحمۃ فی بنی ادم عند العرب رقۃ القلب وعطفہ ورحمۃ اللہ عطفہ واحسانہ ورزقہ (جلد ۱۵ صـ۱۲۲)	عربوں کے نزدیک بنی آدم کی رحمت کے معنے ہیں دل کی نرمی اور عطوفت اور خدا کی رحمت کے معنے ہیں۔ اسکی مہربانی۔ اور احسان اور روزی رسانی۔

امام راغبؒ نے مفردات القرآن میں اس سے بھی زیادہ صاف لکھا ہے:۔

والرحمۃ رقۃ تقتضی الاحسان الی المرحوم وقد تستعمل تارۃً فی الرقۃ المجردۃ وتارۃً فی الاحسان المجرد عن الرقۃ نحو رحم اللہ فلانا واذا وصف بہ الباری فلیس یراد بہ الا الاحسان المجرد دون الرقۃ وعلی ہذا	رحمت، رقت ونرمی کو کہتے ہیں جس کا تقاضا یہ ہے کہ جس پر رحمت کی جائے۔ اسپر احسان کیا جائے۔ اور کبھی تو یہ لفظ محض رقت کے معنے میں مستعمل ہوتا ہے۔ اور کبھی محض احسان کے معنے میں خواہ وہ رقت سے خالی ہو مثلاً فلاں شخص

رُوی ان الرحمة من الله انعام و افضال و
من الآدميين رقة وتعطف وعلیٰ هذا
قول النبی صلی الله علیه وسلم ذاکرًا عن
ربه انه لما خلق الرحم قال له انا
الرحمٰن وانت الرحم شققت اسمك
من اسمی فمن وصلك وصلته ومن
قطعك بتته فذالك اشارة الی ما تقدم
وهوان الرحمة منطوية علی معنيين الرقة
والاحسان فرکز تعالیٰ فی طبائع الناس الرقة
وتفرد بالاحسان فصار کما ان لفظ الرحم
من الرحمة فمعناه الموجود فی الناس من
الموجود لله تعالیٰ فتناسب معناهما تناسب
لفظيهما (مفردات صفحہ ۱۹۰)

پر خدا رحم کرے اور جب اِسے خدا کی صفت میں بیان کریں۔ تو اس سے سوائے احسان کے جو رقت کے بغیر ہو اور کچھ مراد نہیں ہوتا۔ اور اسی بنا پر مروی ہے کہ خدا کی رحمت سے مراد انعام وافضال ہے۔ اور آدمیوں کی رحمت رقت اور تعطف ہے۔ اور اسی پر مبنی ہے آنحضرت صلعم کا وہ قول جو اپنے رب تعالیٰ کے ذکر میں فرماتے ہیں۔ کہ جس وقت خدا نے رحم کو پیدا کیا تو اُسے فرمایا میں رحمٰن ہوں اور تو رحم ہے۔ میں نے تیرا نام اپنے نام سے مشتق کیا ہے۔ پس جو کوئی تیرا ملاپ کرے گا۔ یعنے صلہ رحمی کرے گا۔ میں بھی اُس سے ملاپ کرونگا۔ اور جو کوئی تجھ سے قطع کرے گا میں بھی اُس سے قطع کروں گا۔ پس یہ بات اُسی کی طرف اشارہ ہے۔ جس کا ذکر آگے ہو چکا۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ رحمت کے ضمن میں دو معنے ہیں۔ رقت اور احسان پس خدا تعالےٰ نے رقت لوگوں کی طبائع میں پیدائشی طور پر جاری اور احسان صرف اپنے لئے رکھا۔ پس یہ اسطرح ہو گیا۔ کہ لفظ رحم رحمت سے ہے پس اسکے معنے یہ ہیں کہ جو رحمت لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ وہ اس میں سے ہے۔ جو ذاتِ حق میں موجود ہے پس ان دونوں کے معنے اِن دونوں کے الفاظ کی طرح متناسب ہو گئے۔

لیکن متکلمین اِس عقدہ کو یوں حل کرتے ہیں۔ کہ رحمت غضب وغیرہ ہمچو قسم امور جب ذاتِ برحق کیطرف منسوب ہوں۔ تو اُن سے اُن کی ابتدا جو انفعال و تاثر کا درجہ ہے۔ مراد نہیں ہوتی۔ بلکہ انکی غائت مراد ہوتی ہے۔ جو درجۂ فعل ہے۔ (بیضاوی)

حاصل یہ کہ رحمت اور غضب وغیرہ امور کی پیدائش و ابتدا تو بیشک قلب پر کسی چیز کا اثر پڑنے سے ہوتی ہے۔ لیکن اُن کی غائت وہ ہے۔ جو مفعول پر واقع ہوتی ہے۔ مثلاً رحمت کی غائت مرحوم پر احسان ہے

اور غضب کی غائت انتقام ہے۔ پس ذات باریتعالیٰ کی نسبت اِن امور سے انکی ابتدا سے قطع نظر کرکے محض اِن کی غائت مراد ہوتی ہے۔ اور یہ مفہوم امام راغب رح کے کلام بالا سے بھی معلوم ہوسکتا ہے اسی کے مطابق حضرت حجۃ الہند رح فرماتے ہیں:۔

واعلم ان الحق تعالیٰ اجل من ان یقاس بمعقول او محسوس او یحل فیہ صفات کحلول الاعراض فی محالھا او تعالجہ العقول العامیۃ او تتناولہ الالفاظ العرفیۃ ولابد من تعریفہ الی الناس لیکملوا کمالھم الممکن لھم فوجب ان تستعمل الصفات بمعنی وجود غایاتھا لا بمعنی وجود مبادیھا فمعنی الرحمۃ افاضۃ النعم لا انعطاف القلب والرقۃ وان تستعار الفاظ تدل علی تسخیر الملک لمدینۃ لتسخیرہ لجمیع الموجودات اذ لا عبارۃ فی ھذا المعنی افصح من ھذہ وان تستعمل تشبیھات بشرط ان لا یقصد الی انفسھا بل الی معان مناسبۃ لھا فی العرف فیراد بسط الید الجود مثلاً وبشرط ان لا یوھم المخاطبین ایھاماً صریحاً الی الواث البھیمیۃ الخ

(حجۃ اللہ مصری جلدا صـ ۶۲)

خوب سمجھ لے کہ ذات حق اس سے بہت بلند ہے۔ کہ اُسے کسی معقول یا محسوس شئے پر قیاس کیا جائے یا اُسمیں صفات اِس طرح حلول کرسکیں جس طرح اعراض اپنے محل میں حلول کرتے ہیں۔ یا عام عقول اُس تک پہنچ سکیں۔ یا الفاظِ عرفیہ اُس کا پورا بیان کرسکیں۔ لیکن لوگوں کو اُس سے واقف کرنا بھی ضروری ہے۔ تاکہ وہ اُس کمال کو پہنچ سکیں۔ جو اُن کے لئے ممکن ہے پس لازم ہوا کہ صفات کو وجودِ غایات کے معنوں میں استعمال کیا جائے، نہ کہ وجودِ مبادی میں؛ پس رحمت کے معنے ہیں۔ نعمتوں کا فیضان، نہ دل کا رجوع و رقت۔ اور نیز یہ کہ ایسے الفاظ استعارۃً لئے جائیں جو کسی بادشاہ کی تسخیر بلاد پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ سب موجودات خدا کے تابع ہے اور اِس بارے میں اِس سے زیادہ فصیح عبارت کوئی نہیں ہوسکتی۔ نیز یہ کہ بعض موقع پر تشبیہات بھی استعمال کی جائیں۔ بشرطیکہ اُنکی حقیقت مراد نہ ہو۔ بلکہ وہ معنے مراد ہوں جو عرفِ عام میں اُن کے مناسب مراد ہوتے ہیں پس مثلاً بسطِ ید سے مراد سخاوت ہے۔ اور بشرطیکہ مخاطبوں کو بہیمیت کی آلودگیوں میں پڑنے کا صریح وہم پیدا نہ ہو۔

رحمٰن کے معنے ہیں رحمت کی زیادتی پائی جاتی ہے۔ کیونکہ اِسکے حروف زیادہ ہیں۔ اور زیادتی دو قسم کی ہوتی ہے۔ کمیت میں اور کیفیت میں اسی بنا پر اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ رحمانیت کا اثر دنیا و آخرت

ہر دو جہان میں ہے اور وہ مومن و کافر مطیع و عاصی ہر ایک پر ہے۔ اور رحیمیت کا اثر ایمان و اعمال سے وابستہ ہے۔ دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ چنانچہ فرمایا وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا (پ۲۲ احزاب) پس رحمانیت کی نعمتیں کمیت میں بھی اور کیفیت میں بھی زیادہ ہوئیں۔ اسی لئے صفت الرحمٰن ذات باری کے لئے بمنزلۂ عَلَم کے مانا گیا ہے۔ اور اسکا اطلاق سوائے ذات برحق کے کسی دیگر پر جائز نہیں جانا گیا۔ کیونکہ بخشش اور انعامات کی وہ شان جو رحمانیت کے متعلق ہے کسی دیگر میں نہیں ہے۔ لیکن رحیم کا اطلاق انسان کے لئے بھی وارد ہے چنانچہ آنحضرت صلعم کی نسبت فرمایا:۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ (توبہ پ۱۱)	(عربی لوگو!) تمہارے پاس تمہاری ذات کا رسول آچکا ہے جو امر تمکو تکلیف دہ ہیں وہ اُسپر بھاری ہیں وہ تمہاری بہتری کا نہایت ہی خواہشمند ہے (اور) مومنوں پر نہایت ہی مہربان (واقع ہوا) ہے"

اور آنحضرت صلعم کی مقدس جماعت صحابہؓ کی نسبت فرمایا رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (پ۲۶ فتح) یعنی وہ آپس میں رحمدل ہیں۔

تنبیہ:۔ رحمٰن و رحیم میں بنا بر وحدتِ اشتقاق ایک جزو مشترک بھی ہے۔ جس کے رُو سے اسم رحیم کا استعمال اُن نعمتوں کے متعلق بھی وارد ہوا ہے جنہیں مبدءِ فیاض نے مومن و کافر میں فرق نہیں رکھا۔ چنانچہ سورہ نحل (پ۱۴) کے پہلے رکوع میں جو انعامات ذکر کئے ہیں وہ سب پر عام ہیں۔ اور انکے بعد فرمایا اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ (پ۱۴ النحل)۔ اسی طرح سورہ حج (پ۱۷) میں بھی عام انعامات کا ذکر کرکے فرمایا اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ (حج پ۱۷)۔ اسی طرح سورہ بنی اسرائیل (پ۱۵) میں بھی عام نعمت کے ذکر کے بعد فرمایا۔ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا (بنی اسرائیل پ۱۵)

۵۔ **وجہ تقدیم الرحمٰن**:۔ رحمٰن کو رحیم پر دیگر آیات کے فواصل کی موافقت کے لحاظ سے مقدم کیا۔ نیز اسلئے کہ رحمٰن ذاتِ برحق کے لئے بمنزلۂ عَلَم ہو گیا ہے کہ کسی اور پر اسکا بولنا جائز نہیں۔ اور اسم اللہ بھی ایسا ہی ہے۔ اسلئے ان دونوں کا متصل ہونا مناسب تھا۔

۶۔ **تتمۂ اسم رحمٰن**: کفار مکہ ذاتِ برحق کے لئے اسم رحمٰن کو تسلیم نہیں کرتے تھے اور یہ اُنکی سخت غلطی تھی، کیونکہ رحمٰن کے معنے ہیں وسیع الرحمۃ چنانچہ اساس البلاغۃ میں ہے:۔ هو الرحمٰن الرحيم الواسع الرحمة۔ اور اس نام کا مصداق سوائے ذات باری تعالیٰ کے اور کون ہو سکتا ہے،

اور اِس صفت سے اور کون موصوف ہو سکتا ہے! چنانچہ فرمایا:۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ۝
(پ۱۹ فرقان)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو۔ تو کہتے ہیں (کہ) رحمٰن کیا ہے؟ کیا ہم اُسے سجدہ کریں جس کا تو حکم کرتا ہے؟ اور اُن کو اِس سے اور نفرت بڑھتی ہے۔

لسان العرب میں امام زجاج نحوی کا قول نقل کیا ہے کہ

قال الزجاج الرحمٰن اسم من اسماء الله عزّوجلّ مذکور فی الکتب الاول ولم یکونوا یعرفونه من اسماء الله (جلد ۱۵ ص۱۲۲)

رحمٰن خدا کے ناموں میں سے ایک نام ہے جو پہلی کتابوں میں بھی مذکور رہا ہے۔ اور (عرب کے) لوگ اسے خدا کے ناموں میں سے نہیں جانتے تھے۔

کفر و جہالت بھی بری بلا ہے کہ اِدھر تو خالق و مالک، رازق و رب العٰلمین خدا وند تعالیٰ کو رحمٰن کر کے نہیں پکارتے تھے اور اُدھر دنیا جہان کے جھوٹے مکار اور عیاش مسیلمہ کذاب کو رحمٰنِ یمامہ کہتے تھے چنانچہ لسان العرب میں ہے:۔

وکان مسیلمة الکذاب یقال له رحمٰن الیمامة (جلد ۱۵ ص۱۲۲)

۷۔ **نکتہ:** بسم الله الرحمٰن الرحیم میں اِن تینوں ناموں کے اختیار کرنے کی یہ وجہ ہے۔ کہ سب کام تین امروں پر موقوف ہیں۔

اوّل اسبابِ ضروریہ کا جمع کرنا، سو یہ بات اسم الله سے حاصل ہے، جو ذاتِ باری کا ذاتی نام ہے اور جمیع صفاتِ کمال پر دلالت کرتا ہے۔

دوم۔ اُن اسباب کا ابتدا سے انتہا تک باقی رکھنا۔ سو یہ اسم رحمٰن سے ہے کہ سارے عالم کا بقا اسی سے وابستہ ہے۔

سوم، اُن اسباب کو باثمر و با نتائج ثابت کرنا۔ سو یہ اسم رحیم سے ہے، کیونکہ شانِ رحیمی یہ ہے کہ اپنے عاجز بندوں کی سعی کو رائگاں نہ گنوائے۔ (مستفاد از تفسیر عزیزی)

حاصل مطلب پوری بسم الله شریف سے یہ ہوا کہ الله کے نام سے شروع ہو جا جامع جلال و جمال اور مستجمع جمیعِ صفاتِ کمال اور مقامِ الوہیت میں متفرد، اور وجودِ عالم کی علّتِ حقیقی اور نہایت ہی وسیع الرحمة اور بقائے عالم کا موجب اصلی اور بغیر غرض کے احسان کرنیوالا۔ اور اپنے عاجز بندوں پر نہایت شفقت والا ہے۔

مسائل وسُنن نبویہ متعلق بسم اللہ

بِسْمِ اللّٰهِ کے فضائل میں بعض مفسرین رحمہ نے بہت سی ایسی روایات بھی لکھی ہیں جنمیں سے اکثر موضوع و بے اصل ہیں۔ اور بعض ضعیف ہیں اور صحیح تو بہت کم ہیں۔ ہم اس مقام پر محض صحاح وحسان پر اکتفا کرینگے۔

کنوز الحقائق میں امام بیہقی رح سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

كُلُّ أَمْرٍ ذِي بَالٍ لَمْ يُبْدَأْ بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ فَهُوَ أَقْطَعُ (کنوز الحقائق مطبوعہ مصر)

"کوئی اہم کام جو بغیر بسم اللہ الرحمن الرحیم کے شروع کیا جائے وہ بے برکت ہوتا ہے"

اگرچہ اس حدیث کی اسناد میں محدثین کو کلام ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک میں پایا گیا ہے۔ کہ آپ عموماً جملہ امور کے شروع میں بِسْمِ اللّٰهِ یا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کی رعایت رکھتے تھے پس اسکی عارضی کسر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے پوری ہوسکتی ہے۔ جو دیگر صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ چنانچہ ہم نمبروار وہ سب مواقع جو ثابت ہو چکے ہیں۔ لکھتے ہیں:۔

۱۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

قال لو ان احدکم اذا اتی اھلہ قال بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا فقضی بینهما ولد لم یضرہ

(صحیح بخاری کتاب الوضوء جلد اول)

"کہ جب کوئی اپنی بیوی کے پاس جائے اور کہے بسم اللہ یعنی اللہ (جل جلالہ) کے اسم (مبارک) سے اے اللہ ہم (میاں بیوی) سے بھی شیطان کو دور رکھ اور اس سے بھی جو تو ہمکو عطا کرے۔ پس اگر خدا کے حکم سے کوئی بچہ ہوگا۔ تو شیطان اسکو ضرر نہیں پہنچا سکے گا"

نکتہ:۔ بہیمیت کے ایسے انہماک کے وقت اللہ تعالیٰ کا اسم پاک یاد کرنا نہایت مناسب ہے گویا بہیمیت کو روحانیت کے سائے میں لینا ہے۔ تاکہ مولود (بچے) میں اسکا اثر ہو۔ اسکی تاثیر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے الفاظ میں فرمادی ہے:۔

لَمْ يَضُرَّهُ الشَّيْطَانُ اَبَدًا (بخاری کتاب الدعوات ومسلم) یعنی شیطان اُس بچہ کو کبھی بھی ضرر نہیں پہنچاسکیگا۔
اِس سے روحانی برکات کا افاضہ ظاہر ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کو حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کی بشارت کے ساتھ یہ بھی فرمادیا تھا۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ (آل عمران پ ۳)

اور یاد کر اپنے رب کو بہت بہت اور تسبیح پڑھ اسکی، صبح اور شام۔

ہماری زبان میں نہایت ہی نیک اور شرافت کے پتلے کی نسبت کہتے ہیں۔ کہ وہ بِسْمِ اللّٰہ کا تخم ہے اِس سے یہی مراد ہوتی ہے کہ اُس کے ماں کے پیٹ میں پڑنے کے وقت بسم اللہ پڑھی گئی تھی۔

۲۔ وضو کے ابتدا میں بِسْمِ اللّٰہ پڑھنے کے متعلق امام ترمذی رح حضرت عمرؓ کے بہنوئی حضرت سعید بن زید رضؓ سے روایت کرتے ہیں:۔

قال سمعتُ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یقول لا وضوء لمن لم یذکر اسم اللّٰه علیه وفی الباب عن عائشةؓ وابی هریرةؓ وابی سعیدؓ الخدریؓ وسهل بن سعدؓ وانسؓ قال ابو عیسیٰ قال احمد لا اعلم فی هذا الباب حدیثًا له اسناد جیّد وقال اسحٰق ان ترك التسمیة عامدًا اعاد الوضوء وان کان ناسیًا او متاوّلًا اجزأه قال محمد بن اسمٰعیل احسن شیئ فی هذا الباب حدیث رباح بن عبد الرحمٰن[۱]

حضرت سعید بن زید کہتے ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ اُس شخص کا وضو نہیں ہوا جسنے اسپر اللہ تعالیٰ کا اسم ذکر نہیں کیا۔ اور اس بارے میں حضرت عائشہؓ اور حضرت ابوہریرہؓ اور ابوسعید خدریؓ اور سہل بن سعدؓ اور حضرت انسؓ سے بھی روایت ہے ابو عیسیٰ (امام ترمذی) کہتا ہے کہ امام احمد رح نے کہا کہ میرے علم میں اِس بارے میں کوئی ایسی حدیث نہیں ہے۔ جسکی اسناد جیّد (عمدہ) ہو اور امام اسحٰق رح نے کہا ہے کہ اگر کسی نے عمدًا بسم اللہ چھوڑ دی۔ تو وہ دوبارہ وضو کرے۔ اور اگر نسیان سے یا تاویل سے (بسم اللہ کی بجائے الحمد للہ کہکر) چھوڑ دی ہے تو کافی ہوگا۔ امام بخاری رح نے کہا کہ اس بارے میں سب سے بہتر حدیث رباح بن عبد الرحمٰن کی ہے۔ یعنے جو امام ترمذی نے روایت کی،،

اسی طرح حصن حصین میں ہے۔ وَاِذَا تَوَضَّأَ فَلْيُسَمِّ اللّٰهَ د ت ق یعنے جسوقت وضو کرنے لگے تو بِسْمِ اللّٰہ پڑھے

[۱] جامع ترمذی جلد اول صفحہ ۶ ۱۲ منہ

امام شوکانی رح نے بعض دیگر اکابر محدثین کی تحقیقات کا خلاصہ یوں نقل کیا ہے:۔

والظاهر ان مجموع الاحاديث يحدث منها قوة تدل على ان له اصلاً وقال ابوبكر بن ابى شيبة ثبت لنا ان النبى صلى الله عليه وسلم قاله وقال ابن سيد الناس فى شرح الترمذى ولايخلو هذا الباب من حسن صريح وصحيح غير صريح (نیل الاوطار ص۱۳۱ جلد اول)	حافظ ابن حجر رح نے کہا اس بارے کی، تمام احادیث کی مجموعی قوت اس بات پر دلالت کرتی ہے۔ کہ اس (حدیث) کا کچھ اصل ضرور ہے۔ اور ابوبکر بن ابی شیبہؒ (استاذِ بخاریؒ) نے کہا، ہمیں ثابت ہوگیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ضرور کہی ہے۔ اور ابن سید الناس نے شرح ترمذی میں کہا ہے

کہ یہ باب (بسم اللہ وضو کے ابتدا میں پڑھنے کا) خالی نہیں ہے، حسن صریح سے یعنے جو صریح ہے وہ حسن ہے۔ اور صریح غیر صحیح سے۔ یعنے جو صحیح ہے۔ اُس میں صریح ذکر نہیں ہے۔

اور حافظ ابن القیم رح زاد المعاد میں فرماتے ہیں:۔

ولم يُحفظ عنه انه كان يقول على وضوئه شيئاً غير التسمية (ج ۱ ص۵۰)	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات محفوظ نہیں کہ آپ وضو کے وقت بسم اللہ الخ کے سوا کچھ اور

بھی پڑھا کرتے تھے"

اسی وجہ سے امام شافعی رح الاُم میں فرماتے ہیں،

وَاُحِبُّ لِلرَّجُلِ اَنْ يُّسَمِّيَ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ فى ابتداءِ وضوئه فان سهى سمّى متى ذكر وان كان قبل ان يكمل الوضوء وان ترك التسمية ناسيا او عامدا لم يفسد وضوءه ان شاء الله تعالىٰ (الام جلد اول ص۲۷)	میں آدمی کے لئے اِس امر کو مستحب جانتا ہوں، کہ وضو کے شروع میں بسم اللہ پڑھے پس اگر سہواً ترک کردے، تو جب اُسے یاد آئے بسم اللہ پڑھ لے۔ اگرچہ تکمیل وضو سے پیشتر ہو۔ اور اگر سہواً یا عمداً بسم اللہ ترک کی تو خدا کو منظور ہے تو اس کا

وضو فاسد نہیں ہوگا۔

ہدایہ متنِ ہدایہ میں جو حنفی مذہب کی معتبر کتاب ہے۔ سنن الطہارۃ کے ضمن میں کہا ہے:۔

وتسمية الله تعالىٰ فى ابتداء الوضوء یعنے منجملہ وضو کی سنتوں کے وضو کے ابتدا میں

بِسْمِ اللّٰہ پڑھنا بھی ہے اور ہدایہ میں اسکی شرح میں کہا ہے۔ وَالْاَصَحُّ اَنَّھَا مُسْتَحَبَّۃٌ وَاِنْ سَمّٰھَا فِی الْکِتَابِ سُنَّۃً یعنی زیادہ صحیح یہی ہے۔ کہ (وضو کے شروع میں) بسم اللہ پڑھنی مستحب ہے اگرچہ کتاب میں (امام قدوری نے) اسے سُنّت کہا ہے"

ہماری غرض اس تفصیل سے یہ ہے۔ کہ ائمہ حدیث و فقہ نے بالاتفاق وضو کے ابتدا میں بسم اللہ پڑھنے کو تسلیم کیا ہے۔ کسی نے فرض کہا کسی نے سُنّت اور کسی نے مستحب لیکن انکار کسی نے نہیں کیا:

نکتہ وضو کے ابتدا میں بسم اللہ پڑھنے کے متعلق جسقدر احادیث مروی ہیں۔ چونکہ ان میں سے کوئی بھی امام بخاریؒ کی اُس شرط کے مطابق جس کا التزام اُنہوں نے اپنی جامع الصحیح میں کیا ہے صحیح نہیں ہے۔ اسلئے اُنہوں نے اپنی صحیح میں وضو کے وقت بسم اللہ پڑھنے کے متعلق اس طرح باب باندھا ہے:۔

بَابُ التَّسْمِيَةِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ وَّعِنْدَ الْوِقَاعِ یعنی ہر حال میں خصوصًا (اپنی بیوی سے) جماع کرنیکے وقت بِسْمِ اللّٰہ پڑھنے کے بیان میں" پھر اس کے نیچے وہ حدیث ذکر کی ہے۔ جو جماع کے وقت بِسْمِ اللّٰہ پڑھنے کے بارے میں ہمنے نمبر اوّل میں درج کی ہے۔

اِس باب کی سرخی اور حدیثِ مندرجہ میں چند باتیں قابلِ لحاظ ہیں۔

اوّل یہ کہ کتاب الوضو میں ایسا باب لائے ہیں جسمیں وضو وغیرہ امورِ متعلقہ کا مطلقًا ذکر نہیں اور اِسے بظاہر وضو سے کوئی تعلق بھی نہیں۔

دوم یہ کہ پھر اِس باب کے ذیل میں جو حدیث ذکر کی ہے۔ اُسے باب کی صرف دوسری جزو سے تعلق ہے لیکن اِس دوسری جزو کو کتاب الوضو سے بظاہر کوئی بھی تعلق نہیں۔

سوم یہ کہ حدیث مذکور میں باب کی پہلی جزو کے متعلق مطلقًا کوئی ذکر نہیں

پہلی بات کا جواب یہ ہے۔ کہ جب باب کے الفاظ میں عَلٰى كُلِّ حَالٍ ہے۔ تو وضو بھی اس کُل میں داخل ہے۔ اور عَلٰى كُلِّ حَالٍ امام ممدوح نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات پر نظر کرنے سے لیا ہے کہ آپ عام حالات میں بسم اللہ پڑھا کرتے تھے۔ اور وضو بھی ایک مہتم بالشان شرعی امر ہے۔ تو ہو نہیں سکتا۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اُسوقت بِسْمِ اللّٰہ نہ پڑھتے ہوں۔ گو وہ روایات جو اس بارے میں بالخصوص وارد ہیں۔ اُس درجہ کی صحیح نہیں ہیں۔ جو انکی صحیح میں مندرج ہیں۔ لیکن سب کی سب اِس درجہ

کی بھی نہیں ہیں کہ قطعاً نا قابلِ اعتبار ہوں چنانچہ امام بخاری رح کی یہ بات امام ترمذی کی عبارت سے ظاہر ہے۔ جوان کے بلاواسطہ شاگرد خاص ہیں کہ امام بخاری رح کہتے ہیں احسن شئ فی ھذا الباب حدیث رباح بن عبدالرحمٰن یعنی اس بارے میں جسقدر روایات مروی ہیں ان سب میں سے اِسنادًا سب سے بہتر وہ حدیث ہے جس کا راوی رباح بن عبدالرحمٰن ہے، جو ہمنے ص۶۱ پر بروایت امام ترمذیؒ نقل کر دی ہے۔

دوسری بات کا جواب یہ ہے کہ امرِ جماع کو کتاب الوضو سے بظاہر مناسبت نہیں لیکن مصنف کے طریق استدلال کے رُو سے بہت لطیف مناسبت ہے، وہ یہ کہ جماع نہایت درجہ کی بہیمیت کا کام ہے پس جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ کی تعلیم سے ایسے کام کو روحانیت میں رنگ دیا، تو وضو تو آگے ہی روحانی امر ہے۔ اسمیں اِسے کیسے فراموش کر سکتے تھے۔ پس وضو کے وقت بطریقِ اَولیٰ بسم اللہ پڑھنی چاہئے

تیسری بات کا جواب پہلی بات کے جواب کے ضمن میں آگیا ہے۔ جہاں علیٰ کل حال کا ماخذ بتایا گیا ہے وللہ درّ الامام الھمام البخاریؒ ما ادقّ اجتہادہ وما الطف فکرہ۔

۳۔ جائے ضرور میں جانے کے وقت کی نسبت حضرت علیؓ سے رفعاً مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

(۱) ستر مابین الجن وعورات بنی ادم اذا دخل الکنیف ان یقول بسم اللہ (ابن ماجۃ ص۲۶ کتاب الطہارۃ)

جنوں سے بنی آدم کی شرمگاہوں کا پردہ یہ ہے کہ جس وقت بیت الخلاء میں داخل ہو کہے بِسْمِ اللّٰہِ۔"

(۲) نیز حصن حصین میں ہے:۔

(۲) واذا قام لیتھجد فان دخل الخلاء فلیقل بسم اللہ مص ی (حصن حصین ص۶۷)

جب کوئی تہجد کی نماز کے لئے اُٹھے تو اگر بیت الخلاء میں جانے تو چاہئے کہ کہے بِسْمِ اللّٰہِ۔

۴۔ کھانے پینے کے وقت بسم اللہ پڑھنے کی احادیث کثرت سے ہیں ہم ان میں سے بعض نقل کرتے ہیں:۔

(۱) عن عمر بن ابی سلمۃ قال کنت غلاما فی حجر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکانت یدی تطیش فی الصحفۃ فقال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل بسم اللہ وکل بیمینک وکل مما یلیک (مشکوۃ)

عمر بن ابی سلمہؓ کہتے ہیں۔ کہ میں چھوٹا لڑکا تھا اور رسول اللہ صلعم کی پرورش میں تھا۔ کھانے کے وقت میرا ہاتھ رکابی میں بے تحاشا پڑتا تھا۔ اسپر رسول اللہ صلعم نے مجھے فرمایا۔ بِسْمِ اللہ پڑھا کر اور اپنے دائیں ہاتھ سے اور اپنے آگے سے کھایا کر۔

وعنؐ ابن عباسؓ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لاتشربوا واحدا کشرب البعیر ولکن اشربوا مثنٰی وثلاث وسمّوا اذا انتم شربتم واحمدُوا اذا رفعتم (رواہ الترمذی)

(۲) حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللّٰہ صلعم نے فرمایا اونٹ کی طرح ایک ہی دم میں نہ پیا کرو بلکہ دو۲ یا تین۳ سانسوں میں پیا کرو۔ اور جب پینے لگو تو خدا کا نام لیا کرو۔ یعنی بسم اللّٰہ پڑھا کرو۔ اور جب پیکر (منہ) ہٹاؤ تو خدا کی حمد کیا کرو یعنی الحمد للہ پڑھا کرو۔

وعنؐ عائشۃ رضؓ قالت قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا اکل احدکم فنسی ان یذکر اللّٰہ علی طعامہ فلیقل بسم اللّٰہ اولہ واٰخرہ (رواہ الترمذی وابو داود (مشکوۃ)

(۳) حضرت عائشہ رضؓ کہتی ہیں کہ رسول اللّٰہ صلعم نے فرمایا تم میں سے جب کوئی کھانے لگے اور خدا کا نام یاد کرنا بھول جائے تو چاہئے کہ بعد ازاں یوں کہے۔ بِسْمِ اللّٰہِ اَوَّلَہٗ وَاٰخِرَہٗ، یعنے پینے اول میں بھی اور آخر میں بھی خدا کے نام سے کھایا۔

۵۔ سونے کے وقت بسم اللہ پڑھنے کی احادیث بھی بہت ہیں بعض یہ ہیں:۔

(۱) عن حُذیفۃ قال کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا اخذ مضجعہ من اللیل وضع یدہ تحت خدہ ثم یقول اَللّٰھُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْیٰی (الحدیث رواہ البخاری مشکوۃ)

(۱) حضرت حذیفہ رضؓ کہتے ہیں کہ جب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم رات کے وقت اپنے بستر پر لیٹتے تو اپنا دایاں ہاتھ اپنے رخسارے کے نیچے رکھتے پھر کہتے اَللّٰھُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْیٰی

یعنی خداوندا: میں تیرے ہی نام سے مرتا ہوں اور (تیرے ہی نام سے) جیوں گا۔

اِس بارے میں ایک دعا بھی ہے جو آنحضرت صلے اللّٰہ علیہ وسلم کی تعلیم کردہ ہے۔ اور بحمدہ تعالیٰ اُس پر فقیر کا دائمی عمل ہے اور وہ یہ ہے:۔

(۲) بِاسْمِكَ رَبِّیْ وَضَعْتُ جَنْبِیْ وَبِكَ اَرْفَعُهٗ اِنْ اَمْسَكْتَ نَفْسِیْ فَارْحَمْهَا وَاِنْ اَرْسَلْتَهَا فَاحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ بِهٖ عِبَادَكَ الصّٰلِحِیْنَ

متفق علیہ (مشکوۃ)

اے میرے مالک پروردگار تیرے ہی نام سے میں نے اپنا پہلو رکھا اور تیرے ہی نام سے اُسے (صبح) اٹھاؤں گا اگر تو میری جان (نیند میں) قبض کرلے۔ تو اُس پر رحمت کرنا اور (اگر صبح کو) واپس بھیجے تو اسکی اُن اسباب سے حفاظت کرنا جن سے تو اپنے صالحین بندوں کی حفاظت کیا کرتا ہے۔

(۶) سواری کے وقت جب آپ اپنا قدم مبارک، رکاب میں رکھتے تو کہتے بِسْمِ اللّٰہِ اور جب برابر بیٹھ جاتے تو کہتے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ (مشکوٰۃ ص۲۱۲ بروایت احمد و ترمذی و ابی داؤد عن علی رض)

(۷) ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلعم جب گھر سے باہر نکلتے تو کہتے بِسْمِ اللّٰہِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ یعنے میں خدا کے نام سے گھر سے باہر جاتا ہوں۔ اور میرا بھروسا صرف خدا ہی پر ہے۔ (مشکوٰۃ ص۲۰۹)

(۸) بازار میں دکچھ خریدنے کے لئے، جاتے تو کہتے بِسْمِ اللّٰہِ، اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ خَیْرَ ھٰذِہِ السُّوْقِ وَخَیْرَ مَا فِیْھَا الحدیث (مشکوٰۃ) یعنے خدا کے نام سے بازار میں آیا ہوں بارِ خدایا! میں تجھ سے اِس بازار کی اور جو کچھ اسمیں ہے اُسکی بھلائی مانگتا ہوں۔

اِن تفصیلات سے صاف واضح ہوگیا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عام عادت تھی کہ ہر ہر کام کو اللہ تعالیٰ کے اسم پاک سے شروع کرتے تھے۔ کیونکہ انسان حرکتِ نفس اور عزم قوی سے کام کے شروع کرنے اور اختتام تک اُسپر قائم رہنے اور جملہ اسباب کے حاصل کرنے اور انجام کار مراد کے مطابق کامیاب ہونے میں اللہ تعالےٰ کی مدد و توفیق کا ہر دم محتاج ہے۔

یہ ہے مقام عبودیت اور شانِ اُلوہیت کی معرفت۔ جو آنحضرت صلعم کے جملہ حالات میں نمایاں ہے لیکن ظاہر بین بیدین اور اسباب پرست دنیادار اِس سے ناواقف و بیخبر ہیں۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ اَعْرَفِ الْخَلَائِقِ بِکَ۔

سُورتِ توبہ کے سوا سب سُورتیں بسم اللہ سے شروع ہوتی ہیں۔

ہمارے نزدیک اِسکی سب سے زبردست دلیل وُہ ہے جو قاضی بیضاوی رحمۃ نے بضمنِ دیگر دلائل بیان کی

والاجماع ان ما بین دفتین کلام اللہ سبحانہ وتعالیٰ والوفاق علے اثباتھا فی المصاحف مع المبالغۃ فی تجرید القران حتی لم تکتب آمین (بیضاوی مصری ص۹)	ہے "کہ اس بات پر سب کا اجماع ہے کہ دو دفتوں کے درمیان جو کچھ بھی مکتوب ہے وہ سب اللہ سبحانہ وتعالےٰ کا کلام ہے۔ نیز اس پر سب کا اتفاق ہے کہ بسم اللہ جملہ مصاحف میں برابر مکتوب چلی آتی ہے۔ حالانکہ

محض الفاظِ قرآن کے لکھنے میں یہاں تک مبالغہ کیا جاتا تھا۔ کہ آمین بھی نہ لکھی گئی"

اسی طرح امام نووی رحمۃ شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں:-

واعتمد اصحابنا ومن قال بانھا آیۃ من۔ اور ہمارے اصحاب نے اور اس نے جس کا یہ قول ہے

الفاتحة انها كتبت فی المصحف بخط المصحف وكان هذا باتفاق الصحابة رضہ واجماعهم علیٰ ان لا یثبتوا فیه بخط القرآن غیر القرآن واجمع بعدهم المسلمون كلهم فی كل الاعصار الی یومنا واجمعوا انها لیست فی اول براءة وانها لاتكتب فیها وهذا یؤكد ما قلناه (جلد ا ص۱۶۲)

کہ بسم اللہ فاتحہ کی جزو ہے۔ اِسپر اعتماد کیا کہ وہ نسخہ
میں باقی قرآن کے خط میں لکھی گئی ۔ اور یہ بات
کے اتفاق سے تھی۔ اور اُن کا اسبات پر اجماع تھا کہ
میں قرآن کے خط میں سوائے قرآن کے اور کچھ نہ لکھ
اور اُن کے بعد تمام زمانوں میں اس وقت تک تم
مسلمانوں کا اجماع ہے۔ کہ بسم اللہ سورتِ برارت ا

میں نہیں ہے نیز یہ کہ وہ اسمیں نہ لکھی جائے۔ پس یہ دلیل ہماری اُس بات کو پختہ کرتی ہے جو ہمنے کہی کہ فاتحہ کی

اِسکی توضیح یوں ہے کہ اِسمیں کسی کو کلام نہیں کہ آنحضرت صلعم نے اپنی حیاتِ طیبہ ہی میں تمام قرآن لکھوا دیا تھا۔ لیکن وہ مختلف اشیاء پر مکتوب تھا۔ ایک جگہ جلد نہیں ہوسکتا تھا حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں انہی سے ایک جگہ کاغذ پر نقل کیا گیا۔ پھر عہدِ عثمانی میں اُسی کی نقلیں کروا کر ممالکِ اسلامیہ میں اسکی اشاعت کی گئی۔ جہان کی روائتوں کی پڑتال سے ایک روایت بھی نہیں ملیگی کہ اِن تین زمانوں میں سے کوئی بھی زمانہ تھا جب میں سورتوں کے ابتدا میں سورتِ توبہ کی طرح بسم اللہ مکتوب نہیں تھی۔ یا یہ کہ آنحضرت صلعم کے بعد فلاں زما میں اسکا رواج شروع ہوا۔ اور ان تین زمانوں میں قرآن مجید کو مجرد و خالص رکھنے کے لئے یہاں تک التزام گیا تھا۔ کہ ابتدا میں نہ تو سورتوں کے نام لکھے گئے۔ اور نہ فاتحہ کے خاتمے پر آمین ہی لکھی گئی۔ حالانکہ آمین وہ کلمہ ہے کہ آنحضرت صلعم اونچی قرارت کے وقت فاتحہ کے خاتمے پر بآوازِ بلند پکارا کرتے تھے۔ اور آپکے سا صدہا نفوسِ قدسیہ بھی اِسی طرح بآوازِ بلند آمین پکارتے تھے (ترمذی و بخاری) اِس اہتمام و حفاظت سے صاف ہے سکہ یہ ہر سورت کی ابتدائی آیت ہے۔ بجز سورت توبہ کے کہ آنحضرتؐ نے اُسمیں نہیں لکھوائی۔ تو صحابہؓ نے بھی نہ لکھی یعنے نہ اصل میں آنحضرت صلعم نے لکھوائی اور نہ اُسکی نقل کے وقت صحابہ نے اُسے وہاں لکھا،

الغرض اسمیں کچھ بھی شک نہیں کہ جو قرآن ہم سینوں میں محفوظ رکھتے ہیں۔ وُہ وہی ہے جو آنحضرت صلعم لکھوا گئے تھے۔ اور جو آپکے اور دیگر حفاظ کے سینوں میں محفوظ تھا۔ اور زبانوں سے پڑھا جاتا تھا۔ آنحضرت صلعم کے ز سے اسوقت تک جتنے نسخے لکھے گئے۔ سب میں ہر سورت کے ابتدا میں بجز سورتِ توبہ کے بسم اللہ شر مکتوب تھی اور ہے پس بجز سورتِ توبہ کے یہ ہر سورت کی پہلی آیت ہے جیسا کہ امام شافعیؒ کا مذہب ہے۔ چنانچہ سُ ابی داؤد میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے۔

(۱) عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لایعرف فصل السورۃ حتی تنزل علیہ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

(سنن ابی داؤد باب من جہر ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم)

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سورت سے دوسری سورت کی جدائگی کو نہ پہچانتے تھے۔ حتیٰ کہ آپ پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اُترتی،

نیز یہ کہ صحیح مسلم میں سورۃ کوثر کے نزول کی نسبت حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

(۲) اُنۡزِلَتۡ عَلَیَّ اٰنِفًا سُوۡرَۃٌ فَقَرَأَ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ اِنَّاۤ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانۡحَرۡ اِنَّ شَانِئَکَ ہُوَ الۡاَبۡتَرُ (مسلم کتاب الصلوٰۃ)

(۲) مجھ پر ابھی ابھی ایک سورت اُتری ہے پھر آپ نے سورتِ کوثر پڑھی یعنی شروع اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے (اے پیغمبر)، ہمنے تجھے (حوض) کوثر عطا کیا ہے۔ پس تو اپنے رب کے لئے نماز پڑھا کر، اور قربانی دیں، کیا کر بیشک تیرا دشمن ہی ہر طرح کی بھلائی سے محروم و بدنصیب رہیگا۔

اِن روایتوں میں صریحًا سورت کے ساتھ بسم اللہ شریف کا نزول بھی مذکور ہے۔

اِسکے علاوہ آنحضرت صلعم کے عمل سے بھی اِس کا ثبوت ہوسکتا ہے۔ کہ بِسۡمِ اللّٰہِ پہلی آیت ہے سورت الحمد وغیرہا کی،

چنانچہ صحیح روایتوں سے ثابت ہے۔ کہ آنحضرت صلعم سورتِ فاتحہ اونچی پڑھنے کے وقت بِسۡمِ اللّٰہِ بھی اونچی آواز سے پڑھتے تھے۔ چنانچہ روایاتِ ذیل شاہد ہیں:۔

(۱) عن قتادۃ قال سئل انس رضہ کیف کانت قراءۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال کانت مدًّا ثم قرأ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یمد بِسۡمِ اللّٰہِ ویمد بِالرَّحۡمٰنِ ویمد بِالرَّحِیۡمِ (رواہ البخاری)

(۱) حضرت قتادہ تابعی کہتے ہیں۔ کہ حضرت انس صحابی سے پوچھا گیا کہ نبی کریم صلعم کی قرارت کس طرح ہوتی تھی تو انہوں نے کہا کہ کھینچکر (مدّ سے) ہوتی تھی۔ پھر اونہوں نے پڑھا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بسم اللہ کو اور الرحمٰن کو اور الرحیم کو کھینچ کھینچکر (مدّ سے) پڑھا،

(۲) وروی ابن جریج عن عبد اللہ ابن ابی ملیکۃ عن ام سلمۃ انہا سُئلت عن قراءۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالت کان یقطع قراءتہ

(۲) عبد اللہ بن ابی مُلیکہ تابعی کہتے ہیں کہ ام المؤمنین حضرت امّ سلمہ رضہ سے آنحضرت صلعم کی قرارت کی بابت دریافت ہوا تو اُنہوں نے فرمایا کہ آپ ہر آیت کو الگ

آیۃ آیۃ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۝ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۝ رواہ احمد و ابوداؤد (منتقی صفحہ)	الگ کر کے پڑھتے تھے۔ پھر پڑھ کر سنایا۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۝ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۝

اِن کے علاوہ دیگر روایات بھی ہیں۔ جو حافظ دارقطنی رحؒ نے اپنی سنن میں بیان کی ہیں مصنف علامؒ نے اُنہیں سے بعض کی اِسناد کی تصحیح اور اُن کے راویوں کی توثیق کی ہے، جن سے اصل مسئلہ بخوبی ثابت ہو سکتا ہے کہ بسم اللہ شریف کا جہری نمازیں بآوازِ بلند پڑھنا ثابت ہے۔ چنانچہ سُنن نسائی میں ہے:۔

عَنْ نعیم المجمر قال صلیت وراء ابی ھریرۃ فقرأ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ثم قرء بام القرآن حتّٰی اذا بلغ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ فقال اٰمین فقال الناس اٰمین ویقول کلما سجد اَللّٰہُ اَکْبَرُ واذا قام من جلوس الاثنتین قال اَللّٰہُ اَکْبَرُ واذا سلّم قال والذی نفسی بیدہ انی لاشبھکم صلوٰۃ برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (نسائی صفحہ)	یعنے نعیم مجمرؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوھریرۃؓ کے پیچھے نماز پڑھی اُنہوں نے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھی پھر (باقی) سورت فاتحہ پڑھی، حتّٰے کہ جب آپ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ پڑھ چکے تو کہا اٰمین اور (مقتدی) لوگوں نے بھی کہا اٰمین اور جب سجدہ میں جاتے کہتے اَللّٰہُ اَکْبَرُ اور جب دو رکعتوں کے بعد جلسہ تشہد سے اُٹھے تو بھی کہا اَللّٰہُ اَکْبَرُ اور جب سلام پھیرا تو کہا مجھے قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضے

میں میری جان ہے۔ تم سب میں سے میری نماز رسول اللہ صلعم کی نماز سے زیادہ مشابہ ہے۔"

اِس حدیث کو امام دارقطنی رحؒ نے " باب وجوب قراءۃ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم فی الصلوٰۃ والجھر بھا" میں اِسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اور پھر کہا ہے۔ ھٰذا صحیح ورواتہ کلہ ثقات (دارقطنی صفحہ)

"یعنے یہ حدیث صحیح ہے اور اِس کے راوی سب کے ثقہ (اور معتبر) ہیں"

اِسی طرح سُنن دارقطنی میں حضرت انسؓ سے بھی مروی ہے

عَنْ انس بن مالک قال صلّے معاویۃؓ بالمدینۃ صلوٰۃ فجھر فیھا بالقراءۃ فلم یقرء بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لام القرآن ولم یقرء ھا للسورۃ التی بعدھا ولم یکبر حین یھوی حتّٰی قضٰی	حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہؓ نے مدینہ طیبہ میں ایک جہری نماز پڑھائی۔ اور اُس میں سورت فاتحہ والی بسم اللہ اور اُسکے بعد کی سورت کی بسم اللہ (بالجہر) نہ پڑھی، اور سجدہ میں جاتے وقت تکبیر بھی نہ کہی حتّٰے کہ

تلك الصلوٰة فلما اسلم ناداه من سمع
ذالك من المهاجرين والانصار من كل مكان
يا معاوية اسرقت الصلوٰة ام نسيت قال
فلم يصل بعد ذالك الا قرء بسم الله الرحمن الرحيم
لام القرآن وللسورة التي بعدها وكبر حين
يهوى ساجدا كلهم ثقات (دار قطني ص۱۱۷)

نماز ختم کی تو جب سلام پھیرا تو مہاجرینؓ و انصارؓ میں سے ہر طرف سے جس جس نے یہ امر سنا اُسنے آواز دی کہ اے معاویہؓ! تمنے نماز میں (جان بوجھکر) چوری کی یا تم بھول گئے، راوی حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ اسکے بعد امیر معاویہؓ نے جو نماز پڑھائی۔ اسمیں سورتِ فاتحہ اور نیز اُس کے بعد کی سورت کی بسم اللہ بآواز اونچی پڑھتے رہے۔ اور سجدے میں جاتے وقت اللہ اکبر بھی کہتے رہے۔ (امام دارقطنی رح کہتے ہیں کہ اس کے راوی) سب ثقہ معتبر و پختہ ہیں۔

حضرت معاویہؓ امیر المؤمنین اور خلیفۂ وقت تھے۔ اُمیر کی فروگذاشت پر ایسی جرأت سے سب مہاجرین و انصار جو نماز میں حاضر تھے۔ بالاتفاق معترض نہیں ہو سکتے۔ جب تک کہ اُن کے پاس بسم اللہ کے اونچی پڑھنے کی قوی دلیل اور خاصکر آنحضرت صلعم کی عملی سنت نہ ہو۔ پھر یہ کہ حضرت معاویہؓ نے اُنکی بات تسلیم بھی کر لی اور آیندہ کے لئے بسم اللہ اونچی پڑھنی شروع کر دی،

امام شوکانی رح نے نیل الاوطار میں ذکر کیا۔ کہ اس حدیث کو امام شافعی رح نے بھی اپنی اسناد سے اور امام حاکم نے بھی اپنی مستدرک میں روایت کیا ہے۔ اور کہا ہے صحیح علی شرط مسلم یعنے یہ روایت امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔

ناظرین کی سہولت کے لئے ذیل میں ہم نقشہ میں اُن صحابہؓ و تابعین اور اُن کے بعد کے بزرگانِ دین کے اسماء ذکر کرتے ہیں جو بسم اللہ شریف کے اونچی پڑھنے کے قائل ہیں۔

صحابہ رضؓ

۱ حضرت ابوبکرؓ	۲ حضرت عثمان رضؓ	۳ عبداللہ بن عمر رضؓ	۴ عبداللہ بن عباس رضؓ	۵ عبداللہ بن زبیر رضؓ	۶ حضرت علی رضؓ	۷ سمرہ بن جندبؓ
۸ بریدہ بن حصیبؓ	۹ ابوھریرہ رضؓ	۱۰ ابی بن کعبؓ	۱۱ ابوقتادہ رضؓ	۱۲ ابوسعید رضؓ	۱۳ انس بن مالکؓ	۱۴ عبداللہ بن ابی اوفیٰ
۱۵ عمار بن یاسرؓ	۱۶ جابر رضؓ	۱۷ شداد بن اوسؓ	۱۸ عبداللہ بن جعفرؓ	۱۹ حسین بن علیؓ	۲۰ معاویہ رضؓ	۲۱ ام المومنین ام سلمہؓ
۲۲ نعمان بن بشیرؓ	۲۳ حکم بن عمیرؓ	۲۴ حضرت طلحہؓ	۲۵ مجالد بن ثورؓ	۲۶ بشر بن معاویہؓ	۲۷ حسین بن عرفطہؓ	۲۸ ابوموسیٰ اشعریؓ

تابعین اور اُن کے بعد کے بزرگ

اِن کی بابت امام شوکانی رحؒ امام خطیب رحؒ سے نقل کرتے ہیں :۔ کہ

اما التابعون ومن بعدھم ممن قال بالجھر بھا فھم اکثر من ان یذکروا واوسع ان یحصروا (نیل جلد ۲ صفحہ ۹۱)	تابعین اور اُن کے بعد کے بزرگ جو بسم اللہ اونچی پڑھنے کے قائل ہیں۔ اُن کی تعداد ذکر سے زیادہ ہے اور حصر سے باہر ہے؛

اِس کے بعد تابعین کے اسماء کی حسب ذیل فہرست دی ہے :۔

۱ سعید بن مسیب رحؒ	۲ طاؤس رحؒ	۳ عطا رحؒ	۴ مجاہد رحؒ	۵ ابو وائل رحؒ	۶ سعید بن جبیر رحؒ	۷ محمد بن سیرین رحؒ
۸ عکرمہ رحؒ	۹ امام زین العابدین رحؒ	۱۰ امام باقر رحؒ	۱۱ سالم بن عبداللہ بن عمر رضؓ	۱۲ محمد بن منکدر رحؒ	۱۳ ابوبکر بن حزم رحؒ	۱۴ محمد بن کعب قرظی رحؒ
۱۵ نافع مولیٰ ابن عمر رضؓ	۱۶ ابو شعشا رحؒ	۱۷ عمر بن عبدالعزیز رحؒ	۱۸ مکحول رحؒ	۱۹ حبیب بن ابی ثابت رحؒ	۲۰ امام زہری رحؒ	۲۱ ابو قلابہ رحؒ
۲۲ علی بن عبداللہ بن عباس رضؓ	۲۳ ابن علی بن عبداللہ رحؒ	۲۴ ارزق بن قیس رحؒ	۲۵ عبداللہ بن معقل بن مقرن رحؒ	۲۶ عبداللہ بن صفوان رحؒ	۲۷ محمد بن حنفیہ رحؒ	۲۵ سلیمان تیمی رحؒ

تبع تابعین وغیرہم

۱ عبیداللہ العمری رحؒ	۲ حسن بن زید رحؒ	۳ زید ابن امام زین العابدین	۴ محمد بن عمر بن علی رحؒ	۵ ابن ابی ذئب رحؒ	۶ لیث بن سعد رحؒ	۷ اسحٰق بن راہویہ رحؒ	۸ معتمر بن سلیمان رحؒ	

اِس کے بعد امام شوکانی رحؒ نے امام بیہقی رحؒ کے حوالے سے لکھا ہے :۔ کہ

اجتمع آل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی الجھر بسم اللہ الرحمن الرحیم (صفحہ ۹۱)	ائمہ اہلبیت کا بسم اللہ اونچی پڑھنے پر اجماع ہے؛

حضرت امام ابوحنیفہ رحؒ اور مسئلہ بسم اللہ

باقی رہا حضرت امام ابوحنیفہ رحؒ کا مذہب سو اُسے ہم کسیقدر تفصیل سے بیان کرنا چاہتے ہیں :۔

ہدایہ میں باب صفۃ الصلوٰۃ میں کہا ہے۔ ویقرء بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

هٰكَذَا نُقِلَ فِي المشاهير[۵۱] اِس کے تھوڑا آگے کہا ہے:۔

ثم عن ابی حنیفة رح انه لَا يَأتِي بها[۵۲] فی اول کل رکعة کالتعوذ وعنه انه یاتی بها[۵۳] احتیاطاً[۵۴] وهو قولهما ولا یاتی بها بین السورتین والفاتحة الا عند محمد رح فانه یاتی بها فی صلوٰة المخافتة (جلد اول یوسفی صـ۹۷)

پھر یہ کہا امام ابوحنیفہ رح سے مروی ہے کہ بسم اللہ کو ہر رکعت کے اول میں نہ پڑھے جس طرح کہ اعوذ نہیں پڑھی جاتی، اور آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ احتیاطاً بسم اللہ پڑھ لیا کرے اور یہی مذہب ہے صاحبین کا اور سورت فاتحہ اور کسی دیگر سورت کے درمیان نہ پڑھے مگر امام محمد رح کے نزدیک خفیہ نماز میں یہ بھی جائز ہے۔

---

۵۱ مولنا عبدالحی مرحوم لکھنوی هٰكَذَا نُقِلَ پر حاشیہ ۲۳ میں فرماتے ہیں:۔
قلت فیه احادیث منها حدیث نعیم المجمر قال صلیت خلف ابی هریرة رضی الله عنه فقرء بسم الله الرحمن الرحیم ثم قرء بام القرآن فلما سلم قال والذی نفسی بیده انی لاشبهکم صلوٰة برسول الله صلی الله علیه واله وسلم ۱۲
فتح القدیر شرح ہدایہ میں اِس حدیث کو نقل کرنے کے بعد کہا ہے:
قال ابن خزیمة لا ارتیاب فی صحته عند اهل المعرفة یعنی ابن خزیمہ رح نے کہا ہے کہ حدیث کی پہچان والوں کے نزدیک اس حدیث کی صحت میں کوئی شک نہیں۔ ۱۲ منه

۵۲ مولنا عبدالحی صاحب نے فی المشاهیر پر حاشیہ نمبر ۲۵ میں کہا ہے:۔
ورواه ابن خزیمة وابن حبان فی صحیحیهما والحاکم فی المستدرك وقال صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاه ۱۲
اس حدیث کو امام ابن خزیمہ رح اور امام ابن حبان رح نے بھی اپنی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اور امام حاکم رح نے مستدرک میں روایت کر کے کہا ہے کہ یہ (حدیث) امام بخاری رح اور امام مسلم رح کی شرط پر صحیح ہے گو ان دونوں نے اسے اپنی اپنی کتاب میں نقل نہیں کیا۔

۵۳ حضرت مولنا ممدوح لا یاتی بها پر بین السطور میں لکھتے ہیں۔ هو روایة الحسن عنه یعنے یہ بات امام ابوحنیفہ رح سے آپ کے شاگرد حسن بن زیاد لؤلوی نے روایت کی ہے ۱۲ اور حسن بن زیاد کی نسبت در بارۂ روایتِ حدیث محدثین کی شہادت اچھی نہیں حافظ ذہبی رح نے میزان میں کذاب، متروك، لا یحتج به وغیرہ وغیرہ الفاظ نقل کئے ہیں اور مولنا عبدالحی رح نے فوائد بہیہ میں حسن بن زیاد کے ترجمہ میں امام سمعانی رح سے نقل کیا، لیس بشئ فی الحدیث یعنے حدیث میں بالکل لاشی ہے کسی کام کا نہیں

۵۴ یاتی بها پر فتح القدیر میں کہا ہے:۔
وهی روایة ابی یوسف انه یاتی بها وهو قولهما یعنے امام ابوحنیفہ رح سے اس بات کی روایت کہ بسم اللہ فاتحہ کے شروع میں پڑھنی چاہیئے امام ابویوسف رح کی روایت ہے اور یہی صاحبین رح کا قول ہے ۱۲ اور امام ابویوسف رح جیسے کہ فقہاء کے نزدیک علم و حفظ میں پختہ ہیں ویسے ہی محدثین کے نزدیک بھی معتبر ہیں۔ چنانچہ امام نسائی رح نے کتاب الضعفاء والمتروکین میں جہاں حسن بن زیاد مذکور کو کذاب خبیث لکھا ہے وہاں امام ابویوسف کو ثقہ لکھا ہے۔

۵۵ مولنا عبدالحی رح لفظ احتیاطاً پر حاشیہ ۲۶ میں لکھتے ہیں:۔ (بقیہ حاشیہ نمبر ۵۵ صـ ۸۰ پر دیکھو)

بقیہ حاشیہ ص

قولہ احتیاطا ۱۲ لان العلماء اختلفوا فی التسمیۃ ھل ھی من الفاتحۃ ام لا وعلیہ قراءۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ فکان علیہ قراءتہا فی کل رکعۃ لیکون ابعد عن الاختلاف (ص ۹) ۱۲ منہ

احتیاطًا اسلئے کیا گیا ہے کہ علما میں اختلاف ہے کہ بسم اللہ شریف سورۂ فاتحہ کی جزو ہے یا نہیں۔ جب نمازی پر ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہے تو اُسے بسم اللہ بھی ہر رکعت میں ضرور پڑھنی چاہئے۔ تاکہ اختلاف سے دُور رہے؛

اسی طرح علامہ نسفی رح نے کنز میں سنن نماز میں بسم اللہ کے پڑھنے کو بھی شمار کیا ہے۔ اور اُسکی شرح میں ہے ؎

ثم ھل یاتی بہا فی اول الفاتحۃ فی الرکعات الاخریٰ عن ابی حنیفۃ رح روایتان وعنہما یاتی وھو اولیٰ کن لفی البدائع (حاشیہ کنز نولکشوری ص ۲۳)

پھر یہ کہ دیگر رکعات میں بھی فاتحہ کے شروع میں پڑھے اسکی بابت امام ابوحنیفہ رح سے دو روایتیں ہیں۔ اور صاحبین رح سے مروی ہے کہ پڑھے اور یہی اولیٰ ہے۔ کتاب بدائع میں بھی اسی طرح ہے

اور کنز ہی میں فصل ترتیب امور نماز میں کہا ہے۔ وسمّی سرًا فی کل رکعۃ (ص ۲۵ کشوری) یعنی بسم اللہ پڑھے آہستہ آہستہ ہر رکعت میں؛

اور منیۃ المصلی کے متن میں کہا ہے۔ ثم یسمّی فیاتی بہا فی کل رکعۃ لان اکثر المشائخ علی ھذا (ص ۹۷ باب صفۃ الصلوٰۃ) یعنی پھر (ثنا کے بعد) بسم اللہ پڑھے اور اسے ہر رکعت میں پڑھے۔ کیونکہ ہمارے اکثر مشائخ اسی پر ہیں۔ اور اسکی شرح کبیری میں بسم اللہ کی سنیت اور وجوب کے متعلق بہت تفصیل سے مدلل بحث کر کے وجوب کو اصح اور احوط لکھا ہے۔

چنانچہ اسکے الفاظ حسب ذیل ہیں:۔

(الاوّل) فمیل الشیخ حافظ الدین النسفی رح فی کتبہ وقاضیخان رح وصاحب الخلاصۃ وکثیر الی انہا سنۃ وکذا ما نقد م عن النوادر ویفید ذالک وذکر الزیلعی رح فی شرح الکنز ان الاصح انہا واجبۃ وکذا ذکر الزاھدی عن الحسن الصحیح انہا واجبۃ فی کل رکعۃ، ومرادہ فی کل رکعۃ یجب فیہا القراءۃ وقال ابن وھبان رح فی منظومۃ ولو لم یبسمل ساھیا فی کل رکعۃ فیسجد اذا یا یجابہا قال الاکثر، ای یسجد للسہو اذا ترکہا ساھیا اوّل کل رکعۃ یجب فیہا القراءۃ لان اکثر المشائخ قال بوجوبہا وھذا ھو الاحوط فان الاحادیث الصحیحۃ تدل علیٰ مواظبتہ علیہ الصلوٰۃ والسلام علیہا وما ورد فیہا من الافتتاح بالحمد للہ فلیس بنص علیٰ ترکہا فکان الایجاب ھو الاحوط (ص ۲۷۲)

علامہ حافظ الدین نسفی رح اور قاضی خان رح اور صاحب خلاصہ اور صاحب نوادر کا میلان اسطرف ہے کہ بسم اللہ پڑھنی سنت ہے۔ اور امام زیلعی رح نے شرح کنز میں کہا کہ اصح یہ ہے کہ وہ واجب ہے اسی طرح زاہدی نے حسن سے نقل کیا کہ وہ ہر رکعت میں واجب ہے۔ اور اس سے اسکی مراد ہے۔ ہر وہ رکعت جس میں قرات واجب ہے۔ اور ابن وہبان رح نے منظومہ میں کہا کہ اگر ہر رکعت میں سہوًا بسم اللہ ترک کر دے تو سجدہ سہو کرے کیونکہ اکثر ائمہ نے اس کا واجب ہونا لکھا ہے۔ اور یہی احوط ہے۔ کیونکہ صحیح احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں۔ کہ آنحضرت صلعم نے اس پر ہمیشگی کی ہے۔ اور جو الحمد للہ سے شروع کرنے کے بارے میں وارد ہے۔ وہ اس کے ترک پر نص نہیں ہے (یعنی ہو سکتا ہے۔ کہ بسم اللہ آہستہ پڑھ لیا ہو) پس واجب ہونا ہی احوط ہے۔ (کبیری ص ۲۷۲)

(۲) پھر اس کے آگے موضع ثالث میں محل قرارت کے متعلق کہا ہے :۔

ففی روایۃ عن ابی حنیفۃ رح ان محلہا اوّل الصلوٰۃ والصحیح ان محلہا اول کل رکعۃ احتیاطًا

امام ابوحنیفہ رح سے ایک روایت میں ہے۔ کہ اُنکی (بسم اللہ پڑھنے کا) محل نماز کے شروع میں ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ

ص بقیہ حاشیہ دیکھو ص ۸۱ پر ۱۲ منہ

حاصلِ کلام یہ کہ حضرت امام ابوحنیفہ رح کا محقق مذہب یہی ہے کہ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ہر رکعت میں سورت فاتحہ کی باقی آیتوں کی طرح واجب ہے۔ اور اکثر مشائخ حنفیہ کا یہی قول ہے۔

اور جو روایت پہلی رکعت کے بعد دیگر رکعات میں نہ پڑھنے یا واجب نہ ہونے کی ہے وہ حسن بن زیاد کی ہے۔ جو محدثین کے نزدیک معتبر نہیں ہے۔ جیساکہ حاشی میں گذر چکا۔ باوجود اس کے حسن بن زیاد خود وجوب کے قائل ہیں جیساکہ کبیری شرح منیہ سے منقول ہو چکا۔ اور حضرت امام صاحب رح سے جو روایت بسم اللہ ہر رکعت میں پڑھنے کی ہے۔ وہ امام ابو یوسف رح کی ہے۔ جو محدثین کے نزدیک ثقہ اور معتبر ہیں۔ اور وہ خود بھی اس کے قائل ہیں اور اس روایت اور اس قول میں امام محمد بھی اُن کے ساتھ ہیں بلکہ وہ فاتحہ اور دوسری سورت کے درمیان میں بھی پڑھنے کے قائل ہیں۔ اگرچہ سِرّی نمازوں میں کہتے ہیں۔ پس جب حضرت امام ابوحنیفہ رح سے اور اُن کے دو لائق شاگردوں امام ابویوسف رح اور امام محمد رح سے پڑھنے کی روائتیں ثابت ہیں جن پر فقہ حنفی کا دار و مدار ہے۔ اور حسن بن زیاد جنکی روایت سے بعض لوگ غلطی میں پڑ گئے۔ وہ وجوب کے قائل ہیں تو اب حضرات حنفیہ کو اس پر عمل کرنے میں کوئی حجاب نہیں چاہئے۔ رواجِ عام دیگر امر ہے۔ اور تحقیقِ مسئلہ دیگر شئے ہے۔ وَالۡحَقُّ اَحَقُّ اَنۡ یُّتَّبَعَ یعنی حق زیادہ لائق ہے۔ کہ اُسکی پیروی کی جائے۔ ھٰذا والحمد للّٰہ ملھم الحقائق ومفھم الدقائق،

بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۰

لان اکثر المشائخ علی ھذا

نقل فی الکفایۃ عن الحسن انہ قال حسن انہ یسمی اول کل رکعۃ اصحابنا جمیعا لاخلاف فیہ ومن زعم انہ یسمی مرۃ فی الاول فحسب فقد غلط علی اصحابنا فاحشا عرفہ من تامل کتب اصحابنا والروایات عنھم لکن الخلاف فی الوجوب فعندھما فی روایۃ المعلی عن ابی حنیفۃ رح انہ تجب التسمیۃ فی الثانیۃ کوجوبھا فی الاولی روایتھما وروایۃ الحسن عن ابی حنیفۃ رح لا تجب الا عند الافتتاح وان قرءھا فی غیرہ فحسن ثم قال الحسن والصحیح انہ تجب التسمیۃ فی کل رکعۃ انتہی۔ واستدلوا علی الاحتیاط باختلاف العلماء فی انھا اٰیۃ من الفاتحۃ اولا فکان الاحتیاط الاتیان بھا للخروج من الخلاف (کبیری صفحہ ۲۶۲)

ترجمہ

کہ اسکا محل ہر رکعت کا شروع ہے۔ از روئے احتیاط کے، کیونکہ اکثر مشائخ اِسی پر ہیں۔ کفایہ میں حسن سے نقل کیا کہ ہمارے سب اصحاب نے بلا اختلاف اس امر کو مستحسن جانا ہے کہ ہر رکعت کے شروع میں بسم اللہ پڑھے اور جسنے یہ گمان کیا کہ صرف پہلی دفعہ ایکبار ہی پڑھے اُسنے ہمارے اصحاب کا مذہب کھلا غلط سمجھا۔ جو شخص ہمارے اصحاب کی کتابوں میں اور انکی روایات میں تامل کریگا وہ اسے بخوبی سمجھ لیگا۔ ہاں وجوب اور سُنیت میں بیشک اختلاف ہے۔ معلی کی روایت میں امام ابویوسف اور امام محمد کے نزدیک امام ابوحنیفہ رح سے یہ روایت ہے کہ بسم اللہ دوسری رکعت میں بھی پہلی رکعت کی طرح واجب ہے اور حسن لولوی کی روایت میں ان دونوں کے نزدیک امام ابوحنیفہ سے یہ روایت ہے کہ وہ واجب نہیں ہے مگر شروع میں، اور اگر دیگر رکعات میں بھی پڑھ لے تو اچھا ہے پھر حسن نے کہا کہ بسم اللہ ہر رکعت میں واجب ہے۔ انتہی مترجماً۔ اور علما نے احتیاط کی دلیل یہاں سے لی ہے کہ علما میں اس امر میں اختلاف ہے کہ بسم اللہ فاتحہ کی آیت ہے یا نہیں۔ پس احتیاط اسی میں ہے۔ کہ اختلاف سے نکلنے کے لئے اِسے پڑھ ہی لے ۱۲ منہ

ترکِ واخفائے بسم اللہ کی روایات اور فیصلہ

باقی رہیں وہ روایات جو بسم اللہ کے ترک و اخفا کی ہیں سو سب سے محکم صحیحین کی یہ روایت ہے۔

عَنْ انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابابکر وعمر کانوا یفتتحون الصلوٰۃ بالحمد للہ رب العٰلمین (بخاری باب مایقول بعد التکبیر)

کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ قراءتِ نماز الحمد للہ رب العٰلمین سے شروع کرتے تھے۔

اِس کا جواب اولاً تو یہ ہے کہ بعض علماء نے دونوں قسم کی روایات کو یوں جمع کیا ہے کہ جہر و اخفا ہر دو طریق جائز ہیں کیونکہ روایات ہر دو طرف موجود ہیں کسی نے جہر کو اختیار کر لیا اور کسی نے اخفا کو، چنانچہ سُبل السلام شرح بلوغ المرام میں اسی حدیث کے ذیل میں کہا ہے:۔

والاقرب انہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کان یقرء بہا تارۃ جہرا وتارۃ یخفیہا وقد استوفینا البحث فی حواشی شرح العمدۃ بما لا زیادۃ علیہ واختار جماعۃ من المحققین انہا مثل سائر آیات القرآن یجہر بہا فیما یجہر فیہ ویسر بہا فیما یسر فیہ (ج ۱۔ ص۱۷۲)

اور زیادہ قریب یہی ہے کہ آنحضرت صلعم بسم اللہ کبھی اونچی پڑھتے تھے۔ اور کبھی خفیہ اور ہم نے یہ بحث شرح عمدۃ الاحکام کے حواشی میں مکمل طور پر بیان کی ہے۔ جس پر زیادتی کا درجہ باقی نہیں۔ اور محققین کی ایک جماعت کا مختار یہ ہے۔ کہ بسم اللہ مثل دیگر آیاتِ قرآن کے ہے۔ جہری میں اِسے بھی بالجہر پڑھا جائے اور سرّی میں اِسے بھی سرّاً پڑھا جائے۔

آنحضرت صلعم اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما قراءت کے وقت سورۂ فاتحہ دوسری سورت سے پہلے پڑھتے تھے، کیونکہ جب سورت فاتحہ اور کوئی دیگر مقام بھی قرآن کریم میں سے پڑھنا ہے تو کسی کو شبہ پڑ سکتا ہے کہ خواہ سورۂ فاتحہ باقی قراءت سے پہلے پڑھیں خواہ پیچھے پڑھیں تعمیلِ حکم ہر دو صورت ہو سکتی ہے۔ تو حضرت انس رضی اللہ عنہ اِس شبہ کو دُور کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء کا طریقِ عمل ذکر کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما سورتِ فاتحہ پہلے پڑھتے تھے اور دیگر سورت پیچھے۔ اِس کے یہ معنے ہرگز ہرگز نہیں ہیں کہ آنحضرت صلعم اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما بسم اللہ ترک کر کے قراءت آیت اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سے شروع کرتے تھے۔ چنانچہ امام نسائی نے اپنی سُنن میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اسی روایت کے متعلق یہ باب باندھا ہے۔ صاحب الہدایۃ

بفاتحۃ الکتاب قبل السورۃ یعنی دیگر سورت سے قبل سورتِ فاتحہ سے قرارت شروع کرنے کا باب' پھر اِس باب کے ضمن میں حضرت انسؓ کی یہی روایت دو طریق سے روایت کی ہے؛

امام نسائیؒ کے علاوہ امام ترمذیؒ نے بھی اِس حدیث کو اپنی جامع میں نقل کرکے اِس کے معنی کی نسبت امام شافعیؒ کا قول نقل کیا ہے۔ کہ آپ نے فرمایا:۔

وقال الشافعیؒ انما معنی ھذا الحدیث ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابابکر وعمر وعثمان کانوا یفتتحون القراءۃ بالحمد للہ رب العالمین معناہ انھم کانوا یبدؤن بقراءۃ فاتحۃ الکتاب قبل السورۃ ولیس معناہ انھم کانوا لا یقرؤن بسم اللہ الرحمن الرحیم (ترمذی جلد ۱ ص۳۳)

اِس حدیث کے یہ معنے ہیں کہ آنحضرت صلعم اور حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ وعثمان رضی اللہ عنہم قرارت کسی دیگر سورت سے پہلے سورتِ فاتحہ سے شروع کرتے تھے اور اسکے یہ معنے نہیں ہیں کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں پڑھا کرتے تھے؛

امام نسائیؒ اور امام شافعیؒ نے جو معنے اِس حدیث کے کئے ہیں۔ وہ بالکل درست ہیں چنانچہ انکی تائید حضرت انسؓ ہی کی دوسری روایت سے ہوتی ہے۔ کہ

عن انسؓ قال کنا نصلی خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ فکانوا یستفتحون بام القرآن (دارقطنی ص۱۱۱)

"ہم آنحضرت صلعم اور حضرات ابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ تو آپ جہری نمازوں میں اُمّ القرآن سے قرارت شروع کرتے تھے۔"

اِس روایت میں الحمد للہ رب العلمین کی بجائے اُمّ القرآن وارد ہے۔ اور یہ دونوں روایتیں حضرت انسؓ سے مروی ہیں، اِس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت انسؓ نے کبھی سورت فاتحہ کو اُمّ القرآن کے نام سے بیان کیا اور کبھی الحمد للہ رب العلمین سے اور یہ دونوں اسی کے نام ہیں نیز ابوداؤد کی روایت مرفوعاً مروی ہے الحمد للہ رب العلمین۔ اُمّ القرآن و اُمّ الکتاب، والسبع المثانی (حاشیہ عمدۃ الاحکام ص۹۴ جلد اول) یعنی آنحضرت نے فرمایا الحمد للہ رب العلمین۔ اُمّ القرآن بھی ہے۔ اور اُمّ الکتاب بھی اور السبع المثانی بھی۔ پھر اس کے بعد اسی حاشیہ میں کہا ہے۔ اِس سورت کا نام الحمد للہ رب العلمین امام بخاریؒ اور امام دارمیؒ اور امام ترمذیؒ اور ابن منذرؒ اور ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ اور امام احمد اور نسائی اور ابن خزیمہ اور ابن حبان وغیرہم دائمہ محدثین نے بھی روایت کیا ہے (انتہیٰ مترجماً) چنانچہ امام بخاریؒ کی روایت حسب ذیل ہے:۔

عن ابی سعید بن المعلی قال مر بی النبی صلی اللہ

کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گذرے اور انحال

علیه وسلم وانا اصلى فدعانى فلم اٰته حتى صليت ثم اتيت فقال ما منعك ان تاتينى فقلت كنت اصلى فقال الم يقل الله تعالىٰ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ ثم قال الا اعلمك اعظم سورة فى القراٰن قبل ان اخرج من المسجد فذهب النبى صلى الله عليه وسلم فذكرته فقال الحمد لله رب العٰلمين هى السبع المثانى والقراٰن العظيم الذى اوتيته

(بخاری کتاب التفسیر)

کہ مَیں نماز پڑھ رہا تھا آپ نے مجھے بلایا، تو میں آپ کی خدمت میں نماز پڑھ کر ہی حاضر ہُوا۔ آپ نے فرمایا تجھے میرے پاس آنے سے کس امر نے روکا۔ مَیں نے عرض کی کہ مَیں نماز پڑھ رہا تھا، اس پر آپ نے فرمایا کیا اللہ نے یہ نہیں فرمایا، کہ اے مسلمانو! جب تم کو خدا اور اُس کا رسول بلاوے تو اُس کے حکم کی تعمیل فوراً کیا کرو۔ پھر آپ نے فرمایا۔ کیا مَیں تجھے مسجد سے نکلنے سے پہلے قرآن شریف کی سب سے بزرگ سورت نہ بتاؤں؟ اسکے بعد جب آپ مسجد سے جانے لگے۔ تو مَیں نے آپ کو یاد کرایا۔ تو آپ نے فرمایا الحمد للہ رب العٰلمین ہی السبع المثانی ہے اور یہی القراٰن العظیم ہے۔ جو مجھے عطا ہوئی ہے۔"

یعنی قرآن شریف میں جو خدا تعالیٰ نے فرمایا ولقد اٰتینٰک سبعا من المثانی والقراٰن العظیم (حجر ع ۶) سو اس سے مراد یہی سورت الحمد للہ رب العٰلمین ہے۔"

حافظ ابن حجر رح نے اِس حدیث کی شرح میں فرمایا:۔

قال ابن التين فيه دليل على ان بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ليست اٰيةً من القراٰن كذا قال وعكس غيره لانه اراد السورة ويؤيده انه لو اراد الحمد لله رب العٰلمين الاٰية لم يقل هى السبع المثانى لان الاٰية الواحدة لا يقال لها سبع فدل على انه اراد بها السورة والحمد لله رب العٰلمين من اسمائها وفيه قوة لتاويل الشافعىؒ فى حديث انسؓ حيث قال كانوا يفتتحون الصلوٰة بالحمد لله رب العٰلمين قال الشافعىؒ اراد السورة

ابن تین نے کہا کہ اِس میں دلیل ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرآن کی آیت نہیں ہے۔ اُس نے تو یہی کہا لیکن دیگروں نے اس کے برعکس کہا کہ اِس سے آنحضرت صلعم کی مراد سُورت ہے۔ اور اسکی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اگر آپ کی مراد آیت الحمد للہ رب العٰلمین ہوتی تو آپ اسے ھی السبع المثانی نہ کہتے، کیونکہ اکیلی آیت کو سبع (سات) نہیں کہہ سکتے، پس یہ اسکی دلیل ہے کہ اس سے آپکی مراد سورت ہے۔ اور الحمد للہ رب العٰلمین بھی اس سورت کے ناموں سے ہے۔ اور حضرت انسؓ کی حدیث

وتعقب بان هذه السورة تسمّٰى سورة الحمد لله ولا تسمّٰى الحمد لله رب العٰلمين وهذا الحديث يردّ هذا التعقب (فتح الباری دہلوی کتاب تفسیر صفحہ)

کے جو معنے امام شافعی رح نے کئے ہیں انہیں اسکی تقویت ہے کہ الحمد للہ رب العلمین سے آپکی مراد سورت ہے اور کسی نے اسپر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس سورت کا نام الحمد للہ ہے نہ کہ الحمد للہ رب العلمین اور یہ حدیث زیر شرح یعنی حضرت ابو سعیدؓ والی اس اعتراض کو رد کرتی ہے

پس حضرت انس رضہ کے الفاظ سے یہ غلطی ہرگز نہ کھانی چاہیئے۔ کہ اُن کا یہ مطلب ہے۔ کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاءؓ قرات کے وقت بسم اللہ شریف ترک کر دیتے تھے۔ جس کسی نے اِس روایت کے یہ معنے سمجھے ہیں۔ اُسے سورتِ فاتحہ کے نام اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اور آیت اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ میں اشتباہ پڑ گیا ہے۔

اِسی غلط فہمی کی بنا پر صحیح مسلم کی مندرجہ ذیل دو روایتیں بالمعنی روایت کی گئی ہیں۔ یعنے منجملہ راویان کے کسی راوی نے حضرت انسؓ کے الفاظ کانوا یفتتحون القراءۃ بالحمد للہ رب العلمین کے معنے یہ سمجھے کہ سورتِ فاتحہ کو آیت الحمد للہ رب العلمین سے شروع کرتے تھے۔ تو اُس نے ایسا ہی ذکر کر دیا۔ جس سے یہ لازم آتا ہے کہ بسم اللہ شریف بالجہر نہیں پڑھتے تھے۔ خواہ بالکل ترک کر دیتے ہوں۔ اور خواہ سِرًّا پڑھتے ہوں۔ چنانچہ بعض نے پہلا مطلب یعنے ترک سمجھا۔ اور بعض نے دوسرا یعنے سِرًّا پڑھنا جیسا کہ انہی روایات سے ظاہر ہو جائیگا۔ وہ روایات یہ ہیں:۔

(۱) عن قتادة يحدّث عن انس بن مالك قال صليت مع رسول الله صلّى الله عليه وسلم وابى بكرؓ وعمرؓ وعثمانؓ فلم اسمع احدًا منهم يقرء بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حضرت قتادہ رح تابعی حضرت انسؓ صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت انسؓ نے کہا کہ مینے رسول اللہ صلعم اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کے ساتھ نماز پڑھی پس مینے کسی کو بھی بسم اللہ پڑھتے نہیں سُنا۔"

(۲) عن قتادة انه كتب اليه يخبره عن انس بن مالك انه حدثه قال صليت خلف النبى صلى الله عليه وسلم وابى بكرؓ وعمرؓ وعثمانؓ فكانوا يستفتحون بالحمد لله رب العٰلمين لا يذكرون بسم الله الرحمٰن الرحيم فى اوّل

قتادہ رح نے امام اوزاعی کو حضرت انسؓ کی روایت سے لکھا کہ انہوں نے مجھ سے بیان کیا۔ کہ مینے نماز پڑھی پیچھے نبی کریم صلعم کے اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کے پس وہ الحمد للہ رب العالمین سے شروع کرتے تھے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم نہ اول سورت میں اور نہ آخر سورت

قرأءة ولا فی آخرھا (صحیح مسلم جلد اوّل)	میں پڑھتے تھے۔"

یہ ہر دو روایتیں بالمعنٰی ہیں۔ کیونکہ صحیح بخاری والی روایت کے الفاظ جو حضرت انسؓ سے مروی ہیں۔ وہ بھی قتادہ ہی کے واسطے سے ہیں، اور قتادہ تابعی حضرت انسؓ کے الفاظ کو اس حدیث میں روایت نہیں کر سکے۔ جیسا کہ آئندہ ظاہر ہو جائیگا، انتہٰی۔

اِن ہر دو روایات کو خاکسار نے از خود بالمعنٰی قرار نہیں دیا بلکہ بڑے بڑے نقاد محدثین نے اسکی تصریح کی ہے۔ چنانچہ حافظ عراقی جو حافظ ابن حجرؒ کے استاد ہیں اپنے الفیہ میں معلل حدیث کی مثال میں جو از قسم ضعیف ہے۔ اسی روایتِ صحیح مسلم کو یوں بیان کرتے ہیں:۔

وَعِلَّةِ الْمَتْنِ كَنَفْيِ الْبَسْمَلَةْ اِذْ ظَنَّ رَاوٍ نَفْيَهَا فَنَقَلَهْ (ص۲۴)	کبھی علت متن میں ہوتی ہے۔ جسکی مثال بسم اللہ کی نفی والی روایت ہے۔ کہ کسی راوی نے اسکی نفی سمجھی

تو اُسے نفی کے الفاظ میں نقل کر دیا۔

اور علامہ سخاویؒ (حافظ ابن حجرؒ کے شاگرد) اسکی شرح "فتح المغیث" میں فرماتے ہیں:۔

فنقله مصرحًا بما ظنه فقال لا يذكرون	پس اُس راوی نے اپنے ظن سے بالتصریح نقل کر دیا۔ کہ
بسم الله الرحمٰن الرحيم فی اول قراءة ولا فی آخرها وفی لفظ فلم يكونوا يفتتحون ببسم الله وصار بمقتضٰی ذالك حديثًا مرفوعًا والراوی لذالك مخطئ فی ظنه (فتح المغیث ص۹۵)	بسم اللہ نہ اوّلِ سورت میں پڑھتے تھے اور نہ آخر میں اور بعض روایات میں ایسا بھی ہے کہ بسم اللہ سے شروع نہ کرتے تھے۔ تو اِس وجہ سے یہ روایت مرفوع سمجھی گئی حالانکہ اس کے راوی سے ایسا ظن کرنے میں غلطی ہوئی ہے

اِس تفصیل سے صاف معلوم ہو گیا۔ کہ حضرت انسؓ کے الفاظ وہی محفوظ ہیں۔ جو صحیح بخاری میں مروی ہیں اور صحیح مسلم کے الفاظ روایت بالمعنی ہیں جس راوی نے اسکے یہ معنی سمجھے ہیں۔ اُسنے غلطی کھائی ہے حضرت انسؓ کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے۔ کہ آنحضرت صلعم آیت الحمد للہ رب العالمین سے قرات شروع کیا کرتے تھے۔ بلکہ اِن کا مقصود صرف یہ بتانا ہے۔ کہ آپ پہلے سورتِ الحمد للہ رب العٰلمین۔ پڑھا کرتے تھے۔ اور پھر کوئی اور سورت جیسا کہ جامع ترمذی سے اِس حدیث کی شرح میں امام شافعی رہ کا قول سابقًا نقل ہو چکا ہے۔ اور امام نسائی کی تبویب بھی ذکر ہو چکی ہے [1]

---

[1] دیکھو ص۸۳-۸۴ تفسیر ہذا ۱۲ منہ

اِس کے لئے ایک اور بھی قرینہ ہے کہ حضرت انس رضؓ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے آیت ابتدائی ہونے سے انکار نہیں کر سکتے۔ کیونکہ سورۂ کوثر کے نزول کی حدیث جو صحیح مسلم میں مروی ہے۔ وہ بھی حضرت انس رضؓ کی روایت سے ہے۔ اور اس میں ابتدا میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا پڑھنا صاف مذکور ہے۔

نیز یہ کہ صحیح بخاری کی حدیث جو بحوالہ منتقٰی ص۔ پہلے گزر چکی ہے۔ اُس میں مذکور ہے کہ قتادہ رحؒ نے حضرت انس رضؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قرات کی کیفیت دریافت کی تو آپ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے الفاظ اَللّٰہ اور اَلرَّحْمٰن اَلرَّحِیْم کے حروف کھینچ کر پڑھے اور بتایا کہ آپ صلعم اس طرح پڑھا کرتے تھے۔ اِس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت انس رضؓ آنحضرت کو بسم اللہ پڑھتے سنا کرتے تھے۔ ورنہ سے طرز قرات میں پیش نہ کرتے۔ لطف یہ کہ صحیح مسلم کی روایات بھی اور صحیح بخاری کی یہ روایت بھی یعنی طرز قرات والی بھی روایات حضرت انس رضؓ سے قتادہؒ ہی کرتے ہیں۔ فافھم ولا تکن من الغافلین۔

دوسری روایت حضرت عبداللہ بن مغفل کی ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں:۔

عن ابن عبداللّٰہ بن مُغفّل رضؓ قال سمعنی ابی وانا فی الصلوٰۃ اقول بسم اللہ الرحمٰن الرحیم فقال لی ای بنی محدث ایاک والحدث قال ولم ار احدا من اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان ابغض الیہ الحدث فی الاسلام یعنی منہ وقال وقد صلیت مع النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ومع ابی بکر وعمر ومع عثمان فلم اسمع احدا منہم یقولہا فلا تقلہا اذا انت صلیت فقل اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (ج ۱ ص ۳۳)

حضرت عبداللہ بن مغفل رضؓ کا بیٹا (یزید) کہتا ہے۔ کہ میرے باپ نے مجھے نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (جہرا) کہتے سنا تو کہا بیٹا! (یہ) بدعت، بدعت سے بچنا رہ۔ نیز یہ کہا کہ میں نے اصحاب رسول اللہ صلعم میں سے کسی کو بھی اسلام میں بدعت نکالنے سے بڑھکر کسی شئے کو بُرا جانتے نہیں دیکھا۔

نیز یہ کہا کہ میں نبی صلعم اور حضرات ابوبکر رضؓ۔ عمر رضؓ۔ اور عثمان رضؓ کے ساتھ نماز پڑھتا رہا۔ میں نے ان میں سے کسی کو بسم اللہ کو بھی پڑھتے نہیں سنا۔ پس اسے اس طرح نہ پڑھا کر۔ بلکہ جب تو نماز پڑھے تو کہا کر۔ الحمد للہ رب العلمین۔

بیشک امام ترمذیؒ نے اِس حدیث کو حسن کہا ہے۔ لیکن محدثین کے نزدیک صرف امام ترمذیؒ کا حسن کہدینا کافی نہیں۔ محدث ابن خزیمہ رحؒ حافظ ابن عبدالبر مغربی رحؒ امام بیہقی رحؒ اور امام خطیب بغدادی رحؒ اسے ضعیف کہتے ہیں۔ (عینی علی البخاری جلد ۳ ص ۱۲) کیونکہ اس روایت کا مدار یزید بن عبداللہ بن مغفل پر ہے۔ اور وہ محدثین کے نزدیک قابل احتجاج نہیں چنانچہ امام شوکانی رحؒ نیل الاوطار میں اس حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں: یزید بن عبد اللّٰہ بن مغفل رضؓ مجھول لا یعرف (جلد ثانی ص ۹۶) پس ایسے اہم امر میں ایسے اکیلے شخص کی شہادت کافی نہیں۔ امام شوکانی رحؒ نے اِس کے بعد یہ بھی لکھا ہے قال ابن خزیمۃ رحؒ ھذا الحدیث غیر صحیح وقال الخطیب وغیرہ ضعیف قال النووی رحؒ ولا یرد علی ھؤلاء الحفاظ قول الترمذی انہ حسن انتہٰی (ص ۹۷ جلد ثانی) یعنی محدث ابن خزیمہ رحؒ کہتے ہیں۔ کہ یہ حدیث صحیح نہیں۔ اور امام خطیب بغدادی وغیرہ نے کہا کہ یہ ضعیف ہے اور امام نوویؒ نے کہا کہ ان حفاظ پر امام ترمذیؒ کا یہ قول کہ یہ روایت حسن ہے وارد نہیں ہوسکتا۔ دیگر یہ کہ اس حدیث کو قابل احتجاج تسلیم کرنے سے ماننا پڑے گا۔ کہ صحابہ رضؓ کی ایک خاصی تعداد اور ائمہ سنت از تابعین و تبع تابعین وغیرہم کی ایک کثیر جماعت جنکی فہرست ص ۸۶ و ۸۵ پر درج ہوچکی ہے۔ (معاذ اللہ) بدعت پر عمل پیرا رہی اور ان سب کو تمام عمر میں طریق سنت معلوم نہ ہوسکا۔ اس کے بعد ہم دوسری قسم کی روائتیں لکھتے ہیں۔ جنسے بعض کو یہ خیال پیدا ہوگیا کہ جو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورت نمل (پ ۱۹) کے درمیان میں مکتوب ہے۔ بیشک آیت قرآنی اور سورت نمل کی جزو ہے۔ لیکن جو بسم اللہ سورتوں کے شروع میں مکتوب ہے وہ جزو سورت اور آیت قرآنی کی حیثیت نہیں رکھتی۔ اِس قسم میں معرکہ کی دو حدیثیں ہیں۔

پہلی حدیث یہ ہے۔ کہ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا:۔

عن عباس الجشمی عن ابی ھریرۃ رضؓ عن النبی صلی اللّٰہ

قرآن کی ایک سورت تیس آیات کی ہے جس نے ایک شخص

علیہ وسلم قال ان سورة من القرآن ثلاثون اٰیة شفعت لرجل حتیٰ غفر له وهی تبارک الذی بیده الملک (ترمذی جلد ۲ ص۱۱۳)	کی شفاعت کی حتیٰ کہ وہ بخش گیا اور وہ تبارک الذی بیدہ الملک ہے۔

صورت استدلال یوں ہے کہ اس حدیث میں **اوّل** تو بتایا گیا ہے۔ کہ سورتِ ملک کی تیس آیات ہیں اور شمارِ آیات سے معلوم ہوسکتا ہے۔ کہ پوری تیس بسم اللہ چھوڑ کر ہوتی ہیں۔ **دوم** یہ کہ اس کا شروع تبارک الذی بیدہ الملک بتایا گیا ہے وہ کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سو اس کا **جواب** امام شوکانی رح نے یہ نقل کیا ہے کہ عباس جشمی کو بقول امام بخاری حضرت ابوہریرہ رض سے ملاقات ہی نہیں۔ دوم یہ کہ واجیب عن ذالک بان المراد عدد ماھو خاصة السورة لان البسملة کالشئ المشترك فیه ۱۲ (نیل الاوطار جلد ۲، ص۱۰) یعنے اس سورت کی وہ تیس آیات مراد ہیں جو خاص اس امر شفاعت میں امتیازی حیثیت رکھتی ہیں۔ اور بسم اللہ تو ایک جزو مشترک ہے۔" اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت بھی پائی گئی ہے۔ کہ آپ کبھی سورت کا حوالہ دیتے وقت اس کے شروع سے امتیازی آیت پڑھ دیتے تھے۔ جیساکہ سورت اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا اور سورت اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ اور سورت قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کے متعلق وارد ہے (حصن ص۲۱۷-۲۱۸)

دوسری روایت بھی حضرت ابوہریرہ رض ہی کی ہے۔ کہ صحیح مسلم میں ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ جل شانہ نے فرمایا:- کہ میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان نصفا نصفی تقسیم کیا ہے۔ پس جب بندہ کہتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ تو خدائے تعالےٰ (جواب میں) فرماتا ہے۔ میرے بندے نے میری حمد بیان کی۔ اور جب بندہ کہتا ہے۔ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ تو خدائے تعالےٰ فرماتا ہے۔ میرے بندے نے میری ثنا کہی الخ (صحیح مسلم ص۱۷۰ جلد ۱)

اِس حدیث میں بسم اللہ کا ذکر نہیں ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بسم اللہ فاتحہ کی جزو نہیں ہے۔ سو اس کا **جواب** یہ ہے۔ کہ اس حدیث کے بعض طریقوں میں بسم اللہ کا بھی ذکر وارد ہے۔ (سنن دارقطنی) اور شاہ عبدالعزیز رح نے اپنی تفسیر میں اسی دارقطنی والی روایت کا ذکر کیا ہے (تفسیر عزیزی) اس روایت کی صحت میں اگرچہ محدثین کو کلام ہے۔ لیکن اس کلام کا اثر اس وقت ہوسکتا ہے جب مسئلہ بسم اللہ کی صحت وکتابت کا مدار یہی روایت ہو لیکن جب حفاظتِ قرآن منصوص ہے اور بسم اللہ شریف قرآن میں برابر مکتوب چلی آئی ہے۔ اور خصوصًا صحابہ کے زمانے میں اس میں کوئی بھی اختلاف نہیں ہوا۔ تو یہ روایت تابعًا ہی امر کی تائید میں پیش ہوسکتی ہے۔ اور یہ تو کبھی نہیں ہوسکتا۔ کہ صحیح مسلم والی روایت کو اصل قرار دیکر حفاظتِ قرآن کو مشکوک کردیں۔ کیونکہ صحابہ رض نے بسم اللہ شریف مصحف میں بالاجماع بخط قرآنی لکھی اور انہوں نے خود آنحضرت صلعم کے لکھوائے ہوئے صحفِ مکرمہ کی نقل کی تھی جس کی شہادت خود خدا نے دیدی تھی۔ فی صحف مکرمة مرفوعة مطهرة (عبس پ۳۰)

چنانچہ علامہ عینی حنفی لکھتے ہیں والصحیح من مذھب اصحابنا انھا من القرآن لان الامة اجمعت علی ان ماکان مکتوبا بین الدفتین بقلم الوحی فھو من القرآن والتسمیة کذالك (عینی علی البخاری جلد ثانی ص۲۹۲) یعنی صحیح مذہب ہمارے اصحاب کا یہ ہے۔ کہ بسم اللہ قرآن میں سے ہے۔ کیونکہ تمام امت کا اس بات پر اجماع ہے۔ کہ جو کچھ دفتین (دو گتوں) کے درمیان خطِ قرآنی سے لکھا ہوا ہے وہ قرآن ہے۔ اور بسم اللہ بھی اسی طرح لکھی ہوئی ہے۔ پس اس روایت کو ایسے طور پر سمجھنا چاہئے۔ جس سے یہ روایت صحابہ کی کتابت وجمع قرآن کے ماتحت رہے۔ اور وہ یہ صورت ہے۔ کہ حضرت ابوہریرہ رض نے بعض وقت اِس کلمہ کو ذکر کیا۔ اور بعض وقت نہیں کیا۔ کیونکہ بسم اللہ شریف میں خداتعالیٰ کے تین نام وارد ہیں۔ اَللّٰه۔ رحمٰن اور رحیم۔ اور یہ تینوں اس کے بعد آیت الحمد للہ میں اور الرحمٰن الرحیم میں آجاتے ہیں پس اسکا الگ جواب ذکر کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی واللہ اعلم۔

دیگر یہ کہ اگر اس حدیث سے ترک بسم اللہ کا نتیجہ نکل سکے تو خود حضرت ابوہریرہ بسم اللہ اونچی کیوں پڑھیں چنانچہ ان کا قول امام نسائی کی روایت سے سابقًا ص۔ میں گذر چکا ہے۔

الجزء الثانی

من تفسیر الفاتحة

الکشف والتبیین

عن لطائف

الحمد للہ رب العلمین

اَلْحَمْدُ

ہر طرح کی تعریف

ارتباط جب بسم اللہ کی ترکیب نحوی کی نسبت معلوم ہو چکا، کہ اُسکی بِ الابتداء محذوف کے متعلق ہے تو اُس کے بعد اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہنے کے یہ معنے ہیں۔ کہ اس کتاب کے مضامین میں سب سے پہلے حمدِ الٰہی کا رتبہ ہے۔ کیونکہ اِس کتاب کا اہم مقصد معرفت الٰہی ہے اور اِس راستے میں سب سے پہلی منزل حمدِ الٰہی کی ہے۔ (تیسیر)

حل لغات حمد اُس تعریف کو کہتے ہیں جو محمود کی تعظیم کے ارادے سے اُس کے کسی ایسے اچھے وصف پر کی جائے جو اُس کے اختیار میں ہو۔

تعظیم کے ارادے کی قید اسلئے ہے۔ کہ تعریف کے کلمات کبھی بغیر ارادہ تعظیم کے تعییرًا (عار دلانے کے لئے) بھی کہدیئے جاتے ہیں۔ مثلاً آیت ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ (دخان پ۲۵) میں دوزخی کو عزیز کریم اُسکی تعظیم کے ارادے سے نہیں کہا جائیگا بلکہ ابوجہل اور اُسکی مثل دیگر متکبر منکرین کو عار دلانے کے لئے کہا جائیگا۔ کہ وہ اپنے خیال میں ایسے بنتے تھے۔

اور اختیاری کی قید اسلئے ہے۔ کہ تعریف و ثنا کبھی ایسے امر پر بھی کی جاتی ہے جو ممدوح کا اختیاری نہیں ہوتا۔ بلکہ پیدائشی اور خلقی ہوتا ہے۔ مثلاً حُسنِ صورت۔ ایسے امر پر تعریف کرنے کو **مدح** کہتے ہیں۔ حمد نہیں کہتے۔ اور لفظ مدح اختیاری وغیر اختیاری ہر دو پر بولا جاتا ہے۔ پس مدح اپنے متعلق کے لحاظ سے حمد کی نسبت عام ہے۔

بعض ائمہ نے کہا ہے کہ مدح لفظ حمد ہی کا مقلوب ہے یعنی حمد کے حروف کی ترتیب بدلی ہوئی ہے اور یہ دونوں اخوان و مترادف ہیں۔ اور اِن دونوں کی ضد "**ذم**" ہے (کشاف مع الزیادۃ)

اور حمد کے لئے یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ کسی نعمت کے مقابلے میں کہی جائے۔ بلکہ وہ عام ہے یعنی محمود اپنی ذات کے لحاظ سے اس قابل ہوتا ہے۔ کہ اُسکی حمد کی جائے۔ چاہے اُسکی نعمت کا اثر حامد پر پڑے یا نہ پڑے خاصکر نعمت کے مقابلے میں جو ثنا اور تعریف کی جائے۔ اُسے **شکر** کہتے ہیں پس حمد اپنے متعلق کے لحاظ سے شکر سے عام ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

وَاشْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ (پ۱۴ نحل)	خدا کی ہر نعمت کا شکر ادا کرو"

نیز حضرت ابراہیم کی نسبت فرمایا:- شَاكِرًا لِّأَنْعُمِهِ (پ نحل) یعنی وہ خدا کی نعمتوں کا شکر گزار تھا"
شکر تین چیزوں سے ادا ہوتا ہے۔ دل سے یا زبان سے یا اعضا سے۔ دل کا شکر یہ ہے کہ منعم کی نعمت واحسان کا اعتراف ہو اور دل میں اسکی قدر و منزلت اور عزت و عظمت جاگزیں ہو۔ اور زبان کا شکر یہ ہے کہ منعم کی تعریف و توصیف اور حمد و ثنا کی جائے اور زبان سے اسکا اظہار کیا جائے۔ اور اس کے نام کا ورد کیا جائے۔ چنانچہ فرمایا وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (الضحیٰ پ) یعنے اے پیغمبر اپنے رب کی نعمتوں کا ذکر کیا کر" اور اعضاء کا شکر منعم کے احکام کا بجالانا اور اعضاء کو اسکی خوشی کے کاموں میں اور اس کے احکام کی تعمیل میں لگانا ہے چنانچہ فرمایا:- بَلِ اللَّهَ فَاعْبُدْ وَكُن مِّنَ الشَّاكِرِينَ (زمر پ) یعنے اے پیغمبر! بلکہ صرف خدا ہی کی عبادت کر۔ اور اس کے شکر گذاروں میں شامل ہو" (زمر)

شکر بلحاظ مورد کے حمد کی نسبت عام[1] ہے کیونکہ حمد صرف زبان سے ہوتی ہے۔ اور یہ شکر کی ایک شاخ ہی اسی لئے آنحضرت صلعم نے فرمایا:- اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ كَلِمَةُ الشُّكْرِ (مشکوۃ) یعنی الحمد للہ شکر کا کلمہ ہے۔ بلکہ فرمایا:- اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَأْسُ الشُّكْرِ وَمَا شَكَرَ اللّٰهَ عَبْدٌ لَمْ يَحْمَدْهُ (مشکوۃ) یعنی الحمد للہ شکر کا سر[2] ہے اور جس شخص نے خدا کی حمد نہیں کی اُسنے اُسکا شکر بھی نہیں کیا۔ اسی معنے میں حضرت خلیل اللہ علیہ السلام بڑھاپے میں اولاد کی نعمت ملنے پر کہتے ہیں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي وَهَبَ لِي عَلَى الْكِبَرِ إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ (ابراہیم پ۱۳) یعنی سب تعریف کا مالک ہے اللہ اور وہ ہر طرح کے شکر کا مستحق ہے۔ جسنے مجھے میرے بڑھاپے پر اسمٰعیل اور اسحٰق (دو فرزند) عطا کئے"

فائدہ حمد کی ضد ذم اور مذمت ہے اور مدح کی ہجو۔ چنانچہ حضرت حسان رض کہتے ہیں ؎

فَمَنْ يَهْجُو رَسُولَ اللّٰهِ مِنْكُمْ ... وَيَمْدَحُهُ وَيَنْصُرُهُ سَوَاءٌ[3]

یعنی تم (کفار) میں سے کوئی رسول اللہ (صلعم) کی ہجو کرے (تو کوئی پرواہ نہیں کیونکہ) اس کے سوا دیگر آپ کے مداح

---

[1] علامہ تفتازانی رح مختصر المعانی میں فرماتے ہیں:- الحمد هو الثناء باللسان على قصد التعظيم سواء تعلق بالنعمة او بغيرها والشكر فعل ينبئ عن تعظيم المنعم لكونه منعما سواء كان باللسان او بالجنان او بالاركان، فمورد الحمد لا يكون الا اللسان، ومتعلقه يكون النعمة وغيرها ومتعلق الشكر لا يكون الا النعمة ومورده يكون اللسان وغيره فالحمد اعم من الشكر باعتبار المتعلق واخص باعتبار المورد والشكر بالعكس (ص) ۱۲ منہ

[2] سید شریف حاشیہ کشاف میں اسکی وجہ یں فرماتے ہیں:- كما ان الرأس اظهر الاعضاء واعلاها وهو اصل لها وعمدة لبقائها وكذلك الحمد اظهر انواع الشكر واشهرها واشملها على حقيقة الشكر والابانة عن النعمة حتى لو فقد لكان ما عداه بمنزلة العدم (ص ۳ جلد ا)

[3] دیوان حسان رض مطبوعہ بمبئی ص ۱۲ منہ

اور مددگار (موجود) ہیں۔

اور شکر کی ضد کفران ہے چنانچہ فرمایا:۔ وَاشْکُرُوْا لِیْ وَلَا تَکْفُرُوْنِ (پ۲ البقرہ) یعنی میرا شکر کرو اور کفر نہ کرو۔" نیز فرمایا:۔ یَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰہِ ثُمَّ یُنْکِرُوْنَھَا وَاَکْثَرُھُمُ الْکٰفِرُوْنَ (نحل پ۱۴) یعنی خدا کی نعمت کو دل سے پہچانتے ہیں پھر زبان سے انکار کرجاتے ہیں اور اکثر ان کے کافر (احسان فراموش) ہیں۔

اور الحمد پر جو الف لام ہے وہ تعریف جنس کے لئے ہے یعنی ہر قسم کا مفہوم کلی جسے حمد کہہ سکیں، اور ہر نوع جو اس کے ماتحت ہے وہ

لِلّٰهِ

صرف خدا کے لئے ہے

یہ خبر ہے الحمد مبتدا کی اور اسمیں لام جارہ اختصاص کے لئے ہے۔ یا استحقاق کیلئے تو الحمد للّٰہ کے معنے ہوئے "ہر قسم کی حمد اللہ تعالیٰ ہی کیلئے خاص ہے" یا "ہر قسم کی حمد کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے" چنانچہ سورۂ جاثیہ میں لِلّٰہِ کو مقدم کرکے حمد کو اللہ ہی کے لئے محصور کردیا ہے چنانچہ فرمایا فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (پ۲۵) یعنی اللہ ہی کے لئے ہر قسم کی حمد ہے جو آسمانوں کا بھی رب ہے اور زمین کا بھی رب ہے (غرض) تمام جہان کا رب ہے۔

نکتہ:۔ جسطرح سورتِ فاتحہ کی آیت میں الحمد للہ کے بعد رب العٰلمین کہہ کر تمام جہان اور جہان والوں کی مالکیت و پرورش کا نقشہ سامنے رکھکر ہر قسم کی حمد کا مستحق خاص خدا تعالےٰ ہی کو بتایا ہے۔ اسی طرح سورۂ جاثیہ کی مذکورہ بالا آیت میں لِلّٰہِ خبر کو مقدم کرکے حمد کے اختصاص کی وضاحت میں زمین و آسمان اور تمام عالمین کی ربوبیت (مالکیت و پرورش) کو ذکر کیا ہے (سبحان اللہ!)

نکتہ:۔ سورت فاتحہ میں الحمد کو مقدم کیا اسلئے کہ یہاں مقصود اثباتِ حمد ہے۔ نیز اسلئے کہ اللہ موصوف کے بعد اسکی صفات الرحمٰن الرحیم مالک یوم الدین میں تناسق و اتصال قائم رہے۔ تاکہ کلام کی خوبی لفظاً و معنےً بہر دو صورت بڑھ جائے اور سورتِ جاثیہ میں لِلّٰہِ خبر کو مقدم اور الحمد مبتدا کو مؤخر کیا اسلئے کہ وہاں پر مقصود شانِ

لہ علامہ زمخشری نے اِس مقام پر استغراق کے مقابلے میں تعریف جنس کو ہی ترجیح دی ہے اور سید شریف نے حاشیہ کشاف میں اور علامہ تفتازانی نے مطول میں اسی کی تائید کی ہے ۱۲ منہ

الوہیت کا اظہار ہے۔ اور تخصیص کا فائدہ مزید ہے پس ہر مقام پر مقصود پر نظر رکھکر تقدیم تاخیر کی گئی ہے۔ اور یہی بلاغت کی شان ہے کہ الفاظ کی ترتیب میں مقصود کا لحاظ ہے۔

نکتۂ ۴ :۔ اور حمد کے اختصاص کے لئے اسم اللہ ذکر کیا کہ دعوٰی مع بینہ دلیل ثابت ہو کیونکہ اِسم اللہ عَلَم ہے ذات برحق کا جو مستجمع ہے جمیع صفاتِ کمال کی، جیسا کہ بسم اللہ شریف کی تفسیر میں مطول سے اور کشاف سے نقل ہو چکا، پس اس کے لئے کسی دیگر دلیل کی ضرورت نہ رہی خود کلمہ الحمد للہ ہی اس دعوے کی دلیل ہے کہ ہر قسم کی حمد صرف خدا ہی کو سزاوار ہے کیونکہ وہ جمیع صفاتِ کمال کا مالک ہے پس کلمہ الحمد للہ کے مشرح معنے یہ ہوئے کہ ہر ہر قسم کی حمد کا صاحب اور مستحق صرف خداوند تعالیٰ ہے اور وہ اُسی کی ذات پاک سے مختص ہے

نکتۂ ۵ :۔ اِسی واسطے الحمد للہ بصورتِ جملۂ اسمیہ ذکر کیا۔ اور بصورتِ جملۂ فعلیہ یعنے بصیغہ امر اِحْمَدُ وا اللہ یا بصیغہ متکلم اَحْمَدُ اللہَ ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ جملۂ اسمیہ میں ثبوت و دوام ہوتا ہے اور جملۂ فعلیہ میں حدوث و تجدد، اور ذاتِ حق دائماً مستحق و لائق حمد ہے نہ کہ کسی خاص وقت و حالت پر۔

فائدہ قرآن شریف کی پانچ سورتیں بسم اللہ کے بعد الحمد للہ سے شروع ہوتی ہیں۔ فاتحہ۔ انعام پ۷، کہف پ۱۵، سبا پ۲۲ اور فاطر پ۲۲،

اور کلمہ الحمد للہ (بشمول اُن آیتوں کے جنہیں رب العٰلمین بھی ساتھ ہے) تمام قرآن شریف میں بائیس[۲۲] دفعہ آیا ہے اور فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ صرف ایک بار اور ضمیر مجرور مقدم کے ساتھ یعنے لَہُ الْحَمْدُ چار بار اور اِن صورتوں کے علاوہ دیگر صیغوں میں حمدِ الٰہی کا ذکر بیش از بیش ہے جنمیں سے کوئی تیرہ مقامات پر تسبیح[۲] اور حمد کا اکٹھا ذکر ہے اور اسجگہ سورتِ فاتحہ میں صرف حمد پر اس لئے کفایت کی کہ کمالِ حمد یہی ہے کہ محمود میں کسی

---

[۲] تسبیح و تقدیس سے یہ مراد ہے کہ ذاتِ برحق جملہ قسم کے عیوب و نقائص سے پاک ہے بلکہ بعض ان باتوں سے بھی منزہ ہے جو مخلوق کے حق میں اچھی گنی جاتی ہیں۔ لیکن اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لئے وہ بھی عیب و نقص ہے مثلاً اولاد کا ہونا، اپنی اولاد نہ ہو تو کسی کو متبنٰے بنالینا امور میں اعوان و انصار کا ہونا۔ ان سب سے قرآن شریف میں ذاتِ حق کو پاک یاد کیا گیا ہے مثلاً اولاد سے منزہ ہونے کی بابت فرمایا سبحانہ ان یکون لہ ولد (نساء پ۶) وہ اس بات سے پاک ہے کہ کوئی اسکا فرزند ہو" اور متبنٰے بنانے سے پاک ہونے کی نسبت فرمایا قالوا اتخذ اللہ ولدا سبحٰنہ ھو الغنی (یونس پ۱۱) یعنے کہتے ہیں کہ خدا نے کسی کو متبنٰے بنا یا وہ اس سے پاک ہے وہ تو بے نیاز ہے" اعوان و انصار سے پاک و بے نیاز ہونے کی بابت فرمایا وما لہ منھم من ظھیر (سبا پ۲۲) یعنی ان میں سے کوئی بھی اسکا مددگار نہیں ہے تسبیح کی پوری تشریح اُس کے اپنے موقع پر آیت ونحن نسبح بحمدک ونقدس لک پ۱ میں کیجائیگی یہاں صرف تحمید اور تسبیح میں فرق اور ان کا تعلق بتانا مقصود ہے۔ سو حمد تو یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کو سب کمالات و خوبیوں سے موصوف جانیں اور بیان کریں۔ اور تسبیح یہ ہے کہ اُسے جملہ عیوب و نقائص سے مبرا و منزہ اعتقاد کریں اور اسکی ذاتِ پاک کیلئے ایسے الفاظ و معانی سے پرہیز کریں جو اسکی شان کے

[illegible]

طرح کا نقص وعیب نہ ہو پس تسبیح حمد کے ضمن میں داخل ہے۔ فافہم (عزیزی)

اب ہم اصولی طور پر وہ مواقع ذکر کرتے ہیں جنہیں خدا کی حمد وارد ہے اِس کا مفاد یہ ظاہر کرنا ہے۔ کیا وجہ خدا تعالیٰ کے لائق حمد ہونے کے وجوہات میں سے ہیں۔

اوّل ہر شئے کا خالق و مالک اور پروردگار اور ہر شئے کا مدبر و ناظم اور ہر طرح کے حل وعقد اور قبض و لبط کا مالک و مختار ہونے کی وجہ سے لائق حمد ہونا:۔ مثلاً سورہ جاثیہ میں فرمایا۔ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (پ۲۵ جاثیہ) یعنی ہر طرح کی حمد و ستائش کا مالک صرف اللہ ہی ہے۔ جو آسمانوں کا بھی رب ہے اور زمین کا بھی رب ہے (غرض) تمام جہان و جہانیوں کا رب ہے۔ اور آسمانوں میں اور زمین میں بڑائی کا مالک بھی وہی ہے۔ اور وہ بڑا زبردست اور بڑا با حکمت ہے۔

نیز سورہ سبا کے شروع میں فرمایا:۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ ط وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ (پ۲۲ سبا) یعنی سب تعریف کا مالک خدا ہے جو مالک ہے ہر شئے کا جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔ اور آخرت میں بھی حمد کا مالک وہی ہے اور وہ بڑا با حکمت (اور) باخبر دار ہے۔

نیز سورہ فاطر کے شروع میں فرمایا:۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ط يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ ط اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ج وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ ط وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (پ۲۲ فاطر) "یعنی سب تعریف خدا کے لئے ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا۔ فرشتوں کو پیغام رساں بنانے والا، جو دو دو اور تین تین اور چار چار پروں والے ہیں۔ پیدائش میں جو کچھ چاہے زیادہ کرے، بیشک اللہ ہر ایک امر پر قادر ہے (اگر) خدا آدمیوں پر کوئی رحمت بھیجے، تو کوئی اس (رحمت) کو روکنے والا نہیں اور جو وہ بند کرے تو اُس کے بعد کوئی اُس (رحمت) کو بھیجنے والا نہیں۔ اور وہ سب کچھ کر سکنے والا (اور) بڑا با حکمت ہے۔"

نیز سورہ انعام میں فرمایا:۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ط ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ (پ۷ انعام) یعنے سب طرح کی حمد کا مالک صرف خدا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ اور اندھیرے (بھی) بنائے اور روشنی (بھی)، اس پر بھی کافر لوگ اپنے رب سے

شریک مقرر کرتے ہیں۔ یاد رہیں کہ، اسپر بھی وہ لوگ جو اپنے رب کے کافر احسان فراموش، ہیں (اس سے روگردانی کرتے ہیں"

دوم دنیا اور آخرت ہر دو جہان میں لائق حمد وہی ہے۔ مثلاً سورۃ قصص میں فرمایا۔
وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْحَمْدُ فِى الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ؗ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (پ۲۰)
یعنے اور وہ اللہ ہے اس کے سوائے تو کوئی (دوسرا معبود ہی) نہیں ہے دنیا اور آخرت میں وہی لائق حمد ہے اور حکم (بھی) اسی کا ہے۔ اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤگے"

سوم۔ نقائص سے بری ہونے پر لائق حمد ہے:۔ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِى الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِىٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا[۱] (بنی اسرائیل پ۱۵) یعنے اور اے پیغمبر! تو کہہ سب تعریف خدا کو سزاوار ہے جسنے نہ تو کوئی متبنٰی بنایا۔ اور نہ بادشاہی میں کوئی اس کا شریک ہے اور نہ کمزوری کی وجہ سے کوئی اس کا مددگار ہے۔ اور اسکی بہت بہت بڑائی بیان کیا کر"

چہارم۔ قیامت کے روز جب اسکی عظمت وجلال کا ظہور کامل طور پر ہوگا۔ تو ملائکہ مقربین اسکی تسبیح وتحمید کے گیت گائینگے۔ وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَقُضِىَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (زمر پ۲۴) یعنی (اے پیغمبر!) تو دیکھیگا۔ کہ فرشتے عرش کے گرد گھیرا ڈال کر اپنے رب کی تسبیح وتحمید کرینگے۔ اور ان میں حق حق فیصلہ کیا جائیگا اور کہا جائیگا کہ سب تعریف کا مالک اللہ رب العلمین ہے"

فرشتے عام طور پر بھی خدا کی تسبیح وتحمید کرتے رہتے ہیں جیسا کہ حدیث میں وارد ہے:۔ کہ خدا تعالےٰ نے ملائکہ کے لئے کلمات سبحان اللہ وبحمدہ کو چن لیا ہے۔ (رواہ مسلم مشکوٰۃ ص۱۹۲)

فرشتوں کی دائمی تسبیح وتحمید کی بابت انکی زبانی ذکر کیا:۔

(۱) وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ (بقر پ۱) یعنے (فرشتوں نے عرض کیا) ہم تیری حمد کے ساتھ تیری ذات کی تسبیح وتقدیس پکارتے رہتے ہیں"

اس قسم کی آیات بہت ہیں۔ لیکن ہم بنظر اختصار انہی پر اکتفا کرتے ہیں۔

---

[۱] حدیث میں اس آیت کا نام آیۃ العز آیا ہے ۱۲ اور بعض آثار میں وارد ہے۔ کہ جس گھر میں یہ آیت رات کیوقت پڑھی جاوے۔ اس میں چوری یا دیگر کوئی آفت نہیں پڑتی ۔ ۱۲ منہ

یہ وہ مقامات ہیں جنہیں حمد الٰہی کا ذکر اس بنا پر ہے۔ کہ ذاتِ خداوندی ذاتی طور پر مستجمع جمیع صفاتِ کمال ونعوتِ جلال وجمال ہے۔

لیکن چونکہ حمد کا تعلق نعمت سے بھی ہے اسلئے اب وہ مقامات ذکر کئے جاتے ہیں جنہیں عنایات وانعامات کی بنا پر حمد الٰہی کا ذکر ہے۔

اوّل حضرت ابراہیم کو بڑھاپے میں صالح اولاد بخشی تو انہوں نے کہا:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ وَھَبَ لِیْ عَلَی الْکِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ ط اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ (ابراہیم پ۳)

یعنے ہر طرح کی تعریف کے لائق ہے اللہ جسنے مجھے بڑھاپے میں اسمٰعیل اور اسحٰق (دو فرزند) عطا کئے، بیشک میرا رب دعا کا سننے والا ہے"۔

دوم حضرت داؤد اور سلیمان کو علم وحکم عطا کیا۔ تو اس پر انہوں نے کہا:۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ عِلْمًا ج وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ فَضَّلَنَا عَلٰی کَثِیْرٍ مِّنْ عِبَادِہِ الْمُؤْمِنِیْنَ (نمل پ۱۹) یعنے اور البتہ ہم نے دیا تھا داؤد اور سلیمان کو علم وہ دونوں بولے سب تعریف خدا کو سزاوار ہے جسنے ہمکو اپنے بہت سے مومن بندوں پر بزرگی بخشی۔

سوم مصیبت سے نجات پانے اور طوفان سے محفوظ رہنے پر حضرت نوح کو حکم دیا کہ جب تم کشتی پر درست ہوکر بیٹھ جاؤ تو یوں کہنا:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ہ (مومنون پ۱۸) یعنے ہر طرح کی حمد خدا ہی کو سزاوار ہے جسنے ہمیں ان ظالم لوگوں (کی آفت) سے نجات دی"

چہارم جنتیوں کی نسبت فرمایا:۔ دَعْوٰھُمْ فِیْھَا سُبْحٰنَکَ اللّٰھُمَّ وَتَحِیَّتُھُمْ فِیْھَا سَلٰمٌ وَاٰخِرُ دَعْوٰھُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (یونس پ۱۱) یعنے جنت میں انکی پکار ہوگی سُبْحٰنَکَ اللّٰھُمَّ یعنے بار خدایا! تو پاک ذات ہے اور اس میں ان کا تحفۂ ملاقات ہوگا سلام اور ان کی آخری بات یہ ہوگی کہ وہ کہینگے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یعنے ہر طرح کی تعریف خدا ہی کو سزاوار ہے۔ جو دنیا جہان کا پروردگار ہے"

پنجم قرآن شریف کی نعمت بخشنے پر فرمایا۔ جو سب نعمتوں سے بالا نعمت ہے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہِ الْکِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّہٗ عِوَجًا (کہف پ۱۵) یعنے سب طرح کی تعریف کے لائق خدا ہے جس نے اپنے (کامل) بندے (محمدؐ) پر (یہ) کتاب نازل کی۔ اور اسمیں کسی

طرح کی کمی نہیں رکھی۔

ششم۔ حجتِ الٰہیہ کے مقابلے میں منکرین کے قائل معقول ہو جانے پر بھی حمدِ الٰہی کا حکم کیا۔

(۱) وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَنْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ (عنکبوت پ۲۱) اور اے پیغمبر! اگر تو ان سے پوچھے کہ آسمان کی طرف سے کون پانی اتارتا ہے۔ پھر زمین کو اس کے مرے پیچھے زندہ کر دیتا ہے۔ تو یہ لوگ ضرور کہیں گے کہ خدا ہی (ایسا کرتا ہے) تو کہہ الحمد للہ یعنے خدا ہی ہر طرح کی تعریف کا سزاوار ہے بلکہ اکثر ان کے عقل نہیں کرتے۔"

(۲) وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (لقمان پ۲۱) اور اے پیغمبر! اگر تو ان سے پوچھے کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو ضرور کہیں گے اللہ نے۔ تو کہہ ہر طرح کی حمد خدا ہی کو ہے۔ بلکہ اکثر ان کے علم نہیں رکھتے۔"

ہفتم۔ منکروں کی ہلاکت سے جہان کو پاک کرنے پر حمدِ الٰہی کا ذکر۔

(۱) فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ؕ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (انعام پ۷) یعنے ظالم لوگوں کی جڑ کٹ گئی ...... اور ہر طرح کی تعریف کے لائق خدا ہی ہے جو سارے جہان کا مالک و پروردگار ہے۔"

یہ سب مواقعِ حمد انعامات کے متعلق ہیں اور اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ کہ جو کلماتِ حمد انعام کے مقابلہ میں کہے جائیں وہ کلمات شکر کہلاتے ہیں۔

فائدہ بیان بالا سے یہ تو ظاہر ہو گیا۔ کہ ذاتِ حق ہر جہت سے لائق حمد ہے۔ اپنی ذات کے لحاظ سے بھی اور انعامات کے رو سے بھی۔ اس کے علاوہ اسی سے توحیدِ الوہیت۔ توحیدِ عبادت اور توحیدِ ربوبیت بھی ثابت ہو سکتی ہے۔ اور اسی سے ہر طرح کے شرک و کفر کی تردید بھی ہو سکتی ہے کیونکہ جب ذاتی طور پر بھی سب طرح کے کمال کا مالک وہی ہے، اور انعامات کا فیض بھی اسی کی طرف سے ہے تو کسی دوسرے کی کسی طرح کی بھی شرکت نہیں ہو سکتی نہ ذات میں نہ صفات میں، اور نہ عنایات میں، پس وہی مستحق حمد ہے اور وہی مستحق عبادت ہے۔ اور وہی مالک پروردگار ہے اور اس کا کفر و کفران ہر طرح ناز یبا ہے۔

کہ ہے ذاتِ واحد عبادت کے لائق　　زباں اور دل کی شہادت کے لائق
اسی کے ہیں فرماں اطاعت کے لائق　　اسی کی ہے سرکار خدمت کے لائق
لگاؤ تو لو اس سے اپنی لگاؤ
جھکاؤ تو سر اس کے آگے جھکاؤ

اولاد کا بخشنا۔ علم و حکم کا عطا کرنا۔ مصائب کا ٹالنا۔ آفتوں سے بچانا۔ دشمنوں سے محفوظ رکھنا۔ خدمات کو شرفِ قبولیت بخشکر جنت سے کامیاب کرنا۔ اور جملہ قسم کے غم فکر دور کرنا۔ اور کمالِ رحمت سے چشمۂ ہدایت (قرآن) کا نازل کرنا۔ اور اُسکے قبول کرنے کی توفیق بخشنا اور مخالفین کو حجت میں ملزم کر دینا اور ظالموں کو ہلاک کر کے دنیا جہان کو اُن کی نجاست سے پاک کر دینا یہ کام اُسی ذاتِ برحق کے متعلق ہیں اور اِنہی کے متعلق اکثر لوگ شرک کرتے ہیں تو اب الحمد للہ کی حقیقت سمجھ لینے اور اُس کے محل و مورد کو پہچان لینے کے بعد شرک و کفر کے وہم کی گنجائش نہیں رہ سکتی۔

تفصیل بالا سے واضح ہو گیا کہ کلمہ الحمد للہ بہت متبرک اور نہایت زوردار ہے کہ اسی لئے حدیث میں وارد ہے۔ اَفۡضَلُ الذِّکۡرِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَفۡضَلُ الدُّعَآءِ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ (مشکوٰۃ ص۱۹۳)

یعنی سب سے افضل ذکر لا الٰہ الا اللہ ہے (کہ اسمیں ذاتِ حق کو الوہیت میں متفرد ذکر کیا گیا ہے) اور سب سے افضل دُعا اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ ہے۔ (کہ اسمیں ہر طرح کی حمد کو ذاتِ خداوندی سے مخصوص کیا گیا ہے۔ کیا اسکی ذات کے لحاظ سے اور کیا اُس کے انعامات کے رُو سے)

فائدہ اَلف لام جنسی اور خود لفظ حمد (بجائے لفظ مدح و شکر کے) اور لام جارہ اختصاصی، اور اسم جلالت (اللہ) اور جملہ اسمیہ، ہر ایک سے الگ الگ طور پر بھی، اور مجموعۃً بھی خدا کی عظمت و شان ظاہر ہوتی ہے اسی معنے میں کہا گیا ہے ؎

حمد را با تو نسبتےست درست | بر درِ ہر کہ رفت بر درِ تست

فضائلِ کلمہ الحمد للہ از روئے حدیثِ نبوی

قرآن مجید کے ساتھ اب اُس ذاتِ اقدس کے ارشادات و طریق عمل کو جانئے جن پر قرآن شریف نازل ہوا کہ آپ نے حمد الٰہی کے متعلق کیا ارشاد فرمایا۔ اور آپ کس کس موقع پر حمد الٰہی کرتے تھے۔ اور آپ کے اسمار احمد اور محمد کو وردِ الحمد للہ سے کیا نسبت و تعلق ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے الحمد للہ کو کلمہ شکر بلکہ راس الشکر یعنے شکر کا سر فرمایا[1]۔ اسکی وجہ یہ ہے۔ کہ حمد کا ایک رُخ نعمت کی طرف بھی ہے، جیسا کہ اوپر گذر چکا۔ اور چونکہ ہر نعمت پر منعم کا شکر واجب ہے اسلئے نعمت پر الحمد للہ کہنا شکر ادا کرنا ہے چنانچہ فرمایا:۔ مَآ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلٰی عَبۡدٍ مِّنۡ نِّعۡمَةٍ فَقَالَ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ اِلَّا وَقَدۡ اَدّٰی شُکۡرَهَا (ابن ماجہ حصن ص۱۹۵)

[1] جیسا کہ اوپر ص۹۱ پر گذر چکا ۱۲ منہ

یعنے خدا تعالےٰ کسی بندے کو کوئی بھی نعمت دے پھر وُہ بندہ کہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ تو بیشک اُسنے اس نعمت کا شکر ادا کر دیا" نظر بریں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جمعہ اور عیدین کے خُطبے الحمد للہ سے شروع کرتے تھے اور دیگر حالات میں بھی کثرت سے حمدِ الٰہی پکارتے تھے۔ اور کیوں نہ پکارتے، جب خدا تعالےٰ نے آپ کا نام ہی احمد (بہت حمد کرنے والا) اور آپ کی اُمت کا نام حمّادون (بہت حمد کرنے والے) رکھدیا تھا۔ چنانچہ مسند دارمی میں حضرت کعب احبارؓ سے مروی ہے:-

اُمَّتُہُ الْحَمَّادُوْنَ یَحْمَدُوْنَ اللّٰہَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَیَحْمَدُوْنَ اللّٰہَ فِیْ کُلِّ مَنْزِلَۃٍ وَیُکَبِّرُوْنَ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَرَفٍ (دارمی ص۴) یعنی کتب سابقہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو حمّادون کے نام سے ذکر کیا گیا ہے۔ جو ہر خوشی اور تکلیف کے موقع پر خدا کی حمد پکاریں گے اور ہر منزل پر بھی خدا کی حمد پکاریں گے۔ اور ہر بلندی پر خدا کی تکبیر (نعرہ تکبیر) پکاریں گے"

حضرت کعب کی اس روایت کی تصدیق واقعات سے بھی ظاہر ہے۔ کہ روزمرہ پنجوقتی نماز میں ہر رکعت میں ہی سورہ فاتحہ پڑھی جاتی ہے۔ آسمان کے سائے تلے اور زمین کی پشت پر ہر روز کروڑہا مسلمان نماز گزارتے ہیں۔ اس حالت میں اُنکی زبانیں حمد و تسبیح الٰہی سے تر اور اُنکی کمریں اور گردنیں اُسکی عظمت کے سامنے خمیدہ اور اُنکی پیشانیاں اُس کے جلال کے سامنے خاک پر پڑی رہتی ہیں کیا یہ نقشۂ عملی صورت میں سوائے اُمتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ) کے کسی اور اُمت میں دیکھا جاسکتا ہے؟ ؎

بس تنگ نہ کر ناصحِ ناداں مجھے اِتنا ‌‌‌ ‌ یا چل کے دکھا دے دہن ایسا کمر ایسی

اِس کے علاوہ نماز سے باہر جس کثرت سے خدا کی تسبیح و تحمید اُمتِ محمدیہ کرتی ہے تمام بساطِ دنیا پر دیگر اُمتوں کے لوگ اُس کے عُشرِ عشیر کو بھی نہیں پہنچ سکتے، بھلا جو لوگ شب و روز امورِ دنیا کی اُدھیڑبُن میں مصروف اور ہر وقت کمانے میں مشغول یا غیر اللہ کی پرستش میں لگے رہتے ہوں وہ اکیلے خدا کی تسبیح

---

۵ خاکسار کہتا ہے کہ یہ امر صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ قیامت کو جنت کا دروازہ سب سے پہلے آنحضرت صلعم کے لئے کھولا جائے گا۔ اِس سے سمجھا جا سکتا ہے۔ کہ سب سے پہلے جو لوگ داخل جنت ہونگے وہ آنحضرت صلعم کی اُمت کے ہونگے اور حدیث ابن عباسؓ میں جو یہ وارد ہے اوّل من یدعٰی الی الجنۃ یوم القیمۃ الذین یحمدون اللہ فی السراء والضراء (مشکوٰۃ ص۱۹۳)

یعنے قیامت کے دن سب سے پہلے جو لوگ جنت کی طرف بلائے جائیں گے وہ وُہ ہونگے جو خدا کی حمد پکارتے ہیں۔ خوشی میں بھی اور تکلیف میں بھی" عجب نہیں کہ اِس سے مراد آنحضرت صلعم کی اُمت ہو۔ کہ آپ نے اسیں نام کی بجائے اُنکا ایسا وصف ذکر کر دیا۔ جو اگلی کتابوں میں بھی مذکور ہے۔ ۱۲ منہ والحمد للہ

تحمید کا موقع کیسے پاسکتے ہیں:
دیگر یہ کہ اس کی تائید میں بعض کتب سابقہ کے حوالے اب بھی ملتے ہیں چنانچہ یسعیاہ نبی کی کتاب کے باب ۴۲ میں مرقوم ہے :-

"(۱۱) بیابان اور اُسکی بستیاں - قیدار کے آباد دیہات اپنی آواز بلند کرینگے سلع کے بسنے"
"والے ایک گیت گائینگے پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکارینگے (۱۲) وہ خداوند کا جلال"
"ظاہر کرینگے - اور بحری ممالک میں اُسکی ثناخوانی کرینگے" ۲

قیدار حضرت اسمٰعیلؑ کے بارہ بیٹوں میں سے دوسرا بیٹا ہے (دیکھو کتاب پیدائش باب ۲۵، آیت ۱۴) جنکی اولاد حجاز میں آباد ہوئی - آنحضرت صلعم انہی قیدار کی نسل سے ہیں (دیکھو نسب نامۂ آنحضرت صلعم) اور سلع مدینہ شریف کے ایک پہاڑ کا نام ہے - چنانچہ قاموس میں ہے "وَسَلْعٌ جَبَلٌ فِي الْمَدِينَةِ" اور صراح میں ہے "نام کوہے بمدینہ" اور صحیح بخاری میں غزوہ تبوک کے ضمن میں حدیث کعب بن مالکؓ میں ہے سَمِعْتُ صَوْتَ صَارِخٍ أَوْفٰى جَبَلٍ سَلْعٍ بِأَعْلٰى صَوْتِهٖ يَا كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ أَبْشِرْ الحدیث، یعنے حضرت کعب کہتے ہیں کہ جب ہماری توبہ کی قبولیت اُتری تو کوہ سلع پر چڑھکر کسی نے نہایت اونچی آواز سے پکارا اے کعب بن مالک تجھے بشارت ہو" پس کتاب یسعیاہ میں آنحضرتؐ اور آپؐ کی امت سب داخل ہیں -

جس جس موقع پر آنحضرت صلعم سے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہنا منقول ہے ہم مع اُن کے اسرار کے ترتیب وار لکھتے ہیں اُن سے معلوم ہوجائیگا کہ آپ واقعی نہایت کثرت سے خدا کی حمد کرنے والے تھے - اور احمد ہونے میں اسم بامسمّٰی تھے :

(۱) نیند سے بیدار ہوتے تو کہتے :- اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ (ترمذی) یعنے اللہ تعالےٰ کی حمد ہے کہ اُسنے ہمیں موت کے بعد زندگی بخشی اور ہمیں ہر پھر کر اُسی کی طرف جانا ہے۔
سِرّ :- نیند کو اخو الموت کہتے ہیں بعض وقت سوتے سوتے موت ہوجاتی ہے - صحیح سلامت بیدار ہونے کو زندگی سے تعبیر کیا - اور اس بیداری یا نئی زندگی پر سب سے پہلا کلمہ جس سے آپ کی زبان مبارک گویا ہوئی وہ کلمہ الحمد للہ ہے - سبحان اللہ! توجہ الی اللہ اسے ہی کہتے ہیں :

(۲) کھانا کھاکر اور پانی پی کر کہتے :- اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مُسْلِمِيْنَ (تیسیر الوصول) یعنے سب تعریف خدا کو ہے جسنے ہمیں کھانا دیا - اور پانی دیا - اور ہمیں اپنا فرمانبردار (مسلمان) بنایا"

سِرّ۔ کھانا اور پانی مدارِ حیات ہیں اطبا کے نزدیک سِتّہ ضروریہ میں سے ہیں خدا کی بڑی بھاری نعمت ہیں ان پر شکر کیوں نہ کیا جائے۔ اور خدا کی حمد کیوں بیان نہ کی جائے۔

(۳) نیا لباس پہنتے تو کہتے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ کَسَانِیْ مَا اُوَارِیْ بِهٖ عَوْرَتِیْ وَاَتَجَمَّلُ بِهٖ فِیْ حَیَاتِیْ (ترجمہ) یعنی خدا تعالیٰ کی حمد ہے کہ اُس نے مجھے لباس عطا کیا جس سے میں اپنے ننگ کو چھپاتا ہوں اور اپنی اس زندگی میں اُس سے زینت پاتا ہوں،

سِرّ۔ لباس انسان کے لئے بڑی بھاری نعمت ہے، کائناتِ ارضی میں سوائے انسان کے یہ نعمت کسی دیگر پر نہیں ہے۔ اس میں دو باتیں خاص طور پر مقصود ہوتی ہیں پردہ پوشی اور زیبائش انہی دونوں کا ذکر کر کے خدا کی حمد کے گیت گائے گئے ہیں۔ سبحان اللہ،

(۴) نیا چاند دیکھتے تو کہتے۔ هِلَالُ خَیْرٍ وَّرُشْدٍ (ثَلَاثَ مَرَّاتٍ) اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَكَ (ثَلَاثَ مَرَّاتٍ)، ثُمَّ یَقُوْلُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ ذَهَبَ بِشَهْرِ کَذَا وَجَآءَ بِشَهْرِ کَذَا (ترجمہ) یعنی تین دفعہ کہتے خدا کرے کہ یہ نیا چاند خیر اور بھلائی کا ہو۔ پھر تین دفعہ کہتے۔ میں خدا تعالےٰ پر ایمان لایا جس نے تجھے پیدا کیا پھر کہتے سب تعریف کا مالک ہے اللہ ہی جس نے فلاں مہینہ (خیریت سے) گذار دیا۔ اور یہ نیا مہینہ چڑھایا۔"

حکمت۔ اس میں پہلے تو خدا تعالےٰ سے بھلائی کی دُعا ہے پھر چاند کو مخاطب کر کے خدا پر ایمان لانا اور چاند کا مخلوقِ خدا ہونا۔ اسلئے ذکر کیا کہ ستارہ پرست لوگوں کے نزدیک چاند بھی ایک معبود (دیوتا) ہے سو اسمیں اُنکی تردید منظور ہے۔ اور چاند کو باوجودیکہ وہ بیجان ہے۔ اس لئے خطاب کیا کہ بعض وقت کسی خاص مقصد کے لئے بیجان چیزوں کو مجازاً خطاب کر لینا۔ ہر زبان میں متعارف و مستعمل ہے۔ اِسے انگریزی میں پرسانیفیکیشن (Personification) کہتے ہیں اسجگہ اس خطاب سے ستارہ پرست قوموں پر اثر ڈالنا منظور ہے۔ اسمیں ایک کامل مہینہ زندہ رہنے اور خیریت سے گذارنے پر شکریہ ہے اور آئندہ مہینہ میں خیریت کی طلب اور دُعا ہے۔ (سبحان اللہ!)

(۵) سفر سے واپس آتے تو کہتے۔ آئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ سَاجِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ (ترجمہ) ہم (ظاہری) سفر سے واپس آئے ہیں۔ خدا کی درگاہ میں (باطنی) رجوع (توبہ) کرتے ہیں، خدا کے عبادت گذار اُسی کو سجدہ کرتے ہیں اور اپنے ربّ کی حمد پکارتے ہیں (

(۶) نیز آپ نے فرمایا کہ جب کوئی اپنی دعا کی قبولیت معلوم کرے، یا بیماری سے شفا پائے یا سفر سے (بخیریت

واپس آوے تو کہے :- اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ بِعِزَّتِهٖ وَجَلَالِهٖ تَتِمُّ الصّٰلِحٰتُ (حصن) یعنے ہر طرح کی حمد کا مستحق اللہ ہے جسکی عزت و جلال سے سب نیک مقاصد پورے ہوتے ہیں۔

(۷) آپ نے فرمایا کہ **چھینک** آنے پر کہا کرو۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ (تیسیر) یعنے ہر حال پر خدا کا شکر ہے۔

حکمت۔ چھینک سے دماغ کے غلیظ بخارات خارج ہو کر قدرتی طور پر بغیر علاج کے تنقیہ دماغ کا فائدہ ہوتا ہے اور یہ خدا کی بڑی نعمت ہے۔ اسلئے آنحضرت صلعم نے اسپر بھی **حمد الٰہی** پکارنے کا حکم کیا۔

دیگر یہ کہ آدم علیہ السلام کے قالب میں جب روح پھونکی گئی تو آنکو چھینک آئی اسوقت فرشتوں نے آنکو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہنے کی تلقین کی۔ پس یہ اُس شکریہ کی یادگار ہے۔ (حجۃ اللہ)

(۸) آپ نے فرمایا کہ کسی مبتلائے **مصیبت** کو دیکھو تو یوں خدا کا شکر کرو۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهٖ وَفَضَّلَنِیْ عَلٰی كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلًا (تیسیر)	تعریف ہے خدا کو جسنے مجھے اُس بلا سے عافیت دے رکھی ہے جسمیں تجھے مبتلا کیا ہے۔ اور مجھے اپنی

بہت سی مخلوق پر بزرگی بخشی ہے۔ اسکی حکمت ظاہر ہے!

(۹) نیز فرمایا کہ جس شخص کا فرزند فوت ہو جائے اور وہ اُسپر بھی خدا کی **حمد** پکارے تو خدا تعالےٰ فرشتوں سے فرماتا ہے۔ کہ میرے بندے کیلئے جنت میں ایک محل تیار کرو۔ اور اُسے **بیت الحمد** کے نام سے پکارو۔ (حصن منثا) اسمیں **یحمدون فی الضرا** کی شان ظاہر ہے!

(۱۰) بنی عبدالمطلب کے فرزندوں میں سے جب کوئی بچہ بات کرنے لگتا تو آپ سب سے پہلے اُسے یہ آیت سکھاتے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا (بنی سرائیل پ۱۵)	ہر طرح کی حمد اللہ ہی کو سزاوار ہے جسنے کوئی متبنٰے نہیں بنایا اور نہ بادشاہت میں اُس کا کوئی شریک ہے اور نہ کمزوری کی وجہ سے اُس کا کوئی مددگار ہے۔

اور تو اسکی بہت بہت بڑائی بیان کیا کر۔

حکمت۔ سبحان اللہ زبان کھلتے ہی خدا کی حمد اور کبریائی سکھائی ہے۔ کہ اس نعمتِ گویائی کا شکریہ ادا ہو

(۱۱) جب **سواری** کی پشت پر بیٹھتے تو کہتے **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ** سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ. اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ (ثلث مرات) اَللّٰهُ اَكْبَرُ (ثلث مرات) وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (ثلث مرات) یعنے ہر طرح کی تعریف اللہ کو ہے۔ پاک ہے وہ ذات جسنے اِس سواری کو ہماری تابع کیا اور

ہم (خود بخود) ایسے طاقتور نہ تھے۔ کہ اُن کو اپنے قابو میں لے آتے اور یہ بھی ضرور ہے کہ ہم اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں" اسکے بعد آپ تین دفعہ الحمد للہ کہتے اور تین دفعہ اللہ اکبر کہتے اور تین دفعہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کہتے۔

حکمت۔ سواری اسبابِ آسائش میں بہت بڑی نعمت کی چیز ہے۔ اِس کے منافع ظاہر ہیں اسپر خدا کا شکر کرنا نہایت موزون ہے۔

(۱۲) آپ نے فرمایا کہ کسی کو کوئی خوشخبری ملے تو خدا کی حمد کہے اور آپ کی اپنی عادت بھی تھی کہ خدا کی حمد کرتے اور تکبیر کہتے اور سجدہ شکر ادا کرتے۔ (حصن حصین)

(۱۳) جب دشمن شکست کھا کر بھاگ جاتا۔ تو کہتے۔ اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ کُلُّہٗ (الحصن) یعنے بار خدایا تو ہی ساری حمد کا مالک و مستحق ہے۔ (کہ میرے دشمن کو بھگا کر مجھے امن دیا)

یہ وہ مواقع ہیں جو اسباب و حالات سے تعلق رکھتے ہیں اور اُن میں صرف حمد الٰہی کا ذکر ہے۔

انکے علاوہ ورد و وظائف کے طور پر ذکر الٰہی کے دوسرے صیغوں مثلاً تسبیح و تکبیر وغیرہ کے ساتھ آپ جو **حمد الٰہی** کرتے تھے۔ اور اپنے صحابہؓ کو فرماتے تھے۔ وہ بیش از بیش ہے۔ رات کو بستر پر لیٹنے کے وقت، صبح کے وقت، شام کے وقت۔ پنجوقتی نماز کے بعد تسبیح، تحمید، تکبیر اور کلمہ تمجید کے جو وظائف ہیں وہ عام طور پر مشہور ہیں تفصیل کی حاجت نہیں،

اِس تفصیل سے صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلعم کثرت سے خدا کی **حمد و ثنا** اور اُس کا شکر کرتے تھے اور یہ آپ کے اسمِ **احمدؐ** کی وجہ سے ہے۔ (بہت حمد کرنے والا) اور اُسی کی برکت قیامت کو یوں ظاہر ہوگی۔ کہ **لوائے حمد** یعنے حمد الٰہی کا جھنڈا آپ کے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اور سب انبیاء و صلحا اُس کے نیچے جاگزین ہونگے۔ چنانچہ فرمایا:۔

وانا حامل لواء الحمد یوم القیمۃ تحتہ آدم فمن دونہ نیز فرمایا:۔ (۲) وبیدی لواء الحمد ولا فخر ومامن نبی یومئذ آدم فمن سواہ الا تحت لوائی (مشکوٰۃ) یعنے قیامت کے دن حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا۔ اور میں فخر سے نہیں کہتا، آدم اور اُس کے سوا تمام انبیاء اُس روز میرے جھنڈے کے نیچے ہونگے

نیز حضرت انسؓ کی حدیثِ شفاعت میں ہے فاثنی علی ربی بثناء وتحمید یعلمنیہ (مشکوٰۃ) یعنے میں اپنے پروردگار کی ایسی حمد و ثنا کروں گا۔ جو خدا تعالیٰ مجھے (اُسی وقت) سکھائیگا۔ میں سجدے میں کرونگا پس

فاقع ساجدا الوحی ثم یفتح اللہ علی من حامدہ وحسن الثناء علیہ شیئا لم یفتحہ علی احد قبلی (مشکوۃ)	مجھ پر خدائے تعالٰے اپنی حمد وثنا کے ایسے صیغے اور عبارتیں کھولے گا۔ کہ کسی دیگر پر مجھ سے پہلے نہیں کھولے ہونگے۔

رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

جو مالک و پروردگار ہے سب جہانوں کا

ترکیب نحوی میں لفظ ربّ سے لفظ ملکِ تک سب صفات ہیں لفظ اللہ کی

حل لغات رَبّ اصل میں مصدر ہے۔ یعنے پرورش کرنا۔ لیکن بنا بر مبالغہ اسم فاعل کے معنے میں مستعمل ہے۔ اور بعض کے نزدیک خود اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ یہ ایک صفاتی نام ہے ذات باری کا، بایں معنے کہ وہ ہر حالت کے مناسب اسباب مہیا کر کے ہر شئے کی پرورش کرتا۔ اور اُسے حدِ کمال تک پہنچاتا ہے۔ اور مالک و صاحب کو بھی کہتے ہیں، مثلاً ربّ الدار اور ربّ البیت، وغیرہ سو پہلے معنے کے رُو سے ربّ العٰلمین کے معنے ہیں۔ تمام جہانوں کا پروردگار، اور دوسرے کے رُو سے تمام جہانوں کا مالک وصاحب،

اگر مطلق بغیر اضافت کے مذکور ہو تو صرف ذاتِ باری مراد ہوتی ہے۔ جیسے آیت بَلْدَۃٌ طَیِّبَۃٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ (سبا پ۲۲) میں اور آیت سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ (یٰس پ۲۳) میں اور اضافت سے ذکر کیا جائے تو بر عایتِ قرینہ مربّی حقیقی خداوند عالم پر بھی بولا جاتا ہے۔ اور مربّی مجازی پر بھی، مثلاً اسی آیت ربّ العٰلمین اور نیز آیت بَلْ رَّبُّکُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِیْ فَطَرَهُنَّ (انبیاء پ۱۷) میں کہ سارے عالم وعالمیان کا پروردگار و مالک سوائے اُس کے کوئی نہیں اور آیت اُذْکُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّکَ اور آیت اِرْجِعْ اِلٰی رَبِّکَ (یوسف پ۱۲) میں اس سے مراد مربّی مجازی شاہ مصر ہے،

— الْعٰلَمِیْنَ۔ عالمین خلافِ قیاس جمع ہے۔ عالم کی، قاموس میں ہے۔ وَلَا یُجْمَعُ فَاعَلٌ بِالْوَاوِ وَالنُّوْنِ غَیْرُہٗ وَغَیْرُ یَاسِمٍ یعنے جو اسم فَاعَلٌ (بفتح العین) کے وزن پر ہو اسکی جمع واو نون سے نہیں آتی، سوائے عالم و یاسم کے (ایک پھول)، علاوہ اِس کے اِسکی جمع عوالم بھی آتی ہے۔ صراح میں ہے عالمون عوالم ع، امام راغبؒ نے واو، نون سے اِسکی جمع آنے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ چونکہ اِس کے مفہوم میں اِنسان بھی داخل ہے

اور جب کسی لفظ میں دیگروں کے ساتھ اِنسان بھی شریک ہو تو اِنسان کا حکم غالب ہوتا ہے۔ دلہذا اُسکی جمع واو نون سے کی گئی۔ جو زبان میں انسانوں کے لیئے ہے)

اِس لفظ کا اطلاق تمام مخلوقات پر ہے۔ یا یوں سمجھئے کہ ذاتِ برحق کے سوا جو کچھ بھی موجود ہے۔ خواہ اُسکا وجود محض ذہنی و لفظی ہے۔ یا اُس کے ساتھ خارجی بھی ہے۔ خواہ اجسام ہیں خواہ ارواحِ مجردہ۔ خواہ فرشی ہیں۔ خواہ فلکی و عرشی، خواہ مرئی ہیں جو نظر آتے ہیں۔ خواہ غیر مرئی جو نظر نہیں آتے۔ کمافی قولہ تعو

فَلَآ أُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ (الآیۃ) یعنی قسم ہے۔ اُسکی جسے تم دیکھتے ہو اور اُس کی جسے تم نہیں دیکھتے"

اِن سب کو عالم کہتے ہیں۔ قاموس میں ہے۔ العالم الخلق کلہ او ما حواہ بطن الفلک اور مفرداتِ راغب میں ہے۔ العالم اسم للفلک وما یحویہ من الجواھر والاعراض۔

چونکہ عالم کا ذرہ ذرہ اجتماعاً اپنی پیدائش، اپنی ترکیب، اپنی وضع قطع، اپنے افعال و خواص، اور دیگر اشیا سے اپنے نظامِ وابستگی سے اپنے خالق و پروردگار اور اپنے مالک و مدبر کے وجود و ہستی، اور اُسکی قدرت و حکمت کی علامت و دلیل ہے۔ اسلئے اُسے عالم کہتے ہیں۔ مفردات میں ہے۔ والعالم اٰلۃ فی الدلالۃ علی صانعہ ولھذا احالنا تعالیٰ علیہ فی معرفۃ وحدانیتہ فقال اولم ینظروا فی ملکوت السمٰوت والارض وما خلق اللہ من شئ الآیہ یعنی عالم آلہ ہے اپنے صانع پر دلالت کرنے میں اِسی لئے خدا تعالےٰ نے اپنی وحدانیت کی معرفت میں ہمیں اُس کا حوالہ دیا ہے۔ اور فرمایا ہے۔ "کیا اِن لوگوں نے آسمان اور زمین کی بادشاہت میں اور ہر اُس شئے میں جو خدا نے پیدا کی نظر نہیں کی؟

چونکہ انواعِ عالم بکثرت ہیں جنکی صحیح تعداد اُن کا خالق و پروردگار ہی جان سکتا ہے اسلئے اُسے بصیغۂ جمع ذکر کیا۔ چنانچہ مفردات میں ہے۔ واما جمعہ فلان من کل نوع من ھٰذہ قد یسمّی عالما فیقال عالم الانسان وعالم الماء وعالم النہار اور صراح میں بھی اِسکی طرف اشارہ کیا ہے چنانچہ کہا ہے۔ عالَم بفتح یک گونہ خلق،

بطرزِ دیگر اِسے یوں سمجھئے کہ عالم کے تین طبقے ہیں۔ بالا و زیریں و متوسط یعنے آسمان و آسمانی (ستارگان و فرشتگان) اور زمینی (حیوانات، نباتات و جمادات) اور زمین و آسمان کے درمیان کی اشیا جو اُن کے اثر سے پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً ہوا بادل۔ رعد۔ برق وغیرہا، سب الگ الگ عالم ہیں،

بطریق دیگر یوں سمجھئے کہ اشیائے عالم دو طرح کی ہیں۔ ارواح و اجسام یا یوں کہ بعض جواہر ہیں مثلاً آفتاب و ماہتاب اور زمین و آسمان اور پھل پھول وغیرہ اور بعض عوارض ہیں، مثلاً دن رات اور خوشبو غرض جتنے اعتباروں سے تقسیم کرو۔ ان سب پر عالم کا لفظ اطلاق پائیگا۔ اور نہایت مختصر طور پر یوں سمجھو کہ ماسوے اللہ کو عالم کہتے ہیں۔ تو اب رب العلمین کے معنے ہوئے، جملہ عوالم کا مالک و صاحب، سب کا پروردگار تدریجی پرورش علے التواتر مناسب اسباب اور مسلسل حفاظت سے حد کمال تک پہنچانیوالا،

نکتہ رب العالمین اسلئے کہا کہ حمد و ثنا مختص بذاتِ باری ثابت ہو گویا یہ اسم اللہ کے بعد اختصاص کی دوسری دلیل ہے۔ کیونکہ تمام عالمین کی تربیت خاصۂ خداوندی ہے۔ اور اُس کے سوا جو کوئی بھی مربی اور ولیِ نعمت ہے۔ مثلاً اولاد کے حق میں ماں باپ، یا غلاموں اور خدمتگاروں اور ملازموں کے حق آقا۔ اوّل تو ان سب کی تربیت جزوی و انفرادی ہوتی ہے۔ دیگر یہ کہ وہ بھی تو خداوند تعالےٰ کے پیدا کردہ اسباب سے پرورش کرتے ہیں۔ پس اُس کا رجوع بھی اُسی ذات کی طرف ہے، اسی لئے خدا تعالےٰ کو مربی حقیقی اور دیگروں کو مربی مجازی کہتے ہیں۔ بلکہ یوں سمجھو کہ اُس مربی مجازی کا مربی بنانا بھی اُس مربی حقیقی کی تربیت میں داخل ہے۔ کیونکہ وُہ ایک سبب ہے۔ اور سلسلۂ اسباب اُس مسبب الاسباب کے ہاتھ میں ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ وَمَا بِكُمْ مِنْ نِعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ (نحل پ ۱۴) یعنی تمکو جو بھی نعمت حاصل ہے۔ وہ خدا کی طرف سے ہے۔ پس دیگر سب بمنزلہ خدمتگاروں اور حمالوں کے وسائط اور ذرائع ہیں جنکے ذریعے سے خداوند تعالیٰ منعم حقیقی اپنے بندوں کو نعمتیں پہنچاتا اور اُن کی تربیت کرتا ہے۔ (عزیزی)

نکتہ غریب وارتباطِ عجیب حمد کے بیان میں ہم کہ آئے ہیں کہ وہ کسی ذاتی وصف کے لحاظ سے ہوتی ہے عام اس سے کہ اُس کا اثر کسی دوسرے پر پڑے یا نہ پڑے۔ پس جب حمد اللہ کے لئے ثابت ہے۔ یا خاص ہے۔ تو اسجگہ اسم جلالت یعنے اسم اللہ کے اختیار کرنے میں یہ نکتہ ہوا کہ ذاتِ برحق اس لئے قابلِ حمد ہے۔ کہ وُہ اللہ ہے۔ یعنے ذاتی طور پر جامع جمیعِ صفاتِ کمال ہے۔ پھر اس کے بعد رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کہکر یہ جتایا کہ وہ اپنی ذات میں لائق حمد ہونیکے علاوہ فیاض و منعم بھی ہے کہ سارے جہان والوں کا پروردگار ہے۔ پس آیت اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ بہر دو صورت خدا کی حمد میں کامل ہوئی (بہم)

لطائف نادرہ نمبر ۱۔ ہر چند کہ یہ سورت اور سارا قرآن شریف تعلیم و ہدایت بندگان کے لئے ہے انکو سمجھانے کے صرف اُنکی تربیت کا ذکر کافی تھا، لیکن پھر بھی جملہ عالمین کا ذکر کیا۔ اور خاص انسانوں سے متعلق نہیں کیا

اوّل اِسلئے کہ نوعِ انسانی کی تربیت جملہ عالم کی تربیت سے وابستہ ہے۔ اور سارے عالم کی تربیت ایک ہی نظام وتدبیر میں منسلک ہے جب تک جملہ عالم کی تربیت وانتظام درست نہ ہو نوعِ انسانی کی تربیت اور اُس کے بقاؤ زندگی اور آسائش وآرام کی صورت ممکن نہیں۔ لہٰذا اسجگہ ربّ النّاس کی بجائے ربّ العٰلمین کہکر مضمون کو بلند پایہ کیا ہے (عزیزی ملخصًا)

دیگر اسلئے کہ ربّ العٰلمین تخصیصِ حمد بذاتِ باریتعالیٰ کے دلائل ووجوہات میں واقع ہوا ہے۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہوچکا پس مقصود کی مناسبت کے لحاظ سے دلیل بقدر بھی ابلغ ہو اُسکی خوبی واستحکام زیادہ ہوگا۔ اور ظاہر کہ نوعِ انسانی انواعِ عالم میں سے ایک ہے۔ لہٰذا عالمین کی تربیت کے ذکر میں مضمونِ تخصیصِ حمد کے متعلق قوت زیادہ ہے اور بلاغت کی جان یہی ہے کہ مقتضائے حال اور موقع ومحل اور الفاظِ بیان اور مقصود کی مناسبت کی رعایت رہے (تیسیر)

لطیفہ نمبر ۲ - قرآن شریف میں لفظِ ربّ کی اضافت کبھی عالمین کی طرف کیگئی ہے جیسے کہ اس آیت میں ہے۔ اور کبھی اشیائے عالم کی طرف یعنے جو چیزیں لفظ عالم کے مفہوم میں داخل ہیں۔ مثلاً زمین وآسمان اور اُن کی درمیانی اشیاء اور عرش الٰہی اُن کی طرف اور کبھی عوارض واوضاعِ غیر متناہیہ کی طرف مثلاً مشرق ومغرب مشرقین ومغربین، اور مشارق ومغارب اور کبھی عام لوگوں کی طرف، مثلاً قل اعوذ بربّ النّاس اور کبھی مخاطبین کی طرف مثلاً ربّکم وربّ اٰبائکم الاوّلین اور کبھی مذکورین کی طرف مثلاً اولٰئک علیٰ ھدًی من ربّھم اور کبھی خاص آنحضرت صلعم کی طرف، واسطے مزید عنایت جتانے کے مثلاً فلا وربّک (ث) اسی طرح دیگر اضافتیں بھی ہیں جس مقام پر جس چیز کی طرف اِس اسم ربّ کو مضاف کیا گیا ہے۔ وہاں اُسکی ضرورت تھی (تیسیر) چنانچہ انشاء اللہ ان سب کے نکتے انکی متعلقہ آیات میں بڑی تفسیر تبصیر الرحمٰن بتفسیر القرآن میں بیان ہونگے۔ واللہ ولی التوفیق۔

لطیفہ نمبر ۳ - اسم اللہ کو اوّل ذکر کیا اور باقی کو پیچھے اس لئے کہ اسم اللہ ذاتی نام ہے اور یہ ہمیشہ موصوف ہوتا ہے۔ صفت کبھی نہیں ہوتا۔ اِس لئے اِسے پہلے ذکر کیا۔ اور اس کے بعد ربّ العٰلمین وغیرہ صفات بیان کیں۔ (میر)

لطیفہ نمبر ۴ - ذات برحق کی معرفت اوّل تو فطرت سے ہے۔ دوم اُس کے افعال وصنائعِ قدرت سے پس الحمد للہ میں اسم اللہ ذکر کرکے فطری رجوع وانابت کی طرف اشارہ کیا۔ جیسا کہ بسم اللہ

کی تفسیر میں گذر چکا۔ اور رب العلمین کہکر دوسرے طریق سے سمجھایا۔ اور معرفت الٰہی کے یہی دو ذریعے ہیں پس الحمد للہ کے ساتھ رب العلمین کا جوڑ نہایت موزون ومناسب ہے۔ کیونکہ اس سے ہر دو طریق جمع ہو جاتے ہیں (کبیر)

قرآن شریف میں اسم ربّ خاصکر صفت ربّ العلمین کو خاص اہمیت سے ذکر کیا ہے چنانچہ اسم ربّ قرآن شریف میں سب اسموں سے زیادہ دفعہ یعنے قریبًا سوا نو سو دفعہ (۹۲۵) آیا ہے۔ اس تعداد میں صفت رب العلمین (۴۰) دفعہ ہے۔ اور پورا الحمد للہ ربّ العلمین (۶) دفعہ ہے۔

اسکی وجہ یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کے اِلٰہ یعنے مستحق عبادت ہونے کا مدار دو امر ہیں خالقیت اور ربوبیت چنانچہ فرمایا۔ یایھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم (پ۱) یعنے اے لوگو! عبادت کرو اپنے رب کی۔ جسنے تمکو پیدا کیا اور حضرت عیسیٰؑ کی زبانی ذکر کیا۔ اِنَّ اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْہُ (آل عمران پ۳) "اللہ ہی میرا بھی رب ہے۔ اور تمہارا بھی ربّ ہے پس تم اُسی کی عبادت کرو"

نیز تمام رسولوں کو خطاب کرکے حکم سنانے کا ذکر کیا۔ وَاِنَّ ھٰذِہٖٓ اُمَّتُکُمْ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً وَّاَنَا رَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْنِ (پ۱۸ مومنون) یعنے بیشک تم سب (رسولوں) کا یہی ایک گروہ ہے۔ اور میں (اکیلا) تم سب کا رب ہوں پس میری عبادت کرنا"

اور یہ سلسلہ ربوبیت وسیع ہے۔ کہ نظر اٹھا کر دیکھو، تو ساری کائنات ارضی وسماوی کی تخلیق انسان کی تربیت کے لئے ہے۔ اور کائنات کا ذرّہ ذرّہ اسکی پرورش میں مصروف ہے۔

اور اس مشینری کا پُرزہ پُرزہ اسی کے لئے حرکت کر رہا ہے ؎

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کار اند — تا تو نانے بکف آری وبغفلت نہ خوری
ویں ہمہ از بہرِ تو سرگشتہ و فرمانبردار — حیف باشد کہ تو خود فرماں نہ بری

زمین ہے تو اُسی کے قرار ومعیشت کے لئے۔ اور پہاڑ ہیں تو اسی کے فائدے کے لئے اگر [illegible] زمین کو تھامے ہوئے ہے۔ تو اِسی لئے کہ وہ اُس کی قرارگاہ ہے۔ اور اگر وہ دنیا جہان پر ضیا باری کرتا ہے۔ تو اس لئے کہ انسان اپنی بصارت سے کام لے سکے، اور اگر اسکی روشنی نیز دھوپ کی صورت میں ہے۔ اور وہ گرم ہے تو اس لئے کہ اسکی خوراک و انواع اقسام کے میوجات پختہ ہو کر اس کے بقا وحیات کا قوام بن سکیں، اور مضر صحت عفونتیں دور ہو کر اس کی زندگی کے دن صحت وسلامتی

گزر سکیں، اور سمندر کا پانی بخارات کی صورت میں اُڑ کر اور پہاڑوں سے ٹکرا کر ٹھنڈی ہوا سے بارش کی صورت میں زمین پر گرے۔ اور اس کے ویرانوں کو سبزہ زار بنائے جس سے اسکی اور اس کے بہائم کی ضروریاتِ اکل و شرب کا ناپید اکنار سلسلہ قائم ہوا اسی طرح ہوا ہے۔ تو اسی کے دم لینے کو اور دیگر فوائد کو آگ ہے تو اسی کا کھانا پکانے کو۔ پانی ہے تو اسی کے پینے کو مٹی ہے تو اسی کی رہائش و منزلیات اور پیدائشِ روزی کے لئے۔ غرض جو کچھ بھی ہے۔ اسی کی تربیت کے لئے ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (پ۱)	یعنی اللہ وہ ذات پاک ہے جسنے سب کچھ جو زمین

میں ہے، تمہارے ہی (فائدے کے) لئے پیدا کیا"

نیز فرمایا:۔

وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝ (جاثیہ پ۲۵)	"جو کچھ آسمانوں میں ہے۔ اور جو کچھ زمین میں ہے خدا نے سب کو تمہارے ہی کام میں لگا رکھا ہے یہ سب کچھ اُسی (کی عنایت) سے ہے۔ بیشک

اسمیں پتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو سوچ کرتے ہیں"

اِسی طرح سورۂ غافر (مومن) میں سارے سلسلۂ کائنات کو اپنی ربوبیت کا کرشمہ جتانے کے لئے فرمایا:۔

اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ قَرَارًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ ۖ فَتَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ۝ هُوَ الْحَيُّ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ فَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۗ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ قُلْ إِنِّي نُهِيتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَمَّا جَاءَنِيَ الْبَيِّنَاتُ مِن رَّبِّي وَأُمِرْتُ	یعنی اللہ وہ ذات ہے۔ جسنے زمین کو تمہارے لئے قرار گاہ بنایا۔ اور آسمان کو عمارت، اور تمہاری صورت بنائی پس اچھی بنائیں صورتیں تمہاری اور روزی دی تمکو ستھری چیزوں سے، یہی اللہ تمہارا رب ہے۔ پس بہت بابرکت ہے اللہ سب جہانوں کا پروردگار وہی الحی (سدا زندہ ہے) اسکے سوائے کوئی بھی لائق پرستش نہیں پس تم خالصًا اسی کی اطاعت کی نیت رکھ کر صرف اسی کو پکارو

اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (مومن پ۲۴)	سب تعریف کے سزاوار اللہ ہی ہے۔ جو سب

جہانوں کا پروردگار ہے (لئے پیغمبر اِن سے) کہو جب میرے پروردگار کی طرف سے واضح دلیلیں آچکی ہیں۔ تو مجھے اِس سے تو منع کیا گیا ہے۔ کہ میں اُنکی عبادت کروں جن کو تم خدا کے سوا پکارتے ہو اور مجھے حکم یہ ہوا ہے۔ کہ (بس ایک) اللہ کا فرمانبردار ہو کر رہوں۔ جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ ملک مرحوم

اِس مقام پر انسان کو خوبصورت وضع میں پیدا کرنے اور سارے کارخانۂ زمین و آسمان کو اُس کے فائدے اور تربیت کے لئے بنانے کا احسان جتا کر اُسے خالصًا خدا کی عبادت کرنے، صرف اُسی کو پروردگار و کارساز سمجھنے اور صرف اُسی سے دعائیں مانگنے اور اُسی کے سامنے اپنی جملہ حاجات کے پیش کرنے کا حکم کیا ہے۔ اور اُوپر تلے علی التواتر تین دفعہ صفت ربّ العٰلمین ذکر کی ہے جس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ صفتِ ربّ العلمین ایک خاص شان رکھتی ہے۔ پہلی دفعہ اسبابِ تربیت کے مہیا کرنے میں خصوصیت بتانے کے لئے دوسری دفعہ خصوصیتِ محمودیت جتانے کے لئے۔ تیسری دفعہ خصوصیتِ معبودیت کا حکم سُنانے کے لئے، غرض یہ تینوں امر ذاتِ حق سے مخصوص ہیں۔ اور اِن سب کی جامع وجہ یہ ہے۔ کہ ربّ العلمین ہے، ع

وہ ربّ العلمین ہونے میں فیضِ عام رکھتا ہے

اور یہ صفت سوائے اُس کے کسی اور میں نہیں ہے۔ پس مذکورہ بالا ہر ۳ امور کے لائق بھی اُس کے سوائے دیگر کوئی نہیں ہے۔

اِسی طرح تمام عالم عَلوی وسِفلی کی پیدائش اور اُن میں صرف اُسی کا حکم جاری ہونے اور جملہ کائنات کی تدبیر صرف اُسی کے ہاتھ میں ہونے کی بابت فرمایا۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (اعراف پ۸)	اِس میں کچھ شک نہیں کہ تمہارا رب تو (بس ایک) اللہ ہے۔ جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دِن (وقفات) میں پیدا کیا پھر جب کہ سلسلہ پیدائش عرش پر جا ختم ہوا، دِن کو رات سے ڈھانک دیتا ہے۔ کہ وہ (رات) اُس (دن) کو جلد جلد طلب کرتی ہے۔ اور سورج اور چاند

اور دیگر سب ستاروں کو پیدا کیا۔ کہ وہ سب اُس کے حکم سے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ سُن رکھو اُسی

کی ہے خلق اور اُسی کا ہے حکم بہت بابرکت ہے اللہ تمام جہانوں کا پروردگار۔

غرضیکہ دِل میں محسن کی عظمت و وقعت بٹھانے، اُسکی عزت و وقار کا سکہ جمانے اُس کے سامنے گردنوں کے جھکا دینے، اُسکی خوشنودی کے کام کرنے، اور شکر گذاری میں اُسکی تعریف و ثنا کے گیت گانے کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے، اور احسان فراموشی و کفرانِ نعمت اور اُس کے مقابلے میں کسی غیر کی فرمانبرداری کی مکروہ برائی سے بچانے کے لئے اُس کے احسانات و انعامات جتانے کے برابر کوئی بھی طریقہ مؤثر نہیں ہے۔ اسی لئے قرآن شریف میں اِن مقاصد کے لئے ربوبیتِ الٰہی کا ذکر بیش از بیش ہے۔

چنانچہ خاص خدا تعالےٰ کی عبادت کرنے اور اُس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ گرداننے کے متعلق خود انسان کے پیدا کرنے اور اُس کے لئے تمام قسم کے اسباب تربیت مہیا کرنے ہی کو پیش کیا ہے۔

چنانچہ فرمایا:۔

یَآاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ۙ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّکُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (بقرہ پ ۱)

غافل لوگو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو جس نے تمکو بھی اور تم سے پہلوں کو بھی پیدا کیا۔ تاکہ تم (عذاب سے) بچ جاؤ (وہ خدا) جس نے تمہارے لئے زمین کو (تو فرش و قرار گاہ) بنایا اور آسمان کو چھت، اور آسمان (کیطرف سے) پانی اتارا، پھر اُس سے (کئی قسم کے) پھل اور اناج تمہاری روزی کے لئے پیدا کئے۔ تو تم خدا کے ساتھ (کسی کو بھی) شریک نہ بناؤ اور تمکو یہ سب کچھ معلوم ہے۔

(۲) اِسی طرح صرف خدا تعالےٰ ہی کو کارساز و فاتح روزگار، خالق و رازق جاننے کے لئے فرمایا:۔

مَا یَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِکَ لَهَا ۚ وَمَا یُمْسِکْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۝ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ ؕ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰهِ یَرْزُقُکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۫ۖ فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ (فاطر پ ۲۲)

خدا تعالےٰ لوگوں کے لئے اپنی رحمت (کا دروازہ) کھولے تو کوئی اُس کے بند کرنے والا نہیں اور جو بند کر دے تو اُس کے بعد کوئی اُسکا جاری کرنے والا نہیں۔ اور وہ بڑا زبردست (اور) باحکمت ہے۔ اے لوگو! خدا کی جو جو نعمت تم پر ہے وہ یاد کرو۔ کیا خدا کے سوا کوئی اَور خالق ہے؟ جو تمہیں آسمان اور زمین

ربوبیتِ باری کی عمومی آیات متعلق توحید عبادت

سے روزی دے۔ اُس کے سوائے کوئی معبود برحق، نہیں ہے۔ پس تم لوگ کدھر کو بہکے ہوئے جا رہے ہو۔"

(۳) اِسی طرح شرک سے روکنے اور مشرکین کی بیعقلی ظاہر کرنے کے لئے فرمایا۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ (نحل پ۱۴)	اور یہ مشرکین خدا کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو اُن کے لئے آسمان و زمین سے کسیقدر روزی کے بھی مالک نہیں۔ اور نہ اُن

میں اس امر کی استطاعت ہی ہے۔"

(۴) جدِانبیاؑ حضرت ابراہیمؑ کے ذکر میں فرمایا:۔

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (پ۱)	جب اُسے اُس کے پروردگار نے فرمایا (اطاعت میں) گردن رکھو۔ تو اُس نے کہا۔ میں نے ربّ العلمین

کے سامنے گردن رکھدی،

(۵) اِسی طرح اپنی مشرک قوم سے انکا خطاب یوں ذکر کیا:۔

وَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (عنکبوت پ۲۰)	اور (بھیجا ہمنے) ابراہیمؑ کو جب کہا اُس نے اپنی قوم سے، بندگی کرو اللہ کی، اور اُس سے ڈرتے رہو۔ یہ بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم سمجھو۔ تم تو پوجتے ہو اللہ کے سوا یہی بتوں کے تھان اور بناتے ہو جھوٹ، بیشک جنکو تم پوجتے ہو سوا خدا کے۔ وہ نہیں مالک ہیں تمہاری روزی کے۔ پس تم ڈھونڈو اللہ کے ہاں روزی اور بندگی کرو اُسکی۔ اور شکر کرو اُسکا

تم کو اسی کی طرف جانا ہے"

(۶) اِسی طرح ذکر کیا کہ ابراہیمؑ نے اپنے باپ اور اپنی قوم کو بُت پرستی کی جہالت و گمراہی سمجھانے اور بتوں کا بے اختیار محض ہونا بتانے کے بعد صرف خدا تعالےٰ کو معبود گرداننے کے وجوہات یوں بیان کئے

فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْۤ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ پس سوائے ربّ العالمین کے وہ سب میرے دشمن ہیں

اَلَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَھُوَ یَھْدِیْنِ o وَالَّذِیْ ھُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ o وَاِذَا مَرِضْتُ فَھُوَ یَشْفِیْنِ o وَالَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ o وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ o (شعراء پ ۱۹)	جسنے مجھے پیدا کیا۔ پس وہی میرا ہادی ہے۔ اور جو مجھے کھانا کھانے کو اور پانی پینے کو دیتا ہے۔ اور جو مجھ پر موت وارد کرے گا۔ پھر مجھے زندہ کرے گا۔ اور جس سے مَیں اُمید رکھتا ہوں کہ جزا کے دن وہ میری خطاؤں سے درگذر کرے گا۔

اِس مقام پر اسم ربّ العٰلمین ذکر کرکے اُس کے جملہ فیوضِ جسمانی اور روحانی۔ دُنیوی و اُخروی۔ حاصلہ و مُتوقعہ کی فہرست بیان کردی ہے۔ کہ چونکہ یہ سب کچھ اُسی کی ربوبیت کا کرشمہ ہے۔ اسلئے معبود بھی وہی ہوسکتا ہے۔ لَاغَیْرُہٗ (سبحان اللہ!)

بلقیس ملکۂ سبا جو سورج کی پرستش کرتی تھی اُس کے دماغ سے توہماتِ شرکیہ دُور ہوئے۔ اور صرف اکیلے خدا کے مستحقِ عبادت ہونے کا نُور اُس پر جلوہ گر ہُوا تو وہ بھی اِسی صفتِ ربّ العٰلمین ہی کا اقرار کرکے مسلمان ہوئی۔ اور نظامِ شمسی کو اُسی کی ربوبیت کا کرشمہ سمجھ کر سورج پرستی سے تائب ہوئی اور اُسے ظلم قرار دیکر اپنی گذشتہ روش پر افسوس کرنے لگی۔ چنانچہ اُس کا قول اِس طرح نقل کیا ہے۔

قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (نمل پ ۱۹)	کہنے لگی اے میرے مالک و پروردگار بیشک مَیں اپنی جان پر ظلم کرتی رہی اور اب مَیں حضرت سلیمانؑ

کے ساتھ ہوکر اللہ ربّ العٰلمین کی فرماں بردار ہوگئی ہوں۔

اِسی طرح حضرت الیاسؑ کی زبانی ذکر کیا کہ اُنھوں نے اپنی مُشرک قوم سے کہا:۔

اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِیْنَ o اللّٰہَ رَبَّکُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِکُمُ الْاَوَّلِیْنَ (صافات پ ۲۳)	کیا تم پُکارتے ہو بعل بُت کو اور چھوڑتے ہو احسن الخالقین خدا کو جو تمہارا بھی اور تمہارے پہلے باپ

دادوں کا بھی رب ہے۔

خاصکر دعاؤں کے لئے تو اِسی اِسم کو مخصوص کیا گیا ہے۔ قریبًا تمام انبیا کی دعائیں جو قرآن مجید میں حکایۃً وارد ہیں۔ یا تعلیمًا فرمائی گئی ہیں۔ اُن سب میں یہی اسمِ ربّ مذکور ہے۔

حضرت آدم علیہ السّلام کی دعا ہے:۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا	پروردگارا! ہمنے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اور اگر تونے

لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ ٥ (پ اعراف)	ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم یقیناً نقصان کا سودا کرنے

سے ہو جائیں گے۔"

اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کی دعا ہے۔ کہ انہوں نے موذی قوم کی ایذا سے بچنے کے لئے دعا کی

فَدَعَا رَبَّهٗ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ (قمر پ)	"پس اس نے اپنے رب کو پکارا کہ میں بےبس

ہوں پس تو میری مدد کر" نیز کہا:۔

رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا كَذَّبُوْنِ (مومنون پ ۱۸)	یعنی پروردگارا! میری مدد کر۔ کہ انہوں نے مجھے جھوٹا جانا۔

نیز ان کو یہ دعا سکھائی کہ

وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ ٥ (مومنون پ ۱۸)	کشتی سے سلامت اترنے کے لئے یوں دعا کرنا، کہ اے میرے پروردگار اتار مجھکو اتارنا برکت کا، اور تو

بہتر اتارنے والا ہے۔

اور اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کے اولاد مانگنے کی دعا یوں ذکر کی ہے۔

رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ (صافات پ ۲۳)	اے میرے رب! مجھے صالح لڑکا عطا کر۔"

حضرت لوطؑ نے شریروں کے مقابلہ میں یوں دعا کی:۔

رَبِّ انْصُرْنِیْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِیْنَ (عنکبوت پ)	پروردگارا! شریر وفسادی لوگوں پر میری مدد کر"

حضرت ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ علیہما السلام نے خانہ کعبہ بنایا، تو یہ دعا مانگی:۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (پ)	اے ہمارے پروردگارا ہمسے یہ عمل قبول فرما بیشک

تو دعاؤں کا سننے والا (اور نیتوں اور کیفیتوں کا) جاننے والا ہے۔"

حضرت یوسفؑ کے سب مقاصد بر آچکے تو خاتمہ بالخیر کے لئے یوں دعا کی:۔

رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ (یوسف پ ۱۳)	اے میرے مالک و پروردگار تو نے مجھے کسیقدر حکومت بھی بخشی ہے۔ اور تو نے مجھے خوابوں کی تعبیر کا علم بھی بخشا ہے۔ اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے توہی میرا مددگار ہے دنیا میں بھی اور آخرت

میں بھی، مجھے مسلمانی کی حالت میں مارنا اور زمرہ صالحین سے ملا دینا۔"

اور اس سے پہلے نفسانی ابتلا سے بچنے کے لئے یوں دعا کی تھی:۔

رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَیْهِ (یوسف پ۱۲)	اے میرے پروردگار! مجھے قید بہت پسند ہے۔ اُس (برائی) سے جسکی طرف مجھے یہ عورتیں بلاتی ہیں۔

جب بنی اسرائیل فرعون کے مظالم سے تنگ آ گئے۔ تو حضرت موسیٰؑ نے اُنکو صرف خدا پر بھروسا کرنے کا حکم کیا جس پر اُنہوں نے یہ دُعا مانگی:۔

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ ۝ (یونس پ۱۱)	اے ہمارے مالک و پروردگار ہمکو ظالم لوگوں کا تختۂ مشق بنا۔ اور ہمیں اپنی رحمت سے اِن کافر لوگوں سے نجات دے

حضرت داؤد علیہ السّلام کی بابت ذکر کیا فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ (ص پ۲۳) یعنی اُس نے استغفار کیا اپنے ربّ سے، اور گرا جھک کر اور رجوع لایا۔"

اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی دُعا یوں بیان فرمائی:۔

رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ (ص پ۲۳)	"اے میرے ربّ! مجھے بخش دے اور مجھے عطا کر ایسی بادشاہی کہ نہ لائق ہو کسی کو میرے پیچھے بیشک تو بڑا بخشش کرنیوالا ہے"۔

اور حضرت ایوب علیہ السلام کی سخت مصیبت و بیماری کے وقت کی دُعا یوں بیان فرمائی:۔

وَاَیُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ (انبیاء پ۱۷)	اور ایوبؑ کو جب پکارا اُس نے اپنے ربّ کو کہ مجھے پہنچی ہے سخت تکلیف اور تو سب سے زیادہ رحم کرنیوالا ہے"۔

اور حضرت یونس علیہ السلام کی دُعا کی قبولیت کے متعلق فرمایا:۔

لَوْلَاۤ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ۝ فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ (پ۲۹ ن)	اگر نہ سنبھالتا اُسے احسان تیرے ربّ کا، تو پھینکا رہتا چٹیل میدان میں بُرے حال میں پس قبول کیا اُسے اُس کے رب نے اور بنا دیا اُسے اچھوں سے"۔

اور حضرت زکریا علیہ السّلام کی دُعا دربارۂ طلبِ ولد یوں ہے:۔ رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ (پ۱۷ انبیآء) "اے میرے ربّ! نہ چھوڑ مجھے اکیلا اور تو بہتر وارث ہے"۔

اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے نزول مائدہ کے لئے یوں دعا کی:۔

اَللّٰھُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَیْنَا مَآئِدَۃً مِّنَ السَّمَآءِ تَکُوْنُ لَنَا عِیْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰیَۃً مِّنْکَ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ (مائدہ پ۷)

اے اللہ ہمارے ربّ! اتار ہم پر ایک بھرا خوان آسمان سے جو ہمارے پہلے اور پچھلوں کے لئے عید ہو اور نشانی ہو تیری طرف سے اور روزی دے ہمکو، اور تو بہتر روزی دینے والا ہے۔"

یہ وہ دعائیں ہیں۔ جو قرآن شریف میں انبیائے سابقین کی مذکور ہیں۔ اور یہ مندرجہ ذیل حاجات کے متعلق ہیں (۱) گناہ کی معافی کے لئے (۲) دشمنوں کے شر سے بچنے کے لئے۔ (۳) اولاد کی طلب کیلئے (۴) عمل کی قبولیت کے لئے۔ (۵) بیماری سے شفا پانے کے لئے۔ (۶) مصیبت سے نجات پانے کے لئے (۷) کشتی سے سلامت پار اُترنے کے لئے۔ (۸) خاتمہ بالخیر کے لئے۔ (۹) حصولِ مُلک کے لئے (۱۰) طلبِ رزق کیلئے:

اُنہی میں سے اکثر وہ امر ہیں جنہیں لوگ عموماً شرک کرتے ہیں۔ غیر اللہ کو پکارتے ہیں، پیروں کی نذریں مانتے، اُن کے نام کے ورد کرتے، اُن کو حاضر ناظر جانکر اُن سے فریاد کرتے۔ اُن کے نام کے چڑھاوے چڑھاتے، اُنکی جگہوں اور مزاروں کے لئے سفر کی صعوبتیں اُٹھاتے۔ اور وہم کے پتلے بنتے ہیں۔ اِن سب میں اس امر کے التزام میں کہ سب انبیاء نے اپنی حاجت کے وقت صرف خدا تعالےٰ سے دُعاء کی۔ اس بات کی دلیل ہے۔ کہ اُمت کے لوگوں کو بھی یہ حاجتیں پیش آئیں۔ تو وہ بھی صرف خدا ہی کو پکاریں، کیونکہ وہ ربّ العلمین ہے۔ پس جو اللہ کو اپنا رب سمجھے گا۔ وہ شرک کبھی نہیں کرے گا:

اِسی طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو جو دعائیں تعلیم کیں۔ وہ بھی ربّ کے لفظ سے شروع ہوتی ہیں مثلاً فرمایا:۔

(۱) وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُبِکَ مِنْ ھَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ وَاَعُوْذُبِکَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ (پ۱۸)

(۱) اور کہہ اے میرے مالک و پروردگار میں تیری پناہ لیتا ہوں شیطانوں کی چھیڑوں سے اور اے میرے پروردگار میں اس سے بھی تیری پناہ چاہتا ہوں کہ وہ میرے پاس بھی پھٹک سکیں۔"

(۲) وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ (مومنون ۱۸)

(۲) اور کہہ اے میرے مالک و پروردگار بخش اور رحمت کر اور تو سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔"

(۳) قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ (پ۳۰)

(۳) کہہ پناہ لیتا ہوں میں (انقلاب) صبح کے مالک کی

جنگ بدر میں آنحضرت صلعم اپنے تین سو تیرہ ۳۱۳ جان نثاروں کی جو حوصلہ افزائی فرماتے تھے اُسکی بابت فرمایا:۔

ان مواقع دعا سے اسم ربّ کی مناسبت

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ؕ (آل عمران پ۴)

(اے پیغمبر! وہ وقت بھی یاد کرو) جب تم مومنوں سے فرماتے تھے کہ کیا تم کو کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتے نازل کرکے تمہاری مدد کرے۔

اور مومن نزولِ امداد کے لئے اپنے پروردگار سے جو التجائیں کرتے تھے اُس کا نقشہ یوں کھینچا ہے:۔

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ (انفال پ۹) یاد کرو جب تم اپنے ربّ سے فریاد کرتے تھے۔ تو وہ تمہاری فریاد کو پہنچا۔

غرض قرآن شریف میں جملہ قسم کی دعاؤں میں خدائیتعالٰے کو اسم ربّ سے پکارنا مذکور ہے۔ اور ان عملوں اور التجاؤں سے اسم ربّ کو یہ مناسبت ہے کہ گناہوں کی معافی کے معنے یہ ہیں۔ کہ غضب سے امان دی۔ اور یہ نوازش ہے۔ اور اولاد کا دینا، اور شرِ اعداء سے محفوظ رکھنا، ملک و دولت کا عطا کرنا، ایذا و مصائب سے نجات دینا، کشتی سے سلامت پار اُتارنا، رزق میں کشائش کرنا، جنگ میں فتح دینا وغیرہ وغیرہ، سب امور مذکورہ بالا اِسی سلسلہ تربیت کی کڑیاں ہیں اور یہ سب امر ربّ العٰلمین کے ہاتھ میں ہیں۔ ان کی بندش و کشائش اُسی کے قبضے میں ہے۔ ان سب میں اُسی کو پکارنا اور اِسی پر جمے رہنا۔ توحیدِ الوہیت ہے۔ جسکی بنا توحید ربوبیّت ہے چنانچہ اِسی معنے میں فرمایا:۔

(۱) اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (احقاف پ۲۶)

جن لوگوں نے کہا ربّ ہمارا اللہ ہے۔ پھر وہ مستقیم رہے۔ یعنے جمے رہے اور قائم رہے اُن کو نہ تو کسی قسم کا خوف ہوگا۔ اور نہ وہ غم کھائینگے۔

(۲) اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ (حٰم سجدہ پ۲۴)

بیشک جن لوگوں نے کہا ربّ ہمارا اللہ ہے پھر وہ مستقیم رہے۔ اُن پر پے در پے فرشتے نازل ہوتے رہینگے کہ تم نہ تو کوئی خوف کرو۔ اور نہ کچھ غم کھاؤ۔ بلکہ اس جنّت سے خوش ہو۔ جس کا تم کو دنیا میں وعدہ دیا جاتا تھا۔

غرض اِس ساری طویل تحریر سے یہ ہے کہ اِلٰہ وہ ہوسکتا ہے۔ جو ربّ العٰلمین ہو۔ تاکہ اُسکی ربوبیّت

کے آگے پرستش کی گردنیں جھک جائیں یا جھک سکیں، اور چونکہ ربّ العٰلمین ذاتِ برحق کے سوا دیگر کوئی نہیں، اسلئے کوئی دوسرا اِلٰہ بھی نہیں ہوسکتا۔ پس ربّ العٰلمین توحیدِ الوہیّت یا توحید عبادت کی بڑی بھاری دلیل ہے۔ تمّ والحمد للہ (میر)

توحید الوہیت سے پہلے خدا کی ہستی کی بحث ہے۔ اور یہ اُس سے بھی نازک تر ہے۔ کیونکہ جب خدا کی ہستی مان لی جائے۔ تو پھر اُسکی وحدانیت زیرِ سوال نہیں رہتی جہاں تک ہمارا مطالعہ ہے جتنی کتابوں کو آسمانی اور الہامی اعتقاد کیا جاتا ہے۔ اُن میں قرآن شریف ہی ایک ایسی کتاب ہے جسمیں ہستی باریتعالےٰ کا مسئلہ مستقل طور پر نہایت کثرت سے اور نہایت واضح وزبردست دلائل سے بیان کیا گیا ہے۔ دیگر کتابوں میں یا تو اسکو چھوا ہی نہیں یا اُن سے استنباطاً یا ضمناً نکال لیں۔ تو دیگر امر ہے۔ پھر یہ کہ قرآن شریف نے اِسکی ہر شق پر سیر کُن بحث کی ہے۔ اور منکرین کے اوہام وشبہات کے دندان شکن جواب بھی دیئے ہیں۔ غرض اِس مسئلہ کو ہر طرح سے تمام وکمال بیان کیا ہے۔ اِسکی مفصّل بحث ہم نے دوسرے پارے کی آیت اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔۔۔۔ الخ میں کردی ہے۔ اِسجگہ صرف یہ مقصود ہے۔ کہ قرآن شریف نے **مُلحِدین** (دہریوں اور مادہ پرستوں) کے مقابلہ میں اسی صفتِ ربّ العٰلمین سے "خدا کی ہستی" کا استدلال کیا ہے۔

اِسکی توضیح اِس طرح ہے کہ فرعون محض بے رحم ظالم وسفّاک ہی نہیں تھا۔ بلکہ وہ نہایت درجے کا چالاک دہریہ بھی تھا۔ ایک تھوڑے سے علاقے یعنے سرزمین مصر کی حکومت پر غرّہ ہوکر خود خدائی کا مدعی بن بیٹھا تھا۔ اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی (پ ۳۰ نازعات) میں تمہارا سب سے اعلےٰ ربّ ہوں)، کی ہوائیاں چھوڑتا اور لوگوں کو اپنی عبادت پر مجبور کرتا تھا چنانچہ اُسنے لوگوں سے کہا:- مَا عَلِمْتُ لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرِیْ (قصص پ ۲۰ یعنے لوگو! مجھے تو اپنے سوائے تمہارا کوئی معبود معلوم نہیں موسےٰ کہاں سے کہتا ہے۔ کہ کوئی رَبّ العٰلمین بھی ہے) خوشامدی درباری ماننے کو تیار تھے۔ جس سے فرعون کا دماغ ایک بانس اور چڑھ گیا۔

خدا تعالےٰ نے فرعون کے دماغ سے یہ ہوا نکالنے کیلئے، اور اُسپر حجت پوری کرنے کے لئے حضرات موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فرمایا:- فَاْتِیَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (شعراء پ ۱۹) یعنے تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور اُسے کہو کہ ہم رَبّ العٰلمین کے رسول ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام نے اِس حکم کی تعمیل میں فرعون سے کہا: یٰفِرْعَوْنُ اِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ یعنے اے فرعون! بیشک میں ربّ العٰلمین کا رسول ہوں"۔

جاہل فرعون نے بھولا بنکر کہا وَمَا رَبُّ الْعَالَمِیْنَ (شعراء پ۱۹) یعنی رب العلمین کیا شے ہے۔
یہ سوال ایسا تھا۔ کہ گویا اسکی ضمیر میں رب العلمین کے اقرار کی آواز ہے ہی نہیں، نہ تو اُسے اپنی پیدائش وپرورش نظر میں ہے۔ اور نہ اسطرف توجہ ہے۔ کہ اتنے بڑے عالم بالا زمین آسمان وزمین خشکی وتری اور عالم جو کی مخلوقات کا کوئی خالق کوئی مالک، کوئی مدبر، محافظ اور کوئی پروردگار بھی ہے۔ اور ہونا چاہئے۔ آخر اتنا بڑا کارخانہ بغیر کسی مدبر وناظم کی تدبیر وانتظام کے کس طرح قائم وجاری ہے۔ موسٰے علیہ السلام کے صرف رب العلمین کہنے میں یہ سب باتیں آگئی تھیں احساس میں فرعون کے لئے کافی سوجھ تھی، لیکن بجائے اس کے کہ فرعون قابل بحث امر یعنے رسالتِ موسٰی کو بحث میں لائے اُلٹا ہو کر چلا، اور ذاتِ برحق ربّ العالمین کی ہستی کو جو زیر سوال نہیں ہو سکتی تھی۔ مشتبہ کرنے، بلکہ اُسکی نفی کرنے کے لئے مَا؟ سے سوال کر دیا۔ جو اُسکی نسبت ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ کلمہ مَا سے اُس شئے کی نسبت سوال ہوتا ہے۔ جسکی حقیقت میں شمول وفصل ہو۔ یعنے اسکی حقیقت میں ایک جزایسی ہو۔ کہ وہ دیگر کئی ایک میں بھی پائی جائے۔ اور ایک جز ایسی ہو جو اُسے دیگروں سے متمیز کرے۔ مثلاً اگر انسان کی ماہیت کی بابت سوال کریں کہ اَلْاِنْسَانُ مَا هُوَ؟ یعنی انسان کیا شئے ہے؟ یا یہ کہ انسان کی ماہیت کیا ہے؟ تو جواب ہوگا۔ هُوَ حَیَوَانٌ نَاطِقٌ یعنے وہ مدرک جزئیات وکلیات زندہ ہستی ہے؟ اُسکی ایک جزو حیوان میں بھیڑ بکری وغیرہ دیگر جانور بھی شامل ہیں لیکن دوسری جزو ناطق اسے اُن سب سے متمیز کردیتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ذاتِ برحق ترکیب وشمول سے پاک ہے کیونکہ اگر وہ بھی ترکیب وشمول کے ماتحت ہو۔ تو وہ بھی منجملہ عالم کے ایک ہوگی۔ اور اُس کے لئے بھی کسی ترکیب دینے والے اور پرورش کرنے والے کی ضرورت ہوگی۔ وَهَلُمَّ جَرًّا، اور یہ بالکل باطل ہے۔

چنانچہ حکیم بہمنیار مابعد الطبیعۃ میں فرماتے ہیں۔ فَالْوَاجِبُ الوجود بذاته لاعلۃ له یعنی بذاتِ حق جو بذات خود واجب الوجود ہے۔ اُسکی کوئی علت نہیں۔ اِسلئے موسٰی علیہ السلام نے فرعون کے سوال کو کاٹ دیا کہ ذاتِ ربّ العلمین کی بابت مَا؟ سے سوال نہیں ہو سکتا، بلکہ اُس کا اقرار ہر فطرت میں مرکوز ہے اسا گروہ آواز حجابات کے بوجھ سے دب گئی ہو۔ تو اُسے خواصِ لازمہ اور آثار وافعالِ قدرت سے پہچان سکتے ہیں

لے حکیم ارسطو کے شاگرد حکیم زینون کبیر۔ اور معلم ثانی ابونصر فارابی۔ اور حکیم بہمنیار کے رسائل میں اس قسم کی عبارتیں بہت ہیں۔ کہ ذاتِ حق بذاتِ خود موجود وقائم ہے۔ اور اُسکی کوئی علت نہیں اور دیگر سب کا وجود وبقا اُس کے حکم وسہارے سے ہے۔ اور اُسکی نسبت ماہیت کا سوال نہیں ہو سکتا۔ ۱۲ منہ

کیونکہ فعل بغیر فاعل کے نہیں ہو سکتا اور اِس کائنات کو عالم اسی لئے کہتے ہیں کہ اس سے اُس کے خالق وحکیم کی ہستی کا علم حاصل ہوتا ہے۔ اور یہ عالم بلکہ اسکا ذرہ ذرہ اُسکی ہستی کی کافی علامت ہے۔ لِأَنَّ الْعَالَمَ مَا يُعْلَمُ بِهٖ كَالْخَاتَمِ مَا يُخْتَمُ بِهٖ كَمَا مَرَّ اور اسی نظر سے اُس ذاتِ برحق کو میں (موسیٰ) نے ربّ العالمین کہکر پکارا ہے۔ کہ وہ سارے عالم کا ربّ ہے۔ جس کا ہونا ضروری ہے۔ غرض موسیٰ علیہ السلام نے ان سب باتوں کو ملحوظ رکھکر زمین وآسمان اور اُن کی درمیانی کائنات کی ربوبیت اور اُن کے باقاعدہ انتظام وتدبیر سے استدلال کرکے کہا:۔ ”رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَآ (شعراء پ۱۹) یعنی وہ جو آسمانوں اور زمین اور جو کچھ اُن دونوں کے درمیان ہے اُن سب کا ربّ ہے۔ فرعون نے اِسپر جرح کی تو آپ نے جواب دیا: رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ یعنی تمہارا بھی ربّ اور تمہارے پہلے باپ دادوں کا بھی ربّ ہے۔ فرعون نے پھر جرح کی تو آپ نے جواب میں فرمایا:۔ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ یعنی وہ مشرق ومغرب اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے۔ اُن سب کا ربّ ہے۔ اگر تم عقل کرو تو سمجھ سکتے ہو۔

اِن آیتوں کی پوری تفسیر وتوضیح اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جواب کی تنقیح انشاء اللہ سورت شعراء (پ۱۹) میں ان آیتوں کے موقع پر کیجائیگی۔ لیکن اسوقت ہم صرف یہ دکھانا چاہتے ہیں۔ کہ موسیٰ علیہ السلام نے دہریہ کے جواب میں خدا کی ہستی کے ثبوت میں مصنوعاتِ قدرت میں شانِ ربوبیت ہی کا جلوہ دکھایا ہے۔ پہلے جواب میں یہ بتایا ہے۔ کہ اُسکی ربوبیت زمین وآسمان اور اِن دونوں کے درمیان یعنے ہر مکان علوی وسفلی اور درمیانی میں جلوہ گر ہے۔ دوسرے میں یہ جتایا ہے۔ کہ اُسکی ربوبیت ہر زمانے میں بھی ہے۔ پہلے زمانوں میں بھی اور موجودہ میں بھی۔ تیسرے میں سمجھایا ہے۔ کہ اُسکی ربوبیت جس طرح ہر مکان وہر زمان میں ہے۔ اُسی طرح اوضاعِ غیر متناہیہ میں بھی ہے۔ کیونکہ مشرق ومغرب اوضاع غیر متناہیہ ہیں (عزیزی)

اِس پر فرعون بند ہو جاتا ہے اور بمصداق ؎

چو حجت نماند جفا جوئے را   بپرخاش در ہم کشد روئے را

گھسیانا ہو کر کہتا ہے:۔ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ (شعراء پ۱۹) یعنی (اے موسیٰ) اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو معبود گردانا تو میں ضرور ضرور تجھے قیدیوں میں (داخل) کردوں گا۔

موسیٰ علیہ السلام بقاعدہ ”آہن را باآہن باید کوفت“ اِس کے جواب میں لاٹھی دکھاتے ہیں۔ جو ایک خونخوار اژدہا کی صورت میں نمودار ہو کر فرعون کا سارا زور توڑ دیتی ہے، فرعون اُسے جادو اور طلسم قرار دیتا ہے

اور اپنے ملک کے تمام علم والے تجربہ کار جادوگروں کو مقابلہ کے لئے جمع کرتا ہے۔ جادوگر مغلوب ہو کر پکار اُٹھتے ہیں۔ اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ رَبِّ مُوْسٰی وَھٰرُوْنَ یعنی ہم رب العلمین پر ایمان لے آئے۔ وہ رب العلمین جس کا پتہ موسیٰؑ اور ہارونؑ دیتے ہیں۔ اُسوقت جادوگروں نے بھی رب العلمین ہی کہکر پکارا (مستفاد از فصوص الحکم و تفسیر ثنائی)

الغرض شہادتِ فطرت کے بعد صفت رب العلمین خدا کی ہستی اور توحید کی سب سے بڑی اور سب سے زبردست دلیل ہے۔ کہ اسی کے فیض سے جملہ کائنات قائم ہے۔ اور اسی کے کرم سے یہ سارا سلسلہ چل رہا ہے۔ کافر کو شاکر بنانے۔ بھولے ہوئے منکر کو اُس کا خالق و رازق منوانے اور اُس کے دِل میں جذبۂ عقیدت و محبت پیدا کرنے کے لئے سب سے بڑھکر مؤثر یہی شانِ ربوبیت ہے۔ شانِ رحمانی و رحیمی (جسکا ذکر اس کے بعد آتا ہے) ان کا آئینہ بھی یہی ہے۔

پھر اپنے نفس سے گذر کر دیگر کائنات کے ذرّے ذرّے میں نظر کریں۔ تو اُسی کے جمال کا مشاہدہ ہوگا۔ چنانچہ فرمایا:۔

وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ۝ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ (ذاریات پ۲۶)	یقین والوں کے لئے زمین میں بھی کئی نشان ہیں بلکہ تمہارے اپنے نفسوں میں بھی ہیں۔ تو کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟

ربوبیت عامہ کے یہ وُہ احسانات ہیں۔ جو براہ راست خدا تعالےٰ سے بارش کی طرح برس رہے ہیں۔ اور اُن میں کسی دیگر کا خیال و وہم تک نہیں آسکتا۔ پس ان احسانات کی یاد اُس محسن کے سامنے اہلِ دل کی گردنیں بھی جھکا دیتی ہے۔ اور شرک کے نزدیک تک بھی پھٹکنے نہیں دیتی (میر)

دینِ حق کا دوسرا اعتقادی رُکن **نبوّت** ہے۔ اِس کے لئے بھی اسی ربوبیتِ عامہ سے استدلال کیا ہے۔ آدم علیہ السلام کے دیر بعد جب گمراہی پھیل گئی۔ اور لوگوں نے صالحین کے بت بنا کر اُنکی پوجا شروع کردی۔ اور راحتوں کے حاصل کرنے اور مصائب سے نجات پانے کے لئے اُنکو پکارنے لگے۔ تو خدا تعالےٰ نے سب سے پہلا رسول جو مبعوث کیا۔ وہ حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔ اُنکی قوم نے اِس خیال سے کہ ہمارا موجودہ طریقہ پرانا چلا آیا ہے۔ اُلٹا نوح علیہ السلام کو گمراہ قرار دیا۔ چنانچہ فرمایا:۔

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّیْ	اُسکی قوم میں سے سرداروں نے کہا۔ کہ ہم تو تجھکو صریح گمراہی میں دیکھتے ہیں۔ (نوح ؑ نے) کہا اے میری قوم

رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (اعراف پ)

مجھ میں تو گمراہی (کی کوئی بات) نہیں۔ بلکہ میں تو پروردگار عالم کا رسول ہوں، تمکو اپنے پروردگار کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں۔ اور میں خدا تعالےٰ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں۔ جو تم نہیں جانتے کیا تمکو تعجب ہوا۔ کہ تمکو تمہارے ربّ کی طرف سے تم ہی میں سے ایک شخص کے ہاتھ پر نصیحت آئی۔ تاکہ وہ تمکو خطرات سے آگاہ کرے۔ اور تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو اور تاکہ تم خدا کی رحمت میں آجاؤ۔

اِس مختصر سی تقریر میں تین دفعہ خدا تعالےٰ کی ربوبیت مذکور ہے۔ اور اظہارِ دعوےٰ میں صفت ربّ العلمین کا ذکر ہے۔ اِس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ حضرت نوحؑ نے ربّ العلمین کی تربیت جتا کر انکی گردنوں کو جھکانا چاہا ہے۔ لیکن وہ لوگ سرکشی میں بڑھ گئے۔ اور کفر و شرک پر اڑ بیٹھے تو اُن پر ایک عالمگیر عذاب آیا جس سے سوائے معدودے چند مومنین کے تمام ہلاک ہو گئے۔

حضرت نوح علیہ السّلام کے بعد بہت لمبا زمانہ گذر گیا۔ اور لوگ پھر گمراہ ہو کر شرک کرنے لگے۔ تو خدا تعالےٰ نے قوم عاد میں سے حضرت ہود علیہ السلام کو مبعوث کیا۔ لوگوں نے کہا۔ تمکو تو کچھ عقل ہی نہیں۔ کیونکہ لوگ ذہنیت کی کجی سے شرک کو نہایت معقول بات سمجھے ہوئے تھے۔ اِس پر نبی اللہ نے اِسی صفت ربّ العلمین کو پیش کر کے ظاہری تربیت سے باطنی تربیت پر استدلال کیا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ۝ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ط وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْطَةً ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (اعراف پ)

(حضرت ہودؑ نے کہا، اے میرے بھائیو! مجھ میں تو کسی قسم کی نادانی نہیں ہے۔ بلکہ میں تو ربّ العلمین کا فرستادہ ہوں۔ تم کو اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچاتا ہوں۔ اور میں تمہارے لئے امانت دار خیر خواہ ہوں۔ کیا تمکو تعجب ہوا کہ آئی تمکو نصیحت تمہارے ربّ کی طرف سے تم میں سے ایک شخص کے ہاتھ پر کہ تمکو خطرات پر آگاہ کرے۔ اور تم وہ وقت بھی یاد کرو۔ جب تم کو نوحؑ کی قوم کے بعد (زمین میں) مختار کیا۔ اور زیادہ کیا تمکو بدن کے پھیلاؤ میں۔ پس تم خدا کی نعمتیں یاد کرو تاکہ تم

نجات پائی"

یہ لوگ بھی اپنی ضد پر اڑے رہے۔ اور عذاب الٰہی سے تباہ ہوئے۔ الا وہ جو ایمان لے آئے تھے بچا لئے گئے۔ بہت مدت بعد پھر شرک پھیل گیا۔ تو خدا تعالیٰ نے قوم ثمود میں سے حضرت صالح علیہ السلام کو مبعوث کیا۔ انہوں نے لوگوں سے یوں خطاب کیا:۔

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ (اعراف پ۸)

بھائیو! خدا کی عبادت کرو۔ کیونکہ اس کے سوائے کوئی بھی تمہارا (سچا) معبود نہیں ہے بیشک تمکو پہنچ چکی ہے تمہارے رب کی طرف سے روشن دلیل"

جب یہ لوگ بھی کفر پر مصر رہے۔ اور ان پر بھی عذاب آیا تو حضرت صالح علیہ السلام از روئے تحسر کہنے لگے:۔

يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ (اعراف پ۸)

میرے بھائیو! میں تو تمکو اپنے رب کا پیغام پہنچا چکا اور تمہاری خیر خواہی بھی کر چکا۔ لیکن تم تو نصیحت کرنیوالوں کو پسند ہی نہیں کرتے"

ان ہر دو آیات میں بیّنہ اور رسالت کو اسم ربّ کی طرف مضاف کیا ہے۔

پھر حضرت شعیب علیہ السلام کے ذکر میں فرمایا۔ کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا:۔

(۱) يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ (اعراف پ۸)

(۱) میرے بھائیو! خدا کی عبادت کرو۔ اس کے سوائے تمہارا کوئی بھی (سچا) معبود نہیں ہے۔ بیشک تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے روشن دلیل آ چکی ہے"

(۲) فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ۝ (اعراف پ۹)

(۲) پس (حضرت شعیبؑ) اُن سے پرے ہٹ گئے۔ اور کہنے لگے اے میری قوم میں نے تمہیں اپنے رب کے پیغام پہنچا دیئے تھے۔ اور تمہاری خیر خواہی کی تھی پس (اب) میں منکر لوگوں پر کیسے افسوس کروں"

انہوں نے بھی دلیل میں ربوبیت ہی کو پیش کیا ہے"

اسی طرح سورت شعراء میں مسلسل طور پر حضرات موسیٰؑ۔ ابراہیمؑ نوحؑ، ہودؑ، صالحؑ، لوطؑ، اور شعیب علیہم السلام

میں سے ہرایک کے بیان میں اسم رب العالمین صریحاً مذکور ہے[1]۔ اور اسی سورت میں ضمنی طور پر سلسلۂ ذکرِ قیامت مذکور ہے۔ کہ مشرکین دوزخ میں پڑے ہوئے اپنے باطل معبودوں سے کہینگے:- تَاللّٰہِ اِنْ کُنَّا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ اِذْ نُسَوِّیْکُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (شعراء پ۱۹) یعنی خدا کی قسم ہم صریح گمراہی میں تھے۔ کہ تمکو رب العلمین کے برابر سمجھتے تھے"

پھر سب کے بعد خاتمۂ سورت کے قریب آنحضرت صلعم کی نبوت کے متعلق جو اصل مقصود ہے۔ قرآن شریف کی بابت فرمایا:- وَاِنَّهٗ لَتَنْزِیْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ یعنی بیشک یہ قرآن شریف رب العلمین کا اُتارا ہوا ہے

اَب اِس سورت کے شروع کو بھی دیکھو کہ اُس میں فرمایا۔

اَوَلَمْ یَرَوْا اِلَی الْاَرْضِ کَمْ اَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ کُلِّ زَوْجٍ کَرِیْمٍ ۝ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا کَانَ اَکْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ (شعراء رکوع اول)

کیا اِن لوگوں نے زمین کی طرف نظر نہیں کی کہ ہمنے اُس میں کتنی عمدہ عمدہ جنسیں پیدا کی ہیں۔ بیشک (اُنکے لئے) اِسمیں بڑا بھاری نشان ہے۔ لیکن اکثر اُنمیں سے ایماندار نہیں ہے"

دیکھو شروع میں زمین کی عمدہ عمدہ پیدائشیں ذکر کی ہیں۔ جو خدا کی ربوبیت عامہ کی ایک صورت ہے اور توجہ دلائی ہے۔ کہ منکرین نبوت کے لئے اِس میں بھاری نشان ہے۔ پھر اِس کے بعد مسلسل طور پر کئی ایک پیغمبروں کا ذکر کیا ہے۔ اور ہر ایک کے ذکر میں اپنے رب العلمین ہونے کا ذکر کیا۔ اور خاتمہ پر اصل مقصود یعنے نبوتِ محمدیہ کا ذکر بھی اِسی صفت رب العلمین کو یاد دلا کر کیا ہے۔ (سبحان اللّٰہ!) اور اِسکے علاوہ دوسرے موقعوں پر بھی اِسے نہیں بھُلایا۔ چنانچہ سورہ الٓمٓ سجدہ میں فرمایا:- تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ لَا رَیْبَ فِیْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ یعنی اِس کتاب کا اُتارنا جسمیں شک کی کوئی بات نہیں ہے، رب العلمین کی طرف سے ہے"

نیز سورتِ واقعہ پ۲۷ اور سورتِ حآقہ پ۲۹ میں بھی فرمایا:- تَنْزِیْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ یعنی یہ قرآن کریم رب العلمین کا اُتارا ہوا ہے"

اِسی طرح سورہ یونس میں فرمایا:- وَتَفْصِیْلَ الْکِتٰبِ لَا رَیْبَ فِیْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ (پ۱۱) یعنی (یہ قرآن) کتاب اللہ کی تفصیل ہے۔ جسمیں کوئی شک کی بات نہیں ہے۔ رب العلمین کی طرف سے اُترا ہوا۔

[1] گو بظاہر دنیوی روزی کی کفالت مراد ہے۔ لیکن چونکہ دوسرے مقامات پر انہی انبیاء کے ذکر میں ربوبیت کو مقامِ نبوت میں پیش کیا ہے۔ جیسا کہ اوپر نقل ہو چکا ہے۔ اِسلئے یہاں بھی اسکا لحاظ ہے۔ ۱۲ منہ

نیز فرمایا:- يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا (ن آپ) ،
اے لوگو! تمکو تمہارے پروردگار کی طرف سے برہان (واضح دلیل) آچکی اور ہمنے تمہاری طرف نور مبین (قرآن)
بھی نازل کیا ہے "
نیز فرمایا:- يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَآمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ (النسآء پ) یعنے اے
لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کا پیغمبر سچ لے کر آچکا ہے پس (اُسپر) ایمان لے آؤ تمہارے لئے بہت بہتر ہوگا "
اِسی طرح اور آیات بھی بکثرت ہیں - جنمیں تنزیل قرآن اور رسالتِ محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ذکر میں
صفتِ ربوبیت مذکور ہے ۔

تو اس سارے سلسلے سے ایک ہوشمند آدمی بخوبی سمجھ سکتا ہے - کہ متکلمِ قرآن (خدا تعالیٰ نے) کو اپنی عالمگیر
ربوبیت اور بعثتِ انبیاء میں کمال درجے کی مناسبت ملحوظ ہے اور وہ یہ ہے - کہ جس خداوند جلّ و علا نے
تمہاری جسمانی تربیت کے لئے اِتنا بڑا انتظام قائم کر رکھا ہے - اُسی نے تمہاری روحانی و اخلاقی تربیت کے
لئے یہ نظامِ نبوت بھی قائم کیا ہے - بلکہ نظامِ روحانی اصل مقصود ہے - اور جسمانی اُس کے تابع - کیونکہ اگر
تربیت روحانی کا اِنکار کیا جائے - تو شرعی امر و نہی ، عقلی حُسن و قبح اور نیکی و بدی سب بے اثر اور حیاتِ دنیوی
بالکل بے ثمر سمجھی جائیگی اور سارا کارخانۂ دنیا عبث و بیکار ہو جائیگا - اور یہ بالکل باطل ہے - و بکر یہ کہ فضائل کا
اکتساب اور رذائل سے اجتناب ایک بے حقیقت تخیل سمجھا جائیگا - اور انسان کو اپنی شرافت سے گر کر
بہائم کی قطار میں شامل ہونا پڑے گا - اور انسان اور بہائم میں کوئی تمیز باقی نہیں - ہیگی - انسان کو محض اُسکے
بدن کی سیدھی قامت - اور متناسب اعضا اور خوبصورت ہیکل کی وجہ سے بہائم پر شرف و فضیلت نہیں ہے
بلکہ اصل وجہ شرافت اُسکی روحانی قابلیت ہے جسکی وجہ سے وہ خدا تعالیٰ کے امر و نہی کا حامل قرار دیا گیا - جس کا
سِرّ آیت إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ الآیۃ (احزاب پ۲۲) میں مستور ہے - پس اُس
کے جسم کی تربیت کے لئے جو بمقابلہ روح کے عارضی ہے - اِتنا بڑا نظامِ عالم قائم کرنا اور روح کی پرورش کو
جو جوہرِ اصلی ہے - نظر انداز کر دینا ایں چہ ؛ أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُّتْرَكَ سُدًى (کیا انسان یہ گمان کرتا
ہے کہ اُسے مہمل و بیکار چھوڑ دیا جائے)

معاد
اِسلام کا تیسرا اعتقادی رکن **مَعَاد** ہے یعنے یہ کہ ہمیں اِس زندگی کے بعد اپنے اعمال کی
جوابدہی اور جزا سزا کے لئے خدا کے سامنے پیش ہونا ہے - خدا تعالیٰ نے اُس کے لئے ایک دن مقرر

کررکھا ہے۔ جس کے نام، یوم القیٰمہ، یوم الحساب، یوم الدّین، اور یوم الفصل وغیرہ وغیرہ ہیں۔ نیک لوگ نیک جزا پاکر جنّت میں جائینگے۔ (اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا) اور بُرے بُرائی کا بدلہ دوزخ میں بُھگتینگے (اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْھَا)
اِس مضمون کو اصالتًہ تو (انشاء اللہ) آیت مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ کی تفسیر میں بیان کیا جائیگا لیکن یہاں صِرف رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ کے ماتحت اِتنا بیان کیا جاتا ہے۔ کہ قرآن شریف نے جزا سزا کے مسئلے میں بھی خدا تعالےٰ کی ربوبیت کا کثرت سے ذکر کیا ہے۔

اِس مضمونِ جزا و سزا کے عنوانات (ہیڈنگ یا لیڈنگ فیچرز) یہ ہوسکتے ہیں:-

(۱) خدائے تعالےٰ نے اِس کارخانۂ دُنیا کو عبث نہیں بنایا۔

(۲) اِنسان کے اعمال کا نتیجہ ضروری ہے۔

(۳) مالک کا حق ہے کہ اَعمال کی بازپُرس کرے۔

(۴) شاکر و کافر مطیع و عاصی۔ مُحسن و مُسیئی (نیکوکار و بدکار) میں امتیاز ضروری ہے۔

(۵) دُنیا میں حق و باطل مِلا جُلا ہے۔ قطعی فیصلہ سوائے خدائے خلّاق کے اور کوئی نہیں کرسکتا۔

(۶) حشرِ اجساد ممکن ہے۔

(۷) منکرین کے شبہات اور اُن کے جوابات۔

قرآن شریف میں اِن سب عنوانوں کے بیان میں اِسمِ ربّ کا ذکر کثرت سے ہے۔ چنانچہ ہم ہر ایک کے متعلق بلا رعایتِ ترتیب بعض آیات نقل کرتے ہیں جنمیں اسمِ رَبّ خاص طور پر مذکور ہے۔

(۱) سورۂ مومنون پ۱۸ میں قیامت کے حساب کتاب کے ذکر کے بعد فرمایا:-

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ عَبَثًا وَّاَنَّکُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ۝ فَتَعٰلَی اللّٰہُ الْمَلِکُ الْحَقُّ ج لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ج رَبُّ الْعَرْشِ الْکَرِیْمِ ۝ وَمَنْ یَّدْعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ لَا بُرْھَانَ لَہٗ بِہٖ فَاِنَّمَا حِسَابُہٗ عِنْدَ رَبِّہٖ ط اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الْکٰفِرُوْنَ	کیا تمنے یہ سمجھ رکھا تھا کہ ہمنے تمکو بیکار پیدا کیا ہے۔ اور یہ کہ تم ہماری طرف پھر نہ آؤگے۔ پس خدا جو سچا بادشاہ ہے۔ (اِس سے) بہت بلند ہے۔ اُس کے سوائے کوئی بھی معبود (برحق) نہیں (وہ) عرش بزرگ کا مالک ہے۔ اور جو کوئی خدا کے ساتھ کسی اور معبود کو پُکاریگا

جسکی اُس کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ تو بس اُسکا حساب اُس کے پروردگار کے پاس ہے۔ بیشک کافر فلاح نہیں پائینگے۔"

اسمیں انسان کو خبث پیدا نہ کرنے اور حساب اعمال کے لئے لفظ ربّ ذکر کیا ہے۔

(۲) سورہ فجر میں قوم عاد و ثمود اور فرعون کے طغیان و سرکشی اور دنیا میں اُن کے فساد و بیدادی کا ذکر کرکے فرمایا

فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۝ إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ (فجر پ ۳۰)	پس پھینکا اُنپر تیرے ربّ نے کوڑا عذاب کا بیشک تیرا ربّ (نا فرمانوں کی) تاک میں ہے۔

اسی طرح سورہ حاقہ میں بھی قوم لوط وغیرہ اور انہی کفار کا ذکر کرکے فرمایا:-

فَعَصَوْا رَسُولَ رَبِّهِمْ فَأَخَذَهُمْ أَخْذَةً رَّابِيَةً ۝ (حاقہ پ ۲۹)	پس نافرمانی کی اُن سب نے اپنے رب کے رسول کی، پس پکڑی اُن کو پکڑ دم چڑھتی۔

اسی طرح سورہ طلاق میں مجملاً کئی ایک گذشتہ قوموں کے بداعمال کے بُرے نتیجے کی بابت فرمایا:-

وَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ أَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهِ فَحَاسَبْنَاهَا حِسَابًا شَدِيدًا وَعَذَّبْنَاهَا عَذَابًا نُّكْرًا ۝ فَذَاقَتْ وَبَالَ أَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ أَمْرِهَا خُسْرًا ۝ (پ ۲۸)	اور بہت بستیاں ہوگذریں جنہوں نے اپنے پروردگار اور اُس کے رسولوں کے حکم سے سرکشی کی۔ پس ہمنے اُنکا بڑی سختی سے حساب لیا اور اُنکو بہت بری سزا دی۔ پس چکھا اُنہوں نے اپنے اعمال کا وبال اور

انجام کار اُنکو گھاٹا ہی گھاٹا ہوا۔

(۲) انسان پر جب اسباب رفاہیت کی فراوانی ہوتی ہے۔ تو یہ سرکش ہو جاتا ہے۔ مالک حقیقی کے احکام کی پرواہ نہیں کرتا۔ ایسے انسان کو ان لفظوں میں سمجھایا:-

(۱) كَلَّا إِنَّ الْإِنسَانَ لَيَطْغَىٰ ۝ أَن رَّآهُ اسْتَغْنَىٰ ۝ إِنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الرُّجْعَىٰ ۝ (علق پ ۳۰)	مگر انسان سرکشی کرتا ہے۔ کہ دیکھتا ہے اپنے آپ کو بے نیاز، بیشک تیرے پروردگار کی طرف (ضرور)

لوٹ کر آنا ہے۔

(۲) يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلَاقِيهِ (انشقاق پ ۳۰)	(۲) اے آدمزاد! تو کھسٹ کھسٹ کر آہستہ آہستہ اپنے رب کی طرف چلا جا رہا ہے۔ پھر تو اُس سے

جا ملے گا۔

(۳) يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ ۝ الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ ۝ فِي أَيِّ صُورَةٍ	(۳) اے آدمزاد! تجھکو کس چیز نے تیرے صاحب کرم مالک سے بھلا دیا۔ جسنے تجھے بنایا تو درست بنایا

مَاشَآءَ رَكَّبَكَ ۞ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ۞
(انفطار پ ٣٠)

پھر تیرے جوڑ بند متناسب بنائے (اور) جس وضع قطع پر چاہا جوڑا، مگر بات یہ ہے۔ کہ تم جزا سزا کو نہیں مانتے

(٣) جان کنی کی بےبسی کا نقشہ کھینچکر اپنے مالک و صاحب اور پروردگار کی طرف چلنا اس طرح سمجھایا:

كَلَّآ إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ۞ وَقِيْلَ مَنْ سکتہ رَاقٍ ۞ وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ۞ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ۞ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ٍالْمَسَاقُ ۞ (القیمه پ ٢٩)

سنو جی! جب جان ہنسلی تک آپہنچیگی، اور لوگ کہنے لگیں کوئی جھاڑنے والا ہے؟ اور (بیمار خود) گمان کرے گا۔ کہ بس اب مفارقت (کا وقت) ہے، اور پنڈلی پنڈلی سے لپٹ جائیگی۔ اسدن (تجھے) اپنے پروردگار کی طرف چلنا ہوگا۔"

(۴) مومنوں کو جو محاسبۂ اعمال اور اپنے ربّ کے سامنے پیش ہونیکا کھٹکا لگا رہتا ہے۔ اسکی بابت فرمایا:

(١) اَلَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ (پ ١)

(١) جنکو کھٹکا لگا رہتا ہے کہ وہ ضرور اپنے پروردگار سے ملنے والے ہیں اور وہ ضرور اسکی طرف لوٹنے والے ہیں۔

(٢) وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ (رعد پ ١٣)

(٢) اور وہ ڈرتے ہیں اپنے ربّ سے اور خوف رکھتے ہیں بُرے حساب کا۔"

(٣) اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۞ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ۞ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ۞ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ۞ (مومنون پ ١٨)

(٣) تحقیق وہ جو اپنے ربّ کے جلال سے ڈرتے ہیں۔ اور جو اپنے ربّ کے احکام پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ جو اپنے ربّ سے شریک مقرر نہیں کرتے۔ اور وہ جو دیتے ہیں جو کچھ کہ دے سکتے ہیں۔ اور (اسپر بھی) اُن کے دلوں میں ڈر لگا رہتا ہے۔ کہ وہ اپنے پروردگار کی طرف لوٹنے والے ہیں۔"

(۴) اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا
(دہر پ ٢٩)

(۴) ہمکو اپنے ربّ سے اُس دن کا ڈر لگا رہتا ہے جس میں مُنہ بنانا اور تیوری چڑھانی پڑیگی۔"

(۵) دنیا میں مذہبی اختلافات بھی موجود ہیں۔ جھوٹے بھی خدا ہی کا نام لے کر جھگڑتے ہیں۔ کہیں حقوق کا جھگڑا ہے کہیں ظلم و بیداری کا واویلا ہے۔ سچ جھوٹ ملا جُلا ہے۔ آخر اسکا فیصلہ و انصاف بھی تو ضروری ہے۔ سو اس کی بابت فرمایا:۔

(۱) اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝ (سجدہ پ ۲۱)

بیشک تیرا رب ہی قیامت کے دِن اُنمیں اُن امور کا فیصلہ کریگا جنمیں وہ اختلاف کرتے رہے۔"

(۲) وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ (زمر پ ۲۳)

(۲) اور کوئی جان دوسری جان کا بوجھ نہیں اُٹھائیگی پھر تمہارا رجوع تمہارے رب کی طرف ہوگا پس وہ تمکو سب اعمال بتاوے گا جو تم کرتے رہے؟

(۳) اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ۝ (زمر پ ۲۳)

(۳) اے پیغمبر بیشک تجھے بھی مرنا ہے۔ اور ان کو بھی مرنا ہے۔ پھر تم سب قیامت کے دِن اپنے رب کے سامنے جھگڑوگے"

(۴) وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۝ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (پ ۳۰)

(۴) تباہی ہے کم تولنے والوں کی کہ جب لوگوں سے ماپ کر لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں۔ اور جب اُن کو ماپ کریا تولکر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔ کیا اُن کو اِس بات کا خیال نہیں کہ وہ اُس بڑے دِن میں اُٹھائے جائینگے جبدن تمام لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہونگے"

(۶) نیکوں اور بدوں کے انجام اور اُنکی جزا سزا کے متعلق فرمایا:۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ ۝ فٰكِهِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ ۚ وَوَقٰهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝ (طور پ ۲۷)

بیشک پرہیزگار باغوں میں ہونگے اور نعمتوں میں مزے اُٹھائینگے اُن (نعمتوں) سے جو دیگا اُنکو پروردگار اُنکا اور بچائیگا اُن کو اُنکا پروردگار عذاب دوزخ سے۔

(۲) مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ۨاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰي شَيْءٍ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ (ابراہیم پ ۱۳)

(۲) مثال اُن لوگوں کی جو اپنے پروردگار سے منکر ہوئے یہ ہے کہ اُن کے اعمال مثل راکھ کی ہیں۔ کہ آندھی کے دِن اُسپر سخت ہوا چلی (تو وہ برباد ہوگئی) نہیں قدرت پائینگے اپنی کمائی میں سے کسی شے پر یہی تو دور کی گمراہی ہے"

(۳) وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ

(۳) اور وہ جو ایمان لائے اور اُنہوں نے نیک عمل بھی کئے جنتوں میں داخل کئے جائینگے، جن کے نیچے

وَ تَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ (ابراہیم پ۱۳)

نہریں چلتی ہیں وہ اُن میں اپنے ربّ کے حکم سے ہمیشہ رہینگے۔ اُن میں اُن کا تحفہ سلام ہوگا۔

(۴) اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یَهْدِیْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِیْمَانِهِمْ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ دَعْوٰىهُمْ فِیْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (یونس پ۱۱)

(۴) بیشک وہ جو ایمان لائے اور اُنہوں نے نیک عمل بھی کیے۔ اُنکو اُن کا ربّ اُن کے ایمان کی وجہ سے (نجات کا راستہ دکھائیگا) نعمتوں کے باغوں میں اُن کے نیچے سے نہریں چلتی ہونگی۔ اُن میں اُن کی پکار ہوگی۔ سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ یعنی یا اللہ تو پاک ہے۔ اور اُنکا تحفہ سلام ہوگا۔ اور اُنکی آخری پکار یہ ہوگی کہ ہر طرح کی تعریف کا مستحق اللہ ربّ العلمین ہے۔

(۵) وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَیْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِیْنَ (اعراف پ۸)

(۵) اور جنّت والے دوزخ والوں کو پکار کر کہینگے کہ ہمنے تو اُس وعدے کو جو ہمسے ہمارے ربّ نے کیا تھا۔ سچا پالیا۔ تو کیا تمنے بھی اُس وعدے کو جو (تمسے) تمہارے ربّ نے کیا تھا۔ سچا پالیا؟ وہ (جواب میں) کہینگے (ہاں) پالیا۔ پس اُن کے درمیان سے ایک پکارنے والا (فرشتہ) پکارے گا۔ کہ ظالموں پر خدا کی مار ہو۔

(۶) وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ اُولٰٓىِٕكَ یُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ وَیَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰۤؤُلَآءِ الَّذِیْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِیْنَ (ھود پ۱۲)

(۶) اور کون بڑا ظالم ہے اُس سے جو خُدا پر جھوٹ باندھے ایسے لوگ اپنے ربّ کے سامنے پیش ہوں گے اور گواہ گواہی دینگے۔ کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے جھوٹ کہا تھا اپنے پروردگار پر۔ خبردار! ایسے ظالموں پر خدا کی پھٹکار۔

(۷) اسی طرح حشر اجساد کے ممکن ہونے اور منکرین کے شبہات کے جواب میں فرمایا۔

(۱) وَقَالُوْۤا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ؕ بَلْ هُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ۝ قُلْ یَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ

(۱) اور (یہ منکر) کہتے ہیں کہ آیا جب ہم زمین میں رُل مِل جائینگے تو کیا ہم پھر نئے پیدائش میں آئینگے۔ بلکہ یہ لوگ اپنے ربّ کی ملاقات سے منکر ہیں۔ (اے پیغمبر!) کہدے

تُرۡجَعُوۡنَ (سجدہ پ۲۱)

پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

(۲) وَاِنۡ تَعۡجَبۡ فَعَجَبٌ قَوۡلُهُمۡ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا
ءَاِنَّا لَفِىۡ خَلۡقٍ جَدِيۡدٍ ؕ اُولٰٓـئِكَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا
بِرَبِّهِمۡ ۚ وَاُولٰٓـئِكَ الۡاَغۡلٰلُ فِىۡۤ اَعۡنَاقِهِمۡ (رعد پ۱۳)

کہ قبض کریگا تمکو موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے

(۲) اور اگر تعجب کرو تو (واقعی) انکا یہ قول تعجب کے لائق ہے کہ آیا جب ہم (مر کر) مٹی ہو جائینگے۔ تو کیا ہم نئی پیدائش میں آئینگے، یہ وہ ہیں جو اپنے رب سے منکر ہوئے اور اُنکی گردنوں میں طوق ہونگے۔

سورۃ واقعہ پ۲۷ میں مسئلہ قیامت کو نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے، چنانچہ دوزخیوں کے دوزخ میں پڑنے کے وجوہات میں بیان کیا کہ وہ آسودگی کی وجہ سے بڑے بڑے گناہوں پر اصرار کرتے تھے۔ اور قیامت کی زندگی کو بعید از عقل جانتے تھے۔ اِس کے جواب میں فرمایا، کہ (اے پیغمبر) اِن سے کہدو۔ کہ سب پہلے اور پچھلے ایک مقرر دن کو اکٹھے کئے جائینگے۔ پھر تم گمراہوں اور تکذیب کرنیوالوں کو ایسا ایسا عذاب ہوگا۔ اِس کے بعد مرنے کے بعد پھر جینے کے اِمکان میں چند نظائر بیان کیں۔ کہ ہمنے تمکو پیدا کیا۔ بوندپانی سے تمہاری صورت شکل اور سارا ڈھانچہ تیار کیا۔ پھر تم ہمارا کہنا باور کیوں نہیں کرتے۔ اور پہلی پیدائش سے تمکو سمجھ کیوں نہیں آتی۔ تم جو کھیتی کرتے ہو۔ اُس میں دانہ تم اگاتے ہو یا ہم؟ اور پانی جو تم پیتے ہو۔ بادلوں سے تم اتارتے ہو یا ہم؟ اور آگ جو تم جلاتے ہو، اُس کا درخت تم نے اگایا یا ہمنے؟ اِن نظائر کے بعد فرمایا:۔
فَسَبِّحۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الۡعَظِيۡمِ۔ یعنی اے نبی! پس تو اپنے عظمت والے رب کی پاکیزگی بول، اِس کے بعد جزا سزا کے منکروں کو نزع کے وقت کا حال یاد کرا کے فرمایا:۔

فَلَوۡلَاۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ غَيۡرَ مَدِيۡنِيۡنَ تَرۡجِعُوۡنَهَاۤ اِنۡ
كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ۞ فَاَمَّاۤ اِنۡ كَانَ مِنَ الۡمُقَرَّبِيۡنَ
فَرَوۡحٌ وَّرَيۡحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيۡمٍ ۞ وَاَمَّاۤ اِنۡ كَانَ
مِنۡ اَصۡحٰبِ الۡيَمِيۡنِ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنۡ اَصۡحٰبِ الۡيَمِيۡنِ ۞
وَاَمَّاۤ اِنۡ كَانَ مِنَ الۡمُكَذِّبِيۡنَ الضَّآلِّيۡنَ فَنُزُلٌ
مِّنۡ حَمِيۡمٍ ۙ وَّتَصۡلِيَةُ جَحِيۡمٍ ۞ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ
حَقُّ الۡيَقِيۡنِ ۞ فَسَبِّحۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الۡعَظِيۡمِ (واقعہ پ۲۷)

پس اگر تم کسی کے ماتحت نہیں ہو تو موت کے وقت) اُس (جان) کو کیوں واپس نہیں لے آتے۔ اگر تم سچے ہو، پس اگر وہ (مرنے والا) شخص مقربین میں سے ہوگا تو ہر قسم کی راحت ہے۔ اور (عمدہ سے عمدہ) روزی ہے، اور باغ نعمتوں کا اور اگر وہ داہنے ہاتھ والوں میں سے ہوگا۔ تو تجھ پر داہنے ہاتھ والوں کی طرف سے سلام ہو اور اگر وہ جھٹلانے والوں گمراہوں سے ہوگا۔ تو اسکی مہمانی جلتے پانی سے ہوگی۔ اور آخر) داخل کرنا دوزخ میں۔ (اے پیغمبر) بیشک یہ بات بالکل یقینی ہے

پس تو پاکیزگی بول اپنے عظمت والے ربّ کے نام کی؛

اِس مضمون کو بھی اپنے اِسم ربّ پر ختم کیا ہے:

اِن سب مذکورہ بالا عنوانات کے متعلق قرآن شریف میں بہت آیات ہیں لیکن ہم نے صرف اُن بعض آیات کا انتخاب کیا ہے جنمیں اسم ربّ خاص طور پر مذکور ہے۔ یہ جتانے کے لئے کہ محاسبۂ اعمال اور جزاء سزا، بتقاضائے اسم ربّ ہے۔ اور شاکر و کافر، مطیع و عاصی اور محسن و مسیئ میں امتیاز، مظلوم کی دادرسی؛ حقدار کی حق رسی۔ شاکر و مطیع کو نیک جزا، سب کچھ ربوبیت میں داخل ہے۔ اور کافر و نافرمان جو اپنے پروردگار کی نعمتیں کھا کھا کر اور اُس کے افضال کے سائے میں پرورش پا پا کر اور اُسکی عطا کی ہوئی دماغی اور بدنی قوتوں کو ناشکری و نافرمانی کے کاموں اور فتنے اور فساد میں لگا لگا کر آئینِ حق شناسی اور نظامِ امن میں خلل ڈالتے ہیں۔ اُن کے مالک مولٰے اور مربّی و محسن کا حق ہے۔ کہ اُن سے پرسش کرے کہ اُنہوں نے قدرت کے اتنے بڑے نظامِ ربوبیت سے پیدا و تیار کردہ قوتوں اور اعضاء کو کیوں رائگان گنوایا۔ بلکہ کیوں اُسکی مرضی کے خلاف کاموں میں لگایا۔ اور اُس کا حق ہے۔ کہ اُسنے کہے۔ یٰٓاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ (انفطار پ۳۰) یعنی اے غافل انسان! تجھے کس چیز نے تیرے صاحبِ کرم پروردگار سے دھوکے میں ڈالدیا؟

اگر اعمال کا نتیجہ اور اُنپر محاسبہ نہ ہو، تو یہ سارا کارخانۂ دُنیا عبث و بیکار سمجھا جائیگا۔ اور یہ ربّ العٰلمین کی شان کے خلاف ہے کہ زمین و آسمان اور اُن کی درمیانی اشیاء کا اتنا بڑا سلسلہ عبث و بیکار کھڑا کرے۔ جیساکہ سابقًا مختصرًا گذر چکا۔ اور اگر مظلوم کی دادرسی اور مطیع و فرمانبردار کی جزا نہ ہو۔ تو یہ شانِ ربوبیت کو داغ ہے جس سے ربّ العٰلمین پاک ہے۔ غرض ربّ العٰلمین ایک ایسی جامع صفت ہے۔ کہ اُسے جمیع ارکانِ دین سے پورا پورا تعلق ہے۔ جو کچھ عالمِ دنیا میں دیکھتے ہو اُسی کی جلوہ افروزی ہے اور جو کچھ عالمِ عاقبت میں دیکھو گے اُسی کا ظہور ہوگا۔ پس فاتحۂ قرآن (شروع) میں اِسکا ذکر نہایت ضروری تھا۔ اور کلمۂ الحمد للہ سے اسکا جوڑ نہایت موزون و مناسب ہے +

حمد و ربوبیت کا باہمی تعلق

اب ہم بعض وہ آیات لکھتے ہیں جنمیں حمد اور ربوبیت کو اکٹھا ذکر کیا گیا ہے۔ تا کہ معلوم ہو جائے کہ قرآن شریف میں حمد اور ربوبیت کی اِس مناسبت کو خصوصیت سے ملحوظ رکھا گیا ہے۔

(۱) خود آنحضرت صلعم کو کوئی چھ مقامات پر حکم ہوا ہے۔ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ (حجر۔ نصر) اور وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ (مومن۔ طٰہٰ۔ ق۔ طور) کسی جگہ واؤ سے اور کسی جگہ ف سے۔

(۲) تین جگہ فرشتوں کی بابت ذکر کیا کہ وہ بھی اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح پکارتے ہیں:۔ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ (زمر، مومن۔ شوریٰ) یعنے تسبیح پڑھتے ہیں ساتھ اپنے رب کی حمد کے۔

(۳) تہجد گزار عابدوں کی بابت فرمایا۔ سَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ (الم سجدہ) یعنے وہ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اُسکی تسبیح پڑھتے ہیں۔ خود اپنی صفت میں فرمایا:۔ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (جاثیہ پ ۲۵) یعنے پس ہر طرح کی تعریف اللہ ہی کو سزاوار ہے۔ جو آسمانوں کا بھی رب ہے اور زمین کا بھی رب ہے (غرض تمام جہان والوں کا رب ہے)۔

نکتہ معرفت خدا تعالےٰ نے رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ہے اپنے رسولؐ (صلعم) کو خلقت کی ہدایت کے لئے بھیجا تو رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ کر کے بھیجا اور اُسکی کتاب کو ذِکْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ اور اُس کے قبلہ کو هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ بنایا۔

خدا تعالےٰ کے رب العلمین ہونے کی آیات بیان ہو چکیں۔ اب ہم دیگر سب کی متعلقہ آیات تحریر کرتے ہیں:۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت فرمایا:۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (انبیاء پ ۱۷) یعنی (اے پیغمبرؐ) ہمنے تو تجھکو سارے جہان پر رحمت کرنے کے لئے رسولؐ بنا کر بھیجا ہے۔

اور قرآن شریف کی بابت فرمایا:۔ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ (پ ۳۰ تکویر۔ پ ۲۹ قلم۔ پ ۱۳ یوسف۔ پ ۲۳ ص) اور سورۂ انعام میں فرمایا۔ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ (پ ۷) یعنی قرآن شریف تو بس سارے جہان کے لئے نصیحت ہے۔

اور قبلہ شریف کی بابت فرمایا:۔ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ[۵] مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ (آل عمران پ ۴) یعنی سب سے پہلا گھر جو خدا کی عبادت کے لئے تمام لوگوں کے لئے بنایا گیا وہ وہ ہے جو مکہ شریف میں ہے۔ برکت والا اور تمام جہان کے لئے ہدایت کا موجب) اسی کے مطابق مولٰنا حالی مرحوم نے کہا ہے ؎

وہ دُنیا میں گھر سب سے پہلا خدا کا — خلیلؑ ایک معمار تھا جس بنا کا

ازل سے مشیت نے تھا جسکو تاکا — کہ اس گھر سے اُبلے گا چشمہ ہُدیٰ کا

(۵) اسجگہ مکہ شریف کو بکہ کہا ہے یہ بھی اسکا نام ہے۔ ب اور میم کا تبادلہ ہے (لسان العرب) صحف سابقہ میں بھی مکہ شریف کا نام بکہ آیا ہے۔ چنانچہ داؤدؑ کی زبور ۸۴ میں ہے۔ "مبارک وہ ہیں جو تیرے گھر میں بستے ہیں۔ وہ سدا تیری ستائش (حمد) کرینگے۔ (۶) وہ بکا کی وادی میں گزر کرتے ہوئے اُسے ایک کنواں بناتے" (یعنی چاہ زمزم) عیسائیوں نے نہایت چالاکی سے بکہ کا بکا بنایا اور پھر اس کے معنے آنسو بنا لئے۔ لیکن انگریزی ترجمہ میں یہ تصرف نہ ہو سکا۔ اُس میں بالکے صاف صاف (Vallay of Bacca) (وادی بکہ) لکھا ہے اور اسے بڑی (B) سے اسم علم کر کے لکھا ہے جیسا کہ انگلیش زبان میں اسم علم کے لکھنے کا قاعدہ ہے ۱۲ منہ

"سُبحان اللہ! عجب مناسبتیں ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ رب العلمین ہے۔ اُسکا رسول رحمۃ للعالمین ہے"
"اُسکی کتاب ذکرٌ للعلمین ہے۔ اور اُس کا قبلہ ھُدًی للعلمین ہے۔ یہ مناسبتیں مصنوعی نہیں بلکہ قدرت"
"کی اپنی کرمفرمائیاں ہیں جنمیں کسی غیر کو دخل نہیں۔ وَالحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العٰلَمِین (دبیر)

تتمۂ تفسیر آیتِ اَلحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العٰلَمِین

خلاصہ مطلب آیت اَلحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العٰلَمِین کا یہ ہے کہ ہر قسم کی حمد و ستائش کا مستحق اللہ تعالےٰ ہے۔ جسکی ربوبیت محیطِ کُل ہے۔ اور کسی خاص جنس یا خاص نوع یا خاص شخص یا اشخاص سے مختص نہیں ہے۔ اور اِس تربیت میں اُسکی اپنی غرض متعلق تحصیلِ کمال یا توقع بزمانِ استقبال نہیں ہے۔ اور اگر اس سلسلۂ تربیت میں کوئی جزوی تربیت کسی اور کی طرف منسوب ہے۔ تو وہ نسبت مجازی وظاہری ہے حقیقی نہیں ہے۔ کیونکہ خود اُن مربیوں کی ہستی اور اُن کے جملہ اُمورِ متعلقہ سلسلۂ تربیت کی کڑیاں ہیں۔ اور وہ منجملہ شرائط و وسائطِ پرورش کے ہیں نہ کہ پرورش کرنے والے۔ پس اُن کی تعریف و ستائش کا رجوع بھی ذاتِ رب العلمین کی طرف ہے۔ اِسی معنے میں کہا گیا ہے ؎

حمد را با تو نسبتے ست درست ۔۔۔ بر درِ ہر کہ رفت بر درِ تست

مثلاً والدین اولاد کی پیدائش میں واسطہ ہیں نہ کہ اُن کے پیدا کرنے والے، ماں اپنے دودھ سے بچے کی پرورش کرتی ہے لیکن کس دودھ سے؟ اُس دودھ سے جو بچے کے خالق خدائے تعالےٰ نے اُسکی پرورش کے لئے اُسکی ماں کی چھاتیوں میں خون کی حالت کو بدلکر پیدا کیا ہے۔ اور اُسے بچے کی غذا کے لائق بنایا ہے۔ پس ماں کی چھاتیاں دودھ کا خزانہ یا تھیلیاں ہیں۔ اور ماں اُسکی اُٹھانے والی، اِسکی مثال یہ ہے۔ کہ کوئی شخص اشرفیوں کی تھیلی کسی دوسرے کے حوالے کرکے کہے۔ کہ یہ تھیلی فلاں شخص کو پہنچا دو۔ تو آپ مُعطی یا داتا اُس بھیجنے والے شخص کو کہینگے۔ یا اُس اٹھا کر پہنچانیوالے کو؟ اِس میں شک نہیں کہ مُعطی اور داتا وہ بھیجنے والا ہی۔ تھیلی محض اشرفیوں کی حفاظت کے لئے ہے۔ کہ منتشر ہونیکی صورت میں گر نہ جائیں۔ اور وہ اُٹھانیوالا پہنچانے کے لئے واسطہ ہے نہ کہ داتا۔ اِسی طرح خالق و رازق صرف خدائے تعالےٰ ہے۔ اور ماں کی چھاتیاں دودھ کی پیدائش و حفاظت کے لئے خزانہ ہیں۔ کہ دودھ رائگان نہ گر جائے۔ اور ماں درمیان میں واسطہ ہے۔ خدائے حکیم نے اُس کے قلب میں بچے کے حق میں جذبۂ محبت و رحمت اور اُلفت و رِقت پیدا کرکے اُسکی پرورش کا حکم دیدیا اسکے بعد فرمایا

تنزیل من الرحمن الرحیم

الجزء الثالث

من تفسیر الفاتحۃ

النعیم المقیم

فی عواطف

الرحمن الرحیم

اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

(اور) نہایت رحمت والا بہت مہربان

یعنے اللہ تعالیٰ جو مستحقِ ہر حمد ہے۔ وہ ربّ العٰلمین ہونے کے ساتھ رحمٰن و رحیم بھی ہے۔ یہ اختصاصِ حمد کی تیسری دلیل ہے۔ اور اس میں تربیتِ عالم کی وجہ و سِرّ کی طرف اشارہ ہے۔

توضیح اسکی یوں ہے۔ کہ کسی کی تربیت یا تو اسلئے کی جاتی ہے۔ کہ اُس کا سابقاً کوئی استحقاق یا احسان ہو۔ کہ اُسکی ادائگی یا مکافات مقصود ہو۔ یا حال میں اُس کے متعلق کوئی غرض و مطلب ہو۔ یا آئندہ اُس سے کسی نفع کی توقع اور امید ہو۔ یا محض اُسکی بیکسی پر نظر کر کے از راہِ شفقت و رحمت اُسکی پرورش کی جائے پس ربّ العٰلمین کے بعد الرحمٰن الرحیم کہہ کر بتا دیا۔ کہ تربیت عالم کی وجہ سوائے شفقت و رحمت کے دیگر کوئی نہیں ہے۔

اور رحمت اُسی شفقت کو کہتے ہیں جسمیں احسان کی مکافات یا نفع کی توقع کا خیال نہ ہو (راغب ر ح)

اس سے اس سوال کا جواب بھی ہو سکتا ہے کہ سابقاً الرحمٰن الرحیم جب بسم اللہ میں گذر چکا ہے۔ تو اب اُسے دوبارہ کیوں ذکر کیا؟ کیونکہ پہلی دفعہ ابتدا میں تیمّن و تبرّک کیلئے ذاتِ برحق کی الوہیّت و رحمانیت و رحیمیّت کا ذکر کیا اور اب وجوہاتِ محمودیت کے ضمن میں بطورِ علّتِ تربیتِ عالم و اختصاصِ محمودیّت ذکر کیا۔ رحمٰن و رحیم کی لفظی و معنوی بحث سابقاً بسم اللہ کے بیان میں گذر چکی ہے۔

قرآن شریف میں ربوبیت اور رحمت کا اکٹھا ذکر بہت مقامات پر ہے۔ اِس سے صاف ظاہر ہے کہ قرآن شریف میں ربوبیت و رحمت کی مناسبت و ربط کو خاص طور پر ملحوظ رکھا گیا ہے۔ کہ سارا سلسلۂ تربیت محض رحمت کے تقاضے سے ہے۔ کسی کے سابقہ استحقاق یا اُس سے آئندہ کی توقع کی نظر سے نہیں۔ ربوبیت و رحمت میں باہمی مناسبت

چنانچہ ہم بعض مقامات یہاں نقل کرتے ہیں:۔

ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ کی قبولیت کی نسبت فرمایا:۔

(۱) فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّہٖ کَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْہِ اِنَّہٗ ھُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ (پ۱ بقرہ)	پس آدم نے اپنے ربّ سے چند کلمات حاصل کئے تو اُس نے اُسپر رجوع کیا۔ بیشک وہ رجوع کرنیوالا مہربان ہے
(۲) رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ (اعراف پ۸)	(۲) اے ہمارے پروردگار ہمنے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اور اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور ہمپر رحم نہ کیا تو ہم ضرو

زیانکاروں سے ہو جائینگے"

(۲) حضرت نوح علیہ السلام کی دُعا یوں ذکر کی ہے:۔

رَبِّ اِنِّیٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْئَلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَ اِلَّا تَغْفِرْ لِيْ وَ تَرْحَمْنِيْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ (ھود پ ۱۲)

اے میرے مالک و پروردگار بیشک مَیں اِس بات سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ کہ تجھ سے ایسی چیز کا سوال کروں جسکا مجھے علم نہیں ہے۔ واگر تو نے مجھے نہ بخشا اور مجھپر رحم نہ کیا تو مَیں ضرور زیانکاروں سے ہو جاؤں گا۔

(۳) جدّا نبیا حضرت ابراہیمؑ اور اُن کے فرزند حضرت اسمٰعیلؑ کی دُعا یوں بیان فرمائی:۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَ تُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ (پ بقرہ)

اے ہمارے مالک و پروردگار ہمیں اپنا فرمانبردار بنائے رکھنا اور ہماری نسل میں سے بھی ایک جماعت اپنی فرمانبردار بنائے رکھنا) اور ہمیں ہمارے طریق عبادت بھی سکھا اور ہمپر رجوع کئے رکھنا۔ بیشک تو بڑا رجوع کرنے والا اور نہایت مہربان ہے"

(۴) حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کے لئے دُعا کرنے کا وعدہ کیا:۔

قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (یوسف پ ۱۳)

کہا عنقریب مَیں اپنے پروردگار سے تمہارے لئے بخشش مانگونگا، بیشک وہ بہت بخشنہار اور نہایت مہربان ہے

(۵) حضرت یوسفؑ اظہار تواضع وانکساری کے لئے کہتے ہیں:۔

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ ؕ اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (یوسف پ ۱۳)

اور مَیں اپنے نفس کو تو بری نہیں کہتا، کیونکہ نفس (اپنی ذات سے) برائی کا اکثر حکم کرتا ہے۔ مگر وہ (نفس) جسپر میرا ربّ رحم کرے (ایسا نہیں کرتا) بیشک میرا رب بخشنہار (اور) مہربان ہے۔

(۶) حضرت خضر نے یتیموں کی دیوار درست کر دی۔ تو حقیقت بتائی رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ یعنے اے موسٰے یہ تیرے ربّ کی رحمت کی وجہ سے کیا ہے"

(۷) بنی اسرائیل کی نافرمانیوں کی وجہ سے اُن پر زوال وارد کرنے کے سلسلے میں فرمایا:۔

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؕ اِنَّ

اور جب ترے ربّ نے اطلاع دی کہ مَیں ضرور ضرور ان (یہود) پر روزِ قیامت تک ایسے لوگ متسلط

رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ؕ رکھونگا۔ جو اُن کو بُرے سے بُرا عذاب پہنچاتے رہینگے
بیشک تیرا رب بہت جلد سزا دینے والا ہے۔ اور بیشک وہ بڑا بخشنہار (اور) مہربان (بھی) ہے؛

(۸) ذوالقرنین نے یاجوج ماجوج کی روک تھام کے لئے جو دیوار بنائی تو خدا کا شکر کرکے کہا:۔
هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ (کہف پ۱۶) یعنی یہ میرے رب کی رحمت ہے؛

(۹) حضرت شعیبؑ اپنی قوم سے فرماتے ہیں۔ وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ (پ۱۲ ہود) یعنی اپنے پروردگار سے معافی مانگو۔ پھر اُسکی طرف رجوع کرو۔ بیشک میرا رب بہت مہربان (اور) نہایت اُلفت والا ہے؛

(۱۰) حضرت زکریاؑ کو اُن کے بڑھاپے میں اولاد بخشنے کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا:۔ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا (مریم پ۱۶) یعنے یہ تیرے رب کی رحمت کا ذکر ہے۔ اپنے بندے زکریا پر؛

(۱۱) نوعِ انسانی کو زمین میں متصرّف کرنے اور ان میں سے بعض کو بعض پر برتری دینے کا احسان جتایا:۔

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (انعام پ۸)

اور اللہ تو وہ ہے جسنے تمہیں زمین میں مختار بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض پر درجے بلند کئے: کہ تمکو اپنی دین کے متعلق آزمائے، بیشک تیرا رب جلد سزا دینے والا ہے۔ اور بیشک وہ بڑا بخشنہار (اور) مہربان (بھی) ہے

(۱۲) بنی آدم کی آسائش کے لئے دیگر حیوانات کو پیدا کرنے کا احسان جتایا:۔

وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (نحل پ۱۴)

اور وہ (چوپائے) تمہارے بوجھ اُس شہر میں اٹھا کر لیجاتے ہیں جہاں تم سوائے اپنی جانوں کی مشقت کے نہیں پہنچ سکتے، بیشک تمہارا پروردگار بہت ہی شفقت والا (اور) مہربان ہے۔

(۱۳) کشتی دریا میں اور جہاز سمندر میں محض خدا کی رحمت سے چلتے ہیں:۔

رَبُّكُمُ الَّذِيْ يُزْجِيْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا (بنی اسرآئیل پ۱۵)

تمہارا رب تو وہ ہے۔ جو تمہارے لئے دریا میں کشتی چلاتا ہے۔ تاکہ تم اُسکا فضل تلاش کرو۔ بیشک وہ تم پر بہت مہربان ہے

(۱۴) گنہگاروں کی گرفت میں محض تقاضائے ربوبیت و رحمت جلدی نہیں کرتا وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ (کہف پ۱۵) یعنی اے پیغمبرا تیرا پروردگار بخشنہار ہے صاحب رحمت ہے۔

اگر انکو اُن کے کسبوں پر پکڑے تو انپر بہت جلد عذاب نازل کر دے۔

(۱۵) بدنیت منصوبہ بازوں کو ڈرایا۔ دھمکایا۔ کہ منصوبہ بازی کے وقت خدا کے غضب سے ڈرا کرو۔ تم صرف اپنے پروردگار کی رحمت کے سبب بچے رہتے ہو ورنہ تمہارے افعال طرح طرح کے عذاب کے لائق ہیں۔

اَفَاَمِنَ الَّذِیْنَ مَکَرُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ یَّخْسِفَ اللّٰہُ بِھِمُ الْاَرْضَ اَوْ یَاْتِیَھُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَیْثُ لَا یَشْعُرُوْنَ ٥ اَوْ یَاْخُذَھُمْ فِیْ تَقَلُّبِھِمْ فَمَا ھُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ٥ اَوْ یَاْخُذَھُمْ عَلٰی تَخَوُّفٍ فَاِنَّ رَبَّکُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ (نحل پ۱۴)	تو کیا وہ لوگ جو بداندیشیاں کرتے رہتے ہیں اُن کو یہ خوف نہیں کہ خدا اُن کو زمین میں دھسا دیوے۔ یا اُن کو ایسی جگہ سے عذاب آجاوے جہاں سے اُن کو شعور بھی نہ ہو۔ یا اُن کو چلتے پھرتے پکڑ لیوے۔ اور وہ ہرگز عاجز نہ کر سکینگے یا پکڑے اُن کو خوف کی حالت میں

بیشک تمہارا رب بڑا شفقت والا اور مہربان ہے۔

(۱۶) جنتیوں کو جنت میں تحفہ ملے گا۔ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ (یس پ۲۳) یعنی انکو رب رحیم کیطرف سے تحفہ ملیگا سلام۔

اِس مختصر تفصیل سے معلوم ہو گیا۔ کہ توبہ کی قبولیت، خطاؤں کی معافی، اور اُن سے حفاظت قصوروں پر حلم کرنا، انپر پردہ ڈالنا۔ اور اُن سے درگذر کرنا۔ آسائش کے اسباب مہیا کرنا، خشکی اور تری کے سفر کے اسباب دیکر اُن میں کامیاب کرنا۔ مکروہات سے بچانا۔ شرِ اعداء سے محفوظ رکھنا۔ اسباب ترقی کا عطا کرنا۔ درجات کا بلند کرنا اور حکومت بخشنا بیکسوں کی امداد غیبی اسباب سے کرنا، مایوسوں کو اولاد کا بخشنا، قبولیتِ ہدایت کی توفیق عطا کرنا۔ عاقبت میں طرح طرح کی نعمتوں کا بخشنا۔ اور سب سے بڑھکر یہ کہ اپنے دیدار سے مشرف کرنا۔ اور تحفۂ سلام سے نوازنا وغیرہ وغیرہ سب امور سلسلۂ ربوبیت کی کڑیاں ہیں، اور یہ سب کچھ بتقاضائے رحمت ہے، اِن میں نہ تو ذاتِ بے نیاز کے ذمے کسی کا حق ہے اور نہ اُسے کسی سے آیندہ کی کوئی توقع ہے۔

اِن اُمور کی جامع ایک ہی آیت سُن لیجئے۔ جس میں ربوبیت و رحمت کو جمع کیا ہے۔ اور اُس میں یہ ظاہر کیا ہے کہ میری رحمت بھی میرے اپنے وعدے کی وجہ سے ہے نہ کہ کسی اور سبب سے چنانچہ فرمایا:- کَتَبَ رَبُّکُمْ عَلٰی نَفْسِہِ الرَّحْمَۃَ (انعام پ۷) تمہارے رب نے (اپنے وعدے سے) اپنی ذات پر رحمت لازم کر لی ہے۔

مذکورہ بالا سب مقامات پر ربوبیت و رحمت کو باہم ذکر کیا ہے۔ اور اِس طرح کی آیات سے قرآن مجید بھرا پڑا ہے، اِس سے صاف معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ رب العٰلمین کے بعد الرحمٰن الرحیم کا ذکر یونہی اتفاقی طور پر نہیں۔ بلکہ اِن دونوں میں کمال مناسبت کے لحاظ سے قصداً و ارادۃً کیا ہے۔

پس ایسا بے غرض رحمٰن و رحیم رب العلمین واقعی ہر طرح کی حمد و ستائش کے لائق ہے۔ درحقیقۃً وہی کا مالک ہے۔ قرآن شریف میں اسمائے رحمٰن و رحیم جدا جدا بھی بہت جگہ وارد ہیں۔ اور اکٹھے بھی، اور سب الگ الگ مقاصد کے لئے ہیں۔ اِن مقاصد سے اسم رحمٰن کی مناسبت ظاہر کرنے کے لئے ہم لفظ "رحمتِ عامہ" استعمال کرینگے جو اسم رحمٰن کا تقاضا ہے۔ اور اسم رحیم کے لئے "رحمتِ خاصہ" جیسا کہ سابقاً گذر چکا۔

سو معلوم ہوا کہ بسم اللہ شریف میں رحمتِ عامہ و رحمتِ خاصہ کا ذکر خداوند تعالیٰ کے اسم پاک کے یمن و برکت کے اظہار کے لئے ہے۔ اور یہ بات محتاجِ بیان نہیں۔ کیونکہ اگر ذاتِ حق رحمٰن و رحیم نہ ہو تو اُس کے اسم کی برکت کے کیا معنے؟ پس اُسکا رحمٰن و رحیم ہونا اُس کے اسم کے بایمن و برکت ہونے کی دلیل ہے چنانچہ سورہ الرحمٰن پ۲۷ میں فرمایا:۔

تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِی الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ یعنی "بہت بابرکت ہے نام تیرے پروردگار کا جو صاحب جلال و بزرگی کا ہے"۔

(۲) دوسرا موقع یہی آیت الرحمٰن الرحیم ہے جسکی تفسیر ہو رہی ہے۔ اسجگہ اِس مقصد کے لئے ہے۔ کہ خداوند تعالےٰ ہی مستحق حمد ہے۔ اِس لئے بھی کہ وہ اَللّٰہ ہے۔ اور اِس لئے بھی کہ وہ ربّ العلمین ہے۔ اور اِس لئے بھی کہ جملہ عالمین کی تربیت بغیر سابقہ استحقاق کے محض اپنی رحمت سے کر رہا ہے۔ اور اِس سلسلۂ تربیت کی دو شاخیں ہیں۔ اوّل پیدا کرنے کے بعد جملہ مناسب اسبابِ تربیت سے نوازنا تا کہ وہ اپنے کمال کو پہنچکر اپنے خالق کی معرفت حاصل کرنے کے بعد اُسکی امانت یعنے احکامِ شرعیہ کے حامل ہو سکیں اور جب وہ اُس کے اوامر کو اُسکی منشا کے مطابق بجا لائیں۔ تو اُن کی سعی و طاعت کو ضائع و رائگان نہ گنوائے اور بے ثمر و بے نتیجہ نہ کرے۔ بلکہ اپنی خصوصی مہربانی سے قبول فرمائے اور اُنپر نیک جزا عطا کرے۔ اِسی لئے اِس کے بعد مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ فرمایا اور اُسمیں دِیْن یعنے جزا کا ذکر کیا، اور ذکر رحمت کے بعد جزا کی مالکیت بھی اپنے ہی لئے مخصوص رکھی، اکہ عمل کرنیوالے کو حوصلہ ہے۔ کہ روز جزا میں جزا کا عطا کرنا کسی ظالم و غاصب کے ہاتھ میں نہیں ہوگا۔ بلکہ رحمٰن و رحیم خداوند تعالیٰ کے ہاتھ میں ہوگا۔ پس ایسی ذات واقعی ہر حمد کی مستحق ہے

(۳) تیسرا موقع سورۂ بقرہ پ۲ میں ہے۔

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ (پ۲ البقرہ)	معبود تمہارا معبود برحق، بس ایک ہی ہے۔ اُس کے سوا کوئی بھی لائق پرستش نہیں، (وہ) رحمٰن و رحیم ہے،

اِسجگہ رحمتِ عامہ و رحمتِ خاصہ کا ذکر اثباتِ توحید کے لئے ہے۔ اوّل تو یہ بات کلمۂ توحید کے ذکر سے ظاہر ہے دوم یہ کہ اِس کے بعد اس کے دلائل کے بیان میں فرمایا:۔

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ	بیشک آسمان و زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن

وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ
النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَاءٍ
فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا
مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ
بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (پ۲)

کی آمد و شد میں، اور کشتیوں اور جہازوں میں جو سمندروں اور دریاؤں میں لوگوں کے فائدے کی اشیاء لے کر چلتے ہیں۔ اور مینہ میں جسے اللہ آسمان (کی طرف) سے برساتا ہے۔ پھر اس کے ذریعے سے زمین کو اس کے مرے پیچھے زندہ کر دیتا ہے۔ اور ہر قسم کے جانوروں میں جو خدا نے زمین پر پھیلا رکھے ہیں۔ اور ہواؤں کے اِدھر اُدھر پھیرنے میں اور بادلوں میں جو آسمان و زمین میں گھرے رہتے ہیں۔ اُن لوگوں کے لئے جو عقل رکھتے ہیں بہتیرے نشانات ہیں۔

یہ سب وہ نشاناتِ قدرت ہیں جو ذاتِ حق کے موجود ہونے، اس کے واحد لاشریک ہونے، تدبیر و تصرفِ عالم میں متفرد ہونے، اور اس کے رحمٰن و رحیم ہونے کے دلائل ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اِلٰہ العٰلمین ہونا چاہیے جو رحمٰن و رحیم ہو۔ تاکہ اس کے احسانوں کے سامنے طاعت کی گردنیں جھک سکیں، اسی بنا پر حضرت ہارون علیہ السلام نے اپنی قوم کو گوسالہ پرستی سے منع کرتے وقت یوں کہا تھا۔ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ یعنے تحقیق تمہارا رب تو رحمٰن ہے۔ (اس گوسالہ میں یہ وصف کہاں ہے۔)

اسی جنس سے سورۂ حشر پ۲۸ میں بسلسلۂ ذکر اسمائے حسنٰی الوہیت میں متفرد ہونے کے ذکر میں فرمایا:۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَ
الشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيمُ (حشر پ۲۸)

وہ اللہ ایسا ہے کہ اسکے سوا کوئی دوسرا لائق عبادت نہیں (وہ) پوشیدہ اور ظاہر دونوں کو برابر جاننے والا ہے (اور) وہ بڑی رحمت والا اور نہایت مہربان ہے۔

(۴) چوتھا موقع سورہ حٰم سجدہ میں ہے:۔

حٰمٓ تَنْزِيلٌ مِنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ كِتَابٌ
فُصِّلَتْ آيَاتُهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ
بَشِيرًا وَنَذِيرًا (پ۲۴)

حٰمٓ (خدائے) رحمٰن و رحیم کی طرف سے اُتاری ہوئی کتاب ہے کہ جدا جدا کی ہوئی ہیں اسکی آیتیں، قرآن ہے فصیح عربی زبان کا حقیقت شناس لوگوں کے لئے خوشخبری سناتا اور خطرات سے آگاہ کرتا۔

اسجگہ ان اسماء کو بسلسلۂ تنزیل قرآن ذکر کرکے ظاہر کیا کہ قرآن شریف کا نازل کرنا سلسلۂ رحمت کی ایک مضبوط کڑی ہے کہ جس طرح جسمانی سلسلۂ پیدائش میں اسکی رحمتِ عامہ و رحمتِ خاصہ جلوہ گر ہے۔

اور اِس سِلسلۂ کی رحمت کی وابستگی آفتابِ عالمتاب اور بارانِ رحمت سے ہے۔ اِسی طرح روحانی اور اخلاقی سِلسلہ کی وابستگی سراجًا منیرًا پیغمبر (فداہ روحی) اور چشمۂ ہدایت و خزانۂ رحمت قرآن شریف سے ہے۔ اور یہ اُسکی کمال مہربانی ہے۔ کہ اپنی رحمانیت و رحیمیت کے تقاضے سے دونوں نظاموں کو ساتھ ساتھ رکھا ہے:

قرآن شریف کو بہت مقامات پر رحمۃ کے ممتاز لقب سے ذکر کیا ہے۔ اور اِس کے نازل کرنے اور تعلیم کرنے کو اپنی رحمانیت اور رحیمیت کا تقاضا قرار دیا ہے چنانچہ بعض مقامات یہ ہیں:

(۱) هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ (جاثیہ پ ۲۵)

(۱) یہ (قرآن) سوجھ کی باتیں ہے۔ تمہارے رب کی طرف سے اور ایماندار لوگوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔

(۲) يٰاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (یونس پ ۱۱)

(۲) اے لوگو! تمکو تمہارے پروردگار کی طرف سے نصیحت آچکی ہے۔ اور (وہ) شفا (بھی ہے) اُس کی جو سینوں میں ہے۔ اور ایمانداروں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔

(۳) وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ (نحل پ ۱۴)

(۳) اور (اے پیغمبر!) ہمنے تجھپر یہ کتاب (دینی ضرورت کی) ہر شئے کا واضح بیان سنانے کے لئے نازل کی ہے اور (وہ) فرمانبرداروں کے لئے ہدایت اور رحمت اور بشارت ہے۔

(۴) الٓمّٓ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۙ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ (لقمان پ ۲۱)

(۴) الٓمٓ۔ یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں نیکوکاروں کی ہدایت و رحمت کے لئے۔

اور قرآن شریف کے نازل کرنے اور آنحضرت صلعم کو تعلیم کرنے کی نسبت فرمایا:-

(۱) يٰسٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۙ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۙ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۭ تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ (یٰس پ ۲۲) یٰس۔ حکمت والے قرآن کی قسم ہے۔ کہ بیشک تو (خدا کے) مرسلوں میں سے ہے۔ (اور) سیدھی راہ پر ہے۔ (یہ قرآن) نہایت زبردست، بہت رحمت والے (خدا) کی طرف سے نازل شدہ ہے۔

(۲) اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ (الرحمٰن پ ۲۷) رحمٰن نے قرآن سکھایا ہے۔

الغرض اِس عالم میں جسمانی و روحانی تربیت اور نیک اعمال پر جزائے عاقبت، سب کچھ بتقاضائے رحمانیت و رحیمیت ہے۔ اور قرآن شریف میں ہر موقع پر اسے خصوصیت سے ملحوظ رکھا گیا ہے۔

نکتہ:- اسمائے رحمٰن و رحیم کو اسم اللہ کے بعد کیوں ذکر کیا؟ **جواب:** ہم سابقًا بسم اللہ شریف کی تفسیر میں کہہ

ذکر کر آئے ہیں۔ کہ اسم اللہ ذاتِ حق کا ذاتی نام ہے۔ اور جملہ دیگر اسمار صفاتی ہیں۔ ذات موصوف ہوتی ہے صفت نہیں ہوتی۔ اسی لئے تمام قرآن شریف میں اسم اللہ موصوف ہی واقع ہوا ہے۔ صفت واقع نہیں ہوا۔ اور عربی زبان میں موصوف کو پہلے لاتے ہیں۔ اور صفت کو پیچھے۔ مثلاً رَجُلٌ کَرِیْمٌ کہینگے (مردِ سخی)، اور کَرِیْمٌ رَجُلٌ نہیں کہینگے اسی لئے صفت (نعت) کو توابع میں شمار کرتے ہیں۔ کیونکہ اس کا اعراب وغیرہ موصوف کے تابع ہوتا ہے۔ دیگر یہ کہ عقل کا تقاضا بھی یہی ہے۔ کہ موصوف پہلے ہو۔ اور اس کی صفت پیچھے۔ کیونکہ صفت کا قیام موصوف سے ہوتا ہے +

اسمائے رحمٰن و رحیم کے متعلق ایک مجرب و مسنون دعا

حدیث پاک میں وارد ہے۔ کہ جو شخص قرض سے دب جائے۔ وہ یہ دعا پڑھا کرے +

اَللّٰهُمَّ فَارِجَ الْهَمِّ كَاشِفَ الْغَمِّ مُجِيْبَ دَعْوَةِ الْمُضْطَرِّيْنَ رَحْمٰنَ الدُّنْيَا وَرَحِيْمَهَا اَنْتَ تَرْحَمُنِيْ فَارْحَمْنِيْ بِرَحْمَةٍ تُغْنِيْنِيْ بِهَا عَنْ رَّحْمَةِ مَنْ سِوَاكَ (حصن حصین یوسفی ملا)

اے اللہ جو تو فکر کا کھولنے والا۔ اور غم کا دور کرنے والا۔ اور بیقراروں کی دعا کا قبول کرنے والا۔ دنیا میں رحمٰن و رحیم ہے۔ تو ہی مجھ پر رحمت کر سکتا ہے۔ پس مجھ پر ایسی رحمت کر کہ تو مجھے اس سے دیگروں کی رحمت سے مستغنی کر دے۔

رحمت اور محبت قرآن شریف میں رحمت اور محبت ہر دو امر خدا تعالٰے کی طرف منسوب ہیں۔ اور کثرت سے ہیں لیکن سورت فاتحہ میں صرف رحمت کو اختیار کیا ہے۔ اور محبت کا ذکر نہیں کیا۔

اِس کی وجہ یہ ہے۔ کہ رحمت و محبت میں فرق ہے۔ رحمت محض فیضان بلا عوض اور احسان ہے۔ اور محبت میں قابلیتِ محل کا لحاظ ہوتا ہے۔ مثلاً وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ (جاثیہ ۲۵پ)، وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (آل عمران ۴پ) اور اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ (۲پ)، وغیرہا من الآیات، علمائے اصول کہتے ہیں۔ تعلیق الحکم بالوصف یدل علیٰ علیۃ ذالک الوصف لذالک الحکم۔ یعنی جب کسی حکم کو کسی وصف کے متعلق کیا جائے۔ تو وہ وصف اس حکم کی علت ہوتا ہے،

پس ان آیات اور ایسی قسم کی دیگر آیات میں تقوٰی۔ احسان، توبہ اور طہارت وغیرہ امور جو الفاظ مُتَّقِيْنَ۔ مُحْسِنِيْنَ، تَوَّابِيْنَ اور مُتَطَهِّرِيْنَ کے ضمن میں مذکور ہیں۔ سب محبت الٰہی کے محل ہیں۔

قرآن شریف میں نیک اعمال کی ترغیب میں یہی پیرایہ اختیار کیا گیا ہے۔ اور یہ انسانی فطرت میں نہایت ہی مؤثر طریق ہے۔ کیونکہ خدا کے محبوب بننے کی خواہش و تمنا ہر نفس میں فطری طور پر ہے۔ اور سب ریاضتوں اور عباداتِ مالیہ و بدنیہ کی غرض و غایت یہی ہے۔ کہ انسان خدا کی درگاہ میں مقبول ہو کر اُس کا محبوب بن جائے۔ آمین،

اِس کے مقابلے میں بُرے عقائد و اعمال سے نفرت دلانے کے لئے بھی اُن اعمال اور اُن کے عاملوں کی نسبت فرمایا وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ (۲پ)، وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ (مائدہ ۶پ)، فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ (آل عمران ۳پ)، اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ (نحل ۱۴پ)، وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ (آل عمران ۴پ)، اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا (النساء ۵پ)، اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا (النساء ۵پ)، فساد۔ کفر۔ تکبر، ظلم، فخر۔ خیانت اور گناہگاری۔ وغیرہ وغیرہ امور جو ان آیات کے ضمن میں مذکور ہیں۔ خدائے تعالٰی کو سخت ناپسند ہیں۔

رحمت اور محبت میں دوسرا فرق یہ ہے۔ کہ رابطۂ محبت۔ ذاتِ حق اور بندے ہر دو میں دونوں کی طرف منسوب ہو سکتا ہے اور واقعہ میں بھی ایسا ہی ہے۔ یعنے خدا تعالٰے بھی نیکوں کو محبت کرتا ہے۔ اور نیک لوگ بھی خدا تعالٰے کو محبت کرتے ہیں چنانچہ فرمایا: يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ (مائدہ ۶پ)، یعنے خدا تعالٰے اُن کو اور وہ اسکو محبت کرتے ہیں۔ لیکن رحمت صرف اکیلے خدا تعالٰے کی طرف نسبت ہو سکتی ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ بندے کی طرف منسوب ہو کر ذاتِ حق پر اسکا اثر پڑتا ہو۔ یعنے یہ کہ بندہ خدا تعالٰے پر رحمت کرے

اِن دونوں نکتوں سے معلوم ہوسکتا ہے۔ کہ رحمت اصل اور منبع ہے۔ اور محبت اُسکی فرع ہے۔ پس اِسی وجہ سے سورتِ فاتحہ میں جو ام القرآن ہے۔ اِسی وصف رحمت کا ذکر ہے۔ جو اصل ہے۔ اور محبت کے ذِکر کو اُس کے موقع و محل کے لئے چھوڑ دیا۔

رحمانیّت و رحیمیّت کا تعلق آیتِ سابقہ و لاحقہ سے

اللہ ربّ العٰلمین کی پرورش کے لوازم میں سے دو قسم کی رحمت ہے۔ ایک وہ جو عین حالتِ پرورش میں ہوتی ہے۔ کہ اگر وہ نہ ہو تو پرورش متصوّر نہیں ہوسکتی۔ اور اُسکی حقیقت و صورت یہ ہے۔ کہ پیدا کرنے کے بعد باب تربیت میں جو کچھ اُس کے لئے مناسب ہے۔ اور جو کچھ نامناسب ہے۔ اُسے ملحوظ رکھا جائے۔ تاکہ وہ اُس کمال کو پہنچ سکے۔ جو اُس کے خالق کے علم میں مقدّر ہے۔ اِس قسم کی رحمت رحمانیت کے متعلق ہے۔ کہ اِس سے ہر نیک و بد شاکر و کافر، مطیع و عاصی بہرہ ور ہے!

دیگر رحمت یہ ہے۔ کہ کمال پر پہنچانے کے بعد اُس کمال کو رائگان نہ جانے دے۔ بلکہ اُسے نفع بخش بنائے۔ اور باثمر کرکے قائم رکھے۔ مثلاً ایک شخص باغ لگاتا ہے۔ اور اُس کی ہر طرح کی نگہداشت و پرورش کرتا ہے۔ حتےٰ کہ وہ باغ اپنے کمال کو پہنچ جاتا ہے۔ اور اپنی بہار پر خوب پھلتا اور پھولتا ہے۔ لیکن وہ باغبان اُن پھلوں کو کسی کام میں نہیں لاتا۔ اور اُن کا نفع کِسی صورت میں بھی قائم نہیں رکھتا۔ بلکہ سب پھل گل سڑ کر یا خشک ہو کر زمین پر گر کر رائگان جاتے ہیں۔ تو کیا آپ اُس باغبان کی دانائی کی تعریف کریںگے۔ اور اُسے قابلِ ستائش جانیں گے۔ ہرگز نہیں۔

پس اِسی طرح سمجھ لیجئے کہ اللہ ربّ العٰلمین نے اپنی رحمانیت سے اِس باغ کو پیدا کیا۔ اور ہر طرح کی مناسب پرورش و نگہداشت سے اُسے کمال پر پہنچایا۔ اور اُسے اُس کی بہار پر لایا۔ اِس کے بعد کیسے ہوسکتا ہے۔ کہ اُسے رائگان گنوا دے۔ ہرگز نہیں۔ اِسی مطلب کے لئے متعدّد جگہ فرمایا۔ کہ ہمنے زمین و آسمان اور اُن کی درمیانی اشیاء کو عبث و بیکار نہیں بنایا۔ اللہ تعالےٰ کھیل و بیکاری کے شغل اور فعلِ عبث سے پاک اور برتر ہے۔ (سورت آلِ عمران پ۴، نیز سورتِ انبیاء پ۱۷، نیز سورتِ مومنون پ۱۸۔ نیز صٓ پ۲۳) بلکہ وہ مہربان خدا انسان کی نیک سعی کو باثمر کرنے کے لئے دوسرے عالم میں اسپر نیک جزا مترتب کرے گا۔ کہ نیک سعی کرنے والے انسان کے حق میں اُسکا نفع دائم قائم کرے (اسی لئے عالمِ عاقبت دائمی ہوگا۔ فانی نہیں ہوگا) اور یہ قسم رحمت اسم رحیم کے متعلق ہے۔ اِس لئے تربیتِ عالمین اور رحمانیت و رحیمیت کے ذِکر کے بعد روزِ جزا کا ذکر کیا اور فرمایا:۔

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ

(اور) روزِ جزا کا مالک و حاکم ہے

اَلْمُلْکُ یَوْمَئِذٍ لِّلّٰہِ ط

اَلْجُزْءُ الرَّابِعُ

من تفسیر الفاتحۃ

اَلْحَقُّ الْیَقِیْنُ

فِی تَفْسِیْرِ قولہٖ تعالیٰ

مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۝ط

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝

(اور) روزِ جزا کا حاکم و مالک ہے،

یعنی سزاوارِ حمد خداوند تعالےٰ، ربّ العٰلمین، الرحمٰن الرحیم ہونے کے ساتھ جزا کے دِن کا مالک بھی ہے۔ یہ چوتھی صفت ہے۔ اَللّٰہِ کی، اور یہ چاروں انفراداً و اجتماعاً بہر دو طرح مثبت ہیں اختصاصِ حمد کی ذاتِ برحق کیلئے، پہلی تین کا بیان تو ہوچکا اب اِس چوتھی کا بیان یوں ہے۔ کہ نیک اعمال پر نیک جزا دینے میں تو لائقِ حمد ہونا ظاہر ہے۔ جزا حاصل کنندہ جزا دہندہ کی تعریف کے گیت گایا ہی کرتا ہے۔ لیکن بُرے اعمال پر بُری جزا نہ ہو تو شاکر و کافر مطیع و عاصی محسن و مسیئ نیکوکار و بدکار، پرہیزگار و بدلگام، بلکہ خود نیکی بدی ہیں کوئی تمیز نہ رہے۔ اِسی امتیاز کا نام انصاف ہے۔ اور یہ قابلِ حمد و ستائش ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ اسجگہ دین کے معنے انصاف کے کرکے اس آیت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں "انصاف کے دن کا مالک"

قرآن شریف میں اس امتیاز کی بہت سی آیات ہیں۔ لیکن ہم چار مواقع کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں سورۃ جاثیہ میں فرمایا۔

(۱) اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَاۗءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ (پ۲۵)	کیا وہ لوگ جو کوشش سے بُرائیاں کرتے رہتے ہیں وہ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ ہم اُنکو مثل اُن لوگوں کی کردینگے جو ایمان لائے اور اُنہوں نے نیک اعمال بھی کئے کہ

اُنکا جینا اور مرنا ایک سا ہوجائیگا، یہ لوگ بہت بُری رائے قائم کر بیٹھے ہیں۔

اِسی طرح سورہ نٓ میں فرمایا۔

(۲) اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ۝ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ (نٓ پ۲۹)	تو کیا ہم تابعداروں کو جرائم پیشہ لوگوں کی طرح کردینگے تمہیں کیا ہوگیا؟ تم کیسی رائے قائم کرتے ہو۔

(۳) اِسی طرح سورہ صٓ میں اُن لوگوں کے جواب میں جو کارخانۂ زمین و آسمان کو عبث و بیکار اور بے نتیجہ خیال کرتے ہیں۔ نہایت زوردار الفاظ میں فرمایا۔

اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ (صٓ پ۲۳)	کیا ہم کردینگے اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور اُنہوں نے نیک عمل کئے۔ مثل اُنکی جو زمین میں فساد مچاتے ہیں۔

یا ہم کر دینگے پرہیزگاروں کو مانند بدکرداروں کی؟

(۴) اسی طرح قیامت کے دن نیکوں اور بدوں میں جزا سزا کا جو امتیاز ہوگا۔ اسکی تصریح میں فرمایا:-

فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ إِنَّ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِي شُغُلٍ فَاكِهُونَ ۝ هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ فِي ظِلَالٍ عَلَى الْأَرَائِكِ مُتَّكِئُونَ ۝ لَهُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَلَهُمْ مَا يَدَّعُونَ ۝ سَلَامٌ قَوْلًا مِنْ رَبٍّ رَحِيمٍ ۝ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ ۝ أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ۝ وَأَنِ اعْبُدُونِي هَٰذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ۝ وَلَقَدْ أَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيرًا أَفَلَمْ تَكُونُوا تَعْقِلُونَ ۝ هَٰذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ۝ اصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ (یٰس پ ۲۳)

پس آج کسی جان پر کچھ بھی ظلم نہیں ہوگا۔ اور تم ہی جزا پاؤ گے جو تم کرتے رہے۔ بیشک جنتی لوگ اس روز (خوب) مزے میں جی بہلا رہے ہونگے۔ وہ اور اُنکی (نیک پاک) بیبیاں (گاڑھے) سایوں میں تختوں پر تکیے لگائے (بیٹھے) ہونگے۔ بہشت میں اُن کے لئے میوے (تو موجود ہی) ہونگے۔ اور واسطے اُن کے وہ بھی ہوگا جو وہ (اُسکے علاوہ) طلب کرینگے۔ (سب سے بڑھکر) کہ اُن کو ربِ رحیم اپنی طرف سے سلام کہلا بھیجیگا۔ اور (مجرموں سے کہا جائے گا) کہ اے مجرمو! تم آج الگ ہو جاؤ۔ اے اولادِ آدم کیا مَیں نے تم کو تاکیدی حکم نہیں دیا تھا۔ کہ شیطان کی پرستش نہ کرنا۔ کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اور یہ بھی کہ صرف میری ہی عبادت کرنا، سیدھی راہ یہی ہے۔ وہ تم میں سے پہلے اکثر لوگوں کو گمراہ کر چکا تھا۔ تو کیا تم عقل نہ رکھتے تھے۔ یہ وہ جہنم ہے۔ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا آج اپنے کفر کی وجہ سے اُسی میں داخل ہو جاؤ۔

غرض جب نیکی اور بدی کے نتائج مختلف ہیں۔ تو نیکوں اور بدوں کے انجام بھی ایک جیسے نہیں ہوسکتے پس اس امتیاز کو قائم کرنے کا نام انصاف ہے اور انصاف موجب ستائش ہے۔

دیگر یہ کہ ذاتِ برحق ہر دو جہان میں لائق حمد ہے۔ اور حمد اُسی سے مخصوص ہے، چنانچہ فرمایا:-

(۱) وَهُوَ اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولَىٰ وَالْآخِرَةِ وَلَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ (قصص پ ۲۰)

(۱) اور وہ اللہ ہے اُس کے سوائے کوئی دیگر لائق عبادت نہیں دُنیا اور آخرت میں وہی حمد کا مالک ہے اور (ہر جگہ) اسی کا حکم ہے۔ اور تم (سب) اُسی کیطرف لوٹائے جاؤ گے۔

(۲) اور خاص آخرت کے متعلق فرمایا:-

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَةِ ؕ وَهُوَ الْحَکِیْمُ الْخَبِیْرُ (سبا پ ۲۲)

ہر طرح کی حمد کا مستحق اللہ ہے۔ جسکی ملک میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور آخرت میں بھی وہی حمد کے لائق ہے اور وہ بڑا باحکمت (اور ہر شے سے) خبردار ہے۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عرصات (میدانِ محشر) میں شفاعت کا اذن حاصل کرنے کے لئے مقام محمود میں خدا کی جو حمد پکارینگے، اُس کی نسبت آپ نے فرمایا:-

فاقع ساجدًا لربی ثم یفتح اللہ علیّ من محامدہ وحسن الثناء علیہ شیئًا لم یفتحہ علی احد قبلی (م) فاثنی علی ربی بثناء وتحمید یعلمنیہ

پس میں اپنے رب کے سامنے سجدہ میں گر پڑونگا۔ پھر اللہ مجھ پر اپنی حمد وثنا کے ایسے دروازے کھولیگا جو مجھسے پیشتر کسی اور پر نہیں کھولے ہونگے پس میں اپنے رب کی وہ حمد وثنا کہونگا جو وہ مجھے خود سکھائے گا۔

(۵) حمد کا جھنڈا آپ کے دست مبارک میں دیا جائیگا۔ اور تمام انبیاء اور دیگر صالحین اُس جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ چنانچہ فرمایا:-

وانا حامل لواء الحمد یوم القیمة تحته اٰدم فمن دونه (مشکوۃ)

قیامت کے دن حمد کا جھنڈا اٹھانے والا میں ہونگا۔ اور آدم اور اُس کے سوا دیگر (انبیاء سب) اُس کے نیچے ہونگے۔

(۶) جنتیوں اور دوزخیوں کے فیصلے کے بعد تمام جنتی اور فرشتے حمد الٰہی پکارینگے۔

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَیْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ۝ وَتَرَى الْمَلٰٓئِکَةَ حَآفِّیْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَقُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِیْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (زمر پ ۲۴)

اور وہ کہینگے کہ ہر طرح کی حمد کا مستحق اللہ ہے۔ جسنے ہم سے اپنا وعدہ سچا کر دیا۔ اور ہمکو اس زمین (جنت) کا وارث بنا دیا۔ کہ ہم جنت میں سے جہاں چاہتے ہیں ٹھکانا بنا سکتے ہیں کیا خوب اجر ہے عمل کرنیوالوں کا۔ اور تو دیکھیگا فرشتوں کو کہ گھیرا ڈالے عرش کے گرد۔ اپنے رب کی حمد کیساتھ اسکی تسبیح کرتے ہونگے۔ اور اُن میں حق حق فیصلہ کیا جائیگا۔ اور کہا جائیگا ہر طرح کی حمد لائق اللہ کے ہے جو سب جہانوں کا پروردگار ہے۔

(۷) جنتی جنت میں حمد الٰہی کرینگے:-

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْۤ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَکُوْرُ ۙ الَّذِیْۤ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ (فاطر پ ۲۲)

اور کہینگے ہر طرح کی تعریف کے لائق اللہ ہے جسنے ہمارا غم وفکر دور کر دیا۔ بیشک ہمارا رب بخشنہار قدردان ہے۔ جسنے ہمکو اپنے فضل سے اس دار الاقامت (rest house) میں اُتارا۔

(۸) دَعْوٰهُمْ فِیْهَا سُبْحٰنَکَ اللّٰهُمَّ وَتَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا

جنت میں اُن کی دعا ہوگی سبحٰنک اللّٰھم یعنے اے اللہ تو پاک ذات ہے

سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (یونس پ۱۱)	اور اُنکا تحفہ (ملاقات) سلام ہوگا۔ اور انکی دعا کا خاتمہ ہوگا الحمد للہ رب العالمین یعنے ہر طرح کی تعریف کے لائق اللہ ہے جو سب جہانوں کا مالک و پروردگار ہے

غرض روزِ جزا میں خدا کی حمد بیش از بیش ہوگی۔ لہٰذا روزِ جزا کی مالکیت کو بھی وجوہاتِ اختصاصِ حمد میں شمار کرنا نہایت موزون اور باموقع ہے۔ و للّٰہ الحمد علیٰ ھذہ النکتۃ اللطیفۃ

لطیفہ عجیبہ مرزائے قادیانی بھی عجب لطف کے بندے تھے۔ آیاتِ قرآنیہ کو توڑ مروڑ کر کسی نہ کسی طرح اپنے حق میں اُتار لیتے تھے۔ چنانچہ آیت لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ (قصص پ۲۰) کے متعلق فرماتے ہیں۔ کہ اِس میں دو احمدوں کی طرف اشارہ ہے۔ ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم احمد مجتبےٰ اور دوسرے خود بدولت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی (ملخص اعجاز المسیح ص۱۳۴/۱۳۶) اوّل تو یہ سخن ابن دیکھئے کہ کہاں یہ مضمون کہ دنیا و عاقبت ہر دو جہان میں مالک حمد و ثنا صرف ذاتِ حق ہے۔ اور کہاں دو احمدوں کی ہستی دیگر یہ کہ آقا بھی "احمد" اور گستاخ غلام بھی "احمد" گویا غلامی کی نسبت درمیان سے جاتی رہی اور آقا و غلام میں کوئی امتیاز باقی نہ رہا۔ اعاذنا اللہ من ھذہ الخرافات۔

دیگر یہ کہ ملکیت (بادشاہت) کے رُو سے بھی خدا تعالےٰ لائق حمد ہے۔ کیونکہ یہ اُسکی خاص صفت ہے جیسا کہ ابھی انشاء اللہ مذکور ہوگا۔ اور بادشاہ ہونے پر لائق حمد ہونا قرآن شریف میں دوسرے موقع پر بھی مذکور ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ۖ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (تغابن پ۲۸)	اُسی کی بادشاہی ہے اور وُہی حمد کے لائق ہے، اور وہ ہر شے پر قادر ہے،

(۲) اور سورت ملک کے شروع میں فرمایا:۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ (پ۲۹ ملک)	یعنی وہ ذات جسکے قبضے میں بادشاہی ہے بہت ہی بابرکت ہے۔ اور وہ ہر شئے پر قادر ہے۔ اِس آیت میں

گو لفظِ حمد نہیں ہے لیکن چونکہ تبارک ستائش و تعریف کا کلمہ ہے۔ اسلئے ہمنے اسجگہ اُسے بھی نقل کر دیا ہے۔

سات سورتیں کلمۂ تسبیح سے شروع ہوتی ہیں۔ اور پانچ الحمد سے اور دو تبارک سے۔ پس انکا مجموعہ بھی سات ہوگیا۔

(۳) سورت بنی اسرائیل کے خاتمے پر فرمایا:۔

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا (پ۱۵)	اور کہہ تو ہر طرح کی تعریف کے لائق اللہ ہے جسنے کوئی متبنےٰ نہیں بنایا اور نہ بادشاہی میں کوئی اُسکا شریک ہے۔ اور نہ کمزوری کی وجہ سے اُسکا کوئی مددگار ہے۔ اور اُسی کی بڑائی بیان کرتا رہو۔

پس مالکِ یومِ الدین کی دوسری قرارت ملکِ یومِ الدین کی بنا پر ملکیت (بادشاہت) بھی وجوہاتِ اختصاصِ حمد میں سے ہے۔ کیونکہ بادشاہ ہونا بھی موجبِ ستائش ہے۔

اِسی اختصاص کی وجہ سے کہ بادشاہی حقیقت میں خدا تعالیٰ کی صفت ہے۔ خدا تعالیٰ کو بادشاہِ حقیقی کہتے ہیں اور دنیوی بادشاہوں کو بادشاہ مجازی اور اِسی اختصاصِ نسبت کی وجہ سے قرآن شریف کی مذکورہ بالا آیات میں سے نمبر اوّل کی آیت میں لَهُ الْمُلْكُ۔ لَهُ کو مقدم کیا گیا۔ اور اِسی امر کو آیت نمبر ۳ میں حکمِ تحمید کے بعد لَمْ یَكُنْ لَّهُ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ کے الفاظ میں واضح کر دیا گیا کہ مُلک (بادشاہت) میں اُسکا ساجھی و شریک کوئی نہیں۔ پس اسوجہ سے بھی حمد صرف اُسی سے مختص رہی۔

(۴) آیت قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ میں مُلک کو مالک کی طرف مُضاف کر کے اور کسی کو عطا کرنا (جیسے بچہ سقاؤ کو اور نادر خان ایک جرنیل کو اور اِسی طرح مصطفےٰ کمال پاشا کو) اور کسی سے چھین لینا (جیسے شاہ امان اللہ خان سے اور سلطانِ عبدالحمید اور سلطان عبدالمجید سے) ظاہر کر کے اُسی شانِ تفردِ بالملکیت کو نمایاں کیا ہے،

ارتباط مذکورہ بالا بیان حمد اور مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ کے تعلق کی نسبت تھا۔ اب الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ کے ربط کے متعلق ملاحظہ فرمائیے:۔

سابقاً آپ ربّ العلمین کے ضمن میں (صـ۱۰۳) پڑھ آئے ہیں کہ اللہ ربّ العلمین کی شان اِس سے بلند ہے۔ کہ زمین و آسمان اور اُنکی درمیانی اشیاء کا اتنا بڑا سلسلہ کھڑا کرے اور دن رات اُن کی حفاظت و تربیت بھی کرتا رہے۔ اور اُس کا انجام یہ ہو کہ وہ عبث و بے نتیجہ ہو کر ایک بیکاری کا شغل ہو جائے۔ چنانچہ فرمایا۔ کہ جن لوگوں نے اپنی زندگی غفلت و جہالتِ کفران و معصیت میں گذاری قیامت کے دِن اعمال کی جزاء کے وقت اُن سے کہا جائے گا۔

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ط (مومنون پ۱۸)	تو کیا تم نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ ہم نے تمکو عبث و بیکار پیدا کیا ہے اور نیز یہ کہ تم ہماری طرف لوٹ کر نہ آؤ گے پس اللہ سچا بادشاہ اس سے بہت بلند ہے

(۲) اور آپ یہ بھی پڑھ آئے ہیں (صـ۱۳۲) کہ شاکر و کافر۔ مطیع و عاصی، محسن و مسیئ (نیکوکار و بدکار) میں امتیاز اور مظلوم کی دادرسی، حقدار کی حق رسی۔ شاکر و مطیع کی نیک جزا۔ سب کچھ ربوبیت میں داخل ہے

(۳) نیز آپ الرحمٰن الرحیم کے بیان میں (صـ۱۳۵) مطالعہ فرما چکے ہیں۔ کہ جملہ عالمین کی تربیت و حفاظت

کی وجہ خدا کی رحمت وشفقت ہے۔ اور یہ بھی کہ اُسکی رحمت عام بھی ہے۔ اور خاص بھی۔ عام وہ ہے جس سے اتنے بڑے عالمِ بالا و زیریں کو موجود کیا۔ اور پھر اُسکی تربیت کرتا ہے۔ اِس رحمت سے مومن وکافر، موحد ومشرک۔ خدا کی ہستی کے قائل اور دہریہ، مطیع وعاصی۔ صالح وفاسق۔ ہر دو نوع کے انسان بلکہ ہر متنفس اور متحرک بالارادہ زندہ ہستی بہرہ ور ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (ہود پ۱۲) | اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا جانور نہیں جسکا رزق خدا کے ذمہ نہ ہو

اسی معنے میں کہا گیا ہے ؎

ادیمِ زمیں سفرۂ عامِ اوست بریں خوانِ یغما چہ دشمن چہ دوست

بلکہ اِس سے بھی بڑھکر فرمایا۔ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (اعراف پ۹) یعنی میری رحمت ہر شئے پر چھائی ہے۔ اسی کے مناسب حدیث قدسی میں فرمایا۔ اِنَّ رَحْمَتِيْ سَبَقَتْ غَضَبِيْ (بخاری) یعنی میری رحمت میرے غضب پر سبقت رکھتی ہے۔

ایسی رحمت اسم رحمٰن کا تقاضا ہے۔ اسی لئے یہ اسم مخصوص بذات باری ہے۔ کسی دوسرے کو اس نام سے پکارنا جائز نہیں، جیساکہ بسم اللہ کے بیان میں (صفحہ ۶۵) پر گذر چکا ہے۔

خاص رحمت یہ ہے کہ کسی عامل کا نیک عمل کسی عابد کی عبادت۔ کسی مطیع کی اطاعت، جو اُسکی ہدایت کے مطابق ہو اُسے ضائع ورائگاں اور بے ثمر نہ کرے۔ چنانچہ فرمایا۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى (آل عمران پ۴)

پس اُن کے رب نے اُن کی دعا قبول فرمائی کہ میں کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کرتا۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔

اِس مضمون کی آیات بکثرت ہیں۔ اور یہ تقاضا ہے اسم رحیم کا۔ چنانچہ اپنے ذکر وعبادت، اور تسبیح وتقدیس کا حکم کیا۔ اور اِس حکم کی تعمیل پر جو کچھ نوازشیں ہونگی۔ اُن کی بابت فرماکر آیت کو اسم رحیم پر ختم کیا۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۙ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ۝ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ښ وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا (احزاب پ۲۲)

مسلمانو! خدا کو بہت بہت یاد کیا کرو اور صبح وشام اُسکی تسبیح پڑھا کرو وہ تو وہ ذات پاک ہے۔ کہ تم پر رحمتیں نازل کرتا ہے اور اُسکے فرشتے بھی تمہارے لئے دعا مانگتے ہیں تاکہ تمکو (کفر کے) اندھیروں سے (ایمان کے) نور کیطرف نکال لائے، اور وہ مومنوں پر بہت ہی مہربان ہے جس دن وہ اُس سے ملاقات کرینگے تو اُنکا تحفہ سلام ہوگا۔ اور اُس نے اُن کے لئے بڑی عزت کا اجر تیار کر رکھا ہے

اِس مضمون کی آیات بھی بکثرت ہیں۔ اور کچھ شک نہیں کہ تابعداروں کی محنت وسعی کو قبول کرنا۔ اور ایسے ایسے اچھے سلوک سے اُن پر نوازش کرنا۔ اور تابعداروں اور معافی کے طلبگاروں کی لغزشوں سے درگذر کرنا سب رحمتِ خاصہ کا تقاضا ہے۔

پس اِن ہر دو آیات یعنے رب العلمین اور الرحمٰن الرحیم کے اِن مذکورہ بالا نکات کو ملحوظ رکھتے ہوئے جزا سزا کا مسئلہ بالکل واضح ہوجاتا ہے۔ کیونکہ جب مطیع کی اطاعت بے ثمر نہیں گئی۔ تو عاصی کی معصیت و سرکشی کا وبال بھی اُسپر پڑنا چاہئے۔ کیونکہ مطیع وعاصی انجام میں برابر نہیں ہوسکتے۔ چنانچہ اسی امر کو واضح کرنے لیئے فرمایا۔ اَفَمَنۡ كَانَ مُؤۡمِنًا كَمَنۡ كَانَ فَاسِقًا ؕ لَا يَسۡتَوٗنَ (الٓمٓ سجدہ پ ۲۱) کیا وہ جو مومن ہو اسکی مثل ہے جو فاسق ہے یہ آپس میں برابر نہیں۔

اِس کے بعد نیکوکار مومنوں کی جزا جنّت فرمائی۔ اور نافرمانوں کی سزا ہمیشہ کا دوزخ (اعاذنا اللہ منہا) اِسی لئے اِس آیت مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ میں جزا کے لئے لفظ دِین اختیار کیا گیا ہے۔ کہ وہ عمل وسعی کے موافق و مناسب سلوک کا نام ہے۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔ كَمَا تَدِيۡنُ تُدَانُ (فتح الباری)، اور یہ حدیث اپنی شہرت کی وجہ سے زبان زد ہو کر محاورۂ زبان میں داخل ہوگئی ہے، پس اَلرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ (رحمتِ عام وخاص) کے ذکر کے بعد مسئلہ جزا وسزا کے لئے مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ کہنا نہایت موزون و مناسب ہے۔

نکتہ اور لطف یہ ہے کہ یَوۡمِ الدِّيۡنِ کو اپنے اسم مَالِكِ یا مَلِكِ کی طرف مضاف کر کے صفت کی صورت میں فرمایا جس سے معلوم ہوگیا کہ اعمال پر جزا سزا مترتب کرنا خدا کی **صفات** میں داخل ہے۔ ھذا والحمد للہ (میر)

حل لغات:۔ مٰلِك حقیقی صاحبِ اختیار کو کہتے ہیں۔ کہ جس چیز کا وہ صاحب ہو اُسمیں اپنی اختیار واستحقاق سے ہر طرح کا تصرف کرسکے۔ چنانچہ لسان العرب میں ہے:۔ اَلۡمُلۡكُ وَالۡمِلۡكُ وَالۡمَلۡكُ (بالحرکات الثلث للمیم وسکون اللام فی الکل) احتواء الشیئ والقدرۃ علی الاستبداد بہ ۱۲ (جلد ۱۲ صفحہ ۳۸۲) یعنی کسی شئے پر بالاستقلال حاوی وقادر ہونا۔ اور قرآن شریف میں متعدد جگہ وارد ہے اِن میں سے بعض یہ ہیں:۔

چنانچہ سورۂ انفطار پ ۳۰ میں يَوۡمُ الدِّيۡنِ کی تعیین میں فرمایا:۔ يَوۡمَ لَا تَمۡلِكُ نَفۡسٌ لِّنَفۡسٍ شَيۡـئًا ؕ وَالۡاَمۡرُ يَوۡمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۔ یعنی جسدن کوئی جان کسی جان کے لئے کسی چیز کی بھی ملک نہ ہوگی۔ اور حکم اُسروز اللہ ہی کا ہوگا۔ اِسی طرح سورہ سبا پ ۲۲ میں فرمایا:۔ فَالۡيَوۡمَ لَا يَمۡلِكُ بَعۡضُكُمۡ لِبَعۡضٍ نَّفۡعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ یعنی پس آج تم مالک نہیں ہو ایک دوسرے کے نفع نقصان کے، اِن ہر دو آیات میں لَا يَمۡلِكُ مِلۡكٌ بکسر المیم سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنے مالکیت کے ہیں۔ اور سورہ مؤمن پ ۲۴ میں اسی روزِ (انصاف) کی بابت فرمایا لِمَنِ الۡمُلۡكُ الۡيَوۡمَ ؕ لِلّٰهِ الۡوَاحِدِ الۡقَهَّارِ ۔ یعنے (خدا تعالےٰ پوچھیگا) آج کسکی حکومت ہے

لہ فاتحہ میں بھی اپنی ربوبیت اور مالکیت وملکیت کا ذکر کیا، اور خاتمہ قرآن پر بھی یہی صفات ذکر کیں۔ پس ابتدا وانتہا باہم متناسب ہوگئے۔ اور یہ امر حسنِ تالیف وترتیب میں داخل ہے۔ اور اس امر کی دلیل ہے۔ کہ اس کلام کا مرتب ومؤلف اپنے مقاصد اور سلسلۂ مضامین کو نہایت خوبی سے نگاہ رکھنے والا ہے (قونوی مع الزیادۃ) ۱۲ منہ

وپھر خود فرمائیگا) کیلئے (اور) زبردست خدا کی رہے گی اسی طرح سورہ فرقان پ۱۹ میں فرمایا:- اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ یعنے حکومت بھی حقیقی اسروز صرف (خدائے) رحمٰن کی ہوگی، نیز سورہ حج پ۱۷ میں فرمایا: اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ یعنی راج اُسدن صرف اللہ کا ہوگا۔ اِن ہر سہ آیات میں مُلک بالضم صاف مذکور ہے اور ان سب مذکورہ بالا آیات میں ایک ہی دن یوم الدین کے کوائف مذکور ہیں پس مِلک اور مُلک ہر دو کے معنے قدرت واختیار اور ضبط وتصرف کے ہیں۔ اِسی لئے اس جگہ یعنی سورت فاتحہ شریف میں مَلِكِ کی قرات مَالِكِ بھی درست ہے۔ اسی لئے میم اور لام کو ملاکر لکھتے ہیں۔ کہ دونوں قراتیں پڑھی جاسکیں، رسم الخطِ عثمانی میں یہ کمال ہے۔ کہ اس میں عموماً سب متواتر قراتیں جمع ہوجاتی ہیں:

مَالِكِ اور مَلِكِ کا مفاد وحاصل ایک ہی ہے لیکن دونوں کے مفہوم کی وسعت میں الگ الگ جہت سے کمی بیشی ہے جب دونوں قراءتیں تواتر سے ثابت ہیں تو کسی ایک کی وجوہ ترجیح کی تفصیل بیکار ہے۔ ہاں پڑھنے میں کسی ایک کو دوسری کے انکار بلکہ راجح ومرجوح قرار دینے کے بغیر اختیار کرنے کا اختیار ہے۔ قرآن شریف میں مَلِك اور مَالِك ہر دو خدا کی صفات واسماء میں وارد ہیں۔ مثلاً قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ میں مَالِكَ (باالف) اور سورت قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ٥ مَلِكِ النَّاسِ میں مَلِك بغیر الف کے اور حدیث ترمذی میں اسمائے حسنیٰ کی جو فہرست مرفوعاً مروی ہے۔ اُس میں بھی ہر دو موجود ہیں دونوں کے مادی حروف م۔ ل۔ ک ہیں عام خیال کے مطابق مَالِك، مِلك (بکسر المیم) سے ماخوذ ہے۔ اور مَلِك (بمعنے بادشاہ) مُلك (بضم المیم) سے لیکن لسان العرب کے حوالہ مذکورۂ بالا سے واضح ہے۔ کہ مِلك بالکسر اور مُلک بالضم بلکہ مَلك بالفتح ہر سہ کے معنے ایک ہی ہیں۔ پس تفریق وترجیح کی تفصیل وتطویل بے سود ہے؛

حروف م۔ ل۔ ک، کی ترکیب قوت۔ شدت۔ قدرت اور تصرف وغیرہ معانی کے لئے ہوتی ہے۔ مثلاً مِلاكُ الطريق رستے کے وسط کو کہتے ہیں۔ اور مُلاكُ الدَّابَّةِ (بضم المیم واللام) چوپائے کے پائیوں کو کہتے ہیں کہ وہ اُن کے سہارے پر کھڑا ہوتا ہے۔ اور اس کے ضابط (کنٹرولر) اور ہانکنے والے (ڈرائیور) کو بھی کہتے ہیں کہ وہ اُسپر مختار وضابطہ ومتصرف ہوتا ہے۔ اِسی طرح مِلاكُ الامر اُس امر کو کہتے ہیں۔ جسپر مدار کار ہو۔ چنانچہ لسان العرب میں ہے "مِلاكُ الامر الذى يُعتمد عليه ومِلاكُ الامر ومَلاكه ما يقوم به و فى الحديث مِلاكُ الدين الورع، المِلاكُ بالكسر والفتح قوام الشئ ونظامه وما يُعتمد عليه

جلد ۱۲ص ۳۸۶

اور یہ تمام معانی جو اس ترکیب (م۔ ل۔ ک) کے ضمن میں ہیں، حق سبحانہ وتعالیٰ کے حق میں ثابت ہیں، کیونکہ وہ ذوالقوۃ المتین بھی ہے۔ وہ ھادی وقیوم بھی ہے۔ ہر ایک کا سہارا ہے۔ اور ہر جان پر قابض ومتصرف اور ضابطہ ہے۔ چنانچہ فرمایا:- اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ (پ۲۷ ذریت) بیشک اللہ ہی ہے

رزاق، ممدوقت، پختہ کا تنیر فرمایا، اَفَمَنْ هُوَ قَائِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ
(رعد پ۱۳) " کیا وہ جو قائم وضابط ہے ہر نفس پر اُسکے کسب کی وجہ سے اُس جیسا ہو سکتا ہی جو ایسا نہیں ہے)
اسپر بھی ان لوگوں نے خدا کے شریک ٹھیرا لئے ہیں "

تنبیہ۔ مولوی محمد علی صاحب لاہوری نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں مَلِكِ اور مَالِكِ کا
فرق ایسے طریق پر لکھا ہے۔ کہ آپ قراءت مَلِكِ (بغیر الف) کے قائل معلوم نہیں ہوتے اگر ایسا ہی ہے تو یہ
اُنکی فنِ روایت سے ناواقفی کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ ہر دو قراءتیں متواتر ہیں، کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا دکماقت منا)
(۱) حافظ ابن کثیر رحمہ فرماتے ہیں :-

قرءہ بعض القرآء مَلِكِ يوم الدين، وقرء آخرون مَالِكِ وكلاهما صحيح متواتر في السبع (صٓ۲)	بعض قاریوں نے مَلِكِ (بغیر الف کے) پڑھا ہے۔ اور بعض نے مَالِكِ (بالالف) اور ان میں سے ہر ایک قراءتِ سبعہ میں صحیح اور متواتر ہے "

(۲) شیخ مشائخنا حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب ہر ایک کے تفصیلی وجوہ بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں :-
" بہر حال وجوہِ ترجیح از ہر جہت موجود است و تواتر در ہر طرف متحقق پس تطویلِ کلام درینجا محض فضول ست (صٓ۲)"
(۳) شیخ شیخنا حضرت سید صدیق حسن خاں صاحب فتح البیان میں فرماتے ہیں :-

والقراء تان مرویتان عن النبی صلے اللہ علیہ والہ وسلم وابی بکر وعمر ذکرھما الترمذی (فتح صٓ۲)	دونوں قراءتیں نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اور حضرت عمر رضی سے مروی ہیں۔ دونوں کو امام ترمذی نے ذکر کیا ہے "

فائدہ۔ اللہ تعالیٰ جب رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ہے۔ تو ہر وقت اور ہر عالم میں ہر شئے کا مالک ہے۔ لیکن چونکہ
اسجگہ اثباتِ جزا اور یہ جتانا مقصود و مطلوب ہے کہ اُس دن اللہ رب العلمین کے سوا کسی کی ملکیت و بادشاہت
نہ ہوگی۔ نہ حقیقی نہ عارضی، اسلئے مَالِكِ کو یوم الدین کی طرف مضاف کر کے ذکر کیا۔ فافھم

یوم عموماً وقت کے اُس حصے کو کہتے ہیں جو طلوعِ آفتاب سے غروب تک ہوتا ہے (لسان العرب)
اسکی جمع آیام ہے۔ اور اس صورت میں مجموعِ دن رات پر شامل ہوتا ہے۔ جیسے حضرت زکریا ؑ کے ذکر
میں سورت آل عمران میں تو فرمایا۔ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ (پ۳) اور سورت مریم میں فرمایا ثَلٰثَ لَيَالٍ (پ۱۶) (میر عفی عنہ)
اور کبھی بغیر تحدید کے اِس سے مطلق وقت بھی مراد لیا جاتا ہے۔ (لسان العرب)

الدِّیْنِ دِین سے مراد ہے جزا، نیک ہو یا بد، چنانچہ صحیح بخاری میں ہے:۔ وَالدِّیْنُ اَلْجَزَاءُ فِی الْخَیْرِ وَالشَّرِّ کَمَا تَدِیْنُ تُدَانُ یعنی دِین جزا کو کہتے ہیں نیکی میں بھی اور بدی میں بھی جیسے کہ وارد ہے۔ کَمَا تَدِیْنُ تُدَانُ یعنے "جیسا تو کرے گا ویسا بھرے گا" اور حماسہ میں ہے:۔

فَلَمَّا صَرَّحَ الشَّرُّ وَاَمْسٰی وَھُوَ عُرْیَانُ ۔ وَلَمْ یَبْقَ سِوَی الْعُدْوَانِ دِنَّاھُمْ کَمَا دَانُوْا

"پس جب ہمارے مخالفین کی شرارت کھلم کھلی ظاہر ہوگئی اور سوائے زیادتی کے کچھ باقی نہ رہا تو ہمنے بھی اُن سے ویسا ہی کیا جیسا اُنہوں نے ہمسے کیا تھا"۔

حافظ ابن حجر رح نے فتح الباری میں کہا ہے کہ دِین کے اَور بھی بہت سے معانی ہیں۔ مثلاً عادت۔ عمل۔ حکم۔ حال۔ خلق۔ طاعت (بندگی)، قہر (غلبہ)، ملت۔ شریعت، ورع (پرہیزگاری) اور سیاست (کتاب التفسیر جلد ۸ صفحہ ۱۱۲) اِن معانی میں سے کئی ایک کے لئے یہ لفظ قرآن شریف اور احادیث میں وارد ہے۔ جنکی مثالوں سے طوالت کا خوف ہے۔ اِسی طرح شیخ کبیر صدر الدین قونوی رح تفسیر فاتحہ میں فرماتے ہیں:۔

اِنَّ للفظۃ الدِّین فِی اللِّسَانِ عِدَّۃُ معانٍ مِنْھَا اَلْجَزَاءُ وَالْعَادَۃُ وَالطَّاعَۃُ وَالشَّانُ وَدَانَہٗ فِی اللُّغَۃِ اَذَلَّہٗ وَاسْتَعْبَدَہٗ وَسَاسَہٗ وَمَلَکَہٗ والدَّیَّانُ المالکُ، والدِّین الاسلام ایضًا۔ فھٰذہ المعانی کُلُّھَا تَتَضَمَّنُھَا لفظۃ الدین وھی باسرھا مقصودۃ للحق لکمال کلامہ الخ (ص ۱۹۲)

زبانِ عربی میں لفظ دِین کے کئی ایک معنے ہیں۔ جزا، عادت، طاعت، شان، اور دَانَ (ماضی) کے معنے ہیں۔ اُس نے اُسکو اپنا ماتحت اور غلام بنالیا اور اپنی سیاست اور ملک میں لے لیا۔ اور دیّان مالک کو کہتے ہیں اور دین سے مراد اسلام بھی ہے۔ پس یہ سب معانی لفظ دین کے ضمن میں ملحوظ ہیں اور سب مقصودِ حق تعا ہیں۔ کیونکہ خدا کا کلام کامل ہے"

مرکب **یَوْمِ الدِّیْنِ** سے مراد یومِ قیامت ہے۔ کیونکہ پوری جزا اور حساب کے لئے یہی دن مقرر ہے۔ دُنیا اور برزخ میں جزوی جزا ہے۔ جیسا کہ مذکور ہوگا۔ (انشاء اللہ)، چنانچہ فرمایا:۔

(۱) وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ (آل عمران پ ۴)

(۱) بات یہی ہے۔ کہ تمہارے پورے اجر تمکو قیامت ہی کے دِن ملینگے"۔

(۲) وَمَا اَدْرٰکَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ، ثُمَّ مَا اَدْرٰکَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ، یَوْمَ لَا تَمْلِکُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَیْئًا وَالْاَمْرُ یَوْمَئِذٍ لِّلّٰہِ (انفطار پ ۳۰)

(۲) اَے پیغمبر! تمہیں کیا معلوم کہ یوم الدین کیا ہے؟ پھر یہ کہ تمہیں کیا معلوم کہ روزِ جزا کیا ہے؟ (۳) وہ دِن ہے جس دن کوئی جان کسی جان کے لئے کسی چیز کی بھی

مالک نہیں ہوگی، اور اُس دن ہر امر اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہوگا۔ (تفسیر)

نکتہ سورت فاتحہ میں مقام حمد میں فرمایا کہ اللہ ہی روزِ جزا کا مالک ہے۔ اور سورت انفطار میں غیر کی ملکیت کی نفی کر کے فرمایا کہ اُس روز ہر امر خدا کے اختیار میں ہوگا۔ جو کچھ مقام حمد میں بیان کیا جائے بلاغت کی رُو سے اُس میں حصر پایا جاتا ہے پس سورت فاتحہ میں جو کچھ ضمناً ملحوظ ہے۔ وہ سورت انفطار میں صراحۃً ملفوظ ہے۔

روزِ قیامت کے کئی ایک نام ہیں ہر نام کی الگ الگ وجہ ہے (جیسا کہ اِنْشَاء اللہ ابھی آئیگا) چونکہ یہاں پر مقصود اثبات جزا ہے۔ اِسلئے اِسے یوم الدین کہا گیا۔ اور اِس یوم الدین کی اضافت اپنے اسمِ مالک کی طرف اِس لئے کی کہ اُس دن سب مالکوں کی ملکیت اور سب بادشاہوں کی بادشاہت چھن جائیگی۔ اور گو آج بھی بادشاہوں کی بادشاہی اور مالکوں کی ملکیت حقیقی نہیں ہے۔ محض نمائشی وعارضی ہے۔ لیکن اُس روز یہ عارضی اور نمائشی بھی نہ رہیگی چنانچہ فرمایا:۔ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (۲۴ پ مومن) یعنے (خدا تعالےٰ کی طرف سے ندا ہوگی) آج کس کی بادشاہی ہے؟ سناٹے کا عالم ہوگا۔ سب مُنہ اوندھے کئے ہونگے۔ جیسا کہ فرمایا:۔ وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ (طٰہٰ پ ۱۶) یعنے سب چہرے حی قیوم خدا کے سامنے عاجز ہوں گے" ایسی حالت میں کوئی کچھ بھی جواب نہیں دے سکیگا تو خود خدا تعالےٰ فرمائیگا۔ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ یعنی آج صرف اکیلے اور زبردست خدا کا راج ہے۔ حدیث صحیحین میں وارد ہے۔ کہ خدا تعالےٰ پکارے گا۔ اَيْنَ الْجَبَّارُوْنَ، اَيْنَ الْمُتَكَبِّرُوْنَ یعنی جو دنیا میں بڑے زبردست بنتے تھے کہاں ہیں؟ جو اپنے خیال سے بڑے بنتے تھے وہ کہاں ہیں۔ (ابن کثیر) (آگے آئیں اور عزت و کبریائی کا دعوے کریں لیکن کسی کو مجال دم زدن نہیں ہوگی"

تنبیہ حیرانی ہے۔ کہ مولوی حکیم نور دین صاحب قادیانی نے باوجود عالم و حافظِ قرآن ہونے کے غضب کیا کہ قیامت سے ادھر دُنیا اور قبر کو بھی یوم الدین بنا دیا۔ اِس خیال سے کہ کچھ نہ کچھ جزا یہاں بھی ملتی ہے حکیم صاحب نے دین کے معنے کو دیکھا اور اُس کے مضاف یوم اور الف لام تعریفی کو نہ دیکھا۔ کہ اِس میں تخصیص ہوگئی ہے۔ اگر عام جزا مراد ہوتی تو مالك الدين کہا جاتا۔ نہ کہ مالك يوم الدين نیز تفصیل بالا سے ظاہر ہو چکا ہے۔ کہ قرآن شریف میں یوم الدین سے مراد روزِ قیامت ہے۔ اس طرح کی دیگر آیات بھی ہیں۔ مثلاً دوزخی اپنے دوزخ میں پڑنے کے اسباب میں کہینگے۔ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ (مدثر پ ۲۹) یعنے ہم اِس لئے بھی دوزخ میں ڈالے گئے کہ ہم یوم جزا کے منکر تھے۔

(۲) اِسی طرح سورت واقعہ میں دوزخیوں کی خوراک تھوہر اور گرم پانی کا ذکر کر کے فرمایا:۔ هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ

(واقعہ پ۲۷) یعنی یوم جزا میں یہ انکی مہمانی ہوگی" (۳) اسی طرح سورتِ صافات میں پہلے فرمایا کہ منکرین قیامت مر کر اٹھنے کو مستبعد جانتے ہیں۔ پھر اس کے جواب میں فرمایا:۔ فَاِنَّمَا هِیَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ یَنْظُرُوْنَ وَقَالُوْا یٰوَیْلَنَا هٰذَا یَوْمُ الدِّیْنِ ۝ هٰذَا یَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ (صافات پ۲۳) یعنی وہ تو صرف ایک چنگھاڑ ہوگی۔ کہ اچانک وہ دیکھنے لگیں گے۔ ہائے ہماری خرابی یہ تو یوم الدین ہے (تو انکو کہا جائیگا کہ ہاں) یہ وہی فیصلے کا دِن ہے۔ جس سے تم انکار کرتے تھے" ایک ہی سخت آواز سے سب مُردوں کا جی اُٹھنا سورتِ نازعات پ۳۰ میں بھی وارد ہے۔ اور یوم الفصل بھی قیامت ہی کا ایک نام ہے۔ جیسا کہ عنقریب انشاء اللہ آئیگا۔ حکیم صاحب سے حافظِ قرآن ہو کر اتنی آیات قرآنیہ فراموش ہو گئیں ع۔ حَفِظْتَ شَیْئًا وَّغَابَتْ عَنْكَ اَشْیَاءُ

مولوی محمد علی لاہوری نے بھی حکیم صاحب کی تقلید میں یوم الدین کو عام بنا دیا۔ حق اُستادی کا خیال آیا۔ اور قرآن شریف کی اتنی تصریحات کا لحاظ نہ آیا۔ خیر یہ تو شاید معذور ہوں۔ کیونکہ یہ بیچارے نہ قرآن کے حافظ، نہ زبان و قواعدِ عربی کے ماہر، نہ دینیات کے عالِم۔ لیکن جو شخص ان کے ساتھ معاون و مددگار رہا۔ اور جن کا وہ دیباچے میں شکریہ ادا کرتے ہیں۔ کیا اُن میں سے کوئی بھی حافظ و عالِم نہیں تھا۔ جو کہتا کہ حضرت! یَوْمِ الدِّیْن کی تفسیر خود خدا تعالےٰ نے کر دی ہے۔ اَلَیْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ۔

قرآن مجید میں روزِ قیامت کے نام بہت آئے ہیں ہر ایک نام الگ اعتبار سے ہے۔ مثلاً یوم الدین[1] (جزا کا دن)، الیوم الآخر[2] (سب سے پچھلا دن)، یوم القیمة[3] (مُردوں کے جی اُٹھنے کا دِن)، یوم عظیم[4]، یوم کبیر[5] (بڑا دن)، یوم مشہود[6] (حاضری کا دِن)، یوم البعث[7] (مُردوں کے اُٹھنے کا دِن)، یوم الحسرة[8] (افسوس کا دِن)، یوم الفصل[9] (فیصلے کا دِن)، یوم الحساب[10] (حساب اعمال کا دِن)، یوم التلاق[11] (خدا کی ملاقات کا دن)، یوم الآزفة[12] (نزدیک آنیوالی ساعت کا دن)، یوم الوعید[13] (وعدہ عذاب کا دن) یوم الخروج[14] (قبروں سے نکلنے کا دن)، یوم الخلود[15] (ہمیشگی کا دن)، یوم التغابن[16] (نقصان و افسوس کا دِن)، اِن کے علاوہ اِس عالمِ دنیا کے مقابلے میں یہ نام بھی ہیں، الآخرة[17]۔ الساعة[18]، الواقعة[19] (ضرور واقع ہونیوالی)، الحاقة[20] (حق ثابت ہو چکی) القارعة[21] (کھڑکھڑانے والی) الغاشیة[22] (ڈھانپ لینے والی)،

اِن کے علاوہ دیگر صفات سے بھی اِس دن کا ذکر بکثرت ایسے طریق سے آیا ہے۔ کہ اِس سے سوائے روزِ قیامت کے اور کچھ سمجھا نہیں جاتا۔ مثلاً یوم یجمع اللّٰهُ الرُّسل[22] (مائدہ) جسدن خدا تمام رسولوں کو جمع کرے گا" (۲) وله الملك یوم ینفخ فی الصّور[23] (انعام) یعنے جسدن قرنا میں پھونکا جائیگا۔ تو صرف اسی کی بادشاہی ہوگی،

(۳) وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ (پ۱۵ کہف) یعنی جسدن چلائینگے ہم پہاڑوں کو (۴) وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ (احقاف پ۲۶) یعنی جس دن کفار دوزخ کے سامنے کئے جائینگے۔ (۵) رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ (آل عمران پ۳) خداوندا تو تمام لوگوں کو اُس دن جمع کرنے والا ہے جس میں کوئی شک نہیں۔

اعمال پر جزا سزا کا ترتّب

جملہ اعمال (نیک ہوں یا بد) رُوح کے امر و قصد سے سرزد ہوتے ہیں، اعضا صرف صدورِ افعال کے آلات اور وسائط و وسائل ہیں جنسے اُسکا قصد فعل میں آتا ہے۔ اعضا پر روح کا تسلّط و تصرف ایسا ہے۔ کہ وہ اُس کے امر کی ہرگز مخالفت نہیں کر سکتے۔ لیکن روح کا قصد اور اعضا کو امر کرنا اضطراری نہیں ہے۔ بلکہ اختیاری ہے۔ جسکی دو جہتیں ہیں۔ کرنے کی بھی، اور اس سے رکنے کی بھی۔ اور ضابطہ و کنٹرولر ان ہر دو پر قوتِ عقلیہ ہے۔ جس کا کام نیکی پر اُبھارنا اور بدی سے منع کرنا ہے۔ اور اُس کے مقابلہ میں ایک اور قوت اُسکی ضد بھی ہے۔ جو بدی پر اُبھارتی ہے۔ اور نیکی سے منع کرتی ہے۔ اور اس قوتِ عقلیہ کی رہنما خدا کی مقرر کردہ شریعت ہے۔ انسان ان ہر دو قوتوں کے تجاذب میں مبتلا ہے۔ اور انسان کے مختار بالفعل ہونے کے یہی معنے ہیں۔ کہ اُسے یہ ہر دو قوتیں اور ان کے مناسب آلاتِ فعل و ترک بھی عطا کئے گئے ہیں۔ مثلاً آپ کا ہاتھ ہے۔ اگر آپ اِس سے کسی مسکین کی دستگیری، کسی بیکس کی امداد، کسی حاجتمند کو داد و دہش بھی کر سکتے ہیں تو اس سے کسی پر ناحق ظلم و ستم بھی کر سکتے ہیں۔ اور دوسری طرف دستگیری سے دستکش بھی ہو سکتے ہیں اور ظلم و ستم سے باز بھی رہ سکتے ہیں۔ یہ سب کچھ آپ کے نفس کے قصد کے ماتحت ہے۔ جسکی اہلیت اُس کے خالق نے اُس کی فطرت میں رکھی ہوئی ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝ (والشمس پ۳۰) یعنے قسم ہے جان کی اور اُسے معتدل بنانے کی حکمت کی، پھر الہام کی اُسے برائی اُسکی اور پرہیزگاری اُسکی۔ بیشک نجات پائے گا وہ جسنے پاک رکھا اُسکو۔ اور نامراد رہے گا وہ جسنے اُسے خاک میں ملا دیا۔ اس آیت سے صاف ظاہر ہے۔ کہ خدا تعالےٰ نے نفسِ انسانی کو معتدل حالت پر پیدا کیا ہے۔ اور اُس میں نیکی اور بدی ہر دو امر کے جذبات رکھے ہیں۔ پس نجات و کامیابی اُسکی ہے۔ جو اُسے فطری پاکیزگی پر قائم رکھے۔ اور مدارجِ طہارت میں ترقی پائے۔ اور خرابی و خسران اُسکے لئے ہے جو اُسے آلودہ کر دے۔

اب اِس طہارت وتزکیہ اور آلودگی کی کیفیت معلوم کیجئے۔ تو اعمال پر جزا کا ترتب آپ کے ذہن میں آجائیگا سو معلوم ہو کہ جس طرح کسی عضو کو کسی فعل کا حکم کرنے کے وقت نفس کے مقصد وتوجہ کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اُس عضو میں انتعاش وحرکت پیدا ہو جاتی ہے۔ اِسی طرح نفس کے مقصد وغرض کا اثر عمل پر پڑتا ہے۔ بلکہ اُس میں سرایت کرجاتا ہے۔ اور بار بار کے عمل اور کثرتِ مشق سے نفس اُس ہیئت میں اِس طرح منصبغ ہو جاتا ہے کہ گویا اُس کا قصد اور اُسکی نیت اُس کے عمل سے خلطِ رابطی کے وسبب میں ہوکر منطبع ہو چکا ہے۔ آیت بَلٰی مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (پ) میں یہی حقیقت وحالت ملحوظ ہے۔ یعنے جس کسی نے بُرائی کو اپنا کسب بنالیا اور اُسکی خطاکاری نے اُسے (ہر جہت سے) گھیر لیا، تو وہ لوگ دوزخی ہونگے وہ اُس میں ہمیشہ ہمیشہ رہینگے"

دوسرے مقام پر اسی امر کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (تطفیف پ) یعنے کوئی نہیں پر زنگ پکڑ گیا ہے اُن کے دلوں پر جو کسب کرتے رہتے تھے؛ اِس کے مقابلہ میں یہی حال نیکوکاری کا سمجھ لیجئے۔

پس روح کو اپنے قصد وارادے، اور اپنی غرض ومقصد اور اپنے اعمالِ مکتسب سے جو انصباغ حاصل ہوتا ہے۔ وہ اُس میں بدرجۂ خلطِ رابطی ہو جانے کے اُس میں مخزون رہتا ہے۔ اور اُس کے جملہ افعال واعمال بحسب اپنی نوعیت کے اور مطابق اُسکی نیت کے عالمِ مثال میں صورت پکڑتے جاتے ہیں۔ اِنْ خَيْرًا فَخَيْرٌ وَّاِنْ شَرًّا فَشَرٌّ یعنے اگر اچھے ہوں تو اچھی صورت : اور اگر بُرے ہوں تو بُری صورت پکڑتے ہیں۔ لیکن نیک عمل کی اچھی صورت کے لئے یہ شرط ہے۔ کہ اُس میں عامل کی نیّت وقصد یعنے اُس عمل پر اُس کا محرک وباعث اور اُس عمل سے اُس کا مقصد ومطلب بھی پاک ہو یعنی اُس عمل سے خدا تعالیٰ کی رضا جوئی مطلوب ہو اور خالصًا لوجہ اللہ کیا ہو۔ اور اُسکے بعد اُس سے کوئی عمل منافیِ رضائے الٰہی سرزد نہ ہو۔ مثلاً شرک وکفر کہ یہ جملہ طاعتوں کو برباد کردیتے ہیں۔ اور اُس نیک عمل کو خدا تعالےٰ کے فرمان ومنشا کے مطابق شروع سے اخیر تک ادا کیا ہو۔ تو وہ اعمال بارگاہِ الٰہی میں شرفِ قبولیت پاتے ہیں اور خدا کی رضا جسکی طلب عامل کے قصد وارادے میں ہوتی ہے۔ اُس عامل کے شاملِ حال ہو جاتی ہے۔ اور وہ انسان خدا کے رضا کے کاموں میں بحسبِ استعداد ترقی کرتا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ اُس کے ان نیک اور قبول شدہ اعمال پر نیک جزا مترتب کرتا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

(۱) لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ (اے پیغمبر!) خدا تعالےٰ اِن مومنوں سے اُسی وقت راضی

تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا (فتح پ۲۶)

ہو گیا تھا جب اس درخت کے نیچے تیری بیعت کر رہے تھے۔ پس جو کچھ اُن کے دلوں میں (اخلاص) تھا اُسے خدا نے (معلوم واقعی سے) جان لیا، تو اُن پر اطمینان (قلب) نازل کیا۔ اور انہیں ایک نزدیک کی فتح (خیبر) ثواب میں دیدی۔ اور بہت سی غنیمتیں جنہیں وہ عنقریب حاصل کرینگے اور خدا تعالٰے سب کچھ کر سکتا با حکمت ہے۔

(۲) وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ۭ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ۭ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (توبہ پ۱۱)

(۲) اعراب میں سے بعض وہ لوگ ہیں جو خدا پر بھی اور پچھلے دن پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اُسے خدا کے قرب اور پیغمبر (صلعم) کی دعا کا موجب جانتے ہیں سن رکھو! بیشک وہ (خرچ) اُن کے لئے موجب قرب (خدا) ہوگا۔ (اور) ضرور ضرور اُن کو خدا تعالٰے اپنی رحمت (خاصہ) میں داخل کرے گا۔ بیشک اللہ تعالٰے بہت بخشنہار (اور) بہت مہربان ہے۔ اور وہ جو مہاجرین و انصار میں سے سابقین اولین ہیں۔ اور وہ جو اخلاص مندی سے اُن کے پیچھے آئے۔ خدا اِن سب سے راضی ہو گیا۔ اور وہ اُس سے راضی ہونگے اور اُس نے ان کے لئے باغات تیار رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں چلتی ہیں۔ وہ اُن میں ہمیشہ ہمیشہ رہینگے۔ بڑی کامیابی تو یہی ہے!

(۳) اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ (مجادلہ پ۲۸)

(۳) خدا نے اُن کے دلوں میں ایمان لکھ دیا ہے۔ اور اپنی رُوح سے اُنکی مدد کی ہے۔

(۴) وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ (محمد پ۲۶)

(۴) اور جو لوگ ہدایت پر آ گئے ہیں۔ اُن کو ہدایت زیادہ کی اور اُنکو (اُن کے درجے کے مناسب) پرہیزگاری بخشی

(۵) وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ۭ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا (پ۱۶ مریم)

(۵) اور ہدایت یافتہ لوگوں کو خدا تعالٰے ہدایت میں ترقی دیگا۔ اور باقی رہنے والی نیکیاں تیرے رب کے نزدیک ثواب میں بھی بہتر ہیں اور انجام میں بھی اچھی سے اچھی ہیں۔

(۶) اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ

(۶) تحقیق جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے

لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا (مریم پ۱۶) — خدائے رحمٰن اُن کے لئے ضرور دوستی مقرر کرے گا۔

(۷) اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ (بقرہ پ۲) — (۷) اِن لوگوں پر اُن کے رب کی خصوصی عنائتیں ہونگی، اور رحمت بھی، اور یہی ہدایت یافتہ ہیں۔

بُرے اعمال پر بُری جزا

اور اگر وہ اعمال بُرے ہوں۔ یا عامل کی نیت و قصد بُرا ہو، یا خُدا کی منشا کے مطابق بجا نہ لائے گئے ہوں۔ تو خدا کی درگاہ سے رد ہو کر حسب مدارج بُری جزا یعنے سزا کے مستوجب ہوتے ہیں۔ اور عامل پر خدا کی پھٹکار ہر وقت پڑتی رہتی ہے۔ اور وہ ایک حد تک خدا کی درگاہ سے راندہ جاتا ہے۔ کیونکہ خدا تعالےٰ سے پاک نیت اور پاک مقصد۔ اور پاک عمل کو نسبت ہے۔ خبیث کو نہیں۔ اِسی حقیقت کو سمجھانے کے لئے حدیث پاک میں فرمایا: لَا یقبل اللہ اِلَّا الطیب الحدیث متفق علیہ (مشکوٰۃ ص۱۵۹) یعنی خدا تعالےٰ صرف طیب (مال یا عمل) کو قبول کرتا ہے۔ نیز خدا تعالےٰ نے فرمایا۔ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ (پ۲۲ فاطر) یعنی خدا ہی کی طرف چڑھتا ہے پاک کلمہ اور جو نیک عمل ہے۔ خدا اُسے بلند کرتا ہے۔" اور اِسی کے مطابق آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ جو شخص پڑھے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَتَبَارَكَ اللّٰهُ تو خدا تعالےٰ اِن کلمات کی حفاظت کے لئے ایک فرشتہ مقرر کر دیتا ہے۔ جو اُن کو اپنے پر کے نیچے جمع کر کے آسمان کو چڑھ جاتا ہے۔ پس وہ فرشتہ اِن کلمات کو لیکر ملائکہ کی جس جماعت کے پاس سے گذرتا ہے۔ وہ جماعت اِن کلمات کے پڑھنے والے کے لئے دعائے بخشش کرتے ہیں۔ حتےٰ کہ یہ کلمات خدائے رحمٰن کے سامنے (قبولیت کے لئے) پیش کئے جاتے ہیں۔[ع] اور جب خدا کی درگاہ سے راندہ گیا۔ تو اُسے ملائکہ اور تمام دیگر لوگوں کی طرف سے بھی لعنت و ملامت کی بوچھاڑ پڑتی رہتی ہے۔ کیونکہ جب اُسکے لئے درگاہ خداوندی (Head Office ہیڈ آفس) سے Vote of Censure[۱] پاس ہو گیا۔ تو کسی اور ماتحت دربار میں اُسکی سمائی کیسے رہ سکتی ہے۔ (اعاذنا اللہ منہا) ایسے لوگوں کی نسبت فرمایا:۔

(۱) وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۙ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْۤءُ الدَّارِ (رعد پ۱۳) — اور جو لوگ خدا کا عہد اُس کے پختہ کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں۔ اور خدا نے جس کے ملانے کا حکم کیا ہے اُسے قطع کر دیتے ہیں۔ اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں۔ اُن کے لئے (خدا کی) پھٹکار ہے اور اُن کے لئے بُرا گھر ہے۔

(۲) اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ — (۲) بیشک وہ لوگ جو اُس حقیقت کو چھپا دیتے ہیں۔ جو خدا نے روشن دلائل اور ہدایت کی جنس سے نازل کی ہے۔ بعد

۱؎ ملامت کا ووٹ ۱۲ منہ

اللّٰہُ وَیَلْعَنُھُمُ اللّٰعِنُوْنَ (پ۲ بقرہ)

اِس کے کہ ہم نے اسے لوگوں (کی ہدایت) کیلئے اپنی کتاب میں کھولکر بیان کر دیا ہے۔ اُنکو خدا بھی لعنت کرتا ہے اور دیگر لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں؟

(۳) اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ (آل عمران پ۳)

(۱) اُن لوگوں کی جزا یہی ہے۔ کہ اُن پر خدا کی، فرشتوں کی اور جنّوں انسانوں کی لعنت (ہوتی) رہتی ہے؟

(۴) اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا (النساء پ۵)

یہ وہ لوگ ہیں۔ جنکو خدا نے ملعون گردان دیا۔ اور جسے خدا ملعون گردانے۔ تو تو اُس کے لئے کوئی مددگار نہیں پائیگا؟

اِس مضمون کی بہت سی آیات ہیں، لیکن تفہیم کے لئے اسیقدر کافی ہیں۔

ختم، طبع وغیرہ کفر و عصیان اور تمرّد و سرکشی کا یہ وہ نتیجہ[۵] ہے۔ جہاں پر خدا تعالےٰ ایسے ناہنجاروں کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔ اُنسے اپنی توفیق و عنایتِ خصوصی ہٹا لیتا ہے۔ اور اُس کے کسی دربار میں اُنکی رسائی نہیں ہو سکتی۔ اِسے شریعت کی زبان میں ختم، طبع، وغیرہ الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

(۲) فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ٭ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ٭ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا (محمد پ۲۶)

پھر تم سے یہی توقع ہے۔ کہ اگر تمکو حکومت مل جائے۔ تو تم خرابی ڈالو ملک میں، اور توڑ دو اپنے رشتے، ایسے لوگوں کو پھٹکار دیا اللہ نے، اور اُن کو بہرا کر دیا۔ اور اُنکی آنکھیں اندھی کر دیں۔ تو کیا یہ قرآن میں دھیان نہیں کرتے۔ یا لگ گئے ہیں، اِن کے دلوں پر قفل؟

(۲) وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ٭ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ (محمد پ۲۶)

اور اِن میں سے بعض وہ ہیں۔ جو تیرے پاس سننے کیلئے آتے ہیں۔ حتٰی کہ جب تیرے پاس سے نکلکر جاتے ہیں۔ تو اُن لوگوں سے جنکو علم ملا ہے کہتے ہیں۔ کہ ابھی اِس (پیغمبر) نے کیا کہا تھا؟ یہ وہ لوگ ہیں جنکے دلوں پر خدا نے مہر کر دی ہے۔ اور وہ اپنی خواہشوں کے پیرو ہو گئے ہیں۔

(۲) اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ (پ۳)

تحقیق جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کر لیا۔ وہ پھر کفر ہی میں بڑھتے گئے۔ اُن کی توبہ ہرگز قبول نہیں ہوگی اور یہ وہی لوگ ہیں۔ جو راستے سے بہک گئے؟

[۵] یعنی "لعنت" (اعاذنا اللّٰہ منہا) ۱۲ منہ

(۴) إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيلًا (النساء پ)

تحقیق جو لوگ ایمان لائے پھر انہوں نے کفر اختیار کرلیا۔ پھر وہ ایمان لے آئے۔ پھر کفر اختیار کرلیا۔ پھر اِس کفر میں ہی زیادہ ہوتے گئے۔ خدا ایسا نہیں کریگا کہ اُن کو بخشدے اور نہ ایسا کہ اُن کو راہ پر لائے ؎

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَظَلَمُوا لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيقًا ۝ إِلَّا طَرِيقَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا (پ النساء)

تحقیق جن لوگوں نے کفر اختیار کیا۔ اور ظلم بھی کیا۔ خدا ایسا نہیں کرے گا۔ کہ اُن کو بخشدے۔ اور نہ ایسا کہ اُن کو جہنم کے سوا کسی اور طریق پر لے جائے۔ جس میں وہ سدا سدا رہینگے۔ اور یہ امر خدا پر بالکل آسان ہے ؎

اِس مضمون کی آیات بھی بکثرت ہیں۔

خدا تعالیٰ کی درگاہ سے ایسی جزا اپنے ہی اعمال کی سزا ہے۔ اور اپنے کئے ہی کی شامت و وبال ہے۔ ورنہ وہ تو فرماتا ہے۔ مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا (النسآء پ ۵) یعنی اگر تم شکرگذار اور ایمان دار بنجاؤ۔ تو خدا تعالیٰ کو تمہارے عذاب کرنے سے کیا حاصل؟ خدا تعالیٰ تو (بہت) قدر دان (اور) علیم کل ہے۔ (ہر ایک کی نیت و حیثیت و عمل کو جانتا ہے) ؎

عام ہیں اُس کے تو اِنعام شہیدی سب پر — تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

ہرچہ ہست از قامتِ ناز یبائے ماست — ورنہ تشریف تو بر بالائے کس کوتاہ نیست

پس جس شِدت کا کسی کا کفر و عصیان ہے۔ اُسی درجے کا اُس سے سلوک ہے۔ اُسکا عام قانون ہے۔ جَزَاءً وِفَاقًا[1] (نبا پ ۳۰) یعنی جزا موافق اعمال کے ؎

دُنیا میں جزوی اور عاقبت میں کُلی جزا

بیشک پورا فیصلہ اور کُلی جزا سزا تو قیامت ہی کے دن ہوگی۔ جو خدائے حکیم نے اُس کے لئے مقرر کر رکھا ہے۔ اور جس کا ذکر اِس آیت زیر تفسیر یعنے مٰلِكِ يَوْمِ الدِّينِ میں ہے۔ جیسا کہ فرمایا:۔

[1] تفسیر رحمانی میں اِس آیت کی تفسیر میں کہا ہے: ای موافقا لاعمالهم لانها اوجبت الغضب الحاد وهو ناشیٔ من اعمالهم وقد كثرت لهم تلك الاعمال (سورہ نبا پ ۳۰)

(۱) وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (آل عمران پ۴)

(۱) بات یہی ہے۔ کہ تمکو تمہارے اعمال کی پوری جزا قیامت کے دن ملے گی۔

(۲) إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيقَاتُهُمْ أَجْمَعِينَ (دخان پ۲۵)

بیشک فیصلے کا دن اِن سب کا وقت مقرر ہے۔

لیکن بعض اوقات بتقاضائے حکمت ہمارے بعض اعمال (نیک یا بد) کے آثار ونتائج اِس دنیا میں بھی ظاہر کردیئے جاتے ہیں جس سے خدا تعالےٰ کی رضا وناراضی معلوم کرکے اِنسان راہ پاسکتا ہے۔ چنانچہ جب کامل الایمان۔ صالح الاعمال بندہ مدارجِ حسنات میں ترقی کرتا درگاہِ خداوندی میں مقبول ہوجاتا ہے۔ اور اُس کے اعمال وہاں نظرِ قدردانی سے دیکھے جاتے ہیں۔ اور وہ خدا کا دوست وولی بنجاتا ہے۔ تو اُسکی نسبت فرمایا:۔

(۱) أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ۝ لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۚ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (یونس پ۱۱)

سُن رکھو! بیشک خدا کے دوست، اُنپر کوئی خوف نہیں ہوگا۔ اور نہ وہ غمزدہ ہونگے۔ وہ جو ایمان لائے اور (عمل میں) پرہیزگار رہے۔ اُن کے لئے دنیوی زندگی میں بھی بشارت ہے۔ اور آخرت میں بھی، خدا کی باتیں تبدیلی نہیں۔ یہی تو بڑی عظیم کامیابی ہے۔

یہ قبولیت بعض افراد میں یوں ظاہر ہوتی ہے۔ کہ خدا تعالےٰ اُن کو زمین میں اپنا خلیفہ ونائب مقرر کرکے دنیا کا نظم ونسق اُن کے سپرد کرتا ہے۔ تاکہ وہ اُس کے نظام شرعی کو قائم کریں۔ چنانچہ فرمایا:۔

(۲) وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ۚ يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا ۚ وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝ (نور پ۱۸)

تم (مومنہ کے مدعی اور خالص مسلمانوں) میں سے جو خالص مسلمان ہیں، اور اُن کے کام بھی اچھے ہیں۔ اُن سے خدا کا وعدہ ہے۔ کہ اُن کو زمین میں حاکم کرے گا۔ جس طرح حاکم بنایا تھا۔ اُن سے پہلے لوگوں کو۔ اور جمادے گا اُن کے لئے اُنکا دین۔ جو اُس نے اُن کے لئے پسند کیا ہے۔ اور اُنکو اُن کے خوف کے بدلے میں اَمن دے گا۔ (وہ اِس شوکت کے وقت) میری ہی عبادت کرینگے۔ (اور) کسی چیز کو بھی میرا شریک نہیں گردانیں گے۔ اور جو کوئی اِس (نشان کے پورا ہونے) کے بعد بھی کافر رہے گا۔ تو وہ لوگ نافرمان (شمار) ہونگے۔

(۳) وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ

(۳) اور وارث بنایا ہمنے اُن لوگوں کو جو ضعیف رکھے جاتے

مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بٰرَكْنَا فِيهَا ۚ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ بِمَا صَبَرُوْا ۚ (اعراف پ۹)

تھے۔ اُس زمین کی مشرقی اطراف کا بھی اور مغربی جوانب کا بھی۔ جس میں ہمنے بہت برکت دے رکھی ہے (یعنے تمام علاقہ شام کا) اور (اے پیغمبر!) تیرے رب کا نیک وعدہ بنی اسرائیل پر اُن کے صبر کی وجہ سے پورا ہوگیا۔

مثلاً انبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو کئی ایک امتحانات میں اوّل نمبر پرہی کامیاب ہوتے رہے۔ تمام دُنیا کا پیشوا بنایا۔ اُنکی نسبت فرمایا:۔

(۱) وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَإِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۞ (پ۱)

(۱) اور البتہ چُن لیا ہمنے اُسکو دنیا میں، اور بیشک وہ آخرت میں البتہ صالحین سے ہوگا۔

(۲) وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۭ (نحل پ۱۴)

(۲) اور دی ہمنے اسکو دنیا میں بھی نیکی اور بیشک وہ آخرت میں البتہ صالحین سے ہوگا۔

(۳) وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۞ (عنکبوت پ۲۰)

(۳) اور بخشا ہمنے اسکو اسحٰق (بیٹا) اور یعقوب (پوتا)، اور مقرر کر دی ہمنے اُسکی اولاد میں نبوت اور کتاب، اور دیا ہمنے اُسکو اجر اُسکا دنیا میں بھی اور بیشک وہ آخرت میں البتہ صالحین سے ہوگا۔

(۴) فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ۞ (پ۵ نساء)

(۴) پس ہم (اس سے پہلے) دے چکے ہیں۔ آلِ ابراہیمؑ کو کتاب اور حکمت اور ہمنے انکو ایک عظیم سلطنت بھی دی تھی۔

(۵) مقام حدیبیہ پر صحابہ رضؓ کی مقدس جماعت نے جس جان نثاری و وفاداری اور ثابت قدمی کا اظہار کیا، اُسپر فرمایا:۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۞ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۞ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ

(اے پیغمبر!) اِن مومنوں سے اللہ اُسی وقت راضی ہوگیا تھا جب وہ (کٹنے مرنے کے لئے) اُس درخت کے نیچے تیری بیعت کر رہے تھے۔ پس جو کچھ اُن کے دلوں میں (اخلاص) تھا اُسے خدا نے (علم واقعی سے) جان لیا تو اُنپر اطمینان (قلب) نازل کیا۔ اور اُن کو نزدیک کی فتح (خیبر) ثواب میں دی۔ اور بہت سی غنیمتیں بھی

وَلِتَكُونَ آيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۝ وَأُخْرَىٰ لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا (۲۶ فتح)

جو وہ لینگے۔ اور اللہ تعالےٰ بڑا زبردست اور بڑا حکمت ہے اللہ تعالےٰ نے تمسے (دیگر) بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کر رکھا ہے۔ جو تمکو ملینگی، پس یہ (غنیمت خیبر) تمکو جلدی جلدی دیدی اور لوگوں کے ہاتھ تم سے ہٹائے رکھے۔ اور تاکہ یہ مومنوں کے لئے ایک نشان (ثابت ہو) اور (خدا تعالےٰ) تمکو سیدھی راہ کی سوجھ عطا کرے۔ اور ایک اور (فتح) بھی ہے (یعنی فتح مکہ) جسپر تم اسوقت قادر نہیں۔ (لیکن) وہ خدا تعالےٰ کے احاطۂ (قدرت) میں ہے۔ اور اللہ تعالےٰ ہر شئے پر قادر ہے۔

انبیائے سابقین کی غازی جماعت کے لئے فرمایا:-

وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلَّا أَن قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝ فَآتَاهُمُ اللَّهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝ (آل عمران پ۴)

(مقابلہ کے وقت) انکا کلمہ صرف یہی ہوتا تھا کہ اے ہمارے پروردگار ہمکو ہمارے گناہ بخش، اور ہماری زیادتی بھی جو ہمسے کسی امر میں ہوگئی ہو۔ اور ہمارے قدم جمائے رکھ اور کافر لوگوں پر ہماری مدد کر۔ پس اللہ تعالےٰ نے انکو دنیا کا ثواب بھی دیا اور عاقبت کا نیک ثواب بھی اور اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کو اپنا محبوب بنالیتا ہے۔

اس قسم کی دیگر آیات بھی ہیں جن میں ایمانداروں، نیکوکاروں کو اس دنیا میں بھی نیک جزا دینے کا ذکر ہے ان کے مقابلے میں خدا کے ساتھ شریک مقرر کرنے والوں، خدا کے پیغمبروں اور خدا کی آیات کو جھٹلانے والوں، یوم جزا سے انکار کرنے والوں، خدا تعالےٰ کی بیشمار نعمتوں سے بہرہ ور ہوکر فسق و فجور میں اوقات بسر کرنے والوں، زیردستوں اور بیکسوں پر ظلم و ستم ڈھانے والوں، غرض خدا کی مرضی کے خلاف چلنے والوں لوگوں کی دنیوی بری سزا کا ذکر بھی بیش از بیش ہے۔ چنانچہ فرمایا:-

وَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ أَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهِ فَحَاسَبْنَاهَا حِسَابًا شَدِيدًا وَعَذَّبْنَاهَا عَذَابًا نُّكْرًا ۝ فَذَاقَتْ وَبَالَ أَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ أَمْرِهَا خُسْرًا ۝ (طلاق پ۲۸)

اور بہت سی بستیاں ہوگذری ہیں۔ جنہوں نے اپنے رب اور اس کے رسولوں کے امر سے سرکشی کی۔ پس ہمنے انکا سختی سے محاسبہ کیا۔ اور انکو بہت برا عذاب کیا پس انہوں نے اپنے کام کا وبال چکھ لیا۔ اور ان کے

(۲) فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي أَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَخْزَىٰ وَهُمْ لَا يُنصَرُونَ ○ (حٰم سجدہ پ ۲۴)

(۲) پس ہمنے اُن پر نہایت منحوس دنوں میں تند ہوا (آندھی) چھوڑے رکھی۔ تاکہ اُن کو دنیوی زندگی میں (بھی) خواری کا عذاب چکھادیں، اور البتہ آخرت کا عذاب بہت ہی خواری کا ہے۔ اور وہاں اُن کو کسی طرح کی مدد نہیں مل سکے گی؟

(۳) وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (الم سجدہ پ ۲۱)

اور ہم انکو بڑے عذاب سے اِدھر ادنیٰ عذاب بھی چکھائینگے۔ تاکہ وہ رجوع لاسکیں۔

(۴) ڈاکوؤں رہزنوں، ناحق قتل و غارت سے دنیاجہان کے امن میں فساد ڈالنے والوں کی نسبت فرمایا:۔

إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَن يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم مِّنْ خِلَافٍ أَوْ يُنفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ۚ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ○ (مائدہ پ ۶)

بات یہی ہے کہ جو لوگ خدا اور اُس کے رسولؐ سے جنگ چھیڑتے ہیں۔ اور زمین میں بدامنی کی کوشش کرتے ہیں۔ اُن کی سزا یہی ہے۔ کہ (حسب حالت) یا تو اُن کو قتل کردیا جائے یا سولی دیا جائے یا اُلٹی طرف سے اُنکے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں یہ (سزا)، اُن کے لئے دنیا میں تو خواری کا (موجب) ہے اور عاقبت میں اُنکو (اس سے بڑھکر) بہت بڑا عذاب ہوگا؟

وَلَقَدْ أَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِينَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ (اعراف پ ۹)

بیشک ہمنے آل فرعون کو خشک سالی اور پھلوں کی کمی سے پکڑا تاکہ وہ نصیحت پائیں؟

(۵) گذشتہ امتوں کے عبرتناک انجام قرآن شریف میں کثرت سے مذکور ہیں۔ یہ سب کچھ اُنکی نافرمانیوں کی وجہ سے تھا۔ اور اسی دنیا میں تھا۔ اور عاقبت کا عذاب اس کے علاوہ ہوگا۔ چنانچہ عادیوں۔ ثمودیوں، فرعون اور فرعونیوں قارون اور ہامان کا ذکر کرکے سب کی سزاؤں اور وجہ سزا کے متعلق فرمایا:۔

فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذَنبِهِ ۖ فَمِنْهُم مَّنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا وَمِنْهُم مَّنْ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ وَمِنْهُم مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ وَمِنْهُم مَّنْ أَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا

پس ہمنے ہرایک کو اُس کے گناہ کے بدلے پکڑا۔ پس اُن میں سے بعض وہ ہیں جسپر ہمنے پتھراؤ کیا۔ اور بعض وہ جسے چنگھاڑ نے پکڑا، اور بعض وہ جسے ہمنے زمین میں دھسایا۔ اور بعض وہ جسے ہمنے غرق کردیا۔ اور خدا

أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ (عنکبوت پ۲۰) تو ایسا نہیں تھا کہ اُن پر ظلم کرتا۔ لیکن وہ خود ہی اپنی جانوں کو ظلم کرتے تھے؛

قومِ سبا کو ہر طرح کی نعمتیں بخشیں۔ لیکن وہ تمرّد و سرکشی اور ظلم و زیادتی میں بڑھتے گئے۔ اور اُنہوں نے احکام خداوندی کا مطلقاً لحاظ نہ کیا۔ تو آخر کار اُن کو تباہ و برباد کر دیا۔ چنانچہ فرمایا:۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ ۖ جَنَّتَانِ
عَنْ يَمِينٍ وَشِمَالٍ ۖ كُلُوا مِنْ رِزْقِ رَبِّكُمْ
وَاشْكُرُوا لَهُ ۚ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ ۝
فَأَعْرَضُوا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَ
بَدَّلْنَاهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ أُكُلٍ خَمْطٍ
وَأَثْلٍ وَشَيْءٍ مِنْ سِدْرٍ قَلِيلٍ ۝ ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُمْ
بِمَا كَفَرُوا ۖ وَهَلْ نُجَازِي إِلَّا الْكَفُورَ (سبا پ۲۲)

قوم سبا کے لئے اُنکی جائے رہائش ہی میں (ہماری) نشانی تھی۔ یعنے (شہر کے) دائیں اور بائیں دو باغ۔ خدا کی روزی سے کھاؤ اور اس کا شکر کرو۔ شہر ہے پاکیزہ اور پروردگار بخشنہار۔ پس اُنہوں نے (ہمارے حکم سے) روگردانی کی۔ تو ہمنے اُن پر تباہ کُن سیلاب بھیجدیا۔ اور انکو اُن باغوں کی جگہ دو اور باغ دیئے۔ جو کڑوے پھل والے جھاؤ والے اور تھوڑی سی بیریوں کے درختوں والے تھے۔ ہمنے یہ اُن کو اُن کے کفر کی جزا دی۔ اور کیا ہم ایسی (بری) جزا منکروں کے سوا کسی اور کو بھی دیا کرتے ہیں؟

اِس قسم کی آیات سے بھی قرآن شریف بھرا پڑا ہے۔ علاوہ اِس کے ہم ایسے واقعات کو اپنے اوپر اور اپنے ابنائے جنس پر واقع ہوتے دیکھ بھی رہے ہیں۔ جن سے انکار نہیں ہو سکتا۔

فائدہ عجیبہ و غریبہ جملہ کائناتِ ارضی و سماوی، ناسوتی و ملکوتی۔ مادی و غیر مادی۔ مرئی و غیر مرئی۔ اللہ رب العلمین کے امرِ تکوینی کے ماتحت ہے۔ جیسا کہ فرمایا:۔ وَلَهُ مَا سَكَنَ فِي اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (انعام پ۷) یعنے اور اُسی کا ہے۔ جو کچھ بستا ہے رات میں اور دن میں اور وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔
نیز فرمایا أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا (آل عمران پ۳)

یعنے تو کیا یہ لوگ خدا کے دین (اسلام) کے سوا کوئی اور دین چاہتے ہیں۔ حالانکہ جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہے خواہے نخواہے (رغبت سے یا مجبوری سے) اُس کے زیرفرمان ہے۔ پس خدا تعالےٰ اِس کائنات میں سے جس چیز کو چاہتا ہے۔ کسی کی ہلاکت و بربادی کا سبب بنا دیتا ہے۔ مثلاً زمین قرار و سکونت کی جگہ ہے۔ لیکن خدا کے حکم پر یہی زمین قارون کے لئے سببِ عذاب ہوگئی۔ بارش کا پانی یہ حیات اور سببِ پیدائشِ روزی اور باعث رونقِ باغات ہے۔ لیکن خدا کے حکم یہی پانی سیلاب کی صورت میں سبا کے لئے موجبِ ہلاکت و بربادی اور اُن کے باغات

کی خرابی کا سبب بنگیا - جو سب سے بڑھ کر مایۂ حیات ہے - لیکن ان کے لئے یہی سبب ہلاکت ہوگئی - غرض یہ سب چیزیں اپنے خالق و مالک کے امر میں ہیں جس سے جو کام چاہے لے سکتا ہے - یہ سب اسباب ہلاکت جو مذکور ہوئے - قدرتی ہیں - ان میں کسی انسان کا ہاتھ نہیں - لیکن بعض وقت اللہ تعالیٰ یہی کام اپنے بعض بندوں سے لیتا ہے - کہ بعض کو بعض پر غالب کرکے ظالموں کی حکومت کا تختہ الٹ دیتا ہے - متکبروں کو ذلیل کرکے کیفرِ کردار کو پہنچاتا ہے - بعض وقت غالب قوم نہایت تند خو اور سخت گیر ہوتی ہے - اسکو غالب کرنے میں سابق ظالموں کا قلع قمع کرنا بھی مقصود ہوتا ہے - اور رعیت کو بھی انکی بدکرداریوں کی سزا چکھانی منظور ہوتی ہے جب اکثر ان میں سے ظالم و فاسق حکام کے رنگ میں رنگے ہوں چنانچہ بنی اسرائیل نے حکومت و تمدن میں بہت ترقی کی، اور ان کے اقبال کا ستارہ نہایت عروج پر ہوگیا - تو حکام میں ظلم، امراء و رؤسا میں عیاشی، اور مستورات میں عام طور پر بےحیائی شروع ہوگئی تو ان پر خدا کا قہر ٹوٹا - اقبال کے بدلے زوال، اور حکومت کی بجائے ماتحتی - عزت کی جگہ ذلت نصیب ہوئی - چنانچہ ان کے عروج و زوال، اور ان پر جابر قوم کے تسلط کا نقشہ یوں بیان کیا :-

وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ۭ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ۝ (بنی اسرائیل پ۱۵)	اور ہمنے بنی اسرائیل سے اُنکی کتاب (توریت) میں صاف صاف کہدیا تھا کہ تم ضرور زمین میں دو دفعہ خرابی ڈالوگے - اور بہت اونچے ہی ہوگے پس جب ان میں کا پہلا وعدہ آیا تو ہمنے تمپر اپنے بڑے سخت گیر بندے مسلط کر دیئے پس تمہارے تمام دیار (مملکت) میں پھیل گئے اور خدا کا وعدہ پورا ہونا ہی تھا سو ہو کر رہا ۔

اِسی مضمون کو شیخ سعدی رحنے یوں ادا کیا ہے ؎

چو خواہد کہ ویراں کند عالمے　　نہد ملک در پنجۂ ظالمے

اور اگر صرف حکام ظالم و فاسق ہوں اور مظلوم رعیت قابل رحم ہو تو خدا تعالےٰ ان پر رحمت کرنے کے لئے ملک کا نظم و نسق کسی عادل و صالح قوم کے سپرد کر دیتا ہے، اور اس ظالم حکومت کی بربادی کے لئے اسی صالح قوم کو سبب بناتا ہے - اور اس سے وہ کام لیتا ہے - جو فرعونیوں اور سبا والوں کے لئے پانی سے، اور عادیوں کے لئے ہوا سے لیا تھا - مثلاً واقعات شہادت دیتے ہیں کہ ایرانیوں اور رومیوں نے اپنے عروج و ترقی کے زمانے میں ظلم و تعدی اور فسق و فجور کو انتہا پر پہنچایا - تو اللہ تعالےٰ نے ان میں آثارِ ضعف و زوال پیدا کر دیئے حتےٰ کہ انکو اپنے آخری پیغمبر (صلے اللہ علیہ وسلم) کی معرفت توبہ کا پیغام پہنچایا - لیکن انہوں نے اس پیغام کو ٹھکرا دیا - اور

اُسکی کوئی پرواہ نہ کی۔ تو خدا تعالےٰ نے اُن پر اپنے نبیؐ کی مقدس جماعت صحابہ رضہ کو مسلط کیا۔ اور اُن ملکوں سے اس ظالم قوم کو ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کر دیا۔ قرآن شریف میں اِن فتوحات کے اشارات بھی موجود ہیں۔ لیکن چونکہ ہمکو اسوقت صرف یہی دکھانا منظور ہے۔ کہ بعض گناہوں پر دُنیا میں بھی مواخذہ ہوتا ہے۔ اِس لئے ہم اُن آیات کی تفصیلات میں نہیں پڑسکتے۔ ہاں اِتنا اشارہ کرنے سے رُک نہیں سکتے۔ کہ جو لوگ حضرتِ فاروق اعظمؓ کی فتوحات سے حیران ہو کر اعتراضاً کہا کرتے ہیں کہ آپ نے ایرانیوں اور رومیوں پر لشکرکشی کر کے اُن ممالک کے نظم و نسق کو کیوں تہ و بالا کر دیا۔ وہ سمجھ لیں کہ خدا تعالےٰ اُنکی بدکرداریوں کی وجہ سے اُن سے ناراض ہوا۔ اور اُس نے اپنے خلیفہ کی ہمت وارادے اور اُس کے بازوؤں میں وہ قوت و جوش پیدا کر دیا۔ اور اُس سے وہ کام لیا۔ جو اُس سے پہلے دیگر قوموں کی ہلاکت کے لئے عناصر سے لیا تھا۔ دریائے نیل نے فرعون کو مع اُسکے لشکروں کے غرق کر دیا۔ آپ کو اُس کے برخلاف شکایت نہیں۔ زمین نے قارون کو اُس کے خزانوں سمیت نگل لیا۔ آپ کو اُسپر رنج نہیں۔ تند ہوا نے عادیوں کی بیخ بُن اُکھاڑ دی۔ آپ کو کوئی افسوس نہیں۔ اگر شکایت ہے۔ افسوس ہے۔ رنج ہے تو حضرت فاروق اعظمؓ کے برخلاف ہے۔ کہ اُنہوں نے ایرانیوں اور رومیوں کے ظالم ہاتھ کو کیوں کوتاہ کیا۔ اور مظلوم رعیت کو کیوں امن دیا۔ حالانکہ اِس انقلاب اور سابقہ انقلابوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ نور و ظلمت کا تفاوت ہے۔ دریائے نیل نے مصریوں کی کوئی فریادرسی نہ کی۔ زمین نے قارون کے مال کے حقداروں کو کوئی فائدہ نہ پہنچایا۔ ہوا نے زمین کو عادیوں کی تعدّی سے تو پاک کر دیا۔ لیکن اہلِ زمین کو کوئی نفع نہ دیا۔ لیکن حضرت فاروق اعظم رضہ نے اہلِ ایران اور اہلِ روم کو اُن کے ظالم و فاسق حکام ہی سے نجات و آسائش نہیں دی۔ بلکہ اُن کے ظلم کے بدلے انصاف، فسق و فجور کے بدلے پرہیزگاری، غارتگری کے بدلے رعیت پروری اور جہالت و عیاشی کے بدلے تہذیب کا سکہ بٹھا دیا۔ یہ انقلاب بیشک مبارک انقلاب ہے۔ اور اسمیں خدا تعالےٰ کی رحمانیت و رحیمیت ہر دو صفات جلوہ گر ہیں۔ کہ ظالموں کو اُن کے ظلم کی سزا بھی مل گئی اور صالحین سے جو وعدے اُن کے ایمان و اعمال صالحہ کی بناپر اِس دنیا میں کئے گئے تھے وُہ بھی پورے ہو گئے۔ اور آخرت کے وعدوں کے پورا ہونے کی دلیل بھی قائم ہو گئی۔ پس آپ رومیوں اور ایرانیوں کو اُس آنکھ سے دیکھیں جس سے فرعونیوں وغیرہم کو دیکھتے ہیں اور حضرت عمر رضہ کو اُس عقل سے خدا کا ہاتھ تصور کریں۔ جس سے ہوا اور پانی اور زمین کو خدا کا لشکر سمجھتے ہیں۔ بات ایک ہی ہے ؎

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم — چنانکہ حرفِ عصا گفت موسیٰ اندر طور

غرض جزوی جزا سزا اِس عالم میں بھی ملتی ہے۔ بُرد دی ملے یا بدیر۔ یہ خُدا کی مشیت پر موقوف ہے۔ ؎

ہیں مشو مغرور بر حلم خدا   دیر گیرد سخت گیرد مر ترا

سکرات کے وقت بھی جزوی جزا سزا

اس زندگی کے چھوڑتے وقت اور یہاں سے رخصت ہوتے وقت بھی جزا سزا ہے اور وہ بھی جزوی ہے۔ اس کے لئے بھی وہی سابقہ تحریر یاد رکھیں کہ شب و روز کے توغل و انہماک اور توجہ و اشتغال کی وجہ سے روح میں جو کیفیت خلط و رابطی کے طور پر پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ اس سے منفک نہیں ہوتی۔ موت کی بیہوشی سے جملہ قویٰ مضمحل ہو کر جسمانی تعلقات منقطع ہو جاتے ہیں اور روح اپنے حاصل کردہ اعمال کے ساتھ اکیلی رہ جاتی ہے۔ پس حسب اُسکے اکتساب کے خدا کے فرستادہ (فرشتے) اُس سے سلوک کرتے ہیں۔ اور اُسے اُنکی ملاقات سے حسب اپنی قابلیت کے انبساط یا خوف و غم پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ جو صالحین اپنے مالک سے دل لگائے ہوں انکو موت کے وقت کہا جاتا ہے:۔

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۞ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ۞ وَادْخُلِي جَنَّتِي (الفجر پ۳۰)

اے اطمینان یافتہ جان! رجوع کر اپنے پروردگار کی طرف راضی ہو کر پسندیدہ ہو کر۔ پھر میرے بندوں میں شامل ہو اور میری بہشت میں داخل ہو۔

(۲) اسی طرح نا ہنجار و بدکردار لوگوں کی جان کنی کے وقت انکو مار پڑتی ہے۔ اور نہایت سختی سے اُن کی جان قبض کی جاتی ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ ۞ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اتَّبَعُوا مَا أَسْخَطَ اللَّهَ وَكَرِهُوا رِضْوَانَهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ (محمد پ۲۶)

پھر کیسا ہو گا۔ جبکہ فرشتے اُنکی جان نکالینگے۔ مارتے ہوئے انکے چہروں پر اور پیٹھوں پر یہ اسلئے ہو گا۔ کہ انہوں نے اس رستے کی پیروی کی جو خدا کو ناپسند تھا اور انہوں نے اسکی خوشنودی کو ناپسند کیا تو اس نے ان کے

(۲) وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا ۙ الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ۞ ذَٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ (انفال پ)

اور کبھی تو دیکھے جو وقت فرشتے جان قبض کرتے ہیں منکروں کی مارتے ہوئے اُن کے چہروں پر اور پیٹھوں پر اور کہتے اُن سے چکھو عذاب جلتی آگ کا۔ یہ بدلہ ہے۔ اسی کا جو بھیجا تمہارے ہاتھوں نے اور خدا تو اپنے بندوں پر ہرگز ظلم نہیں کرتا۔

(۳) خدا تعالےٰ پر افترا باندھنے والوں، نبوت و الہام کا جھوٹا دعوےٰ کرنیوالوں، اپنی تصانیف کو قرآن کی طرح معجز و بے مثل قرار دینے والوں کی جان کنی کا حال بیان کیا:۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ قَالَ
أُوحِيَ إِلَيَّ وَلَمْ يُوحَ إِلَيْهِ شَيْءٌ وَمَن قَالَ
سَأُنزِلُ مِثْلَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ ۗ وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ
الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُوا
أَيْدِيهِمْ أَخْرِجُوا أَنفُسَكُمُ ۖ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ
عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنتُمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ
غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنتُمْ عَنْ آيَاتِهِ تَسْتَكْبِرُونَ (انعام پ۷)

اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جو باندھے اللہ پر جھوٹ یا کہے مجھکو وحی آئی حالانکہ اسکو کوئی وحی نہیں آئی - اور جو کہے میں اُتارتا ہوں برابر اُسکے جو اُتارا اللہ نے اور کبھی تو دیکھے جب یہ ظالم موت کی بیہوشی میں ہونگے اور فرشتے ہاتھ پھیلائے ہونگے - کہ نکالو اپنی جانیں - آج تمکو جزا ملیگی ذلّت کی مار اسپر کہ تم کہتے تھے - اللہ پر جھوٹ، اور اُسکی آیتوں کو سُن کر بھی اُن، سے تکبّر کرتے تھے)

جان کنی کے وقت اِس بشارت و عذاب کا ذکر حدیث شریف میں بہت مفصل مذکور ہے، لیکن ہم بخوفِ طوالت اُسے نقل نہیں کر سکتے (مشکوٰۃ م۔)

جن لوگوں نے اپنے خالق و مالک کے احکام کی پرواہ نہ کرتے ہوئے، کفر و شرک، اور فسق و فجور اور ظلم و تعدی میں زندگی گذاری ہوگی - وہ جان کنی کی سختی دیکھ کر آرزو کرینگے - کہ ہمکو دنیا میں کچھ اور دیر رہنے دیا جائے، تاکہ ہم صدقہ و خیرات اور دیگر نیک اعمال کرلیں - اور گذشتہ کوتاہی کی تلافی کرسکیں - لیکن یہ حسرت و آرزو بے سود ہوگی - چنانچہ فرمایا:-

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُونِ
لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا تَرَكْتُ ۚ كَلَّا ۚ إِنَّهَا كَلِمَةٌ
هُوَ قَائِلُهَا ۖ وَمِن وَرَائِهِم بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ
يُبْعَثُونَ (مومنون پ۱۸)

یہاں تک کہ جب اُن میں سے کسی کی موت آموجود ہوگی تو وہ کہے گا، اے میرے پروردگار! مجھے پھر دنیا میں لوٹا دیجئے - تاکہ میں اُس میں جو چھوڑ آیا ہوں کوئی بھلا کام کرلوں (جواب ملیگا) ہرگز نہیں - یہ صرف اِس کے منہ کی بات ہے - اور لوگوں کے (مرنے کے) پیچھے روز قیامت تک برزخ ہے - (واپسی نہیں ہوگی) نیز فرمایا:-

وَأَنفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ
الْمَوْتُ فَيَقُولَ رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِي إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ
فَأَصَّدَّقَ وَأَكُن مِّنَ الصَّالِحِينَ ۝ وَلَن يُؤَخِّرَ اللَّهُ
نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا ۚ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝
(منافقون پ۲۸)

اور خرچ کرو ہمارے دیئے میں سے پیشتر اس کے کہ ایک تمہارے کو موت آوے تو کہنے لگے اے میرے پروردگار! تو نے مجھے کچھ تھوڑی مدت تک ڈھیل کیوں نہ دی کہ میں صدقہ کرلیتا - اور صالحین میں سے ہوجاتا - اور جب کسی کی اجل آجائیگی - تو خدا تعالےٰ اسی ہرگز ڈھیل نہیں دیگا - اور اللہ کو سب خبر ہے اُسکی جو تم کرتے ہو۔

عالمِ برزخ میں بھی جزوی عذاب و ثواب

اُوپر کے بیان میں آپ پڑھ آئے ہیں۔ کہ مرنے پیچھے روزِ قیامت تک برزخ ہے۔ دو چیزوں[1] کی درمیانی حدِ فاصل اور آڑ کو برزخ کہتے ہیں۔ چونکہ عالمِ برزخ موت اور روزِ قیامت، یا یوں سمجھئے کہ دار العمل (دنیا) اور دار الجزاء (عاقبت) کے درمیان ہے۔ اسلئے اِسے عالمِ برزخ کہتے ہیں۔ دُنیا کی اکثر آبادی دو[2] مذہبوں کی قائل ہے۔ قیامت کی اور تناسخ کی، لیکن مُردوں کے لئے برزخی حالت سب کے نزدیک مسلّم ہے۔ مِلّت ابراہیمی کے قائلین (یہود، نصارٰے اور مسلمین) جو قیامت کے قائل ہیں۔ اور اپنے مُردوں کو سپردِ خاک کرکے دفن کردیتے ہیں اُن کا برزخ کو ماننا تو ظاہر ہے۔ لیکن اُن کے سوا ہنود وغیرہم جو تناسخ کے قائل ہیں۔ اور اپنے مُردوں کو نذرِ آتش کرکے جلا دیتے ہیں۔ وہ بھی احوالِ برزخیہ سے اِنکار نہیں کرسکتے ہیں۔ کیونکہ روحوں کی جزا سزا کے فیصلے تک کہ وہ کسی دیگر جُون میں جائیں۔ یا پھر انسانی قالب میں آئیں۔ وہ بھی ایک عرصۂ زمانہ مانتے ہیں[2] اُس کے رُو سے اُن کے نزدیک بھی برزخ لازم ہے۔ غرض عالمِ برزخ کی بابت کسی کو اختلاف نہیں۔ نزاع صرف برزخ کے بعد کی حالت میں ہے۔ کہ کلّی جزا کا فیصلہ کس طرح ہوگا۔ قیامت کے دِن[3] جنت دوزخ کی صورت میں ہوگا۔ یا تناسخ کی صورت میں بار بار اِسی دنیا میں آتے رہینگے ۔

ایک شُبہ اور اُس کا ازالہ بعض لوگوں کو یہ شُبہ عارض ہوتا ہے۔ کہ اگر عذابِ قبر برحق ہے۔ تو جو لوگ دفن نہیں کئے جاتے اور جَلا دیئے جاتے ہیں۔ یا انکو کوئی درندہ کھا جاتا ہے۔ انکو عذابِ قبر کسطرح ہوتا ہے؟

اِس کا حل یوں ہے۔ کہ عذاب وراحتِ قبر، عالمِ برزخ کی حالت ہے۔ قرآن وحدیث میں اِس عالم کا ذکر قبر کے لفظ سے اسلئے آیا ہے۔ کہ مِلّتِ ابراہیمی میں مُردوں کے لئے یہی دستور تھا۔ کہ وہ دفن کئے جاتے تھے۔ اور اِن میں یہ دستور حضرت آدم ؑ کے وقت سے جب سے کہ حضرت ہابیل قتل ہوئے متوارث چلا آتا تھا۔ ورنہ عالمِ برزخ کے حالات قبر ہی سے مخصوص نہیں ہیں۔ بلکہ ہر شخص جو فوت ہوجاتا ہے۔ اُس کو عالمِ برزخ میں اُس کے اعمال

---

[1] قاموس، صراح۔ مفرداتِ راغب، ۱۲ منہ

[2] اِس برزخ کا ذکر عام ہندوں کے لئے تو برہدارنیہ اوپ نشد اور خاص آریوں کے لئے ستیارتھ پرکاش کے سملاس نہم ویازدہم میں صاف الفاظ میں موجود ہے۔ کہ مرنے کے بعد جیوا نتریکھش میں رہتے ہیں، اِسی کو پِتری لوک بھی کہتے ہیں۔ ۱۲ منہ

[3] یوم الدین کی تفسیر میں اصل مقصود روزِ قیامت کا اثبات ہے۔ اُس سے پہلے جزوی جزا سزا کا بیان ابتدائی اور ضمنی مراحل ہیں۔ ۱۲ منہ

کے مناسب جزوی دُکھ سکھ پہنچتا ہے۔جیسا کہ نزع کے ذکر میں بھی ہم ذکر کر آئے ہیں حافظ ابن قیم رح کتاب الروح میں فرماتے ہیں:۔

ومما ینبغی ان یعلم ان عذاب القبر ھو عذاب البرزخ فکل من مات وھو مستحق للعذاب نالہ نصیبہ منہ قُبِر او لم یُقبَر فلو اکلتہ السباع او احرق حتّٰی صار رمادا ونسف فی الھواء او صلب او غرق فی البحر وصل الی روحہ وبدنہ من العذاب ما یصل الی القبور[۵] (ص۹۲)

اور یہ بھی جاننے کے لائق ہے۔ کہ عذابِ قبر ہی عذابِ برزخ ہے پس جو شخص مرجائے اور وہ عذاب کے لائق ہو۔ تو اُسے اسکا حِصّہ ملجائیگا۔ دفن کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ اگرچہ اُسکو درندے کھاجائیں یا اُسے جلادیا جائے۔ حتّٰی کہ وہ خاکستر ہوجائے اور اُسے ہوا میں اُڑا دیا جائے یا سولی پر لٹکایا جائے۔ یا دریا میں غرق ہوجائے۔ تو اُسکی روح اور اُسکے بدن کو وہ عذاب ضرور پہنچکر رہیگا۔ جو دفن کئے گئے کو پہنچتا ہے۔

خدا تعالےٰ جو محاسبِ اعمال اور جزا سزا کا مالک و مختار ہے۔ ہر حال کے مناسب کسی کو دُکھ اور کسی کو سکھ پہنچانے کے ہر طریقے سے پورا واقف اور اسپر پورا قادر ہے، وہ بڑا علیم و حکیم اور عزیز و قدیر ہے۔ روح جو حقیقۃً حاملِ راحت و عذاب ہے۔ ہر حال میں باقی ہے۔ نہ اُسے مٹی کھا سکتی ہے۔ نہ آگ جلا کر فنا کرسکتی ہے نہ درندوں کے کھانے سے مستحیل ہوسکتی ہے۔ یہ سب امور جسم پر وارد ہوتے ہیں۔ جو آخر فانی ہے۔ روح پر نہیں ہوتے جسم کو دفن کردیا جائے۔ یا جلا دیا جائے۔ یا اُسے درندے کھاجائیں۔ اُسکی روح خدا کی حراست میں رہتی ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔ فَیُمۡسِکُ الَّتِیۡ قَضٰی عَلَیۡہَا الۡمَوۡتَ (زمر پ۲۴) یعنی جسپر خدا تعالےٰ موت وارد کردیتا ہے۔ اُسے اپنے پاس بند رکھتا ہے روحِ حیوانی کا سلسلہ ٹوٹ جانے کے بعد بھی روحِ انسانی کا اپنے مُردہ بدن کے اجزا سے ایک گونہ تعلق باقی رہتا ہے ہاں اُسکی نوعیت جُدا ہے۔ عالمِ دنیا میں جو تعلق ہے۔ وہ اَور قسم کا ہے۔ جسکی کیفیت اُس عالم میں جانے سے معلوم ہوتی ہے۔ قبل اسکے نہیں۔ کیونکہ کوائف کا علم قبل اُن کے وارد ہونے کے نہیں ہوسکتا۔ دُنیا میں روح کو جسم پر مختار کرکے اُسکی باگ ڈور اُسکے ہاتھ میں دیدی گئی ہے۔ اور وہ ہردم اُسکی تدبیر و پرداخت میں مصروف رہتی ہے۔ برزخ میں یہ ڈیوٹی اُس کے سپرد نہیں ہوتی۔ حافظ ابن قیم رح کتاب الروح میں حافظ ابن حزم رح کے جواب میں بعض احادیث ذکر کرکے فرماتے ہیں:۔

والروح لم تزل متعلقۃ ببدنہا وان بلی وتمزق وسر ذالک ان الروح لہا بالبدن خمسۃ انواع

اور روح اپنے بدن سے ہمیشہ متعلق رہتی ہے۔ اگرچہ وہ جسم گل سڑجائے یا پاش پاش ہوجائے۔ اور اسکا بھید یہ ہے۔ کہ روح سے بدن کے تعلقات

---

[۵] نسخہ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ۱۳۱۸ھ میں "الی القبور" لکھا ہے۔ شاید صحیح "الی المقبور" ہو، (میر)

من التعلق متغايرة الاحكام احدها تعلقها
ببدنٍ بطن الام جنينًا الثانی تعلقها به بعد
خروجه الی وجه الارض الثالث تعلقها به فی
حال النوم فلها به تعلق من وجه ومفارقة
من وجه الرابع تعلقها به فی البرزخ فانها وان
فارقته وتجردت عنه فانها لم تفارقه فراقًا
كليا بحيث لايبقی لها التفات اليه البتة وقد
ذكرنا فی اوّل الجواب من الاحاديث والاٰثار
مايدل علی ردها اليه وقت سلام المسلم
وهذا الرد اعادة خاصة لايوجب حياة البدن
قبل يوم القيمة الخامس تعلقها به يوم بعث
الاجساد، وهو اكمل انواع تعلقها بالبدن و
لانسبة لما قبله من انواع التعلق اليه اذهو
تعلق لايقبل البدن معه موتا ولانوما ولا
فسادًا (ص۶۸)

پانچ نوعیں ہیں جنکے احکام آپس میں مختلف ہیں اوّل اسکا
تعلق جب بدن ماں کے پیٹ میں جنین کی صورت میں ہوتا ہے۔
دوم پیٹ سے نکلکر زمین پر آنے اور رہنے کے وقت سوم
نیند کی حالت میں۔ اِس حالت میں ایک گونہ تعلق ہوتا ہے۔ اور
ایک گونہ مفارقت چہارم عالمِ برزخ میں تعلق اس حالت میں
اگرچہ وہ بدن کو چھوڑ کر اُس سے الگ ہوگئی ہے لیکن کلی طور پر
ایسا فراق نہیں کیا۔ کہ بالکل اُسکی طرف کسی قسم کی التفات
باقی نہ ہو۔ اور ہمنے جواب کے شروع میں احادیث وآثار سے
بہت کچھ ذکر کیا ہے۔ جو اس بات کی دلیل ہے۔ کہ مسلمان
جب میّت کو سلام کہتا ہے۔ تو روح واپس آتی ہے۔ اور یہ واپسی
خاص ہے۔ اس سے قیامت سے پیشتر بدن کی زندگی لازم نہیں آتی۔
پانچویں قسم کا تعلق روزِ قیامت کو ہوگا۔ اور یہ سب قسموں سے
کامل ہے۔ کہ اس سے دیگر قسموں کے تعلقات کو کچھ نسبت
ہی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ ایسا تعلق ہوگا۔ جس کے ہوتے بدن پر
نہ موت وارد ہوگی۔ نہ نیند اور نہ کوئی دیگر بگاڑ ؎

عالمِ برزخ کی اس راحت وتکلیف کو ذہنِ انسانی کے قریب کرنے کی تین صورتیں ہیں :-

اوّل یہ کہ یہ کہا جائے کہ ہمارے باطنی اعتقادات اور ظاہری اعمال جنسے ہماری روح متکیف ہو چکی ہے۔ عالَمِ مثال میں اُنکی صورتیں بنجاتی ہیں ان خیرا فخیر وان شرا فشر یعنی اعتقاد وعمل نیک ہیں۔ تو صورتیں بھی نیک اور اگر بُرے ہیں تو صورتیں بھی بُری جیسا کہ سابقًا ص۱۵۸ پر گذر چکا، اعتقادات واعمال عالمِ دنیا میں تو جسم اختیار نہیں کر سکتے، لیکن عالَمِ مثال میں وہ متجسد ہو جاتے ہیں اِسکی نظیر عالمِ خواب ہے۔ کہ ہم بعض وقت خواب میں جو کچھ دیکھتے ہیں وہ بعینہٖ واقع ہو جاتا ہے۔ اور بعض وقت وہ خواب ایسے واقعات کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ جنکو خواب میں دیکھی ہوئی صورتوں سے مناسبت ہوتی ہے۔ حالانکہ وہ واقعات عالمِ دنیا میں عین اُس صورت میں نہیں ہوتے۔ مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ اُن کو گیارہ ستارے

مع آفتاب و مہتاب کے سجدہ کر رہے ہیں لیکن واقعہ میں گیارہ بھائی ثابت ہوئے۔ کوکب اصل میں آسمانی ستارے کو کہتے ہیں لیکن محاورہ میں کسی نامی شخص کو بھی کہہ لیتے ہیں۔ اور ستارۂ ہند وغیرہ خطابات اسی لئے ملتے ہیں۔ اسی طرح شاہِ مصر نے خواب میں سات دُبلی گائیں دیکھیں۔ جو سات موٹی گائیوں کو کھا رہی تھیں۔ اور سات خشک خوشے اور سات سبز خوشے دیکھے۔ لیکن واقعہ میں سات سال خشک اور سات سال بارش کے ظاہر ہوئے۔ چونکہ خواب کی کیفیت کم و بیش ہر شخص پر گذرتی ہے۔ اسلئے اسکی زیادہ مثالوں کی ضرورت نہیں۔ عالم خواب کی سب ایسی صورتیں اور ایسے اجسام مثالی ہوتے ہیں جو متجسد ہو کر نظر آتے ہیں۔ خارجی نہیں ہوتے۔ پس عالم مثال سے انکار نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اسکی نظیر واقعات میں ظاہر ہو رہی ہے۔ اور محالِ ذاتی کسی صورت میں بھی صورت پذیر نہیں ہوسکتا۔ فافہم۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی مایۂ ناز کتاب حجۃ اللہ میں عالمِ مثال کے اثبات میں ایک خاص باب باندھا ہے۔ اور اُسکے ضمن میں بہت سی ایسی احادیث ذکر کی ہیں، جنمیں قبر یا محشر میں بعض معانی و اعمال کا ذکر جسمانیات کے طور پر وارد ہے۔ اور انکو اسی مثال سے سمجھایا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:-

اعلم انه دلّت احاديث كثيرة على ان فی الوجود عالماً غير عنصری يتمثل فيه المعانی باجسام مناسبة لها فی الصفة الخ (ص۱۳)	تو یقین کر لے کہ بہت سی احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ایک غیر عنصری عالم بھی موجود ہے۔ جس میں معانی اپنے مناسب جسموں کی صورت میں متمثل ہو جاتے ہیں؛

پھر اس کے بعد بہت سی احادیث بیان کی ہیں۔ جو روزِ قیامت وغیرہ کے واقعات کے متعلق ہیں۔ اس کے بعد فرماتے ہیں:-

وانّ القبر يفسح سبعين ذراعاً فی سبعين او يضم حتی تختلف اضلاع المقبور وان الملائكة تنزل على المقبور فتسأله وانّ عمله يتمثل له وانّ الملائكة تنزل الی المحتضر بايديهم الحرير او المسح وانّ الملائكة تضرب المقبور بمطرقة من حديد فيصيح صيحة يسمعها ما بين المشرق والمغرب وقال النبی صلى الله عليه وسلم ليسلط على الكافر فی قبره تسعة وتسعين تنيناً تنهسه وتلدغه حتی تقوم الساعة وقال اذا ادخل الميت القبر	اور یہ کہ قبر ستر در ستر ہاتھ فراخ کردیجاتی ہے۔ یا ایسی تنگ کردیجاتی ہے۔ کہ دفن شدہ کی پسلیاں ایکدوسری میں پھنس جاتی ہیں۔ اور یہ کہ دفن شدہ کے پاس (منکر و نکیر) فرشتے آکر اس سے سوال کرتے ہیں۔ اور یہ کہ مرتے ہوئے شخص کے پاس فرشتے آتے ہیں۔ جن کے ہاتھوں میں ریشم اور ٹاٹ کے کفن ہوتے ہیں، اور یہ کہ فرشتے دفن شدہ شخص کو لوہے کی گرزوں سے مارتے ہیں۔ تو وہ اتنی چیخ پکار کرتا ہے کہ اُسے مشرق و مغرب کی درمیانی مخلوق سنتی ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ کافر پر ننانوے اژدہا مسلط کردئے جاتے ہیں

مثلت له الشمس عند غروبها فيجلس يمسح عينيه ويقول دعوني أصلي (مسلم) جو اُسے قیامت تک ڈستے رہینگے۔ اور آپ نے یہ بھی فرمایا۔ کہ جب میت قبر میں داخل کیجاتی ہے۔ تو اُسے مثالی صورت میں سورج کا غروب ہونا نظر آتا ہے۔ پس وہ کہتا ہے چھوڑ دو میں نماز پڑھ لوں ؎

یہ سب امور عالم مثال کے ہیں اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اِسی صورت کو اپنا مختار مذہب قرار دیا ہے۔ اور یہ خاکسار بھی اِسی کا معتقد ہے۔ اور اسکے امکان بلکہ اِسکی واقعیت کے ظاہری و باطنی دلائل جو خدا تعالےٰ نے اپنے فضل سے اِس عاجز کو سمجھائے ہیں یا فقیرانہ واردات کے طور پر وارد کئے ہیں اِتنے وافر ہیں۔ کہ میں اُن سے انکار نہیں کر سکتا۔ اگر میری زبان اُن کے بیان سے قاصر ہے۔ تو دل بفضلہٖ تعالیٰ مطمئن ہے۔ کہ معانی کا متجسم ہونا حقیقت واقعی ہے۔ لیکن یہ سب کچھ عالم خواب، عالم مثال، اور عالم محشر میں ہوتا ہے۔ اور ہوگا۔ بلکہ یہ تو یہانتک ہے۔ کہ جس طرح عالم خواب میں معانی متجسد ہو کر عیاناً سامنے آجاتے ہیں اِسی طرح بعض کاملین کو عالم بیداری میں بھی وہ معانی جسمانی صورت میں نظر آجاتے ہیں چنانچہ حدیث میں وارد ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ جو کچھ میں دیکھتا ہوں۔ کیا وہ تمکو بھی نظر آتا ہے؟ میں تو فتنوں کو تمہارے گھروں میں بارش کے قطروں کی طرح گرتے دیکھتا ہوں۔ (حجۃ اللہ صلا ۲۳) حدیث میں سورت مُلک کا نام مانعہ اور منجیہ بھی آیا ہے۔ کیونکہ یہ سُورت اپنے پڑھنے والے سے عذابِ قبر کو روکتی ہے۔ اور مُردے کو نجات دلاتی ہے۔ (مشکوٰۃ ص۱۸ بروایت ترمذی) اِسکی صورت بھی یہی ہے۔ کہ اِسکا تعلق پڑھنے والے کے قلب و روح سے ایسا شدید ہو جائے۔ کہ جب قبر میں نکیرین حساب کے لئے آئیں۔ تو یہ سُورت متمثل ہو کر روک کی صورت میں حائل ہو جائے۔ اور اپنے پڑھنے والے کو بچالے ؎

مؤلف تفسیر ہذا عُفِیَ عَنہُ کا اپنا واقعہ

خاکسار گنہگار نے اپنی ایک بیماری میں امرتسر میں اُپریشن کرایا۔ اس کے لئے کلورا فارم کا سُنگھانا ضروری تھا۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے سُنگھایا۔ اور اُپریشن کیا۔ جب مجھے قدرے ہوش آنے کو ہُوا تو میں نے اُپریشن کنندہ ڈاکٹر دھنپت رائے صاحب اسسٹنٹ سرجن امرتسر کو یہ کہتے سنا (حالانکہ میں ابھی آنکھیں بھی نہیں کھول سکا تھا) کہ جن حالات میں کسی کی زندگی گزرتی ہے۔ اِس بیہوشی میں وہی کیفیت اُس پر طاری ہو جاتی ہے۔ اور وہ اُسی قسم کی باتیں کرتا ہے۔ چونکہ مولانا صاحب (خاکسار میر سیالکوٹی) کی زندگی مذہبی اُمور میں گذری ہے۔ اسلئے وہ اس حالت میں بھی قرآن ہی پڑھتے رہے ہیں۔ خواجہ محمد اسماعیل صاحب خلف خواجہ حبیب اللہ صاحب مرحوم شال مرچنٹ امرتسر نے مجھے اُس حالت کی بعض

آیات بھی بتائیں جو ئیں پڑھ رہا تھا مثلاً وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ (پ۲۵ شوریٰ) ڈاکٹر محمد فاضل صاحب اور ڈاکٹر اشفاق محمد صاحب امرتسری بھی شامل تھے اور بلاشکوہ مولوی احمد الدین صاحب بھی موجود تھے یہ حالت دیکھکر سب حیران تھے، مولوی علی محمد صاحب صمصام کا بیان ہے کہ ڈاکٹر وصنیت رائے صاحب مذکور الفوق نے یہ بھی فرمایا تھا کہ میں یقیناً کہتا ہوں کہ مولنا صاحب (خاکسار یہ لکھ) قبر میں بھی جائینگے۔ تو وہاں بھی قرآن ہی پڑھینگے؛

غرض اس قصّے کے دُہرانے سے یہ ہے۔ کہ مجھپر یہ حالت طاری ہو چکی ہے اور میں اِسے خوب سمجھ چکا ہوں اس کے بعد مجھے اِس امر کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں کہ اعتقاداتِ راسخہ و اعمالِ مکتسبہ سے جو کیفیت روح میں پیدا ہو جاتی ہے وہ دائم و باقی رہتی ہے۔ اور بدنی تعلّقات و تدبیرات کے انقطاع و فراغت کی صورت میں وہ عیاناً نمایاں ہو جاتی ہے آنحضرت صلعم نے اِسی قبیل سے فرمایا ہے۔ جو اُوپر گذر چکا ہے۔ کہ جب میت قبر میں داخل کیجاتی ہے۔ تو اُسے مثالی طور پر آفتاب ڈوبنے کے قریب نظر آتا ہے۔ پس وہ بیٹھ جاتا ہے۔ اور اپنی آنکھیں ملتا ہے۔ اور کہتا ہے چھوڑو میں نماز پڑھ لوں۔ (مشکوٰۃ بروایت ابن ماجہ) اِسکی یہی وجہ ہے کہ روز مرّہ کے تعامل و مشق سے اور کثرت توغل اور صدق توجہ سے رُوح میں ایسی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ کہ اُس سے جُدا نہیں ہوتی۔ اور اب عالم برزخ میں بدن کی تدبیر سے بالکل فارغ ہے۔ اور اُسکا کیا کرایا سب کچھ اُس کے سامنے ہے؛

(۲) دوسری صورت ذہن کے قریب لانے کی یہ ہے۔ کہ جسپر وہ حالت طاری ہوتی ہے۔ اُسے اپنی حس اور خیال میں ایسا ہی نظر آتا ہے۔ اِسکی نظیر یہ ہے۔ کہ سورتِ حٰم دخان میں فرمایا؛۔ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ (پ۲۵) یعنی اے نبی! تو اُس دن کا انتظار کر جب آسمان سے دھواں نمودار ہوگا؛ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ صحابی کہتے ہیں کہ مکّہ شریف میں نہایت سخت قحط پڑا۔ تو آسمان کی طرف دیکھنے سے شدّت بھوک کی وجہ سے دھواں نظر آتا تھا۔ (حجۃ اللہ صـ۱۴)

(۳) تیسری صورت یہ ہے۔ کہ جو جو واقعات برزخ میں پیش آنے والے ہیں انکو اِن الفاظ میں بیان کرکے سمجھایا گیا ہے۔ کیونکہ انسان فہم و تفہیم کے سلسلے میں اِنہی اشیاء سے اور اِسی طریق سے مانوس ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ ولست اری المقتصر علی الثالثۃ من اھل الحق یعنی میں اُس شخص کو جو اس تیسری صورت پر بس کرے اہل حق سے نہیں جانتا۔

پھر اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ نے امام غزالی رح سے نقل کیا ہے۔ کہ انہوں نے عذابِ قبر کے متعلق ان ہرسہ

مذکورہ بالا صورتوں کا ذکر کیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔ اوّل یہ کہ احوالِ برزخیہ جو صحیح احادیث میں مذکور ہیں سب صحیح ہیں۔ اصحابِ بصیرت کے لئے تو بالکل واضح ہیں۔ لیکن اگر بے بصیرت اشخاص کی سمجھ میں نہ آئیں تو اِس سے اُن حقائق کا انکار نہیں ہو سکتا۔ دوّم یہ کہ سوئے ہوئے شخص کی حالت کو یاد کرو کہ وہ بعض وقت خواب میں دیکھتا ہے۔ کہ اُسے سانپ ڈس رہا ہے۔ اور اُسے درد بھی محسوس ہو رہا ہے۔ جسکی شدت سے وہ چیخ پکار بھی کرتا ہے۔ اور اُسے پسینہ بھی آجاتا ہے۔ اور اپنے آپ میں وہ سب کچھ بیدار آدمی کی طرح محسوس کرتا ہے۔ لیکن اُس کے پاس والا شخص اُسے بالکل ساکن وغیر متحرک سویا ہُوا دیکھتا ہے۔ اور اُسے اُس کے پاس کوئی بھی سانپ بچھو نظر نہیں آتا۔

پس جسطرح وہ سانپ اُس خوابیدہ شخص کے حق میں تو موجود ہے۔ اور اُسے تکلیف بھی ہو رہی ہے۔ لیکن اُس کے پڑوسی کے حق میں موجود نہیں ہے۔ اِسی طرح مُردہ کو جو تکلیف و راحت ہو رہی ہے۔ وہ واقعی ہو رہی ہے گو زندوں کو محسوس و معلوم نہ ہوسکتی ہو۔

سوّم یہ کہ یہ تو معلوم ہے کہ سانپ بنفسہ دردناک نہیں ہے۔ بلکہ وہ درد اُسکے زہر کا ہے۔ پھر یہ کہ وہ زہر بھی عین درد نہیں ہے۔ بلکہ تکلیف اُس اثر سے ہے۔ جو زہر کی وجہ سے تمہارے بدن میں ہو گیا ہے۔ پس اگر یہی اثر بغیر زہر کے پیدا ہو جائے۔ تو وہ نہایت شدید ہوگا۔ اور اِس قسم کی تکلیف کے بیان کی یہی صورت ہے۔ کہ وہ اثر اُن اسباب کی طرف منسوب کر کے سمجھایا جائے جنسے انسان عادةً مانوس ہے۔ پس مہلک اسباب موت کے وقت خوفناک اور المناک صورتیں بنجاتے ہیں۔ اور اُنکی تکلیف ایسی ہوتی ہے۔ جیسے سانپوں کے ڈسنے کی۔ گو سانپ موجود نہ ہوں۔ انتہیٰ (ص۱۴۱)

تتمۂ بحث

آنحضرت صلعم نے یہ بھی فرمایا ہے۔ کہ جب تم میں سے کوئی مرجاتا ہے۔ تو اُسے صبح و شام اُسکی جگہ (جنت یا دوزخ میں) دکھائی جاتی ہے۔ اگر وہ جنتی ہے۔ تو جنت میں جائیگا۔ اور اگر دوزخی ہے تو دوزخ میں جھونکا جائیگا۔ اور اُسے کہا جاتا ہے۔ کہ تیری اصل جگہ یہ ہے۔ (ابھی تو قبر یعنے برزخ میں رہیگا) حتےٰ کہ خدا تعالےٰ تجھے قیامت کے دن یہاں پہنچا دے (مشکوٰۃ ص۱۸ بروایت صحیحین)

خاکسار کہتا ہے۔ کہ اِس حدیث کی تصدیق قرآن شریف میں موجود ہے۔ اور وہ آیت عذابِ برزخ کے اثبات میں اصل اصول ہے۔ چنانچہ خدا تعالےٰ آلِ فرعون کی نسبت فرماتا ہے:۔

وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ۚ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۖ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ (مومن پ۲۴)	اور اُلٹ پڑا فرعونیوں پر بُری طرح کا عذاب یعنے آگ، کہ صبح و شام اُس کے سامنے کئے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی۔ کہا جائیگا، داخل کرو

آل فرعون کو سخت سے سخت عذاب میں ؎

اِس آیت میں قیامت سے ورے عذاب کا صریح ذکر ہے۔ اور وہ اِسی عالَمِ برزخ کا عذاب ہے جس طرح حدیث مذکورہ بالا میں بتایا گیا ہے۔ کہ میت کو اسکا اصلی مقام جو اُسے جنت یا دوزخ میں ملنے والا ہے۔ صبح و شام دکھایا جاتا ہے۔ چنانچہ حدیث کے الفاظ ہیں۔ عُرِضَ عَلَيْهِ مَقْعَدُهٗ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ (مشکوٰۃ ص۲۵) یعنے صبح و شام اُسکا ٹھکانا اُس کے سامنے کیا جاتا ہے ؎

اِسی طرح اِس آیت مذکورہ بالا میں فرعونیوں کی نسبت جو دوزخی ہیں کہا گیا ہے۔ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا (مومن پ۲۴) یعنی وہ صبح و شام آتش (دوزخ) کے سامنے کئے جاتے ہیں۔ فنعم الوفاق ؎

الغرض عالَمِ برزخ کی راحت و تکلیف کے اثبات میں قرآن و حدیث یک زبان ہیں۔ اور عقل اس کے امکان کو اُس کیفیت سے جو ہمنے اوپر بیان کی ہے۔ سمجھ سکتی ہے۔ اسلئے اسکی تصدیق میں کوئی بھی تردد باقی نہیں رہنا چاہئے۔ جمہور ائمۂ سُنّت کا یہی مذہب ہے صحابہؓ و تابعینؒ اور صُلحائے اُمّت اِسی پر گذرے ہیں حشرنا اللہ معھم، اٰمین،

یہ مضمون اِس سے بھی مفصل بیان ہوسکتا ہے لیکن چونکہ ہمیں اصل منزل یعنے یوم الدین پر جلد پہنچنا ہے اور وہ بہت لمبی منزل ہے۔ اس لئے اِسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ اللّٰھم انی اعوذ بک من وساوس الصدر وعذاب القبر ؎

کلی فیصلہ قیامت کے روز ہوگا

"لِاَیِّ یَوْمٍ اُجِّلَتْ لِیَوْمِ الْفَصْلِ (مرسلات پ۲۹) اِن معاملات کو کس دن کیلئے اٹھا رکھا گیا ہے؟ فیصلے کے دن کیلئے"
سابقاً کسی قدر تفصیل سے بیان ہو چکا ہے کہ دُنیا اور نزع اور برزخ میں جزا سزا جزوی ہے۔ اور کُلی جزا سزا قیامت کے دن
ہوگی اور صفحہ ۱۲۶ پر معاد کے متعلق جو سات عنوانات قائم کئے گئے تھے، اُن میں سے پہلے پانچ عنوانوں کا بیان سابقاً ہو چکا ہے۔
اب صرف اخیر کے دو باقی ہیں۔ یعنے حشرِ اجساد کا ممکن ہونا۔ اور منکرین قیامت کے شبہات کے جوابات ؛
سو اِن کے بیان سے پیشتر اِس امر کا بیان بھی ضروری ہے۔ کہ اِس کُلی فیصلے کے لئے ایک خاص دن کیوں مقرر کر رکھا
ہے۔ جب دُنیا اور سکراتِ موت اور برزخ میں بھی جزا سزا ہوتی ہے۔ تو انہی میں سارا معاملہ کیوں ختم نہیں کر دیا جاتا۔ اور اِسی
روزِ قیامت کے لئے کیوں اُٹھا رکھا ہے؟ یہ شبہ اکثر منکرین قیامت کو عارض ہوتا رہتا ہے۔ بلکہ حشرِ اجساد یعنی
بوسیدہ ہڈیوں اور جلی ہوئی خاکستر اور خاک میں ملے ہوئے اجزا میں جان پڑ جانا آجکل اسقدر مستبعد نہیں رہا۔ جتنا علمی پیرا
اِس امر کی ضرورت کو سمجھنا ضروری جانا گیا ہے۔ کہ ایک خاص دن کی کیا ضرورت ہے؟
سو اِس کے متعلق اوّل تو یہ گذارش ہے۔ کہ خدا تعالیٰ ہر امر کا مالک و مختار اور ہر امر پر قادر و توانا ہے۔ جو چاہے
کر سکتا ہے۔ بدیں معنے کہ نہ تو کوئی اسکا ہاتھ پکڑ سکتا ہے۔ اور نہ کوئی کام اُسکی مشیت کے خلاف رُک سکتا ہے
جو کچھ ہو رہا ہے۔ سب اُسکی مشیت سے ہے۔ اور جو نہیں ہوتا۔ اُسکی نسبت اُسکی مشیت یہی ہے۔ کہ نہ ہو۔ اسلئے وہ
نہیں ہوتا۔ اور نہ ہوگا، نہ تو ہونیوالی چیز بذاتہ ضروری الوجود ہے اور نہ نہ ہونیوالی ممتنع ؛
لیکن اُسکی مشیت، اُسکی قدرت، اُسکا قہر و غلبہ، اُسکی سطوت و جبروت، اُسکی رحمت و شفقت، عفو و درگذر، عقوبت
و نعمت، جو کچھ بھی ہے۔ سب اُسکی حکمت کے ماتحت ہے۔ جس امر کا جس کیفیت سے ہونا چاہا ہے۔ اُسکی
بنا حکمت و مصلحت پر ہے۔ اور جس امر کا نہ ہونا چاہا ہے۔ اُسکی بنا بھی حکمت پر ہے ؛
پس اُس نے کلی فیصلے کیلئے ایک خاص دن مقرر کیا ہے۔ تو اُس میں بڑی بڑی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں، جس طرح کہ ہم
دُنیا کے دیگر نظاموں میں دیکھتے ہیں ہر چند کہ خدا تعالےٰ اُن نظاموں سے باہر بھی سب کچھ کر سکتا ہے۔ لیکن پھر
بھی اُس نے ہر امر کے لئے ایک خاص مُدّت اور خاص وقت مقرر کر رکھا ہے۔ وہ کام اُس وقت سے پہلے نہیں ہوتا۔
خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا (فرقان پ۱۸) "پیدا کیا اُس نے ہر شئے کو پس اُس کو ایک خاص اندازے پر رکھا"
اگرچہ وہ کام اُس سے پہلے بھی ممکن ہے۔ اور اُس کے بعد بھی، لیکن حکمتِ الٰہی کا تقاضا یہی ہوتا ہے۔ کہ وہ عین

اُسی وقت پر ہو، اُس میں کسی کو کلام نہیں ہوتا۔ اور نہ کلام کرنے کا حق ہے۔ اُسمیں اُسکی نہایت باریک حکمتیں ہوتی ہیں۔ بعض وقت وہ حکمتیں ہماری سمجھ سے بالا ہوتی ہیں۔ اور ہمکو اپنے ضعفِ علم کا اقرار کرتے ہوئے اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ کہ اُسمیں حکمتیں ہیں، اور بعض وقت وہ حکمتیں واقعہ کے بعد ہماری سمجھ میں آجاتی ہیں۔ اور ہم اُسوقت دِل وجان اور زبانِ حال وقال سے سبحان اللہ! سبحان اللہ پکار اُٹھتے ہیں۔

سو قرآن شریف نے اوّل تو فرمایا کہ فیصلے کے لئے ایک دن مقرر ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

(۱) اِنَّ یَوْمَ الْفَصْلِ مِیْقَاتُهُمْ اَجْمَعِیْنَ دخان پ ۲۵
(۲) اِنَّ یَوْمَ الْفَصْلِ کَانَ مِیْقَاتًا نبا پ ۳۰

} بیشک فیصلے کا دن اِن سب کے لئے مقرر وقت ہے؛

پھر اسکی وجوہات و حکمتیں بھی خود ہی بیان کی ہیں جنکا بیان اسوقت ہمیں خاص طور پر ملحوظ ہے۔ سو اسکی نسبت گذارش ہے کہ سکراتِ نزع۔ یعنے جان کنی کی بیہوشی اور برزخ میں جو بھی جزوی جزا سزا ہے۔ وہ پوری نہ ہونے کے علاوہ انفرادی ہے۔ جس جان پر وارد ہوتی ہے۔ اُسکا علم اُسی کو ہوتا ہے۔ دوسرے اُس سے بیخبر رہتے ہیں۔ اور دُنیا کے مصائب و آلام بھی فیصلہ کُن نہیں ہیں کیونکہ بعض اوقات نیکوں کے مصائب و ابتلا جنمیں اُن کے صبر و استقامت کی آزمائش اور دیگر کئی ایک مصلحتیں ہوتی ہیں۔ دیگر لوگوں کے مصائبِ جزا کے ہمرنگ ہوکر حُجّت بازوں کے نزدیک مُشتبہ ہوسکتے ہیں۔

نیز دُنیا کے مصائب اور سکرات و برزخ کے عذاب میں ظالم کو تو سزا ملگئی، لیکن اگر وہ ظلم کسی دوسرے انسان کے متعلق ہے۔ تو اُس میں اُس مظلوم کی حق رسی اور ظالم سے اُسکے بدلہ لینے کی کیا صورت ہے؟

نیز جو نزاعات لوگوں کے باہمی حقوق کے متعلق ہوتے ہیں، دنیا کے فیصلے میں بسا اوقات سچے محروم رہتے ہیں اور جھوٹے میدان جیت جاتے ہیں۔ اُن کے فیصلے کی کیا صورت ہے؟

نیز، لوگوں میں جو جو مذہبی اختلافات ہیں۔ اور وہ حُجّت و دلیل کے متعلق ہیں، اُن میں ہر فریق اپنے آپ کو حق پر کہتا رہتا ہے۔ اور جھوٹے کی زبان بندی کی کوئی صورت نہیں اور اِس طرح عوام پر حق مشتبہ وملتبس رہتا ہے بلکہ کبھی باطل عارضی طور پر غلبہ پاکر حق کو دبا لیتا ہے۔ پس اِس کے لئے بھی کوئی خاص موقع درکار ہے۔

نیز، یہ کہ جن رسولوں نے احکام خدا کی تبلیغ کی، اور جن لوگوں نے اُنکا اِنکار کیا۔ دُنیا یا نزع یا برزخ میں اُن کے آمنے سامنے ہوکر اُن میں فیصلے کی کوئی صورت نہیں ہوسکتی؛

پس ضروری ہے۔ کہ ایک ایسا دِن مقرر ہو۔ جس میں یہ سب امور حق حق طے ہوسکیں، اور فیصلے میں کسی قسم کے اشتباہ

کی گنجائش نہ رہ سکے اور اُنکے بعد کسی فیصلے کا انتظار باقی نہ رہے۔ جزا سزا سب کے سامنے عام ہو۔ ظالم و مظلوم ہر دو خدا کی عدالت میں حاضر ہوں۔ اور حقدار کو غاصب ظالم سے حق دلایا جاوے۔ اور پیغمبرانِ خدا اور اُنکی منکر قومیں ہر دو فریق خدا کے سامنے پیش ہوں۔ اور رسولوں اور اُن کے تابعداروں کے اعزاز و اکرام سے اُن کے منکروں پر ثابت کر دیا جائے۔ کہ وہ پیغمبر اور اُن کے تابعدار خدا کیطرف سے حق پر تھے۔ اور منکر اُن کے انکار میں ناحق پر تھے۔ وَهٰكَذَا قرآن شریف نے اِن سب امور پر بالتفصیل سیر کن بحثیں کی ہیں۔ اور اِن مضامین کو ہر جہت سے مکمل طور پر بیان کیا ہے۔ اور ہم دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ اس امر میں قرآن شریف متفرد ہے۔ یہ باتیں کسی دیگر مذہب کی آسمانی کتاب میں موجود نہیں ہیں۔ نہ موجودہ توریت میں نہ زبور میں۔ نہ انجیل میں نہ وید میں نہ دساتیر میں نہ کسی اور میں۔ چنانچہ امر اول یعنے اجتماعِ اولین و آخرین کی نسبت فرمایا:۔

(۱) قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ لَمَجْمُوْعُوْنَ اِلٰی مِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ (واقعہ پ ۲۷)

(۱) کہ تو بیشک سب پہلے اور سب پچھلے ایک معلوم دن کی میقات پر جمع کئے جائینگے۔

(۲) ذٰلِكَ یَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ یَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ (ہود پ ۱۲)

(۲) یہ وہ دن ہے جس میں تمام لوگ جمع کئے جائینگے۔ اور یہ وہ دن ہے۔ جس میں سب حاضر ہونگے۔

(۳) قُلِ اللّٰهُ یُحْیِیْكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یَجْمَعُكُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَا رَیْبَ فِیْهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ (جاثیہ پ ۲۵)

(۳) تو کہ اللہ ہی تمکو زندگی بخشتا ہے۔ پھر تمکو ماریگا۔ پھر تمکو قیامت کے دن اکٹھا کر کے حاضر کریگا جسمیں کوئی شک نہیں لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے

(۴) یَوْمَ یَجْمَعُكُمْ لِیَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ یَوْمُ التَّغَابُنِ (تغابن پ ۲۸)

(۴) جس دن تمکو اکٹھا کرنے کے دن اکٹھا کرے گا۔ وہ افسوس کا دن ہوگا۔

(۵) رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْهِ (آل عمران پ ۳)

(۵) اے ہمارے پروردگار بیشک تو تمام لوگوں کو اسدن جسمیں کوئی شک نہیں جمع کرنیوالا ہے

(۶) هٰذَا یَوْمُ الْفَصْلِ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِیْنَ (مرسلات پ ۲۹)

(۶) یہ ہے فیصلہ کا دن، جمع کیا ہمنے تمکو اور سب پہلوں کو۔

اِن سب آیات میں بالصراحت مذکور ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے دنیا جہان کے فیصلے کے لئے اپنے علم میں ایک خاص دن مقرر کر رکھا ہے۔

اِس تقریر کی بابت ایک اور بات بھی دماغ میں بٹھانے کی ہے۔ کہ کسی امر کا تقرر عقل اور طبع کے متعلق نہیں ہے بلکہ تقرر ایک وضع ہے۔ اور وضع کیلئے اختیار اور استحقاق کی ضرورت ہے۔ نہ تقاضائے عقل و طبع کی۔ اور یہ مسلم ہے کہ دنیا جہان کا مالک اور اُس کے جملہ امورِ جزئیہ و کلیہ کا مختار و حقدار عرف اور صرف خداوند تعالیٰ ہے۔ اسمیں کسی دوسرے

لی کسی نوع کی بھی شرکت نہیں ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ (سورت سبا پ ۲۲) ۵۱

(اے پیغمبر! ان سے) کہدو کہ پکارو تم انکو جنکو گمان کر رکھا ہے تمنے سوائے اللہ کے نہیں وہ مالک ایک ذرہ بھر آسمانوں میں، اور نہ زمین میں، اور نہ ان دونوں میں ان کی کوئی شرکت ہے۔ اور نہ ان میں سے کوئی اُسکا مددگار ہے (کہ اُسکا ہاتھ بٹاتے)۱

اسی کے ساتھ ایک اور بات بھی سمجھنے کی ہے۔ کہ جو امر وضعی ہے۔ اُس کا وجود و قیام لازم و ضروری نہیں ہوتا۔ بلکہ عارضی ہوتا ہے۔ جو اُس کے واضع کی مرضی و مصلحت کے تابع ہوتا ہے۔ جبتک وہ چاہے اُسے یا اُس کے سلسلے کو قائم رکھے۔ اور جب چاہے اُسے توڑ پھوڑ کر اُس کے سلسلے کو درہم برہم کر دے۔ کیونکہ خود وضع بھی لازم و ضروری نہیں ہے۔ بلکہ واضع کا اختیاری کام ہے۔ اور یہ بھی مسلم ہے۔ کہ خداوند تعالےٰ فاعل بالارادہ والاختیار ہے نہ فاعل بالاضطرار، پس خلق و فنائے عالم یا ایجاد و اعدام، یا اُسکا بقا و فنا، سب کچھ اُس کے مصلحت بین ارادے کے ماتحت ہے۔ انمیں سے کوئی بھی ضروری ہوا جب نہیں ہے۔ اسی معنے میں کہا گیا ہے ؎

تیرے ہاتھ میں ہے فنا و بقا، تیری شان جَلَّ جلالہٗ

جب یہ دونوں باتیں اچھی طرح سے آپکے ذہن نشین ہو گئی ہیں۔ تو اب آپ کو سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے ہر چیز کے وجود کے لئے ایک خاص وقت اور اس کے بقا کے لئے ایک خاص میعاد مقرر کر رکھی ہے۔ جس میں کسی قسم کا تخلف یا ایک ساعت کا بھی تقدم و تاخر نہیں ہو سکتا۔ اُس وقت کے آنے یا اُس میعاد کے پورا ہونے پر اس شئے کے وجود یا فنا کا حکم وارد کر دیتا ہے۔ پس وہ اُسی طرح ہو جاتی ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (نحل پ ۱۴) یعنے خدا کا حکم تو بس یہی ہے۔ کہ جب کسی شئے کا ارادہ کرتا ہے۔ تو اُسے (یعنے اُسکی صورتِ علمیہ کو جو اُسکے علم میں ہے) کہتا ہے "ہو جا" پس وہ ہو جاتی ہے ۱؎

یہی حال بقائے عالم کا ہے۔ کہ خدا کے علم و ارادے میں اُسکی ایک میعاد مقرر ہے۔ اُس کے پورا ہو جانے پر اُسپر فنا کا حکم وارد کر دیگا۔ نظام شمسی و قمری درہم برہم ہو جائینگے۔ اور تمام کارخانۂ دنیا تہ و بالا ہو کر فنا ہو جائیگا،

صوبہ بہار کی تازہ بربادی دیکھ لینے یا سن لینے کے بعد آپ کو اس کے سمجھنے اور تسلیم کر لینے میں کوئی بھی مشکل یا تردد پیش نہیں آنا چاہیئے۔ جس ذات برتر نے کوہِ ہمالہ کے دامن سے آگرہ کے تاج روضہ کی دیواروں تک اتنے بڑے حصۂ ملک کو ایک لمحہ میں صرف ہلا ہی نہیں بلکہ زمین کو شق کر کے اُس کے نیچے کے پانی کو اُسکی پشت پر دریا کی طرح بہا دیا۔

۵۱ حاشیے کے لئے دیکھو ص۱۸۵ حاشیہ ۱

اور ایکدم میں ہزار ہا نفوس کا گلا اِس طرح گھونٹ دیا جس طرح کہ بجلی کی سوئچ د[با]کو دبا کر سارے شہر کے بلب گُل کر دیئے جاتے ہیں۔ اور اِتنے شہروں کی تباہی سے قیامتِ صغریٰ قائم کردی۔ وہ اگر اسی کلمۂ کُن کے حکم میں تمام عالم کی بربادی کا ارادہ کرکے قیامتِ کبریٰ قائم کردے، تو کونسی بڑی بات ہے ٥

اوست سُلطاں ہرچہ خواہد آں کند　　عالمے را در دمے ویراں کُند

قرآن شریف میں فنائے عالم کا مضمون بہت جگہوں پر بہت وضاحت سے مذکور ہے چنانچہ فرمایا ہے۔

(۱) اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ٥ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ٥ وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ٥ (تکویر پ۳۰)

(۱) جب سُورج لپیٹ لیا جائے گا۔ اور جب تمام ستارے بے نُور ہو جائینگے۔ اور جب پہاڑ چلائے جائینگے۔

(۲) اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ٥ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ٥ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ٥ وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ٥ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ (انفطار پ۳۰)

(۲) جب آسمان پھٹ جائیگا۔ اور جب ستارے جھڑ جائینگے۔ اور جب سمندر بہ چلینگے، اور جب قبریں اُٹھائی جاوینگی۔ جان لے گی ہر جان جو آگے بھیجا اُسنے اور جو پیچھے چھوڑا۔

(۳) اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ٥ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ٥ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ٥ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ ٥ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ (انشقاق پ۳۰)

جب آسمان پھٹ جائیگا۔ اور سُن لے وہ حکم رب اپنے کا اور اسی لائق ہے وہ کہ حکم مان لے، اور جب زمین پھیلائی جاوے اور ڈالدیوے جو کچھ اُس کے اندر ہے۔ اور خالی ہو جاوے اور سُن لے حکم رب اپنے کا اور وہ اسی لائق ہے کہ حکم مانے۔

(۴) اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ٥ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا (زلزال پ۳۰)

(۴) جب ہلائی جائیگی زمین نہایت درجے کی، اور نکال ڈالیگی زمین تمام بوجھ اپنے۔

(۵) يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ٥ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ (قارعہ پ۳۰)

(۵) جسدن ہونگے لوگ مثل پراگندہ پروانوں کی۔ اور ہو جائیں گے پہاڑ مثل دُھنی ہوئی اون کے۔

حاشیہ ۱۸۴ یہ آیت غیر اللہ کی مالکیت و استحقاق کی نفی میں بہت زور کی ہے۔ اِسکی مختصر تشریح یوں ہے کہ اول تو اسمیں ذرّہ بھر کا لفظ فرما کر کلّی نفی کردی ہے۔ پھر یہ کہ اسمیں تین مرتبے سمجھائے ہیں۔ کیونکہ کسی امر میں کسی کا عمل دخل اور تصرف و اختیار تین طرح سے ہوتا ہے۔ اوّل مستقل مالک کی حیثیت سے۔ دوم ملکیت میں شریک ہونے کی حیثیت سے۔ سوم کام میں مددگار ہونے کی حیثیت سے، سو اِن تینوں حیثیتوں میں نفی کردی، کہ زمین و آسمان کی مالکیت اور اُنکے جملہ تصرفات و تدبیر میں کسی نوع کا حق یا عمل دخل اور تصرف و اختیار نہیں ہے۔ نہ تو خدا تعالےٰ کے مقابلے میں ایسی کوئی ذات ہے۔ جو کسی ایک ذرّہ کی بھی مالک ہو، چاہے وہ ذرہ آسمان میں ہو، چاہے زمین میں، اور نہ گاڈ اینڈ کمپنی (God & Co.) کوئی فرم ہے کہ یہ غیر اللہ اسمیں (Share Holder) حصے دار ہوں، اور نہ خدا تعالےٰ اپنی ضعف کی وجہ سے مددیاری کا محتاج ہے کہ یہ غیر اللہ اُس کا ہاتھ بٹائیں، سبحان اللہ! کیا انداز بیان ہے کہ ہر پہلو نظر میں ہے۔ ۱۲

(۶) وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا ۝ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ۝ لَّا تَرَىٰ فِيهَا عِوَجًا وَلَا أَمْتًا (طٰہٰ پ۱۶)

(۶) اور (اے پیغمبر!) تجھسے پہاڑوں کی بابت سوال کرتے ہیں۔ تو کہہ اُنکو بکھیر دیگا رب تیرا۔ اور پھر کر دیگا زمین کو چٹپر میدان۔ نہ دیکھے تو اسمیں موڑ اور نہ ٹیلہ ۔

(۷) وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ (نمل پ۲۰)

(۷) اور تو دیکھتا ہے۔ پہاڑوں کو، جانتا ہے تو کہ وہ جمے ہوئے ہیں، اور وہ چلینگے جیسے چلے بدلی ۔

(۸) وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً وَحَشَرْنَاهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ أَحَدًا ۝ وَعُرِضُوا عَلَىٰ رَبِّكَ صَفًّا (کہف پ۱۵)

(۸) اور جس دن چلاوینگے ہم پہاڑوں کو اور تو دیکھیگا زمین کو ننگی پڑی ہوئی۔ اور جمع کرینگے ہم اُن سب کو پس باقی نہ چھوڑینگے ہم اُن میں سے کسی کو اور اپنے رب کے حضور میں صفیں باندھے ہوئے پیش کئے جائینگے ۔

غرض یہ عالم زیرین وبالا تمام فنا و برباد کردیا جائیگا۔ اور نیا آسمان اور نئی زمین پیدا کیجائیگی۔ اور تمام لوگ محاسبۂ اعمال کے لئے اپنے پروردگار کے سامنے پیش ہونگے۔ چنانچہ فرمایا:۔

(۱) يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَاوَاتُ ۖ وَبَرَزُوا لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (ابراہیم پ۱۳)

جسدن بدلی جائیگی یہ زمین ایک اور زمین سے اور آسمان بھی، اور نکل کھڑے ہونگے۔ اللہ اکیلے زبردست کے سامنے ۔

وزن اعمال

میزان اعمال رکھا جائیگا۔ اور ذرہ ذرہ بھر نیکی بدی کا حساب ہوگا۔ اور اُس میں ذرہ برابر بھی ظلم نہ ہوگا۔ چنانچہ فرمایا:۔

(۱) وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ ۚ فَمَن ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُم بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَظْلِمُونَ (اعراف پ۸)

(۱) اور اُس روز وزن اعمال، بالکل حق ہے پس جس کسی کے اعمال کا وزن بھاری ہوگا۔ وہی نجات پائینگے۔ اور جس کے اعمال کا وزن سبک ہوگا پس وہ وہی ہونگے۔ جنہوں نے اپنی جانوں کو گھاٹے میں ڈالا۔ اسلئے کہ وہ ہماری آیتوں سے بے انصافی کرتے تھے ۔

(۲) وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ۖ وَإِن كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا ۗ وَكَفَىٰ بِنَا حَاسِبِينَ (انبیاء پ۱۷)

(۲) اور ہم قیامت کے دن عدل والے ترازو قائم کرینگے۔ پس کسی جان پر کچھ بھی ظلم نہ ہوگا۔ اور اگر وہ عمل، رائی کے دانے کا بھی ہم وزن ہوگا تو ہم اُسے بھی لا حاضر کریں گے

اور اتنے بڑے کام کے لئے) ہم خود ہی کافی محاسب ہیں"

(۴) اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا (نساء پ۵)

(۴) بیشک خدا تعالےٰ ایک ذرہ بھر بھی ظلم نہیں کریگا۔ اور اگر وہ عمل کوئی نیکی ہوگی تو خدا اُسے بڑھا کر اضعاف مضاعفہ کردیگا۔ اور اپنے پاس سے اجر عظیم دے گا"

(۵) يَوْمَ هُمْ بَارِزُوْنَ ۚ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۚ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۚ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۞ اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۚ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ (مومن پ۲۴)

(۵) جسدن وہ سب نکل کر کھڑے ہونگے چھپی نہ رہیگی۔ اللہ پر انکی کوئی چیز (کہا جائیگا) آج کس کا راج ہے؟ (خود خدا تعالےٰ فرمائیگا) اکیلے زبردست خدا کا راج ہے۔ آج ہر جان کو اُسکے کسب کی توفیق جزا ملیگی آج کسی طرح کا ظلم نہیں ہوگا بیشک اللہ بہت جلد حساب چکانیوالا ہے"

ازالہ شبہ وزنِ اعمال کے متعلق بعض عقل کے پتلوں کو یہ شبہ عارض ہوتا ہے۔ کہ وزن ذی مقدار اجسام کا کیا جاتا ہے۔ اور اعمال ذی مقدار اجسام نہیں ہیں۔ تو انکے وزن کے کیا معنے؟

سو اولاً تو یہ معلوم ہو کہ غیر جسمانی چیزوں کو مقدار کے لفظوں میں بیان کرنا ہر زبان کا محاورہ ہے۔ آپ کہا کرتے ہیں "ذرہ بھی فکر نہ کرو" اور یہ بھی کہا کرتے ہیں "مجھ پر غموں کے پہاڑ آپڑے ہیں" حالانکہ فکر اور غم جسمانی چیزیں نہیں ہیں۔ لیکن آپ ایسا بولا کرتے ہیں۔ اِسکی وجہ یہ ہے۔ کمی بیشی ہر شئے میں ہوتی ہے۔ جسمانیات میں بھی، اور معانی میں بھی۔ اور کوائف میں بھی۔ اور ان کے بیان کرنے کے لئے وہی الفاظ بولے جاتے ہیں۔ جو محسوسات کے لئے بولے جاتے ہیں۔ پس جس طرح محسوسات کی مقدار معلوم کرنے کے لئے میزان محسوس ہے۔ اِسی طرح اعمال (نیک یا بد) کی مقدار معلوم کرنے کے لئے ایک میزان ہے اور یہ ضرور نہیں کہ جس نوع کا تمہارے ہاں میزان محسوس ہے۔ اُسی نوع کا وہ بھی ہو، اور آپ کو یہ شبہ پڑے۔ کہ اعراض ومعانی محسوس میزان پر کیسے تلینگے؟ کیونکہ ہر چیز کا میزان اُسکی نوع کے لحاظ سے الگ ہوتا ہے۔ آپ کے ہاں شعروں کے لئے بھی وزن ہیں۔ صرفی صیغوں کے لئے بھی وزن ہیں۔ تو کیا وہ بھی اِسی طرح دو پلڑوں والے ترازو ہوتے ہیں؟ کہ ایک طرف باٹ رکھا جائے۔ اور دوسری طرف وہ شعر یا صیغہ جس کا وزن آپ کو مطلوب ہے۔ آپ کی منکرانہ عقل قرآن وحدیث کیلئے خوب تیز ہو جاتی ہے۔ لیکن اپنی باتوں کے وقت اُسے کچھ بھی ہوش نہیں رہتی۔ کہ میاں صاحب کیا الاپتے جاتے ہیں، دیگر یہ کہ جو جو عمل ہم کرتے ہیں خدا تعالےٰ کے پاس اُن کے دفتروں کے دفتر لکھے ہوئے ہیں۔ وہ سب قیامت کے دن سامنے لائے جائینگے۔ اور وزن کئے جائینگے۔ لیکن مقابلہ کاغذوں کے بوجھ کا نہیں ہوگا۔ بلکہ اُن عملوں کی انواع اور کوائف کے رُو سے اور خدا کے نزدیک اُن کی قدر وشرف یا ناراضی وخفگی کے اندازے سے ہوگا

ایک عمل اپنی ذات میں بہت چھوٹا ہے۔ لیکن وہ اپنی نوع کے لحاظ سے خدا کے نزدیک سب سے بڑھکر محبوب و افضل ہے۔ یا خفگی و ناراضی میں سب سے بڑھکر عظیم ہے مثلاً ایمان اور کفر و شرک ۔

ایمان (بلحاظ دلکی تصدیق کے) بالکل معمولی بات نظر آتی ہے، لیکن مذہبی آئین میں اصل اصول سب سے افضل یہی ہے حدیث میں وارد ہے۔ کہ آنحضرت صلعم سے دریافت کیا گیا۔ اَیُّ الْعَمَلِ اَفْضَلُ کونسا عمل سب سے افضل ہے۔ آپنے فرمایا۔ اِیْمَانٌ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (صحیح بخاری) یعنی خدا کی توحید پر ایمان رکھنا، اسی طرح شرک ظاہر میں چھوٹی سی چیز ہے لیکن خدا کے نزدیک سب سے بڑا گناہ ہے، چنانچہ حضرت لقمان کے وعظ کے اثنا میں فرمایا۔ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ (لقمان پ ۲۱)، نیز فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ (النساء پ ۵) یعنے خدا تعالےٰ اس بات کو ہرگز نہیں بخشیگا۔ کہ اُس سے شرک کیا جائے۔ اور حدیث میں وارد ہے کہ آنحضرت صلعم سے دریافت کیا گیا اَیُّ الذَّنْبِ اَکْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ یعنی خدا کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کونسا ہے، آپ نے فرمایا اَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَّهُوَ خَلَقَكَ (الحدیث مشکوٰۃ مش) یعنے یہ کہ تو خدا تعالےٰ کے ساتھ شریک مقرر کرے حالانکہ خدا ہی تیرا خالق ہے ؟!

پھر یہ کہ اعمال کوائف کے لحاظ سے بھی درجات میں مختلف ہوجاتے ہیں، نیکیاں بھی اور بدیاں بھی۔ چنانچہ وَلِکُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا (پ انعام)، نیز فرمایا هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ (آل عمران پ ۴) یعنے سب کے اپنے اپنے اعمال کے رُو سے مختلف درجات ہیں اور وہ سب خدا کے پاس مختلف مدارج پر ہونگے؟ حدیث میں وارد ہے کہ حضرت عمرؓ کی ساری نیکیاں حضرت صدیق اکبرؓ کی ایک نیکی کی مثل ہیں[1] نیز فرمایا لَا یَسْتَوِیْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ ط اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی (حدید پ ۲۷)، یعنے نہیں ہیں برابر تم میں سے وہ لوگ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا اور جہاد کیا۔ وہ لوگ اُن لوگوں سے بڑے درجے والے ہیں ۔ جنہوں نے اس کے بعد خرچ کیا اور جہاد کیا۔ اور جنت کا وعدہ تو خدا نے ان سب سے کیا ہے؛ حافظ ابن حزم قرطبی رح جن کی فوق الفطرت ذہانت اور جمیع علوم شرعیہ و فنون عقلیہ میں امامت و مہارت مسلم کل ہے۔ اور موافقتِ معقول و منقول میں نہایت سلامت رو ہیں۔ اپنی مایہ ناز کتاب کتاب الفصل میں فرماتے ہیں :۔

ونقطع علی ان تلك الموازین اشیاء یبین الله عزوجل بها للعباد مقادیر اعمالهم من خیر	اور ہم قطعی طور پر کہتے ہیں۔ کہ یہ موازین ایسی اشیاء ہونگی جنسے اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کے اعمال خیر و شر کی

[1] شاید یہ ایک نیکی شب ہجرت کی، رفاقت کی نیکی ہو۔ زہے سعادت اس یار غار کی رضی اللہ عنہ ۱۲ منہ

او شيء من مقدار الذرة التي لا تحس وزنها في موازيننا اصلاً فما زاد ولا ندري كيف تلك الموازين الا اننا ندري انها بخلاف موازين الدنيا وان ميزان من تصدق بدينار او بلؤلؤة اثقل ممن تصدق بكذا انه ليس هذا وزنا وندري ان اثم القاتل اعظم من اثم اللاطم وان ميزان مصلي الفريضة اعظم من ميزان التطوع بل بعض الفرائض اعظم من بعض فقد صح عن النبي صلى الله عليه وسلم ان من صلى الصبح في جماعة كمن قام ليلة ومن صلى العتمة في جماعة فكانما قام نصف ليلة وكلاهما فرض وهكذا جميع الاعمال فانما يوزن عمل العبد خيره مع شره (جلد چہارم مطبوعہ مصر صـ ٩٥/٩٦)

مقدار ظاہر کریگا۔ ایک ذرہ کی مقدار بھی جسکا وزن ہمارے میزانوں سے معلوم نہیں ہو سکتا، اور اُس سے زیادہ کی بھی، اور ہم نہیں جانتے کہ وہ میزان کس نوعیت کے ہونگے ہاں اتنا جانتے ہیں کہ وہ دُنیا کے ترازؤں کی جنس سے نہ ہونگے اور ہم یہ بھی بالقطع کہتے ہیں۔ کہ جو شخص ایک دینار یا ایک موتی دراو مُدامیں، صدقہ کرے اُسکا وزن اُس شخص کے وزن سے زیادہ بھاری ہوگا جو ایک آنہ صدقہ کرتا ہے۔ حالانکہ یہ متعارف وزن نہیں ہے۔ اور یہ بھی کہ قاتل کا گناہ دھپڑ مارنے والے کے گناہ سے بڑا ہے۔ اور یہ بھی کہ نمازِ فرض ادا کرنے والے کا میزان نماز نفل کے ادا کرنے والے سے بڑا ہے۔ بلکہ بعض فرض دیگر فرائض سے بھی بڑے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ جو شخص نمازِ صبح باجماعت ادا کرتا ہے وہ مثل اُس شخص کی ہے جو تمام رات نماز میں رہا۔ اور جو نمازِ عشا باجماعت ادا کرے گویا اُس نے نصف رات کا قیام کیا۔ حالانکہ یہ دونوں فرض ہیں اور اسی طرح بندے کے تمام اعمال نیک و بد وزن کئے جائینگے ؎

حافظ ابن حزم رح کی یہ تحریر آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ نہایت وسیع علم اور نہایت گہرے فکر کا نتیجہ ہے۔ اعتقادِ حق اور شانِ علم ہر دو کو نہایت سلامتی سے محفوظ رکھا ہے اور اس میں جسقدر مثالیں بیان کی ہیں۔ اُن سب میں کمی بیشی کا حکم جسمانی ترازو سے نہیں لگایا جا سکتا۔ بلکہ عقلی و روحانی سے ۔ حالانکہ وہ سب اعمال ہیں۔ اور اعراض ہیں۔

دیگر یہ کہ ہم جو عمل بھی کرتے ہیں۔ نیک ہوں یا بد، عالمِ مثال میں اُن سب کی مناسب صورتیں بنتی ہیں۔ جیسا کہ سابقاً کئی دفعہ ذکر ہو چکا ہے۔ پس وہ متمثل اجسام میزان میں تولے جائینگے۔

یہ سب امور مذکورہ ممکنات سے ہیں۔ اور قرآن شریف و صحیح احادیث میں اس کثرت سے وارد ہیں کہ اُن سے انکار نہیں

؎ مولانا شبلی مرحوم الکلام حصہ اول میں حافظ ابن حزم رح کے حال میں فرماتے ہیں:- "مسلمانوں میں جن لوگوں کا فضل و کمال معمولی طاقتِ بشری سے بالاتر خیال کیا گیا ہے۔ ایک اُن میں علامہ موصوف بھی ہیں، اُنکی تصنیفات قریباً چار سو ہیں۔ اور اسی ہزار صفحوں میں ہیں (الکلام صـ ٥٣) ١٢ منہ

ہوسکتا، اور مخبرِ صادق کسی ممکن امر کی خبر دیدے۔ تو اسمیں تردّد و شک کی گنجائش نہیں رہتی۔ ورنہ سارا نظامِ شہادت اور لوگوں کا اعتبار و وقار درہم برہم ہوجائیگا۔ اور دماغوں کی پریشانی اور نظامِ عالم کی خرابی اس کا نتیجہ ہوگا +

تردّد و شک کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں۔ اوّل یہ کہ وہ امر فی نفسہ محال ہو لیکن یہ بھی ضروری ہے۔ کہ اُسے محال قرار دینے کے لئے ہمیں کافی علم ہو، ایسا نہ ہو کہ اپنے ضعفِ ادراک یا قلّتِ علم یا عدمِ بصیرت کی وجہ سے ممکنات کو بھی محال قرار دے لیں۔ اور اس میں تردّد و شک کریں۔ یا اُس سے انکار کردیں۔ یا اگر جہالتِ مرکبّہ کا جن سوار ہوجائے تو تکذیب کے ٹھیکہ دار بن جائیں۔ خدائے تعالےٰ ایسے منکروں اور مکذّبوں کی حالت بتاتا ہے:۔

بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيلُهُ ط (یونس پ۱۱) یعنے بلکہ جھٹلایا انہوں نے اُس شئے (قرآن) کو جسکے سمجھنے پر اُنہوں نے قابو نہ پایا۔ اور ابھی اُنکو اُسکی حقیقت معلوم نہیں ہوئی تھی۔ اسی طرح قیامت کے روز اُن سے فرمائیگا۔ اَكَذَّبْتُمْ بِآيَاتِي وَلَمْ تُحِيطُوا بِهَا عِلْمًا أَمَّاذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (نمل پ۲۰) یعنی کیا تمنے میرے احکام کو جھٹلا دیا تھا۔ حالانکہ تمنے از روئے علم اُن کو پورا سمجھا نہ تھا۔ یا کہو تم کیا کرتے تھے؟؟

دوسری صورت شک یا انکار کی یہ ہے کہ خبر دینے والے کی راست گوئی میں شک ہو۔ یا اُسکی کذب بیانی کا علم ہو۔ لیکن اگر بات ہو ممکن اور خبر دینے والا ہو سچوں کا سچا۔ بلکہ خدا کا رسول (صلعم)، تو اُسکی تصدیق و تسلیم میں ہچکچانا، یا اسمیں شک و تردّد کرنا۔ یا معاذ اللہ اُس سے انکار کرنا، یا اُسکی تکذیب کرنا، ایں چہ؟

غرض یہ سب امور جو قرآن و حدیث صحیح میں وارد ہیں۔ سب سچ ہیں۔ اور ممکن ہیں۔ اِنہیں شک کرنے یا انکار کرنیکی وجہ اپنی کوتاہ فہمی یا زیغِ قلبی کے سوائے اور کچھ نہیں۔ وَمَنْ لَمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِنْ نُورٍ (نور پ۱۸)

آخیر میں ہم بعض اکابر کی مختصر عبارتیں بھی لکھتے ہیں۔ جنکے علم و فضل کا ڈنکا چار دانگِ عالم میں بج چکا ہے۔ صرف اُن کوتاہ بینوں کے لئے جنہوں نے قصرِ معقولات کی ڈیوڑھی دیکھ کر اپنا دماغ خراب کر لیا ہے۔ تاکہ اُن کو معلوم ہوجائے دنیا جہاں کے معقولیوں کے اُستاد باوجود اتنے علم و فضل کے اِن سب امور کے قائل تھے۔ اور اُنکی فلسفہ دانی اُنکو قرآن وحدیث کی تصریحات کے خلاف ذرہ بھر بھی ڈگمگا نہیں سکی۔ چنانچہ امام غزالی اپنی کتاب اقتصاد فی الاعتقاد[1] میں منکرینِ وزنِ اعمال کا اعتراض ذکر کرکے فرماتے ہیں:۔

(فنقول) قد سئل النبیّ صلے اللہ علیہ وسلم عن ہذا ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ آنحضرت صلعم سے اِس

۱؎ امام صاحب ممدوح نے یہ کتاب خاص اس مقصد کیلئے لکھی ہے۔ کہ بے ثبوت روایتوں کے ماننے والوں کی افراط اور بے بصیرت معقولیوں کی تفریط سے بچتے ہوئے حق حق بات ثابت کیجائے۔ اسی لئے اسکا نام اقتصاد رکھا ہے چنانچہ خطبہ کتاب میں اس امر کا امام صاحب ممدوح نے خود ذکر کیا ہے۔ جسے ہم بخوف طوالت نقل نہیں کرسکتے ۱۲ منہ

فقال قد توزن صحائف الاعمال فان الكرام
الكاتبين يكتبون الاعمال فی صحائف هی اجسام
فاذا وضعت فی المیزان خلق الله تعالیٰ فی کفتها
میلاً بقدر رتبة الطاعات وهو علیٰ ما یشاء
قدیرٌ (اقتصاد ص۹۸ مطبوعہ مصر)

بات کا سوال ہوا تھا۔ تو آپ نے فرمایا تھا۔ کہ اعمالنامے
تولے جائینگے۔ کیونکہ کراماً کاتبین اعمال کو صحیفوں میں لکھتے
ہیں۔ اور وہ اجسام ہیں پس جب وہ میزان میں رکھے جائینگے
تو خدا تعالےٰ اُس کے پلڑے میں بقدر طاعات کے رتبے
کے میلان پیدا کردے گا۔ اور وہ جو کچھ چاہے اُس پر قادر ہے

(۲) اسی طرح امام رازی رح تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں:۔

(احدهما) ان اعمال المؤمن تتصوّر بصورة
حسنة واعمال الکافر بصورة قبیحة فتوزن
تلك الصورة کما ذکره ابن عباس رض
(والثانی) ان الوزن یعود الی الصحف التی تکون
فیها اعمال العباد مکتوبة وسئل رسول الله صلی
الله علیه وسلم عما یوزن یوم القیمة فقال
الصحف (کبیر جلد چہارم ص۱۸۷ سورہ اعراف)

(پہلی وجہ یہ ہے) کہ مؤمن کے اعمال اچھی صورت میں متمثل
ہونگے۔ اور کافر کے بُری صورت میں۔ پس وہ صورت
وزن کیجائیگی۔ جس طرح کہ حضرت ابن عباسؓ نے ذکر کیا۔
(دوسری وجہ یہ ہے) کہ وہ صحیفے جنمیں بندوں کے اعمال لکھے
جاتے ہیں۔ تولے جائینگے اور رسول اللہ صلعم سے دریافت کیا
گیا تھا۔ تو آپ نے فرمایا تھا۔ صحیفے (تولے
جائیں گے)۔

(۳) اسی طرح علامہ سعد الدین تفتازانی رح فرماتے ہیں:۔

والاعمال توزن صحائفها او تجعل الحسنات
اجساما نورانية والسيئات ظلمانية (مقاصد ص۲۲۶ مطبوعہ مصر جلد ثانی)

اور اعمال کا وزن صحیفوں کے تلنے سے ہوگا۔ یا یہ کہ نیکیاں
نورانی جسموں میں اور برائیاں ظلمانی جسموں میں متمثل کیجائینگی۔

اعمال کا لکھا جانا اور قیامت کے دن اُس اعمالنامہ کا پیش ہونا قرآن شریف میں بکثرت مذکور ہے۔ چنانچہ
بعض آیات حسب ذیل ہیں:۔

(۱) وَكُلَّ إِنسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ فِي عُنُقِهِ ۖ وَنُخْرِجُ
لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنشُورًا ۝ اقْرَأْ كِتَابَكَ
كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا (بنی اسرائیل پ۱۵)

(۱) اور ہمنے ہر انسان کی قسمت اسکے گلے کا ہار بنا رکھی ہے
اور قیامت کے دن اس کے لئے ایک نوشت نکالینگے۔
جسے وہ کھلی ہوئی پائیگا۔ اور اُسے کہا جائیگا۔ اپنی کتاب
(اعمال) کو پڑھ لے۔ آج تیری اپنی جان تجھپر کافی حساب لینے والی ہے۔

(۲) هَٰذَا كِتَابُنَا يَنطِقُ عَلَيْكُم بِالْحَقِّ ۚ إِنَّا كُنَّا نَسْتَنسِخُ

(۲) یہ ہے ہماری نوشت جو تمپر حق حق بولتی ہے۔ بیشک

مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ (جاثیہ پ۲۵)

ہم لکھواتے رہتے تھے جو کچھ تم کرتے تھے۔

(۳) وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِينَ ۝ كِرَامًا كَاتِبِينَ ۝ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ (انفطار پ۳۰)

(۳) اور بیشک تم پر محافظ ہیں یعنی کراماً کاتبین۔ جنکو معلوم ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

(۴) وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ وَيَقُولُونَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَّلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصٰهَا وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا ۝ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا (کہف پ ۱۵)

اور رکھی جائیگی (حساب کی) کتاب، پس تو مجرموں کو دیکھیگا کہ وہ اُس سے جو اُسمیں درج ہوگا ڈرتے ہوں گے، اور کہینگے، ہائے بربادی ہماری یہ کیسی کتاب ہے۔ کہ اس نے کوئی چھوٹی نہ بڑی بات نہیں چھوڑی مگر وہ اِس میں سب کچھ درج ہے۔ اور یہ لوگ اپنے سب اعمال اپنے سامنے موجود پالینگے۔ اور تیرا رب کسی پر بھی ظلم نہیں کرے گا۔

اب ہم اس مضمون کو ایک حدیث پر ختم کرتے ہیں، جسپر امام بخاری رح نے اپنی صحیح کو ختم کیا ہے۔ امام بخاریؒ اپنی صحیح کے خاتمہ پر عنوان باب یوں باندھتے ہیں:۔

باب قول الله وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ وأن اعمال بنی ادم و قولهم توزن یعنی

یہ باب ہے خدا تعالیٰ کے فرمان وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ کا اور نیز اس کا کہ بنی آدم کے اعمال واقوال (سب) تولے جائینگے۔ پھر اس کے ذیل میں حضرت ابوہریرہؓ کی یہ حدیث ذکر کی ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا:۔

کلمتان حبیبتان الی الرحمن خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان، سبحان الله و بحمده سبحان الله العظیم (خاتمہ صحیح بخاری شریف)

دو کلمے ہیں جو خدائے رحمٰن کو بہت پیارے ہیں۔ زبان پر بہت ہلکے ہیں۔ میزان (اعمال) میں بہت بھاری ثابت ہونگے۔ وہ یہ ہیں سُبحان الله وبحمده سبحان الله العظیم

دیکھئے اِس حدیث میں ان کلمات کی نسبت تینوں وصف مذکور ہیں۔ خِفّت (ہلکاپن یعنے زبان پر آسان ہونا) اور ثِقل (بوجھ) یعنے میزانِ عمل میں بلحاظ ثواب کے بھاری ہونا، اور محبوبیّت یعنے خدا تعالیٰ کے نزدیک ان کا پسندیدہ ہونا۔ اِنکی خفّت اور محبوبیت میں تو آپ کو کلام نہیں ہوگا۔ باقی رہ گیا۔ ثقل سو ان کے بعد اس کے ماننے میں کچھ بھی مشکل باقی نہیں رہتی۔ یہ کلمات جنسِ اعراض سے ہیں۔ جنس اجسام سے نہیں ہیں۔ لیکن زبان پر ان کے ہلکا ہونے کو آپ مانتے ہیں۔ ایک چیز کو آپ ایک جہت سے ہلکا مانتے ہیں۔ تو دوسری جہت سے اُس کے بھاری ماننے میں کیوں تامل ہے۔ خِفّت اور ثِقل دو متقابل اور اضافی امر ہیں۔ جب ایک ثابت ہے تو دوسرا ماننا ممکن کیوں نہیں ہے؟ اور

اِسکی وجہ یہ ہے۔ اِن کے مضمون پر نظر کرکے کہ یہ خداوند تعالیٰ کی تحمید و تسبیح اور اُسکی عظمت و جلال پر مشتمل ہیں۔ آپ کا دِل اور دماغ اُن کے پسندیدہ ہونے کو سمجھتا اور مانتا ہے پس خدا تعالیٰ کے ہاں اِسکی قدر و قیمت بہت زیادہ ہوگی۔ اور وہ اِن پر نہایت عظیم ثواب عطا کریگا خطایئں معاف کریگا۔ اور درجات بلند کریگا۔ اَللّٰھم ارزقنا

فائدہ وزنِ اعمال کا فائدہ یہ ہے۔ کہ بندے کا کیا کرایا سب کچھ اُس کے سامنے کرکے اور اُسکی کمی بیشی اور ارتکاب وفروگذاشت اور نیکی بدی کا توازن و مقابلہ محسوسی طور پر عیاں کرکے اپنے فیصلے کی عدالت ظاہر کردیجائے تاکہ اُسے کہا جاسکے ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدَاكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ (حج پ) یعنے یہ فیصلہ اُسی کے مطابق ہُوا ہے۔ جو تیرے ہاتھوں نے بھیجا تھا۔ اور خدا تعالیٰ (ذرا اپنے) بندوں پر ہرگز ہرگز ظلم روا نہیں رکھتا۔

علامہ عینیؒ شرح صحیح بخاری میں حدیث مذکورالفوق کے ذیل میں فرماتے ہیں:۔

وَفَائِدَتُهٗ اِظْهَارُ الْعَدْلِ وَالْمُبَالَغَةُ فِي الْاِنْصَافِ وَالْاِلْزَامِ قَطْعًا لِاَعْذَارِ الْعِبَادِ (جلد ۱۱ - صفحہ ۶۳۲)	اسکا فائدہ یہ ہے۔ کہ عدل کو ظاہر کیا جائے اور انصاف کرنے اور ملزم گرداننے میں حدتک پہنچا جائے، تاکہ بندوں کے تمام عذر توڑے جاسکیں۔

تَمَّ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، اَللّٰهُمَّ ثَقِّلْ مِيْزَانِيْ وَفُكَّ رِهَانِيْ وَاجْعَلْنِيْ فِي النَّدِيِّ الْاَعْلٰى اٰمِين،

حسابِ اعمال کے بعد جنّت یا دوزخ

(قال تعا) فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ (شوریٰ پ۲۵) ایک گروہ جنت میں جائیگا اور ایک دوزخ میں۔

محاسبۂ اعمال کے بعد صالحین کو جنکے اعمالِ صالحہ کا وزن بھاری اُتریگا۔ اُن کے فیصلے کے پرچے یا یوں سمجھیں کہ جنّت میں داخل ہونے کی ٹکٹیں یا سندیں اُن کے دائیں ہاتھ میں دیکر نہایت عزت و احترام سے جنّت میں لیجانیکے لئے فرشتوں کو ساتھ کیا جائیگا۔ اور منکروں اور بدکرداروں کو اُن کے فیصلے کے پرچے یا دوزخ کی ٹکٹیں اُن کے بائیں ہاتھ میں دیکر گرفتاروں کی صورت میں خدا کے فرشتے آگے سے کھینچکر اور پیچھے سے دھکیل کر دوزخ کو لیجائینگے یہ امور قرآن شریف میں متعدد مقامات پر مذکور ہیں۔ اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم صرف ایک مقام کو نقل کرتے ہیں۔ سورۂ حاقہ پ۲۹ میں فرمایا:۔

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَيَقُوْلُ هَاؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ۝ اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ۝ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝ قُطُوْفُهَا	سو جسکو ملی اُسکی نوشت داہنے ہاتھ میں سو وہ تو کہیگا۔ لیجیو! پڑھیو میری نوشت، مجھے (دنیا میں ہمیشہ) کھٹکا لگا رہتا تھا۔ کہ مجھے میرا حساب ملیگا۔ پس وہ من جاتی

كِتَٰبِيَهْ ۝ كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيٓئًا بِمَآ أَسْلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ ۝ وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَٰبَهُۥ بِشِمَالِهِۦ ۝ فَيَقُولُ يَٰلَيْتَنِي لَمْ أُوتَ كِتَٰبِيَهْ ۝ وَلَمْ أَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ۝ يَٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ۝ مَآ أَغْنَىٰ عَنِّي مَالِيَهْ ۝ هَلَكَ عَنِّي سُلْطَٰنِيَهْ ۝ خُذُوهُ فَغُلُّوهُ ۝ ثُمَّ الْجَحِيمَ صَلُّوهُ ۝ ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُ ۝ إِنَّهُۥ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ ۝ وَلَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ۝ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هَٰهُنَا حَمِيمٌ ۝ وَلَا طَعَامٌ إِلَّا مِنْ غِسْلِينٍ ۝ لَّا يَأْكُلُهُۥٓ إِلَّا الْخَٰطِـُٔونَ ۝ (حاقہ پ ۲۹)

گذران میں ہوگا۔ عالی دشان) جنت میں، جس کے میوے جھک رہے ہیں۔ کھاؤ اور پیو رچتا پچتا۔ اُس پر جو تُم نے دُنیا کے، گذشتہ ایام میں دیہاں) بھیجا تھا۔ لیکن جس کو ملی اُسکی نوشت بائیں ہاتھ میں سو وہ چلّائیگا۔ اے کاش نہ دیجاتی مجھے میری نوشت، اور نہ سمجھتا میں اپنا حساب، اے کاش کسیطرح یہ حالت ختم ہوجاتی، نہ نفع دیا مجھے میرے مال نے، میری حکومت اور رعب داب سب کچھ جاتا رہا۔ (حکم ہوگا) فرشتو! اسے پکڑو، پھر اسے طوق ڈالو۔ پھر اسے جہنم میں لیجا داخل کرو، پھر ایک زنجیر میں جس کا ناپ ستر گز ہے۔ اسے جکڑ دو۔ کیونکہ یہ خدائے عظیم پر ایمان نہیں رکھتا تھا۔ اور کسی مسکین کے کھانے کی ترغیب بھی نہیں دیتا تھا۔ سو آج یہاں اس کا کوئی بھی حمائتی نہیں۔ اور نہ کھانا مگر زخموں کا دھوون، کوئی نہیں کھائیگا اُسے مگر ایسے ہی خطاکار۔

جنت کی نعمتوں اور دوزخ کی تکلیفوں کا بیان قرآن شریف میں اور احادیث صحیحہ میں نہایت وضاحت اور تفصیل سے ہے۔ اگر ہم اُن سب آیات واحادیث کو نقل کریں۔ تو مضمون بہت طویل ہوجائے، اسلئے نظر بر اختصار ہر دو کے امور متعلقہ جو قرآن شریف میں مذکور ہیں۔ ہم اُن کا ملخص بالمقابل دو کالموں میں لکھ دیتے ہیں۔ تاکہ ترغیب و ترہیب ہر دو امر سامنے رہیں (قال اللہ تعالیٰ) إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَٰرِعُونَ فِي الْخَيْرَٰتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا ۖ وَكَانُوا لَنَا خَٰشِعِينَ ۝ (انبیاء پ ۱۷) یعنے یہ انبیاء نیکیوں میں جلدی کرتے تھے۔ اور ہمیں شوق سے بھی اور ڈر سے بھی پکارتے تھے۔ اور ہمارے سامنے عاجزی کرتے تھے

نعمائے جنت (رزقنا اللہ تعالیٰ)	تکالیف دوزخ (اعاذنا اللہ منہا)
(۱) گھنے اور وسیع سائے جنہیں نہ دھوپ لگے نہ گرمی۔ نہ تپش نہ لُو۔ اور نہ جاڑا۔ سرور وشادمانی سے ہشاش بشاش ہونگے۔ خوف وہراس اور فکر وغم پاس نہیں پھٹکیگا۔ چہرے	(۱) کالک بھرے سہ شاخہ دھوئیں کا سایہ، جس کا سایہ نہ ہوگا۔ اور اُس میں کسی قسم کی ٹھنڈک اور آسائش نہ ہوگی۔ بلکہ اوپر سے آگ کی بڑی بڑی چنگاریاں برسینگی، اُن کے

نعمائے جنت (رزقنا اللہ تعالیٰ)	تکالیف دوزخ (اعاذنا اللہ منہا)
چمکتے ہونگے۔ اُن پر نور برس رہا ہوگا - وہ اس چین وخوشی میں سدا رہینگے ؛	چہروں پر غبار اور سیاہی چڑھی ہوگی - گویا کہ وہ کالی رات کے ٹکڑے ہیں - تیوڑی چڑھائے اور منہ بنائے ہونگے، جو لوگ کفر وشرک کی وجہ سے دوزخ میں جائینگے، اُن کی خلاصی کبھی نہیں ہوگی - بلکہ اسی عذاب دوزخ میں ہمیشہ رہینگے ؛
(۲) پینے کو، ٹھنڈے اور میٹھے چشمے اور نہریں (پانی کی، جو بودار نہ ہوگا، نیز دودھ کی، جس کا مزہ نہ بدلیگا، نیز پاک شراب کی) جس سے نہ نشہ ہوگا، نہ خمار، نہ بکواس، اور نہ خلافِ تہذیب کوئی کلام کریں گے ؛	(۲) پینے کو - کھولتا ہوا پانی، جس سے انتڑیاں بھی کٹ جائینگی - نیز زخموں کی پیپ ؛
(۳) کھانے کو، انواع واقسام کے لطیف الکیفیت میوجات اور اُڑتے جانوروں کا گوشت جنہیں غلیظ فضلہ نہیں ہوگا کہ پائخانے کی حاجت پڑے - بلکہ اُن کی لطافت کی وجہ سے بہ ضرورت پسینے سے رفع ہوجائیگی - جو طبی اصول سے ہضم رابع کا فضلہ ہوتا ہے - اور علاوہ بریں دیگر جس چیز کی اُنکو طلب وخواہش ہوگی وہ فوراً مہیا کی جائیگی ؛	(۳) کھانے کو، تھوہر کا زہریلا درخت، اور ضریع (ایک خاردار جھاڑی جو خشک ہوکر زہریلی ہوجاتی ہے)
(۴) پہننے کو، باریک اور دبیز نہایت عمدہ ریشم اور سونے اور چاندی کے زیورات،	(۴) پہننے کو، آتشین لباس - اور رال کے کُرتے، جن کو آگ لگ کر بجھے نہ،
(۵) رہنے کو، پاکیزہ اور ستھرے، کئی کئی منزل اونچے عالیشان محلات، جو پُرتکلف، فرنیچر سے سجے سجائے ہیں - (قصر در گلزار واندر قصر گلزار دگر)	(۵) رہنے کو - آگ سے بھری ہوئی تنگ کوٹھریاں، جن میں زنجیروں سے جکڑ کر رکھے جائینگے -
(۶) فرنیچر - عمدہ سے عمدہ قالین وبالین اور گاؤ تکیے، مسندیں اور جڑاؤ تخت - خوبصورت فرش اور چاندنیاں،	(۶) سلوک - کھولتا ہوا گرم پانی، سر کی طرف سے اُن کے اوپر ڈالا جائیگا - جس سے بدن کا چمڑہ - اور پیٹ کے اندر کی چیزیں بھی گل جائینگی، پھر ایسے زخمی

تکالیفِ دوزخ (اعاذنا اللہ منہا)	نعمائے جنت (رزقنا اللہ تعالیٰ)
بدنوں پر لوہے کی گرزیں اور قمچیاں ماری جائینگی۔ (۷) برقنداز۔ سخت خو۔ قہر بھرے فرشتے جو بموجب حکم خدائے تعالےٰ کے سزا دینے میں کچھ بھی نرمی نہ کرینگے۔ (۸) دسبارِ خداوندی سے اور تمام فرشتوں کی طرف سے لعنت کی بوچھاڑ برستی رہیگی۔ (اعاذ اللہ منہا)	(۷) ظروف، سونے اور چاندی کے برتن پلیٹیں آبخورے ایسی چاندی کے کہ سفید بلور کی طرح شفاف ہوگی۔ (۸) خدمت کے لئے، پاک صورت نوعمر لڑکے مثل موتیوں کی، (۹) تاہل کو۔ نیک سیرت۔ خوبصورت۔ نیچی نگاہ والی شرم وحیا والی۔ فرمانبردار۔ بیویاں؛ (۱۰) فرحتِ روح۔ بلکہ اُسکی حیاتِ ابدی کے لئے دیدارِ خدا کی نعمت (رزقنا اللہ) جو اصل مقصود ہے۔ اور سب نعمتوں سے اکبر و اعظم ہے۔ نیز اُسکی درگاہِ بے نیاز سے سلام کا تحفہ اور یہ خوشخبری کہ مَیں تمسے ایسا خوش ہوگیا ہوں کہ تمسے کبھی ناراض نہ ہونگا۔ (پس سدا جیو اور عیش و آرام میں ہو۔

ردِّ شبہات و اعتراضات

تفصیل مذکورہ بالا پر نظر کرنے سے ہر شخص بلا اشتباہ اس نتیجے پر پہنچ سکتا ہے۔ کہ یہ سب نعمتیں اور تکلیفیں جسمانی ہیں۔ اور قرآن وحدیث میں اسی قسم کی جنت دوزخ کا بیان ہے۔ صحابہؓ کی مقدس جماعت جو اپنی زبان کو دوسروں کی نسبت اچھا سمجھتے تھے۔ اور اس کے مجازات و استعارات کو خوب پہچانتے تھے۔ اور آفتابِ نبوت کے سامنے بیٹھکر اکتسابِ انوار کرتے تھے۔ وہ اسی طرح مانتے رہے، اور اُن سے لیکر آجتک تمام بزرگانِ شریعت اور ہادیانِ طریقت جنمیں سے کثرت سے اصحابِ مکاشفات بھی تھے اِسی طرح مانتے چلے آئے۔ اور اِس میں کچھ بھی شک نہیں۔ کہ اسلام جسمانی جزا و سزا کا قائل ہے۔ کیونکہ وہ حشرِ جسمانی کا قائل ہے۔ پس یہ جزا سزا کی نوعیت کی بنیاد ہے؛

بعض لوگوں کو ایسی جزا سزا کی نسبت شبہات و اعتراضات پیدا ہوگئے۔ صرف اسلئے کہ جنت دوزخ کی ایسی حقیقت اُن کی عقل کے تنگ پیمانے میں ٹھیک نہیں آتی۔ نہ سمجھنا کہ ہمارا علم محدود ہے۔ اور عقل ناقص ہے۔ اُن کے

لئے سخت دشوار ہے لیکن یہ کہنا کہ قرآن و حدیث کی یہ تصریحات درست نہیں۔ اور صحابہ رضوان اللہ علیہم نے ان آیات کی جو تفسیر وتعبیر بتائی ہے۔ وہ صحیح نہیں ہے۔ بہت آسان ہے۔

یہ معترض دو طرح کے ہیں۔ اوّل منکرینِ اسلام جو سرے سے اسلام کی تصدیق ہی نہیں کرتے۔ دوم وہ مسلمان جو اسلام کے تو قائل ہیں۔ لیکن علم کی کمی یا فہم کی کجی کے سبب منکرین کے اعتراضات سے متاثر ہو گئے۔ اور قرآن و حدیث کی صاف و صریح عبارات کی ایسی بیقاعدہ تاویلیں گھڑنے لگ گئے۔ کہ گویا قرآن کو بجائے تفسیر وتعبیر کے قرآن کی ترمیم و تحریف کہیں تو بجا ہے ان ہر دو فریق نے سوائے استہزا اور تحقیر کے انکار کی کوئی دلیل و وجہ بیان نہیں کی، اور حقیقت کو عمداً اپنے خیال کے سانچے میں ڈھالکر ایسی مکروہ صورت میں بیان کیا ہے۔ کہ وہ قابلِ اعتراض و لائق استہزا سمجھی جائے۔ اور یہ طریق دیانت و شرافت کے خلاف ہے۔

ہمارے ملک میں زمانہ قریب میں دو بزرگ ہوئے ہیں۔ ایک[۱] منکرِ اسلام۔ دوسرے[۲] قائلِ اسلام۔ وہ صاحب تو ہندو مت کی شاخ تراشی میں مصروف رہے۔ اور یہ صاحب اسلام کی کتر بیونت اور ترمیم کی خدمت بجالاتے رہے گر ایک نے منکرِ اسلام ہو کر جنت کو **طوائف خانہ** کہا تو دوسرے نے اسلام کا اقرار کرتے ہوئے اُسے **خرابات سے بدتر** کہا لطف یہ کہ دس[۳] بیس درجے بدتر نہیں۔ بلکہ ہزار درجہ بدتر، غرض استہزا اور تمسخر اور خلافِ منشائے قرآن سخن سازی میں کسی نے بھی کسر نہیں رکھی چنانچہ ہم دونوں بزرگوں کی بعض عبارتیں بالمقابل دو کالموں میں لکھکر فیصلہ ناظرین پر چھوڑتے ہیں۔ کہ وہ ان دونوں میں مقابلہ کر کے ہر ایک کو اُسکی قابلیت کے لحاظ سے خود نمبر دیدیں۔

منکرِ اسلام	قائلِ اسلام
بھلا اس قرآن کی بہشت میں دنیا سے بڑھکر کون سی عمدہ شئے	یہ سمجھنا کہ جنت مثل[۵۱] ایک باغ کے پیدا ہوئی ہے۔ اسمیں
ہے جو چیزیں دنیا میں ہیں وہی مسلمانوں کی بہشت میں ہیں اور	سنگ مرمر اور موتی کے جڑاؤ محل ہیں۔ باغ میں شاداب
اتنی زیادتی ہے کہ یہاں جیسے آدمی مرتے اور پیدا ہوتے اور آتے جاتے	و سرسبز درخت[۵۲] ہیں۔ دودھ اور شراب کی نہریں بہ
ہیں اسی طرح بہشت میں نہیں۔ مگر یہاں عورتیں ہمیشہ نہیں رہتیں اور وہاں	رہی[۵۳] ہیں۔ ہر قسم کا میوہ کھانے کو موجود[۵۴] ہے۔ ساقی اور
بیبیاں ہمیشہ[۵] رہتی ہیں۔ جب تک قیامت کی رات نہ آویگی	ساقنیں نہایت خوبصورت چاندی کے کنگن پہنے ہوئے

[۵] جب یہ سب کچھ مانتے ہو تو دنیا اور جنت کی چیزوں میں فرق کیوں نہیں سمجھ سکتے۔ سنئے! دنیا عالمِ کون و فساد اور عالمِ فنا ہے اسلئے یہاں کی چیزیں فانی اور حقیر ہیں۔ اور عالمِ آخرت عالمِ بقا ہے۔ اسلئے اسکی چیزیں اعلےٰ اور دائم رہنے والی ہیں۔ قرآن شریف نے یہ سب کچھ دو حرفوں میں بتلا دیا ہے۔ وَ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى یعنی عالمِ آخرت بہتر بھی ہے اور دائم رہنے والا بھی ہے ۱۲ منہ

[۵۱] جناب! جنت تو خود باغ کو کہتے ہیں، پھر مثل کہنے کے کیا معنے ۱۲ منہ

[۵۲] واہ جی! کیا خوب کہا۔ باغوں میں سرسبز درخت نہیں ہوتے تو کیا آگ کے انگار ہوتے ہیں ۱۲ منہ [۵۳] قرآن شریف میں تو ایسا ہی مذکور ہے دیکھو فہرست لفظ جنت مذکورہ بار برصفحہ ۱۹۵) اگر آپ کو اس سے انکار ہے تو کچھ معلوم ہے کہ قرآن کی تصریحات سے انکار کرنے والا کون ہوتا ہے ۱۲ منہ [۵۴] پھر آپ کے قول کے مطابق

[illegible]

مُنکرِ اسلام

تب تک اُن بیچاریوں کے دِن کیسے گذرتے ہونگے [۱] × ×
× × مسلمانوں کا بہشت گوکلئے گوسائیوں کے گولوک اور
مندر کی طرح معلوم ہوتا ہے۔ جہانکہ عورتوں کی تعظیم [۲] وتکریم
بہت ہے۔ آدمیوں کی نہیں، اُسی طرح خُدا کے گھر میں عورتوں
کی قدر بہت ہے۔ اور اُن سے خُدا کی محبت [۳] آدمیوں کی نسبت
زیادہ تر ہے۔ × × × × × ستیارتھ اعتراض ۹
(۲) بھلا یہ بہشت ہے۔ یا طوائف خانہ [۴]؟ × × × × ×
× × ستیارتھ اعتراض ۴۶
(۳) کیونکہ جب میوے کھاوینگے۔ گلاسوں میں پانی پیوینگے
اور پیالوں سے شراب پیوینگے۔ تو کیا اُنکا سر نہ دکھیگا [۵]۔
اور کیا کوئی بیجا نہ بولیگا [۵] × × اور اگر شراب کباب

قائلِ اسلام

جو ہمارے ہاں گھوسنیں بہشتی ہیں۔ شراب پلا رہی ہیں [۱]
ایک جنتی ایک کے گلے میں ہاتھ ڈالے پڑا ہے۔ ایک
نے ران [۲] پر سر دھرا ہے۔ ایک چھاتی [۲]
سے لپٹا رہا ہے۔ ایک نے لبِ
جان بخش [۲] کا بوسہ لیا ہے۔ کوئی
کسی کونے میں کچھ [۳] کر رہا ہے
کوئی کسی کونے
میں کچھ [۳]
بیہودہ [۴] ہے۔ جسپر
تعجب [۵]
ہوتا ہے

---

۱ جس طرح نیک اور پاک دیویوں کے دن گزرا کرتے ہیں - ۱۲
۲ عورت کی عزت تو شرافتِ قوم کی علامت ہے۔ سوامی جی کہاں
جا رہے ہیں۔ ۱۲ منہ
۳ خدا کی محبت جن معنوں سے سوامی جی بیان کر رہے ہیں وہ نہ تو قرآن
کا منشا ہے۔ اور نہ اُسمیں مذکور ہے۔ اور نہ خدا تعالیٰ کی نسبت ایسے کلمات
کہنے دھرماتما لوگوں کا کام ہے۔ لیجئے ہم سوامی جی کو اُن کی شکل اُن کے اپنے
آئینے میں دکھاتے ہیں :-
"وہ بہت لوگ ایسے ضدی اور متمرد ہوتے ہیں۔ کہ وہ متکلم کے خلاف"
"منشا تاویل کرتے ہیں۔ خصوصاً مذہب والے لوگ۔ کیونکہ مذہب کے پاس"
"خاطر سے انکی عقل تاریکی میں پھنس کر زائل ہو جاتی ہے۔ (دیباچہ ستیارتھ)"
۴ ہاں جناب والا! یہ بہشت ہے طوائف خانہ نہیں ہے۔ طوائف خانے
کاشی میں ہونگے۔ یا اُسجگہ ہونگے۔ جہاں بیگانی عورتوں سے نیوگ کرایا جاتا
ہے۔ اپنی بیوی کو طوائف نہیں کہتے۔ ۱۲ منہ
۵ نہیں جناب! نہ سر دکھے گا۔ نہ بیجا بولینگے۔ نہ مست ہونگے۔
قرآن شریف میں ان سب اُمور کی نفی موجود ہے۔ دیکھو فہرست
نعمائے جنت مذکورہ بالا بر صفحہ ۱۹۵ ۱۲ منہ

۱ یہ بات سفرِ لندن میں سمجھی ہوگی۔ کیونکہ وہاں کی لیڈیاں
گھوسنوں کے سے زیورات نہیں پہنتیں۔ قرآن و حدیث کی تصریحات
کی تحقیر اور پھر ایسی بُری طرح؟ توبہ استغفراللہ، یہ مومن کا کام نہیں ہے
۲ بڈھے میاں نے اپنے تخیلات کا فوٹو کیسے دلکش پیرائے میں
کھینچا ہے۔ اپنے مرجھائے ہوئے کنول کو تخیل ہی سے تازہ اور شگفتہ
دل کو خوش کر لیا ہے۔ ۱۲ منہ
۳ اِتنے بھی صریح الفاظ میں ظاہر کر دیتے۔ کون مانع تھا۔ جو چیز مانع
ہو سکتی ہے۔ وہ تو آپ پہلی باتوں میں اٹھا چکے۔ اب اخیر پر جھجک
جانے کی کیا وجہ ۱۲ منہ
۴ جناب والا! بیہودگی تو یہ ہے۔ کہ صاف سیدھی بات
میں بھی کجی نکالی جائے ۱۲ منہ
۵ اس سے زیادہ تعجب تو جناب پر ہے۔ کہ اس پیرانہ
سالی میں بھی ایسے تخیلات شباب پر ہیں ۱۲ منہ

قائلِ اسلام	منکرِ اسلام
اگر بہشت یہی[۵] ہے تو بے مبالغہ[۵] ہمارے خرابات[۵] اُس سے ہزار درجہ بہتر ہیں۔ (تفسیر احمدی جلد اول صفحہ ۲۸)	پی کھا کر مست ہوتے ہیں، تو حور[۵] و غلمان بھی وہاں ضرور رہنی چاہئیں، نہیں تو ایسے نشہ[۵] باز سرمیں گرمی چڑھ جانے سے پاگل ہو جاوینگے۔ استیار تھ اعتراض ص ۱۴۱)

اِن ہردو بزرگوں کے جواب میں اوّل تو اسیقدر کافی ہے۔ کہ ایسے تمسخر اور استہزا اور خیالی نقشہ بنانے سے اتنا تو معلوم ہو گیا۔ کہ اُن کے اپنے خیالات کا میلان اور جذبات کی کشش کدھر کو ہے۔ تعجب تو یہ ہے کہ ان ہردو صاحبان نے یہ کتابیں اُس زمانے میں لکھیں جب وہ اپنی عمر کا وہ حصّہ جسمیں ان جذبات کی کشش بے لگام ہوتی ہے۔ گذار چکے تھے اور اُس سٹیج پر پہنچ چکے تھے۔ جسپر متانت و سنجیدگی اور حجاب و حیا طبعاً غالب آجاتے ہیں۔ اور انسان کے نفسانی جذبات بے قابو نہیں رہتے۔ لیکن ان بزرگوں کے دل و دماغ میں اس پیرانہ سالی میں بھی جوانی کی ہوسات موجزن تھیں۔ سچ ہے ع پیرے کہ دم زعشق زند بس غنیمت است۔

اِس کے بعد گذارش ہے۔ کہ جو جو بُرے تصوّرات اِن ہردو بزرگوں کے دماغ شریف میں سمائے ہیں۔ خدا کی جنت اُن سب سے پاک ہے۔ اور قرآن شریف میں بوضاحت اُنکی نفی آچکی ہے۔ جیسا کہ فہرست نعمائے جنت سے ظاہر ہے جو نقشہ ان صاحبوں نے جمایا ہے۔ وہ قرآن کے منشا کے مطابق نہیں ہے۔ اُن کو اپنے ہی خیالات کا عکس نظر

---

[۵] حوریں منکوحہ ہونگی۔ نہ غیر۔ قرآن کہتا ہے۔ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ (دخان پ ۲۵) اور غلمان خدمت کے لئے ہونگے ۱۲

[۵] جناب! وہ تو نہایت پاک اور لذیذ و مفرح آب حیات ہوگا۔ اُس سے نشہ کیسے آئے۔ وہ بھنگ نہیں ہے۔ جس سے سوامی جی کو کبھی اُلفت تھی ۱۲ منہ

[۵] شکر ہے کہ آپ نے خرابات کو ہزار درجہ بہتر بتانے میں مبالغہ نہیں کیا۔ ورنہ اگر مبالغہ کرتے تو خدا جانے کتنے درجے بہتر بنا ڈالتے

[۵] آپ ہیں! اُنکا کیا۔ تب تو بجا۔ کہ ان کو اپنی طرف نسبت کر دیا آپ کا ذوق نہایت زیادہ ہے۔ آپ ایسی باتیں کرتے ہیں۔ تو ہماری تقیت کو ٹھیس لگتی ہے

[۵] اچھا جناب! جو جگہ آپ کو بہتر نظر آئے وہاں جائیے۔ کسی کو کیا! ع ۲

نظر آئی اپنی پسند اپنی اپنی، ہاں اتنا عرض کر دینا ضروری جانتے ہیں کہ طوائف خانوں میں، اور خرابات میں بیگانی، اور غیر منکوحہ بدکار عورتیں ہوتی ہیں۔ اور بدکار مرد وہاں پڑے پڑے پھرتے ہیں۔ لیکن جنت میں ازواج مطہرۃ پاک منکوحہ بیویاں ہونگی۔ قاصرات الطرف شرم و حیا والی ہونگی۔ اور وہ محلات جنمیں وہ جنتی مع اپنی نیک پاک بیویوں کے آباد ہونگے۔ خدا کی دین ہے۔ ان کے اپنے ہونگے۔ خرابات کے کوٹھے نہیں ہونگے۔ تو اپنے مکان میں اپنی منکوحہ بیوی سے ایسے تعلقات معیوب نہیں ہیں ورنہ . . . . بے ادبی معاف ـــــ اسپر بھی آپ خرابات کو جنت سے بے مبالغہ ہزار درجہ بہتر کہیں اور منکوحہ بیوی پر طوائفوں کو ترجیح دیں تو آپ کی مرضی، نیز یہ عرض کرینگے۔ کہ جنت ایمان و اعمال صالحہ پر ملیگی۔ جو مشکل کام ہے۔ اور خرابات میں جانے کے لئے ایمان و اعمال صالحہ کی ضرورت نہیں۔ بلکہ وہاں تو اس بوجھ کو اتار کر جاتے ہیں۔ غالباً اسی لئے آپ نے اُسے جنت پر ترجیح دی ہوگی۔ اللہم غفرا ۱۲ منہ

معذرت:۔ بعض ان حواشی میں خلاف عادت ایسا طریق جواب اختیار کیا ہے۔ ناظرین معاف کریں۔ کیونکہ جب انہوں نے قرآن و حدیث کی تصریحات کو اور بزرگان دین کی مسلمات کو ایسے مکروہ پیرائے میں بیان کیا۔ اور ان کا مذاق اڑایا۔ تو ان کے مقابلے میں ہمیں ان صاحبان کا لحاظ کیا رہے تھا نہ وہ طعنے ہمیں دیتے نہ ہم فریادیں کرتے" اسپر بھی ہمارے دلپر بوجھ ہے۔ اور اس کاپی پر پہنچکر کئی روز تک کتابت کا کام بند رکھنا پڑا۔ آخر بمجبوری یہی لکھنا پڑا (پ ۲/۲۴ ۲۰) منہ ۱۲

آگیا ہے۔ انگریزی میں مثل ہے:۔ Evil is to him who evil Thinks

یعنے "بلی کو چھچھڑوں کے خواب"

باقی رہا تحقیقی جواب۔ سو اس کی نسبت گذارش ہے کہ ان نعمتوں اور تکلیفوں کے جسمانی ہونے کی بنا حشر جسمانی پر ہے۔ اگر اسلام حشر جسمانی کا قائل ہے۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ قرآن وحدیث کی بیان کردہ نعمتیں اور تکلیفیں جسمانی نہ ہوں۔ سو ہم خدا کے فضل سے حشر جسمانی کا امکان الگ فصل میں بیان کرینگے۔ اس مقام پر ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں۔ کہ عقل سلیم کے رُو سے یہ اُمور ممتنع نہیں ہیں۔ لہذا ان کا انکار عقلمندی نہیں ہے۔ تشریح اسکی یوں ہے کہ عقلی استدلال کی تین صورتیں ہیں۔ حجت استقرائی۔ قیاس اور تمثیل۔ اُمور جنت ودوزخ کے متعلق ان میں سے صرف حجت استقرائی کو استعمال کر سکتے ہیں۔ کہ نعمائے جنت اور تکالیف دوزخ کی جو حقیقت اور کیفیت قرآن وحدیث میں وارد ہے۔ وہ ان حقائق وکوائف سے دگرگوں ہے۔ جو ہمارے مشاہدے اور علم میں آتی رہتی ہیں۔ بس اس کے سوا دیگر کوئی صورت عقل کے رُو سے جائز نہیں ہے۔ سو اس کے جواب میں گذارش ہے کہ دگرگوں ہونا امر دیگر ہے۔ اور ناممکن ہونا امر دیگر ہے۔ دگرگوں کو ناممکن نہیں کہہ سکتے۔ اس کی تشریح یوں ہے کہ علمائے منطق کے نزدیک استقرا کی دو قسمیں ہیں۔ تام اور ناقص۔ تام یہ کہ جمیع ہمجنس جزئیات موجودہ کو نظر میں رکھکر اور کامل طور پر انکی جانچ پڑتال اور ان کے تمام جموع وفروق کی دیکھ بھال کے بعد اُن سب پر ایک حکم کلی لگایا جائے۔ جو سب پر برابر طور پر حاوی ہو۔ اور ناقص یہ کہ اکثر جزئیات پر نظر کر کے اور اُن کے بعض کوائف مشترکہ کو دیکھکر ایک حکم کلی لگا دیا جائے۔ پہلی قسم یعنے استقراء تام مفید یقین ہوتا ہے۔ اور دوسری قسم یعنے استقرا ناقص مفید یقین نہیں ہوتا۔ چنانچہ شرح مطالع میں ہے:۔

الاستقراء ۔ ۔ ۔ ۔ اما تام ان کان حاصرا لجمیع الجزئیات ۔ ۔ ۔ ۔ وھو یفید الیقین واما غیر تام ان لم یکن حاصرا وھو لا یفید الیقین بجواز ان یکون حال ما لم یستقرء بخلاف حال ما استقرئ (شرح مطالع مطبوعہ استنبول صفحہ ۳۲۸ ملخصاً)	استقرار ۔ ۔ ۔ ۔ یا تو تام ہوتا ہے۔ اگر جمیع جزئیات کو حصر کرے ۔ ۔ ۔ ۔ اور وہ مفید یقین ہوتا ہے۔ یا غیر تام (ناقص) ہوتا ہے۔ اگر سب جزئیات کو حصر نہ کرے اور وہ مفید یقین نہیں ہوتا۔ کیونکہ ممکن ہے کہ جس چیز کا استقرار نہیں کیا گیا۔ اُس کا حال اُس کے خلاف ہو جس کا استقرا کیا گیا ہے۔"

اور یہ مسلم ہے کہ نہ تو موجودات عالم کی جزئیات خدا کے سوا کسی کے حصر واحاطہ میں ہیں۔ اور نہ اُن کے کوائف وخواص کسی کے علم میں۔ اور نہ خدا تعالیٰ کی قدرت کی کوئی حد ہے۔ کہ اُس سے پرے اُسکا زور ٹوٹ جائے۔ اور نہ اسکی حکمتوں کی کوئی انتہا ہے۔ کہ وہاں تک ختم ہو جائیں۔ لہذا ہم اپنے ناقص مشاہدات وتجربات واستقرا کی بنا پر جو کچھ بھی حکم لگائینگے۔ وہ

مفید یقین نہیں ہوگا۔ لہذا ہمارا انکار کوئی معقول بات نہ ہوگی۔ قرآن شریف اپنے منکروں کی نسبت فرماتا ہے بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيلُهُ (یونس پ) یعنی ان منکروں نے ایسی بات کی تکذیب کی ہے۔ جس کے علم کا انکو احاطہ نہیں ہوا اور ابھی ان کو اسکی حقیقت معلوم نہیں ہوئی؛

قرآن شریف کی اس مختصر بات کو متاخر معقولیوں کے پیر اُستاد شیخ بوعلی سینا نے اپنی کتاب اشارات کے اخیر میں بعنوان نصیحت کسی قدر تفصیل سے بیان کیا ہے:۔

ایاك وان تكون تكيسك وتبرءك عن العامة هوان تنبرم منكراً لكل شيئ فذالك طيش وعجز وليس الخرق في تكذيبك مالم تستبن لك بعد جليته دون الخرق في تصديقك مالم تقم بين يديك بيّنة بل عليك الاعتصام بحبل التوقّف وان ازعجك استنكار مايوعاه سمعك مالم تتبرهن استحالته[1] لك فالصواب ان تسرح امثال ذالك الى بقعة الامكان مالم يذدك عنه قائم البرهان واعلم ان في الطبيعة عجائب وللقوى العالية الفعّالة والقوى السافلة المنفعلة اجتماعات على غرائب (شرح اشارات مطبوعہ مصر جلد ثانی صہ ۱۴۳)

(اے عقلمند!) تو اس امر سے پرہیز کر کہ عام لوگوں سے تیری ہوشمندی اور امتیاز صرف اسی بات سے ہو کہ تو ہر امر سے انکار ہی کر دے۔ کیونکہ یہ تو طیش اور عاجزی ہے۔ تجھے جس امر کی حقیقت معلوم نہیں ہوئی اُسکی تکذیب کر دینا اُس بات کی تصدیق کرنے سے کم (بے عقلی) نہیں ہے۔ جبتک کہ تیرے پاس کوئی دلیل قائم نہ ہو گئی ہو۔ بلکہ تجھپر لازم ہے۔ کہ تو توقف کی رسّی سے اپنا بچاؤ کرے۔ اگرچہ تجھے اُن باتوں کا انکار جو تیرے کان میں پڑی ہیں پھسلا دیوے۔ جبتک کہ تجھپر اُنکا محال[1] ہونا صاف طور پر واضح نہ ہو جائے۔ پس درست یہی ہے۔ کہ تو ایسی باتوں کو امکان کے میدان میں لیجاوے۔ جبتک کہ تجھے کوئی یقینی دلیل کا محافظ نہ روکے، اور تو جان رکھ کہ طبیعت میں بڑے بڑے عجائبات ہیں۔ اور علوی اثر انداز قوی اور سفلی اثر پذیر قوی کے اجتماع میں بڑے بڑے نادر نتائج پیدا ہوتے ہیں؛

اور مولٰنا شبلی مرحوم الکلام حصّہ دوم میں فرماتے ہیں:۔

"سنہ ۱۸۹۱ء میں جو علمی کانفرنس منعقد ہوئی۔ اُس کے ایک جلسہ میں پروفیسر لودج نے جو بڑا ریاضی دان ہے۔ ایک"

[1] محال دو قسم پر ہے۔ عقلی اور عادی۔ عقلی ممتنع ذاتی یعنے نا ممکن ہوتا ہے۔ مثلاً اجتماعِ ضدین اور ارتفاعِ نقیضین اور خدا کا شریک لیکن عادی۔ ممکن بالذات ہوتا ہے۔ اگر علل و اسباب موجبہ کے ساتھ خدائے حکیم کا ارادہ منضم ہو گیا۔ تو وہ صادر و موجود ہو گیا۔ ورنہ نہیں۔ مگر وہ اپنی ذات میں ممکن ہی ہوتا ہے۔ موجد اور صانع صرف خدا کا ارادہ ہوتا ہے۔ علل و اسباب محض وسائط ہیں۔ فافہم فانہ دقیق و لطیف ۱۲ منہ

" لکچر دیا۔ اور روح کے متعلق تقریر کرتے وقت کہا کہ :۔

" اب وہ وقت آگیا ہے۔ کہ مادی اور روحانی عالم میں ابتک جو حد فاصل تھی۔ وہ ٹوٹ جائے۔ جس طرح

" اور بہت سی حدیں ٹوٹ گئیں۔ اِس طریقہ سے ثابت ہو جائیگا۔ کہ ممکنات کی کچھ انتہا نہیں۔ اور یہ کہ جتقدر "

" ہم جانتے ہیں۔ وہ بمقابلہ اُن چیزوں کے جو ہم کو معلوم نہیں ہیں۔ کچھ بھی نسبت نہیں رکھتیں (ص ۱۲۱)

صدہا باتیں جو آگے تسلیم نہیں کیجاتی تھیں۔ بلکہ اُن پر ہنسی اڑائی جاتی تھی۔ اب حقیقۃً منکشف ہو رہی ہیں۔ اور عقل اپنے ضعف کا اقرار کرتے ہوئے اپنے پچھلے جاہلانہ انکار پر افسوس کر رہی ہے۔

غرض جب ہم ہزارہا برس سے ابتک عالم کون وفساد کی موجودات کا اور اُن کے جمیع کوائف وخواص اور اسرار وعجائبات کا جو ہمارے پیش نظر ہیں۔ احاطہ نہیں کر سکے تو عالم بقا کی اشیاء جو ہماری نظر سے غائب اور ہمارے فہم سے بالا ہیں اُن پر یہاں ہی سے اندھیرے میں بیٹھے ہوئے اندھا دُھند تیراندازی کرنا بقول شیخ بوعلی سینا عقل کے پیچھے لٹھ لیکر پڑنا نہیں تو کیا ہے؟

حاصل کلام یہ کہ ایسے حقائق وکوائف جو اِس عالم کے حقائق وکوائف سے دگرگوں ہوں۔ ممکن ہیں۔ اور خدا تعالےٰ جمیع ممکنات پر قادر ہے۔ کوئی چیز اُس کے مقدور سے خارج نہیں۔ اور نہ کوئی طوارق کار اُسکی حکمت سے بالا تر ہے۔

دیگر یہ کہ اس عالم میں ہزارہا اجناس ہیں۔ جنکی حقیقتیں مختلف ہیں۔ اور اُن اجناس کے ماتحت لکھو کہا انواع ہیں۔ اور ہر نوع کی اتنی مختلف المدارج اصناف ہیں۔ کہ باوجود نوعیت میں متفق ہونے کے آپس میں اُنکی نسبت قائم نہیں کر سکتے۔ ہیرا۔ زمرد۔ لعل۔ یاقوت یشب۔ فیروزہ سب پتھر ہیں۔ لیکن سنگ مرمر وغیرہ پتھر باوجود قیمتی ہونے کے اُن کے مقابلے میں کیا ہیں؟ اور پھر معمولی پتھروں کو اُن سے کیا نسبت ہے؟ یہی حال دیگر اجناس اور انواع اور اصناف میں سمجھ لیجئے۔ تو جس صانع حکیم وقدیر نے اِس عالم میں ایسی مختلف الحیثیت اشیاء پیدا کیں ہیں۔ کہ انمیں سوائے اِسمی مشارکت کے کسی اور قسم کی شراکت نہیں ہے۔ اُس سے کیا بعید ہے۔ کہ وہ اُس عالم بقا میں ایسی اشیا پیدا کردے۔ جنسے یہاں کی اشیاء کو سوائے اِسمی مشارکت کے کوئی اور مناسبت نہ ہو۔ حضرت ابن عباس رضہ سے نعمائے جنت کے متعلق جو یہ روایت ہے کہ "جنت میں دنیا کی چیزوں میں سے سوائے ناموں کے کچھ نہیں ہے" اُس کے یہی معنے ہیں کہ قرآن شریف میں جو یہ وارد ہے۔ کہ جنت میں کھجور۔ انگور۔ انار وغیرہ میوجات ہونگے تو دُنیا کے اِن میووں اور جنت کے اُن میووں میں صرف اسمی مشارکت ہے۔ کہ اُنکے بھی یہی نام ہونگے۔ ورنہ اُنکی حقیقت۔ حیثیت اور کیفیت اِن دنیوی چیزوں سے اتنی مختلف اور بلند ہے۔ کہ اِنکو اُنسے کوئی نسبت ہی نہیں

اور یہی معنے ہیں اُس حدیثِ قدسی کے جو بخاری و مسلم میں ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے۔ اَعْدَدْتُ لِعِبَادِیَ الصّٰلِحِیْنَ مَا لَا عَیْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ (مشکوٰۃ ص۴۸۷) یعنے مینے اپنے صالح بندوں کے لئے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں۔ جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہیں، اور نہ کسی کان نے سُنی ہیں۔ اور نہ کسی بشر کے دل پر اُن (کی چگونگی) کا خیال گذرا ہے۔ اور یہی حاصل ہے سُورتِ سجدہ کی اِس آیت فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ کا یعنے "آنکھوں کی جو ٹھنڈک صالحین کے لئے پوشیدہ رکھی ہوئی ہے۔ وہ کسی نفس کو معلوم نہیں"۔ کیونکہ مِنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ ترکیب نحوی میں مَا اُخْفِیَ کا بیان ہے۔ یا اس سے مراد دیدارِ الٰہی ہے۔ جو اصل مقصود اور سب نعمتوں سے بالا نعمت ہوگی

غرض ایسی آیات و احادیث جو ہمارے جنّت کی حقیقت و نوعیت اور کیفیت و حیثیت کے متعلق ہیں۔ اُن میں قرآن و حدیث کی تصریحات کے خلاف صرف اپنے زیغِ قلبی یا قلتِ علم و فہم کی بنا پر تاویل کی گنجائش نہیں ہے۔ اور یہ کہدینا کہ بھئی ہمارا جی نہیں مانتا۔ کہ جنّت میں ایسی جسمانی نعمتیں ملنی چاہئیں۔ کیونکہ یہ عیاشی وہاں پر مناسب نہیں۔ اِسکے جواب میں گذارش ہے۔ کہ کسی امر کی حقانیتِ جی کے ماننے یا نہ ماننے پر موقوف نہیں۔ حق ایک حقیقت نفس الامری ہے۔ کسی کے جی میں اُترے یا نہ اُترے۔ پس آپ جی کے ماننے کا عذر چھوڑ دیں۔ کیونکہ عقلاء کے نزدیک یہ کوئی وجہِ انکار نہیں ہوسکتی۔ اور عیاشی کے متعلق گذارش ہے۔ کہ خدا کی نعمتوں کو اُس کے جائز طریق سے اُسکی مرضی کے مطابق استعمال کرنا عیاشی نہیں کہلاتی۔ بلکہ اِسے قدر دانی کہتے ہیں۔ جس سے مالک خوش ہوتا ہے۔

دیگر یہ کہ دنیا میں یہی جسمانی نعمتیں ہیں۔ کہ خدا تعالےٰ انکا احسان جتاتا ہے۔ اور اپنی ربوبیت کا نظام دکھا کر اپنی اطاعت و عبادت کا حکم کرتا ہے اور پھر یہ کہ انہی انعاماتِ جسمانیہ کو آپ دنیوی جزا سزا میں پسند بھی کرتے ہیں اور خدا کا فضل و کرم جانتے ہیں۔ اور اِن کے زائل ہو جانے اور تباہ و برباد ہو جانے کو اُس کا غضب شمار کرتے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے۔ کہ اگر جنّت میں جسمانی نعمتیں ایسے طریق پر ملیں۔ جو اُن سے بدرجہا بہتر ہوں اور خدا تعالےٰ انہیں اپنا فضل کہے۔ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ (پ۲۵ دخان) تو آپ اِن سے کنیاتے ہیں اور عیاشی قرار دیتے ہیں

دیگر یہ کہ وہاں محض جسمانی نعمتیں ہی نہیں ہونگی۔ بلکہ اُن سے اوپر روحانی بھی ہونگی، جس طرح کہ یہاں دنیا میں ظاہری بھی ہیں۔ اور باطنی بھی، چنانچہ احساناً و امتناناً فرمایا:۔

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا کیا تم نہیں دیکھتے کہ خدا تعالےٰ نے تمہارے کام میں

فِی الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَیْکُمْ نِعَمَہٗ ظَاہِرَۃً وَّبَاطِنَۃً وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰہِ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّلَا ھُدًی وَّلَا کِتٰبٍ مُّنِیْرٍ (لقمان پ۲۱)	لگا رکھی ہے۔ ہر وہ چیز جو آسمانوں میں ہے۔ اور جو زمین میں ہے اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر رکھی ہیں۔ اس پر بھی بعض لوگ ایسے ہیں۔ کہ وہ خدا

کے بارے میں بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر کسی روشن کتاب (منزل من اللہ) کے جھگڑا کرتے رہتے ہیں"

پس جس طرح دنیا میں ظاہری اور باطنی ہر دو طرح کی نعمتیں ہیں۔ اور اُن میں منافات نہیں ہے۔ اور آپ اُن سے خوش ہوتے ہیں۔ اور اُن پر خدا کا شکر بھی کرتے ہیں۔ اسی طرح عاقبت میں بھی ہر دو طرح کی ظاہری و باطنی نعمتیں ہونگی۔ ان دونوں میں منافات نہیں ہے۔ ساتھ ہی اس کے یہ بھی ہمیشہ ملحوظ رہے۔ کہ وہاں کی ظاہری نعمتیں یہاں کی ظاہری نعمتوں سے ہر کیف میں نہایت اعلےٰ ہونگی۔ اور باطنی نعمت مثلاً دیدارِ خدا جو ہے۔ سو اس کے کیا کہنے؟ اور اُس سے دوسری نعمتوں کو کیا نسبت؟ یہی تو اصل مقصود ہے۔ باقی سب اس کے اظلال ہیں۔ کہ جب خدا تعالیٰ کی رضامندی و خوشنودی حاصل ہوگئی۔ تو دیگر جملہ نعمتیں اُس پر متفرع ہو جائینگی۔ کیونکہ یہ سب نعمتیں خدا تعالےٰ کی خوشنودی کی علامات ہیں۔ اصل مقصد نہیں ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں جا بجا ابتغائے مرضات اللہ اور ابتغائے وجہ اللہ کا ذکر ہے۔ اور اس کے عقب میں نعمائے جنت کا بھی بیان ہے۔ چنانچہ سورہ دہر پ ۲۹ میں ان ہر دو امروں کا بالصراحت اور مفصل بیان ہے۔ جسے ہم بخوفِ طوالت نقل نہیں کر سکتے۔ اسی طرح سورۂ کہف کے اخیر میں فرمایا:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَانَتْ لَھُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا (پ۱۶ کہف)	بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل بھی کئے ہمیشگی کے باغات سے اُنکی مہمانی ہوگی"

اس مقام پر جنت الفردوس کو مہمانی کے لفظ سے یاد کیا ہے۔ اور حدیث سے ثابت ہے۔ کہ سب جنتوں سے اعلیٰ جنت جنۃ الفردوس ہے۔ اِس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ جنت کی تمام نعمتیں سوائے دیدار الٰہی کے خدا تعالےٰ کی خوشنودی کی علامت میں مہمانی ہیں۔ ایمان اور اعمال صالحہ سے مومن کا اصل مقصود خداوند تعالےٰ کی رضا جوئی ہے۔ کیونکہ مالک جب خوش ہو تو وہ انعام واکرام سے نوازا کرتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ سب سے زیادہ صاحب کرم ہے اُسکی شان کے لائق یہی ہے۔ کہ وہ اپنے فرمانبردار بندوں کو انعام واکرام سے نوازے۔

باقی رہا آریہ وغیرہ منکرین اسلام کی طرف سے آپ کو دغدغہ کہ وہ اس پر اعتراض کرتے ہیں سو اس کی بابت معلوم ہو کہ جسمانی جزا سزا سے کوئی مذہب منکر نہیں۔ بلکہ دہریہ جو نہ خدا کے قائل ہیں۔ نہ کسی مذہب کے پیرو۔ وہ بھی

اِس جسمانی راحت وتکلیف کے قائل ہیں۔ گو وہ اسکا نام نتائجِ اعمال رکھتے ہیں۔ یہ تمام منکرین اِس بات کے قائل ہیں۔ کہ دنیا میں جسقدر بھی راحتیں ہیں۔ وہ نیک اعمال کا صِلہ ہیں۔ اور جس قدر بھی تکالیف ہیں۔ وہ بُرے اعمال کی سزا ہیں۔ راحتوں میں سے حکومت۔ غنا طرح طرح کی نعمتیں۔ خوش گذران صحت وخوبصورتی۔ نیک خوبصورت دیویاں۔ طرح طرح کے اسبابِ عیش، ہر طرح کی خوشی وشادمانی ہیں، اور تکالیف میں سے ماتحتی۔ فقر وتنگدستی طرح طرح کی بیماریاں اور مصیبتیں۔ بدمزاج۔ نافرمان اور بدکار بیویاں، وغیرہ وغیرہ امور ہیں۔ اور اس دنیا سے رحلت کرجانے کے بعد جب ارواح انتریکش لوک میں رہتے ہیں۔ تو بموجب قول سوامی دیانند صاحب رُوح کی چوبیس[1] قوتیں برابر بحال رہتی ہیں۔ جیساکہ وہ نویں سمو لاس میں بالتصریح لکھتے ہیں۔ اُن میں سے بعض یہ ہیں۔ محبت۔ چکھنا۔ سونگھنا اور وہ اسی سمولاس میں سورگ (بہشت) اور نرگ (دوزخ)[2] کے بھی قائل ہیں۔ اور یہ بہت عجیب اور مضحکہ خیز امر ہے کہ اس دنیا سے پرے جنت موجود بھی ہو۔ اور موت کے بعد آدمی کی روح میں کھانے پینے اور سونگھنے کی قوت بھی موجود ہو۔ لیکن وہاں اسکو کھانے پینے کو کچھ بھی نہ ملے۔ این چہ؟ دنیا میں نیک اور فرمانبردار خوبصورت اِستری اعمال کی جزا سمجھی جائے اور دیوی کہلا کر قابلِ تعظیم ومحبت قرار دے لی جائے۔ لیکن جنت میں جاکر انہی نیک اعمال کی جزا میں نیک پاک اور خوبصورت دیوی حور کے نام سے نامزد ہو تو وہ قابلِ اعتراض سمجھی جائے۔ واللہ ہم اِس تفریق کے سمجھنے سے قاصر ہیں،

امکانِ حشرِ اجساد

ہر چند کہ حشرِ اجساد کا مسئلہ قرآن مجید میں اور احادیث صحیحہ میں کُھلے الفاظ میں وارد ہے۔ اور صحابہؓ اور خیارِ تابعینؒ اِسے اِسی طرح مانتے رہے۔ اور اُن کے بعد جملہ اہلِ علم وعقل اور اہلِ کشف والہام اِسی طرح مانتے چلے آئے کہ **قیامت** کے دِن جسموں سے اُٹھائے جائینگے۔ بلکہ لفظ **قیامت** جسموں ہی کے اُٹھنے کیلئے ہے۔ روح تو آگے ہی قائم وزندہ ہے۔ روزِ قیامت کو اُس کے اُٹھنے کے کیا معنے؟ کیونکہ اس کا اطلاق اسپر نہیں ہوسکتا۔ لیکن جب اسلام نے **عرب** سے باہر قدم رکھا۔ اور مسلمانوں کا اختلاط دیگر مختلف قوموں سے ہُوا۔ اور عربی زبان میں مختلف علوم کے تراجم ہوگئے۔ اور مسلمان اُن کے پڑھنے پڑھانے میں مصروف ہوئے۔ اور قلوب میں صحابہ وخیارِ تابعین جیسی صفائی نہ رہی تو طرح طرح کے شکوک پیدا ہونے لگے۔ تو اُن شکوک کو رفع کرنے کے

[1] ستیارتھ پرکاش صفحہ ۳۱۳ ۱۲ منہ [2] ستیارتھ پرکاش صفحہ ۳۳۶ ۱۲ منہ

لئے چند قواعد کی ضرورت پڑی۔ جو بمنزلہ ہتھیار کے سمجھنے چاہئیں۔ اُن میں سے ایک ہتھیار مجاز واستعارہ۔ اور تاویل کا ہے۔ جس طرح عقلمند کسی ہتھیار کا استعمال حسب موقع درست طور پر کرتا ہے اور نادان نہ تو جا و بیجا میں تمیز کرتا ہے۔ اور نہ اُسے درست طور پر استعمال کرسکتا ہے۔ اسی طرح علمائے راسخین نے تو اُن کے استعمال میں قواعد کی رعایت رکھی، اور بجا اور بیجا میں تمیز کی، اور اُن کو صحیح طور پر استعمال کرکے دین کو فائدہ پہنچایا۔ لیکن بعض نادانوں نے جو علم میں کمزور تھے۔ اور اشراقِ ایمانی میں بھی ضعیف تھے۔ اُنہوں نے بجا و بیجا میں تمیز نہ کی۔ اور اُن کو درست طور پر استعمال نہ کیا۔ بلکہ مبتدعین وملحدین نے اُن کو انکار نصوص کے لئے ایک سپر بنا لیا۔ تو اُنہوں نے دین میں خرابی پیدا کرکے اُسے نقصان پہنچایا۔

یہی صورت انکارِ حشرِ اجساد کی ہے۔ کہ منکرین کے نزدیک وہ جسم جو زمین میں دفن کئے جاتے ہیں۔ آخر خاک ہوجاتے ہیں۔ ہڈیاں بوسیدہ ہوکر اور خشک ہو ہو کر ریزہ ریزہ ہوجاتی ہیں۔ اور زندگی قبول کرنے کے قابل نہیں رہتیں۔ اور وہ مردے جو جلا دیئے جاتے ہیں۔ اُن کے گوشت خاکستر اور راکھ ہوجاتے ہیں۔ وہ راکھ ہوا میں اڑجاتی ہے۔ اور اُنکی ہڈیاں دریا دگنگا، میں بہادیجاتی ہیں۔ وہ بھی قابل حیات نہیں رہتیں، اور اُن کے جمع کئے جانے کی بھی کوئی صورت سمجھ میں نہیں آتی۔ اور بعض آدمیوں کو درندے اور مچھلیاں کھا جاتی ہیں۔ اُن کے گوشت اُن درندوں اور مچھلیوں کے گوشت میں مستحیل ہوجاتی ہیں۔ ان سب مذکورہ بالا صورتوں میں جسموں کا اٹھایا جانا بعید از قیاس ہے۔"

ان سب سوالوں کے جواب میں اور ان سب مشکلات کے حل میں اگر یہ کہدیا جائے کہ نہیں بھائی! جسموں کا نہیں بلکہ ارواح کا حشر ہوگا۔ تو غالباً منکرین اِس کا انکار نہیں کرینگے۔ اور اسے بعید از عقل وقیاس نہیں سمجھینگے" لیکن اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ اسی قسم کے سوال جب نزولِ قرآن کے وقت کفار کی طرف سے کئے گئے۔ تو قرآن شریف نے کیا جواب دیا۔ یہی سہل اور ناقابلِ انکار جواب دیا۔ یا اُسی بات کو منوانا چاہا۔ جس پر اُن کو اعتراض تھا اور جسے وہ بعید از عقل جانتے تھے۔ بس اِس سے مسئلہ صاف ہوجائیگا۔ اور ہمیں زیادہ کاوش کرنے کی ضرورت نہ رہے گی۔"

ایسے مقامات قرآن مجید میں بہت ہیں۔ لیکن ہم اُن میں سے سورت یٰس اور سورت قٓ کے دو مقام ذکر کرتے ہیں۔ جو اپنے مطلب میں بالکل صاف و واضح ہونے کے علاوہ مضمون میں جامع اور کئی قسم کے شکوک کے دور کرنے والے بھی ہیں۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے:۔

اَوَلَمْ یَرَالْاِنْسَانُ اَنَّاخَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ
فَاِذَا هُوَخَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ ٥ وَضَرَبَ لَنَا
مَثَلًا وَّنَسِیَ خَلْقَهٗ ۚ قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ
رَمِیْمٌ ٥ قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ
مَرَّةٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمٌ ۙ الَّذِیْ جَعَلَ
لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ
تُوْقِدُوْنَ ٥ اَوَلَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یَّخْلُقَ
مِثْلَهُمْ ؕ بَلٰی ۗ وَهُوَ الْخَلّٰقُ
الْعَلِیْمُ ٥ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ
شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ
فَیَكُوْنُ ٥ (یٰسٓ پ ۲۳)

کیا دیکھتا نہیں آدمی کہ بنایا ہمنے اسکو ایک بوند سے پھر وہ صریحًا جھگڑا کرتا ہے، اور ہماری مثالیں گھڑتا ہے۔ اور اپنی پیدائش کو بھول گیا ہے۔ کہتا ہے۔ کہ کون جلائیگا ہڈیوں کو در آنحال کہ وہ کھرکھری ہوگئی ہونگی۔ تو کہ اُن کو جلاوے گا۔ وہ جسنے پیدا کیا تھا۔ انکو پہلی بار اور وہ سب طرح کا بنانا جانتا ہے۔ جسنے بنا دی تمہارے لئے سبز درخت سے آگ۔ پھر تم اُس سے سلگاتے ہو، کیا وہ خدا جس نے آسمان اور زمین (ایک کلمہ کُن سے) پیدا کر دیئے۔ وہ اِس بات پر قادر نہیں ہے؟ کہ وہ اِن (لوگوں) کی مثل بھی بنالے کیوں نہیں؟ وہ ہے اصل بنانیوالا سب کچھ جانتا۔ بس اُسکا حکم یہی ہوتا ہے۔ کہ جب کسی شئے کو بنانا چاہتا ہے۔ تو اُسے کہتا ہے "ہوجا" پس وہ ہوجاتی ہے ۱۱

اِسی طرح سورہ قٓ میں فرمایا ہے کہ منکر کہتے ہیں۔ کہ" کیا جب ہم مرکر خاک ہوجائینگے۔ (تو پھر زندہ ہونگے۔

ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌ بَعِیْدٌ ٥ قَدْ
عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا
كِتٰبٌ حَفِیْظٌ (قٓ پ ۲۶)

یہ رجوع تو بہت بعید ہے۔ (خدا فرماتا ہے) ہمکو خوب معلوم ہے۔ وہ سب کچھ جو زمین اُن سے کم کریگی۔ اور ہمارے پاس ہے کتاب حفاظت والی،

اِن ہر دو مقامات سے صاف ظاہر ہے۔ کہ منکرینِ قیامت بوسیدہ ہڈیوں کے زندہ ہونے کو اور خاک شدہ اجزا کے مجتمع ہو کر قابلِ زندگی ہونے کو بعید جانتے تھے۔ خدا تعالےٰ نے ہڈیوں کی زندگی کے متعلق یہ جواب دیا۔ کہ جس ذات پاک نے اُن کو پہلی دفعہ پیدا کیا تھا۔ یعنے جب وہ نہ تھیں تو اُن کو موجود کیا تھا۔ وُہی قادر قیّوم اُن کو دوسری دفعہ زندہ کرے گا۔ یعنے اُس زندگی کے وقت تو کسی نہ کسی حالت میں اُن کی ہستی موجود ہوگی۔ پس اُن کا دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل ہے؟

اور سورہ قٓ کی آیت میں جہاں منکروں کا یہ عذر مذکور ہے۔ کہ جب ہم خاک ہوجائینگے تو پھر زندہ ہونا بعید

از عقل ہے۔ اِس کے جواب میں فرمایا۔ کہ ان کے اجزا میں سے جو کچھ زمین میں ہلکر کم ہو جاتا ہے۔ وہ سب ہمارے علم میں ہے۔ ہم جانتے ہیں۔ کہ وہ اجزا کہاں ہیں۔ اور کس حالت میں ہیں۔ اُنکا جمع کر لینا۔ ہمپرکچھ بھی دشوار نہیں۔ اِن مقامات سے قرآن کا مذہب تو بالکل واضح ہو گیا کہ حشرِ اجساد کا ہے۔ اب اس کے امکان کے دلائل اور منکرین کے سوالات واشکالات کا حل سنئے جو قرآن نے خوب بیان کیا ہے۔ اوّل یہ فرمایا کہ بوسیدہ ہڈیوں کو وہ ذات برحق زندہ کریگی۔ جسنے اُن کو پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا۔ پیدا کرنا بہ نسبت زندہ کرنے کے مشکل ہے۔ جب پیدا کر کے دکھا دیا۔ تو زندہ کیوں نہ کر سکیگا۔ چنانچہ اسی مطلب کو سورۂ روم میں یوں فرمایا:۔ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ (پ ۲۱) یعنی دوبارہ زندہ کر لینا اُسپر زیادہ آسان ہے۔

دوم یہ کہ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ فرما کر سمجھایا۔ کہ پہلی دفعہ جب پیدا کیا تھا۔ تو وہ بھی ایک طریق تھا۔ اور پھر دوسری دفعہ پیدا کریگا۔ تو وہ بھی ایک طریق پیدائش ہوگا۔ اور اُسے پیدائش کے ہر طریقے کا پورا پورا علم ہے۔ کیونکہ وہ علیم کل ہے۔

سوم یہ کہ سبز درخت سے آگ[۱] پیدا کرنے کے ذکر سے سمجھایا کہ آگ اور رطوبت دو ضدیں ہیں لیکن تم واقعی دیکھ رہے ہو بلکہ استعمال کر رہے ہو کہ تم سبز درخت سے آگ حاصل کرتے ہو۔

توجس ذات کی قدرت تم یہ دیکھ رہے ہو۔ کہ اُس نے ضد سے ضد پیدا کر دی، تو اس کے نزدیک بوسیدہ ہڈیوں میں جان ڈالدینا کونسی بڑی بات ہے۔ بلکہ ضد سے ضد پیدا کرنے سے آسان ہے،

چہارم یہ کہ زمین آسمان کی پیدائش سے حشرِ اجساد پر دلیل پکڑی ہے۔ اُسکی صورت یہ ہے۔ کہ زمین آسمان کی پیدائش انسان کی پیدائش سے بڑی ہے۔ تو جسنے بڑا کام کر دکھایا۔ تو وہ چھوٹا کام بطریق اولےٰ کر سکتا ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ فرمایا:۔ لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (مومن پ ۲۴) یعنے زمین و آسمان کی پیدائش لوگوں کی پیدائش سے بڑی ہے۔ لیکن اکثر لوگ اسے نہیں جانتے۔

پنجم یہ کہ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ کے بعد وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ دوبارہ کہکر ایک نادر نکتہ کی طرف اشارہ کیا کہ جسم اجزائے متفرقہ کے اجتماع سے بنتے ہیں۔ اور زندگی جسم میں روح پھونکنے سے ہوتی ہے، پس جب وہ

---

[۱] عرب میں مرخ اور عفار دو درخت ہیں۔ اہل عرب کو سفر کی حالت میں جب آگ کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو وہ اُن درختوں کی ہری ٹہنیاں کاٹ کر ایک کو دوسری پر رگڑتے ہیں۔ تو وہ جل اٹھتی ہیں۔ یہ اسکی طرف اشارہ ہے ۱۲ منہ

خلاق ہے۔ یعنے اجزا کا جمع کرنا۔ اور اُنمیں جان ڈالنا اُسکا کثیرالوقوع فعل ہے۔ اور تم اسکو روزمرہ دیکھ رہے ہو تو قیامت کو بھی یہی ہوگا۔ کہ خدا تعالےٰ اجزائے متفرقہ کو جمع کرے گا اور پھر اُن میں جان ڈالیگا۔ ہاں یہ شبہ پڑسکتا تھا۔ کہ اجزائے متفرقہ کہاں کہاں سے آئینگے۔ تو اُسکی نسبت فرمادیا کہ وہ العلیم بھی ہے۔ پس جسموں کا زندہ ہونا کوئی بھی خدا کے نزدیک بعید و عجیب امر نہیں ہے۔

ششم سب کے بعد اصل رازِ حیات کا انکشاف کیا کہ سب چیزوں کا وجود خدا کے امر کے تابع ہے۔ جب کسی امر کی نسبت وہ ارادہ کرتا ہے۔ کہ وہ وجود میں آئے۔ تو اُسکی اُس صورت کو جو اُس کے علم ازلی میں موجود ہے فرماتا ہے۔ کہ تو خارجی وجود میں آجا۔ تو وہ خارج میں وجود میں آجاتی ہے بس یہی اصل رازِ حیات و بقا ہے۔ یہی بات قیامت کے روز ہوگی۔ کہ خدا تعالےٰ اِن سب ذرات کو فرمائیگا۔ کہ جمع ہو جاؤ۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے تو وہ جمع ہو جائینگے اور اُن اجسام میں نفخ ارواح کا حکم دیگا۔ تو وہ سب زندہ ہو جائینگے۔ اِسی کا نام قیامت ہے۔ اور اِسی کا نام بعث و نشور ہے۔ اِس کے بعد حساب کتاب وغیرہ ہوگا۔ جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ تمّ والحمدُ لِلّٰہ

ردِّ تناسخ

موت کے بعد روح ایک جسم سے نکلکر اپنے اعمال مکتسبہ کے مناسب جزا سزا بھوگنے کے لئے دوسرے جنم میں جائے تو اُسے تناسخ کہتے ہیں۔

ہم سابقاً صفحہ ؎ پر لکھ آئے ہیں۔ کہ دنیا کی اکثر آبادی دو مذہبوں کی قائل ہے۔ قیامت کی اور تناسخ کی۔ قیامت کے قائل انبیا علیہم السلام کی اُمتیں ہیں۔ اور تناسخ کے قائل کسی نبی کی اُمت نہیں۔ اِس سے واضح ہوگیا۔ کہ انبیاء کا دین۔ قیامت کو مانتا ہے نہ تناسخ کو۔ پس تناسخ کا ماننا آسمانی وحی سے نہ ہُوا۔ بلکہ وہ انسان کے اپنے توہمات کا اختراع ہے جیسا کہ انشاء اللہ آگے چلکر معلوم ہو جائیگا۔ ع "چوں ندیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند" اور ظاہر ہے کہ ساری دنیا کے اعمال کی جزا و سزا کی نوعیت ہم اپنی شخصی عقل سے مقرر نہیں کر سکتے۔ بلکہ یہ اُس کے اختیار میں ہے جو ساری دنیا کا مالک ہے اور اُس کا قانون و قاعدہ بغیر اُس کے انبیا کے معلوم نہیں ہو سکتا۔ پس جزا سزا کی نوعیت کے متعلق سب عقلی فیصلے نادرست ہونے کی وجہ سے توہمات کہلائینگے۔ اور اندھیرے میں لاٹھی چلانے سے بڑھکر نہ ہونگے۔ کیونکہ جس طرح خداوندِ عالم نے اِس عالم ظاہر میں بینائی بخشی ہے۔ کہ ہم اُس سے مبصرات کو دیکھ سکیں۔ لیکن اِس بینائی سے یہ غرض حاصل کرنے کے لئے آسمانی روشنی آفتابِ عالمتاب پیدا کیا ہے۔ کہ بغیر اس کے ہم اس بینائی سے فائدہ حاصل نہیں کر سکتے۔ اور اگر

کوئی عقل کا پتلا یہ کہے کہ مَیں سورج کی روشنی یا اُس کے قائم مقام کی روشنی کے سوا محض اپنی بینائی سے کام لے سکتا ہوں تو ہم اُسے دیوانہ سمجھینگے۔ جو عقل کے پیچھے لٹھ لیکر پڑا ہوا ہے۔ اِسی طرح عالمِ روحانی و ایمانی میں ہماری عقل کی رہبری کے لئے آسمانی وحی رکھی ہے۔ کہ بغیر اُس کے روحانی و ایمانی امور کی حقیقت معلوم نہیں کر سکتی جیسا کہ ہم صفحہ پر اشارہ کر چکے ہیں۔ پس اگر کوئی شخص روحانیات و ایمانیات اور امورِ آخرت میں محض عقل کے فتوے پر چلے، اور یہ کہے کہ مَیں درست چل رہا ہوں، تو ہم اُس کے اِس قول اور اِس فعل کو اُس شخص کے حال سے زیادہ نہ سمجھینگے۔ جو بغیر آسمانی روشنی یا اُس کے قائم مقام کے محض اپنی بینائی سے فائدہ اٹھانے اور مبصرات کی حقیقت معلوم کر لینے کا مدعی ہے۔ اِس امر کو ہم انشاء اللہ آیت صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ کی تفسیر میں بالتفصیل بیان کرینگے۔ سرِدست اِس موقع کے مناسب اسی قدر اجمالی ذکر کافی ہے۔

غرضیکہ تناسخ کا عقیدہ آسمانی وحی سے حاصل شدہ نہوتے ہوئے قابلِ اعتبار نہیں ہے۔ علاوہ بریں کہ قائلین تناسخ نے اُس کے ثبوت میں جو کچھ کہا ہے۔ وہ محض عقلی ڈھکوسلے یا توہمات ہیں۔ چنانچہ سوامی دیانند جی بانی آریہ سماج نے اپنی مایۂ ناز کتاب "ستیارتھ پرکاش" اور دیباچہ تفسیر رگوید یعنی "رگوید آدی بھاشیہ بھومکا" میں جو کچھ بیان کیا ہے۔ وہ محض قیاسی و وہمی ہے۔ ایک حرف بھی کسی صحیفۂ آسمانی سے نقل نہیں کیا۔ چنانچہ انہوں نے بھومکا میں تو صرف یہ دو دلیلیں بیان کی ہیں۔

اوّل مرنے کا عالمگیر خوف تناسخ کی تصدیق کرتا ہے۔ (صـــ ۱۳۲)

دوم دُکھ سُکھ کے نشیب و فراز سے تناسخ ثابت ہے۔ (صـــ ۱۳۲)

اور ہر ذی ہوش سمجھ سکتا ہے۔ کہ یہ ہر دو دلائل محض قیاسی ہیں۔ قطع نظر اس سے کہ یہ صحیح ہیں یا غیر صحیح، اور اِس میں یجروید۔ رگوید وغیرہ کتب کے جو حوالے لکھے ہیں۔ اُن میں تھوڑا سا تامل کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ سب اِس خیال کے پیرو لوگوں کی دعائیں ہیں۔ جو مصنفین وید نے جمع کر دی ہیں۔ نہ کہ وحی آسمانی کی تعلیم، اور اِس میں ہمکو کلام نہیں کہ تناسخ کا عقیدہ ہندوؤں میں بہت پرانا چلا آتا ہے۔ کسی رواج کی تاریخ قدامت امر دیگر ہے۔ اور یہ امر کہ اُسکی بنا وحی آسمانی پر ہے دیگر ہے؛

سوامی دیانند جی تو ہمارے اِسی مُلک میں زمانہ حال ہی میں ہوئے ہیں۔ اِن سے دُور پہلے اور نہایت بعید مُلک سپین میں حافظ ابن حزم رحمہ اللہ ہوئے ہیں جو ۳۸۴ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۴۵۶ھ میں فوت ہوئے۔ وہ اپنی بےنظیر کتاب کتاب الفصل میں فلسفیوں کی طرف سے ثبوتِ تناسخ کی جو دلیل پیش کرتے ہیں۔ وہ قریباً وہی ہے۔ جو ہمیشہ

سوامی جی کی بھومکا سے نمبر ۱ پر ذکر کی ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں:۔

واذ قد تعلق هؤلاء القوم بالشريعة فحكم الشريعة ان كل قول لم يأت عن نبي تلك الشريعة فهو كذب وفرية فاذا لم يأت عن احد من الانبياء عليهم السلام القول بتناسخ الارواح فقد صار قولهم به خرافة وكذبا وباطلا وبالله التوفيق - (كتاب الفصل جلد اول صفحہ ۹۲)	اور اگر یہ قوم (قائلین تناسخ) کسی آسمانی شریعت کی قائل ہے تو شریعت کا حکم تو یہ ہے۔ جو بات اُس شریعت کے نبی سے ثابت نہ ہو۔ وہ کذب اور افترا ہے۔ پس چونکہ کسی نبی سے تناسخ ارواح کا قول ثابت نہیں ہے اِس لئے اِن (قائلینِ تناسخ) کا یہ قول سراسر خرافات اور بڑا جھوٹ اور بالکل باطل ہے"

اس کے بعد ہم ان (سوامی جی اور ان کے ہم مشربوں کے دلائل (شبہات) کا جواب دینے سے پہلے ایک اصولی بات سمجھاتے ہیں۔ جس کے سمجھ لینے سے خدا کے فضل سے سب توہمات دُور ہو جائینگے۔ اور معلوم ہو جائیگا کہ اِن عقل کے پتلوں نے تناسخ کے ماننے میں ایسی بھاری غلطی کھائی ہے۔ کہ حس اور عقل ہر دو کو زائل کر کے محض ظنون و توہمات کے پیرو ہو گئے ہیں۔ وہ اُصولی بات یہ ہے۔ کہ اِس میں کسی معقولی کو کلام نہیں۔ کہ جملہ نفوسِ بشریہ ایک نوع کے ہیں۔ جنکی حقیقت ایک ہی ہے۔ اور ضرورتِ حس اور مشاہدہ سے ماننا پڑتا ہے۔ کہ دیگر حیوانات کے ارواح دیگر نوع کے ہیں۔ کیونکہ ہم خالقِ حکیم کی قدرت کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے ہر ایک نوع میں خاص امتیاز دیکھ رہے ہیں۔ اِنہی امتیازات سے ہر ایک نوع دوسری سے جُدا ہوتی ہے۔ اور اسی اختلافِ نوعیت کی بنا پر ہر ایک نوع کی حقیقت و ماہیت دوسری سے مختلف ہے۔ پس تناسخ کی تصدیق کرتے ہوئے ہمکو ماننا پڑے گا۔ کہ انسان اور دیگر حیوانات کی ارواح ایک نوع کی ہیں۔ اور اُنکی حقیقت و ماہیت ایک ہے۔ اور یہ باطل ہے۔

کیونکہ ہم جانتے ہیں۔ کہ اِنسان کی حقیقت و ماہیت یہ ہے کہ وہ حیوانِ ناطق ہے۔ یعنے صاحب علم اور مدرکِ کلیات و جزئیات ہے۔ اور دیگر حیوانات غیر ناطق ہیں۔ اور یہ بھی کہ روح انسانی فطرۃً ناطق ہے۔ اور دیگر حیوانات کی ارواح فطرۃً غیر ناطق ہیں۔ پس تناسخ کے ماننے کی صورت میں ہمکو اوّل تو یہ ماننا پڑیگا۔ کہ اِن سب ناطق و غیر ناطق کی ایک ہی حقیقت ہے۔ اور یہ سراسر باطل ہے۔ اور پھر یہ بھی ماننا پڑے گا۔ کہ غیر ناطق انسانی قالب میں آکر ناطق ہو جاتی ہے۔ اور ناطق دوسرے قالب میں جاکر ناطق بنجاتی ہے۔ یہ الہٰی نظام کیا ہوا معاذ اللہ مداری کا تماشا اور بچوں کا کھیل ہوا۔ پھر یہ بھی ماننا پڑے گا۔ کہ روح میں بذاتہ علم و ادراک کی کوئی قابلیت نہیں۔ یہ سب کاریگری انسانی ڈھانچہ کی ہے۔ کہ روح اِسمیں آجائے تو مدرکِ کلیات و جزئیات ہو جائے۔ اور زمین و آسمان کے علوم حاصل کر سکنے کی

قابلیت حاصل کرلے اور اگر اس سے نکل جائے اور دوسرے قالب میں چلی جائے۔ تو پھر ویسی کی ویسی لاعلم ولاعقل ہوجائے، توگویا یہ مٹی کا قالب نورانی جوہر روح پر مؤثر ہے۔ حالانکہ معاملہ برعکس ہے۔ تواب خیال فرمائیے۔ کہ ایک بیعقلی کتنی بیعقلیوں کا گٹھڑ اٹھواتی ہے۔ کیا ایسے اباطیل کی تصدیق کرنا عقل کا کام ہے۔ توبہ استغفر اللہ خدا تعالیٰ اِس آفت سے بچائے ایسا نہ ہو کہ ہماری عقل ہی کو زائل کردے۔ دیکھئے حافظ ابن حزم اندلسی رحمۃ اللہ علیہ جن کو قدرت نے فوق الفطرت ذہانت دی تھی[۱]۔ کیا فرماتے ہیں:۔

ان اللہ خلق الانواع والاجناس ورتب الانواع تحت الاجناس وفصل کل نوع من النوع الآخر بفصله الخاص له الذی لایشارکه فیه غیرہ وھذہ الفصول المذکورۃ لانواع الحیوان انما ھی لانفسھا التی ھی ارواحھا فنفس الانسان حیۃ ناطقۃ ونفس الحیوان حیۃ غیر ناطقۃ ھذا ھو طبیعۃ کل نفس وجوھرھا الذی لایمکن استحالته عنه فلا سبیل الی ان یصیر غیر الناطق ناطقا ولا الناطق غیر ناطق ولو جاز ھذا لبطلت المشاھدات وما اوجبه الحس وبدیھۃ العقل والضرورۃ لانقسام الاشیاء علی حدودھا (جلد اول صفحہ ۹۲)

خدا تعالیٰ نے انواع اور اجناس پیدا کیں۔ اور انواع کو اجناس کے نیچے ترتیب دیا۔ اور ہر نوع کو دوسری نوع سے ایک خاص فصل (امتیاز) سے جدا کیا جو اسی سے مخصوص ہے۔ اور دوسری نوع کو اس میں قطعاً مشارکت نہیں ہے۔ اور انواع حیوانات کے یہ فصول مذکورہ یعنے امتیازات خصوصی) صرف اُن کے نفوس کی وجہ سے ہیں۔ جو اُن کے ارواح ہیں۔ پس نفس انسانی زندہ اور ناطق یعنے مدرکِ جزئیات وکلیات ہے۔ اور دیگر حیوانات کے ارواح زندہ تو ہیں۔ لیکن غیر ناطق ہیں۔ یہی ہر نفس کی طبیعت اور اُس کا جوہر ہے۔ جو اُس سے مستحیل نہیں ہو سکتا۔ پس غیر ناطق کے ناطق ہونے اور ناطق کے غیر ناطق ہونیکی

[۱] مولنا شبلی مرحوم الکلام میں علامہ موصوف کے تذکرہ میں فرماتے ہیں:۔ "علامہ ابن حزم ظاہری جو ۳۸۴ھ میں قرطبہ (کارڈوا) میں پیدا ہوئے۔ اور سلطان منصور محمد بن ابی عامر کے دربار میں وزارت کا رتبہ حاصل کیا۔ فقہ و حدیث کے امام تھے۔ محدثین عموماً اُن کی جلالتِ شان کے معترف ہیں۔ محدث ذہبی رحمہ نے طبقات الحفاظ میں اُنکا نہایت مفصل تذکرہ لکھا ہے۔ اور حدیث میں اُن کو امام فن تسلیم کیا ہے۔ مسلمانوں میں جن لوگوں کا فضل وکمال معمولی طاقتِ بشری سے بالاتر خیال کیا گیا ہے۔ ایک اُن میں علامہ موصوف بھی ہیں اُنکی تصنیفات قریباً چارسو (۴۰۰) ہیں اور اُنکی ہزار صفحوں میں ہیں۔" (الکلام حصہ اول صفحہ ۵۲/۵۳) گویا بحساب اوسط ہر کتاب (۲۰۰) صفحات پر مشتمل ہے۔ عہدہ وزارت کے انصرام میں مصروف ہوتے تصنیفات کی یہ تعداد اور یہ ضخامت حیرت انگیز ہے۔ جسکی وجہ یہی ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے انکو فوق الفطرت ذہانت دی تھی۔ طبیعت کیا تھی؟ ایک اُمڈا ہوا دریا تھا۔ خاکسار کے نزدیک علمِ کلام میں انکا طریق نہایت سلامتی والا ہے سنت سے باہر قدم نہیں رکھتے اور منقولات کو نعیر تاویل کے ایسے طریق پر بیان کرتے ہیں۔ کہ پڑھتے پڑھتے انکا عکس شیشۂ عقل میں صاف اُترتا جاتا ہے۔ علامہ موصوف ۴۵۶ھ میں فوت ہوئے ۱۲ منہ

کوئی صورت نہیں اور تناسخ کی صورت میں ایسا ماننا پڑتا ہے) پس اگر یہ جائز ہو تو اشیاء کے انکی حدود پر منقسم ہونے کی وجہ سے تمام مشاہدات اور وہ امور جن کو حس اور صریح عقل اور ضرورتِ واجبی واجب کرتی ہے باطل ہو جائینگے اور اُن کا باطل ہونا بالکل باطل ہے لہذا تناسخ باطل ہے)

دلائل تناسخ کے جواب

ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ کہ سوامی دیانند جی (بانی آریہ مت) نے ثبوتِ تناسخ کی دو دلیلیں ذکر کی ہیں[1]

اوّل یہ کہ مرنے کا عالمگیر خوف تناسخ کی تصدیق کرتا ہے۔

سوامی جی اسے عنوان قرار دیکر اسکی توضیح میں پاتنجل یوگ شاستر سے مندرجہ ذیل عبارت نقل کرتے ہیں:-

"تمام جانداروں کو پیدا ہونے کے وقت سے ہی برابر مرنے کا خوف لگا رہتا ہے۔ جس سے اگلے اور پچھلے جنم کا"
"ہونا ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ کیڑا بھی پیدا ہوتے ہی مرنے سے خوف کھاتا ہے۔ عالموں کو بھی خوف دامنگیر ہے پس"
"ثابت ہوتا ہے۔ کہ جیو کئی جسم پاتا ہے۔ اگر گذشتہ جنم میں مرنے کا تجربہ نہ ہُوا ہوتا۔ تو اُس کا اثر یا خیال نہیں رہنا"
"چاہئے تھا۔ اور اثر یا خیال کے بغیر یادداشت بھی نہیں رہتی۔ پھر پچھلی یاد کے بغیر مرنے سے کیوں خوف"
"لگتا ہے۔ اسلئے ہر جاندار میں خوفِ مرگ کے دیکھنے سے اگلے اور پچھلے جنموں کا ہونا ثابت ہوتا ہے" (ص ۱۳۲ ہوکا)

جواب - بیشک موت اور اُس سے اِدھر کی جملہ تکلیفات مثلاً چوٹ، زخم، پھوڑا، پھنسی، درد، دُکھ، بیماری، فاقہ حتیٰ کہ غم فکر سب اُمور ناگوارِ طبع ہیں۔ لیکن اِس ناگواری کا سبب سابقہ تجربہ قرار دینا سوامی جی اور مصنفِ پاتنجل یوگ شاستر کی خوش خیالی ہے۔ یا جو بات اپنے مت میں مانی ہوئی ہے۔ اُسی کا عکس ہے ورنہ اِسے حقیقتِ واقعی سے کچھ بھی تعلق و واسطہ نہیں؛

کیونکہ موت یا کسی تکلیف کی ناگوارگی کے وقت کسی متنفس کو بھی قطعاً اس کا تصوّر نہیں ہوتا۔ کہ میں تکلیف یا موت سے اِسلئے بھاگتا ہوں کہ میں سابقاً اس کا تلخ تجربہ کر چکا ہوں۔ تجربی علم میں سابقہ مجربہ اُمور کا علم ضروری ہوتا ہے۔ کیونکہ نفس انہی امورِ مجربہ میں تصرّف کرکے اور اُن کو ترتیب دیکر آئندہ کی احتیاط اختیار کرتا ہے۔ تفصیلی علم نہ ہو تو اجمالی ہی سہی اور انکشافی نہ ہو تو خیالی ہی سہی۔ غرض کسی نہ کسی نوع کا ہونا ضروری ہے۔

لیکن یہاں یعنے موت یا تکلیف سے بچنے کی ناگوارگی کے وقت اُسکا مطلقاً احساس یا تصوّر یا خیال بھی نہیں ہوتا کہ اِس عالم میں آنے سے پہلے کبھی ہم اس مصیبت میں گرفتار ہوئے تھے۔ اور ہمیں یہ تکلیف پہنچی تھی۔ اور

---

[1] بھومکا مترجم اُردو ص ۱۳۲ ۱۲ منہ،

آگے بھی ہم مرے تھے جسکی تلخی سے ہمیں بچنا چاہئے۔

اگرچہ یہ ایسی بات ہے۔ جسکی شہادت ہر شخص کی ضمیر دے سکتی ہے۔ کیونکہ یہ ایک وجدانی امر ہے جو کسی خارجی دلیل کا محتاج نہیں لیکن پھر بھی ہم سوامی جی کی اپنی عبارت سے دکھاتے ہیں۔ کہ وہ اپنے اس قول کے خلاف خود تسلیم کرتے ہیں۔ کہ انسان کا دماغ اِن تصورات سے بالکل خالی ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ عنوانِ مذکورہ بالا کے بعد ایک اور عنوان بدیں الفاظ مقرر کرتے ہیں:۔

"انسان کا کمزور حافظہ پچھلے جنم کی بات یاد نہیں رکھ سکتا۔"

اگرچہ اس میں سوامی جی نے علم نہ ہونے کی وجہ حافظہ کی کمزوری بتائی ہے۔ لیکن ہمیں اسوقت وجہ سے بحث نہیں۔ وجودِ علم یا عدمِ علم سے بحث ہے۔ سو سوامی جی نے کھُلے الفاظ میں تسلیم کر لیا۔ کہ ہمیں اس کا علم نہیں، اسکی توضیح میں سوامی جی فرماتے ہیں:۔

"اِسی جسم میں پیدا ہونے کے وقت سے پانچ برس کی عمر تک جو جو سُکھ یا دُکھ ہوا ہے۔ اور جو جو کام حالتِ خواب یا بیداری میں کئے ہیں۔ اُن کی یاد نہیں رہتی۔ پھر پچھلے جنم کی بات یاد رہنے کا تو ذکر ہی کیا ہوگا۔" [۳۲]

اِس کے جواب میں اوّلاً تو یہ گذارش ہے۔ کہ قبل از پنج سال بچپن کی عمر کی بعض باتیں بہت لوگوں کو یاد ہوتی ہیں۔ سوامی جی نے "یاد نہیں رہتی" کہاں سے کہدیا۔ مجھ عاجز کو اپنی عمر کے تیسرے اور چوتھے سال کے بعض واقعات اِس طرح یاد ہیں۔ کہ گویا وہ اسوقت میری آنکھ کے سامنے واقع ہو رہے ہیں۔

دیگر یہ کہ اگر بالفرض کچھ بھی یاد نہ ہو تو اپنی ہستی اور بچپن کا تو علم یاد ہوتا ہے۔ لیکن یہاں تو بالکل ... کا خانہ

دیگر یہ کہ واقعات کی تفصیل کا یاد نہ ہونا امرِ دیگر ہے۔ اور مطلقاً تصور و خیال کا بھی نہ ہونا امرِ دیگر ہے

اپنی ہستی کی نسبت بھی خیال تک نہ ہو تو آپ اُسے بچپن کی یادداشت کی کمزوری کی مثال نہیں ...

جب بموجب آپ کے قول کے انترکِش لوک۔ یا چندر لوک۔ یا سورگ سے واپس آ

جنم لیتی ہے۔ تو یہ حالت کمال اور نجات کی ہوتی ہے۔ اِس میں آ سورگ آ ...

سکتی ہے ... نجات ... میں ضعفِ حافظہ کس طرح راہ پا سکتا ہے۔ فافہم

[illegible] جسکی ...

[illegible]

[illegible]

کشفِ حقیقت

آیئے ہم آپ کو بتائیں کہ یہ خوف اور ناگوارگی بتقاضائے طبع ہے۔ کہ خالقِ حکیم نے جسم کی حفاظت وبقا کیلئے نفس میں اسے پیدا کر دیا ہے۔ کہ ضرورت کے وقت قدرتی تحریک سے بغیر توجہ وارادہ کے اُس سے سرزد ہوتا رہتا ہے۔ اسکی بنا کسی سابقہ تجربہ پر نہیں ہے۔ اور نہ اب یہاں آکر اُس کے لئے کوئی درسگاہ ہے۔ بلکہ بعض وقت یہی تقاضائے طبع دماغ کو اس درد دُکھ کے دُور کرنے کی تدبیر پہ متنبہ کرتا ہے۔ اور آرام کے حاصل کرنیکی طرف متوجہ کرتا ہے۔ اگر آپ ایسے اوقات میں اپنے وجدان کی طرف رجوع کرینگے۔ تو ہمارے بیان کی تصدیق کی آواز اپنے اندر ہی سے پائینگے۔ بشرطیکہ آپکا وجدان توہمات کی آفت سے سلامت ہو اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْاَشْیَاءَ کَمَا ھِیَ (الٰہی! تو ہمیں چیزوں کی حقیقت اُسی طرح کی دکھا سمجھا جس طرح کہ وہ ہیں)۔

"(۲) سوامی جی نے تناسخ کے ثبوت میں دوسری دلیل یہ ذکر کی ہے:- "دُکھ سکھ کے نشیب فراز سے تناسخ ثابت ہے"

" اسکی توضیح میں سوامی جی فرماتے ہیں کہ جس طرح ایک واقفِ طب کو بخار ہو تو وہ اسکی علت معلوم کر لیتا ہے" اور اگر ناواقف کو ہو تو وہ اسکی علت کو معلوم نہ کر سکے"۔ لیکن وہ علمِ طب سے ناواقف شخص بھی بخار کی موجودگی سے اتنا ضرور جان لیتا ہے کہ میں نے کوئی بدپرہیزی کی ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ علت کے بغیر کوئی معلول نہیں ہوتا۔" "اسلئے عادل ومنصف ایشور پاپ اور پُن کے بغیر کسی کو دُکھ یا سکھ نہیں دیتا۔ دُنیا میں سکھ اور دُکھ کے نشیب وفراز" کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ پچھلے جنم میں ضرور پاپ اور پُن کئے ہیں (بھومکا ۱۳۲)"

جواب:- زیرِبحث امرِ مطلق علت ومعلول نہیں ہے۔ بلکہ سوامی جی کی معین کردہ علت ہے یعنی یہ کہ دنیا کا دُکھ سکھ پچھلے جنم کی نیکی بدی کی وجہ سے ہے۔ اِس تعیین کی کیا دلیل ہے؟ کیونکہ اس عالمِ امکان میں اسباب ومسببات اور علت ومعلول کا سلسلہ بہت وسیع ہے۔ ایک معلول کی متعدد علتیں اور ایک سبب کے مختلف مسبَّب ہو سکتے ہیں۔ دیگر یہ کہ ہم ہر روز اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ بلکہ ہماری جانوں پر گذر رہا ہے۔ کہ ہماری اِس زندگی کے ہزاروں اعمال کا نتیجہ درمِ نقد اسی زندگی میں نکلتا رہتا ہے۔ عام اس سے کہ ہماری وہ غلط کاری یا خطا شرعی نقطۂ خیال سے گناہ ہو یا نہ ہو۔ اور ہماری حسنِ تدبیر یا حسنِ کارکردگی یا محنت وخدمت از روئے شریعت موجبِ ثواب ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ تمام دنیوی دُکھ سکھ احکامِ شریعت پر مبنی نہیں ہے۔ بلکہ بعض امور طبی اور طبعی اصول پر مبنی ہیں۔ اور بعض تعامل پر، اور بعض وقت شناسی پر اور بعض طریقِ کار اور تدبیر پر اور بعض ہماری اِس زندگی کی نیکی بدی پر جیسا کہ ہم مفصل بیان کر چکے ہیں[۱]۔ اِن میں سے بعض امور کو ہم مثالوں سے سمجھاتے ہیں:-

[۱] دیکھو تفسیر ثنائی "دنیا میں جزوی اور عاقبت میں کلی جزا" صفحہ ۱۶۳ سے صفحہ ۱۶۷ تک، ۱۲ منہ

مثال نمبر (۱) - ایک شخص نے غلطی سے یا دیدہ دانستہ زہر کھالیا یا اپنے پاؤں پر کلہاڑا مار لیا - تو زہر کے اثر اور کلہاڑے کے زخم کی نسبت یہ نہیں کہا جائیگا - کہ چونکہ اس نے پچھلے جنم میں پاپ کئے تھے اس لئے زہر نے اثر کیا - اور کلہاڑے سے زخم ہوگیا - اگر نہ کئے ہوتے - تو یہ اثر اور زخم نہ ہوتا -

مثال نمبر (۲) - ایک شخص نے کوئی ایسی غذا کھائی جو اس کے مزاج کے موافق نہ تھی - اُسے اُس سے تکلیف ہوگئی تو یہ نہیں کہا جائیگا - کہ چونکہ اس نے پچھلے جنم میں پاپ کئے تھے - اسلئے اسے تکلیف پہنچی - ورنہ ایسا نہ ہوتا -

مثال نمبر (۳) ایک شخص نے اپنی کھیتی یا باغ کی پرورش ہر مناسب تدبیر سے اچھی طرح کی - اسکی کھیتی یا باغ خوب بار آور ہوئے - دوسرے شخص نے ایسا نہ کیا - بلکہ ہر مناسب تدبیر میں سستی کی - اور موقع شناسی سے کام نہ لیا - اور اسکی کھیتی یا باغ خشک ہوگئے - اور بار آور نہ ہوئے - تو پہلے شخص کی حُسن تدبیر و حُسن کارکردگی اور محنت کو اور دوسرے شخص کی سُستی اور غلط کاری کو نظر انداز کرکے یہ نہیں کہا جائیگا - کہ اگر انہوں نے پچھلے جنم میں پاپ پن نہ کئے ہوتے - تو یہ نتائج بھی نہ نکلتے -

حاصل یہ کہ پچھلے جنم کی تعیین خلافِ واقعاتِ روزمرہ اور خلافِ مشاہدات ہونے کی وجہ سے سراسر سوفسطائیت اور توہم پرستی ہے -

تتمہ بحث تناسخ

بعض وقت آریہ صاحبان یہ بھی کہا کرتے ہیں - کہ ہم دنیا میں لوگوں کی حیثیتوں میں اونچ نیچ دیکھتے ہیں ایک حاکم ہے - دوسرا رعیت ہے - ایک افسر و آقا ہے - دوسرا ملازم و ماتحت ہے - ایک امیر ہے - ایک غریب ہے یہ سب کچھ بھی پچھلے جنم کے پاپ پن کا نتیجہ ہے - اس کا جواب بھی وہی ہے - کہ ایسے سب خیالات توہم پرستی اور حقیقت ناشناسی ہیں - دُنیا میں مدارج کا تفاوت ایک قُدرتی نظام ہے - اس کے بغیر دنیا قائم نہیں رہ سکتی - سب لوگ ویدوں کے مطابق دھارمک یا اُن کے خلاف ناستک ہوجائیں - اور قدرت کے ہاں جزا سزا کا یہی دستور ہو تو اسکا لازمی نتیجہ یہی ہوگا - کہ یا تو سب ایک حیثیت کے انسان ہوجائینگے اور دیگر حیوانات جو ہمارے طرح طرح کے منافع و فوائد کے لیے پیدا کیے گئے ہیں - نابود ہو جائینگے - اور خدمتگار انسان نہ رہینگے - اور یا انسانی ہستی صفحۂ دنیا سے نابود ہو جائیگی اور اسپر صرف بندر وغیرہ جانور ہی ناچتے رہینگے - غرض ہر دو صورت دنیا کا انتظام بگڑ جائیگا - اور یہ بالکل باطل ہے - دیکھئے خدا تعالےٰ نے قرآن مجید میں اس اونچ نیچ کا سچا فلسفہ بتایا ہے - کہ یہ تفاوتِ مدارج دنیا کا انتظام درست رکھنے کے لئے ہے چنانچہ فرمایا: - وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا (زخرف پ ۲۵) یعنی ہمنے بعض کے مدارج بعض پر فائق بنائے ہیں تاکہ ایک دوسرے سے خدمت لے سکے (اور دنیا کے سب امور) اسکے قیام تک بانتظام چلتے رہیں - (۲) قرآن شریف میں بعض قوموں پر ایسے عذاب کا بھی ذکر ہے - وہ سؤر اور بندر بنا دیئے گئے - اسپر آریہ صاحبان کہا کرتے ہیں کہ دیکھو تمہارے ہاں بھی ایسا لکھا ہے - پھر تم تناسخ کو کیوں نہیں مانتے ہیں - تو اس کا جواب یہ ہے - کہ یہ تناسخ نہیں ہے بلکہ مسخِ صورت ہے - تناسخ تو یہ ہے - کہ مرنے کے بعد روح ایک قالب سے نکلکر دوسرے قالب میں داخل ہو جیسا کہ سوامی دیانند جی نے ستیارتھ پرکاش میں تصریح کی ہے - اور یہ مسخ صورت اُسی بدن میں رہنے سے فسادِ خون و مزاج کی وجہ سے حُلیہ کی تبدیلی ہے - نہ کہ روح کا انتقال ، فافهم ولا تكن من القاصرين ،

سُورت فاتحہ اور ذات و صفاتِ باریتعالیٰ

ذاتِ حق کی کُنہ گو ہمارے ادراک وقیاس سے بُلند تر ہے۔ لیکن عیاں سے عیاں ہے کیونکہ اُسکی ہستی کا اقرار ہماری فطرت وجبلت میں ایسے طور پر مرکوز ہے۔ اور اُسکی قُدرت وحکمت کے آثار اتنے وافر اور ظاہر ہیں۔ کہ ہم اُسکی ہستی سے اِنکار نہیں کرسکتے ۔ع "اِنکار کسی سے بن نہ آیا تیرا" اسی لئے کہا گیا ہے۔

ہاں! بعض وقت بعض طبائع پر کچھ حجاب غالب آجاتے ہیں۔ لیکن وہ سب عارضی ہوتے ہیں جب وہ دُور ہو جاتے ہیں۔ تو فطرت اپنی جبلت پر ہو کر حقیقت کو دیکھنے سمجھنے لگتی ہے۔ اور ھوالحق ھوالحق!! پکار اُٹھتی ہے۔ اِن حجابات کے اُٹھانے کے دو طریقے ہیں۔

اوّل مصنوعاتِ عالم کی ایجاد پر نظر کرنا۔ اور اُنکی مناسب تربیت اور ہر امر میں حکیمانہ تدبیر اور عالمِ بالا (آسمان)، اور عالمِ زیرین (زمین) میں ایک با نظام ارتباط، اور اُن کی تاثیر و تاثر سے گوناگون با قاعدہ ومناسب ضروریات انقلابات پر فکر کرنا، یہ وہ عالمگیر امور ہیں۔ جن سے اِنکار نہیں ہوسکتا۔ ان کے سمجھ لینے اور تسلیم کرلینے کے بعد کسی قسم کا حجاب باقی نہیں رہ سکتا۔

اور اگر کسی کی شہادتِ فطرت فرعون کی طرح مختلف حجابات کے غلیظ پردوں میں پوشیدہ ہوگئی ہو۔ اور اُس کی عقل پر بھی پردہ پڑ گیا ہو۔ کہ وہ نہ تو مصنوعاتِ عالم کی ایجاد پر نظر کرے۔ اور نہ دنیا جہان کے نظامِ تربیت میں غور کرے۔ اور اُسکی ذہنیت ایسی اُلٹی ہو چکی ہو۔ کہ وہ بغیر صانع کی صنعت کے نمود اور پیدائش کو مانتا ہو۔ اور بغیر موجد کے ایجاد کا قائل ہو۔ اور بغیر صاحبِ قُدرت وحکمت مدبّر کی تدبیر کے کسی باقاعدہ نظام کو تسلیم کرتا ہو۔ تو ایسے کج فہم غافل کو ہشیار کرنے اور ایسے مستِ خوابِ بیہوشی کو بیدار کرنے اور ایسے سرکش ضدی کی ضد توڑنے کے لئے قُدرت اپنے قہری ہاتھ سے کام لیتی ہے۔ چنانچہ فرعون دہریہ کے سمجھانے کو خدا تعالےٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا۔ آپ نے خدا کی ہستی کے بارے میں نہایت مختصر و دو حرفی بات میں ایک نہایت لطیف وزبردست دلیل پیش کی یعنے رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَہٗ ثُمَّ ھَدٰی (۱۶پ) یعنی ہمارا رب وہ ہے۔ جس نے ہر شئے کو پیدا کیا۔ اور اُسے مناسب وضع میں رکھا۔ پھر (اُن کو جو سمجھدار ہیں) سمجھ بخشی"۔ فرعون علمی طور پر تو اس دلیل سے بند ہو گیا۔ لیکن چونکہ اُس کا حجاب بہت غلیظ تھا۔ اور تمرّد و سرکشی کا بھُوت اُس پر مزید سوار تھا۔ اِس لئے موسیٰ علیہ السلام کی اِس نرم پھُونک سے نہ تو وہ حجاب دُور ہوا۔ اور نہ وہ بھُوت اُترا۔

آخر شکر خدا کے ایک ادنےٰ سپاہی پانی نے اُس کا گلا گھونٹا اور اُس کی ناک مروڑ کر اُس کا دم ناک میں کیا تو اُس کے سب حجاب چاک ہو گئے۔ اور حکومت کا جن اُتر گیا۔ حقیقت کمال وضوح سے اُس کے سامنے منکشف ہو گئی۔ اور فطرت نہایت صفائی سے گواہی دے اُٹھی۔

اٰمَنْتُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِہٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ (یونس پ۱۱)	مَیں نے (دل سے) یہ مان لیا (اور زبان سے اُسکا اقرار کرتا ہوں) کہ جس ذات پر (میرے مقہور و مظلوم)

بنی اسرائیل ایمان رکھتے ہیں۔ اُس کے سوائے کوئی بھی معبود نہیں ہے (نہ میں خود نہ کوئی دیگر)، اور مَیں اُس (ذات برحق) تابعِ فرمان بندوں میں سے (ایک) ہوں "

فرعون کو نہ صرف خدا کی ہستی کا اقرار کرنا پڑا۔ بلکہ یہ بھی تسلیم کرنا پڑا۔ کہ مَیں اُس کے حکم کے ماتحت ہوں۔ اور یہ بھی کہ سب کوئی اُس کے فرمان کے تابع ہیں۔ جن میں سے ایک مَیں بھی ہوں!

جس طرح خدا تعالیٰ کی ذات کا اقرار فطرت میں ودیعت کیا گیا ہے۔ اُسی طرح اُس میں یہ اقرار بھی مرکوز ہے۔ کہ ہم اور دیگر سب اور تمام کائنات ارضی اور سماوی اُس کے حکم کے ماتحت ہے کوئی اُسے سعادتمندی سے طوع و رغبت سے قبول کرتا ہے۔ اور اُس پر ایمان رکھتا ہے۔ اور کسی کو کرھاً اُس کے ماتحت ہو کر اُسکا اقرار کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:-

وَلَہٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّکَرْھًا وَّاِلَیْہِ یُرْجَعُوْنَ (پ۳ آل عمران)	اور اُسی کے تابع فرمان ہیں۔ سب جو آسمان و زمین میں ہیں۔ (کوئی) طوع و رغبت سے

اور (کوئی) مجبوری و مقہوری سے اور (آخر سب کو) اُسی کی طرف لوٹنا ہے"۔ ع

"انکار کسی سے بن نہ آیا تیرا" کی ایک یہ بھی صورت ہے۔

غرض خدا تعالیٰ کی ہستی کے اثبات میں فطرت کے سامنے سے حجاب اور عقل کے سامنے سے پردہ ہٹانے کا یہ دوسرا طریق ہے۔ کیونکہ جب بعضوں کی حِس کمزور ہو گئی ہو تو نرم مَس کفایت نہیں کرتا۔ بلکہ سخت رگڑ کی ضرورت ہوتی ہے۔

باقی رہا مسئلہ صفات[۵] سو ہم تو اس بات کے قائل ہیں کہ ذاتِ برحق کے اقرار کی طرح اُسکی صفات

---

[۵] حافظ ابن حزم قرطبی رح خدا تعالےٰ کیلئے لفظ صفت کو پسند نہیں کرتے۔ بلکہ انہوں نے اسکی بجائے لفظ نعت اختیار کیا ہے (کتاب الفصل) ۱۲منہ

کمال اور نعوتِ جلال کا اقرار اور جملہ معائب و نقائص سے اُس کے منزہ و مبرا ہونے کی شہادت بھی فطری ہے۔ اور جس طرح اقرارِ ذات کے سامنے بعض وقت حجاب آجاتے ہیں۔ اور ادراک حقیقت نہیں ہوتا۔ اسی طرح اقرارِ صفات کے سامنے بھی جہالت و غباوت کے بادل چھا کر حقیقت چھپ جاتی ہے۔ اور حجابات کے اندھیروں میں انسان کا وہم پرست دماغ کچھ کا کچھ تراش لیتا ہے انہی حجابات واوہام سے شرک پیدا ہوتا ہے۔ اور انسان غیر اللہ کو دنیا جہان کے نظامِ تربیت، اور تدبیرِ عالم میں متصرف و قابض سمجھ لیتا ہے۔ سو اس حجاب کے اُٹھانے کے لئے بھی قرآن شریف نے یہی مذکورہ بالا دو نسخے استعمال کئے ہیں۔

اوّل یہ کہ مصنوعاتِ عالم کی خلق و ایجاد میں نظر کرنی فرمائی۔ اور ہر شئے کو نظر کے سامنے رکھکر سمجھا دیا۔ کہ اُنکا خالق سوائے خدا کے اور کوئی نہیں ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

(۱) اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ۭ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (رعد پ۱۳)	(۱) کیا ٹھیرائے ہیں۔ اُنھوں نے خدا کے شریک کہ پیدا کیا ہے اُنہوں نے مثل خدا کے پیدا کرنے کی، پھر ملگئی ہے پیدائش اُنکی نظر میں، (اے نبیؐ!) تو کہہ اللہ ہی پیدا کرنے والا ہے ہر شئے کا، اور وہ اکیلا ہے (اور) زبردست ہے
(۲) اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ۭ هَلْ مِنْ شُرَكَاۗىِٕكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (روم پ۲۱)	(۲) اللہ وہی ہے۔ جسنے تمکو پیدا کیا، پھر تمکو روزی دی پھر تمکو مارتا ہے پھر تمکو زندہ کریگا۔ تمہارے (مقرر کردہ) شریکوں میں سے کوئی ہے جو ان کاموں میں سے ایک بھی کر دکھاوے، وہ نرالا ہے۔ اور بہت بلند ہے اُس سے جسکو شریک مقرر کئے ہیں۔
(۳) خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَاۗبَّةٍ ۭ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝ هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ (لقمان پ۲۱)	(۳) بنائے اُسنے آسمان بغیر ستونوں کے (جیسا کہ) تم انکو دیکھتے ہو۔ اور زمین پر پہاڑوں کا بوجھ ڈالدیا کہ وہ تمکو لیکر جھک نہ پڑیں، اور بکھیرے اُسمیں سب طرح کے جانور اور اُتارا ہمنے آسمان کیطرف سے پانی، پھر زمین میں ہر قسم کی جنس اگائی یہ سب کچھ تو خدا کا بنایا ہوا ہے اب دکھاؤ مجھکو کیا بنایا ہے اور وں نے جو اُس کے سوا ہیں۔ کوئی نہیں بلکہ یہ (مشرک) ظالم لوگ صریح گمراہی میں ہیں۔

اسی طرح دنیا جہان کے انتظام و تدبیر کی بابت فرمایا:۔

(۱) قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ	(۱) (اے نبیؐ!) اِن سے، پوچھ کون روزی دیتا ہے تمکو آسمان سے

مَنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ (پ یونس)

اور زمین سے ، یا کون مالک ہے کانوں کا اور آنکھوں کا اور کون نکالتا ہے جیتا مُردہ سے اور نکالتا ہے مُردہ جیتے سے اور کون تدبیر کرتا ہے ہر کام کی ، سو بولینگے کہ اللہ ، تو تو کہہ کیا تم ڈرتے نہیں ؟ سو یہی اللہ ہے۔ رَبّ تمہارا سچّا پھر کیا رہا ہے بیچ سچ کے سوائے بھٹکنے کے ، سو کہاں سے پھرے جاتے ہو؟

دوم ۔ یہ کہ خدا سے اِدھر جن جن بزرگ ہستیوں کو لوگوں نے غلط فہمی سے دنیا جہان کے انتظام و تدبیر میں متصرف سمجھ لیا ۔ اور اُنکی پرستش شروع کر دی ۔ اور اُن کی رضا حاصل کرنے اور اُن کے قہر و غضب کی بلا سے بچنے کے لئے اُن کی نذریں نیازیں دینے لگے ۔ گویا عملاً اُن کو شریکِ خدا ٹھیرا لیا ۔ ہرچند کہ وہ بزرگ ہستیاں اِس غلط علم اور نادرست فہم کی تعلیم سے پاک تھیں ۔ لیکن خدا تعالٰے نے اپنی حکمتِ بالغہ سے اُن پر ایسے ایسے واقعات گذارے ۔ کہ اُنہوں نے اُن میں اپنے حقیقی مولا و مالک خداوند تعالٰے کی طرف رجوع کیا ۔ اپنی حاجت اُس کے حضور میں پیش کی ۔ اور اپنی تکلیف کی دُوری کیلئے اُس سے دُعا کی جس سے ظاہر ہو گیا ۔ کہ وہ مقدس بزرگ نہ تو تدبیرِ عالم میں متصرف تھے ۔ نہ اپنے نہ کسی اَور کے نفع نقصان کے مالک تھے ۔ نہ دستگیر و فریادرس تھے ۔ اور نہ مُشکل کشا و کارساز تھے ۔

اُن کے ایسے واقعات و مصائب اور اُن کی دعائیں قرآن مجید میں جابجا مذکور ہیں ۔ اور ہمنے انہیں سے بعض ربّ العالمین کی تفسیر میں نقل بھی کر دی ہیں ۔ غرض علمِ ظاہر میں استدلال اور تنبیہ کے یہی دو طریقے ہیں ۔ جن کا ذکر قرآن کریم میں بیش از بیش ہے ؛

مسئلہ ۔ صفات باریتعالٰی کو اُصولی طور پر سمجھنے کے لئے ضروری ہے ۔ کہ پہلے اُن کی تقسیم سمجھ لی جائے ۔ سو معلوم ہو کہ خدا تعالٰے کی صفات دو طرح پر ہیں ۔ وجودیہ اور سلبیہ

وجودیہ یہ کہ ذاتِ حق جملہ صفاتِ کمال اور نعوتِ جلال و جمال سے متصف ہے ۔ جس کی وجہ سے وہ لائقِ حمد و قابلِ ستائش ہے ۔

سلبیہ سے یہ مراد ہے کہ ذاتِ حق جملہ معائب و نقائص سے پاک ہے ۔ پھر یہ کہ صفاتِ وجودیہ میں سے بعض ذاتیہ و حقیقیہ ہیں ۔ اُن کو ازلیہ و قدیمہ و مطلقاً بھی کہتے ہیں ۔ مثلاً حیات ۔ علم ۔ قدرت وغیرہا کہ اِن کا انفکاک ذاتِ حق سے نہ ہوا نہ ہوسکے ۔ اور بعض دیگر صفاتِ افعال سے ہیں ۔ کہ اُن کا ظہور بالفعل مخلوق کے

ظہور و وجود سے ہے۔[ف۵] مثلاً خالقیت، رازقیت، ربوبیت وغیرہا

نکتہ نمبر (۱) اِس تمہید کے بعد معلوم ہو کہ چونکہ سورت فاتحہ قرآن شریف کا خلاصہ ہے اور اُس کے جملہ مضامینِ مقصودہ کا ایکسٹریکٹ (Extract) یعنے عِطر ہے اسلئے اِس میں صرف صفاتِ وجودیّہ کا ذکر کیا ہے۔ کیونکہ حقیقت میں صفاتِ سلبیہ کا رجوع بھی صفاتِ وجودیّہ کی طرف ہے اور وہ اُن کے ضمن میں التزاماً موجود ہیں۔ کیونکہ جب صفاتِ وجودیّہ صفاتِ کمال ہیں۔ اور کمال کی حقیقت یہ ہے۔ کہ اُس میں کوئی کسر۔ کوئی نقص اور کوئی عیب نہ ہو کیونکہ عیب ونقصان مانعِ کمال ہوتے ہیں تو صاف ظاہر ہے۔ کہ صفاتِ سلبیہ ضمناً صفاتِ وجودیّہ میں موجود ہیں۔

نکتہ نمبر (۲) سُورتِ فاتحہ میں صفاتِ وجودیّہ میں سے بھی صرف وہی ذکر کی ہیں۔ جن کے ضمن میں دیگر سب **صفاتِ ذاتیّہ وافعالیہ** بھی آجاتی ہیں۔ اور اسی کی شرح وبسط اس وقت ہمیں مطلوب ہے۔ اِس طریق بیان میں اختصار بھی رہا۔ جو خلاصہ کی شان ہے۔ اور احتوائے مقاصد مہمّہ بھی ہو گیا۔ جس کی وجہ سے اِس کا نام القرآن العظیم اور اُمّ القرآن رکھا گیا۔ مثلاً ربّ العٰلمین اور الرّحمٰن الرّحیم کہ اُن میں ارادہ۔ علم، حکمت۔ سمع، بصر، قدرت، رزاقیت، موہبت۔ (بخشش وعطا، بسط وکشائش)، رافت ورحمت۔ لُطف وکرم۔ حلم وعفو۔ مغفرت وہدایت۔ اجابت وحفاظت۔ ولایت ووکالت۔ حیات وبقا۔ وغیرہا۔ صفاتِ جمالیہ ذاتیّہ وفعلیہ آجاتی ہیں۔ اور مالکِ میں عظمت وکبریائی وصمدیت وغیرہا۔ صفاتِ جلالیہ آجاتی ہیں۔ اور اسے یوم الدّین کی طرف مضاف کرنے سے جبروت وسطوت، قہر وعدالت، وغیرہا آجاتی ہیں؛

[ف۵] ایسی صفات کی دو جہتیں ہیں۔ ایک جہت ذاتِ باری کی صفت ونعت ہونے کی دوسری مخلوق سے متعلق ہونے کی۔ ذاتِ خداوندی سے تو اُن کا تعلق حادث نہیں۔ یعنے ایسا کوئی وقت نہیں تھا۔ اور نہ ہوگا۔ کہ ذاتِ برحق اُن سے عاری ہو۔ اِسی معنے میں سیدنا حضرت امام ابوحنیفہ رح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں۔ کان اللہ خالقاً قبل ان یخلق (فقہ اکبر) یعنے خدا تعالیٰ مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے بھی خالق تھا۔ یعنے اُسمیں قوت وقدرت موجود تھی۔ اور وہ اُس صفت سے موصوف تھا۔ امام غزالی رح نے اقتصاد میں اسے نہایت صفائی سے بیان کیا ہے باقی رہی دوسری جہت یعنے مخلوق سے صفت کا تعلق سو وہ حادث ہے یعنی جب خدا نے چاہا کہ مثلاً کسی شے کو ہستی میں لاوے تو اپنی صفت خالقیت کو اس شے کی صورت علمیہ سے متعلق کر دیا۔ جو اُسکے علم ازلی میں اشیاء کے ایجاد سے پہلے موجود تھی اور اُسکو موجود بالفعل کر دیا پس یہ تعلق اور متعلق یعنے مخلوق، ہر دو حادث ہوئے نہ کہ صفتِ الٰہی۔ اِسی نکتہ کو نہ سمجھکر آریوں نے مسئلہ خلق وایجاد اور حدوث وقدامتِ دنیا کے متعلق غلطی کھائی ہے۔ اور اِسی نہ سمجھنے سے مرزا قادیانی سلسلہ خلق وایجاد کی قدامت کے قائل ہو گئے

قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۱۲ منہ

نکتہ نمبر (۳) ذاتِ خداوندی تصور میں نہیں آسکتی۔ نہ اُس پر ماہیت کا سوال وارد ہوتا ہے۔ نہ اسکی کنہ ادراک میں آسکتی ہے۔ اسی لئے علمائے منطق کا قول ہے۔ لَا یُحَدُّ وَلَا یُتَصَوَّرُ وَلَا یُدْرَکُ، پس بعض وقت اُس کی صفات کے بیان میں اُس کی شان کو انسانی ذہن کے قریب کرنے کے لئے ایسا پیرایہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ جس سے انسانی دماغ مانوس ہوتا ہے۔ اور اُس پیرائے میں ایسے الفاظ استعمال کرنے پڑتے ہیں۔ جو مخلوق کی صفت وشان میں بھی مستعمل ہوتے ہیں۔ اِسی وجہ سے اُن آیات کو جن میں ایسا طریقِ بیان اور ایسے الفاظ وارد ہیں مُتشابہات کہتے ہیں۔ نہ کہ حقیقت کے لحاظ سے۔

ایسی صفات کے متعلق علمائے سنت کے دو مسلک ہیں۔ **تفویض** یعنے اُن کی حقیقت سپردِ خدا کرنا۔ اور **تاویل** یعنے ظاہری معانی کو چھوڑ کر مجازی وغیرہ معنے مراد لینے۔

مسلکِ تفویض سے تو صاف ظاہر ہے۔ کہ اُن کی حقیقت ادراکِ انسانی سے پرے ہے۔ اور مسلکِ تاویل بھی بتا رہا ہے۔ کہ اُس میں کلام کرنا علمائے راسخین کا کام ہے۔ پس بہردوصورت اُن کی حقیقت یا اُن سے مراد عوام کی رسائی سے بالا ہے۔ اِس لئے سورتِ فاتحہ میں جو سارے قرآن کا خلاصہ ہے۔ اور سب کے یاد کرنے کی چیز ہے۔ ایسی صفات کا مطلقاً ذکر نہیں کیا گیا۔

دیگر اِس وجہ سے کہ قرآن نے خود فیصلہ کر دیا ہے۔ کہ مُتشابہات کا رجوع **محکمات** کیطرف ہے۔ یعنی متشابہات کو محکمات کے ماتحت رکھ کر سمجھنا چاہیئے۔ تاکہ **تشبیہ**[۱] کی افراط اور **تعطیل**[۲] کی تفریط سے بچاؤ رہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ (آل عمران پ ۳)	(واللہ) وُہی ہے جس نے اتاری تجھ پر یہ کتاب، اسکی بعض آیات محکمات ہیں۔ کہ وہ جڑ ہیں کتاب کی اور بعض دیگر متشابہات ہیں۔"

[۱] تشبیہ یہ کہ صفاتِ خداوندی کو حقیقۃً مخلوق کی صفات جیسا سمجھ کر اُسے (معاذ اللہ) ایک جسم قرار دیں جیساکہ مشبہین کا مذہب ہے اور[۲] تعطیل یہ کہ تنزیہہ کرتے کرتے اُسکو صفات سے معطل کر دیں۔ یعنے ذاتِ محض بغیر صفات کے اعتقاد کریں۔ یہ دونوں مسلک ضلالت ہیں۔ ایک میں افراط ہے تو دوسرے میں تفریط اور سلامتی اسمیں ہے کہ خدائے تعالیٰ کو جملہ صفاتِ کمال اور نعوتِ جلال وجمال سے موصوف جانیں اور مخلوق کی مشابہت سے پرہیز کریں اور یہ کہیں کہ اُنکی کیفیت اُسکی ذات کی شان کے لائق ہے واللہ اعلم اور اُسکا کوئی ساجھی نہیں ہے لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ۔ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا (پ)

پس محکمات اُمّ الاصول ہوئیں، اور سورتِ فاتحہ میں بوجہ اُس کے اُمّ القرآن اور خلاصہ قرآن ہونیکے انہی امّ الاصول محکمات کا بیان مناسب تھا۔ اِسلئے متشابہات[۱] کے بیان سے استغنا کیا گیا۔

نکتہ نمبر (۴) ذاتِ حق کی صفات کی ایک تقسیم یہ ہے۔ کہ بعض اُن میں سے **جمالی** ہیں مثلاً ربوبیت۔ رحمانیت۔ رحیمیت اور بعض دیگر **جلالی** ہیں۔ پھر یہ جلالی بھی دو طرح پر ہیں۔ ایک وہ جنمیں عظمت وشان اور کبریائی پائی جاتی ہے۔ دیگر وہ جنمیں سطوت وجبروت، قہر وغلبہ، اور مجرموں پر غضب پایا جاتا ہے۔ جمالی کا ذکر تو معلوم ہو چکا۔ لیکن جلالی میں سے عظمت وشان والی کو توصراحۃً ذکر کیا۔ اور غضب و قہر کا ذکر ضمناً کیا۔ جس کا مشرح ذکر انشاء اللہ مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ اور غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ میں آئیگا۔

اِن ہر چہار صفات کی ترتیب

اسم ذات کے بعد اختصاص حمد میں چار صفات ذکر کی گئی ہیں (۱) رب العٰلمین (۲) الرحمٰن (۳) الرحیم (۴) اور مالک یوم الدین۔ اِن کو اس ترتیب میں اِس لئے رکھا کہ اِقرارِ فطرت کے بعد میدانِ نظر واستدلال میں سب سے پہلے خدا تعالےٰ کی عالمگیر ربوبیّت کا نظارہ سامنے آتا ہے۔ ولغ اُسکی عِلّت و وجہ معلوم کرنی چاہتا ہے۔ کہ یہ سلسلہ تربیت کیوں ہے۔ تو جواب ملتا ہے کہ محض رحمت کے تقاضے سے ہے۔ پھر رحمت عام بھی ہے۔ اور خاص بھی، عام وہ جس سے ایجاد وبقائے عالم ہے۔ اور یہ تقاضا اِسم **رحمٰن** کا ہے۔ اور خاص یہ کہ عاجز بندوں کی سعی وعمل کو رائگان نہ گنوائے بلکہ تقاضائے اُولٰٓئِكَ كَانَ سَعۡيُهُمۡ مَّشۡكُوۡرًا (بنی اسرائیل پ۱۵) اُسے باثمر کرے اور یہ تقاضا ہے اِسم رحیم کا۔ چنانچہ فرمایا وَكَانَ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ رَحِيۡمًا (پ۲۲) پھر اتنے افضال پر اگر اعمال کی بازپرس اور مطیع ونافرمان میں امتیاز، اور مظلوم کا انصاف نہ ہو تو یہ سارا سلسلہ عبث وبیکار سمجھا جائے اِس لئے **دین** (انصاف وجزا) کا ذکر کیا اور "انصاف کے دن کو" اپنے اسم **مٰلِكِ** کی طرف مضاف کر کے اور حمد کے ماتحت رکھ کر جلال وجمال ہر دو امر ظاہر کر کے حامدین۔ عابدین۔ صالحین کو امیدِ فضلِ عظیم وکرمِ عمیم دلائی۔ اور جاحدین، غافلین۔ فاسقین کو انذار کیا۔ لیکن لطف یہ ہے۔ کہ ربوبیّتِ عامہ، رحمانیتِ عامہ اور رحیمیّتِ خاصہ سب صفات ظاہر الفاظ میں بیان کیں اور انذار، اور ڈراوے کو لفظ دین یعنے انصاف وجزا کے پیٹ میں مخفی رکھا۔ اور اُس میں بھی ایک تصور لطف وکرم

---

[۱] آیات متشابہات کے متعلق مفصل ذکر انشاء اللہ تعالیٰ سورت آل عمران میں اس آیت کی تفسیر میں ہوگا۔ ۱۲ منہ

کا بھی رکھا۔ پس ساڑھے تین رحمت اور شفقت کیلئے اور صرف آدھا اظہارِ غضب کے لئے گویا رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (اعراف پ۹) اور حدیث قدسی اِنَّ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ غَضَبِیْ (بخاری)، کی شان اس میں بھی ملحوظ رکھی اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنَا آمین۔ پس ہر چہار صفات میں نہایت لطیف ترتیب ہے۔

ہدایت ربّ العٰلمین میں نعمتِ بقا کی طرف اشارہ ہے۔ کہ سب جہان و جہانیان کا بقاء و قیام اللہ ذوالجلال کی ربوبیت کا کرشمہ ہے۔ اور الرحمٰن الرحیم (ثانی) میں جہان کی پیدائش و پرورش کا سِر بتایا ہے۔ کہ وہ محض رحمت کے تقاضے سے ہے۔ کسی سابقہ خدمت یا استحقاق سے یا مخلوق سے آئندہ نفع کی توقع پر نہیں۔ جو مربوب ہے۔ وہ حادث و مخلوق بھی ہے۔ پس بسم اللہ میں جو الرحمٰن الرحیم ہے۔ وہ تیمن و تبرک کیلئے ہے۔ اور یہاں وجہ و سِرِ ربوبیت اور اختصاصِ محمودیت کیلئے ہے۔ اور جب مقاصد مختلف ہوں گو الفاظ ایک ہی ہوں۔ تو تکرار ممنوع اور مخلِ فصاحت و بلاغت نہیں ہوتا[1]۔ اس کے بعد مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ میں جزا و سزا عدل و انصاف اور مکافاتِ عمل کا ذکر کر کے انتہا اور رجوع کی طرف اشارہ کیا۔ کہ آخر کار سب کو اپنے اعمال کی جوابدہی کیلئے اپنے مالکِ حقیقی کے سامنے کھڑا ہونا پڑے گا۔ اس دن سوائے اس کے کسی کی مالکیت کسی کا حکم اور کسی کا کچھ اختیار نہیں ہوگا۔ گویا یہ تینوں آیتیں منه الابتداء وبه البقاء واليه الانتهاء کے بیان میں ہیں۔ صوفیائے کرام کے نزدیک **معرفت** کے یہی تین گر ہیں۔ اور یہی اصل **توحید** ہے جب اِن امروں میں کوئی بھی اس کا شریک نہیں۔ تو دوسروں میں جو انہی کی شاخیں ہیں۔ کوئی کیسے شریک ہوگا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ ان ہر سہ صفات کی ترتیب میں فرماتے ہیں:۔

"حضرت حق تعالیٰ حمد را اول باسم ذات متعلق فرمود و بعد ازاں سہ صفت آورد۔ اوّل صفتِ ربوبیت۔ دوم صفتِ "
"رحمت، سوم صفتِ جزا، و در آوردنِ ایں سہ صفت نکتہ ایست دقیق، و آں آنست کہ در عالم ہر کہ ستائش و ثنائے "
"کسے میکند از سہ چیز بیروں نمی باشد یا آنکہ در زمانِ سابق پرورده بنمک و مشمولِ نعمتِ او بوده است، گو حالا از "
"وے نفعے ندارد و نہ آئندہ توقعِ فائدہ، و یا آنکہ بالفعل از وے انتفاع دارد گو در زمانِ سابق نداشت و نہ "
"در آئندہ متوقع است، یا آنکہ توقعِ نفعے از آنکس دارد گو در زمان سابق و حال باو منتفع نشده است، و ایں ہر سہ چیز در ملاحظۂ دنیا داری "
"و دینداری بہ تجربہ میرسد چنانچہ پوشیدہ نیست، پس در آوردنِ ایں سہ صفت اشارہ بآنست کہ اگر بندگاں راه مرّت روند و حمد خدا خود را لحظہ "
"نعمتہائے سابقہ نمانند، نیز جائے آں دارد، کہ مرا صفتِ ربوبیت ثابت است، از سابق نعمتہائے بیشمار بریشاں دارم و اگر بنعمتہائے حال نمایند آں نیز تحقق است "
"کہ رحمان و رحیم ام۔ و اگر آخر بینی و دور اندیشی پیش گیرند، نیز شایانِ آنم، کہ کارخانۂ جزا بستہ بمن است و بازگشت نقیر و قطمیر سوئے من است پس بہر صورت شایستۂ حمد و ثنا ام۔ "

[1] نہایۃ الایجاز للامام الرازی ص ۱۲

أَمَرَ أَنْ لَّا تَعْبُدُوْا إِلَّا إِيَّاهُ (يوسف)

اَلْجُزْءُ الْخَامِسُ

مِنْ تَفْسِيْرِ الْفَاتِحَةِ

مِنْهَاجُ الْعَابِدِيْنَ وَمِعْرَاجُ السَّالِكِيْنَ

فِيْ مَنَازِلِ

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝

ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔

ارتباط مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ تک صفات ومحامدِ الٰہیہ کے جملہ اصول مذکور ہو چکے، اور دینِ اسلام کے اعتقادی اصل الاصول (توحید مع صفات) کا بیان ختم ہوا۔ کہ ذاتِ حق اُلوہیت میں متفرد ہے، پس برکت اُسی کے نام میں ہے۔ اور سزاوارِ حمد بھی وہی ہے۔ ربوبیت میں واحد ہے۔ پس وہی مستحقِ عبادت ہے۔ محض شفقت ورحمت سے تم پر مہربانیوں کا سایہ کئے ہوئے ہے۔ اپنے سوا تمہیں کسی کے رحم پر نہیں چھوڑ رکھا۔ اعمال کی جزا کے لئے جس دن تم حاضر کئے جاؤ گے، انصاف اُسی صاحبِ حمد وثنا کے ہاتھ میں ہوگا۔ اس کے سوا کوئی دوسرا مالک و مختار نہیں ہوگا۔ پس اس کے دروازے سے ہٹ کر کسی اور کے دروازے پر جانا جائز نہیں۔ اس کے بعد **عملی** حصے کا بیان شروع کیا۔ اور عمل میں سب سے بڑی چیز عبادتِ الٰہیہ ہے۔ کیونکہ ایسے مہربان مالک کی تعظیم سے بڑی نسبت اسی امر کو ہے۔ اسلئے فرمایا:— اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ، یعنے خداوندا! جسکی یہ شان ہے جو بیان ہو چکی، ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں، اور ہم تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ اور اس میں صیغۂ غائب سے صیغۂ خطاب کیطرف **التفات**[۱] اسلئے کی، کہ خدا تعالےٰ کی صفاتِ مذکورہ بالا کے تصورِ استغراقی سے خصوصاً قیامت کی حاضری کے خیال سے ایک حالتِ کشفی وحضوری طاری ہو جاتی ہے۔ یا ہو جانی چاہیئے۔ یا ہو سکتی ہے۔ چنانچہ دوسرے مقام پر اس کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۙ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (سورت تطفیف پ۳۰)	کیا ان لوگوں کو کھٹکا نہیں، کہ اس بڑے دن میں جب تمام لوگ اللہ رب العٰلمین کے حضور میں کھڑے ہونگے، تو یہ کم تولنے والے بھی سامنے کھڑے کئے جائینگے۔

پس استغراقِ تصور سے کشفی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور تجلیاتِ الٰہیہ نازل ہو کر حضور کا رتبہ حاصل کراتی ہیں۔ اور اس حضوری کی حالت[۲] میں **صیغۂ خطاب** ہی مناسب ہے،

دیگر یہ کہ جو ذات ہمارے وہم سے پرے اور خیال سے بالا، اور جنس و مثال سے پاک ہے اور ہم اُسے اپنے ان حواس سے نہیں پا سکتے۔ یا یوں کہئے کہ جب انسان کو اندیکھے اور بیمثال خدا کی پرستش مشکل نظر آئی۔ اور اس سے انکار کی صورت تو ممکن نہیں

---

۱ علم معانی میں التفات یہ ہے کہ متکلم ومخاطب وغائب کے صیغوں کو کسی نکتے کے لئے ایک دوسرے کی بجائے استعمال کیا جائے، اسکی تفصیل وقواعد کتب بلاغت مثل مطول، مختصر معانی وغیرہا میں مذکور ہیں۔ ۱۲ منہ

۲ اسی مقام پر نماز میں وہ حالت ہو سکتی ہے۔ جسکی نسبت حدیث جبرئیل میں وارد ہے۔ اَنْ تَعْبُدَ رَبَّكَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ (مشکوٰۃ ص۳) یعنی تو اپنے رب کی عبادت ایسے طور پر کرے۔ کہ گویا کہ تو اُسے دیکھ رہا ہے۔ اور اس مقام کے حاصل کرنے والی آیت یہی اِيَّاكَ نَعْبُدُ ہے۔ اور یہ سب راز کافِ خطاب میں مرکوز ومضمر ہیں۔ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا، ۱۲ منہ

اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِكَاتِبِهٖ وَلِمَنْ سَعٰى فِيْهِ

کیونکہ اسکا اقرار ہماری فطرت میں ودیعت کیا گیا ہے، تو انسان کے وہم پرست دماغ نے وحی ربانی کی رہنمائی کے خلاف خدا کی صفات کی تصویریں بنائیں۔ بت تراشے، مقدس انسانوں کو اسکا اوتار و مظہر بنا کر قرار دیا اور کائنات ارضی و سماوی میں انکو مختار و متصرف اعتقاد کیا۔ اور انکی پرستش شروع کردی پھر اس سے گذر کر طرح طرح کی عناصر پرستی جاری ہوگئی۔ کہ دریاؤں (گنگا جمنا) پہاڑوں (جوالا مکھی) درختوں (پیپل) چوپایوں (گائے) پرندوں (نیل کنٹھ) سورج، چاند۔ اور ستاروں بلکہ پتھروں کی بھی عبادت ہونے لگی۔ قرآن شریف نے انسانی دماغ کو ان سب توہمات سے پاک کرنا چاہا کہ خدا کے سوا ان سب اشیاء کو جن فوائد کی وجہ سے لوگ معبود گردانتے ہیں۔ اُن سب کی بابت سمجھا دیا بلکہ دماغ میں اُتار دیا کہ یہ سب خداوند تعالےٰ کے انعامات ہیں جن سے وہ اپنے بندوں کی تربیت کرتا ہے۔ اُس نے ان کو اسی ارادے سے پیدا کیا۔ اور ان میں یہ منافع رکھے ہیں۔ یہ سب فوائد کے پہنچانے میں خدا کے حکم کے ماتحت ہیں پس ان انعاموں سے فائدہ اُٹھا کر اُس منعم سے لو لگاؤ۔ اور اُسی کے گیت گاؤ۔ اور اُسی کا احسان مانو جس نے ان سب کو تمہارے فائدے کیلئے پیدا کیا چنانچہ فرمایا: ۔ وَمِنْ اٰیٰتِهِ الَّیْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَ لَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ (حٰم فصلت پ ۲۴) یعنی اور خدا کی نشانیوں میں سے رات بھی ہے اور دن بھی۔ اور سورج بھی اور چاند بھی، (تو) تم سورج اور چاند کو سجدہ نہ کرو۔ اور (صرف) خدا کو سجدہ کرو جس نے انکو پیدا کیا۔ اگر تم اُسی کی عبادت کا دعوےٰ کرتے ہو"

اوّل تو نماز کی ہیئت ترکیبی دست بستہ قیام۔ رکوع اور سجود ہی ایسی بنائی۔ کہ تواضع و انکساری، خشوع و خضوع اور سکنت و خشیت، اُسکی وضع سے ظاہر ہے۔ پھر اُسمیں سورت فاتحہ کی قرات سکھائی کہ اُسمیں تمام عالم میں خدا کی ربوبیت کی جلوہ نمائی اُسکی رحمانیت و رحیمیت کی کرمفرمائی سامنے آکر اُسکی عظمت و کبریائی کا شہود ہونے لگتا ہے۔ اور محاسبۂ اعمال کے لئے اُس کے حضور میں کھڑا ہونا یاد آکر اس مقام پر پہنچا دیتا ہے۔ کہ بس ہم اُس کے سامنے ہی کھڑے ہیں۔ اور عرض و معروض کر رہے ہیں حقیقی حضورِ قلب واقعی سکونِ خاطر اور خشیت کے پیدا کرنے کے لئے اِس سے بڑھ کر پاک اور بے لوث مؤثر نہیں ہو سکتا۔ اور یہ سب کچھ سورت فاتحہ کی ان مختصر آیتوں میں ہے۔ اور اِس سارے مضمون کی وُسعت اِیَّاکَ نَعْبُدُ کے صیغہ خطاب میں سمیٹ دی گئی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ آپ نے خدائے بیمثال کی معرفت و عبادت۔ بغیر کسی خارجی صورت و نمونہ کے خود اُس کے جلال و جمال اور عظمت و کمال سے سمجھائی۔ اور پھر یہ کہ اس راہ کے سالکین کو منزلِ مقصود کی اعلےٰ اسٹیج پر پہنچا بھی دیا۔ جس سے گوہر مقصود بھی ہاتھ آگیا۔ اور منشا کانہ توہمات کی

بلا سے بھی محفوظ رہے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلَيْهِ قرآن شریف کے اس طریق تعلیم کا رتبہ بہت بلند ہے اور ان جملہ طریقوں سے ازبس بالا ہے جو انسانی دماغ نے اختراع کئے کیونکہ خدائے بیمثال کی صفات کی تصویریں بنا کر اور انبیاء اور فرشتوں اور صالحین کو اسکے ظہور و بروز یا اوتار قرار دیکر اور ان کے بت بنا کر اور ان کے ارواح کو حاضر ناظر سمجھکر عبادت کرنے میں شرک تو ظاہر ہے لیکن اس کے علاوہ یہ خرابی بھی ہے کہ ان سب صورتوں میں علو سے پستی کی طرف تنزل ہوتا ہے۔ اور ان سب مادی چیزوں اور وہمی باتوں سے بالاتر ہو کر خدا کی ربوبیت اور اس کی رحیمیت۔ اور اسکی مالکیت کے دروازے سے اس کے حریم پاک یا حظیرۃ القدس میں داخل ہونا یا اسکی ان صفات کے آئینہ سے اس کے جلال و جمال اور عظمت و کمال کا مشاہدہ کرنا **حقیقی معرفت** ہے اور اس میں دماغ کی ترقی و بلندی ہے۔ اسی لئے نماز کیلئے کہا گیا ہے اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ بلکہ یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ روحِ انسانی کو اس کے حقیقی مرتبہ کے مناسب **طائرانِ قدس** کی مجلس میں شامل کر دیا نہ یہ کہ اسے اسکے مرتبے سے گرا کر **اسفل سافلین** بنا دیا چنانچہ دوسرے موقع پر اسکی حقیقت کو یوں ظاہر کیا ہے۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ الآیہ (التین پ ۳۰) یعنے "ہمنے انسان کو بہتر سے بہتر ساخت میں پیدا کیا ہے۔ پھر اسے (اسکی پست خیالیوں کی پاداش میں) پست سے پست کر دیا۔ مگر ان لوگوں کو جو (ہماری ہدایت کے مطابق) ایمان رکھتے ہیں۔ اور نیک اعمال بجالاتے ہیں ۔۔"

فائدہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سورت (فاتحہ) کو اللہ تعالیٰ نے بندوں کی زبان پر نازل فرمایا کہ وہ اس طرح کہا کریں،

۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ میں مفعول کو یعنے کافِ ضمیر کو اُسکے عامل نَعْبُدُ پر مقدم کیا۔ واسطے حصر اور اختصاص کے جس کے رو سے معنے یہ ہو گئے۔ کہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ نہ کسی اور کی، یہ قاعدہ بلاغتِ کلام میں داخل ہے مختصر معانی

لفظ اِیَّا کے متعلق ائمہ نحاۃ کے تین قول ہیں اول یہ کہ یہ ضمیر منفصل منصوب ہے۔ اور کاف اور ی اور ہ، جو اس کے ساتھ ملحق ہوتے ہیں۔ وہ تعیین خطاب و تکلم و غیبت کے لئے ہوتے ہیں۔ دوم یہ کہ ضمیریں تو کاف اور ی اور ہ ہی ہیں۔ لیکن چونکہ یہ اپنے عامل سے منفصل ہو کر اور اکیلی رہ کر تلفظ میں کمزور تھیں، اور ابتدا میں کمزور کلمہ مناسب نہیں۔ اسلئے ان کو پرونس اور مضبوط کرنے کے لئے اِیَّا کا سہارا دیا گیا۔ تا کہ ان کی کمزوری بھی دور ہو جائے اور اپنے عامل سے منفصل و مقدم ہو کر مفید حصر بھی ہو سکیں۔ سوم یہ کہ اِیَّا اور کَ ہر دو ملکر مجموعہ ضمیر ہے۔ اور اِسے کئی طرح پر پڑھنا جائز ہے۔ اِیَّاکَ (بکسر الہمزۃ وتشدید الیا)، اِیَاکَ (بکسر الہمزۃ وتخفیف الیا) اَیَّاکَ (بفتح الہمزۃ

وتشدید الیا) هَیِّئًا (بابدال الهمزة یاءً وتشدید الیاء) (ابی السعود وتشریح تام)

اور اسجگہ تقدیم مفعول کی وجہ یہ ہے کہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ اسلئے کہ خالق و پروردگار وُہی ہے۔ نیز عبادت کی جزا کا مالک بھی وہی ہے۔ ان امور میں کسی اور کو کچھ بھی دخل نہیں۔ نہ خالقیت میں نہ ربوبیت میں اور نہ مالکِ جزا ہونے میں۔ چنانچہ فرمایا:-

یَآیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۙ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً ۪ وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (پ۱)	اے لوگو! عبادت کرو اپنے پروردگار کی جسنے تمکو بھی، پیدا کیا اور تمسے پہلوں کو (بھی) تاکہ تم عذاب سے بچ جاؤ (اسکے بعد سلسلۂ ربوبیت کی تفصیل ذکر کی اور فرمایا) جس (خدا) نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا، اور آسمان کو چھت، اور آسمان (کی طرف) سے پانی اُتار کر تمہاری

روزی کیلئے اناج اور قسم قسم کے میوہ جات پیدا کئے پس تم خدا کے شریک نہ بناؤ۔ اور تم (یہ سب کچھ) جانتے ہوئے

نیز فرمایا:-

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰهِ یَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۫ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ (پ۲۲ فاطر)	اے لوگو! یاد کرو خدا کی نعمت جو تم پر ہے۔ کیا سوائے خدا کے کوئی (دوسرا) خالق ہے؟ جو تمکو آسمان سے اور زمین سے روزی پہنچاوے۔ اُس کے سوائے کوئی بھی لائق عبادت

نہیں مگر وہی۔ پس تم کدھر بہکے جارہے ہو! نیز فرمایا:-

قُلْ اِنِّیْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ ۙ وَ اُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ ۔ قُلْ اِنِّیْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ (پ۲۳ زمر)	(اے پیغمبر! ان سے کہو کہ مجھے تو یہ حکم ہوا ہے۔ کہ میں صرف خدا کی عبادت کروں۔ خالص کرتا ہوا واسطے اُسی کے **دین** کو اور مجھے (یہ بھی) حکم ہوا ہے۔ کہ میں سب سے پہلا

فرمانبردار ہوں۔ (اے پیغمبر! انسے یہ بھی) کہدو کہ اگر میں اپنے ربّ کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے دن کے عذاب سے ڈر لگتا ہے "

چونکہ اسجگہ اِیَّاكَ نَعْبُدُ سے پیشتر اسی ربوبیت عامہ اور رحمانیت و رحیمیت اور روزِ جزا کی خصوصی مالکیت کا ذکر ہے۔ اس لئے اس موقع پر حصرِ عبادت کی صورت نہایت موزون و مناسب ہے۔

ؔلہ لفظ ثمرات درختوں کے میوہ جات اور زراعت ہر دو قسم پر بولا جاتا ہے (قرآن شریف) ۱۲ منہ

دوسری وجہ حصر کی یہ ہے کہ آدمی کے احوال تین زمانوں کے متعلق ہیں، اوّل ماضی میں، دوم حال میں۔ سوم استقبال میں، اور اِن تینوں میں وہ اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے۔ اور اِن میں اُسکا نگران حال سوائے خدا تعالیٰ کے کوئی نہیں، اسکی تفصیل یوں ہے۔ کہ زمانہ ماضی میں ایک وقت تھا کہ اُسمیں انسان بالکل موجود نہ تھا۔ خدا تعالیٰ نے اپنے کرم سے اُسے نطفۂ آب اور مُضغہ گوشت کی صورت میں بنایا۔ اور اُسمیں جان ڈالی اُسوقت یہ نہایت ضعیف و ناتوان اور بالکل نادان تھا۔ خدا تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے اُسے توانائی اور دانائی بخشی، اور نیکی بدی۔ اور نفع نقصان کی تمیز عطا کی، اور ہر طرح کی نعمت سے نوازا۔ اب انسان زمانۂ حال میں یعنے اِس عالم میں خدا تعالیٰ کی ظاہری و باطنی نعمتوں میں زندگی گذارتا ہے۔ جسمیں وہ خدا کا بیحد محتاج ہے۔ اِس کے بعد اُسے سفرِ عاقبت یعنے عالمِ جزا پیش آنے والا ہے جسکی بابت ارشاد ہے کہ یہ کارخانۂ دنیا درہم برہم ہو جائیگا۔ تو انسان اپنے اعمال کی جزا کے لئے اپنے خداوند کے حضور پیش ہو گا۔ چنانچہ فرمایا:-

یَاأَیُّهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلَاقِيهِ (انشقاق پ۳۰)	اے (غافل) اِنسان تجھے ضرور ضرور اپنے پروردگار کے حضور گھسٹ گھسٹ کر پہنچنا ہے۔ اور پھر اُس سے ملنا ہے

اِن ہر سہ زمانوں میں اِنسان خدا کے قبضے اور اختیار میں ہے۔ اور اِن ہر سہ میں اُسی کا محتاج ہے پس سوائے خدا کے کسی اَور کی عبادت کی کوئی وجہ اور گنجائش نہ ہو سکی۔ لہٰذا عبادت کو صرف خدا تعالیٰ کے لئے حصر کرنا ضروری ہُوا!

اِن ہر سہ زمانوں کے متعلق قرآن شریف میں کثرت سے آیات ہیں لیکن ہم طوالت کے خوف سے اُن کو نقل نہیں کر سکتے۔

عبادت نہایت درجے کی عاجزی اور تذلل کو کہتے ہیں چنانچہ اُس راستے کو جو بہت پامال ہو اور اُس پر گذر زیادہ ہو طریق معبد ای مذلل کہتے ہیں۔ چنانچہ لسان العرب میں ہے۔ المعبد المذلل والتعبد التذلل، نیز کہا ہے:۔ طریق معبد مسلوك) اور ظاہر ہے۔ کہ نہایت درجے کی عاجزی نہایت درجے کی شان والی ذات کے سامنے کرنی چاہئے۔ اسلئے اسلام نے یہ تذلل و عاجزی سوائے ذاتِ حق کے کسی اَور کے لئے جائز نہیں رکھی۔ پس ذاتِ حق کے لئے حصرِ عبادت کی یہ بھی ایک وجہ ہے۔

اِس بیان سے واضح ہو سکتا ہے کہ عبادت۔ عبادت کنندہ کے لحاظ سے تو نہایت درجے کی عاجزی ہی ہے لیکن اُسمیں معبود کی نہایت درجے کی تعظیم ہوتی ہے۔ پس ہر امر و ہر حالت جس سے یہ مفہوم ظاہر ہو کہ اُس میں عابد

کی نہایت درجے کی ذلت اور معبود کی نہایت درجے کی عزت وتعظیم پائی جائے۔ وہ عبادت ہے۔ اور یہ تین طرح پر ادا ہو سکتی ہے۔

اوّل زبان سے، جیسے حمد وثنا، ورد وظیفہ اور دعا وغیرہا۔

دوم۔ بدن سے۔ جیسے سجدہ۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ طواف وغیرہا۔

سوم۔ مال سے، جیسے زکوٰۃ صدقہ۔ خیرات۔ قربانی۔ نذر نیاز وغیرہا۔

یہ سب اقسام صرف اللہ تعالیٰ کے لئے یعنے اُسکی رضا اور قرب حاصل کرنے کے لئے ادا کرنی چاہئیں۔ اِن میں کسی غیر کی شرکت جائز نہیں اِیَّاکَ نَعْبُدُ میں حصر کا مفاد یہی ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے اِس کے یہ معنے منقول ہیں۔ نَعْبُدُکَ وَلَا نَعْبُدُ غَیْرَکَ (ابی السعود ص۱۵۶) یعنی ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ اور تیرے سوا کسی اَور کی نہیں کرتے۔

تشہد نماز میں جو وظیفہ آنحضرت صلعم نے سکھایا ہے۔ اسمیں یہ سب اقسام خدا تعالےٰ سے مخصوص کر دیئے ہیں۔ اَلتَّحِیَّاتُ یعنی جملہ تحیات یعنی زبان کی حمد وثنا اور اوراد ووظائف لِلّٰہِ خاص خدا کے لئے ہیں وَالصَّلَوٰتُ اور سب بدنی عبادات بھی مثلاً نماز حج اور سفر زیارت وغیرہ۔ وَالطَّیِّبَاتُ اور سب مالی صدقات: خیرات نذر و نیاز۔ قربانی اور چڑھاوے بھی جو پاک مال سے دیئے جائیں (سب خاص اللہ ہی کے لئے ہیں)

وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ اور ہم تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ اس میں بھی اِیَّاکَ کو مقدم ذکر کیا۔ کہ عبادت کی طرح استعانت بھی ذاتِ باری سے مختص ثابت ہو۔ اور اِیَّاکَ کو مکرر بھی ذکر کیا۔ کہ عبادت واستعانت ہر دو مقصود بالذات ظاہر ہوں۔ نیز اسلئے کہ یہ وقت خدا کے سامنے حاضری اور مناجات وخطاب کا ہے جیسا کہ سابقاً ذکرِ التفات میں گذر چکا اور مقامِ حضور ومناجات میں صیغۂ خطاب کو مکرر لانے میں متکلم کو لذت حاصل ہوتی ہے اور اس کا شوق وذوق بڑھتا ہے۔ حاصل یہ کہ نہ خدا کے سوا کسی کی عبادت جائز اور نہ اُن امور میں جو اُس سے مخصوص ہیں کسی اَور سے استعانت واستمداد روا۔ جیسا کہ انشاء اللہ مفصل مذکور ہوگا۔

عبادت کے بعد استعانت کے ذکر کی دو وجہیں ہیں۔

اوّل یہ کہ مقامِ عبادت وعبودیت میں قائم ہونا اور اُسے کما حقہٗ انجام دینا۔ خدا تعالےٰ کی مدد وتوفیق کے سوا نہیں ہو سکتا۔ اسلئے نعبد کے بعد خدا تعالےٰ سے مدد طلب کرنے کے لئے نستعین کہا۔

دوم یہ کہ طلب مدد اور دعا بھی عبادت کی ایک قسم ہے۔ اور امرِ عبادت میں نہایت مہتم بالشان ہے اسلئے

اِسے خصوصیت سے ذکر کیا۔ چنانچہ حدیث میں وارد ہے۔ اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ (ترمذی) یعنی دعا عبادت کا گودہ ہے۔ نیز فرمایا:۔ اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ (حصن) یعنی دعا ہی عبادت ہے۔ پھر آپ (صلعم) نے یہ آیت پڑھی۔

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ہ (مومن پ۲۴)	تمہارے رب نے فرمایا ہے۔ کہ مجھ سے دُعا کرو۔ میں قبول کروں گا۔ بیشک جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب نہایت خواری کی حالت میں

جہنم میں پڑینگے"۔

اِس آیت میں دُعا کو عبادت کہا ہے۔

دُعا کے عبادت ہونے کی وجہ یہ ہے۔ کہ بندے کا تعلقِ قلبی خدا کے ساتھ اُسی وقت درست و مضبوط ہوتا ہے جب وہ اپنی حاجات و مشکلات میں صرف اُسی کی طرف رجوع کرے، اور ہر نبی کی دعوت تھی یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللهَ مَا لَكُمْ مِّنْ إِلٰهٍ غَيْرُهُ (ہود پ۱۲) یعنی میرے بھائیو! تم خدا کی عبادت کرو۔ اس کے سوائے تمہارا کوئی بھی (سچا) معبود نہیں ہے"

نیز تصریحاً فرمایا:۔ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ (پ۱۷ انبیا) یعنے اے پیغمبر! تجھسے پیشتر ہمنے جو بھی پیغمبر بھیجا۔ ہم اُسکی طرف یہی وحی کرتے رہے ہیں کہ میرے سوا کوئی بھی معبود برحق نہیں ہے پس تم میری ہی عبادت کرو"

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا (مزمل پ۲۹) کا حکم اسی رابطہ کو قائم کرنے کے لئے ہے۔ یعنی اپنے پروردگار کے اسم کا ذکر کر۔ اور سب سے توڑ کر اُسی سے جوڑ لے اور۔ فَادْعُوا اللهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ (مومن پ۲۴) کی حقیقت یہی ہے۔ یعنی اللہ تعالےٰ سے دعا کرو۔ خالص کرتے ہوئے واسطے اُسی کے دین (طاعت بندگی) کو۔

اِسی اختصاص و حصر کے لئے کلمۂ توحید میں تمام غیر اللہ کی نفی کرکے الوہیت کو صرف خدا کے لئے ثابت رکھا ہے چنانچہ فرمایا۔ فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ (محمد پ۲۶) یعنی اے پیغمبر! تو یقین کر کہ خدا کے سوا کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں ہے"

پس جب تک انسان تمام غیر اللہ سے توڑ کر مقام الوہیت کو ذاتِ حق سے مخصوص نہ کرے اور تمام اُن امور میں جو مختص بذاتِ باری ہیں استمداد و استعانت، اور استغاثہ و فریاد، خاص خدا تعالےٰ سے نہ کرے، وہ خدا کی منشا کے مطابق خاص اُسکا پرستار نہیں کہلا سکتا۔ اور آیت إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ کے دعوے میں سچا نہیں اُتر سکتا"۔

رسومِ شرکیہ اور مذہب حنفی

چونکہ عوام میں یہ غلطی عام طور پر پھیلی ہوئی ہے۔ کہ حضرات انبیاءؑ اور اولیائے کرام اور اُنکی قبور بالخصوص تعزیۂ حضرت امام حسین رضؓ اور اُن کی نذر و نیاز کے متعلق جو جو امور (شرکیہ) اور رسوم (و بدعیہ) مروج ہیں، وہ سب حنفی مذہب میں درست ہیں۔ اسلئے ہم اس غلطی کو رفع کرنے کے لئے حنفی مذہب کے بعض حوالے ذکر کرتے ہیں، جسمیں ایسے امور کو بالکل باطل و حرام قرار دیا گیا ہے۔

(۱) **حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رح** مالابدمنہ میں فرماتے ہیں:۔

"بندگانِ خاصِ الٰہی را در صفاتِ واجبی شریک داشتن یا آنہارا در عبادت شریک ساختن کفر است چنانچہ دیگر کفار بانکار"

"انبیاء کافر شدند، ہمچناں نصاریٰ حضرت عیسیٰؑ را پسرِ خدا و مشرکانِ عرب ملائکہ را دختران خدا گفتند و علمِ غیب بآنہا مسلم داشتند"

"کافر شدند۔ انبیاء و ملائکہ را در صفاتِ الٰہی شریک نباید کرد، و غیر انبیاء را در صفاتِ انبیاء شریک نباید کرد" (کتاب الایمان ص۱۲)

(۲) واعلم ان النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام وما یؤخذ من الدراھم والشمع والزیت ونحوھا الی ضرائح الاولیاء الکرام تقربًا الیھم فھو بالاجماع باطل وحرام (در مختار ص۹۴)

اور جان تو کہ نذر جو اکثر عوام کیطرف سے مُردوں کیلئے واقع ہوتی ہے۔ اور جو کچھ اولیائے کرام کی قبروں پر پیسے اور موم بتی اور تیل وغیرہ کی جنس سے لیجائے جاتے ہیں۔ تاکہ (ان اولیاء) کا قرب حاصل ہو، سو یہ سب بالاتفاق باطل اور حرام ہے۔

ازالۂ شبہات

بعض لوگ جو جہالت کے باعث یا مشرک قوموں میں بود و باش رکھنے کی وجہ سے شرکی توہمات میں مبتلا ہیں اور توحید کے متعلق اسلام کی امتیازی تعلیم سے نا آشنا ہیں۔ وہ کہا کرتے ہیں۔ کہ ہم بزرگوں کو صرف خدا کی درگاہ میں وسیلہ گردانکر اُن سے دُعائیں کرتے ہیں۔ وہ ہماری سفارش کرتے ہیں تو اُنکے ذریعے سے دُعا جلد قبول ہو جاتی ہے۔ نیز ان کے نام کے چڑھاوے اور نذریں نیازیں سب کچھ خدا ہی کا قرب حاصل کرنے کے لئے دیتے ہیں۔ ورنہ یہ تو ہم بھی جانتے اور مانتے ہیں۔ کہ سوائے خدا کے کوئی کچھ بھی نہیں کرسکتا اور اُس کا کوئی بھی شریک نہیں ہے۔

یہ ایک شبہ ہے۔ جو اِن بیچاروں کو جہالت کی وجہ سے عارض ہوگیا ہے۔ اور اس کا ازالہ یوں ہے۔ کہ انہوں نے دیگر مشرک قوموں کے حالات و توہمات پر تنقیدی نظر نہیں کی، اور اس بات کو کبھی نہیں سوچا کہ اگر یہ صورت پسندیدۂ خدا تھی تو آنحضرت صلعم کے مبعوث ہونے کی کیا حاجت تھی۔ اور قرآن کریم کے نازل ہونیکی کیا ضرورت تھی اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کے متعلق دنیا میں کیا اصلاح کی؟ کیونکہ یہ سب توہمات اور رسومِ شرکیہ اسلام سے پیشتر عرب و ایران۔ مصر و یونان۔ چین و ہندوستان وغیرہ وغیرہ تمام ممالک میں موجود تھے۔ اور سب مشرک

قومیں اپنے مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ معبودوں کی نسبت بھی اعتقاد وخیال رکھتی ہیں۔ اور اسی خیال سے اُن کی پرستش کرتی ہیں کہ یہ خدا کے اور ہمارے درمیان واسطہ ہیں اور اُس کے ہاں ہماری سفارش کرتے ہیں۔ اُن کی رضا جوئی خدا کی رضا جوئی ہے، اور انکی معرفت دُعائیں جلد قبول ہوتی ہیں، اور حاجات فوراً پوری ہوتی ہیں چنانچہ مشرکین مکّہ کی بابت فرمایا:۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ

(یونس پ ۱۱)

اور پوجتے ہیں اللہ کے سوا اُن چیزوں کو جو نہیں ضرر دیں انکو اور نہ نفع دیتیں اور کہتے ہیں کہ یہ ہمارے سفارشی ہیں خدا کے پاس (اے پیغمبر اِن سے) کہو کیا تم بتاتے ہو خدا کو وہ شے جسے وہ آسمانوں میں اور زمین میں نہیں جانتا۔ وہ پاک ہے اور بہت بلند ہے۔ اُس سے جو تم شریک ٹھیراتے ہو۔"

(۲) اسی طرح سورۂ زمر میں فرمایا:۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ؕ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ؕ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (زمر پ ۲۳)

(اے پیغمبر!) ہمنے یہ کتاب تیری طرف تحقیق اُتاری ہے پس تو عبادت کر خدا کی، خالص کرتے ہوئے واسطے اُسی کے بندگی کو۔ یاد رکھو! واسطے اللہ ہی کے ہے خالص بندگی۔ اور جن لوگوں نے اُس کے سوا حامی گردان لئے ہیں۔ (وہ کہتے ہیں، کہ ہم تو اُن کی عبادت صرف اسلئے کرتے ہیں کہ وہ ہمکو قرب میں خدا کے نزدیک کر دیں،"

اِن آیتوں سے صاف ظاہر ہے۔ کہ مکّہ کے مشرک اپنے غیر اللہ معبودوں کی عبادت اُنکو خدا سمجھ کر نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اُن کو خدا کے اور اپنے درمیان واسطہ اور سفارشی جانتے تھے۔ لیکن خدا تعالٰے نے اِسے شرک اور توحید خالص کے خلاف قرار دیا؛

اِسی خیال سے غیر اللہ کی پرستش ہوتی ہے اور اسی سے بُت پرستی تک نوبت جا پہنچتی ہے۔ خدا تعالٰے کو ایسی عبادت ہرگز منظور نہیں، وہ بلا شرک کے خالص عبادت چاہتا ہے۔ اِسی کے لئے آنحضرت صلعم مبعوث ہوئے، اور اِسی کے لئے آپ پر چشمۂ ہدایت کتاب قرآن مجید اُترا۔ جیسا کہ سُورۂ زمر کی آیت میں خود خدا تعالٰے نے فرما دیا۔

نکتہ غریبہ واسطہ اور ذریعہ ہدایت میں ہوتا ہے۔ نہ کہ عبادت میں مشرک قوموں کو غلطی جو لگی تو اسی سے لگی کہ انہوں نے عبادت اور ہدایت میں فرق نہ کیا۔

انبیاء علیہم السلام خدا کی شریعت اور اُسکی عبادت کا طریق حاصل ہونے میں واسطہ ہوتے ہیں۔ وہ خدا کی وحی سے علم پاکر خلقت کو بتاتے ہیں۔ وہ اسلئے نہیں آتے کہ اُنکی تصویر یا بُت یا قبر کو سامنے رکھ کر عبادت کی جائے یا اُن کی ارواحِ طیبہ کو حاضر ناظر جانکر اُنکی درگاہ میں استغاثہ و فریاد کرکے دعا و التجا کیجائے۔ اور اُن کو خدا اور بندے کے درمیان دربارۂ عبادت واسطہ قرار دیکر نفس عبادت میں انکو ساجھی و حصہ دار ٹھیرایا جائے۔ چنانچہ نہایت تفصیل سے فرمایا ہے

مَاكَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبَّانِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۙ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (آل عمران پ ۳)	کسی بشر کا کام نہیں کہ دیوے خدا اُسکو کتاب اور دانائی اور نبوت، پھر وہ لوگوں سے کہے کہ تم خدا سے اِدھر میرے بندے بنجاؤ۔ لیکن (کہیگا) ہوجاؤ تم ربانی موافق اُس کے جو تم تعلیم کرتے ہے کتاب (خدا) کی اور مطابق اُس کے جو تم (کتاب اللہ میں) پڑھتے رہے۔ اور نہ یہ کہ سکتا ہے کہ گردانو تم فرشتوں کو اور انبیاء کو رب۔ کیا حکم کریگا انکو کفر کا بعد اِس کے کہ تم مسلمان ہوچکے ہو؟

یہی وہ شرک ہے، جسکے مٹانے کے لئے آنحضرت صلعم مبعوث ہوئے۔ اور اِسی سے بچانے کے لئے آپ نے اپنی ذاتِ گرامی کی بابت بھی عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ کا اقرار سکھایا۔ اور اُسے کلمہ شہادت کی جزو لازم قرار دیا کہ بغیر اس کے قعدۂ نماز تمام نہیں ہوتا۔ اور قعدہ نماز کا ایک عظیم رکن ہے۔ اور یہی وہ شرک ہے۔ جس سے آنحضرت صلعم نے اگلی گمراہ اُمتوں کے حالات سے متنبہ کرکے ڈرا دیا۔

عن عائشۃ رض قالت قال رسول اللّٰہ صلعم فی مرضہ الذی لم یقم منہ لعن اللّٰہ الیھود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیائھم مساجد الحدیث (بخاری ص ۱۵۹)	حضرت عائشہ رضی روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے اپنی اُس بیماری میں جسمیں آپکی وفات ہوئی فرمایا کہ یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو کہ انہوں نے اپنے انبیا کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا۔
(۲) عن عائشۃ رض قالت لما اشتکی النبی صلعم ذکرت بعض نسائہ کنیسۃ رأینھا بارض الحبشۃ یقال لھا ماریۃ وکانت ام سلمۃ وام حبیبۃ رض اتتا ارض الحبشۃ	(۲) نیز اُنہی سے روایت ہے۔ کہ جب آنحضرت صلعم بیمار ہوئے تو آپکی ازواج میں سے بعض نے ارض حبشہ کا گرجا ماریہ نام جو دیکھا تھا اُسکا ذکر کیا کیونکہ حضرت ام سلمہ رض اور ام حبیبہ رض ہجرتِ حبشہ میں وہاں گئی تھیں۔

فذکرتا من حسنها و تصاویر فیها فرفع راسه فقال اولئک اذا مات منهم الرجل الصالح بنوا علیٰ قبرہ مسجداً ثم صوروا فیہ تلک الصورۃ اولئک شرار الخلق عند اللّٰہ (بخاری ص۱۵۲)

اور انہوں نے اُسکی خوبصورتی اور تصویروں کا ذکر کیا تھا۔ تو آپ نے (اسی بیماری کی حالت میں) اپنا سر مبارک اٹھا کر فرمایا کہ ان لوگوں کا دستور تھا کہ جب انہیں کوئی صالح شخص فوت ہو جاتا تو اسکی قبر پہ مسجد بنا لیتے، پھر اسمیں تصویریں کھینچتے۔ وہ لوگ خدا کے نزدیک بدترین مخلوق ہیں۔

(۳) عن ابن عباس رضہ قال قال رسول اللّٰہ صلعم لعن اللّٰہ زائرات القبور والمتخذین علیھا المساجد والسرج ذکرہ السیوطی فی الجامع الصغیر وصححہ)

(۳) نیز حضرت ابن عباس رضہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو عورتیں قبروں میں جاتی ہیں۔ اُن پر اور جو اُن پر مسجدیں بناتے ہیں اور چراغ جلاتے ہیں ان سب پر خدا کی لعنت ہے۔

غرض اسی غلط فہمی سے کسی نے تو اپنے انبیا کو خُدا کے فرزند قرار دیا۔ اور کسی نے سمجھا کہ خود ذات برحق نے جسم اختیار کیا۔ اور اُن کے رُوپ اور صورت میں ظاہر ہوا۔ اور اُنہیں خدا کے بُروز او ر اوتار۔ اور مظہر قرار دیا۔ اور کسی نے اُن کے بُت اور تصویریں بنا کر انکی عبادت شروع کر دی۔ اور اُن سے حاجات طلب کرنے اور مشکلات کے وقت پکارنے اور اُن کے اسمار کے وِرد و ظیفے پڑھنے اور اُن کے نام کی قربانیاں اور نذریں چڑھانے اور اپنی تکالیف اور مصائب میں اُنسے استغاثہ و فریاد کرنے لگے۔

پھر یہ وہم انبیاء سے نیچے اولیا و صلحا تک آپہنچا۔ کہ اُنکی بزرگی و تقدس کے خیال سے اُنکو بھی تدبیر عالم میں متصرف سمجھا گیا۔ بلکہ بڑھتے بڑھتے بد عمل بلکہ شریعت کے منکر پیروں فقیروں کی بھی پوجا ہونے لگی۔ بلکہ آگ پانی (گنگا جمنا) پہاڑوں (جوالا مکھی) حیوانوں (گائے) درختوں (پیپل) سورج، چاند، اور دیگر ستاروں، جن بھوت پریوں، وغیرہ مادی اشیاء کی بھی پرستش ہونے لگی، کسی نہ کسی وجہ سے اور کسی نہ کسی صورت میں اُنکو قابلِ تعظیم قرار دیکر اعتقاداً یا کم از کم عملاً الوہیت کا مرتبہ دیا گیا، گویا تمام عالم کو بلکہ ہر ذرۂ عالم کو خدا بنا دیا گیا۔ اور اللّٰہ رب العٰلمین کے ساتھ عبادت کا ساجھی اور حصے دار قرار دیا گیا۔ ایسے ہی وہم پرستوں کی بابت فرمایا کہ وہ قیامت کے دِن اپنے باطل معبودوں سے خطاب کرکے کہیں گے۔

تَاللّٰہِ اِنۡ کُنَّا لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ۙ اِذۡ نُسَوِّیۡکُمۡ بِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿شعراء پ۱۹﴾

خدا کی قسم ہم اُسوقت صریح گمراہی میں تھے۔ جب تمکو ربّ العلمین کے برابر گردانتے تھے۔

غرض ان وہم پرستوں کے دماغ یہانتک ماؤف ہوتے گئے کہ بعض مقامات کو جن بھوت اور چڑیلوں کا

مسکن قرار دیکر اور اُن کو اپنے امور میں متصرف سمجھکر اُن مقامات پر اُن کے نام کی قربانیاں بھینٹ اور نذریں چڑھانے لگے۔ اور یہ اعتقاد رکھنے لگے۔ کہ اگر ہم اِن کے نام کی قربانیاں نہ چڑھائیں اور اُنکی نیازیں نہ دیں۔ تو ہمپر اُن کا غضب ٹوٹ پڑتا ہے۔ اور ہمارے مال مویشی، آل اولاد، فصل و زراعت۔ آرام آسائش۔ کسب و روزگار۔ بلکہ صحتِ بدن اور جان پر طرح طرح کی آفتیں آجاتی ہیں؛

فائدہ۔ قوتِ واہمہ سلطان القویٰ ہے۔ دماغ کی دیگر سب قوتیں اس کے تابع ہیں۔ جس طرح دنیوی سلطان اگر امورِ مفوضہ اور فرائضِ متعلقہ کو اعتدال و قاعدے سے انجام دیوے تو اُسکی رعیت کا انتظام درست رہتا ہے۔ اور اگر وہ اعتدال کو چھوڑ دے اور قواعد کی پابندی سے باہر ہو جاوے۔ تو سارا انتظام بگڑکر سلطنت کی بربادی و تباہی ہو جاتی ہے۔ اِسی طرح یہ سُلطان القویٰ اگر اعتدال پر ہے۔ اور خدا کے مقرر کردہ آئین کی ہدایت کے مطابق چلے تو اس کے ماتحت قویٰ کا انتظام درست رہتا ہے۔ ورنہ سارا تانا بانا برباد ہو کر روح کی ہلاکت پر انجام ہوتا ہے۔ اعاذنا اللہ منھا۔

اِسلام نے نہایت صفائی اور سادگی سے سمجھایا کہ یہ چیزیں **معبودیت** کے مرتبہ اور خدائی کے مرتبہ میں خدا کے ساتھ نہیں ہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے۔ کہ جو جو امور تم اِن میں واقعی قابلِ عزت سمجھتے ہو۔ اور جن جن وجوہات سے تم اپنے منافع و مضار کو اُن سے وابستہ جانتے ہو اُنکا سارا سلسلہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اور **ربّ العٰلمین** ہونے کے یہی معنے ہیں۔ اُس نے کسی کو تو تمہاری ہدایت کے لئے مبعوث کیا جیسے انبیاء اور کسی کو تمہاری تعلیم و ارشاد کے لئے تمپر فوقیت دی، جیسے ائمہ و صُلحاء اور کسی کو تمہارے کسی فائدے کے لئے۔ اور کسی کو کسی نفع کے لئے بنایا۔ پس اِن کو عبادتِ خدا میں واسطہ بنا کر اُنکو استحقاقِ عبادت میں اُسکا ساجھی اور حصہ دار نہ بناؤ، بلکہ سب سے الگ ہو کر اُس ہدایت کے مطابق جو اُس نے اپنے پیغمبروں کی معرفت قائم کی، براہِ راست خالصًا خدا کی عبادت کرو، یہ ایسی بات ہے۔ جس میں کوئی اُلجھن نہیں کسی قسم کا اینچ پیچ نہیں۔ سمجھنے میں کوئی مُشکل نہیں پڑتی۔ دل میں بٹھانے کے لئے کوئی قلق و اضطراب پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ وہموں کے بادل پھٹکر مطلع بالکل صاف ہو جاتا ہے۔ دل کے غبار اور زنگ دور ہو کر وہ مثل آئینہ کے مجلّٰے ہو جاتا ہے۔ اور سینہ انوارِ الٰہیہ کا محل و خزینہ بنجاتا ہے۔ اِسی حالت کے سمجھانے کے لئے فرمایا:۔ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ فَھُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّہٖ (زمر پ۲۳) یعنی جس کا سینہ خداوند تعالیٰ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔ وہ اپنے پروردگار کی طرف سے نور پر ہو جاتا ہے؛

اور اسی حالت کے سمجھانے کے لئے مثال کے طور پر فرمایا:۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ۭ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ۭ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْۗءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ۭ نُوْرٌ عَلٰي نُوْرٍ ۭ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۔ (نور پ ۱۸)

اللہ نور ہے آسمانوں کا اور زمین کا۔ اُس کے نور کی مثال جیسے ایک طاق ہو، اُسمیں ایک چراغ ہو۔ وہ چراغ ایک شیشے (چمنی) میں دھرا ہو۔ وہ شیشہ ایسا ہو جیسے چمکتا ستارہ (وہ چراغ جلایا جائے) برکت والے درخت زیتون (کے تیل) سے جو نہ سورج نکلنے کی طرف کا ہو اور نہ ڈوبنے کی طرف کا۔ اُس کا تیل اِس قابل ہے کہ سُلگ اٹھے اگرچہ نہ لگے اسکو آگ (وہ) "نُورٌ علیٰ نور" ہے۔ راہ دیتا ہے اللہ اپنے نور کیطرف جسے چاہے۔ اور بتاتا ہے اللہ مثالیں لوگوں کے (سمجھنے کے) لئے اور اللہ ہر شے سے واقف ہے۔

اِس کے بعد کفار و مشرکین کے اعمال کا حال بتایا۔ جو اُنہوں نے ہدایتِ ربّانی کی روشنی کے سوا کئے کہ اُن کی حقیقت کچھ بھی نہیں۔ وہ سراسر وہمی اور خیالی ہونے کی وجہ سے بالکل بے سود و بے ثمر ہیں۔ اور اُنہیں مخلص موحدین کے نُورٌ عَلٰی نُوْرٍ کے مقابلے میں ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ قرار دیا۔ اور جن

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَاۗءً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـــــًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۔ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰـىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۭ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۭ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۔ (نور پ ۱۸)

لوگوں نے کفر کیا، اُن کے اعمال میدان کی ریت کی طرح ہیں۔ جسے کوئی پیاسا پانی خیال کرے۔ یہاں تک کہ جب پہنچا اُسپر کچھ نہ پایا اُسکو، اور پایا خدا کو اپنے پاس۔ پس اُسنے پورا دیا اُسکو حساب اُسکا اور اللہ جلد لینے والا ہے حساب، یا جیسے اندھیرے گہرے دریا میں، چڑھی آتی ہے اُسپر لہر اُسپر ایک اور لہر پھر اُس کے اوپر بادل (بھی) ہے۔ (گویا) کئی اندھیرے ہیں۔ ایک پر ایک (چڑھا ہُوا) جب نکالے اپنا ہاتھ، نہیں قریب کہ دیکھ پائے اُسکو اور جسے اللہ (نور) نہ دے۔ تو اُس کے لئے کوئی نور نہیں۔

غرض جس عمل میں شرک کی آمیزش ہو۔ خدائے تعالےٰ اُسکو ہرگز قبول نہیں کرتا۔ اسی معنے میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حدیث قدسی میں فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

انا اغنى الشركاء عن الشرك من عمل عملا اشرك فيه معي غيري تركته وشركه وفي رواية فانا منه بريء هو للذي عمله رواه مسلم (مشكوٰة ص ۴۵۶)

میں تمام شرکاء کی نسبت شرک سے بہت بے نیاز ہوں کوئی شخص ایسا عمل کرے جسمیں وہ میرے ساتھ کسی اور کو شریک کرے تو میں اسکو اور اسکے عمل کو ترک دیتا ہوں اور ایک روایت میں ہے کہ میں اس سے بری ہوں اور وہ عمل اسی کیلئے ہے جسکو اس نے کیا

اسی طرح قرآن شریف میں بھی فرمایا ہے۔ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا (کہف پ ۱۶) یعنی جس کسی کو اپنے رب سے ملنے کی امید ہو تو اُسے چاہیئے کہ وہ عمل صالح کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی اَور کا ساجھا نہ رکھے:۔

اسلام میں سب سے بڑی اور جامع اور اہم عبادت **نماز** ہے۔ امیر ہو غریب ہو، بادشاہ ہو، رعیت ہو، صحیح ہو مریض ہو۔ مسافر ہو حاضر ہو۔ عورت ہو مرد ہو، دیہاتی ہو شہری ہو۔ زمین پر ہو۔ سمندر میں ہو۔ کوئی بھی ہو۔ اور کسی حال میں بھی ہو۔ ہر باہوش بالغ مرد و عورت پر فرض ہے۔ اِس میں نہ تو خدا کے سوا کسی کی صفت وثنا کا کوئی کلمہ ہے۔ اور نہ کسی کے نام کا ورد و وظیفہ ہے۔ اور نہ کسی سے دُعا اور التجا ہے اور نہ اُس کے انتقالات میں خُدا کے سوا کسی اَور کی تعظیم کا کوئی فعل و حرکت ہے۔ شروع سے اخیر تک صرف اللہ ربّ العٰلمین کی کبریائی اور بڑائی محض اُسی کی حمد وثنا، نِری اُسی کی ذات پاک کی تسبیح وتقدیس۔ اور اُسی سے دعا والتجا ہے۔ اِس کے جملہ انتقالات اور تمام افعال وحرکات سے خدائے قدوس کے سامنے اظہار عجز و نیاز اور تواضع وانکساری مقصود ہے۔ غرض ساری کی ساری نماز دل کے رجوع اور زبان کے کلمات اور اعضائے بدن کے افعال سے شہادت دے رہی ہے۔ کہ وہ صرف خدائے قدوس کی تعظیم کے لئے ہے۔ اور اُس میں کسی اَور کا کوئی حصہ بخرہ نہیں ہے۔ وہ اللہ کے نام سے شروع ہوتی ہے۔ اور اللہ ہی کے نام پاک پر جا ختم ہوتی ہے یعنے اللہ اکبر سے شروع اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ پر ختم۔

فائدہ۔ نماز کے خاتمے کے قریب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف سکھایا ہے۔ سو وہ بطور شکریہ کے آپ کے حق میں خدائے تعالےٰ سے دُعا ہے۔ کہ خُداوندا! جس ذات بابرکات کے ذریعے ہمکو ایسی ہدایت نصیب ہوئی۔ کہ ہم ہر طرح کے شرک اور توہمات سے بچکر تیری خالص عبادت کرسکے۔ تو اُس ذات گرامی پر کروڑہا رحمتیں بھیج"

اور ظاہر ہے کہ اس میں بھی صرف خدا تعالےٰ سے دعا ہے۔ یعنے اَللّٰھُمَّ کہکر خدائے تعالےٰ سے سوال کیا گیا ہے۔ کہ خداوندا! تو ایسا کر۔

بلکہ عین حالتِ نماز میں درود شریف تعلیم کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمتِ مرحومہ کو اُس گمراہی سے بچا لیا۔ جس میں اگلی اُمتیں پڑکر راہِ حق سے بھٹک گئیں۔ اِس سِر کا کشف یوں ہے کہ اگلی اُمتوں نے اپنے ہادیوں اور پیغمبروں کو خدا کے فرزند اور اوتار قرار دیکر اُن کو عبادت میں ساجھی اور حقدار بنا دیا۔ لیکن آنحضرت صلعم نے درود شریف تعلیم کر کے بتا دیا کہ مَیں عبادت کا حقدار نہیں ہوں۔ بلکہ خدا کی درگاہِ بے نیاز کا نیازمند ہوں سو تم عام طور پر بھی اور خاص اُس حالت میں بھی کہ جب تمکو نماز میں قربِ حضوری کی مجلس نصیب ہو۔ میرے لئے اُسکا فضل و کرم اور رحمت و برکت طلب کیا کرو۔ اور اسی حقیقت کے ظاہر کرنے کے لئے آپ نے فرمایا تھا۔ اِلَّا اَنْ یَّتَغَمَّدَنِیَ اللّٰہُ بِرَحْمَتِہٖ) یعنے میرے اعمال بھی مجھے نجات نہیں دلا سکتے۔ اِلّا اِس صورت میں کہ خدا تعالےٰ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لیوے۔ اور اِس قول کو سامعین کے فہم کے زیادہ قریب کرنے کے لئے آپؐ نے اپنا دستِ مبارک پھیلا کر اور اپنے سرِ مبارک پر رکھ کر اِس معنے کو محسوس طور پر بھی سمجھا دیا تھا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدِ ۣ الَّذِیْ ھَدَیْتَنَا بِہٖ مِنَ الضَّلَالَۃِ۔

درود شریف کے اِس لطیف نکتے کے علاوہ آپؐ نے نہایت مصرح طور پر بھی اپنی عبودیت کا اقرار جزوِ ایمان قرار دیا۔ کہ کسی امتی کو اُس میں کلام و تردّد کی گنجائش نہ رہے۔ چنانچہ کلماتِ تشہد میں کلمۂ شہادت کو بھی داخل کیا۔ جو یہ ہے۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ (صحیح بخاری) یعنی مَیں صدق دل سے) گواہی دیتا ہوں۔ کہ اللہ کے سوائے کوئی بھی لائق عبادت نہیں ہے۔ اور مَیں (ایسے ہی اِس امر کی بھی) گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ خدا کا بندہ اور رسول ہے۔ اِس میں بھی یہی حکمت ہے۔ کہ جن شبہات کی وجہ سے گذشتہ اُمتیں گمراہ ہوئیں۔ یہ اُمتِ مرحومہ اُن سے بچی رہکر ضلالت سے محفوظ رہے۔ اور رسالت کا اقرار اسلئے کرایا۔ کہ یہ آپؐ کا حقیقی رُتبہ ہے۔ اِسکا اقرار واجبات سے ہے۔ اور اِس کا انکار کفر و ضلالت ہے۔ مثلاً حضرت عیسیٰؑ کی نسبت نصارےٰ اِس افراط میں پڑ گئے کہ وہ ابن اللہ اور اللہ ہیں۔ اور یہود نے سرے سے آپکی نبوت کا انکار کر دیا اور تفریط میں پڑ گئے۔ پس اُمتِ محمدیہ اپنے پیغمبرؐ کی بابت مغضوب علیہم یہود کی تفریط اور ضالین

نصاریٰ کی افراط سے سلامت رہکر صراطِ مستقیم پر قائم رہی کہ آپ کو خدا کا بندہ جانا اور اُس کا رسول اعتقاد کیا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ ؛ ثُمَّ الْحَمْدُ لِلّٰہِ !!

نکتہ کلمۂ شہادت میں عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ کے جمع کرنے میں یہ بھی نکتہ ہے کہ رسالت کیساتھ عبودیت کا اجتماع ہوتا ہے۔ نہ کہ اُلوہیت کا کیونکہ رسول عبد ہوتا ہے۔ نہ کہ معبود۔ اِسی نکتہ کے لحاظ سے خاص حضرتِ مسیح علیہ السلام کی بابت فرمایا۔ لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ (پ نسا) یعنی حضرت مسیح ؑ اور ملائکہ مقربین کو خدا کا بندہ بننے سے ہرگز عار نہیں ؟

تنبیہ بعض جاہل لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ اگر آنحضرت صلعم کو بندہ کہیں تو اسمیں آپکی کسرِ شان ہے، وہ اِس آیت پر غور کریں ۔ ۱۲ منہ

اِسی طرح سورۂ مریم کے آخری رکوع میں اپنے لئے نسبتِ فرزندی کی تردید میں فرمایا:- اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا (پ مریم) یعنی ہر کوئی جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے خدائے رحمٰن کے سامنے بندہ بنکر آنے والا ہے۔

اِن آیات سے صاف ثابت ہے۔ کہ عبودیت واُلوہیت جمع نہیں ہوسکتیں۔

فائدہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نسبتِ عبدیت وعبودیت کو خاص خدا تعالےٰ سے مخصوص کرنے میں یہاں تک اہتمام کیا کہ لفظ عَبْد جو زبانِ عرب میں ہرچند کہ وسیع معنے رکھتا ہے۔ اور زرخرید غلام پر عام طور پر بلا روک بولا جاتا تھا۔ اِسکی بابت منع فرمادیا۔ کہ کوئی شخص اپنے زرخرید غلام اور لونڈی کو عَبْد اور اَمَہ کے الفاظ سے اپنی طرف نسبت نہ کرے ؛

لَا يَقُولَنَّ احدکم عبدی واَمَتی کلکم عبید اللہ وکل نسائکم اِماءُ اللہ ولکن لیقل غلامی وجاریتی وفتای وفتاتی ولایقل العبد ربّی ولکن لیقل سیدی رواہ مسلم (مشکوٰۃ)

تم میں سے کوئی بھی (اپنے زرخرید غلام کو) عبدی اور امتی کے لفظ سے نہ پکارا کرے، کیونکہ تم سب مرد خدا کے عبد ہو، اور تمہاری سب عورتیں خدا کی بندیاں ہیں لیکن میرا لڑکا اور میری لڑکی کہا کرو۔ اور کوئی زرخرید غلام اپنے خریدنے والے کو ربّی (میرا مالک) کے لفظ سے نہ پکارا کرے بلکہ

نکتہ دماغ کو روشن کرنے والا اس حدیث میں علاوہ شریعت وطریقت کے نقطۂ نگاہ کے کہ عبودیت کی نسبت سوائے ذاتِ حق کے کسی اور کی طرف کسی صورت میں بھی پسند نہیں کی اور اپنا ربّ سوائے ربّ العلمین کے کسی اور کو کہنا گو مجازی طور پر ہی ہو۔ مناسب نہیں سمجھا۔ سیاسی نقطۂ نگاہ سے بھی اور علم سائیکالوجی (فلسفہ ذہنیات)

کے رو سے بھی نہایت لطیف نکتہ ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر طرح سے مشرکانہ توہمات کا سدِ باب کر کے، اور انسانی دماغ کو غیر کی غلامی کے تصور سے بھی پاک صاف کر کے اُسکی ذہنیت اور ہمت کو بلند کرنا چاہتے ہیں۔ اور مقامِ حریت و خودداری پر کھڑا کر کے صرف ایک اللہ کا غلام بنانا چاہتے ہیں۔ اور انسان کی شرافت و نجابت کو غیر اللہ کے سامنے گرنے کی ذلت سے بچانا چاہتے ہیں۔
انسانی دماغ پر یہ آپ کا بڑا بھاری احسان ہے۔ جسکی نظیر دنیا میں مل نہیں سکتی۔

اسیطرح آپ اُن نومسلموں کے نام بدلا کرتے تھے۔ جن میں عبودیت و عبدیت کی نسبت غیر اللہ کی طرف ہوتی تھی۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰے عنہ کا پہلا نام عبد شمس (سورج کا بندہ یا پرستار یا پروردہ) تھا۔ جب وہ اسلام لائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کا نام عبد الرحمن رکھا۔ (تقریب التہذیب)

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی وامی) نے عبدیت و عبودیت کی کوئی بھی نسبت غیر اللہ کی طرف ہو سکنے کی گنجائش نہیں چھوڑی۔ تاکہ ایسا نہ ہو۔ کہ بقولے "نکمّے کو ٹہلنے کا بہانہ" وہم پرست طبیعتیں اسے ایک بہانہ بنا لیں۔ چنانچہ آپ نے مشرکانہ توہمات کی بابت فرمایا۔ کہ وہ چیونٹی کی چال چلکر انسان (کے دل و دماغ) میں اثر کر جاتے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی نَبِیِّكَ وَصَفِیِّكَ مُحَمَّدِنِ الَّذِیْ
هَدَیْتَنَا بِهٖ مِنَ الضَّلَالَةِ وَاَبْصَرْتَنَا بِهٖ مِنَ الْعَمٰی

الغرض شانِ الوہیت اور مقامِ عبودیت کے سب مراتب سورۃ فاتحہ کی اس آیت اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ میں آجاتے ہیں۔ اور اِن سب کا مرکز و محور اِیَّاكَ کی تقدیم میں ہے۔ سبحان اللہ!
یہ آیت اس سورت کا **قلب** ہے اور اِیَّاكَ کی تقدیم اُس قلب کی روشنی یا نور وضیا ہے۔ اسی لئے **حدیث قدسی** میں اس آیت کی بابت وارد ہے۔ کہ جب بندہ (نماز میں) کہتا ہے۔ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ تو خداوند تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے۔ هٰذَا بَیْنِیْ وَبَیْنَ عَبْدِیْ (مسلم) یعنی یہ آیت میرے اور میرے بندے کے درمیان نصفا نصفی ہے۔ کہ وہ میرا عابد و عبد ہے۔ اور میں اسکا معبود ہوں۔ وہ مجھ سے طالب امداد ہے۔ تو میں اسکا مددگار رہوں۔ عبادت کرنا اُس کا فرض ہے۔ تو اعانت کرنا میری شان۔ سبحان اللہ کیا راز و نیاز کی باتیں ہیں

اوسکیا ثمرو حظ کی مناجاتیں ہیں یہ سب کچھ نسبتِ عبدیت وعبودیت کو خاص خدا تعالٰے سے مخصوص کرنے اور اپنی حاجات ومشکلات میں صرف اسی کی طرف رجوع کرنے اور اُسی سے امداد طلب کرنے کی برکت سے ہے۔

علامہ ابو السعود حنفی رح اس آیت کی تفسیر میں خطاب اِیَّاکَ کے لطائف سے مسرور و محظوظ ہو کر لکھتے ہیں۔

وَلَعَلَّ هٰذَا هُوَ السِّرُّ فِي اخْتِصَاصِ السُّوْرَةِ الْكَرِيْمَةِ بِوُجُوْبِ اُمِرَاءِ تِهَا فِي كُلِّ رَكْعَةٍ مِنَ الصَّلٰوةِ الَّتِي هِيَ مُنَاجَاةُ الْعَبْدِ بِمَوْلَاهُ وَمَظِنَّةٌ لِلتَّبَتُّلِ اِلَيْهِ بِالْكُلِّيَّةِ (ص۱۵۲ بہامش الکبیر) یعنی نماز جو بندے کی اپنے مالک کے سامنے مناجات ہے اور سب سے ہٹکر کلیۃً اسی کی طرف ہو جانے کی علامت ہے اسکی ہر رکعت میں خاص اسی بزرگ سورت کی قرارت کے واجب ہونے میں غالباً یہی سِرّ ہے۔

الحاصل آیت اِیَّاکَ نَعْبُدُ الخ کے مشرح معنے اس کے ماقبل کو ملحوظ رکھکر یہ ہیں۔ کہ صرف ایک خدا کا پرستار بندہ رتبہ برہان سے طبقہ عیان پر ترقی کر کے اور عالم غیبت سے شہود میں انتقال کر کے اور اپنے آپ کو خدا کے دربارِ عالی میں حاضر سمجھکر اور صورتِ سوال اور تصویرِ عجز و مسکنت بنکر اپنے مولا کے سامنے دست بستہ یوں عرض معروض کرتا ہے۔ کہ اے وہ ذاتِ پاک جو رب العالمین ہے۔ اور رحمٰن و رحیم ہے اور روزِ جزا کا اکیلا مالک ہے۔ ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں کسی اور کی نہیں۔

(۱) نہ کسی فرشتے کی، نہ پیغمبر کی، نہ پیر کی نہ فقیر کی۔ نہ حضرت مسیح کی، نہ رامچندر جی کی اور نہ کرشن جی کی۔

(۲) نہ کسی اوتار و بروز کی، نہ جن کی، نہ بھوت کی۔ نہ پری کی۔

(۳) نہ کسی دیوتا کی نہ دیوی کی۔ نہ کسی ٹھاکر کی، نہ بت کی۔ (نہ قبر کی نہ تعزیہ کی)

(۴) نہ کسی جانور کی، نہ کسی درخت کی۔

(۵) نہ کسی پہاڑ کی۔ نہ کسی دریا کی۔

(۶) نہ سورج کی نہ چاند کی، نہ کسی اور ستارے کی،

غرض ہم جملہ غیر اللہ سے الگ ہو کر صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں، اور اپنی حاجات و مشکلات میں صرف تیری ہی طرف رجوع کر کے محض تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں؛

یہی معنے کلمۂ توحید لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ میں رکھے گئے ہیں کہ غیر اللہ کی نفی کے بعد اُلوہیت کو یعنے معبودیت کو خاص خدا کے لئے ثابت کیا گیا ہے۔

فائدہ اسلام کا مایۂ ناز و طرۂ امتیاز یہی خالص توحید ہے۔ جو ہر قسم کے شرک کی ملاوٹ سے

پاک ہے۔ ورنہ شرک کی ملاوٹ والی توحید تو اسلام سے پیشتر بھی سب قوموں میں تھی۔ اور اب بھی ہے چنانچہ فرمایا:۔ وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ (یوسف پ۱۳) یعنی اور نہیں ایمان لاتے اکثر لوگ مگر بدرآں حال کہ وہ شریک گرداتنے ہیں:

اور اسی خالص توحید سے کفار مکہ چڑتے تھے۔ اور اسی کی وجہ سے آنحضرت صلعم سے عداوت کرتے تھے اور کہتے تھے کہ آپ نے نیا دین نکالا ہے۔ ہمارے باپ دادے اس طریق پر نہ تھے۔ چنانچہ فرمایا کہ کفار مکہ نے آنحضرت صلعم کی تبلیغ پر کہا:۔

أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلٰهًا وَاحِدًا ۚ إِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ۝ (ص پ۲۳)	کیا کر ڈالی اسنے ایک کی بندگی، بہتوں کی بندگی کے بدلے، بیشک یہ تعجب کی بات ہے:

پھر اس کے ایک آیت بعد فرمایا کہ کفار نے یہ بھی کہا:۔

مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْآخِرَةِ ۚ إِنْ هٰذَا إِلَّا اخْتِلَاقٌ (ص پ۲۳)	نہیں سُنی ہمنے یہ بات پچھلی ملت میں نہیں یہ بات مگر بنائی ہوئی،

(۲) آنحضرت صلعم کی تبلیغ توحید کے وقت مشرکین کے دل پر جو کیفیت طاری ہوتی تھی۔ اسکی بابت فرمایا:۔ وَإِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ ۖ وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ (پ۲۴ زمر) یعنی جب خدا کی توحید کا ذکر ہوتا ہے۔ تو اُن لوگوں کی دل جو عاقبت پر یقین نہیں رکھتے بھینچنے لگتے ہیں۔ اور جب اُن کا ذکر ہو جو اُس کے سوا ہیں تو وہ خوش ہوتے ہیں:

(۳) قیامت کے دن جب مشرک عذاب میں مبتلا ہونگے۔ تو اُن سے کہا جائیگا۔

ذٰلِكُمْ بِأَنَّهُ إِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهُ كَفَرْتُمْ ۖ وَإِنْ يُشْرَكْ بِهِ تُؤْمِنُوا ۚ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيرِ (مؤمن پ۲۴)	یہ عذاب تمکو اسلئے ہے۔ کہ جب کبھی نے پکارا اللہ کو اکیلا تو تم منکر ہوئے۔ اور اگر اُس کا شریک گردانا جاتا۔ تو تم یقین لاتے تھے سواب، عالی ذات

کبیر الشان خداوند تعالیٰ ہی، کا حکم ہے یعنے جن کو تم خیال کرتے تھے، اُن کا کچھ بھی اختیار نہیں۔ آج صرف خدا کا حکم چلتا ہے۔ پس اُسنے جہاں تمکو دھکیل دیا۔ وہیں رہنا ہوگا۔ وہاں سے نکالنے والا کوئی نہیں

الغرض آنحضرت صلعم کی بعثت سے خداوند تعالیٰ کا سب سے بڑا اور ضروری مقصد یہی خالص توحید تھی اور بس۔

قُلْ إِنَّنِي هَدَانِي رَبِّي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ

الجزء السادس

من تفسير الفاتحة

النهج القويم

في تفسير

اهدنا الصراط المستقيم

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ

چلائے رکھ ہمکو سیدھی (اور پختہ) راہ پر۔

ارتباط انابتِ قلبی وخلوص اور عبادت واستعانت میں دل کا رجوع جس کا ذکر اوپر ہوا، تب حاصل ہو سکتا ہے جب استقامت حاصل ہو، کیونکہ استقامت یہ ہے۔ کہ عمل کے شروع سے اُسکے اخیر تک عزم قوی باقی رہے (عزیزی ص۔) ورنہ انسان اِدھر اُدھر کی کشمکشوں سے پریشان ہوکر خدا کی راہ سے بہک جاتا ہے اور بسا اوقات مبتلائے توہمات ہوکر شرک میں جا گرتا ہے۔ اِسلئے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کے بعد حصولِ استقامت کی دُعا سکھائی، کہ یوں کہا کرو۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۔

نیز چونکہ علم عمل سے مکمل و پختہ ہوتا ہے۔ اور عملی قوت کا منتہائے ترقی استقامت ہے، اسلئے استعانت کے ذکر کے بعد تحصیل استقامت کے لئے دُعا تعلیم کی۔

حل لغات اِهْدِنَا۔ مصدر ہدایت یا ہدیٰ سے امر حاضر کا صیغہ ہے، مع ضمیر مفعول (نا) کے۔ لغت میں ہدایت مشترک المعنیٰ ہے ( ) اس کے معنے رستہ دکھانا بھی ہیں، جیسے آیت اَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى (فصلت پ۲۴) میں، یعنے ہمنے قوم ثمود کو (صالح پیغمبر کی تبلیغ سے) رستہ دکھادیا تھا لیکن انہوں نے اُس ہدایت پر اندھاپن کو پسند کیا۔ یہاں پر ہدایت سے مراد صرف رستہ دکھانا مراد ہے، کیونکہ اگر اس کے معنے منزل پر پہنچانا ہوں۔ تو اس کے بعد اندھاپنے کو پسند کرنا متصور نہیں ہوسکتا، اور اس کے معنے "راہ پر لے آنا، رستے پر چلادینا، اُسپر قائم رکھنا۔ اور منزل مقصود پر پہنچا دینا بھی ہیں، جیسے آیت اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ (عنکبوت پ۲۰) میں، یعنے (اے نبیؐ!) تم اُسے جسے تم پسند کرو راہ پر نہیں لاسکتے لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہے اُسے راہ پر لے آئے، "ہدایت" پہلے آنا، اور راہ پر چلادینا۔ اور منزل پر پہنچادینا۔ تمہارا کام نہیں ہمارا کام ہے۔ اسجگہ یعنے آیت اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ میں یہی دوسرے معنے یعنی راہ پہلے آنا مراد ہیں۔ ورنہ آیت وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (شوریٰ پ۲۵) یعنی (اے نبی!) تُو تو سیدھے رستے کی طرف "ہدایت کرتا" یعنے راہ دکھاتا ہے" سے اسکا تعارض ہوگا۔ اور قرآن شریف اختلافِ تعارض و تناقض سے پاک ہے۔ ایک جگہ ایک شے کا اثبات کیا ہو۔ تو اسی حیثیت وحالت میں دوسری جگہ اُسکی نفی قرآن میں نہیں ہے، قرآن مجید خود اپنی شان بتاتا اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ تو کیا یہ (منکر) لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے۔ اگر وہ غیر اللہ

لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا (النساء پ۵)	کی طرف سے ہوتا تو وہ اسمیں بہت سا اختلاف پاتے،

پس جس جگہ آنحضرت صلعم کی نسبت ہدایت کرنیکو ثابت کیا ہے۔ اسجگہ صرف رستہ دکھانا، دعوت وارشاد سے راہِ حق سمجھا دینا، تعلیم وتبلیغ سے راہِ حق کی رہنمائی کر دینا مراد ہے۔ چنانچہ دوسرے موقع پر اِنَّکَ لَتَھْدِیْ کی بجائے اِنَّکَ لَتَدْعُوْھُمْ وارد ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

وَاِنَّکَ لَتَدْعُوْھُمْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ہ وَاِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰکِبُوْنَ ہ (مومنون پ۱۸)	اور (اے نبی!) البتہ تو تو اُنکو صراط مستقیم کی بُلاتا ہے۔ لیکن جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ اُس رستے سے ٹیڑھے جا رہے ہیں ۔

اور جس جگہ آنحضرت صلعم سے نفی کی ہے۔ وہاں پر دوسرے معنے یعنے ہدایت پہلے آنا۔ اور منزل پر پہنچا دینا مراد ہے۔ کیونکہ یہ خدا کے اختیار میں ہے۔ پس ہر دو موقع یعنے اثبات اور نفی کے مقام میں فرق معلوم ہوگیا اور تعارض وتناقض نہ رہا۔

اَلصِّرَاط اصل میں سِرَاط (سین سے) تھا۔ اور "ر" اور "ط" کی تفخیم کی موافقت کے لئے سین کو صاد سے بدلیا۔ اِس کے معنے ہیں طریق واضح یعنے "شاہراہ" (لسان العرب وغیرہ)

اَلْمُسْتَقِیْم اسم فاعل کا صیغہ ہے، مصدر استقامۃ سے جسکے معنے ہیں افراط تفریط سے بچکر معتدل حالت پر قائم ہونا۔ چنانچہ لسان العرب میں ہے۔ والاستقامۃ الاعتدال × × وقام الشیئ واستقام اعتدل واستوی ۔

تفسیر بشہادتِ آیات

ہدایت الٰہی کئی قسم پر ہے، **اوّل** وہ جو بغیر ادراک وشعور کے بتقاضائے فطرت ہے۔ مثلاً بچہ پیدا ہوتے ہی اپنی ماں کی چھاتی چوسنے لگتا ہے۔ اور اپنی حاجت کے مناسب غذا حاصل کرتا ہے۔ اِس حقیقت کے سمجھانے کے لئے فرمایا:۔

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّہٗ عَیْنَیْنِ وَلِسَانًا وَّشَفَتَیْنِ وَھَدَیْنٰہُ النَّجْدَیْنِ[1] ہ (البلد پ۳۰)	کیا ہمنے اِنسان کی دو آنکھیں اور زبان اور دو ہونٹ نہیں بنائے؟ اور ہمنے اُسے دو بلندیوں[1] کی رہنمائی نہیں کی؟

[1] اِس آیت میں مفسرین نے نجدین (دو بلندیوں) سے مراد ماں کی دو چھاتیاں لی ہیں۔ جو نہایت پاک اور بطور استعارہ ہے اور نیکی اور بدی کی دو گھاٹیاں بھی مراد لی ہیں لیکن ہمنے متن میں پہلے معنے مراد رکھکر اس آیت کو مثال میں بیان کیا ہے اور دوسرے معنے کے رُو سے یہ آیت قسم سوم وچہارم کی ہدایت کی مثال ہوگی جن کا ذکر آگے آتا ہے ۱۲

دوسری ہدایت حواس و شعور اور ادراک کی ہدایت ہے۔ اسکی نسبت فرمایا:۔

إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا ۝ إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا ۝ (الدھر پ۲۹)	تحقیق ہمنے انسان کو ملے ہوئے نطفے سے پیدا کیا۔ پھر ہمنے اسکو سنتا دیکھتا بنایا، بیشک ہمنے اُسے رستہ بھی سمجھا دیا۔ اب وہ دیکھ سنکر بالکل اپنی ذمہ داری

پر، یا تو شاکر ہوتا ہے یا کافر،،

ہدایت - اِس مقام پر ہدایت سے مراد قسم سوم اور چہارم کی ہدایت بھی ہوسکتی ہے۔ جن کا ذکر آگے آتا ہے قسم اول اور دوم ہر دو کی ہدایت انسان اور دیگر حیوانات میں شترک ہے فرعون نے جب حضرات موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے کہا فَمَن رَّبُّكُمَا يَا مُوسَىٰ یعنے اے موسیٰ (میرے سوا) تم دونوں (بھائیوں) کا رب کونسا ہے ؟ تو حضرت موسےٰ کلیم اللہ نے جواب میں کہا رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَىٰ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ (طٰہٰ پ۱۶) یعنی ہمارا رب وہ ہے جسنے ہر شئے کو پیدا کیا، پھر سے سجھ بخشی،، اِس مقام پر ہدایت سے مراد یہی قسم دوم کی ہدایت ہے. جو انسان اور دیگر حیوانات میں مشترک ہے،،

تیسری قسم کی ہدایت، عقل کی ہدایت ہے۔ جو انسان سے مختص ہے۔ کہ وہ حواس سے اوپر اپنی قوتِ عاقلہ سے بھی کام لیتا ہے۔ اور یہ ہدایت پہلی دونوں ہدایتوں پر کنٹرولر اور ضابط ہے۔ اسی کی رہنمونی میں وہ بعض وقت حواس کی غلطی کو سمجھتا ہے۔ اور حقیقت پر آگاہ ہوتا ہے۔ اور اسی کی روشنی سے وہ جزئیات محسوسہ میں تصرف کرکے کلیات کا ادراک کرتا ہے۔ اور اسی کی وجہ سے وہ خدا کی گرانبہا امانت تحمل شریعت کا حامل و ذمہ دار ٹھیرایا گیا ہے۔ اسی کے رُو سے اسپر حُجتِ الٰہی کی ایک شق پوری ہوتی ہے۔ اور اسی کی وجہ سے وہ اپنے اعمال کا ذمہ دار قرار دیا جاکر جزا سزا کے لائق ٹھیرتا ہے۔ نیکی پر شاباش وتحسین کے قابل اور بُری پر نفرین کے لائق سمجھا جاتا ہے۔ اور اسی سے اُسے دیگر حیوانات سے امتیاز و شرف حاصل ہے اور اسی کی وجہ سے اُسے قرآن شریف میں بار بار کبھی تو لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ سے خطاب کیا گیا ہے۔ اور کبھی أَفَلَا تَعْقِلُونَ سے تنبیہ کیگئی ہے۔

چوتھی قسم کی ہدایت - ارشاد و وحیِ نبوت کی ہدایت ہے۔ اور یہ جملہ مذکورہ بالا اقسام سے اشرف واعلےٰ ہے۔ اور یہ مرتبہ نوعِ انسانی کے چند مخصوص افراد کیلئے ہے۔ باقی تمام نفوس کو اُن مقدس ہستیوں کے ظلِ میں رہنے کا حکم ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ○ (بقرہ پ۱)

پس اگر پہنچے تمکو میری طرف سے ہدایت پس جو پیروی کی میری ہدایت کی پس نہیں ہوگا انپر کوئی خوف اور نہ وہ غم کھائینگے، اور جنہوں نے میری آیات سے کفر کیا اور اُن کو جھٹلا دیا۔ تو وہ دوزخی ہونگے۔ وہ اُس میں ہمیشہ رہینگے۔

اِس قسم کی آئتیں بکثرت ہیں۔ مثال کے لئے ایک مقام کافی ہے۔

پانچویں قسم ہدایت کی، ہدایتِ توفیق و عنایت ہے۔ چنانچہ اُسکی نسبت فرمایا:۔

وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ (عنکبوت پ۲۱)

جو لوگ ہماری جستجو میں اپنی ہمت بھر کوشش کرینگے ہم ضرور اُن کو اپنی راہیں دکھا دینگے۔ اور یقین جانو کہ خدا تعالےٰ (ہر دم) مخلص نیکو کاروں کیساتھ ہے ؎

خاکسار کے نزدیک آیت زیر تفسیر یعنے اهدنا الصراط المستقیم میں اسی مرتبہ ہدایت یعنی توفیق وعنایت کی استدعا ہے۔ کیونکہ مذکورہ بالا آیت سورتِ عنکبوت میں اس مرتبہ کے لئے مجاہدات و ریاضات کو بمنزلہ شرط قرار دیا ہے۔ اور انسان مجاہدات و ریاضات کے ترازو میں بغیر استقامت کے پورا نہیں اُتر سکتا والحمد للہ علیہ

(۱) وَیَزِیْدُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اهْتَدَوْا هُدًى (مریم پ۱۶)

(۲) وَالَّذِیْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ (محمد پ۲۶)

(۱) اور زیادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ ہدایت یافتہ لوگوں کو ہدایت

(۲) اور جن لوگوں نے پائی ہدایت اُن کو زیادہ کی ہدایت اور دی اُن کو پرہیز گاری (مناسب اُن کے حال کے)

اِستقامت کیا ہے؟

استقامت دین میں ایک بڑا درجہ ہے جو حضرات انبیاء علیہم السلام کو عطا ہوتا ہے۔ اور اُن کے لازم حال ہوتا ہے۔ اور اُن کے ظلّ میں اُن کے کامل تابعداروں کو بھی اُس سے بہرہ ملتا ہے۔ اور یہ درجہ سب روکاوٹوں اور مزاحمتوں پر غالب آنے سے حاصل ہوتا ہے۔ بلکہ یوں سمجھئے کہ سب رکاوٹوں میں سے گذرتے ہوئے دین کو بچائے رکھنے یا دین پر قائم رہنے کا نام استقامت ہے۔ بعض رکاوٹیں مخالفین کی طرف سے ہوتی ہیں۔ بعض وقت واقعاتِ پیش آمدہ ہی رکاوٹ بنجاتے ہیں۔ بعض وقت اپنا نفس اور اُس کی خواہشیں اور زن و فرزند کی اُلفت اور مال و متاع کی محبت مزاحم ہوتی ہے۔ بعض وقت کسی کا خوف یا اُمید سدِّ راہ ہوجاتی

ہے۔ خدا تعالےٰ کے فرمودے پر قائم رہتے ہوئے اِن سب اُمور پر غالب آئے۔ تو کہا جا سکتا ہے کہ فلاں شخص صاحبِ اِستقامت یا مستقیم الحال ہے۔ چنانچہ اسی معنے میں فرمایا:۔ "اے نبیؐ! جس طرح تجھے حکم کیا گیا۔ اور جو کفر سے توبہ کرکے تیرے ساتھ ہوئے ہیں (وہ بھی جمے رہیں)

(۱) فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ (ھود پ۱۲)

(۲) فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ وَّاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ (شوریٰ پ۲۵)

(۲) نیز فرمایا:۔ (اے نبیؐ!) پس تو جارہ جس طرح تجھے حکم دیا گیا ہے اور اِن (منکر) لوگوں کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا۔ اور (ان سے یہ بھی) کہدے کہ خدا نے جو کتاب بھی نازل کی ہے۔ میرا اس پر ایمان ہے اور مجھے یہی حکم ہے کہ تم میں عدل قائم کروں

اِسی استقامت کا دوسرا نام صبر و ثباتِ قدم ہے۔ چنانچہ میدانِ جنگ میں دشمن کے مقابلے میں ڈٹے رہنے کی بابت فرمایا

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (انفال پ۱۰)

مسلمانو! جب تمہارا کسی جماعت سے مقابلہ ہو پڑے تو تم جمے رہو اور خدا تعالیٰ کو بہت بہت یاد کرتے رہو تاکہ تم اپنے مقصد کو پہنچ جاؤ

اِسی طرح غازی انبیاء اور اُن کی مجاہد افواج کی دعائیں یوں بیان فرمائی ہے:۔

وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا (دشمنوں کے مقابلہ کے وقت) انکا ورد یہ کلمہ ہوتا تھا۔

وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (پ۴ آل عمران)

کہ خداوندا! ہمارے گناہ اور ہماری زیادتی جو ہم سے کسی معاملہ میں بھی ہو گئی ہو بخشدے، اور ہمارے قدم جمائے رکھ اور ہمیں منکروں پر مدد دے۔

اِسی طرح حضرت طالوت اور اُن کے مجاہد لشکریوں کی **دُعا** ذکر کی کہ انہوں نے میدانِ مقابلہ میں یوں کہا:۔

رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (البقرہ پ۲)

اے ہمارے پروردگار و مالک! ڈالدے ہم پر صبر (حوصلہ و ثبات) اور محکم رکھ ہمارے قدم اور ہم کو منکر لوگوں پر فتح دے۔

غزوۂ احزاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس خندق کھودتے وقت مٹی اٹھاتے تھے اور نہایت ذوق و شوق سے یہ رجز پڑھتے تھے:۔

واللّٰہ لولا اللّٰہ ما اھتدینا۔ ولا تصدقنا ولا صلینا فانزلن سکینۃ علینا (بخاری)

خدا کی قسم اگر خدا تعالیٰ ہم کو راہ راست پر نہ لاتا۔ تو ہم نہ ہدایت پا سکتے، اور نہ صدقہ و خیرات کر سکتے۔ اور نہ نماز پڑھ سکتے، سو (اے خداوند!) ہم پر سکونِ (خاطر) نازل کر۔

اِس مقام پر استقامت اور ثباتِ قدم کو سکینہ (سکونِ خاطر) سے تعبیر کیا گیا ہے (پس استقامت ایک ایسا امر ہے

ف۱ مجموعہ بائبل میں کتاب یسعیاہ نبی کے باب ۴۲ میں جو پیشگوئی آنحضرت صلعم کی نسبت ہے۔ اسمیں آپ کی صفت عدالت صاف مذکور ہے ۱۲ منہ

جو خدا کی توفیق و مدد کے سوا حاصل نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ شروع آیت میں اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ کے بعد اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کی دُعا کے ربط کی نسبت اوپر گذر چکا ہے ؛

خشکی چھانٹنے والے بے ذوق لوگ جو درجہ عبودیت و نیازمندی، اور عبد و معبود کے روابط و تعلقات اور عنایات ایزدی کے لُطف سے ناواقف ہیں وہ ان باتوں کی حقیقت سے بے بہرہ اور اس لذت سے ناآشنا ہیں۔ جس شخص کی زبان کا ذائقہ صفرا کے غلبہ سے بگڑ گیا ہو۔ وہ شیرینی کی حلاوت سے کس طرح خوش کام ہوسکتا ہے۔ صَدَقَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلعم ذَاقَ طَعْمَ الْاِیْمَانِ مَنْ رَّضِیَ بِاللّٰہِ رَبًّا الحدیث (مشکوۃ)

پس اس آیت پر آریوں اور عیسائیوں کا یہ اعتراض کہ مسلمانوں کو ابھی تک صراط مستقیم کا پتہ ہی نہیں ملا۔ کیونکہ وہ اس کے لئے ابھی تک دعائیں ہی کر رہے ہیں۔ درست نہیں ؛ کیونکہ اس جگہ ہدایت کے دوسرے معنے یعنے ایصال الی المطلوب مراد ہیں۔ جس کیلئے استقامت شرط ہے اسی لئے اس مقام پر صراط کو مستقیم سے موصوف کیا ؛ دیگر یہ کہ استقامت کوئی ذہنی تھیوری (Theory) نہیں ہے۔ بلکہ وہ عملی جدوجہد میں شروع سے اخیر تک عزم قوی کے قائم رہنے کا نام ہے۔ اور اس کے لئے خدا تعالے سے دُعا کرنا اور توفیق مانگنا، درجہ عبودیت کو سمجھنا ہے۔ پس اعتراض بیجا ہے ؛

دیگر یہ کہ امام ابوجعفر طبری رہ نے نہایت بسط اور وضاحت سے لکھا ہے۔ کہ اس جگہ ہدایت سے مراد توفیق اور ثبات ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضہ سے یہی معنے روایت کئے گئے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں :۔

(اِھْدِنَا) قال ابوجعفر و معنی قولہ اھدنا الصراط المستقیم فی ھذا الموضع عندنا وفقنا للثبات علیہ کما روی ذالك عن ابن عباسؓ (تفسیر ابن جریر طبری جلد اول ص۵۹)	کہ اس موقع پر اھدنا الصراط المستقیم کے معنے یہ ہیں۔ کہ خداوند! ہم کو ہدایت پر ثابت رہنے کی توفیق عنایت کر۔ جیسا کہ ابن عباس رضہ سے مروی ہے،

پھر اسکے بعد کلام عرب میں سے یہ شعر شہادت میں لکھا ہے ؛۔ لا تحرمنی ھداك اللہ مسئلتی ولا اکونن کمن اودی بہ السفر یعنے شاعر کا مقصود یہ ہے کہ خدا تجھے میرا سوال پورا کرنے اور میری حاجت روائی کی توفیق دے۔ پھر کہا ہے کہ قرآن شریف میں واللہ لا یھدی القوم الظٰلمین وغیرہ آیات میں بھی ہدایت سے مراد توفیق ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ ایسے متعدی ظالموں فاسقوں، کافروں، کو قبول ہدایت کی توفیق نہیں دیتا۔ پھر بہت تفصیل سے بیان کرنیکے بعد کہا ہے کہ ربط و نظم عبارت سے بھی صاف کھل جاتا ہے۔ کہ اس سے مراد توفیق ہے کیونکہ اس سے پہلے بندہ ایاك نستعین سے خدا تعالیٰ کی عبادت پر مدد طلب کرتا ہے۔ تو اب جتنی عمر اسکی باقی ہے۔ اس میں اھدنا سے ہدایت پر ثابت رہنے کا سوال کرتا ہے۔ واللہ الھادی ؛

اصحابِ استقامت کی قدر و منزلت

مُستقیم الحال مومنوں پر قیامت کے روز پے در پے فرشتے نازل ہو کر اُن کو تسلیاں دینگے۔ چنانچہ فرمایا:-

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ (حٰم فصلت پ۲۴)	(۱) جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب (مالک و پروردگار) اللہ ہی ہے پھر (اسپر) مستقیم (و پختہ) رہے، اُنپر پے در پے فرشتے نازل ہوں گے۔ کہ تم کوئی خوف نہ کرو، اور نہ غم کرو۔ بلکہ اس جنت (کی کامیابی) سے خوش ہو۔ جس کا وعدہ تمسے (دنیا میں) کیا جاتا تھا
(۲) اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (احقاف پ۲۶)	(۲) جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب (مالک و پروردگار) اللہ ہی ہے پھر (اسپر) قائم رہے پس اُنپر نہ تو کسی طرح کا خوف ہوگا۔ اور نہ وہ غم کرینگے

صراط مستقیم کیا ہے؟

صراط مستقیم مجموعہ ہے عقائد حقہ اور اعمالِ صالحہ کا، جن کا رکن رکین صرف خدائے واحد کو اپنا رب (مالک پروردگار) جاننا اور صرف اُسی کی عبادت کرنا ہے۔ چنانچہ حضرت عیسٰے علیہ السلام کی زبانی ذکر کیا۔ کہ انہوں نے بحکم خدا بنی اسرائیل سے کہا تھا:-

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ | پس تم سب اُسی کی عبادت کرو، یہی صراط مستقیم ہے (۱)

عقائد حقہ کی بنیاد یہ ہے کہ دل و جان سے خدائے واحد کی ربوبیت کا اقرار کیا جائے اور زبان سے اسکی شہادت دیجائے سو اسکی نسبت فرمایا اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ اور اعمالِ صالحہ کی بنیاد عبادتِ خدا ہے۔ سو اسکی نسبت فرمایا فَاعْبُدُوْهُ اور ان دونوں کو ملاکر بتایا هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ اِس سے صاف معلوم ہوگیا۔ کہ یہ دونوں امر صراط مستقیم میں۔ اسی طرح سورہ یٰس پ۲۳ میں مذکور ہے۔ کہ خدا تعالےٰ قیامت کے دن کفار سے کہیگا۔ وَاَنِ اعْبُدُوْنِيْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ یعنے کیا میَنے تمسے یہ بھی نہ کہدیا تھا، کہ میری ہی عبادت کرنا، یہی صراط مستقیم ہے (۱)

اسی طرح توحید الٰہی پر جمے رہنے اور شرک نہ کرنے، ماںباپ سے نیکوئی کرنے، اولاد کو قتل نہ کرنے۔ ظاہری اور باطنی فواحش کے قریب تک نہ پھٹکنے، ناحق خون نہ کرنے، طاقت بھر ناپ اور تول کے پورا کرنے، یتیموں کے مال میں بیجا تصرف نہ کرنے، عدل و انصاف کی بات کہنے اور عہد کے پورا کرنے کی تاکیدات بلیغہ کرنے کے بعد فرمایا:- وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ (انعام پ۸) یعنی نیز یہ کہ یہی میری سیدھی راہ ہے۔ جسکی پیروی کرنی ہوگی (۱)

توضیح استقامت، اعوجاج یعنے کجی کی ضد ہے۔ اور اس سے مراد ہے کسی چیز کا اپنی اصلی حالت پر قائم ہونا۔ اور اسکی ضرورت ہر امر میں ہے۔ اعتقاد میں بھی۔ عمل میں بھی اور قول میں بھی، تعلّم میں بھی، اور تعلیم میں بھی۔ دیکھنے سمجھنے میں بھی، اور سکھانے سمجھانے میں بھی)۔ دین میں بھی، دنیا میں بھی، صنعت و دستکاری میں بھی۔ اور دیگر کام کاج میں بھی۔ استدلال میں بھی اور دعوت و ارشاد میں بھی۔ اشتغال میں بھی اور فراغت میں بھی۔ معاشرت خانگی کی تربیت میں بھی اور تمدن و سیاست میں بھی حتیٰ کہ طبعی تقاضوں میں یعنی نیند اور بیداری اور کھانے پینے میں بھی۔ اور اپنی ہر حالت یعنے اٹھنے، بیٹھنے، کھڑا ہونے اور چلنے پھرنے میں بھی، غرض ہمارے لئے نہایت ضروری ہے۔ کہ ہماری زندگی کے ہر امر اور ہر حال اور ہماری ماندوبود کے ہر طریقے اور ہر کیف میں ہمارا طریق کار درست اور باقاعدہ ہو۔ سو اسی امر کے لئے جناب خداوندی میں دعا کی جاتی ہے۔ اور اس سے توفیق طلب کی جاتی ہے۔ کہ الٰہی تو ہمیں ہمارے ہر کام میں جو ہمیں پیش آوے یا ہم اس میں پڑیں صِرَاطِ مُسْتَقِيْم کی ہدایت فرما،

اسوقت ہم بیان کر رہے ہیں۔ کہ بغیر کجی کے اصلی حالت پر قائم ہونے کو استقامت کہتے ہیں۔ اسے ہم مثال سے سمجھاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے انسان کی قامت سیدھی کھڑی بنائی ہے جو اس طرح ہے۔ کہ سر اوپر کو ہے۔ اور پاؤں زمین سے لگے رہتے ہیں۔ پس کھڑا ہونے اور چلنے کے وقت سیدھا قیام اور سیدھی چال یوں ہوگی۔ کہ سر اوپر کو ہو اور جس طرف کو آنکھیں ہوں اس طرف کو قدم اٹھائیں، اور الٹی چال یہ ہوگی کہ پاؤں اوپر کو کر کے اور منہ نیچے کر کے ہاتھوں کے بل چلیں۔ یا پشت کی طرف الٹے پاؤں چلیں، قرآن شریف نے اسی مثال کو ذکر کر کے دینی صراط مستقیم سمجھایا ہے چنانچہ فرمایا،

اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖٓ اَهْدٰٓى اَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (سورت الملک پ۲۹)	تو کیا وہ شخص جو منہ کے بل گرتا ہوا چلتا ہے۔ درستکار ہے یا وہ جو سیدھا کھڑا ہو کر سیدھی راہ پر چل رہا ہے؟

اسی طرح دوسرے امور و حالات میں سمجھ لیجئے،

اسلام کی ہر تعلیم اور آنحضرت صلعم کی ہر سنت مستقیم ہے۔ یعنی اصلی اور مناسب حالت پر ہے۔ نہ اس میں افراط ہے نہ تفریط ہے۔ کیونکہ یہی دو صورتیں اصلی حالت کو بگاڑتی ہیں۔ اسی معنے میں آنحضرت صلعم خطبات جمعہ و عیدین میں اعلان فرمایا کرتے تھے

اِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) (صحیح مسلم جلد اول)	کہ سب کلاموں سے بہتر خدا کی کتاب ہے۔ اور سب دستوروں سے بہتر محمد صلعم کا طریقہ کار ہے،

ہم اسے چند مسائل ذکر کر کے سمجھاتے ہیں۔

۱۔ حفظ بدن کے لئے خوراک کی ضرورت ہے اور تحصیل خوراک کے لئے کسب و روزگار کی۔ اور بقائے نسل کیلئے بیوی کی،

بعض لوگ اِن ضرورتوں کے پورا کرنے میں منہمک ہوکر حلال وحرام کی تمیز نہیں کرتے۔ اور بعض ایسے کنارہ کش ہوجاتے ہیں۔ کہ راہب ودرویش بنکر تارکُ الدنیا بنجاتے ہیں۔ پہلے لوگ افراط میں ہیں اور دوسرے تفریط میں۔

اِسلام نے نکاح کو مقرر کیا۔ اور سفاح (بدکاری) سے منع کیا۔ اور حلال کی روزی کمانے کا حکم کیا، اور حرام سے منع فرمایا۔ یہ اِس امر میں صراطِ مستقیم اور حالتِ اعتدال ہے۔

۲۔ دِن معاش کمانے کے لئے اور رات سونے اور آرام کرنے کیلئے ہے لیکن روزی کے پیدا کرنے والے اور اُس کے کمانے کی قوت وقابلیت عطا کرنیوالے اور رات کو آرام دینے والے کا بھی حق ہے۔ اور بیوی کا بھی حق ہے۔ پس اگر کوئی شخص سارا دن معاش کے کمانے میں لگا رہے۔ اور رات کو ساری رات سویا رہے۔ یا بہیمیت میں رہے تو وہ حقِ نفس میں افراط کرتا ہے۔ اور جانبِ خدا میں تفریط۔ اور اگر کوئی شخص دن اور رات عبادت میں مشغول رہتا ہے۔ اور زن وفرزند کے حقوق اور اپنی جان کے حقِ آرام میں تغافل وکسلمندی کرتا ہے۔ تو وہ ان حقداروں کی جانب میں تفریط کرتا ہے۔ اِسلام توسط کی راہ بتاتا ہے۔ کہ کماؤ بھی اور نماز بھی پڑھو۔ اسی لئے نمازِ فجر کے بعد سے دِن ڈھلنے تک کوئی نماز فرض نہیں کی۔ اِس کے بعد یکے بعد دیگرے رات تک علی التواتر چار نمازیں مقرر کردیں۔ کہ دنیا کے کام کاج میں بھی حرج نہ ہو۔ اور عبادت بھی ساتھ ساتھ ہوتی رہے۔ تاکہ اُمورِ دنیا میں انہماک نہ ہوجائے پھر رات کے وقت نمازِ عشاء کے بعد سوجانے اور حقوقِ زوجیت کی ادائیگی کو پسند فرمایا۔ پھر اس آرام وآسائش کے بعد پچھلی رات میں نمازِ تہجد کی ترغیب دی۔ پس رات کے وقت بھی سب کام مستقیم ودرست رہے۔ اور افراط وتفریط کی جانب بھی نہ ہوئی۔

۳۔ کھانا قیامِ زندگی کے لئے ضروری ہے۔ لیکن اسمیں انہماک بہیمیت کی ترقی ہے۔ نہ انسانیت کی۔ "تنورِ شکم دم بدم تافتن" میں افراط ہے۔ اور اِس کے مقابلے میں نفس کُشی کے خیال سے ہمیشہ روزہ رکھنے میں ایک طرف سے تو افراط ہے۔ اور دوسری جانب سے تفریط۔

اِسلام نے روزہ بھی سکھایا۔ لیکن ہمیشہ نہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلعم نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے فرمایا تھا۔

صُمْ وافطر وقُم ونَم فان لجسدك عليك حقًّا وان لعينيك عليك حقًّا وان لزوجك عليك حقًّا وان لزورك عليك حقًّا لاصام من صام الدهر صوم ثلثة ايام من كلّ شهر صوم الدهر كلّه۔ صُم كلّ شهر ثلاثة ايام واقرأ القرآن فى كل شهر الحديث متفق عليه مشكوٰۃ ص۱۷۱	تو روزہ بھی رکھ۔ اور افطار بھی کر، (رات کو نمازِ تہجد میں) قیام بھی کر اور سو بھی، کیونکہ تجھ پر تیرے جسم کا بھی حق ہے۔ اور تیری آنکھوں کا بھی حق ہے۔ جس نے سدا روزہ رکھا۔ اس کا کوئی روزہ نہیں ہر مہینے میں تین (نفلی) روزے ہمیشہ کے روزے کی جگہ ہیں۔ پس تو ہر مہینے میں تین دن (نفلی) روزہ رکھا کر[۱] اور ہر مہینے میں قرآن کا ختم کیا کر۔

[۱] ہر چاند کی تیرھویں۔ چودھویں۔ اور پندرھویں تاریخ کو ۱۲ منہ

ہدایت ضروری اسی ضمن ہم اخراجات میں کفایت شعاری اور میانہ روزی کے متعلق اسلامی تعلیم کو الگ شرحی سے لکھنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ مسلمان عموماً اس امر میں کوتاہ اندیشی سے فضول خرچی کی وجہ سے زیربار ہو کر اپنے آپ کو تباہ و برباد کر رہے ہیں۔ مگر ان کی زندگی کسی حالت میں گذر بھی رہی ہے۔ تو دوسروں کی ماتحتی و محتاجی میں گذر رہی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ مال جمع کرنے کے لئے نہیں۔ بلکہ حاجات میں خرچ کرنے کے لئے کمایا جاتا ہے۔ بعض حاجتیں تو پیش افتادہ ہوتی ہیں۔ اور بعض آئندہ پیش آنے والی ہوتی ہیں۔ انہیں سے بعض یقینی ہوتی ہیں۔ اور بعض کی توقع ہوتی ہے۔ اور بعض کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اور بعض ناگاہ آپڑتی ہیں۔ اور ایک اور ہے جو ایک کونے میں پوشیدہ ہے۔ اور نظر نہیں آتی۔ اور مسلمان اس سے سخت غفلت میں ہیں۔ اور وہ ان کو گھن کی طرح دن بدن کھا رہی ہے۔ وہ قرض اور سودی قرض کی زیرباری ہے۔ اسلام یہ نہیں کہتا۔ کہ تم حاجات میں خرچ نہ کرو۔ بلکہ اوّل تو یہ کہتا ہے۔ کہ سب حاجات کو نگاہ میں رکھو۔ جو پیش افتادہ ہیں ان میں تو مناسب خرچ کرو۔ اور جو پیش آنے والی ہیں۔ ان کے لئے ابھی سے پس انداز کرو۔ دیگر یہ کہ حاجت پیش آئے۔ تو حسب بالا اسمیں خرچ تو کرو۔ لیکن اپنی طبیعت اور بے لگام خواہش سے خود حاجتیں پیدا نہ کرو۔ اور غیر ضروری کو ضروری کا درجہ نہ دو۔ مسلمانو! خدا تمکو سمجھ دے۔ تم تو ضروری و غیر ضروری کی تمیز سے بھی بالاجا تو ہو۔ تم اپنی ناجائز خواہشوں میں ایسے تیز رو ہو۔ کہ سراسر ناجائز اور قطعی حرام اور دین و دنیا کو تباہ بلکہ روسیاہ کرنے والے اخراجات کو نہایت بیباکی و ناعاقبت اندیشی سے نہایت شوق بلکہ فخر سے اپنے سر لے رہے ہو۔ خداوندا! ہمیں اس امر میں بھی صراط مستقیم کی سمجھ دے! اور اسپر چلنے کی توفیق عطا کر، آمین

اسراف کے برے انجام سے بے پرواہ مسلمانو! سنو خدا تعالےٰ کیا فرماتا ہے :-

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا (فرقان پ ۱۹)	"اور (رحمٰن کے بندے) وہ لوگ ہیں کہ جس وقت وہ خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ تو فضول خرچی کرتے ہیں۔ اور نہ کنجوسی کرتے ہیں بلکہ (ان کا خرچ) اسکے درمیان ایک سیدھی گذران ہوتی ہے"
(۲) وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۔ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ۔	(۲) اور دے تو قرابت مند کو حق اسکا اور مسکین کو بھی اور مسافر کو بھی اور مت اڑا بکھیر کر بیشک اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔ اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے"
(۳) وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا (بنی اسرائیل پ ۱۵)	(۳) اور نہ رکھ اپنا ہاتھ بندھا ہوا اپنی گردن کیساتھ یعنی کنجوسی نہ کر۔ اور نہ کھولدے اسکو پورا کھولنا۔ پھر تو بیٹھ رہے ملامت کیا ہوا حسرت زدہ ہو کر"

ان آیتوں میں جائز ضرورتوں میں کفایت شعاری اور میانہ روی سے خرچ کرنے کا حکم بھی کیا ہے۔ اور فضول خرچی اور

کنجوسی ہر دو امروں سے منع بھی کیا ہے۔ کیونکہ فضول خرچی افراط ہے۔ اور کنجوسی تفریط ہے اور جائز ضرورتوں میں کفایت شعاری سے خرچ کرنا جس سے اپنی حالت قائم رہے۔ میانہ روی اور اعتدال ہے۔ جو صراطِ مستقیم ہے۔

مسلمانو! اگر تم ان آیات پر عمل کر کے اپنی آمدنی میں سے آیندہ پیش آنیوالی ضرورتوں کے لئے بچار کھا کرو۔ تو اسمیں تمہارا ہی فائدہ ہے۔ ورنہ خلاف ورزی کی صورت میں جو کچھ تم پر گذر رہا ہے۔ وہ تمہارے سامنے ہے۔ واللہ الکافی

غرض ہمیں ہر امر میں صراط مستقیم کے لئے خدا تعالیٰ سے ہدایت و توفیق مانگنے کی حاجت ہے۔ اور وہ صراط مستقیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ وفقنا اللہ لاتباعہا۔

امام رازی رح نے اسجگہ صراط کو مستقیم سے موصوف کرنے کی وجہ میں لکھا ہے۔ کہ اہل ہندسہ کے نزدیک دو نقطوں کو ملانے میں جس قدر خطوط کھینچے جائیں۔ اُن میں سے جو سب سے چھوٹا خط ہوگا۔ وہ مستقیم ہوگا۔ باقی سب منحنی یعنے ٹیڑھے ہونگے۔ پس بندہ خدا تعالےٰ سے صراط مستقیم کی التجا چند وجوہ کرتا ہے۔

اوّل اسلئے کہ چونکہ بندہ عاجز و ضعیف ہے۔ اس لئے اس کے ضعف کے مناسب یہی مختصر طریق یعنے صراط مستقیم ہی ہے

دوم اسلئے کہ خط مستقیم صرف ایک ہی ہوتا ہے۔ اور منحنی یعنے ٹیڑھے کئی ایک ہوتے ہیں جو ٹیڑھا ہونے میں باہم متشابہ ہوتے ہیں۔ اور سالک کو اس تشابہ کی وجہ سے راہ اختیار کرنے میں حیرت و تردد ہوتا ہے۔ اور صراط مستقیم بوجہ ایک ہونے کے کسی سے متشابہ نہیں۔ اسلئے وہ خوف و آفت سے دُور اور امن و امان کے قریب ہوتا ہے۔

سوم اسلئے کہ طریق مستقیم منزلِ مقصود پر یقیناً پہنچا دیتا ہے۔ اور ٹیڑھا رستہ (یقیناً) نہیں پہنچا سکتا۔

چہارم اسلئے کہ مستقیم متغیر نہیں ہوتا۔ اور ٹیڑھا متغیر ہو جاتا ہے۔

پس ان وجوہ کی بنا پر بندہ خدا تعالیٰ سے صراط مستقیم (پر چلنے کی توفیق) طلب کرتا ہے۔ (متن مع زیادۃ)

پھر چونکہ صراط مستقیم کی عملی نشاندہی اور تعیین بھی ضروری ہے۔ تاکہ وہ محض ذہنی ہونے کی صورت میں محلِ نظر و نزاع نہ ہو جائے۔ اسلئے اس کے بعد کہا صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ الآیۃ،

کیونکہ جس طریق پر عمل کرنے سے پہلے لوگ کامیاب ہو چکے ہوں۔ اور وہ ضلالت و غضب سے سلامت رہ کر خدا تعالےٰ سے انعام پا چکے ہوں۔ اُس طریق کے مستقیم ہونے میں کوئی شک نہیں ہو سکتا +

وَاَنِ اعْبُدُوْنِیْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ (یٰسٓ)

اَلْجُزْءُ السَّابِعُ

مِنْ تَفْسِیْرِ الْفَاتِحَةِ

طَرِیْقُ الصّٰلِحِیْنَ!

فِیْ تَفْسِیْرِ قَوْلِهٖ

صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

راہ اُن لوگوں کی جن پر تو نے انعام کیا۔

ترکیب نحوی ارتباط ولطائف ادبیہ

(۱) صِرَاطَ الَّذِيْنَ الخ بدل ہے اَلصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ سے اور فائدہ اسکا یہ ہوا کہ صراط مستقیم کی تفسیر معلوم ہوگئی۔ اور اس بدل اور مُبدل منہ ہر دو کے لانے سے کلام میں نہایت درجے کی وضاحت ہوگئی۔ کہ استقامت و اعتدال والی اور سیدھی راہ وہ ہے جس پر خدا تعالےٰ کے انعام یافتہ صالحین عمل پیرا رہی نہ وہ جو کوئی ذہنی طور پر اپنے دماغ سے تراش کر مقرر کرلے۔

(۲) صِرَاطَ الَّذِيْنَ کہا ہے۔ صِرَاطَ مَنْ نہیں کہا، حالانکہ الَّذِيْنَ اور مَنْ ہر دو اسم موصول ہیں۔ اسلئے کہ الَّذِيْنَ مشخص ومعین کے لئے آتا ہے اور مَنْ کبھی نکرہ موصوفہ بھی آجاتا ہے۔ چونکہ اس موقع پر صراط مستقیم کی تعیین وتشخیص مطلوب ہے۔ اسلئے الَّذِيْنَ بہت موزون ہے۔ اور بلاغت کی جان یہی ہے کہ امر مقصود کو ملحوظ رکھا جائے[۱]

(۳) اَنْعَمْتَ کو فعل معروف کی صورت میں ذکر کرکے انعام کی اسناد ذات حق کیطرف کی، تاکہ توجہ وعنایت ایزدی ظاہر ہو کہ سب کچھ اُسی کے فضل سے حاصل ہوا ہے۔ اُسکی توفیق کے سوا کچھ بھی نہیں ہوسکتا ؎

جو کچھ کہ ہوا، ہوا فضل سے تیرے ہم کیا ہیں کہ کوئی کام ہمسے ہو گا

اور یہ بھی ایک قرینہ ہے اِس بات کا کہ اِس سے پہلی آیت میں اِهْدِنَا سے مراد یہ ہے کہ الٰہی ہمیں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عنایت فرما[۲] جیساکہ دوسرے موقع پر اسی مضمون کو یوں بیان کیا ہے:۔

رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰى وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ (نمل پ۱۹ واحقاف پ۲۶)

اے میرے پروردگار میری قسمت میں کر کہ میں تیری نعمت کا جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کی ہے شکر کروں اور یہ کہ میں ایسا نیک کام کروں جو تجھے پسند ہو۔

(۴) اِيَّاكَ سے اَنْعَمْتَ تک سب صیغے جو ذات حق کیلئے ہیں سب مخاطب صورت میں ہیں۔ اسلئے کہ جب اِيَّاكَ میں حضوری کی وجہ سے صیغہ خطاب سے عرض کی تو اب اس کے بعد حضور سے ہٹکر غائب

---

[۱] عزیزی مع الزیادۃ ۱۲ منہ [۲] عزیزی وابن جریر ملخصاً ۱۲ منہ

ہونا تنزل کا درجہ ہے۔ نہ کہ ترقی کا اور بلاغت کی جان مقتضائے حال اور مقصودِ اصلی کی رعایت ہے۔ خذہ فانہ دقیق ولطیف۔

(۵) اَنۡعَمۡتَ بصیغہ ماضی ذکر کیا۔ نہ تُنۡعِمُ مضارع، اسلئے کہ زمانہ مستقبل کے لوگ ابھی موجود نہیں اور زمانہ حال کے لوگ محلِ ابتلا ہیں۔ لہٰذا ان کے انجام ہمیں معلوم نہیں، ہاں زمانہ ماضی کے صالحین کی بابت خدا اور اس کے رسولؐ کی خبر سے ہمیں علم ہو چکا ہے۔ کہ وہ فائز المرام ہو چکے ہیں۔ پس انہی کے **طریق** کی پیروی کی توفیق مانگنی مناسب ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودرضؓ کی روایتِ ذیل میں یہی نکتہ ملحوظ ہے۔ جو آپ نے فرمایا:۔

مَنۡ کان مستنًّا فلیستنّ بمن قد مات فان الحی لاتؤمن علیہ الفتنۃ اولٰٓئک **اصحاب محمد** صلی اللہ علیہ وسلم کانوا افضل ھٰذہ الامۃ۔ ابرھا قلوبا واعمقھا علمًا واقلھا تکلّفا، اختارھم اللہ لصحبۃ نبیّہ ولاقامۃ دینہ فاعرفوا لھم فضلھم واتبعوا علیٰ اثرھم وتمسکوا بما استطعتم من اخلاقھم وسیرھم فانھم کانوا علی الھدی المستقیم (رواہ رزین مشکوٰۃ ص ۳۲)	جو شخص اقتدا کرنا چاہے سو اقتدا کرے ان لوگوں کی جو فوت ہو گئے۔ کیونکہ زندہ شخص فتنہ (ابتلا) سے امن میں نہیں ہے۔ اور وہ **محمد** صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں۔ جو اس امّت میں سے سب سے افضل تھے۔ دلوں کے سب سے نیک اور علم میں سب سے گہرے اور تکلّف میں سب سے کم۔ خدا تعالےٰ نے انکو اپنے نبیؐ کی صحبت کیلئے اور اپنے دین کے قائم کرنے کیلئے منتخب فرما لیا تھا۔ پس تم انکی فضیلت کو پہچانو۔ اور ان کے قدموں پر چلو۔ اور جہانتک تم سے ہو سکے انکے اخلاق اور انکی سیرت کو مضبوطی سے پکڑو۔ کیونکہ وہ سیدھی راہ پر تھے۔

اسی اصول کی بنا پر حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام سے لیکر حضرت عیسٰے علیہ السلام تک کئی ایک انبیاء کا ذکر کرکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم کیا۔ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ ھَدَی اللّٰہُ فَبِھُدٰھُمُ اقۡتَدِہۡ (انعام پ ۷) یعنی وہ لوگ ہیں جن کو خدا نے ہدایت بخشی تھی۔ سو (اے نبیؐ) تو بھی انہی کی اقتدا کر یعنی انکی راہ پر چل۔

تبصرہ اس مقام پر صراط ہدایت یافتہ لوگوں یعنے مُنۡعَمۡ عَلَیۡھِمۡ کیطرف مضاف کیا اور آیات ذیل میں اپنی طرف مضاف کیا:۔

۱۔ وَھٰذَا صِرَاطُ رَبِّکَ مُسۡتَقِیۡمًا (انعام پ ۸)	(۱) یہ ہے تیرے ربّ کی راہ جو سیدھی ہے۔
۲۔ وَاَنَّ ھٰذَا صِرَاطِیۡ مُسۡتَقِیۡمًا (انعام پ ۸)	۲۔ یہ ہے میری راہ جو سیدھی ہے۔

۳- وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۙ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (شوریٰ)

۳- اور اسے پیغمبر تم تو لوگوں کو سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کرتے ہو۔ وہ راہ جو اللہ کی راہ ہے۔ جسکی ملک ہے ہر شے جو آسمانوں میں ہے، اور جو زمین میں ہے۔

ان ہر سہ آیات میں صراط ذات حق کیطرف مضاف ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے۔ کہ تقرر کے لحاظ سے تو صراط مستقیم کی اضافت خدا تعالیٰ ہی کیطرف درست ہے۔ کہ وہ اُسکا مقرر کردہ ہے۔ لیکن عمل و روش کے رو سے کہ کون لوگ اُسپر چلتے رہے۔ اُسے مُنْعَمْ عَلَيْهِمْ کیطرف مضاف کیا۔ پس الگ الگ اضافتیں اعتبارات کے جدا ہونے کی وجہ سے ہیں۔ اہل منطق کہتے ہیں۔ لَوْلَا الْاِعْتِبَارَاتُ لَبَطَلَتِ الْحِكْمَةُ یعنے اگر اعتبارات کا لحاظ نہ ہو تو حکمت و دانائی بیکار ہو جائے۔ (میر والحمد للہ)

توضیح خدا تعالیٰ کے انعامات دو طرح کے ہیں۔ ظاہری اور باطنی چنانچہ فرمایا:-

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ؕ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ (لقمان)

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا تعالیٰ نے تمہارے کام میں لگا رکھا ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے۔ اور جو کچھ زمین میں ہے اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں کامل طور پر پوری کی ہیں۔ اس پر بھی بعض لوگ بغیر علم اور ہدایت اور کسی (آسمانی) روشن کتاب کے خدا کے

خدا تعالیٰ کے ظاہری یعنے عالم اجسام کے متعلق انعامات کی تفصیل قرآن شریف میں بیش از بیش ہے لیکن سورہ فاتحہ کی آیت زیر تفسیر میں جس انعام کا ذکر ہے اُس سے باطنی اور دینی نعمت یعنی خدا تعالیٰ کی مرضی پر چلنے کی توفیق مراد ہے، کیونکہ جب قرآن شریف کی تصریح کے مطابق مُنْعَم عَلَيْهِم سے انبیا، صدیق، شہید اور صالحین مراد ہیں۔ تو جو خصوصی نعمت اُنپر ہوئی ہے۔ یہاں پر وہی مراد ہو سکتی ہے۔ اور صراط مستقیم سے اسی نعمت کو تعلق ہو سکتا ہے۔ ورنہ دنیوی انعامات تو کافر و مومن، فاسق و صالح سب پر عام ہیں۔ چنانچہ اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بابت فرمایا:-

شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (النحل پ۱۴)

اُس کی نعمتوں کا شکر گذار تھا۔ خدا نے اُسے انتخاب کر لیا تھا۔ اور اُسے راہ راست پر ڈالدیا تھا۔

اِس آیت میں حضرت ابراہیم پر خدا تعالیٰ کے انعامات کا بھی ذکر ہے۔ اور ہدایت صراط مستقیم کا بھی۔

اسی طرح سورۃ انعام میں کئی انبیاء علیہم السلام کا ذکر کر کے فرمایا:-

وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ

اُن میں سے بعض (جنکے) باپ اور اولاد اور بھائی بھی

وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (انعام پ۷) | تھے۔ اُن میں سے بعض کو ہمنے فضیلت بھی بخشی تھی اور منتخب بھی کیا تھا۔ اور ان کو راہ راست پر بھی ڈالدیا تھا۔

اِسی طرح سورۂ نسآء کے اخیر میں فرمایا:۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا (نسآء پ۶)

لیکن جو لوگ خدا پر ایمان لائے اور اُنہوں نے اُسی کا سہارا پکڑا تو خدا تعالیٰ اُن کو اپنی رحمت میں اور فضل میں داخل کرے گا۔ اور اُنکو اُس سیدھی سڑک پر ڈالدیگا جو اُس تک جا پہنچتی ہے

اِن آیات میں صراطِ مستقیم کی ہدایت کو انعاماتِ دینیّہ میں گنا ہے۔

دیگر یہ کہ دنیا میں ایسے اشخاص کثرت سے ہوئے ہیں کہ اُن پر خدا تعالیٰ کی ظاہری نعمتیں بیش از بیش ہوئیں۔ لیکن وہ خدا کی رضا جوئی کے رستے پر نہ چلے اور اُس سے بہک گئے تو اُن پر خدا کا غضب ٹوٹا۔ پس اُنکی روش صراطِ مستقیم پر نہیں ہوسکتی۔ اور ہدایتِ الٰہی کا طالب اُن کی راہ اختیار نہیں کرسکتا۔ اسلئے یہاں پر صرف وہی لوگ مراد ہیں۔ جنپر خدا تعالیٰ کی باطنی و روحانی نعمتیں ہوئیں اور وہی اِس قابل ہیں۔ کہ خدا تک پہنچنے کے لئے اُن کی راہ اختیار کی جائے اور وہی اس لائق ہیں کہ اُن کی اقتدا کی جائے اِسی لئے اِس کے بعد اُنکی صفت میں غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ کہا گیا ہے۔ کہ نہ تو اُن پر خدا کا غضب ہوا اور نہ وہ راہِ مستقیم سے بھٹک کر کسی اور طرف کو گئے۔ جیسا کہ اس کے بعد انشاءاللہ مفصلاً مذکور ہوگا ✦

صِراطِ مُستقیم والے اور انعام والے کون ہیں؟

صراطِ مستقیم والے اور انعام والے لوگ وہ ہیں۔ جو خدا کے حکموں پر چلتے ہیں اور وہ چار گروہ ہیں

چنانچہ فرمایا:۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ۝ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝ (پ۵)

اور اگر وہ بجالاتے وہ امر جس کی اُنکو نصیحت کیجاتی ہے تو اُن کے لئے بہتر ہوتا۔ اور ثابتی میں بہت مضبوط اور پھر ہم اُن کو اپنے پاس سے اجر عظیم عطا کرتے۔ اور صراط مستقیم پر بھی پہنچا دیتے۔ اور جو کوئی فرمانبرداری کرے اللہ کی اور اسکے رسول کی تو وہ اُن لوگوں کے ساتھ ہونگے جنپر خدا نے انعام کیا یعنی انبیاء اور صدّیق اور شہید۔ اور دیگر صالحین اور

مقامات اربعہ مذکورہ بالا

ا۔ نبوّت

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کی تفسیر کے ذیل میں حقیقت نبی کے متعلق لکھتے ہیں:-

"اِس انسان (نبی) کو حق تعالیٰ کسی بشر کی تعلیم و تربیت کے سوا بلا واسطہ کامل کرتا ہے۔ بدیں طور" "کہ نور القدس کی تاثیر اسکی قوتِ نظری (دماغی) میں ایسے طور پر واقع ہوتی ہے۔ کہ اس کے معلومات میں" "اشتباہ و التباس کا دخل ہرگز نہیں ہوسکتا۔ اور اسکی قوتِ عملی میں ایسا ملکہ (راسخہ) پیدا کرتا ہے کہ اُس سے" "اعمالِ صالحہ بکمالِ رغبت (و سہولت) صادر ہوتے ہیں اور بُرے اعمال سے بکمالِ نفرت محفوظ (و معصوم) رہتا ہے" "اور جب اُسکے بدنی قویٰ کمال کو پہنچ جاتے ہیں اور اُسکی غریزی عقل بھی نہایت کو پہنچ جاتی ہے۔ تو خدا تعالیٰ" "اُسے دیگر لوگوں کی تکمیل کیلئے مبعوث کرتا ہے اور معجزات سے اُسکی صداقت ظاہر کرتا ہے اور معجزہ کبھی تو جنس" "قول سے ہوتا ہے جیسے قرآن مجید اور کبھی جنسِ فعل سے جیسے انگلیوں سے پانی کا جاری ہو جانا اور اسکو ان" "(قولی و فعلی) معجزات کیساتھ عقلی نشانات بھی دیئے جاتے ہیں۔ جو خواص کیلئے موجب ایمان ہوتے ہیں" "جس طرح کہ معجزات عوام کے ایمان کا باعث ہوتے ہیں۔ وہ عقلی نشانات کئی قسم کے ہوتے ہیں ازانجملہ" "اخلاقِ کریمہ ہیں۔ اور علومِ صادقہ (و حقہ) بھی ہیں۔ اور بیان شافی اور حجتِ واضحہ بھی اور ازانجملہ انوارِ صحبت ہیں" "کہ جس طرح کمتر درجے والے (عام) لوگ معجزات سے (صداقتِ نبوّت پر) استدلال کرتے ہیں اسی طرح کامل لوگ ان" "کمالات سے استدلال کرتے ہیں خصوصاً جبکہ امراضِ روحانیہ کا علاج اور ناقص لوگوں کی تکمیل اور ہم صحبت لوگوں" "پر انوارِ ایمانیہ کی شعاعوں کا فیضان اُن سے مشاہدے میں آتا ہے بعض کی عقل بھی کرتی ہے جیسے خدا تعالیٰ" "کی ہستی اور اُسکی ذات و صفات کے (اقرار کے) متعلق بعض وقت وہ ایسی باتیں بیان کرتے ہیں۔ جن کو عقل" "بالاستقلال حاصل نہیں کرسکتی۔ مثلاً مخلوق کے متعلق خدا تعالیٰ کے روزانہ احکام (تکوینی) اور اعمال صالحہ" "پر ثواب اور بُرے اعمال پر عذاب و سزا کی تفصیلات نیز اُن افعال کا بیان کرنا جو بعض لوگوں کے نزدیک" "گاہے (ایک اعتبار سے) نیک شمار ہوتے ہیں۔ اور گاہے (دوسرے اعتبار سے) بُرے ہوتے ہیں پس اگر" "معجزات و نشاناتِ عقلیہ (مذکورہ بالا) کی تصدیق ہمراہ نہ ہو تو محض عقل خصوصاً عوام الناس کی عقل" "ان امور کا اعتبار نہ کرے۔ اور اُن کے مبعوث ہونیکا فائدہ متحقق نہ ہو (انتہیٰ مترجماً از تفسیر عزیزی)"

حافظ ابن حزم قرطبی رح نے کتاب الفصل میں امام غزالی رح نے مختلف کتب میں امام رازی رح نے تفسیر اور دیگر کتب میں اور شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ میں حقیقت نبوت کے متعلق نہایت مفید بحثیں لکھی ہیں لیکن شاہ عبدالعزیز رح کی مذکورہ بالا عبارت حقیقت وشانِ نبوت کے سمجھانے میں سہل اور جامع ہے اسلئے ہمنے اسی کو منتخب کیا ہے۔ رحمہم اللہ اجمعین۔

تفہیم جیسا کہ قاعدہ ہے کہ ہر سلسلے کی ابتدا بھی ہوتی ہے۔ اور انتہا بھی اسی طرح سلسلۂ نبوت کی ابتدا ابوالبشر آدم علیہ السلام سے ہوئی۔ اور اُسکی انتہا فخر عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوگئی۔ ان ہر دو انبیاء کے درمیان کتنے نبی اور رسول ہوئے ہیں اُسکی صحیح تعداد خداوند تعالےٰ کو معلوم ہے۔ جن روایتوں میں تعداد مذکور ہے۔ وہ سنداً صحیح نہیں۔ قرآن شریف میں صاف الفاظ میں فرمایا:۔

(۱) وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ (پ نحل)	(۱) اسمیں شک نہیں کہ ہمنے ہر اُمت میں رسول بھیجا۔ کہ صرف خدا کی بندگی کرو اور طاغوت سے الگ رہو۔
(۲) وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ مِنْهُم مَّن قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُم مَّن لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ (پ۲۴ مومن)	(۲) اسمیں بھی شک نہیں کہ ہمنے تجھسے پہلے کئی ایک رسول بھیجے انہیں سے بعض کا ذکر ہمنے تجھپر کردیا اور بعض کا نہیں کیا۔

پس جس نبی کا ذکر قرآن وحدیث میں مذکور ہے اسپر تفصیلی ایمان ہے اور جس کا نام مذکور نہیں، اسپر اجمالی ایمان چاہیئے۔ کہ اگر وہ نبی تھا۔ تو ہمارا اسپر ایمان ہے ورنہ خدا جانے ؎

سب انبیاء ورُسل پر ایمان رکھنا واجبات سے ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام سے آنحضرت خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم تک جسقدر انبیاء ورسل ہوئے اُن سب پر ایمان لانا اور اُنکو منجانب اللہ جاننا واجبات سے ہے اِن میں سے کسی ایک سے بھی انکار کرنا ویسا ہی کفر وضلالت ہے جیسا کہ سارے سلسلے سے انکار چنانچہ خدا تعالےٰ قوم مسلمین کو ارشاد فرماتا ہے:۔

قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِن رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ	(مسلمانو!) تم اقرار کرو کہ ہم خدا پر ایمان لائے، اور اُسپر بھی جو ہماری طرف اُتارا گیا۔ اور اسپر بھی جو ابراہیم اور اسمعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اولاد یعقوب پر اُتارا گیا۔ اور اُسپر بھی جو موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا۔ اور اُسپر بھی جو دیگر انبیاء کو ان کے رب کی

أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (بقرہ پ۱)

طرف سے دیا گیا۔ ہم اُن میں سے کسی میں بھی فرق نہیں کرتے اور ہم سب اُسی (ایک خدا) کے فرماں بردار ہیں"

دوسرے موقع پر اپنی ذاتِ خداوندی پر، اپنے رسول پاک (محمدؐ) پر اور آپ کی پاک کتاب (قرآن مجید) پر اور اُس سے پہلی کتابوں پر اور فرشتوں پر اور روزِ قیامت پر ایمان لانے کا حکم کیا۔ اور جو انکار کرے اُسے گمراہ قرار دیا۔ چنانچہ ارشاد ہے:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا (النساء پ۵)

"اُے ایمان لانیوالے لوگو! ایمان لاؤ خدا پر اور اُس کے رسول (محمدؐ) پر اور اُس کتاب پر جو اُس نے اپنے رسول (محمدؐ) پر نازل کی۔ اور اُس کتاب پر بھی جو اُس نے اُس سے پہلے نازل کی۔ اور جو شخص خدا سے اور اُس کے فرشتوں سے اور اُسکی کتابوں سے اور اُس کے رسولوں سے اور پچھلے دن (روزِ قیامت) سے کفر کرے تو (سمجھو کہ وہ (ایمان سے) نہایت دُور کی گمراہی میں پڑ گیا"

(۳) تیسرے موقع پر اس ضلالت (کفر) کو اختیار کرنے والے اور بعض انبیا کو ماننے اور بعض سے انکار کرنے والوں کو تحقیقی کافر قرار دیا۔ اور اُنکی نسبت خواری کے عذاب کی خبر دی۔ چنانچہ ارشاد ہے:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا (پ۶)

"بیشک وہ لوگ جو خدا سے اور اُس کے رسولوں سے کفر کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ (ایمان کے بارے میں خدا میں اور اس کے رسولوں میں تفریق کریں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض (انبیا) کو مانتے ہیں۔ اور بعض کو نہیں مانتے اور چاہتے ہیں۔ کہ اس کے درمیان ایک (نئی) راہ اختیار کریں **وہ لوگ سچ مچ کافر ہیں** اور ہمنے اِن کفار کے لئے نہایت خوار کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے"

توضیح اِس آیت میں کفر کی کئی ایک صورتیں بیان کی گئی ہیں جو کسی اور مقام پر یکجا بیان نہیں ہوئیں۔ ہم اُن کو واضح کرنے کیلئے نمبروار بیان کرتے ہیں"

۱- خدائے تعالےٰ اور اُس کے پیغمبروں ہر دو سے انکار، جو ہمارے نزدیک دہریّہ لوگوں کا مسلک ہے کہ وہ نہ ذات حق کے قائل اور نہ اُس کے رسولوں کے معتقد۔

۲- امرِ ایمان میں خدائے تعالےٰ اور اُس کے پیغمبروں میں تفریق کرنا یعنے خدائے تعالےٰ پر تو ایمان رکھنا، لیکن اُس کے پیغمبروں سے انکار کرنا۔ اسکی مثال میں ہم آریوں کو پیش کر سکتے ہیں۔ کہ وہ ذاتِ حق کے تو قائل ہیں۔ لیکن سلسلۂ نبوّت کے قائل نہیں۔ چنانچہ امام رازیؒ فرماتے ہیں:- ای یریدون ان یفرقوا بین الایمان باللہ ورسلہ یعنے وہ یہ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے میں خدائے تعالےٰ اور اُس کے رسولوں میں جُدائی کریں۔ اور علامہ زمخشری کہتے ہیں۔ الذین اٰمنوا باللہ وکفروا برسلہ یعنے جن لوگوں نے خدائے تعالےٰ کو مانا اور اُس کے پیغمبروں سے انکار کیا وہ سب کافر ہیں۔

۳- بعض انبیاء کو ماننا اور بعض کو نہ ماننا، اس طریق پر یہود و نصاریٰ ہیں۔ کہ وہ بعض کو مانتے ہیں۔ اور بعض کو نہیں مانتے، مثلاً یہود آنحضرت صلعم کو اور حضرت عیسےٰؑ کو اور حضرت یحییٰؑ کو اور حضرت زکریاؑ کو نہیں مانتے، اور نصاریٰ آنحضرت صلعم کو، اور بعض دیگر انبیا کو نہیں مانتے۔

۴- کفر اور ایمان کے درمیان ایک تیسری راہ اختیار کرنا، کہ نہ صریحاً کفر و تکذیب پائی جائے اور نہ ایمان و تصدیق کی حقیقت کا اظہار ہو۔

اسکی صورت ہمارے ذہن میں یہ آتی ہے۔ کہ کسی خاص نبی مثلاً آنحضرت صلعم یا سلسلۂ نبوت کی تکذیب و تحقیر نہ کی جائے۔ بلکہ اُن کی اصلاح کو قدر دانی کی نظر سے دیکھا جائے، اور اُن کی تعلیم کی تحسین کرتے ہوئے اُن کی شخصیت کی تعریف کی جائے، اور اُن کو تعظیم و تکریم سے یاد کیا جائے، اور اُن سے خصوصی عقیدت کے بغیر جہاں تک ہو سکے اپنی اصلاح بھی کر لی جائے۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو یا کسی اور پیغمبر برحق کو یا سارے سلسلۂ انبیاء کو اپنے اپنے وقت کے ریفارمر اور مصلح تو جانا جائے، لیکن اُن کی نسبت اِس اعتقاد کو ضروری نہ جانا جائے، کہ وہ خدائے تعالےٰ کے رسول ہیں اور اُن کی تعلیم خدا کی طرف سے نازل شدہ ہے جسکی پیروی ہر مکلّف پر واجب ہے۔ اور اُن کو خدائے تعالےٰ اور اُس کے بندگان کے درمیان سفیر اور قبولیّتِ اعمال کے لئے ضروری واسطہ و ذریعہ نہ سمجھا جائے۔ اور سب سے الگ ہو کر

اُن کے مصدقین کے زمرہ میں شامل نہ ہوں - اور اُن پر ایمان لانے اور اُنکی اطاعت کو نجات اخروی کے لئے ضروری ولازم نہ سمجھیں -

یہ ایک ایسی راہ ہے - جو نہ ظاہر الکفر و تکذیب ہے - اور نہ اس میں ایمان و تصدیق کی حقیقت پائی جاتی ہے - اسکی مثال میں ہم یورپ کے اکثر مستشرقوں کو اور اپنے مُلک کے برہم سماجیوں کو پیش کر سکتے ہیں - جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بغایت تعریف کرتے ہیں - اور آپکی اصلاح کو نظرِ عزت سے بھی دیکھتے ہیں اور آپ کو دنیا بھر کا بزرگترین مصلح بھی جانتے ہیں - لیکن نہ تو خود مسلمان اور آپ کے اُمتی کہلاتے ہیں - اور نہ آپ کے دعوے رسالتِ الٰہی کی تصدیق کرتے ہیں -

آیتِ مذکورہ بالا میں اِن ہر چہار اصناف کی نسبت فرمایا اُولٰئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا یعنی یہ سب لوگ پیچ مچ کے کافر ہیں - یعنے اُن کے کافر ہونے میں کچھ بھی شک نہیں - وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا یعنے ہمنے اِن سب کفار کے لئے سخت خوار کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے -

(۱) پہلی جماعت یعنے خدا تعالےٰ اور حضرات انبیاء علیہم السلام کے منکروں دلمحدوں اور دہریوں) کے کافر ہونے میں کیا کلام ہے - کسی مُوجد کے بغیر کسی ایجاد کو موجود ماننا عقل کے پیچھے لٹھ لیکر پھرنا - بلکہ عقل سے بے بہرہ ہونا نہیں تو اور کیا ہے؟ کیونکہ دلالتِ عقلی کی ایک صورت یہ ہے کہ مصنوعات سے صانع کے وجود پر استدلال کیا جائے - چنانچہ فرمایا :-

وَ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ○ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ (پ ۲ بقرہ)[۱]

تمہارا معبود بس ایک ہی معبود ہے سوائے اُس رحمٰن و رحیم کے کوئی دوسرا لائق عبادت نہیں ہے - بیشک زمین و آسمان کی پیدائش میں اور رات اور دن کے اختلاف میں اور کشتیوں میں جو دریا میں لوگوں کے نفع کی اشیاء لیکر چلتی ہیں اور بارش میں جسے خدا تعالےٰ آسمان کی طرف سے نازل کرتا ہے تو اس سے زمین کو اسکی موت کے بعد زندہ کر دیتا ہے اور اسمیں ہر قسم کے جانور بکھیر دیا ہے اور مختلف قسم اور اطراف کی ہواؤں کے پھیرنے میں اور بادل میں جو آسمان و زمین کے درمیان ٹھیرایا ہوتا ہے البتہ نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں -

[۱] اس آیت کی پوری تفسیر مع مفصل کوائف و وجوہات کے اس کے اپنے موقع پر یعنے دوسرے پارے میں بیان کی گئی ہے - جس بیاض تیار ہے - لیکن ابھی طبع کی نوبت نہیں آئی - وہ بیان ایسا لطیف ہے کہ خدا کے فضل سے ناظرین کے دماغ روشن اور سینے ٹھنڈے ہو جائینگے - اور وہ خود ہزار جان سے قرآن شریف کے اسلوبِ بیان کے عاشق ہو جائینگے - وما توفیقی الا باللہ ۱۲ منہ

اِس آیت میں بعضِ مصنوعاتِ عالم کو پیش کر کے فرمایا ہے کہ اِن میں عقل کے استعمال کرنے والوں کے لئے ذاتِ برحق کے موجود ہونے، اور اُسکی توحیدِ الوہیت اور اُس کے رحمٰن و رحیم ہونے کے دلائل ونشانات ہیں۔ ایسی دلیل کو منطقی علماء برہانِ اِنّ کہتے ہیں جو دنیا کو مخلوق و مصنوع مانکر اُس کے خالق وصانع سے اِنکار کرنا، اِس امر کے کفر ہونے میں کیا کلام ہوسکتا ہے؟

(۲) دوسری قسم کے لوگوں کے کافر ہونے کی یہ وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو جملہ موجوداتِ عالم کا خالق و مالک جانکر اور اس کے نظامِ تربیت کو مان کر سلسلۂ نبوت سے انکار کرنا جس پر روحانی تربیت کا انحصار ہے۔ خدائے حکیم کے سارے کارخانۂ قدرت کو بیکاری کا شغل سمجھنا ہے۔ اور یہ صریحاً کفر ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ط ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (ص پ ۲۳)	اور ہمنے آسمان اور زمین کو باطل (بیکار) نہیں بنایا۔ یہ اُن لوگوں کا گمان ہے جو کافر ہو گئے۔

اسکی توضیح دنیا دار الاسباب ہے، جس طرح خدا تعالیٰ نے اُسکی جسمانی پیدائش و پرورش کے لئے جسمانی اسباب بنائے ہیں۔ اُس طرح انسانوں کی روحانی تربیت کے لئے انبیاء علیہم السلام کو تہذیب اخلاق اور ہدایت کا سبب بنایا ہے۔ اگر ان کو تسلیم نہ کیا جائے تو انسان اور بہائم میں تمیز نہ رہے۔ دنیا میں جسقدر بھی خلاقی یا روحانی برکات پائی جاتی ہیں وہ سب حضرت انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کے اثر سے ہیں۔ اور اُن کا وجود قلبی نورانیت کے لئے ویسا ہی ضروری ہے۔ جیسا کہ جسمانی نورانیت کے لئے آفتاب کا۔ جو لوگ خدا کی اِس نعمت سے متمتع نہیں ہوتے، اور انسانی پیدائش کی غرض وغایت محض تمتعاتِ دنیویہ میں منہمک رہنا اور انہی میں ترقی حاصل کرنا سمجھتے ہیں۔ ان کی نسبت فرمایا:۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ (پ)	اور جو لوگ کافر ہوگئے وہ (اسباب دنیا سے) فائدے اٹھاتے اور کھاتے ہیں جس طرح کھاتے ہیں چوپائے۔ اور اُنکا ٹھکانا جہنم ہوگا۔

تذکیر نظامِ نبوت کے اثبات کے لئے نظامِ دنیویہ سے استدلال کرنے کی کیفیت وضاحت ہم سابقاً صفحہ ۱۲۵ پر ربِّ العٰلمین کی تفسیر کے ضمن میں کرچکے ہیں۔

(۳) تیسری قسم کے لوگوں کے کافر ہونے کی وجہ یہ ہے۔ کہ جملہ انبیاء علیہم السلام خدا کے پیغمبر ہونے میں ایک جیسے ہیں ذاتِ حق سے جو نسبت و مناسبت ایک کو ہے وہی دوسرے کو ہے اُن میں سے کسی ایک کی نسبت سے انکار کرنا ویسا ہی کفر ہے جیسا کہ سب کی نسبت سے انکار کرنا۔ کیونکہ سب کی

نسبت ایک ہے پس انمیں یہ تفریق کرنا کہ بعض کو مان لیا جائے۔ اور بعض کو نہ مانا جائے۔ درست نہیں۔ اِسی لئے قرآن مجید میں سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران میں لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ کے بعد وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ کہکر اس نکتے کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ کہ چونکہ وہ سب خدا کے رسول ہیں اور ہم اُسی (خدا) کے حکم بردار ہیں۔ اسلئے ہم اُن سب کا اقرار کرتے ہیں۔ جنکے اسمائے گرامی معلوم ہیں انکو تو صراحتًا اُن کے اسمار سے اور جنکی شخصیت معلوم نہیں۔ اُن کو اُن کے وصف سے یعنے اجمالاً یوں کہتے ہیں کہ اگر وہ خدا کے رسول تھے۔ تو ہمارا ایمان ہے۔ ورنہ نہیں۔

مسلمان ہونے میں ایمانی ترقی

یہ عقیدہ صورتِ واقعی کے رُو سے سوائے اُمتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا السلام والتحیہ) کے دنیا کی کسی دیگر ملت میں نہیں پایا جاتا۔ باقی تمام مذاہب سلسلۂ نبوت کو مانتے ہوئے بھی بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے۔ جیساکہ ہم اوپر یہود و نصاریٰ کو مثال میں پیش کرکے بیان کر چکے ہیں۔ پھر غضب یہ کہ جن کو انہوں نے خدا کے رسول اعتقاد بھی کر لیا ہے۔ انہیں غیر معصوم جانتے ہیں گویا کہ خدا کی وحی کے امین انبیاء۴ اور وہ اُمتی جنکی اصلاح کے لئے وہ مبعوث ہوئے، معاذ اللہ خدا تعالےٰ کے احکام سے عمدًا بے پرواہ ہو جانے میں برابر ہیں۔ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ۔

لیکن انکے مقابلے میں ہم مسلمان (اُمتِ محمدیہ ۴) شروعِ سلسلہ یعنے آدم ۴ سے لیکر آخرِ سلسلہ یعنے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک سب انبیاء کو برحق جانتے ہوئے سب کو اُن احکامِ خداوندی کی خلاف ورزی سے بالکل معصوم مانتے ہیں۔ جنکی تبلیغ کے لئے وہ مبعوث ہوئے۔ اور اُن جملہ گناہوں سے پاک صاف جانتے ہیں۔ جنکی اصلاح کے لئے وہ نبی بنائے گئے، پس نبوتِ محمدیہ کی تصدیق میں یہ مزیّت ہے کہ اِس میں ہر اُس نبی کی تصدیق لازم ہے جو کسی زمانے میں بھی، اور کسی قوم میں بھی، مبعوث ہوا، اور ہر اُس تعلیم پر ایمان لانا واجب ہے۔ جو کسی نبی پر کسی زبان میں بھی نازل ہوئی۔ اور ہمارے ہاں اِس امر میں آنحضرت صلعم پر اور قرآن مجید پر ایمان لانے میں اور آنحضرت صلعم کے ادب و تعظیم میں اور کسی دیگر نبی پر ایمان لانے اور اس کے ادب و تعظیم اور اسکی تعلیم و کتاب پر ایمان لانے میں ذرہ بھر بھی فرق نہیں ہے۔ چنانچہ فرمایا:-

وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ (بقرہ پ)	اور جو ایمان رکھتے ہیں اُسپر جو (اے پیغمبر) تمپر اُتارا گیا اور جو تم سے پہلے (دیگر انبیاء پر) اُتارا گیا

اِسکی توضیح میں یہ بھی سمجھ لیجئے۔ کہ اگر کوئی عیسائی مسلمان ہو جائے۔ تو چونکہ حضرت عیسےٰؑ خدا کے سچے رسول ہیں۔ اور خدا کی طرف سے اُن پر کتاب انجیل اُتری۔ اسلئے اُسے نبوت محمدیہ کا اقرار کرتے ہوئے حضرت عیسےٰؑ اور انجیل سے برگشتہ ہونا نہیں پڑے گا:

اسی طرح کوئی یہودی مسلمان ہونو اُسے حضرت موسیٰؑ اور توریت سے منحرف نہیں ہونا پڑے گا۔ بلکہ اِن سب کی نبوّت کی تصدیق پر بحال رہکر مکمل سلسلہ نبوت پر اپنے ایمان کو پورا کرنا ہوگا۔ جو ترقی کا درجہ ہے۔ اور اگر خدانخواستہ ہم مسلمان آریہ ہوجائیں۔ تو معاذاللہ خداتعالیٰ کی بعض صفات مثلاً خاتمیّت اور جملہ پیغمبروں اور اُس کے فرشتوں اور اُسکی جملہ کتابوں (توریت، زبور، انجیل اور قرآن شریف) سے انکار کرنا پڑے گا، اور اسی طرح یہود و نصاریٰ ہوجانے کی صورت میں بھی بعض انبیاء سے جنسے یہود انکار کرتے ہیں۔ خصوصاً سیدالمرسلین صلعم سے جنکی خبر خود موسیٰ علیہ السلام دیگئے ہیں۔ انکار کرنا پڑے گا۔ اوراسی طرح نصارے ہوجانے کی حالت میں اصل ایمان یعنے توحید الٰہی کی بجائے تثلیث کا قائل ہونا پڑے گا۔ اور اُن پیغمبروں سے جن سے عیسائی انکار کرتے ہیں۔ بالخصوص خاتم النّبیین صلعم سے جنکی خوشخبری خود حضرت عیسےٰ علیہ السلام دیگئے ہیں۔ انکار کرنا پڑے گا۔ اِن ہرسہ مذاہب میں داخل ہونے سے ایمان میں ترقی کیا اُلٹا تنزّل ہوگا۔ اور یہ ایمان کیا ہوگا؟ ایک مجموعہ کفریات ہوجائیگا۔ نعوذ باللہ من ذالک

پس ایمانی کمال و ترقی نبوتِ محمدیہ کی تصدیق میں ہے۔ نہ کہ کسی اور مذہب میں اور یہ مذہبی دنیا پر آنحضرت صلعم کا بڑا بھاری احسان ہے۔ اور کمال درجے کی رواداری اور فراخدلی اور حق پسندی ہے۔ کہ کسی صداقت سے بھی جو دنیا کے کسی گوشے میں کسی زمانے میں بھی خدا کی طرف سے نازل ہوئی انکار نہیں کیا اور اپنے پیرؤں کے دل میں تعصّب و ضدّ کو ہرگز داخل نہیں ہونے دیا۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَۃِ ط

تفہیم کم علمی اور کوتاہ فہمی بھی ایک آفت ہے۔ کہ اِس سے کسی شئے کی حقیقت اُس کے اپنے درجے پر نہیں سمجھی جاسکتی۔ اور اگر زیغ قلبی بھی ساتھ شامل ہوجائے۔ تو آفت پر آفت سوار ہوجاتی ہے۔ اور انسان کے لئے ہدایت کا رستہ بند ہوجاتا ہے۔ یہی حال اُس گروہ کا ہے۔ جو اپنے آپ کو اہل قرآن کہتے ہیں۔ اور آنحضرت صلعم کو قرآن شریف سے جُدا رکھکر اُس کے

معانی وتفسیر کو اپنی رائے اور خواہش کے سانچے میں ڈھالنا چاہتے ہیں وہ آنحضرت صلعم کو قرآن شریف کے خدا کی طرف سے نازل ہونے میں تو واسطہ جانتے ہیں لیکن اس کے معانی وتفسیر اور مراد الٰہی کے تقرر کے لئے واسطہ نہیں گردانتے گویا کہ آنحضرت صلعم پر تفہیم معانی کے بغیر محض الفاظِ قرآنی کی وحی ہوتی تھی۔ اور خدا تعالیٰ آپ کو اپنی مراد نہیں سمجھاتا تھا۔ اس کی مثال تو معاذ اللہ یہی ہوئی۔ کہ کوئی مسجد نشین مُلّا کسی بچے کو محض الفاظِ قرآنی پڑھا دے۔ یا حفظ کرا دے!

اس خیال نے ان لوگوں کو ایسا پھسلایا کہ نصوصِ قرآنیہ پر بھی نہ ٹھیر سکے۔ اسکی مثال یہ دیکھئے۔ کہ انہوں نے کہیں قرآن شریف میں لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ط دیکھ لیا۔ اور ادھر مسلمانوں کی زبانی سن لیا کہ وہ آنحضرت صلعم کو تمام انبیاء سے افضل جانتے ہیں۔ جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ تو چونکہ یہ لوگ حدیث نبوی کو نہیں مانتے اسلئے انہوں نے ان احادیث کو اور آنحضرتؐ کی فضیلت کلی کو اس آیت لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ کے خلاف سمجھکر اس سے انکار کر دیا۔ اور یہ نہ سمجھے کہ تفاضلِ انبیاء کا مسئلہ تو نصِ قرآنی میں دو جگہ مذکور ہے۔ یعنی تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (بقرہ پ۳) میں اور وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ (بنی اسرائیل پ۱۵) میں یعنے ہمنے بعض انبیا کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ تو اگر تفاضلِ انبیاء کا مسئلہ آیت لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ط کے مقتضٰے کے خلاف ہے۔ تو جن آیات مذکورہ بالا میں تفاضلِ انبیاء کو بالصراحتہ ذکر کیا گیا ہے۔ اُن کا مطلب کیا ہوگا؟ اور یہ آیت اُن سے کس طرح جمع ہوسکیگی؟ پھر تو معاذ اللہ آیاتِ قرآنیہ میں صریح اختلاف ہوگا۔ جو اسے کلام الٰہی ہونے سے گرا دے گا۔ چنانچہ فرمایا:۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا (النساء پ۵)	تو کیا یہ لوگ قرآن میں سوچ نہیں کرتے۔ اگر یہ قرآن خدا کے سوا کسی اَور کی طرف سے ہوتا تو یہ لوگ اسمیں بہت اختلاف پاتے (لیکن اسمیں تو مطلقاً اختلاف نہیں ہے)

فہم سلیم ہو اور طبع مستقیم ہو تو اس مسئلے کا حل یوں ہے کہ سب نصوصِ قرآنیہ اور حدیثیہ کو اپنے اپنے محل پر رکھا جائے۔ اِسکی صورت یوں ہے۔ کہ آیت لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ط میں مسئلہ تفاضلِ انبیاء ملحوظ نہیں ہے۔ بلکہ اسمیں جس تفریق کی نفی کیگئی ہے وہ وصف ایمان کے متعلق

ہے۔ کہ بعض انبیاء کو مانا جائے۔ اور بعض کو نہ مانا جائے، جیسا کہ چھٹے پارے کی آیت میں جس کی توضیح میں ہم یہ طویل تقریریں لکھ رہے ہیں۔ صاف مذکور ہے۔ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ (پ۶) یعنے کہتے ہیں۔ کہ ہم بعض کو مانتے ہیں۔ اور بعض کو نہیں مانتے۔ پس تفریق بین الرسل دیگر امر ہے۔ اور تفاضلِ انبیاء دیگر امر ہے۔ اور اختلاف و تناقض ایک ہی امر پر نفی و اثبات کے اختلاف سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ یہ مسئلہ کتبِ منطق میں مع شرائط کے مفصل مذکور ہے۔ پس ہر ایک آیت اور ہر ایک مسئلہ اپنے اپنے حال پر قائم ہے۔ اور درست ہے۔ والحمد للہ۔

اور جب تفاضلِ انبیاء، نصِ قرآنی سے ثابت ہوگیا۔ تو کوئی ایک فرد ایسا بھی ماننا پڑے گا۔ جو سب سے افضل ہو۔ اور وہ آنحضرت صلعم ہیں۔ جیسا کہ احادیث صحیحہ میں آچکا ہے[۱] پس وہ احادیث بھی اپنے حال پر قائم ہیں اور سب درست اور صحیح ہیں۔

اسکی توضیح یوں ہے۔ کہ فضیلت دو قسم پر ہے۔ جزوی اور کلی جزوی تو افرادِ انبیاء میں منتشر ہے۔ کوئی نبی کسی امر میں خاص فضیلت رکھتا ہے۔ اور کوئی کسی دیگر میں لیکن **فضیلت کلی** بوجہ تکمیلِ شریعت، اور کمالاتِ علمیہ و عملیہ، اور عمومِ دعوت اور ختمِ نبوت اور حفاظتِ قرآن اور بقائے فیض اور آپؐ کی سنت و شریعت کے تبدیل و تحریف سے محفوظ رہنے کی وجہ سے **ذاتِ اقدس** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے۔ اور اس کا مجمل ذکر تفاضلِ انبیاء والی آیت میں بھی مذکور ہے چنانچہ فرمایا۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ مِّنْهُم مَّن كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ (بقرہ پ۳)	یہ پیغمبر (جنکا ذکر اوپر ہوا) ہمنے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی انہیں سے بعض سے تو خدا نے کلام کیا اور بعض کے درجات بلند کردیئے اور عیسیٰؑ بن مریم کو ہمنے روشن نشانات دیئے۔

اِس آیت میں تفاضلِ انبیاء کے ذکر کے بعد موسےٰ کے لئے کلام اور عیسےٰ کیلئے معجزات کا ذکر کیا یعنے حضرت موسےٰ اور حضرت عیسےٰ کے لئے ایک ایک وجہِ فضیلت کا ذکر کیا ہے۔ جو فضیلتِ جزوی پر دلالت کرتا ہے۔ لیکن ایک فردِ خاص کے لئے بغیر ذکرِ اسم کے فرمایا۔ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ اسمیں نہ تو کسی خاص جزوی امر کا ذکر ہے۔ اور نہ درجات کی تحدید ہے۔ اور یہ امر فردِ اکمل کیلئے ہی ہوسکتا ہے۔ اور فردِ اکمل کی پہچان کے لئے اُس کے اسم کی تصریح ضروری نہیں ہوتی۔ بلکہ اُس کا

[۱] مشکوٰۃ شریف باب فضائل سید المرسلین صلعم میں بعض احادیث مذکور ہیں ۱۲ منہ

وصفِ عنوانی ایسا معروف اور طبائع میں ایسا مرکوز ہوتا ہے۔ کہ ذہن اس کے سوائے کسی اَور طرف نہیں جا سکتا۔ چنانچہ خدا تعالےٰ نے خطاب اور ندا کے متعلق آنحضرت صلعم کی نسبت اِس امر کو خصوصیت سے ملحوظ رکھا ہے۔ آدم علیہ السّلام سے حضرت عیسےٰ علیہ السّلام تک بہت سے جلیل القدر انبیاء کو لفظ یا سے خطاب اور اُن کا نام نامی بالصراحت ذکر کیا ہے۔

(۱) چنانچہ آدمؑ کی نسبت فرمایا:۔ وَقُلْنَا یٰاٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّۃَ (بقرہ پ)

(۲) حضرت نوحؑ کی نسبت فرمایا:۔ یٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَکٰتٍ عَلَیْکَ وَعَلٰٓی اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَکَ (ہود پ۱۲)

(۳) حضرت ابراہیمؑ کی نسبت فرمایا:۔ یٰٓاِبْرٰهِیْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا (ہود پ۱۲)

(۴) حضرت موسےٰؑ کی نسبت فرمایا:۔ یٰمُوْسٰٓی اِنِّی اصْطَفَیْتُکَ عَلَی النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیْ وَبِکَلَامِیْ (اعراف پ۹)

(۵) حضرت عیسےٰؑ کی نسبت فرمایا:۔ اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ (پ)

اِن آیات میں حرف ندا کے ساتھ اسماء کی تصریح ہے۔

لیکن آنحضرت صلےٰ اللہ علیہ وسلم کی نسبت ایک جگہ بھی یا محمّدُ کر کے نہیں کہا۔ بلکہ جہاں کہیں آپ کیلئے حرفِ ندا ذکر کیا ہے تو آپ کے عہدہ نبیؐ اور رسُول پر ذکر کیا ہے۔

(۱) چنانچہ فرمایا:۔ یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ لَا یَحْزُنْکَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْکُفْرِ (مائدہ پ۶)

(۲) نیز فرمایا:۔ یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ (مائدہ پ۶)

(۳) نیز فرمایا:۔ یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْکٰفِرِیْنَ (احزاب پ۲۱)

(۴) نیز فرمایا:۔ یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ (احزاب پ۲۱)

(۵) نیز فرمایا:۔ یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ۝ وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا (احزاب پ۲۲)

(۶) نیز فرمایا:۔ یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَکَ (احزاب پ۲۲)

(۷) نیز فرمایا:۔ یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ وَبَنٰتِکَ (احزاب پ۲۲)

(۸) نیز فرمایا:۔ یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَکَ الْمُؤْمِنٰتُ (ممتحنہ پ۲۸)

(۹) نمبر ۱- یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ (طلاق پ)

(۱۰) نمبر ۱- یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ (تحریم پ)

یہ دس مقامات ہیں جن میں آنحضرت صلعم کو نبی اور رسول کے وصف سے ندا کیگئی ہے اور قرآن شریف میں ایک مقام بھی نہیں جس میں آپ کا اسم پاک ذکر کرکے یا محمدُ یا یا احمدُ کرکے پکارا ہو۔ ہمنے یہ سب مقامات اسلئے ذکر دیئے ہیں کہ اس التزام میں پایا جاتا ہے۔ کہ خدا تعالےٰ نے ندا کے وقت اس امر کو خصوصیت سے ملحوظ رکھا ہے۔ اگر ایک آدھ موقع پر ہوتا تو شائد کوئی کہدیتا کہ یہ اتفاقی بات ہے۔ لیکن اس کثرت سے ایک بات کا التزام متکلم کی نظر میں خصوصیت کے ساتھ ملحوظ ہونے کی دلیل ہے۔

منادی معرف باللام کی خصوصیت

جب کسی ایسے اسم کو منادیٰ بنایا جائے جس پر الف لام تعریفی داخل ہو تو اُس اسم اور یا حرفِ ندا کے درمیان اَیُّ (اسم مبہم) اور کلمہ ھا زیادہ کیا جاتا ہے یہ کلمۂ ھا حسب موقع خاص خاص فائدے کے لئے ہوتا ہے۔ اگر وہ اسم صفت کا صیغہ ہو اور وہ صفت کسی اچھے وصف پر دلالت کرتی ہو تو کلمۂ ھا منادی کی تعظیم یا محبوبیت یا شفقت پر (جیسا کہ موقع ہو) دلالت کرتا ہے۔ جیسے یٰٓاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ اور یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ اور وَتُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰہِ جَمِیْعًا اَیُّہَ الْمُؤْمِنُوْنَ (نور پ) اسی قبیل سے ہے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ اور اگر وہ صفت کسی بُرے وصف پر دلالت کرتی ہو۔ تو یہ کلمہ ھا منادیٰ کی زجر و توبیخ کے لئے ہوتا ہے۔ جیسے قُلْ اَفَغَیْرَ اللّٰہِ تَاْمُرُوْٓنِّیْٓ اَعْبُدُ اَیُّھَا الْجٰھِلُوْنَ (زمر پ) یعنے (اے پیغمبر! ان لوگوں سے) کہدو۔ کہ اے نادان لوگو! کیا تم مجھے یہ امر کرتے ہو کہ میں خدا کے سوا کسی اور کی عبادت کروں؟ نیز قُلْ یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ اور اسی قبیل سے ہے۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْیَوْمَ (تحریم پ) اور اگر منادیٰ معرف باللام غافل و بیخبر ہو تو کلمۂ ھا اُسے تنبیہ کرنے اور خبردار و ہشیار کرنے کے لئے لایا جاتا ہے۔ جیسے یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمْ (بقرہ پ) یعنے اے غافل لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو اور قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا (اعراف پ۹) یعنی اے نبی! ان سے کہدو کہ اے تمام لوگو! (تم سب کو اطلاع ہو کہ) میں تم سب کی طرف خدا کا پیغمبر ہوں۔

رجوع بمطلب

چونکہ مقاماتِ عشرہ مذکورہ بالا میں یعنے یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ اور یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ

خطاب والی آیات میں رسولؐ اور نبیؐ صفت کے صیغے ہیں۔ اور رسالت الٰہی اور نبوت نہایت عظمت وعزت کا درجہ ہے۔ اور کسی مخلوق کے لئے اِس سے بڑھ کر کوئی مرتبہ نہیں ہے۔ اسلئے حسب تشریح بالا اِن آیات میں کلمۂ ھا عظمتِ شان اور جلالتِ قدر کیلئے ہوگا۔ اور ان کے معنے ہونگے

اے عظیم الشان رسولؐ! اور اے جلیل القدر نبیؐ!

نتیجۂ تفصیل اس تطویل وتفصیل سے غرض یہ ہے کہ آیت رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ط میں بَعْضَهُمْ سے مراد بنا برآپ کے فردِ اکمل ہونے کے ذاتِ اقدسِ آنحضرت صلعم ہے۔ چنانچہ علّامہ زمخشری رحنے جو علومِ ادبیہ میں مسلّم امام ہیں۔ اس آیت کے ذیل میں علمِ بلاغت کے اِس نکتے کو ملحوظ رکھکر۔ فردِ اکمل کے نام کی تصریح ضروری نہیں ہوتی بہت طویل عبارت لکھی ہے۔ ہم بنظرِ اختصار اُس میں سے بعض اقتباسات نقل کرتے ہیں

(۱) والظاھر انہ اراد محمّدا صلّے اللّٰہ علیہ وسلّم لانہ ھو المفضّل علیھم الخ

اور ظاہر یہ ہے۔ کہ اسجگہ آنحضرت صلعم مراد ہیں۔ کیونکہ آپ سب انبیاء سے افضل ہیں۔

(۲) وفی ھذا الابھام من تفخیم فضلہ واعلاء قدرہٖ مالا یخفی لما فیہ من الشھادۃ علیٰ انہ العلم الذی لایشتبہ والمتمیز الذی لایلتبس الخ

(۲) اور اس عدم تصریح میں آپ کی فضیلت کی عظمت ہے اور آپ کی قدر کی ایسی بلندی ہے۔ جو پوشیدہ نہیں کیونکہ اِس میں اس امر کی شہادت ہے۔ کہ آپ ایسے مخصوص فرد ہیں جو مشتبہ نہیں ہوسکتا۔ اور ایسی متمیز وممتاز ہیں کہ التباس نہیں ہوسکتا

(۳) فیکون افخم من التصریح بہ وانوہ لصاحبہ الخ (کشاف جلد اول ص۲۲۲)

(۳) پس ایسا ذکر کرنا تصریح سے بڑھکر شان والا ہے۔ اور اسکی صاحب یعنے آنحضرت صلعم کے حق میں زیادہ رفعت والا ہے۔

اِسی طرح علامہ ابو السعود رحہ بھی یہ ذکر کرنے کے بعدکہ اس آیت میں بَعْضَهُمْ سے مراد رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے۔ فرماتے ہیں:۔

والابھام لتفخیم شانہ وللاشعار بانہ العلم الفرد الغنی عن التعیین (جلد دوم ص۲۰۲)

اور غیر مصرح ذکر کرنا آپ کی عظمتِ شان کے لئے ہے اور یہ معلوم کرانے کے لئے کہ آپ ایسے خاص فرد ہیں جسے تعین کی حاجت نہیں۔

تائید مزید جو وجوہِ سیادت سابقاً ص۲۷۱ پر مذکور ہو چکے ہیں۔ یعنے تکمیلِ شریعت وعمومِ دعوت وختمِ نبوت وغیرہا اُن کے علاوہ یہاں پر دو امر اور بیان کئے جاتے ہیں کیونکہ وہ بھی نہایت دلچسپ ہیں۔

اوّل یہ کہ اصل سیادت (سرداری) یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کے ہاں قرب ومنزلت سب سے زیادہ ہو

سو یہ بات آنحضرت صلعم کی نسبت قرآن مجید میں خصوصیت سے مذکور ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (پ ۱۵) (اے پیغمبر!) قریب ہے کہ تمکو تمہارا پروردگار مقام محمود میں کھڑا کریگا۔

اس آیت میں آنحضرت صلعم کو مقام محمود میں کھڑا کرنے کا وعدہ ہے۔ اور اس میں آپ کے اسم پاک محمدؐ اور احمدؐ کی مناسبت ہے۔ اور یہ بھی ملحوظ ہے کہ قیامت کے دن آپ اس مقام میں خدا تعالیٰ کی حمد بیش ازبیش کرینگے۔ اور یہ مقام صرف آپ کی ذات گرامی کے لئے مخصوص ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری وغیرہ میں وارد ہے۔ نیز فرمایا:۔ وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی (والضحیٰ پ ۳۰) یعنے (اے پیغمبر!) ضرور ہے کہ تمکو تمہارا رب عطا کرے گا، پس تم راضی ہو جاؤ گے۔

اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ عطا کرنے کا وعدہ ہے، اور اُسپر آنحضرت صلعم کے راضی ہونے کی خبر بھی ہے۔ سو اس میں اوّل تو یہ دیکھنا چاہیئے کہ یُعْطِیْكَ کا مفعول ثانی مذکور نہیں۔ یعنے یہ ذکر نہیں کیا۔ کہ کیا چیز عطا کیجائیگی، اِسکی وجہ یہ ہے کہ ایسے موقع پر مفعول ثانی بدو وجہ حذف کردیا جاتا ہے اوّل اس وجہ سے کہ وہ شئے متکلم و مخاطب ہر دو کے نزدیک معلوم و مقرر ہوتی ہے۔ پس ذکر کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اِسے معہود ذہنی کہتے ہیں۔ دوم اسوجہ سے کہ اگر مفعول ثانی کو ذکر کردیا جائے۔ تو وہ چیز متعین ہو جاتی ہے۔ اور وعدہ اُسی کے متعلق رہتا ہے۔ لیکن اگر حذف کردیا جائے۔ تو فائدہ عموم کا دیتا ہے۔ جیسا کہ کتب بلاغت (مطول وغیرہ) میں مذکور ہے۔

پس اگر اِس آیت میں پہلی وجہ سمجھی جائے۔ تو خود آنحضرت صلعم کے بیان کے مطابق اِس عطا سے مراد مرتبہ شفاعت ہے۔ اور اگر حذف کی دوسری وجہ سمجھی جائے۔ تو بے نہایت عطایا کا ملنا ثابت ہوتا ہے۔ پس بہر دو وجہ ہمارا مقصود صاف ثابت ہے۔ کہ آنحضرت صلعم کی قدر و منزلت خدا کے ہاں سب سے زیادہ ہے۔ اِسی معنے میں آنحضرت صلعم فرماتے ہیں۔ اَنَا اَکْرَمُ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ عَلَی اللّٰہِ وَلَا فَخْرَ (مشکوٰۃ صفحہ ۵۱۳) یعنی میری قدر و منزلت خدا کے نزدیک سب اوّلین و آخرین سے بڑھکر ہے اور میں اسپر فخر نہیں کرتا (کیونکہ یہ اُس کا فضل ہے) دیگر یہ کہ اس آیت میں فَتَرْضٰی پر فَ کا لانا اس بات کی دلیل ہے کہ ترضٰی اُس عطائے ربانی کا نتیجہ ہے۔ تو چونکہ اللہ حکیم ہے۔ اور اُس کا علم قدیم اور محیط کل ہے۔ اِس لئے آنحضرت صلعم کی یہ رضامندی خدا تعالیٰ کے علم اور ارادے میں خاص طور پر ملحوظ و مقصود سمجھی جائیگی۔ چنانچہ تحویل قبلہ کے حکم میں بھی اسے ملحوظ رکھا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:۔

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا (بقرۃ ۲) یعنے (اے پیغمبر!) ہم تمہارے چہرے کو دمبدم آسمان کی طرف پلٹتے ہوئے دیکھتے رہتے ہیں سو ہم تمکو ضرور ضرور اُس قبلہ کا والی (عالم) بنا دینگے - جسے تم پسند کرتے ہو" پس اس وجہ سے بھی ہمارا مقصود یعنے اثباتِ سیادتِ آنحضرت صلعم حاصل ہے - والحمد للہ -

دوسرا امر یہ ہے کہ آنحضرت صلعم کی شان میں فرمایا! - وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ یعنے (اے نبی!) ہمنے تمہارا ذکر بہت بلند کیا ہے "

خدا تعالےٰ نے آپ کا رفعِ ذکر ایسی صورت میں کیا کہ اُسکی نظیر کسی دیگر کے لئے نہیں پائی گئی - دنیا کے ہر حصے میں مخلوقات کے جاگنے سے اُسکے سونے تک پانچوں وقت اذان میں بلند آواز سے آپ کی رسالت کی شہادت پکاری جاتی ہے - یہ چیز کسی دیگر کو حاصل نہیں ہوئی - انسانوں کے جاگنے سے اُن کے سونے تک کیا نماز میں اور کیا نماز سے باہر آپ کے نام لیوا آپ کے احسانات کے عوض میں آپ پر درود شریف پڑھتے رہتے ہیں جس سے آپ کا ذکر خیر بھی جاری رہتا ہے - اور آپ کے درجات بھی بلند ہوتے رہتے ہیں اور آپ کی اُمت کے مدارج بھی بڑھتے رہتے ہیں - کما ورد فی الحدیث -

چار دانگِ عالم میں اصلاحِ عالم اور تہذیبِ اخلاق اور اقامتِ عدل کا ڈنکا آپ کے نام پاک کا بج رہا ہے ذات پات کے بندھن توڑ کر اور کالے گورے کے امتیاز سے منہ موڑ کر سب بنی آدم میں مساوات کو قائم کرنے کی وجہ سے دنیا جہان میں آپ کے نام کے گیت گائے جا رہے ہیں - مظالم و فواحش کے دُور کرنے میں جو کامیابی آپ کو حاصل ہوئی اُسکی وجہ سے دنیا جہان ممنون ہو کر آپ کو نیکی سے یاد کر رہا ہے - جس سے آپ کی شان رحمۃ للعالمین کی حقیقت مہر نیمروز کی طرح جلوہ دکھا رہی ہے -

یہ اُمور کیا انفراداً اور کیا اجتماعاً کسی دیگر کو حاصل نہیں ہیں پس رفع درجات کی صورت کذائی صرف آپ کی ذاتِ گرامی سے مخصوص ہوئی اور اس میں وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ کی حقیقت صاف صاف نمایاں ہے - اور خدا تعالےٰ کی خبر یا وعدہ جو وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ میں ہے اُسے ہم واقعات کی صورت میں عیاناً دیکھ رہے ہیں - والحمد للہ - "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ نَّبِيِّ الرَّحْمَةِ"

الغرض آنحضرت صلعم کی سیادتِ کلی کے دلائل خاص قرآن مجید میں بھی بیش از بیش ہیں اور احادیث صحیحہ میں انہی کی توضیح و تشریح نہایت کثرت سے ہے "

تنبیہ آنحضرت صلعم کی فضیلت کلی کا مسئلہ ضمناً درمیان میں آگیا تھا۔ جس کا بیان ہمنے اصل مضمون کی مناسبت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس موقع پر ضروری سمجھا ؎

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم چنانکہ حرف عصا گفت موسٰی اندر طور

اَعِدْ ذِکْرَ نُعْمَانٍ لَنَا اِنَّ ذِکْرَہٗ هُوَ الْمِسْکُ کُلَّمَا کَرَّرْتَهٗ یَتَضَوَّعُ

رجوع بمطلب اِس کے بعد ہم اصل مطلب کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ:-

(۴) چوتھی قسم کے لوگ جو درمیانی روش پر ہیں کہ نہ تو وہ انبیاء علیہ خصوصاً آنحضرت صلعم کی تحقیر و تکذیب کرتے ہیں اور نہ انکی نبوّت و رسالت کا اقرار و تصدیق کرتے ہیں۔ یہ لوگ بھی تین گروہوں کی طرح دائرہ کفر سے باہر نہیں ہوئے۔ کیونکہ خدا تعالےٰ کے نزدیک انبیاء خصوصاً آنحضرت صلعم کی وہ تعظیم و تکریم مثمر و مقبول اور موجب نجات ہے۔ جو انکی رسالت و نبوّت کے اقرار و تصدیق کے ساتھ ہو۔ شریعت کی زبان میں اسی کو ایمان کہتے ہیں اور اگر یہ نہ ہو تو اُسکی نقیض (لا ایمان) لا محالہ متحقق ہو جائیگی۔ دوسرے الفاظ میں اسی کا نام کفر ہے چنانچہ آنحضرت صلعم کی نسبت فرمایا:-

فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (اعراف پ۹)

پس جو اُس (نبی آخر الزمان) پر ایمان لائے، اور اُنہوں نے اُس کا ادب بھی کیا، اور اُسکی مدد بھی کی اور اُس نور کی پیروی بھی کی جو اُس کے ساتھ اُتارا گیا۔ وہی لوگ نجات پانیوالے ہیں"۔

اِس آیت میں وعدۂ نجات اِن چار امروں پر کیا ہے:

(۱) آنحضرت صلعم پر ایمان لانا یعنے اُن کے دعوے رسالت میں اُنکی تصدیق کرنا،

(۲) آپ کا ادب و تعظیم بجالانا۔

(۳) آپ کے مقاصد میں آپ کی مدد کرنا۔

(۴) احکام قرآن شریف کی عملی پیروی کرنا۔

اِس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ ادب و تعظیم اور مقاصد میں امداد اور تعلیم پر عمل اِن سب امور کے علاوہ نجات کیلئے آنحضرت صلعم کی رسالت پر ایمان لانا بھی واجب و ضروری ہے۔ اِس سے صاف ظاہر ہے کہ رسالت پر ایمان لائے بغیر محض ادب و تعظیم پر نجات کا وعدہ نہیں ہے۔

اِسی طرح سورۂ تغابن میں فرمایا:-

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا (تغابن پ۲۸)

پس ایمان لاؤ خدا پر اور اُس کے رسول (محمدؐ) پر اور اُس نور (قرآن شریف) پر جو ہمنے اُسپر اُتارا ہے۔

اس آیت میں جس طرح اپنی ذات والوہیت پر ایمان لانے کا امر کیا ہے۔ اُسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور آپ کی رسالت پر اور اُس کلام پر جو آپ پر اُتارا گیا ہے۔ ایمان لانے کا امر کیا ہے اور ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کے امر کی تعمیل واجب ہے۔

اِسی طرح سورہ حجرات میں اِس سے بھی زیادہ صفائی سے بیان کیا:۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ (حجرات پ۲۶)

بدویوں نے کہا کہ ہم مؤمن ہو گئے ہیں، اے پیغمبر اُنسے کہو تم مومن نہیں ہوئے۔ لیکن تم کہو کہ ہم زیر فرمان ہو گئے ہیں کیونکہ ابھی ایمان تمہارے دلوں میں نہیں گیا۔ اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی اور اُس کے رسول (محمد صلعم) کی فرمانبرداری کرو گے تو خدا تعالیٰ تمہارا کوئی عمل بھی ضائع نہیں کریگا۔ بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے مؤمن تو صرف وہ لوگ ہیں جو دل سے) خدا تعالیٰ پر اور اسکے رسول محمد صلعم پر ایمان لائے پھر انہوں نے (اسمیں) شک نہیں کیا۔ اور انہوں نے خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کیا۔ وہی (دعوائے ایمان میں) سچے ہیں۔

اِس آیت میں دعوائے ایمان کی صداقت اور خدا تعالیٰ کے ہاں اُسکی قبولیت کو اِن امور پر موقوف رکھا ہے۔

(۱) خدا تعالیٰ اور اُس کے رسول پاک (محمد صلعم) پر دل و جان سے ایمان رکھنا۔

(۲) اس امر میں شک اور تردد ہرگز ہرگز نہ کرنا (کیونکہ شک منافی تصدیق ہے)۔

(۳) عملی طور پر خدا تعالیٰ اور اُس کے رسول پاک (محمد صلعم) کے احکام کی تعمیل کرنا۔

(۴) خدا تعالیٰ کی راہ میں یعنے خدا تعالیٰ کے کلمہ کو بلند کرنے اور دین حق کے قائم کرنے، اور اسلام و مسلمین کی آزادی اور اُن سے مظالم کے دور کرنے میں بوقتِ ضرورت مال و جان کی قربانی تک دریغ نہ کرنا۔

اِسی طرح سورہ بقر پ۲ میں اس سے بھی زیادہ تفصیل سے بیان کیا:۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

نیکی یہ نہیں ہے کہ تم اپنے مُنہ مشرق اور مغرب کیطرف کر لو بلکہ نیکی تو یہی ہے کہ کوئی خدا تعالیٰ پر اور پچھلے دن پر اور فرشتوں پر اور اُسکی کتابوں پر

اَلْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالْکِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ ۚ وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَہْدِہِمْ اِذَا عٰہَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الْمُتَّقُوْنَ (بقرہ پ۲)	اور تمام انبیاء پر ایمان لائے۔ اور مال خدا کی محبت پر اپنے رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سائلوں اور غلاموں کے آزاد کرنے میں دیوے۔ اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ بھی ادا کرے۔ اور وہ جو اپنے عہد پورے کریں جب عہد کریں۔ خصوصًا وہ جو مصیبتوں اور بیماریوں اور لڑائی کے وقت صبر کریں۔ وہی لوگ دعوئے ایمان میں) سچے ہیں۔ اور وہی عمل میں متقی ہیں۔

اِس آیت میں دعوئے ایمان کی صداقت کو اِن امور پر موقوف رکھا ہے۔

(۱) جملہ ایمانیات کو بالتفصیل ماننا مثلاً خدا تعالےٰ کو، روزِ آخرت کو، اُس کے جملہ فرشتوں کو، اُس کی جملہ کتب سماویہ کو اور اُس کے جملہ انبیاء کو۔

(۲) جملہ نیک اعمال کا بجالانا خواہ از قسم عبادات ہوں۔ یا معاملات یا حالات و واردات۔

اِن آیات سے معلوم ہوا کہ ایمان کی شرعی حقیقت یہ ہے۔ کہ جملہ ایمانیات کی دل وجان سے تصدیق کی جائے اور زبان سے اُنکی شہادت دیجائے۔ اور عملیات میں جملہ فرائض کو بجالایا جائے اور منہیات سے پرہیز کیجائے۔ اِن ہر دو آیات میں بھی رسالت پر ایمان لانا بالتصریح مذکور ہے۔

اِس مضمون کی آیات قرآن شریف میں اسقدر بکثرت ہیں، کہ اُن کا بیان کرنا دوپہر کے سورج کا دکھانا ہے۔ قرآن شریف کے پڑھنے والے کو اِس میں ہرگز ہرگز تردد نہیں ہوسکتا کہ آنحضرت صلعم پر ایمان لائے بغیر صرف ادب و تعظیم اور آپ کی اصلاح کی تحسین وغیرہ امور مذکورہ بالا نجات کیلئے کافی نہیں ہیں بلکہ آپکی رسالت کا اقرار و تصدیق نجاتِ اخروی اور قبولیت درگاہ ایزدی کیلئے لازمی شرط ہے۔

ازالۂ شُبہ

ہمنے خود بعض لکھے پڑھے آزاد خیال لوگوں کو کہتے سُنا کہ نجاتِ اُخروی کے لئے کسی معیّن گروہ میں شامل ہونا ضروری نہیں۔ مسلمان ہو یا یہودی، عیسائی ہو یا صابی، کسی نسل و قوم سے ہو، کسی نام سے پکارا جاتا ہو، لیکن اگر وہ خدا پرست اور نیک عمل ہے۔ تو دین الٰہی پر چلنے والا ہے۔ اور اُس کیلئے

نجات ہے۔ ہر چند کہ اُن کا یہ خیال اُن کے اپنے دماغ کی تراش اور اُن کے دلکی خواہش سے ہے لیکن غلط فہمی یا کجروی سے اُنہوں نے ایک آیت کو سہارا بھی بنالیا ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے اس اعتقاد کی دلیل یہ آیت ہے:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِئِيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (بقرہ پ۱)	بیشک جو لوگ ایمان لائے اور جو یہودی ہوگئے۔ اور عیسائی اور صابی، جو کوئی بھی خدا پر اور پچھلے دن پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے، پس اُن کے لئے اُن کا اجر اُن کے رب کے پاس ہے۔ اور اُنپر کسی طرح کا خوف نہیں ہوگا۔ اور نہ وہ غم کھائینگے

یہ مضمون سورہ مائدہ پ۶ میں بھی وارد ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ ان ہر دو آیات میں خدا تعالےٰ نے صرف اپنی الوہیت پر اور روزِ آخر پر ایمان رکھنے اور نیک کام کرنے پر اجر دینے اور خوف وخطر سے امن میں رکھنے کا وعدہ کیا ہے۔ اور کسی خاص یا عام نبی پر ایمان رکھنے کو اس فہرست میں شمار نہیں کیا۔ بلکہ نجات اخروی کو مسلمانوں یہودیوں عیسائیوں اور صابیوں میں سے کسی خاص گروہ سے مخصوص نہیں کیا۔ بلکہ اُسے مشترک وراثت قرار دیکر ان سب کو اس میں برابر کا حصے دار ٹھیرایا ہے۔ بشرطیکہ وہ خدا تعالےٰ پر اور آخرت پر ایمان رکھیں اور نیک عمل کریں۔

اختصار در اختصار ان ہر دو آیات میں ایمان بالرسل مذکور نہ ہونے سے بعض خوش فہموں نے تو اسے فہرستِ امورِ ایمان سے کاٹ دیا۔ لیکن مولانا آزاد صاحب ان سے بھی آزادی سے کام لینا چاہتے معلوم ہوتے ہیں کہ وہ اس آیت کو نقل کرنے کے بعد بضمن لفظ یعنی اُس کا حاصل جو کچھ فرماتے ہیں اسمیں ایمان بالآخرت کو بھی حذف کر دیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

"یعنی دین سے مقصود تو خدا پرستی اور نیک عملی کی راہ تھی، وہ کسی خاص حلقہ بندی کا نام"
"نہ تھا۔ کوئی انسان ہو۔ کسی نسل و قوم سے ہو کسی نام سے پکارا جاتا ہو لیکن اگر خدا پرست"
"اور نیک عمل ہے۔ تو دین الٰہی پر چلنے والا ہے۔ اور اس کے لئے نجات ہے (ترجمان القرآن)[۱۴۱]"

ترجمان القرآن میں اس قسم کے اقتباسات بیش از بیش ہیں ۔جنپر بعض علمائے زمانہ نے مولانا موصوف پر نقض بھی کیا ہے۔ ہم انشاء اللہ اس موضوع پر اس سے آگے الگ عنوان سے بحث کرینگے سردست ہم یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ اس آیت مذکورہ بالا سے بعض اَن پڑھ مجتہدوں[۱] نے جو یہ سمجھ

[۱] مولانا ابو سعید محمد حسین صاحب بٹالوی ایسے لوگوں کو جو آلات و قواعد اجتہاد سے بے بہرہ ہونے پر خلاف نصوص اجتہاد کر کے اختراع مسائل کرتے ہیں۔ اَن پڑھ مجتہد کہا کرتے تھے۔ یعنی لکھے نہ پڑھے نام محمد فاضل ۱۲ منہ

کیا نجات کے لیے [redacted] نہیں صرف خداپرستی اور نیک عملی کی ضرورت ہے۔ چاہئے کسی دین پر ہو کر کی جائے" یہ درست نہیں اُنہوں نے بقوائے حفظت شیئًا وغابت عنك اشیاء قرآن شریف کی کثیر التعداد نصوص بیّنہ کو جو ایمان بالرسل کے متعلق ہیں، نظر انداز کر دیا ہے۔ اور خدا تعالے سے تعلق کے پیدا کرنے، اور صحیح طریق پر اُسکی عبادت کرنے اور تہذیب اخلاق، اور معاملات کی درستی۔ اور صحیح قانونِ عدالت سے جو خود غرضی اور تغلب کے داغ سے پاک ہو اور انصاف و مساوات کے قیام اور اُس سے لوگوں کی جانوں اور اُن کے ناموس اور اموال و حقوق کی حفاظت کرنے اور بزرگوں کی تعظیم اور چھوٹوں پر شفقت کرنے، اور امانتداری اور وفاشعاری اور ضعفا پر رحمت و شفقت وغیرہ نیک امور کے اجرا کیلئے۔

(۲) اور ہر قسم کی فواحش و بیحیائی اور ظلم و تعدی اور غصب و خیانت اور سرقہ و رہزنی اور شراب خوری و قماربازی وغیرہ منکرا مور جو مخرب اخلاق اور مفسدِ نظامِ عالم ہیں۔ اِن سب کے استیصال و انسداد کے لئے۔

(۳) خاصکر اُن سب نیک اُمور کے عمل میں لانے اور سب بُرے افعال سے اِجتناب و پرہیز کرنے میں اپنا عملی نمونہ پیش کر کے لوگوں کی اصلاح کرنے کے لئے۔

خدا کے رسول و نبی کی جو ضرورت ہے۔ اُسے ہرگز خیال میں نہیں رکھا۔ اور نہایت بیباکی و دلیری اور کوتاہ فہمی سے چھوٹے مُنہ سے بڑی بات کہدی ہے۔

اِس کا جواب ہم کسیقدر تفصیل سے ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ علاوہ اُن آیات کے جو متفرق طور پر جابجا قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ اور بعض اُن میں سے سابقًا ذکر ہو چکی ہیں۔ خاص اسی آیت کا ایک ایک امر انبیاء اللہ کی ضرورت کی شہادت دے رہا ہے۔ لیکن دِکھائی اُسے دے جسکی آنکھیں ہوں۔ اور سمجھے وہ جس کے دماغ میں اِدراک ہو۔

اِسکی تفصیل سمجھنے کیلئے ایک تمہید کی ضرورت ہے۔ وہ یہ کہ علمِ بلاغت میں ایجاز و اطناب دو اصطلاحیں ہیں۔ ایجاز اختصار کو کہتے ہیں۔ کہ مقصود کو کمتر عبارت میں پورا پورا ادا کر دیا جائے۔ اور اِطناب درازی کو کہتے ہیں۔ کہ کسی زائد فائدے اور نکتے کے لئے قدرِ متعارف سے لمبی عبارت میں بیان کیا جائے۔ اور قدرِ متعارف عبارت میں بیان کیا جائے تو اُسے مساوات کہتے ہیں۔

اِن ہرسہ کے قواعد کتب بلاغت میں مذکور ہیں۔ اور قرآن مجید میں یہ ہرسہ وارد ہیں۔ لیکن قرآن شریف کا غالب حصّہ کلامِ موجز ہے۔ کہ اس میں بلاغت کے جوہر سب سے زیادہ پائے جاتے ہیں۔ اور ایجاز

کی صورتوں میں سے ایک صورت حذف کی ہے۔ کہ اگر کسی شے کے وجود پر کوئی قرینہ عقلی یا نقلی یا حالی مقالی دلالت کرتا ہو۔ تو اُن قرائن پر اعتماد کرکے اُسے عبارت میں ذکر کرنے کی بجائے حذف کر دیا جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں علاوہ اختصار کے دماغ کا حظ ہوتا ہے۔ اور تصریح میں یہ حظ حاصل نہیں ہوتا اسکی مثالیں قرآن شریف میں بیش از بیش ہیں۔

اس تمہید کو ملحوظ رکھتے ہوئے اب گننے چاہیئے۔ کہ اسی آیت اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الآیۃ میں ایمان بالرسل کے لئے کتنے قرینے ہیں۔

سب سے اوّل یہ کہ قرآن شریف کی اس آیت کو آپ کلام اللہ ہونے کی حیثیت میں بطور دلیل پیش کر رہے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ کلام اللہ کے ظہور کا ذریعہ صرف خدا کا رسول ہے۔ یہ نہایت درجے کی نادانی ہے کہ قرآن شریف کو کلام خدا تسلیم کریں اور حضرت محمد صلعم پر نازل شدہ بھی مانیں لیکن آپ کو رسول اللہ اعتقاد نہ کریں ع بریں عقل و دانش بباید گریست۔ جناب! اگر آپ محمد صلعم کی رسالت پر اعتقاد نہ رکھینگے۔ تو قرآن مجید کو کلام خدا کس طرح تسلیم کرینگے۔ اور پھر قرآن مجید سے دلیل کس طرح پکڑینگے؟ ہوش کرو! آنکھیں کھولو! عقل سے کام لو! اور اپنے ایمان کو سنبھالو!

دوم یہ کہ اس آیت میں جن فرقوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ سب انبیاء کی اُمتیں ہیں (علیٰ اختلاف فی الصابئین) اٰمنوا میں مسلمان دین محمدی والے ہیں۔ چنانچہ مولٰنا ابوالکلام صاحب آزاد اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:۔

(۱) "جو لوگ (پیغمبر اسلام پر) ایمان لائے ہیں" (ترجمان صفحہ ۱۲۱)

(۲) "جو لوگ (پیغمبر اسلام پر) ایمان لا چکے ہیں" (ترجمان صفحہ ۱۹)

(۳) "جو لوگ (قرآن پر) ایمان لائے ہیں" (ترجمان صفحہ ۲۰۲)

وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا وَالنَّصَارٰی یہود و نصاریٰ علی الترتیب حضرات موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کی اُمتیں ہیں۔

وَالصَّابِئِیْن امام ابن جریر طبریؒ نے ابوالعالیہ وغیرہ سے نقل کیا۔ کہ صابئین اہل کتاب میں سے ایک گروہ تھا۔ جو زبور کا قائل تھا۔ اور قاموس میں کہا ہے۔ کہ وہ اعتقاد رکھتے ہیں۔ کہ ہم حضرت نوحؑ کے دین پر ہیں۔ اور حافظ ابن حزم رحؒ نے کتاب الفصل میں لکھا ہے۔ کہ صابئین اور مجوس بعض انبیاء کی تصدیق میں ہمارے ساتھ ہیں۔ (جلد اوّل صفحہ ۹۸)

اِس تفصیل سے معلوم ہوگیا۔ کہ مذکورہ بالا سب فرقے انبیاء علیہم السلام کی اُمتیں ہیں۔ خواہ کسی حال میں ہوں، لیکن اُن کے نام لیوا ضرور ہیں۔ پس جس امر کا اقرار ان فرقوں کے نام میں ملحوظ ہے اُس کا الگ ذکر کرنا ضروری نہ ہُوا۔ لہٰذا ایمان بالرسل فہرست ایمانیات سے خارج نہیں ہوسکتا۔

سوم یہ کہ اگر متکلم کسی جگہ اختصار کرے۔ تو سب سے پہلے اسکی تفصیل اس کے اپنے کلام و تصریحات میں تلاش کرنی چاہیئے۔ اِس بنا پر ہمکو دیکھنا چاہیئے۔ کہ کلامِ خدا یعنے قرآن شریف اور نبی قرآن یعنی آنحضرت صلعم نے ایمان باللہ کی تشریح کیا کی ہے؟

سو معلوم ہو کہ قرآن شریف میں اس مضمون کی آیات بکثرت ہیں۔ کہ خدا تعالےٰ کے نزدیک وہ ایمان موجب نجات ہے۔ جو اُن جملہ امور سے پاک ہو جو منافیِ ایمان ہیں۔ اور جملہ ایمانیات پر شامل و حاوی ہو مثلاً شرک ایک ایسا امر ہے کہ اگر ایمان کیساتھ ملجائے تو یہ تو پاک نہیں ہوگا۔ البتہ ایمان برباد ہو جائیگا چنانچہ فرمایا:۔

(ترجمہ مولانا آزاد صاحب)

(۱) اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَھُمُ الْاَمْنُ وَھُمْ مُّھْتَدُوْنَ (انعام پ۷)	جن لوگوں نے خدا کو مانا اور (اپنے ماننے کو ظلم (یعنے شرک سے) آلودہ نہیں کیا۔ تو اُنہی کیلئے امن ہے اور وہی ٹھیک راستے پر ہیں۔
(۲) وَمَا یُؤْمِنُ اَكْثَرُھُمْ بِاللّٰہِ اِلَّا وَھُمْ مُّشْرِكُوْنَ (یوسف پ۱۳)	اور اکثر ان میں سے خدا پر ایمان تو لاتے ہیں مگر اس حال میں کہ وہ شرک بھی کرتے رہتے ہیں۔
(۳) وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْھُمْ مَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (انعام پ۷)	اور اگر یہ لوگ (توحید کی راہ چھوڑ کر) شرک کرتے، تو (یقین کرو کبھی فلاح و سعادت کی راہ نہ پاتے اور) انکا سارا کیا دھرا ضائع جاتا۔
(۴) وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْكَ وَاِلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ (زمر پ۲۴)	اور (اے پیغمبر!) یہ تحقیق بات ہے کہ تیری طرف بھی اور تجھ سے پہلے انبیاء کی طرف بھی یہی وحی ہوتا رہا ہے کہ اگر تو نے شرک کیا تو تیرے اعمال ضائع ہو جائینگے۔ اور تو زیان کاروں سے ہو جائیگا۔

اِسی طرح رسالت محمدی اور قرآن شریف پر ایمان لانے کی بابت فرمایا:۔

(۱) یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَیْرًا لَّكُمْ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَكَانَ اللّٰہُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا (نساء پ۶)	(۱) اے (پیغمبر) لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک خاص رسول (محمد صلعم) حق لیکر آچکا ہے پس تم (اس پر) ایمان لے آؤ۔ یہ تمہارے لئے بہت بہتر ہوگا۔ اور اگر تم نے (اس سے) انکار کردیا تو پرواہ نہیں کیونکہ) جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے سب خدا ہی کا ہے اور خدا تعالےٰ بڑا

(۲) يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا ۝ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِي رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ وَّيَهْدِيهِمْ إِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۝ (دو سورت نسا، پ۶)	(۲) اے (بیخبر!) لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے برہان (روشن دلیل) آچکی ہے، یعنے محمد صلعم اور ہمنے تمہاری طرف نورمبین یعنے قرآن شریف بھی نازل کردیا ہے۔ تو جو لوگ خدا پر ایمان لے آئینگے۔ اور اُسی کا سہارا پکڑینگے اُن کو منقریب خدا اپنی رحمت اور فضل میں داخل کریگا۔ اور اپنی طرف سیدھی راہ پر ڈالدیگا۔

اسی طرح سورہ تغابن میں فرمایا!۔

فَآمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهٖ وَالنُّورِ الَّذِي أَنْزَلْنَا (تغابن پ۲۸)	پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اسکے رسول (محمد صلعم) پر اور اس نور پر جو ہم نے (اسکی طرف) اُتارا (یعنے قرآن شریف پر)

اس کے بعد فرمایا!۔

وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ط ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (تغابن پ۲۸)	اور جو کوئی (اس کے مطابق) خدا پر ایمان لائیگا، اور نیک عمل بھی کرے گا۔ خدائتعالے اُسکی برائیاں دور کردیگا اور اسے جنتوں میں ایسا داخل کریگا۔ جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں وہ اُن میں ہمیشہ در ہمیشہ رہینگے۔ بڑی کامیابی یہی ہے!

تنبیہہ نمبر۱ اوپر کی آیت میں تین چیزوں پر ایمان لانے کا حکم کیا خدائتعالے پر، اپنے رسول مقبول آنحضرت پر اور اُنکی پاک کتاب قرآن شریف پر۔ اس کے بعد دوسری آیت میں ایمان باللہ اور عمل صالح پر نجات اور جنت کا وعدہ کیا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ اوپر کے ایمانی امور ایمان باللہ میں شامل ہیں ورنہ ایک آیت میں ایک چیز کا حکم دینا اور دوسری سطر میں اُس حکم کو نظر انداز اور فراموش کردینا لازم آئیگا اور خدا کا کلام اس سے پاک ہے۔

تنبیہہ نمبر۲ سورہ تغابن کے اس مقام میں ایمان کے امور صرف تین گنے ہیں یعنے خدائتعالے پر ایمان۔ رسول اللہ صلعم پر ایمان اور قرآن شریف پر ایمان، اور اسجگہ یوم آخر (قیامت) پر ایمان لانے کا ذکر نہیں کیا۔ تو کیا اس عدم ذکر سے یہ لازم آنا چاہیئے۔ کہ قرآنی نقطۂ نگاہ میں یوم آخر پر ایمان لانا ضروری نہیں؟ حالانکہ اسپر ایمان لانا سورہ بقرہ اور سورہ مائدہ کی آیاتِ زیر بحث میں امور نجات کی فہرست میں داخل ہو چکا ہے۔ تو جس طرح آپ سورہ تغابن کی آیت میں حسب تصریح سورہ بقرہ و مائدہ۔

ایمان باللہ میں ایمان بالآخرت کو بھی داخل فہرست سمجھتے ہیں اُسی طرح حسب تصریح سورۂ تغابن وغیرہ ایمان بالرسل کو سورۂ بقرہ اور مائدہ میں بھی داخل سمجھیں پس خدا تعالےٰ پر ایمان اس کے رسولوں پر ایمان لانے کے بغیر موجب نجات نہیں ہوگا۔ واللہ الہادی،

اِن آیاتِ مذکورہ بالا کے بعد ہم سورتِ بقر کی بعض ابتدائی آیتوں پر کسیقدر تفصیل سے لکھکر مسئلہ ایمان بالرسول کو واضح کرنا چاہتے ہیں۔

(۱) شروع میں پختہ مومن متقیوں کی صفات یہ ذکر کی ہیں:۔

اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ ۝ (بقرہ پ)	وہ جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں، اور اُس میں سے جو ہمنے اُن کو دے رکھا ہے خرچ کرتے ہیں اور جو اسپر ایمان رکھتے ہیں جو اے پیغمبر! تیری طرف اُتارا گیا، اور جو تجھے پہلے اُتارا گیا۔ اور وہ آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں۔

پھر اِن مومنوں کی نجات کی بابت فرمایا:۔

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (بقرہ پ)	وہی لوگ ہدایت پر ہیں اپنے رب کی طرف سے اور وہی نجات پانے والے ہیں،

اِس کے بعد خالص کفار کا ذکر کیا، جو نہ خدا کی توحید کے پابند ہوں، نہ کسی رسول اور صحیفہ آسمانی کے قائل ہوں۔ نہ یوم آخر کو مانیں۔ سو اُنکی نسبت فرمایا کہ اُن کو بڑا عذاب ہوگا۔ چنانچہ فرمایا:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ز وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ (بقرہ پ)	بیشک جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا، ان پر برابر ہے۔ چاہے تو اُن کو ڈراوے، چاہے نہ ڈراوے، وہ تو ایمان لائینگے نہیں، خدا نے (اُنکے کفر کی وجہ سے) اُنکے دلوں پر اور اُنکے کانوں پر مُہر لگا دی ہے۔ اور اُنکی آنکھوں پر (ایک قسم کا) پردہ پڑا ہے، اور اُنکے لئے بڑا عذاب ہے،

اِس کے بعد اُن لوگوں کا ذکر کیا جو مذکورہ بالا امورِ ایمان میں سے صرف بعض کا اقرار کرتے ہیں، اور اُنکی نسبت فرمایا کہ یہ ہرگز مومن نہیں ہیں، جھوٹ اور فریب سے ایمان کا دعوےٰ کرتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ (بقرہ پ)	اور بعض وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم خدا پر بھی اور پچھلے دن پر بھی ایمان لے آئے ہیں۔ باوجود اس کے یہ لوگ ہرگز مومن نہیں ہیں

اِن لوگوں نے مذکورہ بالا امورِ ایمان میں سے ایمان باللہ کا بھی اقرار کیا، اور یوم آخر کا بھی اقرار کیا لیکن پھر بھی خدا تعالےٰ نے اُنکی نسبت بتاکید فرمایا کہ وہ ہرگز مومن نہیں ہیں۔

اِسکی دو وجہیں ہوسکتی ہیں، اوّل وہ جو بہت مشہور ہے۔ کہ وہ صِرف زبان سے بغیر خلوصِ قلب کے ایسا کہتے تھے۔ اسلئے خدا تعالےٰ نے اُن کو حقیقی مومن نہیں جانا۔ اِس سے بھی ہمارا مدعا حاصل ہے۔ کہ ایمان باللہ کے معنے یہ ہوئے کہ وہ ایمان جو خدا کے ہاں قابلِ منظور ہی ہے۔ اور یہ ایک شرطِ زائد ہے۔ جو آیت میں مذکور نہیں ہے۔

اِسی طرح ایمان بالرسل گو مذکور نہیں ہے۔ لیکن بتصریح آیات دیگر اور بلحاظ قرائن جو ذکر کئے جا رہے ہیں ضروری ہے۔ اور سان پر ایمان لائے بغیر خدا پر ایمان لانا درست نہیں ہوتا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ خدا کے نزدیک اُس ایمان کا اعتبار ہے۔ جو جمیع ایمانیات پر شامل ہو اگر بعض کو مانا اور بعض کو نہ مانا تو وہ ایمان معتبر نہیں۔ اور ایسے لوگ مومن نہیں ہیں۔ چونکہ اُنہوں نے امورِ ایمان میں سے صِرف دو باتوں کا یعنے خدا تعالےٰ کا اور قیامت کا اقرار کیا ہے اور خدا کے پیغمبروں اور اُسکی کتابوں کا اقرار نہیں کیا۔ جنکی تعلیم و ہدایت سے خدا پر ایمان صحیح ہوتا ہے۔ اور اُسکی عبادت درست طور پر ہوسکتی ہے۔ اور اعمالِ صالحہ جو قیامت کو کام آئینگے معلوم ہوتے ہیں اِس لئے وہ خدا کے نزدیک ہرگز مومن نہیں۔ اور اُن کا ایسا ناقص ایمان کسی کام کا نہیں۔ اِسکی تائید اگلی آیت سے ہوتی ہے:۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ (بقرہ پ ۱)	اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ تم اُس طرح پر ایمان لاؤ جس طرح پر دوسرے لوگ ایمان لائے تو کہتے ہیں کیا ہم اسطرح پر ایمان لائیں جس طرح جاہل لوگ

اِس آیت میں بتایا گیا ہے۔ کہ جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اِس طرح پر ایمان لاؤ جس طرح پر دیگر مومن ایمان لائے۔ یعنے اپنے ایمانیات میں خدا کے جملہ پیغمبروں اور کتابوں خصوصًا محمد صلعم اور قرآن پر ایمان لانے کو بھی شامل کرو۔ تو وہ اسے سفاہت و جہالت قرار دیکر انکار کر دیتے ہیں۔ اِس آیت میں الناس سے مراد آنحضرت صلعم کے اصحاب ہیں۔ اور کما اٰمن سے رسول اللہ صلعم پر ایمان لانا مراد ہے۔ اور ایسا کہنے والے غالبًا مدینہ شریف کے یہود و نصاریٰ تھے۔ جو عربوں کو اُمّی سمجھکر جاہل کہتے تھے اور اپنے آپ کو اہلِ کتاب و اہلِ انشار جانتے ہوئے اُن سے فائق سمجھتے تھے۔ کیونکہ سورت بقر مدنی ہے۔ چنانچہ مفسر ابن جریر طبری اِس آیت کے متعلق لکھتے ہیں:۔

یعنی واذا قیل لھؤلآء الذین وصفھم اللہ ونعتھم بانھم یقولون اٰمنّا باللہ والیوم الاخر وما ھم بمؤمنین صدّقوا بمحمّد ﷺ وبما جاء بہ من عند اللہ کما صدّق بہ الناس یعنی بالنّاس المؤمنین الّذین اٰمنوا بمحمّد ونبوّتہ وماجآء بہ من عند اللہ (صفحہ ۹۸ جلد اوّل)

یعنی جب وقت اُن لوگوں سے جنکی بابت خدا تعالیٰ نے بیان کیا کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور پچھلے دن پر ایمان رکھتے ہیں حالانکہ وہ مؤمن نہیں ہیں، یہ کہا جاتا ہے کہ محمد صلعم کی اور اُس کتاب کی جو وہ خدا سے لیکر آئے تصدیق کرو جس طرح دیگر لوگوں نے آپ کی تصدیق کی یعنے وہ مؤمن جو محمد صلے اللہ علیہ وسلّم پر اور آپ کی نبوت پر اور اُس کتاب پر ایمان لائے جو آپ خدا کے پاس سے لائے ؛

اِس کے بعد مفسر ابن جریر نے اِس تفسیر و مرادِ الٰہی کو حضرت ابن عباس سے باسناد نقل کر کے لکھا ہے کہ آپ نے فرمایا :-

عن ابن عباس فی قولہ واذا قیل لھم اٰمنوا کما اٰمن النّاس یقول اذا قیل لھم صدّقوا کما صدّق اصحاب محمّد ﷺ قالوا انہ نبی ورسول وان ما انزل علیہ حق وصدّق الخ (صفحہ ۹۸ جلد اوّل)

کہ قولِ الٰہی واذا قیل لھم اٰمنوا الخ کے معنے یہ ہیں۔ کہ جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ تم بھی اس طرح تصدیق کرو جس طرح محمد صلعم کے اصحابوں نے تصدیق کی کہ آپ خدا کے رسول اور نبی ہیں۔ اور نیز اسکی کہ جو کچھ آپ پر نازل ہوا وہ سب حق اور سچ ہے۔

سورۂ بقر کی ان آیات اور ان کے سِلسلۂ بیان سے واضح ہو گیا۔ کہ امورِ ایمان میں سے کسی امر کا انکار کیا جائے خصوصاً آنحضرت کا انکار کیا جائے۔ تو خدا تعالےٰ اور قیامت کا ماننا عاقبت کی نجات کے لئے کافی نہیں۔ کیونکہ شریعت کی زبان میں کافر اُسے بھی کہتے ہیں جو کسی رسول برحق کا خاصکر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا انکار کرے چنانچہ صحیح مسلم میں آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے :-

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم والّذی نفس محمّد بیدہٖ لا یسمع بی احد من ھٰذہ الامّۃ یھودی ولا نصرانی ثم یموت ولم یؤمن بالّذی اُرسلت بہ الّا کان من اصحاب النّار (مشکوٰۃ کتاب الایمان ص؎)

خدا کی قسم جس کے قبضے میں محمد (صلعم) کی جان ہے کہ جس یہودی یا نصرانی نے میری پیغمبری کی آواز سُن لی پھر وہ مر گیا۔ اور میری رسالت اور میری لائی ہوئی شریعت پر ایمان نہ لایا۔ تو وہ ضرور ضرور دوزخیوں میں ہوگا (اعاذنا اللہ منہا)

اسی طرح صحیح بخاری ومسلم میں وفد عبدالقیس والی مشہور حدیث ہے جس میں آنحضرت صلعم نے ایمان باللہ کی تفسیر میں فرمایا شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ الخ (مشکوٰۃ ص) یعنی خدا کی توحید الوہیت کی گواہی اور محمد صلعم کی رسالت کی گواہی وغیرہ امور کو ایمان باللہ میں شامل بتایا۔

اس دفعہ سوم کی تائید میں دیگر بہت سی آیات صریحہ واحادیث صحیحہ ہیں جن کے ذکر سے مضمون میں طوالت ہو جاتی ہے اس لئے ہم ان میں سے صرف تین آیتیں ذکر کرکے اس دفعہ کو ختم کر دیتے ہیں۔

(۱) پہلے پارے کے اخیر پر یہود و نصاریٰ کے ذکر کے بعد فرمایا:۔

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓی اِبْرٰھٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی وَمَآ اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّھِمْ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ وَنَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ (بقرہ پ۱)

(مسلمانو!) تم کہو کہ ہم ایمان لائے خدا پر اور اُس شریعت پر جو ہم پر نازل ہوئی اور جو ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ اور اولاد یعقوبؑ پر نازل ہوئی اور اس پر جو موسےٰؑ اور عیسےٰؑ کو دیا گیا، اور جو کچھ دیگر انبیاء کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا۔ ہم ان میں سے کسی ایک میں بھی جدائی نہیں کرتے اور ہم تو اسی (خداوند تعالیٰ) کے فرمانبردار ہیں۔

اس آیت میں سب رسولوں کی رسالت پر ایمان لانے کا حکم کیا ہے۔ اور اس کے بعد یہود و نصاریٰ کی بابت فرمایا:۔

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِہٖ فَقَدِ اھْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا ھُمْ فِیْ شِقَاقٍ ج

پس اگر یہ (یہود و نصاریٰ) اسطرح ایمان لے آئے جس طرح تم (آنحضرت صلعم کے اصحاب) ایمان لائے ہو۔ تو (سمجھو کہ) وہ ہدایت پا گئے اور اگر وہ (اس سے) پھر گئے تو سوائے اس کے کچھ نہیں کہ وہ صریح مخالفت میں ہیں۔

اس میں صاف الفاظ میں بتا دیا کہ باہدایت یعنے سیدھا اور راست ایمان وہی ہے۔ جو پیروان محمد صلعم یعنے آپ کے اصحاب کا ہے۔ اور اگر یہ یہود و نصاریٰ اس طریق ایمان سے کہ سب انبیاء اللہ کو مانا جائے انحراف کریں۔ تو اسکی نسبت فرمایا کہ وہ شقاق میں ہیں۔ اور شقاق کے متعلق دوسرے موقعوں پر فرمایا:۔

وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَہُ الْھُدٰی وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصْلِہٖ جَھَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا (نساء پ۵)

اور جو کوئی اس رسول (محمد صلعم) کی مخالفت کرے گا، بعد اسکے کہ اسپر ہدایت واضح ہو چکی اور مومنین (مصدقین) کی راہ کے سوائے دوسری راہ کی پیروی کریگا تو ہم اُسی اُسی طرف (دھکا دینگے) اور جہنم میں جا داخل کرینگے اور وہ بہت بری جگہ ہے۔

دوسرے موقع پر فرمایا:۔

(۱) ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ شَآقُّوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ ج

یہ اسلئے کہ انہوں نے مخالفت کی اللہ کی اور اسکے رسول پاک محمد (صلعم) کی

وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (انفال پ ۹)

(۱) اور جو کوئی خلاف چلیگا اللہ کے اور اُس کے رسول (محمد صلعم) کے تو بیشک خدا تعالےٰ سخت عذاب والا ہے۔"

(۲) ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (حشر پ ۲۸)

(۲) یہ اسلئے کہ اُنہوں نے مخالفت کی اللہ کی اور اسکے رسول کی اور جو کوئی مخالفت کریگا اللہ کی تو بیشک اللہ سخت عذاب والا ہے

ان آیات کے مجموعہ سے واضح ہو گیا کہ جو کوئی تمام رسولوں پر خصوصاً اُس کے آخری رسول محمد صلعم پر ایمان نہ لائے وہ جہنم اور سخت عذاب کا مستوجب ہے۔ اور اُسکی نجات ہرگز ہرگز نہیں ہوگی۔

امام ابو جعفر طبری آیت فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ میں لکھتے ہیں:-

فدل تعالیٰ ذکرہ بھذہ الآیۃ علیٰ انہ لم یقبل من احد عملاً الا بالایمان بھذہ المعانی التی عدھا قبلھا (جلد اول ص ۴۴۲)

خدائے تعالےٰ نے اس آیت سے یہ بتادیا کہ وہ کسی شخص کا کوئی عمل قبول نہیں کریگا۔ مگر اس صورت میں کہ وہ ان امور پر جو سابقاً شمار کئے گئے ہیں ایمان لاوے"

اس نئے سلسلے میں دوسری آیت یہ ہے جسمیں صیغہ حصر سے فرمایا:-

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (پ ۱۸) یعنے مومن تو صرف وہ لوگ ہیں جو خدا اور اسکے رسول (محمد) پر ایمان لائے۔

تیسری آیت یہ ہے:-

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا (حجرات پ ۲۶)

مومن تو صرف وہ لوگ ہیں جو خدا پر اور اس کے رسول (محمد صلعم) پر ایمان لائے۔ پھر اُن کو اس بارے میں شک نہیں ہوا"

اس آیت میں تو تصریح کر دی کہ اگر کسی شخص کو ایمان لانے کے بعد بھی رسول اللہ صلعم کی رسالت کے متعلق شک اور تردد بھی ہو جائے تو وہ بھی مومن نہیں بنتا چہ جائیکہ سرے سے مانتے ہی نہیں اور مومن ہی نہ ہوں تو نجات ہو سکے؟ الامان الامان،

(۴) رسول اللہ صلعم پر ایمان لائے بغیر نیک اعمال بھی قبول نہیں ہوتے تو عاقبت کی نجات کیسی؟ چنانچہ فرمایا،

وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ الآیہ (توبہ پ ۱۰)

اور نہیں ہے کا انکو سبب سے کہ قبول کئے جائیں اُنکی نفقات (اخراجات خیر) مگر اسی سبب سے کہ اُنہوں نے کفر کیا ساتھ اللہ کے اور اُسکے رسول (محمد صلعم) کے"

(۵) رسول اللہ صلعم کی رسالت کے منکر کا جنازہ بھی جائز نہیں عاقبت کی نجات کیسی؟ چنانچہ فرمایا:-

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (توبہ پ ۱۰)

اور کبھی نہ پڑھ جنازہ اُنمیں سے کسی کا جو مر جاوے اور نہ کھڑا ہو اُسکی قبر پر (دعا مانگنے کو) کیونکہ انہوں نے اللہ اور اُسکے رسول سے کفر کیا۔

اِن آیات سے ثابت ہوگیا۔ کہ منکرِ رسول کا نہ جنازہ جائز نہ اُسکی عبادت منظور، پھر اُسکی نجات کیسی؟ پس رسول خدا پر ایمان لانا ضروری ہے۔

چوتھا قرینہ اِس آیت زیر بحث یعنی اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا میں انبیاء اللہ علیہم السّلام پر ایمان کے ضروری ہونے کا یہ ہے۔ کہ اس میں روزِ قیامت پر ایمان رکھنا ایمانیات وموجباتِ نجات میں شمار کیا گیا ہے۔ اور روزِ قیامت پر ایمان بغیر کسی رسولِ برحق کی تعلیم کے نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اوّل تو قیامت کا واقعہ ہونا آئندہ پیش آنے والے اُمور میں سے ہے۔ اور اُس کا علم خدائتعالےٰ کے بتانے کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ اور خدائتعالےٰ اپنے مغیبات سوائے انبیاء علیہم السّلام کے کسی دیگر کے ذریعے کے ظاہر نہیں کرتا۔

دیگر یہ کہ قیامت کا تقرر خدا کے حکم سے ہے۔ عقل سے نہیں ہے اور خدا کے تقرر کا علم بغیر کسی نبی برحق کے واسطے کے نہیں ہوسکتا۔ یہ امر ایسا ظاہر ہے کہ اسپر کچھ اور لکھنے کی حاجت نہیں پس انبیاء ؑ پر ایمان لانے سے مستغنی نہیں ہوسکتے۔ اِسی لئے قیامت پر ایمان سوائے انبیاء کی اُمتوں کے کسی کا نہیں۔

پانچواں قرینہ یہ ہے کہ امورِ نجات میں **اعمال صالحہ** کو بھی گنا ہے۔ اور اعمال صالحہ کا علم اور تقرر اور اُنکی عملی کیفیت بغیر نبی اللہ کی تعلیم وارشاد کے معلوم نہیں ہوسکتی، اور نہ وہ طریق سُنت کی موافقت کے بغیر موجبِ ثوابِ آخرت ہوسکتے ہیں۔ لہذا اُن کے ضمن میں بھی ایمان بالرسالۃ ملحوظ ہے۔ اسلیئے رسالت پر ایمان لانے کے سوا نجات نہیں ہوسکتی۔

اسکی توضیح یوں ہے کہ اعمالِ صالحہ دو طرح پر ہیں، عبادات ومعاملات اور ظاہر ہے کہ خدائتعالےٰ کی عبادت کا طریق ہم از خود وضع نہیں کرسکتے۔ اور نہ ایسی عبادت خدا کے ہاں موجبِ ثواب ہوسکتی ہے بلکہ لازم ہے کہ وہ طریق خود خدائتعالےٰ کا تعلیم کردہ ہو، اور خدائتعالےٰ کی تعلیم بغیر نبی برحق کے معلوم نہیں ہوسکتی اور یہ بات اُن لوگوں کے نزدیک بھی مُسلم ہے۔ جنکی تفہیم کے لئے ہم یہ زحمت گوارا کررہے ہیں۔ اور یہ بھی عیاں ہے کہ معاملات جن کا تعلق بظاہر مخلوق سے ہے۔ حقیقت میں اُنکا رجوع بھی خدائتعالےٰ کی طرف ہے۔ جسکی صورت یہ ہے کہ

(۱) شریعت میں کسی نیکی کے موجبِ اجر ہونے کیلئے ضروری شرط یہ ہے کہ وہ خاص خدائتعالےٰ کی رضا جوئی کیلئے کیجائے۔ اور اِسمیں ریاکاری، نام آوری، فخر ومباہات، شیخی وتکبر، اور غیر اللہ کی رضا جوئی

اور تقرب طلبی نہ پائی جائے، پس اگر ان اعمالِ صالحہ کی وضع و تقرر خدا کی طرف سے نہ ہو۔ تو نہ تو انہیں خدا تعالیٰ کی رضاجوئی اور اخلاصِ نیت کی ضرورت ہے اور نہ اُنپر خدا تعالیٰ کے ہاں سے اجر و ثواب کا وعدہ ہو سکتا ہے ورنہ ماننا پڑے گا کہ ہر ریاکار جو نام آوری کے لئے، اور ہر مشرک و مبتدع جو غیر اللہ کی رضاجوئی کے لئے اور ہر سرکاری خوشامدی جو قرب شاہی حاصل کرنے کے لئے ہزارہا روپے خرچ کر ڈالتا ہے۔ سب نیکوکار اور قابلِ نجات ہیں، اور یہ بالکل باطل ہے۔ اس کے متعلق قرآن شریف میں بہت سی آیات ہیں، مثلاً یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا (المدہ پ) اور وَمَا أُمِرُوْا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَاءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ (البینۃ پ۳۰)

(۲) دیگر یہ کہ انسانی عقل نجاتِ اُخروی کیلئے کوئی بھی نظام و آئین نہیں بنا سکتی کیونکہ وہ عالم اسکی نظر سے پوشیدہ ہے۔

(۳) دیگر یہ کہ اگر اعمال کو بغیر خدا تعالیٰ کے مقرر کرنے کے موجبِ نجات سمجھا جائے تو اس کے یہ معنی ہونگے کہ ہم اعمال کی دستاویز و فہرست از خود بنا کر خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں دیں کہ لیجئے اس کے مطابق ہمارا فیصلہ کیجئے۔ اور ہمیں مناصب و درجات عطا کریں، اور یہ نظارہ نہایت ہی بھیانک و گستاخانہ ہوگا۔ (اعاذنا اللہ منہا) جو کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اسمیں خدا تعالیٰ پر حکم ہوگا۔

(۴) دیگر یہ کہ انسانی طبائع فطرۃً مختلف ہیں، ہر ایک کی خواہش اور مذاقِ طبع جُدا ہے۔ پھر ہر ایک کی نیّت و قصد دوسرے سے الگ ہے۔ پھر یہ کہ مقامِ رضا و محبّت اور محلِ غضب و انتقام میں اُنکی کیفیت جُدا ہوتی ہے۔ کوئی افراط میں ہوتا ہے۔ تو کوئی تفریط میں اور اعتدال پر تو بہت کم رہ سکتے ہیں۔ پھر یہ کہ اتباعِ خواہشات میں حیلہ باز طبائع کئی ایک بہانے بنا کر محرمات کو حلال و جائز اور واجبات کی ادائگی میں تساہل و تغافل کی صورتیں بنا لیتی ہیں۔ ان سب اُمور کو بانظام رکھنے اور انسان کو مقامِ اعتدال پر قائم رکھنے کے لئے ایک ایسے قانون کی سخت ضرورت ہے جس سے دنیا میں تہذیبِ اخلاق اور حفاظتِ حقوق زبانوں سے باہر عمل میں بھی پائی جائے اسی قانونِ عدالت کا دوسرا نام شریعتِ الٰہی ہے۔ جو نبی برحق کے ذریعے قائم ہوتی ہے۔ اور وہ ضرورت زمانہ کے مطابق عمل صالح اور اُسکی عملی کیفیت پر حاوی ہوتی ہے۔

پھر یہ کہ سب سے آخر ان سب امور مذکورہ بالا کے لئے زبانی وعظ و تذکیر کے علاوہ کوئی نمونۂ عمل بھی ضروری ہے، جو اپنے طریقِ عمل اور فیضِ صحبت سے صِبْغَةَ اللّٰهِ کا رنگ چڑھائے

اور بے لگاموں کو ناجائز خواہشات پر کنٹرول کرنا سکھائے اور ناقصین کو کمال تک پہنچائے الغرض یہ سوائے نبی برحق اور پھر اس کے بعد اُس کے کامل تابعدار کے ممکن نہیں۔ اسی لئے دنیا میں جب کبھی کسی نے اصلاح کا جھنڈا اٹھایا۔ اور اخلاقی انقلاب پیدا کیا۔ تو وہ حضرات انبیاء علیہم السّلام یا اُن کے کامل تابعدار ہی ہوئے۔ چنانچہ ارشاد ہے :۔

فَلَوْ لَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ (ہود پ۱۲)	پس کیوں نہ ہوئے تم سے پہلے زمانوں میں صاحبانِ دانائی جو منع کرتے زمین میں فساد کرنے سے۔ مگر تھوڑے تو وہی تھوڑے سے لوگ ہوئے جنکو ہم نے اُن میں سے عذاب (عالمگیر) سے بچا لیا تھا، اور ظالموں نے تو آسودگی (میں خواہشاتِ نفس) کی پیروی کی اور وہ مجرم ہو گئے۔

چھٹا قرینہ یہ ہے کہ ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت اور اعمالِ صالحہ پر اجر دینے کا وعدہ کیا ہے۔ اور یہ وعدہ نہیں ہو سکتا جبتک خدا تعالےٰ اِن سب کی تعلیم اور اُن کے حدود اور کوائف اور اِن کے متعلق اپنی رضا کا طریق مقرر نہ کرے اور اِن سب کے لئے نبی برحق کی سخت ضرورت ہی جسکی تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔ تَمَّ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ

یہ وہ قرینے ہیں۔ جو نفسِ آیت میں ہیں۔ اور دیگر مقامات پر ایمان بالرسل کی جو آیات ہیں انہیں سے بعض چوتھی قسم کے کفار کے ضمن میں اوپر گذر چکی ہیں۔ ایک اور اِسوقت بھی ذکر کر کے اِس مضمون کو ختم کر دیا جاتا ہے۔ جو بالخصوص آنحضرت صلعم کی نسبت ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلعم کی بعثت پر جملہ سابقہ کتابوں کی اصلی تعلیم قرآن شریف میں آچکی ہے۔ اور آنحضرت صلعم پر ایمان لانیکا لازمی نتیجہ یہ ہے۔ کہ جملہ انبیاء علیہم السّلام کو برحق مانا جائے جیسا کہ سابقاً مفصل گذر چکا ہے:۔

وہ آیت یہ ہے:۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ (محمد پ۲۶)	اور جو لوگ کہ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے اور وہ ایمان لائے اس (کتاب) پر جو محمد صلعم پر اُتاری گئی۔ اور وہی حق ہے اُن کے رب کی طرف سے دور کردیں (خدا نے) انکی برائیاں اور سنوار دیا اُن کا حال۔

اِس آیت میں خدا تعالےٰ نے حضرت محمد رسول اللہ صلعم کی وحی پاک قرآن شریف پر ایمان لانے پر گناہوں کی معافی اور دین دنیا کی حالت کے سنوارنے کا وعدہ کیا ہے اور یہی معنے نجات و سعادت

کے ہیں۔ پس نجات و سعادت کی راہ آنحضرتؐ کی پیروی میں ہے۔ اور بس۔ اِسی لئے خدا تعالےٰ نے اِسی سورہ کے آخری رکوع میں فرما دیا:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ۞ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ (محمد پ۲۶)

بیشک وہ لوگ جو کافر ہو گئے اور اُنہوں نے (دوسرے لوگوں کو) خدا کی راہ سے روکا۔ اور اُنہوں نے ہدایت ظاہر ہو جانے کے بعد اس رسول (محمد صلعم) کی مخالفت کی وہ خدا تعالےٰ کا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکینگے۔ اور خدا تعالےٰ اُن کے سب اعمال ضائع کر دیگا۔ اے مسلمانو! تم فرمانبرداری کرو اللہ تعالےٰ کی اور فرمانبرداری کرو اس رسول (محمد صلعم) کی اور اپنے اعمال کو ضائع مت کرو۔

اِس آیت سے صاف ظاہر ہے۔ کہ جس طرح کفر وغیرہ امور سے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں اس طرح آنحضرت صلعم کی مخالفت سے بھی ضائع ہو جاتے ہیں اور کفار کے ذکر کے بعد خدا تعالےٰ نے مسلمانوں کو خطاب کر کے اپنی فرمانبرداری اور اپنے رسول محمد صلعم کی فرمانبرداری کا حکم کیا ہے اور اُسکی خلاف ورزی کی صورت میں اعمال کے ضائع کرنے سے منع کیا ہے۔ یعنی یہ کہ تم نے کفار کی طرح یعنی نافرمانی اور مخالفتِ رسولؐ اختیار کر کے اپنے اعمال برباد نہ کر لینے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

اِس سے معلوم ہوا کہ اعمال کی قبولیت کے لئے آنحضرت صلعم کی مُہر کی ضرورت ہے۔ یا یوں سمجھو کہ صرف وہ اعمال قابلِ قبولیت ہیں جو موافق و مطابقِ سنت ہوں نہ وہ جو ہم اپنے خیال و قیاس سے تراش لیں اِسی معنے میں آنحضرت صلعم نے فرمایا:۔

والذی نفس محمد بیدہ لو بدا لکم موسٰی فاتبعتموہ وترکتمونی لضللتم عن سواء السبیل ولو کان حیا وادرک نبوتی لاتبعنی رواہ الدارمی (مشکوٰۃ صفحہ ۲۴)

قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضے میں محمدؐ کی جان ہے کہ اگر تمہارے لئے حضرت موسیٰؑ بھی ظاہر ہو جائیں اور تم مجھے چھوڑ کر اُنکی تابعداری اختیار کر لو تو (خدا کی) سیدھی راہ سے بھٹک جاؤ۔ اور وہ (موسیٰؑ) زندہ ہوں اور میری نبوت کا زمانہ پالیں تو ضرور ضرور میری ہی تابعداری کرتے

اِس مضمون کو حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ نے بوستاں میں یوں بیان کیا ہے۔

"دریں بحر جز مردِ داعی نہ رفت
گم آں شد کہ دُنبالِ داعی نہ رفت"

"کسانے کہ زیں راہ برگشتہ اند
برفتند بسیار و سرگشتہ اند"

"خلافِ پیمبر کسے راہ گزید — کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید"
"پندار سعدیؔ کہ راہِ صفا — تواں رفت جز بر پئے مصطفےٰ"

پیغمبرِ خداؐ کا ادب و احترام

رسولِ برحق پر ایمان لانا تو بڑی شئے ہے۔ اور اُسکی پیروی کے سوا عمل کی قبولیت ناممکن ہے لیکن خدا تعالےٰ کے ہاں رسولِ خدا کا ادب و احترام بھی یہانتک ملحوظ ہے کہ وہ رسول کی اطاعت کو اپنی اطاعت جانتا ہے۔ اور رسولؐ کی نافرمانی کو دنیا و عاقبت کی زیاںکاری کا موجب گردانتا ہے اور اپنےؐ رسول کے امر کی مخالفت کو موجبِ فتنہ و باعثِ عذابِ الیم فرماتا ہے۔ چنانچہ ہر ایک کے متعلق نمبروار آیات ملاحظہ کرتے جائیں،

(۱) مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ

(النساء پ۵)

(۱) جو شخص اس رسول (محمد صلعم) کی فرمانبرداری کریگا۔ تو تحقیق اُس نے خدا تعالےٰ کی فرمانبرداری کی،

(۲) وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ۝ فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ۝ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (طلاق پ۲۸)

(۲) اور بہت بستیاں ہوئیں جنہوں نے اپنے رب اور اُس کے رسولوں کے حکم سے سرکشی کی تو ہمنے انکا سخت حساب لیا۔ اور اُن کو بہت بُرا عذاب کیا۔ پس اُنہوں نے اپنے اعمال کا وبال چکھ لیا اعمال کا انجام نِرا نقصان و زیان ہی ہوا۔ تو اللہ تعالےٰ نے اُن کے لئے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے پس اے عقل والے لوگو جو ایمان لا چکے ہو خدا نے تمہارے سمجھانے کو تمہاری طرف ایک (بڑا) رسول (محمد صلعم) بھیجا ہے جو تمپر خدا کی روشن آئتیں پڑھتا ہے، تاکہ ایمان والوں اور اعمال صالحہ والوں کو (کفر کے اندھیروں سے نورِ (اسلام) کی طرف نکال لاوے۔

(۳) اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ۝ فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ

(۳) ہمنے تمہاری طرف ایک (عظیم الشان) رسول بھیجا ہے۔ جو تمپر شاہد ہے جس طرح ہمنے فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تھا پس فرعون نے اس رسول (موسےٰ) کی نافرمانی کی، تو ہمنے اُس فرعون کو

اَخْذًا وَّبِيْلًا (مزمل پ ۲۹)

وبال کی گرفت میں پکڑا۔

(۲) فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً (الحاقہ پ ۲۹)

(۲) پس انہوں نے اپنے رب کے رسول کی نافرمانی کی تو ہمنے انکو دم چڑھتی پکڑ میں پکڑا۔

(۲) يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ (النساء پ ۵)

(۲) اس روز وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور اس رسول (محمد صلعم) کی نافرمانی کی یہ آرزو کرینگے کہ کاش ہمیں مٹی کر کے زمین کے برابر کردیا جائے

(۳) فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (نور پ ۱۸)

(۳) پس چاہیئے کہ ڈریں وہ لوگ جو اس رسول (محمد صلعم) کے امر کی مخالفت کرتے ہیں کہ انکو پہنچے کوئی فتنہ یا پہنچے ان کو عذاب دردناک۔

اسی معنے میں آنحضرت صلعم نے فرمایا:-

كُلُّ اُمَّتِيْ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ اَبٰى قِيْلَ وَمَنْ اَبٰى قَالَ مَنْ اَطَاعَنِيْ فَقَدْ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِيْ فَقَدْ اَبٰى

(رواہ البخاری مشکوٰۃ ص ۱۹)

میری ساری امت داخل جنت ہو جائیگی سوائے اس کے جسنے انکار کیا۔ عرض کیا گیا (امت میں سے) آپ کا منکر کون ہے؟ آپ نے فرمایا جسنے میری فرمانبرداری کی وہ داخل جنت ہوگا۔ اور جسنے نافرمانی کی اسنے انکار کیا۔

نبی صلعم کی اطاعت سے اوپر مقام ادب ہے کہ وہ بھی خدا تعالےٰ کو از حد منظور ہے اسکی وجہ یہ ہے۔ کہ جب تک نبی برحق یا کسی دوسری قابل تعظیم بزرگ ہستی کی ذات سے خصوصی انس اور قلبی رغبت و محبت نہ ہو اور دماغ میں اسکی عظمت و وقار کا نقشہ نہ جما ہو اس کے مرتبہ کی رعایت اور اس کے حکم کی عقیدتمندانہ اطاعت متصور نہیں ہو سکتی۔ جو لوگ اس نکتے کو نہ سمجھکر نبی یا اس کے خلیفہ برحق کے منصب اور اس کی ذات کے ادب میں فرق کرتے ہیں۔ ان سے عموماً اقوال میں بیباکی اور تعمیل ارشاد میں تساہل و بہانہ جوئی ہوتی رہتی ہے لیکن جسے پیغمبر برحق سے والہانہ عقیدت اور بے چون و چرا اطاعت کا تعلق ہو جاتا ہے۔ اس کے ایمان کی کیفیت پر فرشتے بھی غبطہ کھاتے ہیں۔ اسے نبی کریم صلعم سے ایسی قلبی اور معنوی نسبت پیدا ہو جاتی ہے کہ اس کا دل انوار الٰہیہ کے اترنے کا محل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ شاہ غلام علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مرزا مظہر جانجاناں رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی ان کے شیخ حدیث

حضرت حاجی محمد افضل صاحبؒ سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ درس کی نسبت فرماتے ہیں:-

"حضرتِ ایشاں (مرزا مظہر صاحبؒ) میفرمودند۔ اگرچہ از حضرت (حاجی صاحب ممدوح) سند طریقہ گرفتہ"
"نشد، لیکن در ضمنِ سبقِ حدیث فیوض از باطنِ شریف ایشاں فائض می شد، و در عرضِ"
"نسبت قوت بہم می رسید۔ ایشاں را در ذکر حدیث در نسبتِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ"
"وسلم استغراقے دست میداد و انوار و برکات بسیار ظاہر می شد گویا در معنے صحبت پیغمبر خدا صلعم"
"حاصل می شد و تعین خاص توجہ و التفاتِ نبوی مشہود می گشت بسبب کمالات نبوت در غایتِ وسعت و کثرت"
"انوار جلوہ گر می شد و معنے حدیث العلماء ورثۃ الانبیاء علیہم السلام واضح می شد ایشاں"
"(حضرت حاجی صاحب موصوف رح) شیخ الحدیث ... صحبت پیر فقیر اند، فوائد بسیار در ظاہر"
"و باطن تا بست سال از خدمتِ ایشاں حاصل نمودہ ایم (مقاماتِ مظہریہ صـ٢٢)"

یہ مقام بہت بلند ہے۔ اور ہم جن لوگوں کی تفہیم کے درپے ہیں۔ اُنکی فہم سے بہت بالا ہے اور کچھ عجب نہیں کہ وہ اپنی بد ذوقی کی وجہ سے اس کا انکار کر دیں۔ کیونکہ جبتک سطح کو مصفا و مجلے نہ کیا جائے۔ نقش و نگار کی زینت کاری صورت نہیں پکڑ سکتی۔ اِسی طرح جبتک ایمان میں کیفیت نہ ہو جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں۔ دل اس حقیقت کو نہیں پا سکتا۔ ذائقہ کی لذت سے متمتع ہونے کیلئے قوتِ ذائقہ کی سلامتی شرط ہے۔ رنگ کی دلفریبی سے مسرت حاصل کرنے کے لئے نورِ بصارت ضروری ہے۔ وہکذا

اِس لئے ہم مقام کی ظاہری سطح پر اکتفا کرتے ہوئے بعض آیات و احادیث پر بس کرتے ہیں جو آنحضرت صلعم کے وقارِ ذاتی اور ادب کی نسبت فرمائیں:-

(١) فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (اعراف پ٩)

(١) پس جو ایمان لائے اُس (رسول محمد صلعم) پر اور اُنہوں نے ادب کیا اور (داخلِ) حفاظت میں) اُسکی مدد بھی کی اور اُس نور کی جو اُسکی طرف اُتارا گیا پیروی کی وہی لوگ نجات پانے والے ہیں۔

(٢) اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا (الفتح پ٢٦)

(٢) (اے نبیؐ) بیشک ہمنے تجھے شاہد اور مبشر اور نذیر کر کے بھیجا ہے تاکہ تم (اے مسلمانو!) خدا پر اور اُس کے رسول (محمد صلعم) پر ایمان لاؤ اور اُسکا ادب و توقیر کرو اور صبح و شام (محمد) خدا کی تسبیح کرو

ف حاجی صاحب ممدوح حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رح کے بھی اُستاد حدیث ہیں۔ ١٢ منہ

نیز اللہ خدا کے بزرگ نشانوں میں سے ہے اور خدا کے نشانوں کی تعظیم دل کے تقویٰ کی دلیل و شہادت ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

ذٰلِكَ ۖ وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ (الحج پ۱۷)	یہ یونہی ہے۔ اور جو کوئی خدا کے نشانوں کی تعظیم کریگا۔ تو یہ بات دلوں کے تقوےٰ (کی وجہ) سے ہوگی؟

اسی ضمن میں خانہ کعبہ، قرآن شریف اور دیگر کتب دینیہ، اور سب مساجد جو خدا کے ذکر کے لئے تیار کی جاتی ہیں اور سب ائمہ محدثین ومجتہدین اور دیگر بزرگان دین اور اولیاء کرام قابل ادب ولائق تعظیم ہیں، کہ وہ سب شعائر اللہ ہیں،

اسی ادب و تعظیم کا ایک اور بہت نازک درجہ ہے۔ جس کے نہ ہونے سے ساری عمر کے اعمال تباہ و برباد ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ (حجرات پ۲۶)	اے مسلمانو! نہ بلند کرو اپنی آوازیں اس نبی (محمدؐ) کی آواز سے اور اُسے اس طرح پر بھی ظاہر پکارسے (نام لیکر) نہ پکارو جس طرح تم اپنے ایک دوسرے کو پکارتے ہو ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال برباد ہوجائیں اور تمکو شعور بھی نہ ہو؟

تنبیہہ۔ ایک مسلمان جس کے دل میں آنحضرت صلعم کی رسالت ونبوت پر ایمان ہے اسکے لئے نہایت خوف کا مقام ہے۔ کہ جب آنحضرت صلعم کا ادب یہانتک ملحوظ ہے۔ کہ آپ کی مجلس میں آپ صلعم کی آواز سے اونچی آواز کرنے سے اعمال ضائع ہوجاتے ہیں۔ تو جو لوگ آنحضرت کی تعلیم وارشاد اور آپ کی صحیح حدیث وسیرت ثابت کے مقابلہ میں اپنے کلام یا کسی اور کے قول کو فروغ دیتے ہیں۔ اور اُسکی پیروی کرتے ہیں وہ اس آیت کو سامنے رکھ کر اپنے ایمان واعمال پر ٹھنڈے دل سے غور کریں۔ واللہ الھادی۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا۔

آنحضرت صلعم نے اپنی محبت کے درجے کی نسبت فرمایا:۔

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ (تجرید البخاری ص۸)	خدا کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے تم میں سے کوئی بھی مومن نہیں ہوگا۔ یہانتک کہ مجھے اپنے والد اور اپنے فرزند سے بڑھکر محبت کرے؟

والد بڑوں میں سے قابلِ تعظیم وجائے محبت ہے۔ اور فرزند چھوٹوں میں سے زیادہ محبوب ہوتا ہے۔ اسلئے آپ نے فرمایا۔ کہ میری محبت ہر بڑے اور ہر چھوٹے سے زیادہ ہو تو ایمان ہے ورنہ خیر۔ نبی کریم صلعم کا تو بہت اونچا مقام ہے۔ یہ محبت وادب تو ایسا وسیع امر ہے۔ کہ جن لوگوں کو آنحضرت صلعم سے سچی محبت و عقیدت ہو گئی۔ اُن سے بھی محبت کرنا ایمان کی نشانی قرار پائی اور اُن سے بغض کرنا نفاق کی علامت ٹھیری۔ چنانچہ فرمایا:۔

آیة الایمان حب الانصار وآیة النفاق بغض الانصار (تجرید البخاری ص۹)	ایمان کی نشانی انصار کی محبت ہے۔ اور نفاق کی نشانی انصار کا بغض ہے۔

مولٰنا ابوالکلام صاحب آزاد اور صراطِ مستقیم

مولٰنا ابوالکلام صاحب نے ترجمان القرآن میں آیت اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی تفسیر بہت بسط سے لکھی ہے۔ اِس میں شک نہیں کہ زورِ کلام اور عبارت آرائی میں مولٰنا ممدوح کا اندازِ بیان ایک خاص وقعت رکھتا ہے گو بیان بہت طویل اور اُسمیں تکرار بکثرت ہی لیکن پھر بھی اُسمیں بہت سے قیمتی جواہر بھی ہیں جنکی قدر دانی اہلِ ذوق کا کام ہے (جزاه اللّٰه عنا خیرالجزاء) ہاں اسمیں بعض عبارتیں ایسی خطرناک بھی ہیں۔ کہ اگر انکا مفہوم وہی ہے جو بعض احباب نے سمجھا ہے۔ تو یہ اِس دورِ آزادی میں اسلام کے لئے سخت صدمے کا باعث ہے۔

ترجمان القرآن کی طباعت سے تھوڑی مُدت بعد مجھے لاہور سے ایک عزیز نے بعض دیگر احباب کے مشورے سے لکھا کہ مَیں ترجمان القرآن کو صـ۱۲۸ سے صـ۱۶۵ تک بغور مطالعہ کرکے اُس کے متعلق اپنی رائے ظاہر کروں کہ مولٰنا موصوف کا مقصود یہی ہے۔ کہ کوئی ہندو یا عیسائی اپنے دین کی اصلی حقیقت (توحیدِ الٰہی اور اعمالِ صالحہ) معلوم کرکے اسپر قائم ہو جائے۔ اور آنحضرت صلعم کو رسول من عند اللّٰہ قبول نہ کرتا ہو۔ آپ کی بعثت کا شکریہ صرف اسی قدر ادا کردے کہ مجھے اپنے دین کی اصل حقیقت معلوم ہو گئی ہے۔ تو کیا ہم مسلمان اسکے بعد کسی کو اسلام کی دعوت دے سکینگے و ہٰکذا۔

مَیں نے اِن احباب کی فرمائش کی تعمیل کی لیکن اِس کے متعلق احتیاطاً اپنی رائے محفوظ رکھتے

ہوئے، صرف اتنے الفاظ پر اکتفا کی کہ مولنا صاحب کے اس کلام میں مرزا صاحب قادیانی کے دعوے نبوت کی طرح ہر دو پارٹیوں کے لئے کافی مسالہ (مصالح) ہے ایک بھولا بھالا مبلغِ اسلام ترجمان القرآن کو ہاتھ میں لیکر قرآن مجید اور نبوتِ محمدیؐ کے کمالات بھی پیش کرسکتا ہے۔ اور ایک شوخ و شاطر غیر مسلم بلکہ ایک آزاد مسلم بھی خدا کی توحید کا قائل ہوتا ہوا اور اپنی روشِ آزادی کو عملِ صالح سمجھتا ہوا کہہ سکتا ہے۔ کہ بیشک قرآن مجید ایک علمی کتاب ہے اسکی نصائح بہت عمدہ ہیں۔ اور آنحضرت صلعم نے زمانہ کی بہت سی تاریکیاں دور کیں اور اخلاق کی بھی اصلاح کی۔ پس آپ کی بعثت سے یہی منشا تھا کسی خاص گروہ میں شامل ہونا آپ کی رواداری اور وسیع النظری کے خلاف ہے۔ بلکہ آپ نے اور قرآن مجید نے تحزب و تشیع کو اسبابِ فساد و تخریب میں شمار کیا ہے۔ اسلئے ہم کسی خاص گروہ میں شامل نہیں ہوسکتے۔ لیکن میں (خاکسار میر سیالکوٹی) یہ بدگمانی بھی نہیں کرسکتا کہ ایک مسلمان عالمِ قرآن (مولنا آزاد صاحب) غیر مسلم دنیا کے سامنے یہ نظریہ پیش کرے کہ تم خدارسی کے لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مستغنی رہ سکتے ہو اسلئے میں نے اپنی رائے محفوظ رکھی۔ اور اسمیں جلدی نہیں کرنا چاہتا۔ تاآنکہ اللہ تعالے حقیقتِ حال مجھپر منکشف کردے۔

زمانہ میں جن علما کی تقریر و تحریر کا غلغلہ پڑجاتا ہے۔ اور انکا سیاسی یا مذہبی چرچا بہت بڑھ جاتا ہے تو لوگ انکے متعلق تین طرح کے ہوجاتے ہیں (۱) محب مفرط۔ جو انکی ہر تحریر و تقریر کو اعتقادی نظر سے دیکھ کر واجب القبول مان لیتے ہیں اور انکی خلاف کوئی بھی بات نہیں سن سکتے (۲) دشمن و معاند جو انکی ہر تحریر و تقریر کو بدظنی سے دیکھ کر اسپر نکتہ چینی کرتے ہیں۔ اور ڈٹکر مخالفت کرتے ہیں (۳) تیسرے وہ جو ان کے غلط و صحیح کو تحقیقی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور غلط کو غلط اور صحیح کو صحیح کہتے ہیں۔

مولنا آزاد صاحب نے موجودہ سیاسی تحریکوں میں جو کام کیا۔ اور انہیں جو نام پایا وہ کسی بیان کا محتاج نہیں۔ ہندوستان کی اکثر آبادی انکی نسبت پہلی قسم کے لوگوں کی سی رائے رکھتی ہے۔ (جن احباب نے مجھے تحریرا اور تقریرا ترجمان القرآن کے صفحاتِ محولہ بالا کے مطالعہ کی فرمائش کی تھی وہ بھی انہی محبینِ مفرطین میں سے تھے) دوسری قسم کے لوگ بہت کم ہیں۔ اور تیسری قسم کے لوگ تو شاید انگلیوں پر بھی نہ گنے جاسکیں۔ ہاں اتنا عرض کردینا ضروری ہے

کہ یہ خاکسار اِس قِسم سوم میں سے ہے۔ کہ نہ مَیں اُن کا مُرید ہوں اَور نہ حاسِد و مُعاند۔
مُرید تو اسلئے نہیں کہ کمالات دو طرح کے ہَیں۔ عِلمی اور عملی۔ مَیں اپنی علمی و عملی ہر دو طرح کی بے بضاعتی کا اقرار کرتے ہوئے اور ہر عالم سُنّت کی قدر و عزت کرتے ہوئے اِتنا ظاہر کر دینا چاہتا ہوں کہ مَینے حضرت میاں صاحب مرحوم دہلوی کے بعد جن علماء کو دیکھا اُن میں سے مولنا مولوی ابو سعید محمد حسین صاحب مرحوم بٹالوی کے برابر علمی کمال میں اور اپنے اُستاد مکرم جناب مولنا مولوی غلام حسن صاحب سیالکوٹی کے برابر عملی کمال میں کسی کو نہیں دیکھا۔ اِس لئے مَیں کِسی کا مرید نہیں ہو سکا۔
اور حاسِد و مُعاند اسلئے نہیں کہ مَیں پیشہ وَر اور گروہ ساز مولوی نہیں ہوں۔ کہ مجھے کسی سے حسد و عناد ہو سکے۔ اور کسی دوسرے کی ناموری اور شہرت اور قبولیّت سے میرے مقاصد کو صدمہ پہنچنے کا اندیشہ ہو سکے۔ گھر کی سادہ روٹی کھاتا ہوں اور ٹھنڈا پانی پیکر خُدا کا شکر ادا کرتا ہوں۔
(۳) مَیں اسی حالت توقّف میں تھا کہ اتّفاق سے ایک شخص گوجرانوالہ سے میرے پاس اپنے کسی دنیوی مطلب کیلئے آئے۔ اُس شخص کی آواز اور طرز گفتگو سے مَینے معلوم کیا کہ وہ آزاد رَو ہے مَینے تحقیق حال کے خیال سے اُسے چابی لگائی تو معلوم ہُوا کہ وہ اِس آزادی میں مولنا آزاد صاحب کے والہانہ پابند ہے۔ مَینے اُسے خوب فِٹ کر کے ذرا اور کسا تو صاف الفاظ میں کُھل پڑے کہ ہاں اگر کوئی ہندو خدا پرست و نیکو کار ہو اور نیک نیّتی سے آنحضرت صلعم کی رسالت کا اقرار نہ کرے تو اُسکی نجات ہو سکتی ہے۔ اِسپر مَینے خاص اُسی شخص پر افسوس نہ کیا کہ اِسے مولوی آزاد صاحب کا زہر چڑھا ہوا ہے۔ بلکہ یہ خیال گذرا کہ خُدا جانے یہ زہر اُن کے کتنے معتقدوں کے ایمان کے لئے مُہلک ہوا ہو گا۔ فَاِنَّا لِلّٰہِ،
اِسپر بھی مَیں جناب مولنا صاحب کی ذات پر بدظنی کی جُرأت نہ کر سکا۔ اور خیال کیا۔ کہ چونکہ خدا کے فضل سے ابھی مولنا ممدوح زندہ ہَیں۔ اور خوش قسمتی سے آجکل آزاد بھی ہَیں۔ اِسلئے اِن عبارت مشکوکہ کی بابت خود اُن سے دریافت کر لوں۔ کہ آپ کا مقصد کیا ہے؟ سو مَینے مولنا صاحب کی خدمت میں اِس مضمون کا خط لِکھا۔ کہ آپ کی تفسیر فاتحہ میں آیت اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ کے ذیل میں بعض عبارتیں (مثلاً ص___ و ص___ و ص___) ایسی سمجھی گئی ہَیں جنسے آپ کا منشا

یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایسے شخص کے لئے کہ وہ ....

(۱) اسلام سے پیشتر کے کسی مذہب کی اصلی تعلیم پر قائم ہو کر ایمان باللہ و اعمال صالحہ کا مالک ہو۔

(۲) بشرطیکہ وہ کسی نبی خاصکر آنحضرت صلعم کی تکذیب نہ کرتا ہو۔ اگرچہ آپ کے رسول من عنداللہ ہونے کے اقرار کو نجات کیلئے ضروری بھی خیال نہ کرتا ہو؛

(۳) قرآن مجید کے اوامر و نواہی کا وہ نصاب جو جملہ مذہب میں مشترک ہے۔ اپنے دین کے رو سے اسکا پابند ہو۔ اور اسلامی نماز روزہ اور حج وغیرہ طرق عبادت کو منہاج شریعت سمجھتا ہو جو پہلے مذہبوں سے صرف صورۃً مختلف ہیں۔ نہ کہ اصل مقصد میں، اور ان عبادات کا پابند نہ ہو کر انکو بھی جائز جانتا ہو۔ نہ واجب،

(۴) قرآن مجید کی اصلاح و تعلیم کی قدر کرتا ہو لیکن اُسے منزل من عنداللہ نہ جانتا ہو؛ آپ ایسے شخص کے لئے دین محمدیؐ میں داخل ہونا ضروری نہیں جانتے۔ اور آپ کے نزدیک آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد بھی اُسکی نجات اُخروی اُس کے اپنے مذہب کے مطابق عمل کرنے سے ہو سکتی ہے۔ بلکہ ہو جائیگی۔ اور آپ کے نزدیک آنحضرت صلعم پر ایمان لانے کے معنے بدرجۂ کفایت اسیقدر ہیں۔ کہ کوئی آپ کی تعلیم سے مذہب سابقہ کی اصلی حالت کو سمجھکر اُسپر قائم ہو جائے اور بس،

کیا عبارات محولہ بالا (مندرجہ ترجمان القرآن) میں آپ کا مطلب یہی ہے؟ میرا حسن ظن جو جناب کی ذات سے ہے۔ وہ محتاج بیان نہیں۔ لیکن چونکہ لوگ مجھ سے دریافت کرتے ہیں اور میں اتفاق سے سورۂ فاتحہ کی تفسیر لکھ رہا ہوں۔ اسلئے چاہتا ہوں کہ اس میں یہ مسئلہ صاف کر دوں۔ اگر آپ پر بدظنی بیجا ہے۔ تو ایک مسلمان کی بریت ہو جائے۔ اور اگر بجا ہے تو میں اپنے طور پر اس مسئلہ کو واضح طور پر بیان کروں۔ (دھکذا)

اس مضمون کا خط لکھکر اور جواب کے لئے ٹکٹ بھی رکھکر دہلی میں مولنا صاحب کیخدمت میں روانہ کر دیا۔ اور باہر لفافہ پر یہ بھی لکھدیا کہ مولنا صاحب دہلی میں تشریف نہ رکھتے ہوں تو کلکتہ میں یا جہاں کہیں ہوں وہاں جاوے۔ آج ۲۱ جولائی ۱۹۳۴ء تک ....

اس قصے کو کئی مہینے گذر گئے۔ نہ میرا خط واپس آیا نہ جواب ملا۔ اور میرا ظن غالب یہی تھا۔ کہ

مولٰنا صاحب اِس کا صاف جواب ہرگز نہیں دینگے کیونکہ جیسا کہ میرا خیال ہے مولٰنا صاحب نے یہ مسئلہ کسی مصلحت کے لئے نہایت احتیاط سے بے ضرورت طوالت اور طول کثیق تکرار سے پیچیدہ عبارت میں لکھا ہے۔ وہ اِسے کبھی بھی واضح نہیں کرینگے۔ اِلّا اُسوقت کہ اُن کو بارگاہ ایزدی سے لِمَ قُلْتَ وَمِنْ اَیْنَ قُلْتَ سے سوال کیا جائے؟ لیکن پھر بھی اس کے متعلق کچھ لکھنے سے پہلے عند اللہ وعند الناس بری الذمہ ہونے کیلئے مولٰنا صاحب سے اِستفسار کرلینا ضروری خیال کیا!

جو باتیں ہمنے مولٰنا آزاد صاحب کے خط میں لکھی ہیں۔ وہ سب آجکل بعض آزاد رو۔ کج فہم بے علم و عمل انگریزی دانوں میں گشت کررہی ہیں۔ اور یہ سب کچھ ہندوستان کے نئے مذہب برہمو سماج کی صدائے بازگشت ہے۔ جو نو گرافون کی طرح بعض نام کے مسلمانوں کے حلقوں سے سنائی دیتی ہے۔ اور مولٰنا آزاد صاحب کی سُریلی بربط کی باریک تاروں سے بھی یہی آواز نکل رہی ہے۔ لیکن اُن کی نغمہ سرائی کے شیدائیوں کو نغمہ کی شیرینی نے ایسا بے خود کر رکھا ہے۔ کہ وہ اس کیفیت کے ہوتے مضمون کی حقیقت کو نہیں پا سکتے۔ اور مولٰنا کی شخصیّت کے بوجھ نے اُن کے سروں کو اتنا بوجھل کر رکھا ہے۔ کہ اُن کے دماغ سوچنے سمجھنے سے معطّل ہوچکے ہیں۔ سچ ہے۔ حُبُّكَ الشَّیْئَ یُعْمِیْ وَیُصِمُّ یعنے افراطِ محبت اندھا اور بہرا کردیتی ہے،

حقیقت یہ ہے کہ مولٰنا آزاد صاحب ہندو برہمو سماج سے الگ ایک اسلامی برہمو سماج قائم کرنا چاہتے ہیں۔ یعنے جسطرح راجہ رام موہن رائے صاحب نے ہندو نیشنلٹی کو قائم رکھتے ہوئے ہندو مذہب میں ایک اصلاحی سکیم پیش کی ہے۔ اور ہندؤں میں سے بہت سے لوگوں نے ہندو کہلاتے ہوئے اُسے منظور کرکے ایک الگ جماعت قائم کرلی ہے اِسی طرح حضرت مولٰنا آزاد صاحب اسلامی نیشنلٹی کو قائم رکھتے ہوئے۔ اُسی ترمیم کو بنامِ صراطِ مستقیم اور حزب اللہ برہمو سماج، مِلّت اسلام میں رواج دینا چاہتے ہیں۔

لیکن تھوڑے سے غور سے دیکھا جائے، تو راجہ رام موہن رائے صاحب آنجہانی کے کام اور حضرت مولٰنا کے کام میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ترقی و تنزّل کا سوال ہے۔ اصلاح و فساد کا نظارہ ہے۔ کیونکہ راجہ صاحب نے ہندو مذہب کی بُت پرستی اور بعض رسوم جاہلیت کو ناپسند کرتے ہوئے۔ اُس قوم کی اصلاح کرنی چاہی جسمیں وہ ایک حدتک کامیاب ہوگئے کہ آج سَو سال کا

عرصہ گذر گیا ہے کہ اُنکی آواز کی قبولیت سے ہندوستان کے بہت سے بڑے بڑے شہروں میں اِس مذہب کی سماجیں قائم ہو گئی ہیں۔ جنکو بُت پرستی سے بڑی نفرت ہے۔ لیکن قومیت الگ نہ ہونے کی وجہ سے تعلقاتِ رشتہ ناطہ اور اکل و شرب اور زیّ و لباس، اور اُنکی نفر شماری میں وہ ویسے کے ویسے ہندو ہیں دیگر یہ کہ راجہ صاحب موصوف نے یہ اصلاح و ترمیم قرآن کریم کے مطالعہ سے متاثر ہو کر کرنی چاہی تھی۔ جیسا کہ انہوں نے خود ذکر کیا ہے۔ اور اُنکی زندگی کے واقعات اور بعض پنڈتوں اور پادریوں سے اُن کی خط و کتابت اور گفتگو سے ظاہر ہے۔

لیکن مولنا ابو الکلام صاحب یہ ترمیم دینِ محمدی کے انتہائی کمال پر پہنچ جانے اور نبوت کے ختم ہو جانے، اور قرآن کریم کے مِن وعَن محفوظ ہونے کے بعد کرنا چاہتے ہیں۔ (والعیاذ باللہ)

اگر کہا جائے کہ حضرت مولنا صاحب اسلام میں کوئی ترمیم نہیں کرنا چاہتے اور نہ وہ اِسے جائز جانتے ہیں۔ بلکہ صرف اُسی حقیقت کو لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ جو آنحضرت صلعم اور قرآن کریم نے تعلیم کی، تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ اگر یہ حقیقت ایسی واضح تھی تو کیا سبب ہے کہ ساڑھے تیرہ سو سال تک یہ حقیقت کسی صحابی، کسی تابعی، کسی امام و مجتہد، کسی محدث، کسی فقیہ، کسی متبع سنت متکلم، کسی صاحبِ کشف و الہام عارف و ولی اللہ پر نہ کھلی۔ اگر یہ حقیقت واضح تھی۔ تو سب مسلمانوں کو اس کا علم ہوتا اور اسی پر سب کا اعتقاد ہوتا۔ اور اگر کوئی ایسی باریک گرہ تھی جسے صرف نہایت باریک بین اور حقیقت شناس افراد ہی کھول سکتے ہوں۔ تو ایسے بڑے بڑے کامل بزرگوں میں سے جو آسمانِ علم و عمل اور ایمان و عرفان کے آفتاب و ماہتاب ہوئے ہیں، اِسے کوئی بھی کیوں نہ کھول سکا۔ اور اگر کہا جائے۔ کہ اِس معمّا کا حل قدرت نے صرف حضرت مولنا کے لئے ودیعت کر رکھا تھا۔ اِن سے پہلے جملہ کاملین لکیر کے فقیر ہوتے رہے ہیں تو بلا نزاع فیصلہ کی یہی بات ہے۔ کہ ہمیں اُسی لکیر پر چلنا چاہئے۔ جو صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین اور صالحین امت کھینچ گئے۔ دیکھئے! زیر تفسیر یہی آیت ہے:۔ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ یعنی خداوندا! ہمیں اُس رستے کی رہنمائی کر اور اُس پر چلنے کی توفیق عنایت فرما جو تیرے منعم علیہم لوگوں کا ہے۔ اور معلوم ہے کہ اِس امتِ محمدیہ میں وہ لوگ وہی ہیں۔ جن کے علم و عمل اور ایقان و عرفان کو ہم مولنا صاحب کے مقابلہ میں

پیش کر رہے ہیں۔ اور اُن میں اور مولانا صاحب میں از روئے علم و عمل و اخلاص زمین آسمان کا فرق ہے۔ خوب یاد رکھئے! قرآن شریف معمّا اور چیستان نہیں ہے۔ اِسکا بیان غیر واضح نہیں ہے اُسکی عبارت پُر پیچ و خمدار نہیں ہے۔ وہ اپنے مقصود کو گومگو حالت میں نہیں رکھتا۔ بلکہ وہ کتابِ مبین ہے وہ قولِ فصل ہے۔ وہ نورِ مبین ہے۔ جس میں تاریکی اور دھندلا پن نہیں ہے وہ ایک ہی دو ٹوک بات کہتا ہے۔ جس میں شک اور تردّد کی گنجائش نہیں ہوتی آنحضرت صلعم اپنے صحابہؓ کو صراطِ واضح اور ملّتِ بیضا پر قائم کرنے کے بعد اِس دنیا سے رخصت ہوئے تھے۔ لہذا صحابہ رضؓ آپ کے مقصد اور حقیقت دین سے ناآشنا نہیں رہ سکتے تھے۔ چنانچہ آپ نے اپنی اس زندگی کے آخری ایام میں اُن کو خطاب کرکے بطور وصیّت کے فرمادیا تھا:۔

قد تركتكم على البيضاء ليلها كنهارها لا يزيغ عنها بعدي الا هالك ومن يعش منكم فسيرى اختلافاً كثيرا فعليكم بما عرفتم من سنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين عضوا عليها بالنواجذ الحديث

(كنز العمال ج اول ص ٤٦)

میں تمکو روشن (حالت یا طریق) پر چھوڑ چلا ہوں جسکی رات بھی مثل اس کے دن کے روشن ہے میرے بعد اِس سے کوئی بھی سوائے ہلاک ہونیوالے کے ٹیڑھا نہیں ہوگا۔ اور جو کوئی تم میں سے میرے بعد (لمبی) عمر پائیگا وہ بہت اختلاف دیکھیگا۔ پس تمنے اُسے لازم پکڑے رکھنا جو تم میری سنت سے معلوم کر چکے ہو۔ اور (اگر اسمیں نہ ملے تو) ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کے طریق کو لازم پکڑنا، اسی (حالت و طریق) کو نہایت مضبوطی سے اپنی داڑھوں سے پکڑے رکھنا۔

الغرض مولانا کی یہ خواہش معلوم ہوتی ہے۔ کہ وہ ہندوؤں کے جواب میں ایک اسلامی برہم سماج قائم کریں۔ سو یہ بالکل خیالِ خام اور بے سود کوشش ہے۔ کیونکہ اسلام کی اندرونی اور بیرونی اور علمی و عملی پالیسی وہی ہے۔ جس پر آنحضرت صلعم صحابہ رضؓ کو چھوڑ گئے۔ اور وہ طریق علماً و عملاً صالحین کی وساطت سے ہم تک عہد بعہد متوارث چلا آیا ہے اسمیں کسی ترمیم کی گنجائش نہیں اور آج ساڑھے تیرہ سو برس کے بعد کسی شخص کی عبارت آرائی سے اُسکی حقیقت نہیں بدل سکتی خود مولانا صاحب نے ترجمان القرآن کے مقدمہ میں بضمن عنوان "اصول ترجمہ و تفسیر" متاخر مفسرین پر بڑا اعتراض یہی کیا ہے۔ کہ اُنہوں نے اپنی تفاسیر میں سلف صالحین کے اصول کو

ملحوظ نہ رکھا۔ اور قرآن کو وضعیت و صناعیت کے مصنوعی لباس میں چھپادیا چنانچہ انکی بعض تصریحات حسب ذیل ہیں :۔

(۱) "سلف صالحین کی طبیعتیں وضعی طریقوں میں نہیں ڈھلی تھیں اسلئے وہ قرآن کی سیدھی سادی"
"حقیقت بیساختہ پہچان لیتے تھے خلف کی طبیعتوں پر یہ بات شاق گذرنے لگی۔ کہ قرآن اپنی سیدھی"
"سادی شکل میں نمایاں ہو۔ اُن کی وضعیت پسندی اسپر قانع نہیں ہوسکتی تھی۔ (ص۶۷)"

(۲) "یہی زمانہ ہے جب امام فخرالدین رازیؒ نے تفسیر کبیر لکھی اور پوری کوشش کی۔ کہ قرآن کا سراپا اس مصنوعی"
"لباس وضعیت میں سرتاپا پوشیدہ ہو جائے۔ اگر امام صاحب کی نظر اس حقیقت پر ہوتی تو انکی پوری تفسیر"
"نہیں تو دو تہائی حصہ یقیناً بیکار ہو جاتا" (ص۶۷)

"میر سیالکوٹی" مولانا آزاد صاحب نے امام رازیؒ پر نہایت کرمفرمائی کی کہ انکی بیمثل تفسیر کی ایک تہائی کو محض اپنی مہربانی سے کسیقدر کارآمد کہدیا، اور حضرت امام رازیؒ کی حقیقت شناسی کے متعلق جو کچھ چبھتے ہوئے پیرائے میں بیان فرمایا ہے اسکا جواب آگے آئیگا +

(۳) "جب کسی کتاب کی نسبت یہ سوال پیدا ہو اس کا مطلب کیا ہے؟ تو قدرتی طور پر ان لوگوں کے فہم کو ترجیح"
"دیجائیگی۔ جنہوں نے خود صاحب کتاب سے مطلب سمجھا ہو۔ قرآن ۲۳ برس کے اندر بہ تدریج نازل ہوا وہ"
"جسقدر نازل ہوتا تھا، صحابہ کرام سُنتے تھے۔ نمازوں میں دُہراتے تھے۔ اور جو کچھ پوچھنا ہوتا تھا خود"
"پیغمبر اسلام (صلعم) سے پوچھ لیتے تھے۔ اُن میں بعض افراد خصوصیت کیساتھ فہم قرآن میں ممتاز ہوئے۔ اور خود"
"پیغمبر اسلام (صلعم) نے اُسکی شہادت دی مذہبی خوش اعتقادی کی بنا پر نہیں۔ بلکہ قدرتی طور پر اُن کے فہم کو"
"بعد کے لوگوں کے فہم پر ترجیح ہونی چاہئے لیکن بدقسمتی سے ایسا نہیں سمجھا گیا۔ بعد کے لوگوں نے اپنے اپنے"
"عہد کی فکری مؤثرات کے ماتحت نئی نئی کاوشیں شروع کردیں اور صریح سلف کی تفسیر کے خلاف ہر گوشے"
"میں قدم اٹھادیئے گئے" (ص۹۸)

"مولانا آزاد صاحب کی ان تصریحات سے بغیر کسی قسم کی کھینچ تان کے صاف روشن ہے۔ کہ آپ قرآن شریف کی تفسیر میں سلف صالحین کو نمونہ مانتے ہیں۔ اور اُنہی کو حقیقت شناس سمجھتے ہیں۔ امنّا وصدّقنا۔

اب سوال یہ ہے کہ صراط مستقیم کی تشریح و تعیین میں جناب مولانا صاحب جو کچھ فرمارہے ہیں وہ خاتم النبیین صلعم کے پیش کردہ اسلام کی حقیقت پر راجہ رام موہن رائے بنگالی کے برہم سماج کی جو رنگت چڑھا رہے ہیں۔

اِس رنگسازی میں سلف صالحین میں سے آپ کے ساتھ کون ہے؟
دیگر یہ کہ امام رازیؒ وغیرہ نے باوجود حقیقت شناس ہونیکے ہمکو آنحضرت صلعم کی دہلیز سے مستغنی نہیں کیا۔ اور ہمارے ہاتھ سے آنحضرت صلعم کا دامن نہیں چھوڑایا۔ لیکن آپ حقیقت شناس ہوکر ہمیں یہ زہر پلانا چاہتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلعم کے ماننے کی حد کفایت یہی ہے۔ کہ اصولاً کسی سابق مذہب کی اصلی تعلیم پر کاربند ہوکر بہر نہجیکہ باشد خدا کی عبادت کرلیں اور نیکوکار بنجائیں۔ مندر میں جاکر سندھیا کرلیں تو کیا۔ اور گرجے میں جاکر پادری صاحب کا لیکچر سُننے کے بعد ذرہ سر جھکا کر دعا مانگ لیں تو کیا۔ اور مسجد میں جاکر رکوع وسجود سے بجملہ آداب نماز ادا کریں تو کیا۔ سب خدا پرستی کے وسائل ہیں جنمیں نزاع نہیں چاہیئے نزاع کروگے تو تحزب وتشیع کے فقرے میں آکر بے دین بنجاؤگے وغیرہ وغیرہ
بس جناب! ازراہِ کرمفرمائی ہمارے دماغوں کو اُس حقیقت شناسی سے معذور سمجھیں جس سے ہم سلف صالحین کے طریق سے ہٹ جائیں امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تو وضعیت وصناعیت کے لباس میں بھی سلف صالحین کے سے ایمان کو نہیں چھوڑا۔ لیکن آپ حقیقت شناسی کے ایسے مقام پر پہنچگئے۔ کہ وہاں جاکر سلف صالحین کا دامن صاف صاف ہاتھ سے چھوٹ گیا ع۔ ببیں تفاوتِ راہ از کجاست تا بکجا" ؎

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی ۔۔۔ کیں راہ کہ تو میروی بہ ترکستان است

جناب والا! ہم آپ کو کیا بتائیں، لقمان راحکمت آموختن کی مثل ہے۔ اسلام اپنی ذات میں ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ جو کفر کے کسی بھی شعبہ سے رل نہیں سکتی۔ برہم سماجیوں کی طرح بَیْنَ ذالك سبیلاً اور ہاربک ہو۔ یا بت پرستوں اور صلیب پرستوں کی طرح نمایاں ہو،

قَدْ تَبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا (بقرہ پ۳)	(آنحضرت صلعم کی آمد پر) ہدایت گمراہی سے بالکل الگ ہوچکی ہے پس جو شخص طاغوت سے انکار کرے اور اللہ پر ایمان لاوے اُسنے ایسی محکم دست پناہ کو پکڑ لیا۔ جو کبھی ٹوٹیگی نہیں ۔

اُس کا اِعلان ہے اور

وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ (بقرہ پ۳)	اور جو کوئی اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کریگا تو اس سے ہرگز ہرگز قبول نہیں کیا جائیگا، وہ آخرت میں ٹوٹا پانیوالوں میں ہوگا

اُس کا قانون ہے۔ پس جس کو روشنی کی طلب ہے۔ اور دارین کی نجات وسعادت کی ضرورت ہے وہ ہر طرف سے مُنہ موڑ کر اُس کے سامنے آئے۔ اور نور سعادت پلئے، اور جسے راہِ حق کی تڑپ ہے۔ وہ سب سے الگ ہو کر اُسکی رہنمائی سے راہ پائے، چنانچہ وہ پکارتا ہے۔ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا (روم پ ۲۱)، یعنی قائم کر تو اپنے منہ کو دین الہی کے لئے یک رُخ ہو کر اور سب سے الگ ہو کر۔

تتمہ بحث

مولنا آزاد صاحب کی اس آزادی کے جواب ہیں ہماری اسی تفسیر واضح البیان کو صفحہ ۲۷۷ سے صفحہ ۲۷۹ تک پھر پڑھیں، جہاں ہمنے چوتھی قسم کے کفار کا ذکر کیا ہے۔ جو تکذیب و اقرار بالرسل کے درمیان رہ کر خدا پرستی کے مدعی ہیں۔ کیونکہ ہمنے وہاں پہ جو کچھ لکھا ہے۔ وہ اِس آزادروی یا مبانہ روی کو خصوصیت سے ملحوظ رکھکر لکھا ہے۔

اِس کے بعد ہم مولنا ممدوح کے ترجمان میں سے بعض اقتباسات نقل کرتے ہیں۔ جو اُن کے لئے اور اُنکے بعض محبین مفرطین کے لئے ٹھوکر کا باعث ہوئے ہیں مولنا آزاد صاحب کی **تصریحات** (نمبر ۱) مولنا صاحب آیت اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی تفسیر کے ضمن میں سورہ مائدہ کی آیت لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا نقل کرکے فرماتے ہیں:۔

(۱) اُس آیت پر سرسری نظر ڈالکر آگے نہ بڑھ جاؤ۔ بلکہ اس کے ایک ایک لفظ پر غور کرو، قرآن کا جب ظہور ہوا تو دنیا کا یہ حال تھا کہ تمام پیروانِ مذاہب، مذہب کو صرف اس کے ظواہر و رسوم ہی میں دیکھتے تھے؛ × × × لیکن قرآن کہتا ہے۔ کہ نہیں، یہ اعمال و رسوم نہ تو دین کی اصل و حقیقت ہیں۔ نہ کا اختلاف حق و باطل کا اختلاف ہے۔ × چونکہ یہ اصل دین ہے۔ اِسلئے نہ تو اس میں تغیر ہوا اور نہ کسی طرح کا اختلاف، اعمال و رسوم فرع ہیں۔ اسلئے ہر زمانے اور ہر ملک کی حالت کے مطابق بدلتے رہے، الخ × × (صفحہ ۱۳۷)

(۲) اگر خدا چاہتا تو تمام نوعِ انسانی کو ایک ہی قوم و جماعت بنا دیتا۔ اور فکر و عمل کا کوئی خلاف وجود ہی میں نہ آتا۔ لیکن معلوم ہے۔ کہ خدا نے ایسا نہیں چاہا۔ اسکی حکمت کا مقتضا یہی ہوا کہ فکر و عمل کی مختلف حالتیں پیدا ہوں الخ × × × (ترجمان القرآن صفحہ ۱۳۷)

عرض از جانب خاکسار۔ جناب مولنا صاحب! آپ نے اِس آیت محولہ کے ایک ایک لفظ پر غور کرنے کی جو تاکید فرمائی ہے۔ خدا کے فضل سے اِس سے پیشتر ہی اس کا ایک ایک لفظ ہمارے ذہن میں ہے۔ لیکن اس ادّعا سے جو آپ نے عنوان "اُصولِ ترجمہ وتفسیر" کے ضمن میں کیا ہے مثلِ غنچہ لب بستہ ہیں۔ اور خُدا کا شکر ہے۔ کہ باوجود کم بضاعتی کے ہمارے یقین میں شک کا کوئی بھی کانٹا کبھی نہیں چبھا۔ اور ہمارا اعتقاد انکار کی آزمائش میں کبھی مبتلا نہیں ہوا۔ جیسا کہ آپ اپنی بابت اُسی عنوان کے صث میں بتلاتے ہیں۔

آپ نے صفحہ ۵، پر اپنی قرآن دانی اور مطالعہ تفاسیر وکتب مطبوعہ وغیر مطبوعہ اور علوم قدیمہ وجدیدہ کے احتوا کا جو ادّعا کیا ہے۔ وہ کسی صاحبِ علم وعمل امام نے نہیں کیا۔ یا کم از کم کسی کا ایسا دعوٰی ہماری نظرِ ناقص سے نہیں گذرا، حالانکہ اُنکی جلالتِ شان اور وسعتِ علم اور تقوٰی ودیانت کا قائل ہر کوئی ہے ہاں مرزا صاحب قادیانی کو بھی اپنی بابت یہی گمان تھا اور اُن کے بعد آپ کے رشحاتِ قلم سے بھی ایسی تراوش ہوئی۔ فرق صرف یہ ہے۔ کہ مرزا صاحب قادیانی علوم درسیہ پڑھے بغیر اپنے زعمی فضل وکمال کی تحصیل کو خدا کی طرف منسوب کرتے تھے۔ اور آپ **شک وانکار** کی جملہ وادیوں کی سیر کر چکنے کے بعد جس مقام پر پہنچے ہیں۔ اُسے اپنی علمی تحقیقات کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ لیکن ہم انکار وشک میں پڑنے کے بغیر اور ایسے باطل ادّعا کے سوا جملہ آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ آں مکرّم نے نسخ وتبدیل شرائع کی صرف صورت دیکھی ہے۔ اور (گستاخی معاف!) **حقیقت نہیں سمجھی** جو یہ ہے۔ کہ کسی شریعت میں نسخ وتبدیل اللہ ربّ العٰلمین کی طرف سے ہوتی ہے۔ اور کسی نبی برحق کی معرفت ہوتی ہے۔ نہ کہ لوگوں کی رائے سے کہ وہ خود اسمیں تنسیخ وترمیم کرلیں۔ اور یہ جو آپ نے فرمایا۔ کہ اصل دین ایک خدا کی پرستش اور نیک عملی کی زندگی ہے۔ بالکل درست ہے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی خیال رہے کہ خدا کی عبادت کا طریق اور نیک عملی کی زندگی خدا تعالےٰ کے ہاں وہی مقبول ہے۔ جو اُس کے نبی برحق کی معرفت تعلیم کی گئی ہو۔ ورنہ سلسلۂ رسالت ونبوّت کی کوئی ضرورت نہیں رہیگی۔ پس اگر خدا تعالیٰ نے کسی سابق نبی کی شریعت کا کوئی طریق بتقاضائے مصلحتِ وقت کسی متاخر نبی کی معرفت منسوخ کردیا۔ یا اسمیں کوئی تبدیلی کردی۔ تو خدا کی خوشنودی اور اُسکی درگاہ میں قبولیت اُسی متاخر نبی کی

پیروی سے حاصل ہوگی۔ نہ کہ منسوخ شدہ شریعت کی پیروی سے، لہذا آپ کے اقوال مثلاً (قرآن شریف) ہر گروہ سے یہی مطالبہ کرتا ہے۔ کہ اپنے اپنے مذہب کی حقیقی تعلیم پر سچائی کے ساتھ کاربند ہوجائے وہ کہتا ہے اگر تم نے ایسا کرلیا۔ تو میرا کام پورا ہوگیا (ترجمان ص۱۵۴)

(۲) اور یہ کہ اس (قرآن شریف) نے جب کبھی لوگوں کو اپنی طرف دعوت دی ہے تو یہی کہا ہے اپنے اپنے مذہبوں کی حقیقی تعلیم از سرِ نو تازہ کرلو، تمہارا کرنا ہی مجھے قبول کرلینا ہے۔ (ترجمان ص۱۶۰) وغیرہ وغیرہ سب کے سب قرآنی دعوت کے برخلاف ہیں اور چونکہ شریعت محمدیہ آخری شریعت اور سب شرائع سابقہ کی ناسخ ہے۔ اسلئے اِس وقت خدا کی رضامندی اسی کی پیروی سے حاصل ہوسکتی ہے ورنہ آنحضرت صلعم کو خاتم النبیین کرنا بے معنے ہوگا۔ (والعیاذ باللہ)

گو اس مضمون کی آیات بکثرت ہیں لیکن ہم مثال کے طور پر صرف ایک آیت ذکر کرکے اس بات کو سمجھائے دیتے ہیں۔

خداتعالے نے سورہ نور ۷ میں فرمایا وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ۵ یعنی نماز اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو۔ اور اس رسول (محمد صلعم) کی اطاعت کرو اور اُمید رکھو کہ تم پر رحم کیا جائیگا۔ اِس میں شک نہیں کہ اسجگہ الرَّسُوْلَ سے مراد آنحضرتؐ کی ذات اقدس ہے۔ اِس آیت میں خداتعالے نے نماز کے قائم رکھنے، زکوٰۃ کے ادا کرنے، اور رسول اللہ صلعم کی اطاعت کرنیکا حکم کیا۔ اور ان احکام کی تعمیل پر رحمت کی امید دلائی اور معلوم و مسلّم ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے نماز کی ایک خاص صورت اور ہیئت اور زکوٰۃ کا ایک خاص نصاب اور طریق ادا تعلیم کیا ہے۔ اچھا اگر اب کوئی یہودی یا عیسائی نماز اور زکوٰۃ کے متعلق اِس حکم اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ کو نظرانداز کرتے ہوئے نسخ قبلہ صخرہ کے بعد آنحضرت صلعم کے طریق سے جُدا ہوکر اور کعبۃ اللہ سے مُنہ موڑ کر صخرہ بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھے، اور آنحضرت صلعم کے مقرر کردہ نصاب اور طریقِ ادا کو چھوڑ کر زکوٰۃ ادا کرے، تو کیا آپ اُسے آنحضرت صلعم کا مطیع و فرماں بردار قرار دیںگے؟ اگر نہیں دیںگے تو اپنے اپنے مذہب کی حقیقی تعلیم پر سچائی سے کاربند ہوجانے کی اجازت کے کیا معنے؟ اور اگر دیںگے تو اِن امور میں آنحضرت صلعم کی فرمانبرداری کہاں ہوئی۔ جو خداتعالے نے بالتخصیص فرمائی ہے۔ اور آنحضرت صلعم کو اپنے طریق خاص کی طرف دعوت دے سکنے کا حق کیسے رہا؟ اور اس آیت قُلْ اِنْ کُنْتُمْ

تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ (آل عمران پ۳) کے کیا معنے ہوئے؟ اور خطبات میں صدہا آدمیوں کے سامنے آپ کے اعلان اِنَّ خَیْرَ الْحَدِیْثِ کِتَابُ اللّٰہِ وَخَیْرُ الْھَدْیِ ھَدْیُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی کیا حقیقت؟ یعنی سب کلاموں سے بہتر کلام خدا کی کتاب (قرآن شریف ہے) اور سب سیرتوں سے بہتر سیرت و روش محمد صلعم کی ہے۔ اللّٰھم انا نعوذ بك من وساوس الشیطان۔

مولنا! آپ کا یہ وسوسہ انہی شکوک و انکار کا اثر و بقیہ ہے۔ جن کا آپ نے ص۷۶ پر ذکر کیا ہے۔

اچھا یہ تو بتائیے، کہ خلیفۂ اول جناب صدیق اکبر رضؓ نے مانعین زکوٰۃ سے جو جہاد کیا اُسمیں حضرت صدیق اکبر رضؓ حق پر تھے یا معاذ اللہ ظالم و جابر تھے۔ کیا مانعینِ زکوٰۃ دین اسلام سے برگشتہ ہوگئے تھے یا زکوٰۃ کی فرضیت سے منکر ہوگئے تھے۔ نہیں ان دونوں صورتوں سے کوئی بھی نہ تھی۔

، بلکہ وہ اُس طریق پر جو آنحضرت صلعم کے عہد کا معمول تھا۔ آپ کے خلیفہ برحق کے ہاتھ پر زکوٰۃ ادا کرنا نہیں چاہتے تھے جسپر حضرت صدیق رضؓ نے اُن کے برخلاف جہاد کا اعلان کردیا، اور اُن کو گردنوں سے پکڑ کر اُن سے اُسی طریق کی تعمیل کروائی۔ جو آنحضرت صلعم کے عہد کا معمول تھا۔ اُمید ہے کہ آپ حضرت صدیق رضؓ کے اس کام کو اُنکی خلافت کے نمایاں کارناموں میں نمایاں حیثیت میں جگہ دیتے ہونگے، تو کیا آپ نے باوجود تفاسیر و کتب مطبوعہ و غیر مطبوعہ کے ذخیرہ کا بیشتر حصہ نظر سے گذار دینے کے کبھی اس حقیقت پر بھی غور فرمایا۔ کہ جب جناب رسالت پناہ صلعم کو حق حاصل نہیں کہ کسی یہودی یا عیسائی سے اُن کی توریت و انجیل سے زائد اطاعت کرا سکیں۔ تو آپ کے خلیفہ کو آپ کے طریق خصوصی کی حمایت میں کلمہ گو، پابندِ صوم و صلوٰۃ مسلمانوں کے خلاف لشکرکشی کا حق کہاں سے ملگیا

من نگویم این مکن آں کُن   حق بہ بین و کار آسان کُن

(۲) اور ص۱۳۷ کے دوسرے فقرے میں آپ نے جو لِیَبْلُوَکُمْ کے مفہوم میں "فکر و عمل کی مختلف حالتیں" لکھکر لفظ فکر کو مفہوم قرآنی پر بڑھایا ہے، اِس سے مقصود قرآنی میں بہت تغیر پیدا ہوگیا ہے اور اس آیت کا جو ترجمہ آپ نے ص۱۳۶ پر ارقام فرمایا ہے یہ تشریح اُس سے بہت دُور جا پڑی ہے، اور آپ کی اُس تحریر کے ماتحت ہوگئی ہے۔ جو آپ نے اصول ترجمہ و تفسیر کے ضمن میں ص۱۱ پر لکھی ہے۔ کہ تفسیر بالرای سے مقصود ایسی تفسیر ہے۔

"جو اسلئے نہ کیجائے کہ خود قرآن کیا کہتا ہے۔ بلکہ اسلئے کیجائے کہ ہماری کوئی ٹھہرائی ہوئی"

"رائے کیا چاہتی ہے۔ اور کس طرح قرآن کو کھینچ تان کر اُس کے مطابق کر دیا جاسکتا ہے" (ص۱۱۔)
قرآن شریف کا مقصود وہی ہے جو آپ نے ترجمہ میں لکھا۔ کہ ہر وقت و حالت کے مطابق، تمہیں جو احکام دیئے گئے ہیں۔ اُن میں تمہاری آزمائش کرے (ص۱۳۶) لیکن اِسکی تشریح میں لفظ فکر سو داخلِ مفہوم قرآنی کر کے آپ قرآن شریف کو کھینچ تان کر اپنی کانگرسی ذہنیت کے مطابق کرنا چاہتے ہیں۔ جو درست نہیں۔ اور اِسی طرح ص۱۳۸ میں آیت سورہ یونس پ۱۱ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ الآیۃ کے ترجمہ میں بین القوسین جو یہ بڑھایا ہے (لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ اسکی حکمت کا فیصلہ ہی ہوا۔ کہ ہر انسان اپنی اپنی سمجھ اور اپنی اپنی راہ رکھے) اور اسکی تشریح میں جو آپ نے فرمایا ہے "پس اسکے سوا چارہ نہیں کہ اِس بارہ میں رواداری اور وسعتِ نظر پیدا کرو" آپ کی ایسی سب تحریریں کتاب اللہ میں زیادتی اور قصرِ نبوت پر کاری ضرب ہے اور یہ سب کانگرسی ذہنیت کا اثر ہے۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ

(۲) **مولانا صاحب کی تصحیح نمبر ۲** ۔ مولانا صاحب اِسی آیت اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کی تفسیر کے ضمن میں سورہ بقر کی آیت اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا الآیۃ نقل کر کے اُسکی تشریح میں فرماتے ہیں:۔

"یعنی دین سے مقصود تو خدا پرستی اور نیک عملی کی راہ تھی وہ کسی خاص حلقہ بندی کا نام نہ تھا۔ کوئی"
"انسان ہو کسی نسل و قوم سے ہو۔ کسی نام سے پکارا جاتا ہو لیکن اگر خدا پرست اور نیک عمل ہے۔ تو دین"
"الٰہی پر چلنے والا ہے۔ اور اُس کے لئے نجات ہے۔ الخ ص۱۳۱)"

ہماری عرض اِس آیت کی پوری تفسیر ص۲۷۹ سے ص۲۹۳ تک ہماری اِسی تفسیر واضح البیان میں ملاحظہ فرمائیں۔ اِس وقت ہم مولانا صاحب کے الفاظ کسی نام سے پکارا جاتا ہو کے متعلق کچھ لکھنا چاہتے ہیں سو واضح ہو کہ اس نام سے مولانا کی مراد ذاتی نام زید۔ بکر وغیرہ نہیں، بلکہ یہودی یا نصرانی یا مسلمان مذہبی نام مراد ہیں۔ گویا مولانا صاحب کے نزدیک بتقاضائے وَقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ (حٰم سجدہ پ۲۴) اسلام کا اقرار کر کے مسلمان نہ بھی کہلاتا ہو تو وہ بھی نجات پاسکتا ہے۔ گویا حضرات

۱؎ مولانا المکرم! یہودی اور نصرانی نام بھی تو لوگوں کی بدعات مستمرہ میں سے ہیں۔ آپنے اُن سے پکارے جانے کو کیوں گوارا کر لیا حضرت نوح سے لیکر آنحضرت صلعم تک تمام انبیاء کے حالات قرآن شریف میں سے پڑھیں خدا تعالےٰ نے ہر نبی کا مذہب اسلام اور اسکی امت کا نام مسلمان بتایا ہے ۱۲ منہ

موسیٰ و عیسیٰ کی شریعت کے بعد برعایت مصلحت زمانہ شریعت محمدیہ میں خدا کی وحی سے جس قدر اضافے کئے گئے۔ اور پچھلی شریعتوں کے جس قدر مسائل منسوخ ہوئے۔ جنکی تکمیل سے اِس شریعت کو مکمل اور ہمیشہ کیلئے غیر مبدل کر دیا گیا۔ اور آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ (مائدہ پ۶) نازل کر کے آنحضرت صلعم کو خاتم النبیین کیا گیا۔ معاذاللہ وہ سب بیہودہ لا حاصل ہیں۔ آنحضرت صلعم کے سامنے یہودیت و نصرانیت پر قائم رہنا گو انکی حقیقی تعلیم موجود بھی ہو آفتاب عالمتاب کی موجودگی میں چراغ لے کر بیٹھنا ہے۔ حضرت عمر رض نے آنحضرت صلعم کے سامنے توریت کے کچھ اجزا پیش کئے۔ تو آپ نے پھر جو کچھ فرمایا تھا وہ ص۲۹۲ پر گذر چکا ہے۔ اُس سے آپ سمجھ سکتے ہیں۔ کہ صاحب توریت موسیٰ بذاتِ خود بھی تشریف فرما ہوں۔ تو وہ بھی آنحضرت کی ذاتِ اقدس سے نہ خود بے نیاز ہو سکتے ہیں نہ دوسروں کو بے نیاز کر سکتے ہیں۔ یہی حال صاحب انجیل حضرت عیسیٰ کا ہے۔ کہ وہ بھی جب اخیر زمانہ میں آسمان سے نازل ہونگے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی پیروی کرینگے۔ کیونکہ یہ شریعت کامل و عالمگیر ہے اور تا قیام قیامت دائم و قائم رہنے والی ہے۔ اور اس سے پیشتر کی سب شریعتیں خاص خاص امتوں اور مخصوص و محدود زمانے کے لئے تھیں اور کامل بھی نہ تھیں (فافہم)

اِس کی ایک مثال اَور سُن لیجئے کہ بچپن کے زمانہ میں ہر سال کیلئے پارچات پوشیدنی کا ناپ بڑھتا رہتا ہے۔ لیکن جب انسان بالغ ہو کر طول و عرض میں پورا بڑھ چکتا ہے۔ تو اس حالت کا ناپ تا قیام زندگی ہمیشہ کیلئے رہتا ہے۔ اسوقت بچپن کے کپڑے پہننے خواہ وہ عین بعین موجود بھی ہوں عقلمندی نہیں۔ یہی حال شریعت محمدیہ اور شرائع سابقہ کا ہے۔ کہ یہ دائم قائم و کامل و مکمل ہے۔ اور وہ صرف اُس وقت کے لئے تھیں۔ وہ بلوغ و کمال سے پیشتر زمانہ کی ہیں۔ اور یہ بلوغ و کمال کے وقت کی ہے۔ فافہم لعلک ترشد۔

لہٰذا ہم آج محض یہودیت و نصرانیت پر یا معاذاللہ ہندوازم پر (خواہ وہ اصلی حالت پر ثابت بھی ہو جائیں) قائم ہو کر بلوغت کے وقت بچپن کے کپڑے نہیں پہن سکتے۔ اور قرآن شریف اور سیرتِ محمدیہ سے مستغنی ہو کر اُن پر عمل پیرا ہو کر نجات نہیں پا سکتے۔ خدا تعالےٰ ہمیں اپنی صراط مستقیم کی سمجھ عطا کرے۔ آمین،

مولانا کی تصریح نمبر۳ - مولانا صاحب نے ص۱۴۵ پر ایک لغلی سُرخی قرآن کی دعوت باندھی ہے اور اُسمیں

بعض وہ آئتیں نقل کی ہیں جنمیں یہ مذکور ہے۔ کہ اے نبیؐ! ہمنے تیری طرف اُسی طرح وحی کی ہے جس طرح تجھسے پہلے انبیاء کی طرف کی تھی۔ اور نیز یہ کہ اے نبیؐ! تو بھی ان انبیاءکی ہدایت کی پیروی کر۔
مولٰنا آزاد صاحب اِن آیات سے اپنے بٹھلانے ہوئے مقصود کو ذہن میں رکھکر اور مقصودِ خداوندی کو ایک طرف رکھکر رقم طراز ہیں :۔

"اِسی لئے اِس (قرآن شریف) کی پہلی بنیاد ہی یہ ہے۔ کہ تمام بانیانِ مذاہب اور تمام آسمانی کتابوں"
"کی یکساں طور پر تصدیق کی جائے۔ یعنی یقین کیا جائے۔ کہ سب حق پر تھے۔ سب خدا کی سچائی"
"کے پیغامبر تھے اور ان سب کی متفقہ تعلیم پر کاربند ہونا ہی ہدایت وسعادت کی حقیقی راہ ہے (صفحہ ۱۵)"

مولٰنا صاحب نے "متفقہ تعلیم" کے الفاظ اور جگہ بھی دُہرائے ہیں اور اِس مضمون کو حسب عادت بتکرار بیان فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۱۵۹ سطر ۲ اور صفحہ ۱۶۳ سطر ۲۰/۲۳ ضمن ۹

ہماری عرض یہ ہے کہ سب کی "متفقہ تعلیم" سے مولٰنا کی مراد کیا ہے؟ اگر سب کا مشترک نصاب تعلیم مراد ہے۔ یعنے دین وشریعت کا وہ حصّہ جو سب میں مشترک ہے مُراد ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ بعض وہ امور جو ایک شریعت میں بوجہ عدم اقتضائے وقت ومصلحت تعلیم نہیں کئے گئے۔ اور اُس سے بعد کی شریعت میں کئے گئے۔ یا کسی پہلی شریعت میں تعلیم تو کئے گئے۔ لیکن اُس سے پچھلی شریعت میں بنا برحکمت ومصلحت منسوخ کردیئے گئے، جیسے مولانا صاحب بھی آیت مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ (۲ پ دبقرہ) کے ترجمہ پر بغلی تشریح میں تسلیم کرتے ہیں۔ اُنکی تصدیق وتعمیل واجب ہوگی یا نہیں؟ اگر واجب نہ ہوگی تو اُن کے نازل کرنے سے فائدہ کیا؟ اور شریعت کی تکمیل وارتقا جن کا ذکر آپ صفحہ ۲۰ کی بغلی تشریح میں کرتے ہیں کس طرح متصور ہوگا؟ اور اگر واجب ہوگی (جیسا کہ فی الواقعہ ہے) تو مصدقین مؤمنین کے مقابلہ میں جو لوگ اُس نسخ واضافہ کے قائل نہ ہوکر اپنی پہلی شریعت پر قائم رہینگے۔ اُن کا علم کیا ہوگا؟ مثلاً اگر بالفرض یہودیوں اور عیسائیوں کے پاس اصل توریت وانجیل جو خدا کی طرف سے نازل ہوئی تھیں موجود بھی ہوں (جو واقعہ میں نہیں ہیں) اور حضرات موسٰےؑ اور عیسٰےؑ کی سیرت وطریق عمل پوری حفاظت سے اور معتبر وسائل سے اُن کے پاس مکتوب ومحفوظ بھی ہو۔ (جو واقعہ میں نہیں ہے) اسلئے کہ شریعت محمدیہ کامل ہے۔ اور سب شرائع سابقہ کی ناسخ ہے۔ اِن یہود ونصاریٰ کو اس شریعت پر عمل کرنا واجب ہوگا یا نہیں؟ اگر واجب نہیں تو شریعت محمدیہ کو

کامل و ناسخ بنانے سے کیا حاصل؟ اور اگر واجب ہے تو اپنی اپنی شریعت پر قائم رہنے کی اجازت کے کیا معنے؟

مولانا صاحب! تصدیق کے معنے یہ ہیں۔ کہ اُن سب شرائع کو خواہ وہ برقرار ہوں خواہ منسوخ۔ خدا تعالےٰ کی طرف سے منزل جانا جائے۔ اور تعمیل کے معنے یہ ہیں کہ منسوخ کو ترک کر دیا جائے اور ناسخ پر عمل کیا جائے اور پہلی غیر کامل شریعت کے بعد دوسری کامل شریعت کے خداوندی اضافات کو قبول کرکے اُن پر بھی عمل کیا جائے۔ یہ صورت آپ کے ذہن شریف میں آجائے۔ تو آپ کے سامنے سوائے امت محمدیہ (علے صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ) کے کوئی جماعت بھی صحیح معنوں میں خدا کی پرستار اور اُسکی شریعت کی تابعدار نظر نہ آئے۔ یہی صحیح ایمان کی صورت ہے اور یہی سعادت و نجات کی حقیقی راہ ہے اور بس۔

مولانا صاحب کی تصریح نمبر ۴ ۔ مولانا صاحب اپنے ترجمان میں صفحہ ۱۵۴ پر فرماتے ہیں۔

"یہی وجہ ہے۔ کہ قرآن نے اُن راستباز انسانوں کے ایمان و عمل کا پوری فراخدلی کے"
"ساتھ اعتراف کیا ہے۔ جو نزول قرآن کے وقت مختلف مذاہب میں موجود تھے اور جنہوں"
"نے اپنے مذہبوں کی حقیقی روح ضائع نہیں کی تھی" (صفحہ ۱۵۴)

اِس کے بعد مولانا صاحب نے بعض وہ آئتیں لکھی ہیں جو بعض اہل کتاب کی تعریف میں ہیں مثلاً لَيْسُوْا سَوَاءً (آل عمران پ۴) اور مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ (مائدہ پ۶)

ہماری عرض ۔ مولانا صاحب نے اِس مقام پر کی عبارت

وہ مختلف مذاہب میں موجود تھے اور جنہوں نے اپنے مذہبوں کی حقیقی روح ضائع نہیں کی تھی"
اپنے خاص مقصود یعنے اسلامی برہم سماج قائم کرنے کے خیال کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور واقعات کو نظر انداز کرتے ہوئے قرآن شریف کی تصریحات کے خلاف از خود بڑھا دی ہے۔ کیونکہ اِن آیتوں میں اور ان جیسی دیگر آیات میں جنمیں اہل کتاب کی تعریف وارد ہے۔ اُن سے وہ لوگ مراد ہیں۔ جو آنحضرت صلعم پر اور قرآن شریف پر ایمان لے آئے تھے۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن سلام اور اُن کے ساتھی یہود میں سے اور نجاشی اور اُس کے ساتھی عیسائیوں میں سے۔ چنانچہ سورہ مائدہ میں پارہ ہفتم کے شروع میں فرمایا:۔

وَاِذَا سَمِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى	اور جب اُنہوں نے اُس کلام کو سُنا جو اس (حاضر الوقت)

أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِينَ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَاءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ أَنْ يُدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِينَ ۝

رسول (محمد صلعم) پر اتارا گیا ہے تو تو دیکھتا ہے کہ اُن کی آنکھیں آنسو بہانے لگ گئیں۔ اسوجہ سے کہ انہوں نے الحق کو پہچان لیا، اور وہ (بے اضطرار) بول اٹھے، خداوندا! ہم ایمان لے آئے ہیں پس ہمکو بھی رشاہدوں میں لکھ لے، اور وہ یہ بھی کہنے لگے،) ہمیں کیا ہے کہ ہم خدا تعالےٰ پر اور اُس حق پر جو ہمکو آچکا ہے ایمان نہ لایئں اور ہم (کیوں) یہ توقع نہ رکھیں کہ ہمیں ہمارا پروردگار صالح قوم کے زمرے میں داخل کر دے "

یہ آیتیں باتفاق مفسرین حبشہ کے عیسائی نو مسلموں کے حق میں نازل ہوئیں۔ بلکہ خود مولنا آزاد صاحب بھی ان کے متعلق یہی فرماتے ہیں۔ چنانچہ آپ وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُولِ کا ترجمہ یوں کرتے ہیں :-

"اور جب یہ (عیسائی) وہ کلام سنتے ہیں جو اللہ کے رسول پر نازل ہوا۔ الخ (ترجمان ص۲۳۲)"

اور رَبَّنَا آمَنَّا کا ترجمہ یوں ارقام فرماتے ہیں :-

"خدایا! ہم (اس کلام) پر ایمان لائے "

اور ان آیتوں کے متعلق بغلی تشریحات میں فرماتے ہیں :-

"نجاشی، حبش کا مسیحی فرماں روا، بغیر دیکھے ایمان لے آیا × × نجاشی کے علاوہ خود عرب میں بھی عیسائیوں کی بڑی تعداد ایمان لے آئی " (ص۲۳۵)

اِس سے صاف روشن ہے کہ مولنا صاحب کے نزدیک اِن آیات کے مصداق وہ عیسائی ہیں جو قرآن اور اُسکے پیغمبر صلعم پر ایمان لے آئے تھے۔ تو سورۂ مائدہ کے ترجمہ کی اِن تصریحات کے خلاف آپ نے سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں ان جیسی دیگر آیتوں کی تشریح میں یہ الفاظ کیسے داخل کر دیئے کہ اِن سے وہ لوگ مراد ہیں۔

"جو نزولِ قرآن کے وقت مختلف مذاہب میں موجود تھے، اور جنہوں نے اپنے مذہب کی حقیقی روح ضائع نہیں کی تھی " (ص۱۵۴)

نکتہ عجیبہ مولنا صاحب نے سورۂ آل عمران پ۴ کی جو آیت یعنی لَيْسُوا سَوَاءً الخ اپنے مطلب کے لئے پیش کی ہے۔ اُس کے اور پارہ ہفتم والی مذکورہ بالا آیت میں ایک خاص نکتہ ہے جو خدا کے فضل سے قارئین کرام کو کمال حظ و لطف دے گا۔ اور وہ اِس سے

سراسر قائل ہو جائیں گے، کہ ان ہر دو مقامات پر اور ان جیسے دیگر مقامات پر جن اہل کتاب کی مدح و تعریف ہے۔ ان سے وہ افراد مراد ہیں جو آنحضرت صلعم پر ایمان لا کر آپ کے صحابہ کی مقدس جماعت میں داخل ہو گئے تھے۔ ان ہر دو مقامات کو پھر دیکھئے کہ ان ہر دو میں اَلصَّالِحِیْنَ کا لفظ وارد ہے۔ اور ان صالحین سے آنحضرت کے صحابہؓ مراد ہیں۔ سورۂ مائدہ پ۷ میں بتایا کہ اہل کتاب آرزو رکھتے ہیں۔ کہ وہ قرآن پر ایمان لا کر جماعت صالحین میں داخل ہو جائیں۔ اور سورۂ آل عمران پ۴ کی آیت میں بتایا کہ وہ ان صالحین میں شامل ہو گئے۔ اور معلوم ہے۔ کہ اُس وقت آنحضرت صلعم کے ساتھ صحابہؓ کی مقدس جماعت ہی تھی۔ جنہیں وہ شامل ہونا چاہتے تھے، اور بفضل خدا شامل ہو گئے۔

اسی طرح سورۂ انبیاء پ۱۷ کے اخیر میں بشارت فتوحات کے متعلق فرمایا:۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُوْنَ (انبیاء پ۱۷)	اور ہم نے تو بتحقیق زبور میں نصیحت کے بعد (صاف صاف) فرما دیا تھا۔ کہ زمین کے وارث میرے صالح بندے ہونگے

اِس بشارت کے مطابق صحابہؓ کی مقدس جماعت عرب و عراق، ایران و روم، شام و مصر کے تختوں کے وارث ہو گئے۔ جس سے کسی کو بھی انکار نہیں، چنانچہ ہم کتب سابقہ کے بعض حوالے نقل کرتے ہیں:۔

(۱) انجیل متی باب ۲۱: ۴۳ میں لکھا ہے کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام نے قوم یہود سے خطاب کر کے فرمایا:۔

"(۴۳) اسلئے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہت تم سے لے لیجائیگی۔ اور اُس قوم کو جو اُس کے "
"پھل لائے دیدیجائیگی۔ (۴۴) اور جو اس پتھر پر گرے گا اُس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے"
" مگر جس پر وہ گرے گا اُسے پیس ڈالیگا"۔

(۲) اسی طرح انجیل لوقا میں بھی یہ تمثیل مذکور ہے، (لوقا $\frac{۲۰}{۹-۱۹}$)

(۳) اور دانیال نبی کی کتاب میں لکھا ہے کہ حضرت دانیالؑ نے بادشاہ بنوکد نضر کے خواب کی تعبیر میں فرمایا:۔

"(۴۴) اور اُن بادشاہوں کے ایام میں آسمان کا خدا ایک سلطنت برپا کرے گا۔ جو تا ابد نیست نہ"
"نہ ہوگی اور وہ سلطنت دوسری قوم کے قبضے میں نہ پڑے گی۔ وہ اُن سب مملکتوں کو ٹکڑے"

ٹکڑے اور نیست کرے گی۔ اور وہی تا ابد قائم رہیگی"(باب دوم)

(۴) خدا تعالےٰ نے حضرت حزقیل نبی کی معرفت اُس وقت کے شاہِ یروشلم کو تہدیداً فرمایا ہے

"ارے تو بے دین شریر اسرائیل کے بادشاہ جس کا دن تیری بدکاری کے انجام کو پہونچنے کو آیا"

"ہے (۲۶) خداوند یہوواہ یوں فرماتا ہے۔ کہ کلاہ اور تاج لیجا، یہ ایسا نہ رہیگا۔ پست کو بلند کر، اور"

"اُسے جو بلند ہے پست کر (۲۷) میں ہی اُسے اُلٹ اُلٹ اُلٹ دونگا۔ یہ پھر نہ ہوگا"

"اور جبکہ وہ جس کا حق ہے۔ آئیگا۔ میں وہ اُسے دونگا" (حزقیل ۲۱ : $\frac{۲۵}{۲۷}$)

(۵) اور حضرت داؤد علیہ السلام کی زبانی زبور میں مرقوم ہے:۔

"(۱۸) یہ پچھلی پشت کے لئے لکھا جائے گا۔ اور لوگ جو پیدا ہونگے۔ خداوند کی ستائش کرینگے۔ (۱۹)"

"کہ اُسنے اپنے بلند اور مقدس مکان پر سے نگاہ کی، خداوند نے آسمان پر سے زمین پر نظر کی۔"

"(۲۰) تا کہ قیدی کا کراہنا سُنے، اور کہ اُنہیں جنپر قتل کا فتویٰ ہوا ہے۔ چھڑا دے (۲۱) تا کہ صیہون"

"میں خداوند کا نام بیان کیا جائے۔ اور یروشلم میں اُسکی ستائش ہو (۲۲) جبکہ امتیں اور مملکتیں"

"خداوند کی عبادت کے لئے ایک ساتھ جمع ہوں" (زبور ۱۰۲ : $\frac{۱۸}{۲۲}$)

یہ سب باتیں حضرت عمرؓ کے عہد میں پوری ہوگئیں، اور یروشلم کامل طور پر صحابہؓ کی مقدس جماعت کے زیر نگیں ہوگیا، اور وہاں سب نے ملکر نماز باجماعت ادا کی؛

تفہیمات نمبر۱۔ قرآن شریف نے بھی الارض یعنے ارض مقدس کی وراثت کی بشارت میں زبور ہی کا حوالہ دیا ہے۔ اور حوالہ نمبر۵ جو ہمنے اوپر زبور ہی سے نقل کیا ہے۔ اسمیں یروشلم کو فتح کرنے والی قوم کی ایک یہ علامت ذکر کی گئی ہے کہ وہ قوم خدا کی ستائش (حمد) کرنے والی ہوگی، اور ہم آیت الحمد للّٰہ رب العٰلمین کی تفسیر میں صفحہ $\frac{۹۹}{۱}$ پر مفصل بیان کر آئے ہیں کہ آنحضرت (محمدؐ) کی امت کا نام کتب سابقہ میں حمادون (خدا کی ستائش کرنے والے) لکھا ہے، یہ حوالہ بھی اُس سے پوری مطابقت رکھتا ہے،

نمبر۲۔ دیگر یہ کہ اس حوالہ میں اُس فاتح قوم کی ایک نشانی یہ بھی لکھی ہے۔ کہ وہ ایک ساتھ ہوکر خدا کی عبادت کرینگے۔ اسمیں نمازِ باجماعت ادا کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ یہ علامت بھی صرف اُمت محمدیہؐ میں پائی جاتی ہے، والحمد للّٰہ،

نمبر ۳ دیگر یہ کہ اِس حوالۂ زبور میں اِس امت مرحومہ کو **پچھلی امت** کہا گیا ہے اور اسمیں تو کسی کو کلام نہیں کہ پچھلی امت یہی اُمت محمدیہ ہے۔ کیونکہ آپ آخری نبیؐ ہیں اور آپ کی اُمت آخری امت ہے۔

اِس امر کی نسبت ایک اور نکتہ بھی ملاحظہ فرمایئے کہ انجیل لوقا میں لکھا ہے۔ کہ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا:

"(۳۰) اور دیکھو بعض آخر ایسے ہیں جو اوّل ہوں گے۔ اور اوّل ہیں جو آخر ہونگے (لوقا باب ۱۳: ۳۰)

اسی کے مطابق حدیث صحیحین میں ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا:۔

نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ بَیْدَ اَنَّھُمْ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِنَا وَ اُوْتِیْنَاہُ مِنْ بَعْدِھِمْ الحدیث متفق علیہ (مشکوٰۃ)	ہم سب سے پیچھے ہوئے ہیں لیکن قیامت کے دن سب سے آگے ہونگے۔ ماسوا اس کے اُن (یہود و نصاریٰ) کو ہم سے پہلے کتاب دیگئی اور ہمکو اُن سے پیچھے دیگئی۔ الحدیث[۵]

معذرت لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم چنانکہ حرفِ عصا گفت موسےٰ اندر طور

رجوع بمطلب ساتویں پارے کی مذکورہ بالا ابتدائی آیتوں کے ترجمہ کی بغلی تشریح میں مولنا آزاد صاحب عیسائیوں میں سے بڑی تعداد کے ایمان لے آنیکا ذکر کرنیکے بعد میں فرماتے ہیں:۔

"لیکن یہودیوں کے جمود میں جنبش نہ ہوئی۔ وہ برابر مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہے"

"یہانتک کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں خیبر سے جلاوطن کئے گئے (ص۴۰۵)

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولنا صاحب یہود میں سے کسی جماعت چھوٹی یا بڑی کے مسلمان ہونے کے قائل نہیں ہیں۔ اگر یہی مطلب ہے۔ تو یہ واقعات کے خلاف ہے۔ کیونکہ حضرت عبداللہ بن سلام جو علمائے یہود میں سے ایک خاندانی عالم تھے۔ یہ خود اور اُن کے ساتھ ایک جماعتِ یہود ایمان لے آئی تھی۔ قرآن شریف میں اسی جماعت کی مدح کے اشارات بکثرت ہیں اور تمام مفسرین بالاتفاق اُن آیات کے ذیل میں حضرت عبداللہ بن سلام اور اُن کے ساتھیوں کی تصریح کرتے ہیں۔

اور اگر مولنا صاحب کی یہ مُراد ہے کہ بمقابلہ عیسائیوں کے یہود میں سے کم لوگ ایمان لے آئے

---

[۵] یہ حدیث یوم الجمعہ اور اس امتِ مرحومہ کی فضیلت کے متعلق ہے۔ ہمنے اسپر اپنی کتاب صلوٰۃ النبی (ص۹۵ تا ۹۸) میں کسقدر تفصیل سے لکھا ہے۔ اور ایک نادر علمی تحقیق کو ظاہر کیا ہے۔ جس سے صاف روشن ہو جاتا ہے کہ یہود و نصاریٰ میں ہفتے اور اتوار کے دن سبت منانے کا جو رواج ہے اُس کا تقرر خدا کی وحی سے نہیں ہے۔ اِس حقیقت کو نبی اُمی صلعم نے ظاہر کیا اور صدہا سال کے قومی رواج کا پردہ چاک کر دیا۔ اللّٰھم صل وسلم علیہ مولنا جامی رہ فرماتے ہیں:۔

نبودش خط ولے زد خط بتنجیل بکلکِ نسخ بر توریت و انجیل ۱۲ منہ

تو اس سے بھی ہمارا اصل مقصود حاصل ہے کہ موسیٰ کی قوم میں سے جو لوگ ایمان لے آئے تھے۔ خواہ تھوڑے تھے خواہ بہت تھے قرآن شریف نے خاص اُنہی کی تعریف کی ہے نہ اُنکی جو آنحضرت صلعم پر ایمان نہ لائے ہوئے توریت کی اصل تعلیم پر عمل پیرا رہے اور اپنے مذہب پر قائم رہے۔ جیسا کہ مولٰنا کا خیال ہے۔ فافہم۔ لعلک ترشد

مولٰنا کی تصریح نمبر ۵ اسمیں نہ تو کسی خاص نسل وقوم کی خصوصیت رکھی گئی ہے۔ نہ کسی خاص مذہب اور اُس کے پیروؤں کی، دنیا کے تمام نبی، تمام صدیق، تمام شہدائے حق، تمام صالح انسان، خواہ کسی ملک وقوم میں ہوئے ہوں، قرآن کے نزدیک "انعام یافتہ انسان ہیں اور اُنہی کی راہ "صراط مستقیم" ہے، (ص ۱۶۵)

ہماری گذارش، جناب والا! آپ ایک خاص خیال کے پیچھے لگ کر ایک ضروری شرط کو نظر انداز کر رہے ہیں وہ یہ کہ کسی صاحب شریعت رسول کے بعد دوسرے صاحبِ شریعت کے ذریعے خدائے تعالٰے نے حسب مصلحت پہلی شریعت کا جو مسئلہ منسوخ کر دیا، یا اسپر کچھ اضافہ کیا۔ تو پہلی شریعت کے موجودہ لوگوں پر واجب ہے کہ پچھلی شریعت کے ایسے مسائل کو تسلیم کریں۔ اور اُن پر حسب تعلیم نبی برحق عمل کریں، ورنہ یہ نسخ واضافہ معاذاللہ بے معنی و بے سود ہوگا۔ جیسا کہ ہم سابقاً ذکر کر چکے ہیں

اِس شرط کو ملحوظ رکھ کر صورتِ مسئلہ یوں ہوئی۔ کہ قرآن شریف اُن سب گذشتہ صالحین کو صراط مستقیم پر جانتا ہے۔ جو ہر نبی کے عہد میں خدا کی مقرر کردہ شریعت پر عمل پیرا رہے، مثلاً قرآن شریف صاف الفاظ میں کہتا ہے۔ کہ یہودیوں کی سرکشی کی وجہ سے بعض حلال اشیاء اُن پر حرام کر دیگئیں اُسوقت اُنکو ترک کرنا ہی شریعت کی تابعداری تھی۔ لیکن خدائے تعالٰے کے علم وارادہ میں یہ حرمت حضرت عیسیٰ کی آمد تک تھی جب خدائے تعالٰی نے حضرت عیسیٰ کی معرفت اُن چیزوں کو حلال کر دیا۔ تو اب اُن کو حلال جاننا شریعت کی تابعداری تھی، اور اُنکی حرمت پر اڑا رہنا خدا کی شریعت کا انکار تھا۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ کی زبانی ذکر کیا وَلِاُحِلَّ لَکُمْ بَعْضَ الَّذِیْ حُرِّمَ عَلَیْکُمْ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِ (آل عمران پ ۳) یعنے میں اسلئے بھی رسول ہو کر آیا ہوں کہ بعض چیزیں جو تم پر حرام کی گئی تھیں، تمہارے لئے حلال کروں، پس تم (ان میں) خدا سے ڈرو اور میری اطاعت کرو"

اِس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ جن لوگوں نے حضرت عیسیٰ کی اِس آواز کو سُنکر قبول کرلیا۔ وہ خدا کے نزدیک متقی و فرمانبردار ہیں۔ اور جنہوں نے قبول نہ کیا۔ وہ غیر متقی و نافرمان ہیں یا اسی طرح قرآن شریف کے نازل ہوجانے پر توریت و انجیل کے منسوخ مسائل پر اڑے رہنا۔ اور آنحضرت صلعم کی شریعت کے اضافات کو قبول نہ کرنا تقویٰ و فرمانبرداری کے خلاف ہے۔ پس ایسے لوگ عند اللہ صالحین نہیں ہوسکتے۔ خواہ وہ توریت و انجیل پر عمل پیرا رہیں۔ ہم مولنا صاحب کی خدمت میں باادب التماس کرتے ہیں کہ یہودی یا عیسائی یا برہمو یا آریہ یا گاندھی جی اور اُن کے رفقا اگر قرآن شریف سے الگ رہکر صالح بننا چاہیں، تو آیا اُن کی ایسی صلاحیت عند اللہ مقبول ہوجائیگی؟ اور وہ خُدا کے وعدے کے مطابق نجات کے حقدار کہلا سکینگے؟ اگر وہ قرآن شریف پر عمل کرنے کے بغیر نجات پاسکتے ہیں تو (معاذ اللہ) قرآن شریف کے لئے دعوت کا دروازہ بند ہے۔ اور اگر نہیں پاسکتے۔ جیسا کہ امر واقعی ہے، تو آنجناب کی تطویل لاطائل ہے۔ فافہم۔

افسوس! مولنا صاحب نے نہایت محنت وکاوش سے قرآن شریف کو ہندی زبان میں ترجمہ کرکے بزعم خود ایسا آسان کردیا تھا، کہ گویا ہندی کی بھی چندی نکالدی تھی۔ لیکن حاصل کیا ہوا؟ یہ کہ جملہ مذاہب کو کھلی اجازت دیدیگئی کہ تم اپنے اپنے نبی کے وقت کی غیر موجود وغیر محفوظ اصل شریعت معلوم کرکے اسپر عمل پیرا ہوجاؤ، خواہ وہ غیر مکمل تھی، خواہ اُسکے بعض مسائل اب منسوخ کردیئے گئے ہیں۔ بس تمہاری نجات ہوجائیگی، چنانچہ اسکی حقیقت مولنا کی تصریح نمبر ۶ سے معلوم ہوگی۔ بھلا اس اجازت کے بعد قرآن کے قبول کرنے کی کیا ضرورت رہی؟ اَللّٰھُمَّ اِنَّا نعوذبک من وساوس الصمد۔ چاہئے تو یہ تھا کہ اس ترجمہ سے دل میں یہ نقش ہوجاتا کہ بغیر محمد صلعم کی پیروی کے صراط مستقیم کا ملنا محال ہے۔ لیکن اثر اُلٹا پڑا کہ آنحضرت صلعم سے خصوصی طور پر دل لگانے کی ضرورت ہی نہ سمجھی گئی اللہ صمد رحمتیں کرے شیخ سعدیؒ پر جو یہ فرما گئے ہیں ؎

محال است سعدی کہ راہِ صفا ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ تواں رفت جز در پئے مصطفےٰ

مولنا کی تصریح نمبر ۶۔ "بہرحال قرآن کا پیرو وہ ہے جو دین کی سیدھی راہ پر چلنے والا ہے وہ راہ نہیں جو کسی خاص گروہ کسی خاص نسل کسی خاص قوم کسی خاص عہد کی راہ ہے" الخ (صفحہ ۱۶۸)

اس پر ہماری گذارش، مولٰنا صاحب کی عبارت کا حاصل مطلب ہماری موٹی سمجھ میں تو یہ آتا ہے۔ کہ اگر مسلمان یہ کہیں کہ اب اِس عہد محمدی میں سعادت و نجات صرف قرآن اور پیغمبر قرآن صلعم کی اتباع میں ہے۔ تو معاذ اللہ وہ قرآن کے پیرو نہ رہینگے۔ اور اُن پر تحزب و تشیع کا فتویٰ جڑ دیا جائیگا۔ اور اُن کو دین قیّم سے منحرف سمجھا جائیگا۔ عجب تماشا ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ نجات صرف قرآن و پیغمبر قرآن صلعم کی اتباع میں ہے۔ وہ تو قرآن کا پیرو نہ سمجھا جائے۔ اور جو یہ کہے کہ اسوقت (عہد محمدیؐ میں) وید (بالفرض) اور توریت اور انجیل اور زبور یہ کتابیں دگو اصالۃً تکمیل نہیں، اور اب اصالۃً موجود بھی نہیں ہیں۔ اور قرآن شریف (ہرچند کہ محفوظ ہے، اور مکمل بھی ہے اور سب کتب سابقہ کا ناسخ بھی ہے امر اتباع میں سب برابر ہیں۔ تو وہ قرآن کا پیرو سمجھا جائے واللہ ہم اِس کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ یہ سمجھ مولٰنا صاحب ہی کو مبارک ہو، رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا۔

خاتمۃ الباب۔ مولٰنا صاحب آزاد کی ایسی بہت سی تصریحات ہیں، جو ترجمان القرآن کے مطالعہ کرنے والوں کو قرآن سے آزاد کر دینے والی ہیں، لیکن ہم انہی پر اکتفا کرتے ہیں۔ اگر بعض لوگوں کے بہک جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو واللہ ہم ان کے متعلق ہرگز قلم نہ اٹھاتے، عفا اللہ عنّا و عنہ وھدانا وایّاہ الیٰ صراطہ المستقیم۔

(۲) صِدّیقیّت

نبوت کے بعد مرتبہ صدیقیت ہے۔ صدّیق کو مقامات و احوال میں نبی سے کمال مشابہت ہوتی ہے۔ اور وہ اُسی کے رنگ میں رنگا ہوتا ہے۔ اور باطنی نسبت میں نبی کے اِتنا قریب ہوتا ہے جیسے کسی کامل اُستاد سے اُسکا نہایت ذہین و صاحب استعداد شاگرد، یا آگ سے دیا سلائی، جو تھوڑی سی رگڑ سے جل اٹھتی ہے۔ اِسی مناسبت روحانی کی وجہ سے خُدا کے ہاں صدّیق اُسکی عنایات خاصہ کا مورد ہوتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کی نسبت فرمایا:-

(۱) وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ (یونس پ ۱۱)	اور خوشخبری سنا اُنکو جو ایمان لے آئے ہیں کہ اُن کے لئے اُن کے رب کے پاس مقام صدق ہے۔

(۲) اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ۙ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ (القمر پ۲۷)

(۲) بیشک جنہوں نے پرہیزگاری کی وہ باغات اور نہروں میں ہیں گے صاحبِ اقتدار بادشاہ کے نزدیک صدق کی نشست گاہ میں۔

(۳) وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۖ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ (الحدید پ۲۷)

(۳) اور وہ جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر وہی ہیں صدیق اور شہید نزدیک اپنے رب کے واسطے اُن کے ہے اجر اُن کا اور نور (اُن کا بھی)

توضیح صدیق اپنے مقام و حال میں از سرتا پا صدق و صفا ہوتا ہے اور اسی صفائی کی وجہ سے اُسکا آئینہ قلب ایسا مجلّے ہوتا ہے کہ نبی کے سینے کے انوار کی شعاعوں کو بلا واسطہ حاصل کرتا ہے اور قبولیتِ حق میں اُس کے سامنے کوئی حجاب حائل نہیں ہوتا، اور چونکہ اُسکا مقام نبی کے مقام سے متصل ہوتا ہے اور اسمیں اور نبی میں کوئی دیگر واسطہ نہیں ہوتا۔ اسلئے جس طرح نبی خدا کے احکام کے سامنے اِخلاص عمل میں اوّل المسلمین ہوتا ہے۔ اسی طرح صدیق مقام تصدیقِ رسول میں اوّل المصدقین ہوکر دوسرے صالحین کا پیشرو اور اُن کے لئے مقام شہود و صلاحیت پر پہنچنے کا وسیلہ و ذریعہ بنتا ہے گویا کہ وہ اوّل خود مقامِ صدق پر قائم ہوتا ہے۔ اور پھر دوسروں کیلئے نمونہ عمل بنتا ہے۔ اور وہ اس کے ذریعے سے تصدیقِ حق کرتے ہیں چنانچہ آنحضرت صلعم کو ارشاد ہوتا ہے:۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ (انعام پ۸)

(اے پیغمبر!) تو کہہ بیشک میری نماز اور میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ) اللہ رب العلمین کے لئے ہے جس کا شریک کوئی بھی نہیں اور مجھے اسی بات کا حکم ہوا ہے اور میں اُسکا سب سے پہلا فرمانبردار ہوں

اور دوسری جگہ حضرت صدیقؓ کو ساتھ ملا کر فرمایا:۔

وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (زمر پ۲۴)

اور وہ جو سچ لیکر آیا (یعنے پیغمبر صلعم) اور وہ جنے اسکی تصدیق کی یہ سب متقی ہیں۔

توضیح مزید یہی وجہ تھی کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ جو انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے افضل ہیں اور مقام صدیقیت میں سب سے اوپر ہیں اُن کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے میں سوائے اُن کی کامل باطنی صفائی اور کامل نور معرفت کے کوئی دیگر وسیلہ و ذریعہ نہیں ہوا۔ نہ کوئی آدمی، نہ کوئی معجزہ، بلکہ جب آنحضرت صلعم نے اُن پر اسلام پیش کیا تو انہوں نے بلا تامل و تردد آپ کی تصدیق کی، اور ایمان لے آئے،

نہ تو کوئی حیل و حجت پیش کی، اور نہ اس امر کو کسی مزید پڑتال یا سوال پر موقوف رکھا، اور اس بات کو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صحابہ رضہ کے سامنے بیان فرما دیا تھا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عمر رضہ کے قصے میں حضرت ابو درداء سے مروی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ان اللہ بعثنی الیکم فقلتم کذبت وقال ابوبکر صدقت الحدیث یعنی اللہ تعالےٰ نے مجھے تم سب کی طرف مبعوث کیا۔ تو تم نے کہا تو جھوٹ کہتا ہے لیکن ابوبکر رضہ نے میری تصدیق کی اور اپنی جان اور مال سے میری ہمدردی کی۔ یہ مضمون مختلف الفاظ سے مختلف صحابہ رضہ سے مروی ہے۔ مثلاً امام خطیب نے ابو سعید خدری رضہ سے اور دیلمی نے ابن مسعود رضہ سے اور ابو نعیم نے ابن عباس رضہ سے اور طبرانی نے ابن عمر رضہ سے روایت کی یہ سب روائتیں کنز العمال میں جمع کردی گئی ہیں، دیلمی کے الفاظ یہ ہیں:۔

ماعرضت الاسلام علی احد الا کانت لہ نظرۃ غیر ابی بکر فانہ لم یتلعثم (تفسیر کبیر ج ۔۔)	یعنے جس کسی پر اسلام پیش کیا۔ تو اس نے تامل کیا سوائے ابوبکر رضہ کے کہ اس نے بالکل تردد نہ کیا۔

اور یہ بات قبولیت و شہرت میں ایسی مسلم ہو چکی ہے کہ اب کسی مزید ثبوت کی محتاج نہیں رہی،

جب آپ خود اسلام قبول کر چکے تو چند روز ہی میں کئی دیگر اکابر صحابہ رضہ کے مشرف باسلام ہونے کا ذریعہ و وسیلہ ثابت ہوئے، چنانچہ خلیفہ ثالث حضرت عثمان بن عفان رضہ حضرت زبیر بن عوام حضرت ابوبکر رضہ کا داماد اور آنحضرت کا پھوپھی زاد بھائی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف حضرت طلحہ رضہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضہ (فاتح ایران) اور حضرت عثمان بن مظعون رضہ آپ ہی کی تلقین و ہدایت سے مشرف باسلام ہوئے (اصابہ) یہ سب سابقین اولین میں سے ہیں آنحضرت صلعم اور مسلمین کی نظر میں ان کی نہایت عزت تھی۔ سوائے حضرت عثمان بن مظعون کے سب عشرہ مبشرہ میں سے ہیں،

دیگر یہ کہ صدیق کے جمیع معاملات اخرویہ و دنیویہ۔ قولیہ و فعلیہ، بلکہ اسکی ہر حرکت و سکون اور ہر عمل و سعی خدا کی رضا اور اس کے دین کے قائم کرنے کے لئے باخلاص ہوتے ہیں اور وہ اس امر میں ایسا مستقیم الحال ہوتا ہے کہ کوئی شئے اس کی مزاحم و سدراہ نہیں ہو سکتی، اور چونکہ وہ بلافصل و بلا واسطہ نبی کا نائب ہوتا ہے۔ اسلئے اسکا منتہائے نظر اور طریقۂ عمل وہی ہوتا ہے جو نبی کا ہوتا ہے چنانچہ آنحضرت صلعم کی وفات شریف کے بعد جب جزیرۂ عرب کے اکثر لوگوں نے حضرت ابوبکر رضہ کے ہاتھ پر زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا، تو اس سے اسلام کے ضعیف ہوجانے کا خطرہ ظاہر تھا۔

کیونکہ مصارف زکوٰۃ میں سے جہاد فی سبیل اللہ بھی ہے، جس سے مقصود خدا کے دین کی اقامت ہے اس میں روپے کی جس قدر ضرورت ہے وہ پوشیدہ نہیں اور جب زکوٰۃ وصول نہ ہوئی تو بیت المال کا مالی ضعف ظاہر ہے۔ دیگر یہ کہ اسی فنڈ زکوٰۃ میں سے قوم کے مساکین و فقرا کی حاجت روائی اور مقروضوں کے قرض کی ادائگی اور غلاموں کی آزادی میں خرچ کیا جاتا ہے کہ مساکین و فقرا کی حالت بہتر ہو جائے ایسا نہ ہو کہ وہ محتاجی کے باعث غیروں کے دست نگر ہو کر اسلام سے برگشتہ ہو جائیں اور جس قوم کے افراد قرض اور غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوں، وہ قوم غیر کی دست برد سے کس طرح آزاد رہ سکتی ہے۔ اور کیسے ترقی کر سکتی ہے۔ اور اپنی ہمسایہ قوموں میں کس طرح سربرآوردہ ہو سکتی ہے تو یہ سب محل بنص قرآنی مصارف زکوٰۃ میں داخل ہیں[1] پس اگر بیت المال خالی ہے۔ یا اسکی حالت ضعیف ہے یہ سب قومی ضرورتیں ویسی کی ویسی پڑی رہینگی اور مسلمانوں میں ضعف آجانے کی وجہ سے اسلام میں ضعف آجائیگا۔ جیسا کہ آجکل انہی وجوہ سے ہو رہا ہے (حفظنا اللہ منہا)

دیگر یہ کہ حضرت ابوبکر رض کی نظر میں ایک طرف تو اُسامہ بن زید رض کے لشکر کے بھیجنے کی فکر تھی، جسکی تاکید آنحضرت صلعم فرما گئے تھے[2] اور دوسری طرف جھوٹے مدعیان نبوت مسیلمہ اور طلیحہ کے مقابلہ کی فکر بھی دامنگیر تھی۔ جو بڑی بھاری جمعیت لیکر اسلام کے استیصال پر تلے بیٹھے تھے۔ اور مانعین زکوٰۃ میں سے بھی کئی قبائل اُن سے جا ملے تھے۔ تو آپ خیال کر سکتے ہیں۔ کہ ایسے حالات میں جن لوگوں نے حضرت صدیق رض کے ہاتھ پر روپیہ رکھنے میں دریغ کیا، وہ آپ کے سامنے اپنی جانیں کس طرح رکھ سکتے تھے اب مشکل یہ تھی کہ نہ تو حضرت صدیق رض قوم کو اس حالت ارتداد پر چھوڑ سکتے تھے۔ اور نہ بغیر خزانے اور جمعیت کے مسیلمہ کذاب وغیرہ کا مقابلہ ہو سکتا تھا۔ اور ایسے حالات میں اُسامہ بن زید رض کے لشکر کی تیاری جو غیر علاقے میں جا کر لڑنے والا تھا آسان نہ تھی۔ غرض مشکل پر مشکل تھی۔ چنانچہ حضرت صدیق رض کی بیٹی حضرت عایشہ صدیقہ رض ان مشکلات کو زیر نظر رکھکر کہتی ہیں:-

قالت توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فنزل بابی ما لو نزل بالجبال الراسیات لهاضها	(جب آنحضرت صلعم کی وفات شریف ہوئی تو میرے باپ پر (جو خلیفہ ہوگئے) ایسے امور آپڑے کہ اگر وہ محکم پہاڑوں پر بھی واقع ہوتے

۱؎ دیکھو سورۃ توبہ پ ۱۰ رکوع إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ الآیہ ۱۲ منہ ۲؎ صحیح بخاری کتاب ۲

اِشْرَأَبَّ النفاق بالمدينة وارتدت العرب فواللّٰه ما اختلفوا فی واحدة الا طار ابی بحظها وغنائها عن الاسلام (بلاذری ص۱۱۲)	تو وہ اُن کو بھی شکست کر دیتے۔ مدینہ شریف میں تو نفاق نے سر اٹھایا۔ اور اکثر عرب مرتد ہو گئے۔ خدا کی قسم لوگوں نے جس امر میں اختلاف کیا تو میرے باپ نے اسلام کی مدافعت میں کافی سے زیادہ حصہ لیا،

غرض ایسے پریشان کن حالات میں حضرت صدیق رضہ نے ہر امر میں کمال حوصلے اور شجاعت اور حسن تدبیر سے ہاتھ ڈالا اور سب میں خدا کی مدد آپ کے شامل حال رہی،

نکتہ سینے کو ٹھنڈا کر دینے والا

حضرت صدیق اکبر رضہ کا مقام و رتبہ اس سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ ہم سوچیں کہ یہ واقعات آنحضرت صلعم کی حیات طیبہ میں پیش آتے تو آنحضرت صلعم اُن میں کونسا پہلو اختیار کرتے، جو کچھ آپ آنحضرت صلعم کی شان کے لائق خیال کریں۔ اگر وہی کچھ حضرت صدیق اکبر رضہ بھی کر دیں۔ اور پھر اُن میں کامیابی بھی حاصل کریں، تو اس کے بعد آپ کو حضرت صدیق رضہ کی خلافت اور صدیقیت کے ماننے میں کوئی بھی تردد نہیں چاہئے۔ لیجئے نمبر وار دیکھتے جائیے،

(۱) یہ تو سب کو معلوم ہے کہ حضرت اُسامہ کے لشکر کا جھنڈا آنحضرت صلعم نے خود باندھا تھا اور تیار کرایا تھا۔ اور اُن کو روانہ بھی کر دیا تھا۔ لیکن اُن کی روانگی کے تھوڑی دیر بعد آنحضرت صلعم کی وفات شریف کا حادثہ ہو گیا اور وہ لشکر مدینہ شریف میں لَوٹ آیا۔

(۲) یہ کہ اسود عنسی اور مسیلمہ اور طلیحہ متنبیان نے آنحضرت صلعم کی حیاتِ طیبہ ہی میں نبوت کا جھوٹا دعوے کر دیا تھا۔ اِن سب کے مقابلہ وجہاد کی نسبت تاریخ ابن خلدون میں لکھا ہے:۔

فبعث الی المسلمین من العرب فی کل ناحیة من نواحی ھٰؤلاء الکذابین یامرھم بجھادھم (جلد ۲ ص۶۱)	اِن کذابوں کے نواح میں جس طرف میں بھی مسلمانوں کی کوئی جماعت تھی۔ آنحضرت صلعم نے اُسے اِن کذابوں کے جہاد کا حکم بھیجا،

اور بالخصوص طلیحہ کے قتال کے لئے ضرار بن ازور کو ایک دستہ فوج دیکر بھیج بھی دیا، (ص۶۲)

اِس سے معلوم ہو گیا کہ آنحضرت صلعم کے نزدیک اِن کذابوں کا مقابلہ و مقاتلہ ضروری تھا

(۳) باقی رہا مرتدین کا معاملہ سو اگر یہ صورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش آتی تو آپ اُن کے درست کرنے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑتے، کیونکہ رسول کی محنت سے حاصل کی ہوئی چیز کو کوئی عقل و ہمت والا شخص ضائع نہیں ہونے دیتا،

بس اب یہ سب باتیں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ میں ملاحظہ فرمالیں۔

(۱) آپ نے آنحضرت کی تجہیز تکفین وغیرہ امور سے فارغ ہوکر سب سے پہلے حضرت اسامہ بن زید رضؓ کے لشکر کو روانہ کیا۔ چنانچہ علامہ ابن خلدون رحؒ فرماتے ہیں وکان من اول ما اعتمدہ انفاذ بعث اسامۃ رضؓ (صفحہ ۶۵) یعنی سب سے پہلے حضرت اسامہؓ کے لشکر کو روانہ کیا تھا اور حضرت عمرؓ کو امور پیش آیندہ میں مشورہ کے لئے حضرت اسامہ رضؓ سے مانگ کر اپنے ساتھ رکھ لیا،

(۲) اِس لشکر کے کامیاب ہوکر آنے پر مرتدین اور مانعین زکوٰۃ سے جنگ کر کے اُن کو زیر کیا، اور اسلامی جمعیّت کی کثرت کو ٹوٹنے نہیں دیا۔ چونکہ یہ فتنۂ ارتداد عام تھا۔ اسلئے کسی مقام پر تو حضرت صدیق رضؓ خود شریکِ جنگ ہوئے، اور کسی جگہ کسی دیگر صحابی کو امیر لشکر کر کے بھیجا (ابن خلدون ص ۶۹ جزو ثانی)

(۳) پھر اسی عرصے میں مسیلمہ وغیرہ جھوٹے مدعیانِ نبوت کا قلع قمع کر کے اسلام کو اسی سٹیج پر لا کھڑا کیا جس پر کہ آنحضرت صلعم کے عہد میں تھا،

حضرت عبداللہ بن مسعود جو افاضلِ صحابہ میں سے ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

لقد قمنا بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقاماً کِدنا نھلک فیہ لولا ان اللہ منّ علینا بابی بکر الخ (تاریخ کامل جلد دوم صفحہ ۱۳۰)

"ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایسی سٹیج پر ہوگئے تھے۔ کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم پر حضرت ابوبکر رضؓ کے خلیفہ کرنے سے احسان نہ کرتا تو قریب تھا کہ ہم (سب مسلمان) ہلاک ہو جائیں"

اسی امر کو حضرت ابوہریرہ رضؓ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:۔

والذی لا الٰہ الا ھو لولا ان ابابکر استُخلف ما عُبد اللہ الخ (تاریخ الخلفاء للسیوطی صفحہ ۵)

خدا کی قسم جسکے سوا کوئی معبود نہیں ہے کہ اگر آنحضرت صلعم کے بعد حضرت ابوبکر رضؓ خلیفہ نہ بنتے تو خدا تعالیٰ کی عبادت نہ ہوتی؛

علامہ ابن خلدون نظر بر روایات اس فتنۂ عظیمہ پر مسلمانوں کی حالت یوں رقم کرتے ہیں:۔

وقد ارتدت العرب امّا القبیلۃ مستوعبۃ وامّا بعض منھا ونجم النفاق والمسلمون کالغنم فی اللیلۃ الممطرۃ لقلّتھم وکثرۃ عدوھم واظلام الجوّ بفقد نبیّھم (ص ۶۵)

اور اکثر عرب مرتد ہوگئے۔ کوئی تو سارے کا سارا قبیلہ اور کسی میں سے بعض لوگ اور مسلمان اپنی قلّت اور اپنے دشمنوں کی کثرت اور نبی صلعم کی وفات سے فضا کے تاریک ہو جانے کی وجہ سے اُس ریوڑ کی طرح تھے جو بارش والی رات میں (ایک کونے میں دبک کر بیٹھا) ہو،

غرض ایسے تزلزل کیوقت حضرت ابو بکر رضہ کی استقامت اور بحیثیت خلیفہ آپ کی یہ خدمات وہی ہیں جو آنحضرت صلعم خود کرتے، اور یہ آپ کی خلافت بلافصل اور مقام صدیقیت کی کافی دلیل ہے۔ وَاللّٰہُ الھادی،

خلافت

ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ مرتبہ صدیقیت مقام نبوت سے بالکل متصل ہے اور یہ بھی کہ صدیق کو مقامات و احوال میں نبی (صلعم) سے کمال مشابہت ہے۔ اس سے صاف معلوم ہو سکتا ہے کہ نبی صلعم کے بعد آپ کا فوری خلیفہ بلا فصل صرف حضرت صدیق چاہئے تھے۔ نہ کہ کوئی اور، اسی وجہ سے آنحضرت صلعم نے حضرت صدیق رضہ کے متعلق فرمادیا تھا:۔

لاینبغی لقوم فیھم ابوبکران یؤمھم غیرہ رواہ الترمذی (مشکوٰۃ ص۵۴۲)	جس قوم میں ابوبکر موجود ہو مناسب نہیں کہ اس کے سوا کوئی دوسرا ان کا امام بنے،

اپنے اس فرمان کے مطابق آپ نے عمل کر کے بھی دکھا دیا، کہ اپنی وفات کی بیماری میں بتکرار حضرت ابو بکر رضہ کی امامت کے لئے حکم صادر فرمایا چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ سے مروی ہے:۔

قالت لما مرض رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلم مرضہ الذی مات فیہ فحضرت الصلوٰۃ فاذن فقال مُرُوا ابابکر فلیصلّ بالناس فقیل لہ ان ابابکر رجل أسیفٌ اذا قام مقامک لم یستطع ان یصلّی بالناس واعاد فاعادوا لہ فاعاد الثالثۃ فقال انکنّ صواحب یوسف مروا ابا بکر فلیصلّ بالناس الحدیث (تجرید الصحیح ص۵۶)	کہ جب آنحضرت صلعم اُس بیماری میں زیادہ بیمار ہو گئے جس میں آپ فوت ہوئے۔ تو نماز کا وقت آیا تو اذان ہوئی آپ نے فرمایا ابوبکر رضہ کو کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائے، عرض کیا گیا کہ ابوبکر رضہ غم کھانے والے آدمی ہیں، جب وہ آپ کی جگہ پر کھڑے ہونگے۔ تو نماز نہیں پڑھا سکینگے، آپ نے اسپر بھی دوبارہ وہی حکم دیا۔ پھر بھی عذر عرض کیا گیا، پھر تیسری بار بھی آپنے یہی فرمایا، اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اے میری بی بیو! تم عورت ذات ہونے

میں اُن عورتوں کی جنس سے ہو جو یوسف علیہ السّلام کو بہلانے والی تھیں۔ (یعنے اسی طرح تم بھی مجھکو حکم خدا سے بہلاتی ہو) ابوبکر رضہ کو کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے،

اپنی اسی بیماری میں آنحضرت صلعم نے حضرت عائشہ رضہ سے فرمایا تھا۔ کہ اپنے باپ اور بھائی کو بلاؤ کہ میں ایک نوشت لکھوا جاؤں، ایسا نہ ہو کہ کوئی تنازع کرے، کہ میں زیادہ حقدار

ہوں، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو جتلا دیا کہ واقعہ یونہی ہوگا، کہ اُمّتِ مُسلمہ سوائے ابوبکرؓ کے کسی دیگر کو قبول نہیں کریگی، پس آپؐ نے نوشت کی ضرورت نہ سمجھی، اور صرف اتنا کہنے پر کفایت کی، وَیَأْبَی اللّٰہُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلَّا اَبَابَکْرٍ (صحیح مسلم ج۲ صفحہ ۲۷۳) یعنے خدا تعالیٰ نے تو عالمِ تقدیر میں مقرر کر رکھا ہے کہ وہ ابوبکر کی موجودگی میں) سوائے ابوبکرؓ کے کسی دیگر کو خلیفہ نہیں بننے دیگا۔ اور قومِ مؤمنین بھی سوائے اُسکے کسی دیگر کو منظور نہیں کریگی،" چنانچہ ایسا ہی ہوا، کہ آنحضرت صلعم کی وفات پر جب مہاجرین و انصار ہر دو جماعت کے لوگ سقیفہ بنی ساعدہ میں انتخابِ خلیفہ کیلئے جمع ہوئے تو سب حاضرین نے حضرت ابوبکر رضؓ ہی کو منظور کیا، اور اُس کے بعد دوسرے روز جب حضرت ابوبکر رضؓ نے مجمعِ عام میں خطبہ فرمایا تو تمام نے اُسی انتخاب کو بحال رکھا۔ اور اُس کے بعد حضرت علیؓ اور دیگر بنی ہاشم بھی شامل ہوگئے۔ اور سوائے حضرت ابوبکر رضؓ کے کسی اور پر بات نہ ٹھیر سکی، یہ سب کچھ اُسی وعدے کے مطابق ہُوا۔ جو خدا تعالیٰ نے آیتِ استخلاف میں فرمایا تھا:-

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ[1] لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِیْنَھُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَھُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّھُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِھِمْ اَمْنًا یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا (نور پ۱۸)	خدا تعالیٰ نے تم میں سے مخلص ایمانداروں اور اعمالِ صالحہ والوں سے وعدہ کیا ہے کہ انکو زمین میں خلیفہ بنائیگا۔ جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں (داؤدؑ و سلیمانؑ) کو خلیفہ بنایا تھا اور اُن کے لئے اُن کے اُس دین کو جسے اُس نے اُنکے لئے پسند کر رکھا ہے۔ (اسلام کو) اقتدار بخشیگا اور اُن کے (موجودہ) حالتِ خوف کے بدلے اُن کو امن دیگا وہ میری ہی عبادت کرینگے۔ کسی کو بھی میرے ساتھ شریک نہیں گردانینگے۔"

اِس آیت میں خلافتِ راشدہ کے وقت میں اسلامی حکومت کے قائم ہوجانے۔ دینِ اسلام کے محکم (اور سٹیٹ ریلجن یعنے شاہی مذہب) ہوجانے اور مسلمانوں کے خوف کے امن سے بدلجانے اور اُن خلفائے راشدین کے توحیدِ الٰہی پر قائم رہنے کی صاف صاف خبر ہے"

اگر آپ اس کے ساتھ سورہ حج کی آیت کو بھی ملالیں تو آپ کو بہت لُطف آئیگا، اللہ تعالیٰ مہاجرینِ مکّہ کی مظلومی پر اُنکو بشارت سناتا ہے:-

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ (حج پ۱۷)	وہ مہاجر لوگ کہ اگر ہم ان کو زمین میں مقتدر کر دینگے۔ تو وہ نماز قائم کرینگے اور زکوٰۃ ادا کرینگے۔ اور لوگوں کو نیک کاموں کا حکم کرینگے۔ اور انکو بُرے کاموں سے منع کرینگے۔ اور اللہ کے اختیار میں ہے انجام ہر کام کا"

[1] اس آیت میں خاکسار کے نزدیک مِنْکُمْ کے مخاطب ہر دو گروہ مدعیانِ ایمان مخلصین و منافقین ہیں" جنکا ذکر اس آیت کے پیشتر سے چلا آتا ہے کہ اِس جماعت مخلصین کو بشارت ہے کہ خدا تعالیٰ نے انکو حکومت و اقتدار بخشیگا اسی مخلص جماعت کو ہم جماعتِ صحابہؓ کہتے ہیں، جنکے افراد خلفائے راشدین ہیں۔ بعض افراد کو حکومت و اقتدار ملے تو ساری قوم کو حاکم کہنا قرآن میں مذکور ہے جیسے وَجَعَلَکُمْ مُّلُوْکًا (مائدہ پ۶)،

اَب آپ اِن ہر دو آیاتِ مذکورہ بالا کو زیرِ نظر رکھکر ہماری توضیحات کو بغور ملاحظہ فرماتے جائیں:-

(۱) وعدہ تمکین ہر دو آیات میں ہے۔ فرق صرف یہ ہے۔ کہ پہلی آیت میں تمکین کو دین سے متعلق کیا ہے۔ اور دوسری میں مہاجرین سے، اِسی طرح پہلی آیت میں خلافت کو صحابہؓ کے متعلق کیا ہے،

پس معلوم ہُوا کہ خلافت تمکینِ دین کے لئے ہے، اور اس سے یہی مقصود ہے پس جس دَورِ خلافت میں تمکینِ دین کا مقصود حاصل ہو۔ اُس کے منجانب اللہ اور حق ہونے میں کیا کلام؟

(۲) دوسری آیت کے قبل مہاجرین کا صریحاً ذکر ہے پس یہ وعدہ اوّلاً و بالذات جماعتِ مہاجرین سے ہے، اور اُن سے بعد کے لوگوں سے بالتبع ہے، یعنے آیتِ استخلاف میں بھی اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سے بھی مہاجرین مراد ہیں۔ اور معلوم ہے کہ حضرت ابوبکر رضؓ بلکہ ہر چہار خلفائے راشدین مہاجر تھے، بلکہ حضرت عثمان رضؓ جس طرح ذوالنورین تھے۔ اُسی طرح ذوہجرتین بھی تھے۔[۵۱]

(۳) دوسری آیت یعنے سورۂ حج کی آیت میں تمکینِ مہاجرین کے وقت اُنکی خدمات یہ ذکر کی ہیں:-
نماز کا قائم کرنا، جو خداوند تعالےٰ کی جناب میں سب سے بڑی عبادت ہے۔
زکوٰۃ کا ادا کرنا، جس میں اپنے مسلمان بھائیوں پر شفقت کرنا، اور اُنکی دستگیری کرکے اُنکو غیروں کی دستبرد سے بچانا، اور اسلامی خزانے کو پُر رکھکر جہاد فی سبیل اللہ کی خدمت بجالانا ہے۔ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، جنمیں خلق اللہ کی حقیقی خیر خواہی، اور اُن کی اخلاقی و سیاسی اصلاح اور اُن میں علم و تہذیب کی ترویج و اشاعت ہے۔ اور حصولِ سلطنت میں حاکم کا سب سے بڑا فرض اور رعیت کا سب سے پہلا حق یہی ہے! اور اسی سے نظامِ سلطنت کا قیام ہے۔ ورنہ تحصیلِ محاصل اور ٹیکس تو ہر جابر و قاہر کر سکتا ہے۔ اِس میدان میں بچہ سقا بھی دیگروں سے پیچھے نہیں رہ سکتا،

سو پہلی آیت میں صرف خدا کی عبادت کرنے اور اُس کے ساتھ شریک نہ گردانے کا

---

[۵۱] یعنے آپ نے ہجرت حبشہ بھی کی تھی اور ہجرتِ مدینہ بھی ۱۲ (ابن ہشام وغیرہ) ۱۲ منہ

سرِ بحاذ کرتے ہے، لیکن بالاختصار ہے، اور دوسری میں اسکی تفصیل ہے، کیونکہ جب کوئی والئے علوت فرد یا قوم حقیقۃً خدا کی پرستار ہوجائے، تو اُس سے ظلم وتعدی یکسر چھوٹ جاتی ہے اور رعیت پروری وعدل گستری اور فرائض شناسی اُس کا شیوہ ہوجاتا ہے۔ خلفائے راشدین کا آئینِ ملکداری وکشورکشائی ایسا ہی تھا، چنانچہ بیشمار واقعات اُسکی شہادت میں پیش کیے جاسکتے ہیں، جنکی تسلیم میں کسی کو نزاع نہیں،

بالآخر یہ وعدہ ہے کہ مہاجرین کا خوف امن سے بدلجائیگا،

اِن سب امور کو ایک ایک کرکے حضرت صدیق اکبرؓ کے عہدِ سعادت مہد میں دیکھ لیجئے، اور حق کی داد دیجئے جیسا کہ سابقاً مذکور ہوچکا۔ هٰذا والله ولی الهدایة ✦

(۳) مرتبۂ شہادت

شہادت ایسے علم کے اظہار کو کہتے ہیں، جو ظاہری بصارت یا باطنی بصیرت سے حاصل ہو چنانچہ مفرداتِ راغب میں ہے :۔

والشهادة قول صادر عن علم حصل بمشاهدة بصيرة او بصر (ص۲۶۹)	شہادت ایسا قول ہے جو ایسے علم سے صادر ہو۔ جو بصیرت یا بصارت کے مشاہدے سے حاصل ہو،

پھر یہ کہ بصیرت دو طرح کی ہے دماغ کی اور قلب کی۔ دماغ کی بصیرت علم استدلال سے ہے اور قلب کی بصیرت، نورِ ربانی سے ہے۔ جو خدا تعالےٰ مومن کے دل میں ڈالتا ہے۔ یہ شہادت تین طرح پر ادا ہوتی ہے۔ شہادت بالعلم، شہادت بالعمل۔ اور شہادت بالقلب،

عِلم کی شہادت علمائے راسخین کا کام ہے۔ چنانچہ فرمایا :۔

شَهِدَ اللهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ (آل عمران پ۳)	شہادت دی خدا نے کہ اُس کے سوا کوئی دوسرا لائق عبادت نہیں ہے اور فرشتوں نے بھی اور صاحبان علم نے بھی انصاف پر قائم ہوکر،

امام راغب اِس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں :۔

وشهادة اولى العلم اطلاعهم على تلك الحكم واقرارهم بذٰلك وهٰذه الشهادة	اہل علم کی شہادت اُن کا ان حکمتوں پر اطلاع پاتا ہے اور اُن کا اقرار کرنا ہے اور یہ شہادت

تختص باهل العلم فامّا الجهّال فمبعدون منها (صفحہ ۲۷)	اہل علم سے مخصوص ہے۔ لیکن جہال سو وہ تو اس سے بہت دور ہیں۔

اسی طرح آنحضرت صلعم کی رسالت کی شہادت میں فرمایا:۔

قُلْ کَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا بَیْنِیْ وَبَیْنَکُمْ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْکِتٰبِ (رعد پ ۱۳)	(اے پیغمبر!) تم کہو کہ میرے اور تمہارے درمیان خدا تعالیٰ اور وہ شخص جسے کتاب (الہی) کا علم ہے، کافی گواہ ہیں۔

اور شہادت بالعمل اعلیٰ درجے کے مستقیم الحال راستبازوں، چوٹی کے تقویٰ شعار دینداروں، اور نفس واعدائے دین سے مجاہدہ وجہاد کرنے والوں اور فی سبیل اللہ قتل ہو جانے والوں کے متعلق ہے کیونکہ وہ عملی استقامت وثباتِ قدم اور جان نثاری سے طریقِ حق کی شہادت دیتے ہیں۔ چنانچہ شہدائے اُحد کی نسبت فرمایا:۔

وَلِیَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَیَتَّخِذَ مِنْکُمْ شُهَدَآءَ ط وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ (آل عمران)	اور (تمکو جنگ اُحد میں جو مصائب پیش آئیں سو) اسلئے کہ خدا کو مومنوں کا دیکھنا منظور تھا اور تم میں سے بعض کو شہادت کے لئے چُن لینا مقصود تھا۔ ورنہ خدا تعالیٰ تو ان ظالموں کا روادار نہیں ہے۔

علامہ ابوالسعودؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔

او جمع شاهد ای ویتخذ منکم شهودًا معدّلین بما ظهر منهم من الثبات علی الحق والصبر علی الشدائد وغیر ذالك من اشواهد الصدق لیشهدوا علی الامم یوم القیمة (صفحہ ۳ برحاشیہ تفسیر کبیر جلد سوم)	(لفظ شہداء یا تو شہید کی جمع ہے) یا شاہد کی جمع ہے یعنی مراد یہ ہے کہ تم میں سے ایسے عادل گواہ چُن لئے جن سے حق پر ثابت رہنا اور مصائب پر صابر رہنا وغیرہ شواہد صدق ظاہر ہوں۔ تاکہ وہ قیامت کے روز دوسری اُمتوں پر شہادت دیں۔

مقتول فی سبیل اللہ کو شہید کہنے کے متعلق علماء نے کئی ایک وجوہ لکھی ہیں جو قرآن و حدیث سے ماخوذ ہیں۔ ہم اُن میں سے بلحاظ مناسبتِ موقع خصوصیت سے دو کو منتخب کرتے ہیں۔

(۱) لسان العرب میں ہے لِقِیَامِهٖ بِشَهَادَةِ الْحَقِّ فِیْ اَمْرِ اللّٰهِ حَتّٰی قُتِلَ یعنی شہید کو اسلئے بھی شہید کہتے ہیں کہ اُس نے خدا کے حکم میں قائم ہو کر حق کی ایسی شہادت دی کہ جان دیدی۔[1]

[1] لسان العرب جلد ۴ صفحہ ۲۳۹ زیر لفظ شهدا ۱۲ منہ

جان دی، دی ہوئی اُسی کی تھی ؎ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہُوا

(۲) فتح الباری میں ہے:- لِاَنَّهٗ يَشْهَدُ عِنْدَ خُرُوْجِ رُوْحِهٖ مَا اُعِدَّ لَهٗ مِنَ الْكَرَامَةِ[۵] یعنے شہید کو اسلئے بھی شہید کہتے ہیں کہ وہ اپنی روح کے پرواز کرنے کے وقت وہ سب بخششیں دیکھ لیتا ہے جو اُس کے لئے تیار رکھی گئی ہیں ؛

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ (حدید پ۲۷)

(اور جو لوگ خدا پر اور اُس کے جملہ پیغمبروں پر صدق دل سے) ایمان لے آئے، وہ خدا کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں اُن کے لئے اُنکا اجر بھی ثابت ہی اور اُنکا نور بھی ؛

مشکوٰۃ میں صحیح بخاری کی روایت ہے۔ کہ آنحضرت صلعم ایکدفعہ اُحد پہاڑ پر چڑھے اور آپ کے ساتھ خلفائے ثلثہ یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضہ اور حضرت عمر فاروق رضہ اور حضرت عثمان ذی النورین بھی تھے سو (اتفاق سے) پہاڑ لرزنے لگا، آنحضرت صلعم نے پہاڑ کو اپنے پاؤں سے مارا اور فرمایا اُثْبُتْ اُحُدُ ! یعنے اے اُحد ٹھیرا رہو، تجھپر تو ایک نبی اور ایک صدیق اور دو شہید ہیں (پھر لرزنے کی کیا ضرورت)[۲]

آنحضرت صلعم کی نبوت مسلم ہے حضرت ابوبکر رضہ کی صدیقیت معلوم ہے۔ حضرت عمر رضہ ابولؤلؤ نصرانی یا مجوسی کے ہاتھ سے نماز پڑھتے پڑھتے زخمی ہوکر شہید ہوئے، اور حضرت عثمان رضہ باغیوں کے ہاتھ سے شہید ہوئے، رضی اللہ عنہم اجمعین۔

ف - جو مومن باغیوں کے ہاتھ سے مقتول ہو، امام نوویؒ نے اُسے بھی داخل شہدا کہا ہے[۳]۔ اور یہ حدیث اُسکی تائید کے لئے کافی ہے اِسی لئے حضرت حسینؓ رضہ کو بھی شہید کہا جاتا ہے، کہ آپ باغیوں کے ہاتھ سے مقتول ہوئے۔ اور آپ نے اقامتِ دین میں اپنی جان نثار کرکے اپنے طریقِ عمل سے حق کی شہادت دیدی، رضی اللہ عنہ وعن والدیہ

(۳) اور شہادتِ قلبی باطنی کا بیان یوں ہے کہ ایمان کے مدارج تین ہیں، ایمان تقلیدی جو عوام کا

---

[۱] فتح الباری الفاری جزء یازدہم صفحہ ۶۲ زیر باب الشہادۃ سبع ۱۲ منہ

[۲] کیونکہ یہ ہستیاں کوہ وقار ہیں پس جنبش کیوں اور آپ کی ڈانٹ سے جو کوہِ اُحد ٹھیر گیا تو اسکی وجہ یہ ہے کہ فلسفیوں کے نزدیک بھی عالم عناصر انبیاؑ کے تابع ہوتا ہے جیساکہ ہم اپنی مشہور ومقبول کتاب شہادۃ القرآن کے مقدمہ میں بدلائل بیان کرچکے ہیں ۱۲ منہ

[۳] زرقانی علی الموطا جلد دوم صفحہ ۱۴۳ ۱۲ منہ

ہوتا ہے۔ اور ایمانِ استدلالی، جو علمائے راسخین کو حاصل ہوتا ہے، اور ایمانِ شہودی، جو انبیاء علیہم السلام اور اکابر اولیائے کرام کو عطا ہوتا ہے، کہ جو کچھ عالمِ جزا یا امورِ غیبیہ یا امورِ دُور از حواس کے متعلق شرع میں وارد ہے اُسے وہ خدائتعالےٰ کے دکھانے سے عیاناً دیکھ لیتے ہیں، اور یہ ایسا درجہ ہے۔ جسمیں شک متطرق نہیں ہو سکتا۔ تقلید و استدلال میں شبہ کی گنجائش ممکن ہے اور زوالِ ایمان کا خطرہ لگا رہتا ہے۔ لیکن شہود میں شبہ نہیں پڑ سکتا۔ اسکی مثال ٹھیک وہی سمجھو، جو اہلِ منطق کہا کرتے ہیں۔ کہ مشاہدات و محسوسات او وجدانیات کا علم ضروری ہوتا ہے مثلاً صحیح بخاری شریف میں وارد ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نمازِ کسوف میں چند قدم آگے کو بڑھ گئے۔ اور پھر پیچھے ہٹ آئے، اسکی وجہ میں آپ نے فرمایا کہ پہلے جنت میرے سامنے کیگئی، تو میں آگے بڑھا۔ کہ تمکو جنت کے پھل توڑ کر دُوں، اسی اثنا میں میرے سامنے دوزخ بھی کیگئی، تو میں پیچھے کو ہٹ آیا (تجرید صلٰ) اسیطرح آنحضرت صلعم نے شبِ معراج میں جنت و دوزخ اور دیگر آیات عظام دیکھیں، چنانچہ قرآن شاہد ہے۔ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى (النجم پ۲۷) یعنے اس پیغمبر محمد صلعم، نے اپنے رب کی کئی ایک بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔ اور ایسے ہی امورِ عظام کی نسبت خدائتعالےٰ منکرینِ نبوتِ محمدیہ کو فرماتا ہے۔ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى (النجم پ۲۷)، یعنے توکیا تم اس نبی محمد صلعم، سے اُن باتوں کی نسبت جھگڑا کرتے ہو، جن کو وہ (عیاناً سامنے) دیکھ رہا ہے۔ یعنے دیکھنے والے کا حق نہیں کہ دیکھنے والے سے جھگڑا کرے۔ پھر تم ایسا کیوں کرتے ہو؟

مولٰنا روم صاحبؒ نے مثنوی شریف میں ان ہرسہ مدارجِ ایمان کا ذکر بہت جگہ کیا ہے۔ اور ہر جگہ اصل حقیقت کا ادراک ایمانِ شہودی کے متعلق کہا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ یوں فرماتے ہیں:۔

بلکہ تقلیدست آں ایمانِ او — روئے ایماں را ندیدہ جانِ او
بس خطر باشد مقلد را عظیم — از رہ و رہزن ز شیطانِ رجیم
چوں بہ بیند نورِ حق ایمن شود — ز اضطراباتِ شک او ساکن شود
(مثنوی)

× × × ×

چوں کہ چشمش باز شد واں نقش خواند — دیو را بروے دگر دستے نماند

دوسری جگہ یوں فرماتے ہیں:۔

صد ہزاراں ز اہلِ تقلید و نشاں ۔۔۔ افگندشاں نیم وہمے در گماں

کہ بظن تقلید و استدلال شاں ۔۔۔ قائم است و جملہ پر و بال شاں

شبہ می انگیزد آں شیطانِ دوں ۔۔۔ در فتند آں جملہ کوراں سرنگوں

پائے استدلالیاں چوبیں بود ۔۔۔ پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

غیر آں قطبِ زمانِ دیدہ ور ۔۔۔ کز ثباتش کوہ گردد خیرہ سر

پائے نابینا عصا باشد عصا ۔۔۔ تا نیفتد سرنگوں او بر حصا

ایک اور موقع پر مقلد و محقق کا فرق نہایت لطیف طور پر سمجھاتے ہیں:۔

از مقلد تا محقق فرقہاست ۔۔۔ کایں چو داؤد است و آں دیگر صداست

حضرت اُسید بن حضیر کو نمازِ تہجد کے وقت جو نورانی قندیلیں نظر آئیں[۱] اور حضرت خُبیب رض کو اپنی اسیری کے وقت جبکہ اُنکی مشکیں کسی ہوئی تھیں، جو غیبی رزق پہنچتا تھا[۲]، اور حضرت عمر رض نے فارس کی ایک لڑائی میں ساریہ بن زنیم کے لشکر کو جو مدینہ طیبہ سے بحالت خطبہ دیکھ لیا تھا[۳]، یہ سب اسی ایمانِ شہودی کے انوار و برکات تھے،

(۴) مرتبہ صلاحیت

اس مرتبہ کے دو مقام ہیں، اوّل وہ مقام جو عام اولیاء اللہ اور متقین کا ہے۔ جس سے وہ فیوضِ ربانیہ کے لائق گردانے جاتے ہیں۔ کیونکہ لغت میں صلاح درستی اور خیر و نیکی کو کہتے ہیں چنانچہ قرآن شریف میں ہے وَالصُّلْحُ خَيْرٌ (النساء پ) یعنے صلح سراسر نیکی ہے، اور یہ ضد ہے فساد کی اور سیئۃ کی۔ چنانچہ فرمایا وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا (اعراف پ) نیز فرمایا خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا اور دو شخصوں کے درمیان جو صلح کرا دی جاتی ہے اُسکی یہی صورت ہوتی ہے۔ کہ اُنکے درمیانی بگاڑ کو درست کر دیا جاتا ہے اور یہ لفظ مجازاً اہلیت و قابلیت کے معنے میں بھی بولا جاتا ہے چنانچہ علامہ زمخشری اساس البلاغت میں فرماتے ہیں:۔

۱؎ مشکوٰۃ ص۵۴۱ بروایت صحیحین ۱۲ منہ ۲؎ صحیح بخاری مصری جلد ۳ ص۹ ۱۲ منہ

۳؎ مشکوٰۃ ص۵۴۶ بروایت بیہقی ۱۲ منہ

(ومن المجاز) هذا الاديم يصلح للنعل و فلان لايصلح لصحبتك (ج ۲ - ص۱) | "یہ چمڑہ جوتی کے لائق ہے اور فلاں شخص تیری صحبت کے لائق نہیں ہے"

اسی طرح علامہ فیومیؒ المصباح المنیر میں لکھتے ہیں :- وهو صالح للولاية اى له اهلية القيام بها د ص۱۵۱ یعنے وہ شخص ولایت کے لائق ہے"

(۲) یہ صلاحیت کبھی تو پیدائشی ہوتی ہے اور کبھی تربیت سے حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ امام راغبؒ مفردات القرآن میں فرماتے ہیں :-

واصلاح الله تعالى الانسان يكون تارةً بخلقه اياه صالحًا و تارةً بازالة ما فيه من فساد بعد وجوده و تارةً يكون بالحكم له بالصلاح (ص۲۸۵) | خدا تعالیٰ کا کسی انسان کو صالح کرنا کبھی تو اس صورت میں ہوتا ہے کہ اُسے صالح ہی پیدا کیا جاتا ہے اور کبھی اس طرح کہ اسکی ہستی کے بعد جو بگاڑ اسمیں موجود ہو اُسے دور کر دیا جائے اور کبھی اس طرح کہ اُسکو صالح ہونے کے معزز لقب خطاب نامزد کیا جائے

(۳) پھر یہ صلاحیت تین طرح کی ہے، صلاحیتِ قلب۔ صلاحیتِ زبان، اور صلاحیت جملہ دیگر اعضاء

قلب کی صلاحیت کے متعلق جملہ اعتقاداتِ حقہ ہیں، جنکی تعلیم خدا تعالےٰ اور اسکے رسول پاک صلعم سے ثابت ہے۔ اور دل وجان سے جملہ شعائر اللہ خانہ کعبہ اور اُسکے متعلقات مساجد، قرآن شریف اور کتبِ دینیہ، انبیاء اللہؑ، اولیاء اللہؒ صحابہ کرام رضؓ مجتہدینِ عظام رحؒ اور محدثین و فقہائے فخام رحؒ کا ادب واحترام +

اسکے خلاف ہر قسم کے شرکیہ وکفریہ والحادیہ اعتقادات وخیالات اور وساوسِ شیطانیہ ہیں۔

پس جن امور کا ماننا خدا تعالےٰ اور اُس کے رسول پاک صلعم سے واجب وثابت ہے۔ اُن کو دل میں جگہ دینا اور اُنپر یقین کرنا اور جو اُن کے خلاف ہیں یا ثابت نہیں اُنسے بیزار رہنا۔ یہ سب دل کے متعلق ہیں

زبان ۔ کے متعلق راست گفتاری اور جملہ اعتقادات حقہ کا اقرار ہے۔ اور اُسکے خلاف دروغگوئی بہتان طرازی فحش کلامی، اور کلماتِ شرکیہ وکفریہ والحادیہ کا بولنا ہے۔

دیگر اعضاء کے متعلق سب اعمالِ صالحہ ہیں، جو قرآن وحدیث سے ثابت ہوں (فرائض سنن، اور مستحبات ۔ مروت، احسان، معاملات کی صفائی) وغیرہ وغیرہ اور اُن کے خلاف سب قسم کے محرمات ومکروہات ہیں، اور سب سفلی کام جو مومن کو ترقی وکمال سے روکیں یا اُسے اس کے مقام کی بلندی سے گرادیں وہ سب اسی مد میں شامل ہیں، اور جملہ مشتبہات بھی بروئے حدیث

اسی ضمن میں داخل ہیں:۔

یہ سب تفصیل ایک ہی حدیث سے معلوم ہوسکتی ہے، چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔

الحلال بیّن والحرام بیّن وبینهما مشتبهات لا یعلمها کثیر من النّاس فمن اتّقی الشّبهات استبرء لعرضه ودینه ومن وقع فی الشّبهات کراع یرعیٰ حول الحمیٰ یوشك ان یواقعه الا وان لکل ملك حمیً الا وان حمی الله محارمه الا وان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله واذا فسدت فسد الجسد کله الا وهی القلب (کتاب الایمان ج ۱ ص ۱۲)

حلال بھی ظاہر و مقرر ہے، اور حرام بھی واضح و مبیّن ہے۔ اور ان دونوں کے درمیان بعض اشیا مشتبہ ہیں جنکو اکثر لوگ نہیں جانتے پس جو شخص ان مشتبہ چیزوں سے بچتا رہا اُسنے عزت کو اور اپنے دین کو بچالیا۔ اور پاک کرلیا اور جو شخص (بے احتیاطی کرکے) اُن مشتبہ امور میں پڑگیا۔ تو وہ مثل اُس چرواہے کی ہے جو کسی رکھ کے گرد ریوڑ چرائے تو قریب ہے کہ وہ اپنے ریوڑ کو اُس رکھ میں بھی واقع کردے (لوگو!) خبردار رہو۔ ہر بادشاہ کی رکھ ہوتی ہے اور یہ بھی یاد رکھو کہ خدا کی رکھ اسکی محرمات ہیں۔ خبردار رہو! کہ جسم انسانی میں ایک ٹکڑا گوشت کا ہے کہ جس وقت وہ صالح ہوجائے یعنے سنور جائے اور درست ہوجائے تو تمام جسم (یعنے کل اعضا) سنور جاتے ہیں اور جب وہ بگڑ جائے تو تمام جسم بگڑ جاتا ہے خبردار ہو کہ وہ گوشت کا ٹکڑا دل ہے۔

صلاحیت کا یہ وہ مقام ہے کہ جب مومن کا دل۔ عقائدِ حقّہ کا مخزن، اور اُسکی زبان، راست گفتاری کا ریکارڈ، اور اُس کے باقی اعضاء اعمال صالحہ کے مصدر بنجائیں اور اُن میں خدا تعالےٰ کے فرمان اور اسکے نبی برحق صلعم کی روش و سیرت کے خلاف کوئی جنبش نہ رہے تو وہ دِل انوارِ الٰہیہ کے نزول کا محل، اور عنایاتِ خصوصیہ کا مورد ہوجاتا ہے۔

صلاحیت کا دوسرا مقام، مقامات نبوت میں سے ہے اور یہ اسکا آخری انتہائی مقام ہے۔ گویا یوں سمجھو کہ صلاحیت ایک کلّی ہے جسکے بعض افراد بعض سے اعلیٰ و افضل ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مرتبۂ نبوّت معلوم ہے۔ آپ جدّ انبیاء ہیں امام الرّسل ہیں۔ قیامت کے دن سب سے پہلے آپ ہی کو خلعت پہنائی جائیگی۔ آپ کی نسبت حق جلّ و علا فرماتا ہے:۔

وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ (بقرہ پ ۱)

”اور البتہ چن لیا ہمنے اُس کو دنیا میں اور بیشک وہ آخرت میں البتہ صالحین سے ہوگا“

حضرت ابراہیم کیلئے الفاظ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ (سورۂ نحل پ ۱۴) اور سورۂ عنکبوت پ ۲۰ میں بھی وارد ہیں۔ اِن مذکورہ آیات میں آپ کو اُسی رتبۂ صلاحیّت کے ملنے کی خبر ہے۔ جس کے لئے

ـــــــــــــــــــ

۱؎ رکھ اس چراگاہ یا درختوں کے ذخیرہ کو کہتے ہیں جہاں گھاس یا درخت کا کاٹنا اور شکار کا کرنا رعیت کے لوگوں کو بحکم حکومت منع ہو۔

آپ نے دعا کی تھی :۔

رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ (شعراء پ۱۹) خداوندا! بخش مجھے معرفت اور ملا مجھے صالحین سے ۔

حضرت ابراہیمؑ کی یہ دعا آپ کے مرتبہ نبوت پر فائز ہونے کے بعد کی ہے جیسا کہ اس مقام اور دیگر مقامات کے سلسلۂ کلام سے واضح ہے،

اسی طرح آپ نے خدا تعالےٰ سے جو ایک صالح فرزند طلب کیا۔ اور آپ کی وہ دعا حضرت اسمعیل علیہ السلام کی پیدائش کی صورت میں قبول ہوئی تو وہ صلاحیت بھی اسی جنس سے ہوسکتی ہے چنانچہ فرمایا :۔ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ (صافات پ۲۳) یعنے خداوندا! مجھے ایک فرزند عطا کر جو صالحین سے ہو ۔

اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی منصب نبوت پر فائز ہونے کے بعد عالم برزخ میں اسی مرتبۂ صلاحیت والے انبیاء میں شامل ہونے کی دعا کی تھی :۔

تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ (یوسف پ۱۳) خداوندا! مجھے اسلام پر قبض کرنا اور مجھے صالحین سے ملا دینا ۔

اسی طرح حضرت یحیٰی علیہ السلام کی نسبت حضرت زکریا علیہ السلام کو بشارت سنائی :۔

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ (آل عمران پ۳)

پس ندا کی اُسے فرشتوں نے اور وہ محراب میں نماز میں کھڑا تھا۔ کہ خدا تعالےٰ تجھے یحیٰی (بیٹے) کی خوشخبری سناتا ہے جو خدا کے کلمہ (حضرت عیسےٰؑ) کی تصدیق کریگا اور سردار اور عورت کی خواہش نہ رکھنے والا اور صالحین میں سے نبی ہوگا ۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ صلاحیت مقامات نبوت میں سے ایک بہت بلند مقام ہے۔

اسی طرح حدیث معراج میں آنحضرتؐ کی جو ملاقات بعض اکابر انبیاء علیہم السلام سے ہوئی اُسکی نسبت صحیح بخاری وغیرہ کتب حدیث میں مروی ہے کہ حضرت آدم اور حضرت ابراہیم علیہما السلام نے آپ کو بالابن الصالح والنبی الصالح کے الفاظ سے مرحبا کہا، اور حضرات یحیٰی، عیسےٰ، یوسف، ادریس، ہارون اور موسےٰ علیہم السلام نے بالاخ الصالح والنبی الصالح سے مرحبا کہا تو اسمیں بھی درجۂ نبوت والی صلاحیت ملحوظ ہے، نہ کہ عام درجہ ولایت والی جس کا ذکر پہلے گذر چکا ہے۔

الغرض اگر کسی نبی کی صفت میں لفظ صالح وارد ہو تو اُس سے عام صلاحیت ولایت

سے اوپر مقامِ نبوت والی صلاحیت مراد ہوتی ہے چنانچہ سورہ نحل کی آیت وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ کی تفسیر میں تفسیر رحمانی میں لکھا ہے اَنَّہٗ بِاَب اَنْوٰ لَایَةِ النَّبَوِیَّةِ الَّتِیْ ھِیَ اَفْضَلُ مِنْ نُبُوَّتِهِمْ یعنی حضرت ابراہیمؑ آخرت میں ولایت نبویہ والوں میں سے ہیں۔ جو اُن کے مقام نبوت سے بھی اوپر کے رُتبے کا مقام ہے۔ اور اسی مقام کی نسبت حضرت شیخ اکبر قدس سرہٗ فصوص الحکم میں فرماتے ہیں۔

فاذا سمعت احدا من اہل اللہ یقول اوینقل الیك عنہ انہ قال الولایۃ اعلیٰ من النبوۃ فلیس یرید ذالك القائل الا ما ذکرنٰہ او یقول ان الولی فوق النبیّ والرّسول فانہ یعنی بذالك فی شخص واحد وھو ان الرسول من حیث ھوانہ ولیّ اتم منہ من حیث ھو نبیّ ورسول لاان الولی التابع لہ اعلیٰ منہ فان التابع لایدرك المتبوع ابدا فیما ھو تابع لہ فیہ

(فصوص الحکم شرح جالی افندی صفحہ ۲۴۶)

پس جب تو کسی اہل اللہ کو سُنے یا تیرے پاس اُسکی بابت نقل کیا جائے کہ وہ یہ کہتا ہے کہ "ولایت نبوّت سے اعلیٰ (وافضل) ہے" تو اس قائل کی مراد سوائے اس کے کچھ بھی نہیں جو ہم نے اوپر ذکر کی، یا وہ یہ کہے کہ ولی نبی اور رسول سے فائق ہوتا ہے تو اُسکی مراد ایک ہی شخص میں ان دونوں رتبوں کے ہونے کی ہے کہ کوئی رسول اس حیثیت سے کہ وہ خدا کا ولی و دوست ہے زیادہ اتم واکمل ہے اُس حیثیت سے کہ وہ نبی اور رسول ہے، (معاذ اللہ) یہ مراد نہیں ہے کہ ولی جو تابع ہوتا ہے وہ اُس (رسول) سے اعلیٰ ہے۔ کیونکہ تابعدار اپنے متبوع کے درجے کو اُس امر میں کہ وہ تابعدار ہے کبھی بھی نہیں پاسکتا۔

تنبیہ آیت سورہ نساء یعنی مِنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ میں صالحین سے مراد عام درجہ ولایت والے صالحین مراد ہیں نہ کہ درجہ نبوّت والے کیونکہ یہاں پر انبیاء کا ذکر بالتصریح الگ موجود ہے۔

نکتہ اب ہم ہر طرف سے سمٹ سمٹا کر اور سب بحثوں سے نمٹ نمٹا کر اصل مطلب کیطرف رجوع کرتے ہیں یعنی اصل آیت زیر تفسیر صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ پر آتے ہیں، کہ جسطرح ظاہری بینائی کے لئے آفتاب کی یا اُسکے قائم مقام کی روشنی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اِسیطرح ایمانی و روحانی امور میں نبی برحق یا اسکے خلیفہ صادق کی ضرورت ہے۔ اِسی لئے صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ فرمایا ہے کہ نبی صلعم آفتاب عالمتاب ہیں۔ اور صدیق و شہید و صالحین جو آپ سے نور حاصل کرنے والے ہیں۔ آپ کے خلفاء ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلعم کی نسبت فرمایا:۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ۙ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا (احزاب پ ۲۲)

اے بزرگ شان والے نبی! ہمنے تو تمکو (اپنی توحید کا) شاہد بنا کر اور بشیر و نذیر کرکے اور ہمارے حکم سے ہماری طرف بلانے والا کرکے اور سراج منیر کرکے بھیجا ہے۔

سِرَاج کا لفظ جو اس آیت میں آنحضرت صلعم کی ذاتِ اقدس کی نسبت فرمایا ہے، دوسری آیت میں یہی لفظ آفتاب عالمتاب کی نسبت وارد ہے:-

تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا (فرقان پ ۱۹)

بڑی برکت والا ہے وہ جسنے بنائے آسمان میں ستارے، اور بنایا اسمیں سورج اور چاند چمکتا۔

(۲) وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۙ وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا (نبا پ ۳۰)

(۲) اور بنائے ہمنے اوپر تمہارے سات (آسمان) محکم اور بنایا ہمنے سورج چمکتا۔

اور آنحضرت صلعم کی پیروی سے آپ سے نور حاصل کرنے والے صلحائے اُمت کی نسبت فرمایا:-

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ (زمر پ ۲۳)

بھلا جس کا سینہ خدا نے اسلام کے لئے کھولدیا۔ سو وہ تو اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے۔

اِسی طرح آنحضرت صلعم نے اپنی ایک دعا میں **محدثین ملت** کو اپنا **خلیفہ** کرکے فرمایا ہے:-

اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ خُلَفَائِیْ اَلَّذِیْنَ یَاْتُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ اَلَّذِیْنَ یَرْوُوْنَ اَحَادِیْثِیْ وَسُنَّتِیْ وَیُعَلِّمُوْنَهَا النَّاسَ (الجامع الصغیر للسیوطی ۵۳)

خداوندا! میرے اُن خلیفوں پر رحمت کرنا جو میرے بعد آئینگے (اور) وہ میری احادیث (فرمائی ہوئی باتیں) اور میرا طریق عمل روایت کرینگے اور لوگوں کو انکی تعلیم دینگے۔

نکتہ اللہ تعالےٰ نے اپنے حبیب اکرم سیّد المرسلین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو بوجہ آپ کی جامعیت کے دو کام تفویض فرمائے تھے۔ اوّل تبلیغ دین، دوم انتظامِ عالم سو انتظام تو خلافتِ کبریٰ یعنی سیاستِ ملکی کے متعلق ہے۔ جو خلفائے راشدین کا کام ہے اور تبلیغ دین خلافتِ صغریٰ کے متعلق ہے جسکے لئے خداوند تعالےٰ نے گروہ محدثین کو پیدا کیا۔ جنہوں نے آنحضرت صلعم کی سیرت کو نہایت محنت و کاوش سے اوّل اپنے سینہ میں حفظ کیا۔ اور پھر سفینہ (کتاب) میں ضبط کیا۔

رحمهم الله اجمعين وجزاهم عنا جزاء حسنا۔

مولانا حالی مرحوم اِس گروہِ حق پژوہ کی تعریف میں یوں گویا ہیں:-

گروہ ایک جویا تھا علمِ نبیؐ کا — لگایا پتہ جس نے ہر مفتری کا
نہ چھوڑا کوئی رخنہ کذبِ خفی کا — کیا قافیہ تنگ ہر مدعی کا
کیے جرح و تعدیل کے وضع قانوں
نہ چلنے دیا کوئی باطل کا افسوں

اِسی دھن میں آساں کیا ہر سفر کو — اِسی شوق میں طے کیا بحر و بر کو
سُنا خازنِ علمِ دیں جس بشر کو — لیا اُس سے جا کر خبر اور اثر کو
پھر آپ اُس کو پرکھا کسوٹی پہ رکھ کر
دِیا اور کو خود مزا اُس کا چکھ کر

کیا فاش راوی میں جو عیب پایا — مناقب کو چھانا مثالب کو تایا
مشائخ میں جو قبح نکلا جتایا — ائمہ میں جو داغ دیکھا بتایا
طلسمِ ورع ہر مقدّس کا توڑا
نہ مُلّا کو چھوڑا نہ صوفی کو چھوڑا

رجال اور اسانید کے جو ہیں دفتر — گواہ اُنکی آزادگی کے ہیں یکسر
نہ تھا اُن کا احسان یہ اک اہلِ دیں پر — وہ تھے اِس میں ہر قوم و ملت کے رہبر
لبرٹی میں جو آج فائق ہیں سب سے
بتائیں کہ لبرل بنے ہیں وہ کب سے؟

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَرْحَمَ لَهُمْ نَبِيُّكَ وَصَفِيُّكَ ؕ

أُحِبُّ الصَّالِحِيْنَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ
لَعَلَّ اللّٰهَ يَرْزُقُنِيْ صَلَاحًا

وانا العبد الآثم محمد ابراہیم میر سیالکوٹی

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ

جو غیر مغضوب اور غیر ضالین ہیں۔

ارتباط بماقبل چونکہ بعض لوگ اپنے الحاد و کجروی اور بدعت و گمراہی پر پردہ ڈالنے اور عوام کو اپنی طرف گرویدہ کرنے کے لئے اپنے اختراعی طریق کو طریق نبوت وطریق سلف صالحین قرار دیکر اپنا اُلّو سیدھا کرتے اور گمراہی پھیلاتے ہیں، اِسلئے ان گمراہ کُن لوگوں کے طریق کو صراط مستقیم اور صراط منعمین سے جُدا اور الگ ظاہر کرنے کے لئے اَلَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کے بعد فرمایا غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ الخ یعنے خداوندا! ہم تجھ سے اُن لوگوں کے طریق پر چلنے کی توفیق چاہتے ہیں جنپر تونے انعام کیا، اور اُن پر غضب نہیں ہوا۔ اور وہ راہ ست (صراط مستقیم) سے بھٹکے بھی نہیں۔

ترکیب نحوی غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ بدل ہے اَلَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ سے، یا اُسکی صفت ہے۔ (کشاف) اور معلوم ہے کہ بدل و مبدل منہ، اور صفت و موصوف کا مصداق ایک ہی ہوتا ہے پس اِس آیت کے صحیح معنے آیت سابقہ کو ملا کر یہ ہوئے کہ الہی! ہمکو اُن لوگونکی راہ پر چلا جنپر تیرا فضل ہوا اور وہ غضب و ضلالت سے محفوظ وسلامت رہے، چنانچہ علامہ زمخشری رح تفسیر کشاف میں فرماتے ہیں:۔

(غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ) بدل من اَلَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ علی معنے ان المنعم علیھم ھم الذین سلموا من غضب اللّٰہ والضلال او صفۃ علی معنے انھم جمعوا بین النعمۃ المطلقۃ وھی نعمۃ الایمان وبین السلامۃ من غضب اللّٰہ والضلال (کشاف ج ۱ ص۵۵)

غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ بدل ہے اَلَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ سے جسکے معنے یہ ہیں کہ منعم علیہم (انعام یافتہ) وہ ہیں جو خدا کے غضب سے اور ضلالت (وگمراہی) سے سلامت رہے۔ یا صفت ہے۔ پھر یہ معنے ہونگے۔ کہ وہ وہ لوگ ہیں جو نعمتِ مطلقہ یعنے نعمتِ ایمان کے اور خدا کے غضب سے اور ضلالت سے سلامت رہنے کے جامع ہیں۔

ل امام زمخشری کی اس ترکیب کو سید شریف جرجانی رح قاضی بیضاوی رح خطیب شربینی رح علامہ نسفی وغیرہم نے بھی تسلیم کیاہے اور غَیْرِ کے مجرور ہونے کی صورت میں سوائے اس کے اور کچھ ہو بھی نہیں سکتا، ۱۲ منہ

نکتہ نمبر۱ | ترکیب مذکورہ بالا کے رُو سے اس آیت میں مُنعم علیہم کا وصفِ ثبوتی اور سلبی ہردو جمع ہیں یعنے اَنۡعَمۡتَ علیہم میں وصف ثبوتی یعنے ثبوتِ نعمت ہے۔ کہ اُن پر خدا کا فضل ہوا اور غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ الخ میں اِنعام کی ضد غضب اور ہدایت کی ضد ضلالت کا سلب (نفی) ہے (یعنے یہ کہ وہ غضب سے اور ضلالت سے سلامت رہے،

حاصل مطلب | آیاتِ سابقہ کو ملاکر یہ ہوا کہ خداوندا! ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور اپنی حاجات میں خاص تیری ہی طرف رجوع کرتے اور خاص تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ ہمکو طریقِ استقامت پر چلنے اور اسپر قائم رہنے کی توفیق عطا فرما۔ جو اُن لوگوں کا طریق ہے جنپر تونے اپنا فضل کیا۔ اور اُن پر غضب نہیں ہوا۔ اور وہ اُس طریق سے بھٹک کر کسی اَور طرف کو نہیں گئے[۵۱]

تنبیہ نمبر۱ | حدیث شریف میں جو اَلۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡهِمۡ سے یہود اور اَلضَّآلِّیۡنَ سے نصارٰے مراد بتائی گئی ہے (ترمذی و مسند احمد) تو وہ مغضوب علیہم اور ضالّین کی بابت ہے جو بالکل درست ہے کیونکہ یہود کی نسبت قرآن شریف میں اکثر مقامات پر لفظ غضب اور نصارٰے کی نسبت لفظ ضلالت آیا ہے لیکن اس آیت میں غیر مغضوب اور غیر ضالین وارد ہے جس سے یہ مراد ہے کہ وہ انعام یافتہ لوگ غیر یہود و غیر نصارٰے ہیں۔ چنانچہ تفسیر سراج منیر میں خطیب شربینی فرماتے ہیں:

و نکتۃ البدل افادۃ ان المھتدین لیسوا یھودا ولا نصارٰی (جلد ۱ - ص۱)	اور بدل ہونے کے نکتے میں فائدہ یہ ہے کہ جو ہدایت یافتہ ہیں وہ یہود اور نصارے نہیں ہیں[۵۲]

تنبیہ نمبر۲ | وَلَا الضَّآلِّیۡنَ میں لا بمعنے غیر ہے، چنانچہ حضرت عمرؓ و غیرہ بعض صحابہؓ سے اسجگہ لا کی بجائے غیر بھی مروی ہے۔ حافظ ابن کثیر رح کہتے ہیں۔ یہ انہوں نے بطور تفسیر بتایا ہے[۵۳] (نہ کہ بطور نزولِ قرآن)

نکتہ نمبر۲ | اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡهِمۡ کے مقابلے میں غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡهِمۡ کے ضمن میں مغضوب علیہم کا بھی ذکر ہے۔ جو حدیث شریف میں بتایا گیا ہے کہ اِس سے مراد یہود ہیں۔ کیونکہ قرآن

---

[۵۱] اس آیت کا حاصل مطلب ہم مجملاً و اشارۃً ص۲۷۱ سطر ۱۳ میں تحریر کر چکے ہیں ۱۲ منہ [۵۲] جلالین، کمالین، سراج منیر ۱۲ منہ

[۵۳] ابن کثیر جلد ۱ ص۵ علی ہامش فتح البیان للشیخ شیخنا السید نواب رح ۱۲ منہ

شریف میں بیشتر مقامات پر غضب کا لفظ اُن کے حق میں وارد ہے مثلاً فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰی غَضَبٍ (بقرہ پ) اور مَنْ لَعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ (مائدہ پ) اور معلوم ہے کہ انعام کی ضد غضب و انتقام ہے۔ اسی طرح اِهْدِنَا کے مقابلے میں لَا الضَّآلِّيْنَ کے ضمن میں ضالین بھی مذکور ہیں جنسے حدیث شریف میں نصارٰی مراد بتائے گئے ہیں۔ کیونکہ قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر ضلالت کا لفظ اُن کے لئے آیا ہے، مثلاً سورہ مائدہ میں ذکر نصارٰی کے ضمن میں فرمایا۔ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ (پ) اور معلوم ہے کہ ہدایت کی ضد ضلالت ہے،

سُبحان اللہ ایسی لفظی و معنوی مناسبتیں ملحوظ رکھی گئی ہیں، کیوں نہ ہو، علیم کل کا کلام ہے،

نکتہ اَنْعَمْتَ بصیغہ معروف ذکر کیا اسکی وجہ ص ۲۵۸ پر بیان ہو چکی ہے) اور مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ میں اسم مفعول کا صیغہ استعمال کیا، جو فعل مجہول کے معنے میں ہوتا ہے۔ تاکہ ظاہر ہو کہ انسان پر غضب الٰہی اُسکے اپنے اعمال کا نتیجہ و ثمرہ ہے۔ جس کی بنا عدل و انصاف پر ہے کہ موافق اعمال کے جزا ملی چنانچہ فرمایا۔ جَزَآءً وِّفَاقًا (پ تبا) جیسا کہ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کی تفسیر میں مفصل گذرچکا۔ اور ضَآلِّيْنَ میں اسم فاعل کا صیغہ اختیار کیا۔ اور مغضوب علیہم کی طرح مُضَلِّيْنَ (باب افعال سے صیغۂ اسم مفعول) نہیں کہا تاکہ ثابت ہو کہ ضلالت انسان کا اپنا کام ہے جس سے وہ گمراہ ہوتا ہے۔ خدائے عزوجل کا کام نہیں ہے ۔ ہاں اسباب کا پیدا کرنا خدا کا کام ہے۔ لیکن اُن اسباب کو عمل میں لانا انسان کا اپنا کام ہے، اور نکتہ رس اصحاب سمجھ سکتے ہیں، کہ خلق و کسب ہر دو الگ الگ امر ہیں خالق ہر شئے کا خدا تعالےٰ ہے اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ (زمر پ) لیکن فعل و کسب انسان کا کام ہے۔

مولانا روم صاحب رح نے مثنوی میں اس مضمون کو بہت تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اور گوناگون تمثیلات سے سمجھایا ہے۔

نکتہ و تنبیہ قرآن شریف میں جہاں کہیں یہ فعل باب افعال سے یعنے اِضلال، اور اسکے ہم معنے الفاظ اِغوا وغیرہ کو خدا کی طرف نسبت کیا ہے۔ وہاں پر اُن کے دو معنے ہیں۔ اول یہ کہ کسی انسان کے گمراہ ہو جانے پر خدا تعالےٰ اُس پر گمراہی کا فتوےٰ عائد کرتا ہے۔ یعنے اُسے گمراہ قرار دیتا ہے۔ یا یوں کہئے کہ اس پر گمراہی کا فرد قرارداد جرم لگاتا ہے۔ اور علم تصریف میں باب افعال کا ایک خاصہ

نسبت بماخذ بھی ہے (نوادر الاصول)

دوم یہ کہ ایسے مواقع پر اضلال وغیرہ الفاظ ضلال واہمال کے معنے میں ہوتے ہیں یعنے خداوند تعالیٰ جو مالکِ ملک وملکوت اور صاحب عظمت وجبروت ہے۔ ضدی گمراہوں کی نسبت اسکی سنت یہ ہے کہ آیاتِ انفسی وآفاقی اور تبلیغ رسالت سے انپر حجت پوری کرنے کے بعد ان کے کفر و عصیان پر قائم رہنے اور ضد و اصرار کرنے کی وجہ سے انکو انکی حالت پر چھوڑ دیتا ہے۔ اور ان سے اپنی توفیق وعنایت ہٹا لیتا ہے۔ اور یہ درجہ سب سے سخت ہوتا ہے۔ اور اسی کا نام درجۂ لعنت ہے جو ایک گونہ سزا ہے، کہ خدا تعالےٰ کی رحمتِ خصوصی سے محرومی ہوجاتی ہے (اعاذنا اللہ منہا)

سیدنا حضرت امام ابوحنیفہ رح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں۔ اِضلالہٗ خذلانہٗ یعنے خدا کے اضلال سے مراد اسکا ساتھ چھوڑ دینا ہے دنیا میں بعض قصوروں پر صرف تنبیہ کردیجاتی ہے۔ بعض پر تھوڑا سا جرمانہ کردیا جاتا ہے۔ بعض ایک جگہ سے تبدیل کردیا جاتا ہے۔ بعض پر درجہ گھٹا دیا جاتا ہے۔ بعض پر ترقی روک دیجاتی ہے۔ اور بعض کو یہ سزا ملتی ہے۔ کہ موجودہ ملازمت سے توبرخاست اور آئندہ کے لئے ممنوع روزگار بلکہ بعض وقت اس کے ساتھ جرمانہ و قید بھی ایسی سزا کسی بہت سنگین جرم پر ملتی ہے یہی حال الٰہی سزاؤں کا سزا ہے سورۂ بقر پارہ اوّل میں آیت خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِہِمْ میں یہی درجۂ لعنت مراد ہے اور ہم اس آیت میں خدا کی توفیق سے اس امر کو بالتفصیل بیان کرینگے۔

اَللّٰهُمَّ وفقنی ان ابرز عجائب کتابك واظہر غرائب کلامك

حقیقت غضب غضب ایک کیفیت ہے، جسکے سبب سے دل کا خون جوش کرتا ہے۔ اور روحِ حیوانی مکروہ و ناملائم طبع امر کو دفع کرنے کے لئے خارج بدن کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔ جسکی غایت انتقام ہے۔ اور ہم سابقاً بسم اللہ شریف کی تفسیر میں صـ۶۲ـ سے صـ۶۴ـ تک بالتفصیل بیان کرچکے ہیں، کہ رحمت وغضب وغیرہا جوانفعالی کوائف ہیں۔ ان کا تصور ذاتِ حق کے متعلق اس صورت میں جائز نہیں ہیں جس صورت میں کہ وہ انسانوں میں پائی جاتی ہیں۔ کیونکہ ذاتِ حق انفعالات سے پاک وبرتر ہے۔ بلکہ ذاتِ حق کے متعلق صرف انکی غایت ہوتی ہے مثلاً رحمت کی غایت مرحوم پر تفضل واحسان ہے۔ اور غضب کی انتقام و سزا ہے۔ وغیرہ وغیرہ

اسباب غضب قرآن شریف میں کئی ایک امور پر لفظ غضب یا اسکا ہم معنے لفظ

وارد ہے جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ امور خدا کے نزدیک موجباتِ غضب ہیں (اعاذنا اللہ منہا)

اوّل - شرک ، چنانچہ فرمایا:-

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ (اعراف پ ۹)	تحقیق جن لوگوں نے اُس بچھڑے کو معبود بنا لیا - اُن کو ضرور ضرور اُن کے رب کا غضب حاصل ہوگا - نیز اُن کو دنیوی زندگی میں ذلّت ہوگی اور ہم ایسے افترا پردازوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں

دوم - کفر و ارتداد - چنانچہ ارشاد ہے:-

وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (نحل پ ۱۴)	لیکن جس نے (اپنا) سینہ کفر کے لئے کھول دیا ، تو اُن پر خدا کا غضب ہوگا - اور (عاقبت میں) اُن کے لئے بڑا عذاب ہے

سوم - بیگناہ مومن کو عمداً قتل کرنا چنانچہ فرمایا:-

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا (نساء پ ۵)	اور جو کوئی کسی مومن کو عمداً قتل کریگا - تو اُسکی جزا جہنم ہے جس میں وہ ٹھیرا رہیگا ، اور اُس پر خدا کا غضب اور لعنت ہوگی اور (عاقبت میں) ہم نے اُس کے لئے عذاب عظیم تیار کر رکھا ہے

چہارم ، خدا کے رسول کی مخالفت ، چنانچہ موسےٰ علیہ السلام کی زبانی ذکر کیا ، کہ اُنہوں نے قوم سے کہا:-

اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ (طٰہٰ پ ۱۶)	یا تم نے ارادہ کر لیا کہ تم پر تمہارے رب کا غضب نازل ہو پس (اسلئے) تم نے میرے وعدے کا خلاف کیا -

پنجم ، حق ظاہر ہو جانے پر خدا کے حکم کے سامنے حجّت بازی کرنا:- چنانچہ ارشاد ہے:-

وَالَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ (شوریٰ پ ۲۵)	اور جو لوگ خدا کے بارے میں حجّت بازی کرتے ہیں ، بعد اس کے کہ اُسکی قبولیّت قائم ہو چکی - اُنکی حجّت بازی اُن کے رب کے نزدیک بالکل مردود ہے اور اُن پر (اسکا) غضب ہے - اور اُن کے لئے (عاقبت میں) سخت عذاب (تیار) ہے ،

ششم خدا کی نعمتوں پر شکر گذاری کی بجائے عصیان و طغیان کو اختیار کرنا - چنانچہ فرمایا:-

كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ (طٰہٰ پ ۱۶)	کھاؤ ستھری چیزوں سے جو ہم نے تم کو (کھانے کو) دیں ، اور اُس (رزق حلال) میں سرکشی نہ کرو ، پس تم پر میرا غضب نازل ہو کر رہیگا -

حقیقت ضلالت لغت میں ضلالت، گم ہوجانے، حیران ہونے، اور بھول جانے کو کہتے ہیں اور اس کا اطلاق کئی طرح پر ہے۔

غیبوبت۔ حیرت۔ غفلت۔ نسیان۔ مغلوبیت (جذبۂ حق یا حمایت میں)، گم ہوجانا۔ کھویا جانا۔ بے راہ ہوجانا۔ دینی امور میں شیطان یا نفس کے ورغلانے سے اعتقاداً یا عملاً گمراہ ہوجانا۔ یہ لفظ حسب موقع و محل ان سب امور پر بولا جاتا ہے۔ اکثر ان میں سے قرآن شریف میں وارد ہیں۔

اِس بھول جانے اور بے راہ چلنے کی صورتیں مختلف ہیں۔ بعض باریک و مخفی ہیں۔ کہ کمالِ عقل و ایمان سے سوجھتی ہیں۔ اور بعض ظاہر و واضح ہیں۔ اور بعض شدید ہوتی ہیں۔ کہ پھر اُن سے راہ پر آنا مشکل ہوجاتا ہے۔ اور اُس مقام پر پہنچکر آخر کار دِل پر مُہر لگ جاتی ہے۔ اور بعض معمولی ہوتی ہیں کہ تھوڑا سمجھانے سے بھولا ہوا رستے پر آسکتا ہے۔ بشرطیکہ آئینۂ قلب صاف ہو، اور نیّت صادق ہو۔ ورنہ دل کی کدورت اور نیّت کے فساد سے واضح و معمولی غلطی بھی شدید ہوجاتی ہے۔ (اعاذنا اللہ منہا)

پھر یہ کہ بھول، غلط فہمی و سہو سے بھی سرزد ہوجاتی ہے۔ اور عمد و ارادہ سے بھی + اعتقاد میں بھی، اور طریق عمل میں بھی + دینی امور میں بھی اور دنیوی امور میں بھی + مجازی و معنوی طور پر بھی۔ اور حسّی[1] و حقیقی صورت میں بھی +

چونکہ دین کا تعلق اخلاق و امورِ آخرت سے ہے۔ اسلئے خدا کی مقرر کردہ شریعت و طریقہ کے خلاف رستے پر چلنے کو بھی مجازاً ضلالت و گمراہی کہا جاتا ہے۔ چنانچہ علامہ زمخشری رحمہ اساس البلاغت میں فرماتے ہیں۔ ضَلَّ عَنِ الطَّرِیْقِ وَعَنِ الْقَصْدِ × × × (ومن المجاز) ضَلَّ فِی الدِّیْنِ،

[1] اسی حسّی طور پر راستہ بھول جانے کی جنس سے یہ واقعہ ہے کہ ایکدفعہ اپنے بچپن میں سرورِ کائنات، صلے اللہ علیہ وسلم کہیں راستہ بھول گئے خدا تعالےٰ نے اپنے دستِ قدرت و حفاظت خصوصی سے آپ کی رہنمونی کرکے آپ کو آپ کے جد امجد حضرت عبد المطلب کے پاس پہنچایا (ابن ہشام وغیرہ) اسپر خدا تعالےٰ نے آپ کو منصب نبوت پر سرفراز کرنے کے بعد امتناناً جتایا۔ وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَهَدٰی (الضحیٰ پ۳۰) ورنہ پیغمبرانِ خدا پر مجازی و معنوی و دینی ضلالت عادۃً محال ہے۔ قبل نبوت بھی اور بعد نبوت بھی۔ مولنا روم صاحب رحمۃ اللہ نے اس واقعہ کو بہت تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اور حسب عادت و مذاق خود اس میں باریک باتیں ذکر کی ہیں۔ (دفتر چہارم) یا اسجگہ ضلال بمعنے بیخبری و ناواقفی ہے کہ آنحضرت صلعم قبل نبوت اُن امور و علوم سے ناواقف تھے۔ جو خدا تعالےٰ نے آنحضرت کو نبوت کے وقت اپنی وحی سے سکھائے جیسا کہ فرمایا:۔ وَاِنْ کُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِیْنَ (یوسف پ۱۲)، نیز فرمایا:۔ مَا کُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْکِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ وَلٰکِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا (شوریٰ پ۲۵) ۱۲ منہ

یہ دینی گمراہی دو قسم پر ہے۔ اعتقادی[1] و عملی[2]،

اعتقادی یہ کہ جو عقائد خدا تعالےٰ اور اُسکے رسول پاک صلعم سے ثابت ہیں، اُن میں سے کسی کا انکار کرے، یا اُن کو اُس طریق پر نہ مانے جو خدا تعالےٰ اور اُسکے رسول پاک صلعم کا ہدایت کردہ ہے مثلاً معرفتِ توحید الٰہی اور معرفت نبوّت وغیرہ امور اعتقادیہ چنانچہ فرمایا:۔

یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓىٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا (نساء پ ۵)

اے ایماندارو! ایمان رکھو خدا پر۔ اور اُسکے رسول پیغمبروں پر اور اُس کی اُس کتاب (قرآن مجید) پر جو اُس نے اپنے رسول (محمد) پر اُتاری، اور (ہر) اُس کتاب جو اُس نے اس سے پہلے اُتاری اور جو کوئی کفر کریگا اللہ سے اور اُس کے فرشتوں سے اور اُس کے رسولوں سے اور پچھلے دن (روز قیامت) سے تو وہ (بہت) دور کی گمراہی میں جا پڑا۔

اعتقادی امور کی ضلالت کو دُور کی گمراہی اسلئے کہا کہ جو شخص معتقداتِ ضروریہ میں گمراہ ہوا وہ دین سے بہت دُور جا پڑا، اعتقادیات جڑ ہیں اور عملیات شاخیں، جڑ قائم نہ ہو تو شاخیں قائم نہیں رہ سکتیں۔

اور عملی یہ کہ خدا کی مقرر کردہ شریعت اور پیغمبر صلعم کی قائم شدہ سُنّت کے خلاف چلے چنانچہ فرمایا:۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ یَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا (احزاب پ ۲۲)

اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو نہیں پہنچتا۔ کہ جب خدا اور اسکا رسول کسی امر کا حکم کرے تو اُن کے لئے اُن کے اُس امر میں کوئی اختیار باقی رہے۔ اور جو کوئی خدا اور اسکے رسول کی نافرمانی کریگا۔ تو وہ صریح گمراہی میں جا پڑا،

اِس آیت میں خدا تعالےٰ اور رسول اللہ صلعم کی نافرمانی کو صریح گمراہی کہا ہے اسلئے کہ خدا تعالےٰ اور رسول اللہ صلعم کی فرمانبرداری عین فرض واجب ہے۔ پس جو کوئی انکی نافرمانی کرے اسکی گمراہی کے بیّن ہونے میں کیا پوشیدگی ہے؛

اِسی معنے میں حدیث میں فرمایا وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ (مسلم، خلبجو) یعنے ہر بدعت ضلالت ہے، اِس لئے کہ وہ سنّت رسول اللہ صلعم کے سوا ہے۔ اور اجازت وتقریر شرع کے بغیر اپنی طرف سے اختراع کر کے کوئی مسئلہ مقرر کرنا۔ اور اُسے دین و شرع جاننا اور اُسپر ثواب آخرت کا امیدوار ہونا۔ اور اُسے خدا کی رضا جوئی کا وسیلہ و ذریعہ گرداننا بھی ایک گونہ مخالفت ہے۔ چنانچہ فرشتوں کی فرمانبرداری کی تعریف

میں فرمایا:- لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ (تحریم پ۲۸) یعنے وہ خدا کے فرمائے ہوئے حکم سے تجاوز کرکے اُسکی نافرمانی نہیں کرتے۔ اور کرتے وہی کچھ ہیں۔ جس کا اُن کو امر ہوتا ہے،

پس جس امر پر خدا اور اُس کے رسول پاک صلعم کا امر نہیں ہے۔ اُسے دین سمجھکر اسپر عمل کرنا گمراہی ہے اور وہ مردود ہے چنانچہ صحیحین میں ہے۔ کہ آپ نے فرمایا:-

مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا ھٰذَا مَا لَیْسَ مِنْہُ فَھُوَ رَدٌّ (مشکوٰۃ صلا)	جسنے ہمارے اس امر (دین) میں کوئی بات نئی نکالی۔ تو اُسکی وہ بات مردود ہے،

حاشیہ مشکوٰۃ میں اس حدیث پر لکھا ہے:-

اقول فی وصف الامر بھذا اشارۃ الی ان امر الاسلام کمل واشتھر فمن رام الزیادۃ علیہ حاول امرا غیر مرضی (طیبی و مرقاۃ) (حاشیہ مشکوٰۃ صلا)	میں کہتا ہوں کہ امر کو جو اس حدیث میں لفظ ھٰذا سے بیان کیا تو اسمیں اس بات کیطرف اشارہ ہے کہ اسلام کامل و معلوم و مشہور ہوچکا ہے پس جو شخص اُس میں کسی قسم کی زیادتی چاہتا

ہے۔ وہ ناپسندیدہ کام کے گرد پھرتا ہے،

نکتہ نمبر ا اوپر کے بیان سے واضح ہوگیا ہے کہ ضلالت کی کئی قسمیں ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ جس طرح عالم اجسام میں صراط مستقیم (سیدھی لائن) ایک ہی ہوتی ہے۔ اور ٹیڑھی لائینیں جو اُس کے گرد ہوں کئی ایک ہوتی ہیں، اسی طرح دین میں صراط مستقیم صرف ایک ہی ہے۔ اور جب اُس سے ہٹنے کا نام ضلالت ہے[۱] تو ٹیڑھے رستے جو صراط مستقیم سے ہٹے ہوئے ہوں اور اُن کا انجام ہلاکت وجہنم ہو کئی ایک ہی ہونگے،

حدیث میں وارد ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے ایک خط کھینچا اور فرمایا یہ "خدا کی راہ ہے" پھر اس کے دائیں بائیں چند ایک خط کھینچے اور فرمایا کہ یہ (مختلف) رستے ہیں۔ اُن میں سے ہر رستے پر شیطان کھڑا ہے۔ جو اُسکی طرف بلاتا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی وَاَنَّ ھٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْہُ یعنے یہ ہے میری راہ سیدھی۔ پس تم اسی کی پیروی کرو۔ (مشکوٰۃ ص۲۲) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ شیطانی رستے کئی ایک ہیں۔

[۱] چنانچہ مفردات راغب میں ہے۔ الضلال العدول عن الطریق المستقیم ویضادہ الھدایۃ ۱۲ یعنے ضلال سیدھے رستے سے ہٹ جانے کو کہتے ہیں۔ اور اسکی ضد ہدایت ہے، ۱۲ منہ

نکتہ نمبر ۲

صراطِ مستقیم سے ہٹنے کی دو صورتیں ہیں ایک تفریط اور دوسری افراط، تفریط تقصیر یعنے کمی کرنے کو اور افراط زیادتی کرنے کو کہتے ہیں۔

حدیث شریف میں جو مغضوب علیہم سے یہود اور ضالین سے نصاریٰ مراد بتائی گئی ہے (ترمذی وغیرہ) تو اسکی وجہ یہ ہے۔ کہ یہود کے اکثر جرائم انبیاء علیہم السلام کی شان میں تنقیص و تفریط کی جنس سے تھے۔ چنانچہ یہ بات اُن کے اِس سلوک سے جو انہوں نے حضرات موسیٰؑ۔ داؤدؑ، زکریاؑ۔ یحییٰؑ، اور عیسےٰ علیہم السلام سے کئے بخوبی واضح ہے۔ اور یہ امر خدا کے نزدیک نہایت موجب غضب ہے کہ اُس کے انبیاء کی تنقیص کیجائے یا اُن کو ایذا پہنچائی جائے، چنانچہ صحیحین میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اُس قوم پر خدا کا غضب نہایت سخت ہوگا جنہوں نے اُسکے نبی صلعم سے ایسا سلوک کیا اسمیں آپکا اشارہ اپنے سامنے کے دانتوں کی طرف تھا جو جنگ احد میں شہید ہوئے تھے۔ اور اسیطرح اُس شخص پر بھی خدا کا غضب نہایت سخت ہوگا جسے رسول اللہ صلعم نے اپنے ہاتھ سے، خدا کی راہ (جہاد) میں قتل کیا ہو، کیونکہ رسول اللہ صلعم جو سراسر رحمت ہیں اُنکے ہاتھ سے جو قتل ہوگا وہ بڑا ہی شقی ہوگا۔

پس یہود کے سوا بھی جو کوئی انبیاء اللہ کی تنقیص کرے، یا اُن کے سچے وارثوں خلفا و اولیاء و علماء کی تحقیر کرے۔ وہ بھی خدا کے غضب میں آجاتا ہے۔ مولٰنا روم صاحب اسی معنے میں فرماتے ہیں،

تا دلِ مردِ خدا نامد بدرد
ہیچ قومے را خدا رسوا نکرد[۱]

اور حدیث میں نصاریٰ کو ضال قرار دیا تو اُسکی وجہ یہ ہے کہ اُنکا بڑا گناہ حضرت عیسےٰؑ کی محبت و تعظیم میں اِفراط و غلو ہے کہ اُنکو حدِ پیغمبری سے بڑھا کر خدائی کے مرتبے پر پہنچا دیا اور یہ اعتقادات میں سخت درجے کی گمراہی ہے۔ چنانچہ نصاریٰ کی گمراہی کے ذکر کے ضمن میں فرمایا:

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَاۗءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَاۗءِ السَّبِيْلِ

(پ۶ مائدہ)

(اے پیغمبر! ان سے) کہو اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق کا غلو (زیادتی) نہ کرو۔ اور اُن لوگوں کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو، جو (تم سے) پہلے گمراہ ہو چکے۔ اور اُنہوں نے بہت لوگوں کو بھی گمراہ کر دیا اور سیدھے رستے سے بہک گئے۔

اِسی احتیاط کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ میری اُمت میری تعظیم عبودیت و رسالت سے زیادہ نہ بڑھا دے آنحضرت صلعم نے اپنی اُمتِ مرحومہ کو اس گمراہی سے بچانے کے لئے تاکیداً فرمادیا،

---

[۱] مثنوی شریف کا یہ شعر صحیح طور پر یاد نہیں رہا۔ ہاں مضمون یقیناً یہی ہے۔ یاد والے صحیح کرلیں ۱۲ منہ

لَا تُطْرُوْنِیْ کَمَا اَطْرَتِ النَّصَارٰی ابْنَ مَرْیَمَ فَاِنَّمَا اَنَا عَبْدُہٗ فَقُوْلُوْا عَبْدُ اللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ
(تجرید بخاری ج ۲ ص ۱۴۴)

مجھے حد سے نہ بڑھانا جس طرح نصاریٰ نے عیسےٰ بن مریم کو حد سے بڑھا دیا۔ میں تو اُس (خدا) کا بندہ ہوں پس خدا کا بندہ اور اُس کا رسول کہو (ادریس) ،،

نصاریٰ کی یہ افراط تو اعتقادی ہے۔ عمل میں یہ افراط کی کہ انہوں نے رہبانیت کا اختراع کیا، گو انہوں نے ایسا محض خدا کی رضاجوئی کے لئے کیا، لیکن چونکہ خدا کی منشا کے خلاف تھا اور یہ دین میں ایک زیادتی ہے۔ اسلئے یہ بھی افراط ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلعم نے اپنی امت کو اس قسم کی افراط سے بھی منع فرمایا:۔ چنانچہ حکم ہے:۔

لَا تشدّدوا علٰی انفسکم فیشدّد اللہ علیکم فان قوما شددوا علٰی انفسھم فشدد اللہ علیھم فتلک بقایاھم فی الصوامع والدیار رَھْبَانِیَّۃَ نِ ابْتَدَعُوْھَا مَا کَتَبْنَاھَا عَلَیْھِمْ رواہ ابوداود (مشکوٰۃ)

تم خود اپنی جانوں پر سختیوں کا بوجھ نہ ڈالو۔ پھر خدا بھی تم پر سخت امور وارد کریگا کیونکہ (تم سے پہلے) ایک قوم (نصاریٰ) نے اپنی جانوں پر (از خود) سختی ڈال لی تھی تو خدا نے بھی اُنپر سختی وارد کردی۔ پس یہ (راہب لوگ) جو بعض گرجاؤں میں اور بعض گھروں میں رہتے ہیں اُنہی کے بقایا ہیں (پھر آپ نے یہ آیت پڑھی) ورھبانیۃ نِ ابتدعوھا یعنے نصاریٰ نے رہبانیت کو از خود ایجاد کرلیا۔ ہمنے اُن پر مقرر نہیں کی تھی ،،

اور سابقاً مسطور ہو چکا ہے کہ شریعتِ مطہرہ میں بدعت نکالنا اور اسپر عمل کرنا ضلالت ہے۔ اور خدا تعالےٰ اُس عمل کو قبول نہیں کرتا۔ بلکہ رد کردیتا ہے۔ کیونکہ جس سکہ پر مہر سرکاری نہ ہو وہ رواج نہیں پاتا۔ اور کوئی بھی واقفکار اُسے قبول نہیں کرتا۔ اسی طرح جس عقیدے اور جس عمل پر خدا تعالےٰ یا اُس کے امینِ شریعت یعنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مُہر نہ ہو وہ عقیدہ وعمل قبول نہیں ہوتا۔ پس اس حکمِ نبوی یعنے فتویٰ ضلالت میں ہر وہ فرد یا جماعت داخل ہے جو آنحضرت صلعم کے کامل ومکمل دین میں کوئی امر از خود اختراع کرے اور اُسے دینی کام اور کارِ ثواب قرار دیکر اُسپر عقیدہ رکھے۔ یا عمل کرے، اعاذنا اللہ من المحدثات الاعتقادیۃ والعملیۃ واقامنا علی السنۃ النبویۃ

طریق اعتدال

افراط وتفریط کے درمیان اعتدال کا درجہ ہوتا ہے۔ وہی درجہ استقامت ہے۔ اس امر میں درجۂ اعتدال وصراط مستقیم یہ ہے۔ کہ نہ تو یہودیوں کی چال پر انبیاء وصلحاء

کی تنقیص و تحقیر کی جائے اور نہ نصاریٰ کی روش پر اُنکی تعظیم میں غلو کیا جائے۔ بلکہ درجۂ اعتدال پر قائم رہ کر اُن کی اطاعت اور اُن کے رستے کی پیروی کیجائے۔ اور اُن سے دلی محبت و خلوص رکھا جائے۔ اور سنتِ رسول اللہ صلعم کو اُسوۂ حسنہ بناکر بدعات سے پرہیز کیجائے، اِسی باب میں بزرگوں نے کہا ہے "حفظِ مراتب نکنی زندیقی، یعنے اگر تو ہرایک کے اصل مرتبہ کی حفاظت نہ کریگا۔ تو زندیق و بے دین ہو جائیگا، اعاذنا اللہ منہا۔

تنبیہہ ضروری نمبر ۱ بعض لوگوں کو یہ شبہ عارض ہوتا ہے۔ کہ جب ہر بدعت گمراہی ہے تو اس زمانہ میں کئی باتیں ایسی نئی ایجاد ہو گئی ہیں۔ جو آنحضرت صلعم اور صحابہ کے وقت میں نہ تھیں تو انکو کیوں استعمال کیا جاتا ہے؟

سو اُنکو معلوم ہو کہ شریعت میں اُس بدعت کو ضلالت کہا گیا ہے۔ جو دینی امور میں ہو اور اُسپر اجر و ثواب کے ترتب کا اعتقاد ہو چنانچہ بیاتِ حدیث مذکور الفوق کے الفاظ فی امرنا ھذا سے ظاہر لیکن وُہ دنیوی اُمور جنپر عذاب ثواب کا ترتب نہیں ہے۔ اور شریعتِ مطہرہ نے اُنمیں کسی قسم کا تصرف نہیں کیا، اور زمانہ کے انقلاب و ترقی سے اُنمیں تغیر و تبدل اور موقوفی و ایجاد وغیرہ ہوتے رہتے ہیں۔ وہ اِس حد و حکمِ بدعت سے خارج ہیں، مثلاً ریل اور دُخانی جہازوں اور موٹر وغیرہ پر سوار ہونا۔ اور اُن کے ذریعے سفر کرنا۔ خاصکر حج کا سفر کرنا، فافہم ولا تغفل؛

تنبیہہ نمبر ۲ اسی طرح وہ امور جو صحابہ اور تابعین نے قرآن کریم یا سنتِ رسول اللہ صلعم سے استنباط کرکے فرمائے ہیں، اِس سے خارج ہیں، چنانچہ مشکوٰۃ شریف کے حاشیہ میں حدیث مذکور من احدث فی امرنا ھذا پر لکھا ہے :-

والمعنی ان من احدث فی الاسلام رأیا لم یکن لہ من الکتاب والسنۃ سند ظاھر او خفی، ملفوظ او مستنبط فھو مردود علیہ (حاشیہ مشکوٰۃ صـ۱۹)	یعنے یہ ہیں۔ کہ جس کسی نے اسلام میں کوئی ایسی بات اپنی رائے سے ایجاد کی جسکی سند کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ہے۔ نہ تو ظاہر نہ خفی۔ اور نہ ملفوظ نہ مستنبط تو وہ اُسکی وہ رائے اُسی پر مردود ہے،

تنبیہہ نمبر ۳ نصوصِ کتاب و سنت سے استنباط کرنا مجتہد کا کام ہے۔ نہ ہر کس و ناکس کا، لکھے نہ پڑھے نام محمد فاضل، اور یہ قابلیت خداداد ہوتی ہے۔ ادعائی نہیں ہے۔ اِس زمانے کے

بہت سے لوگ نصوص کو بالائے طاق رکھ کر اُن کے برخلاف عقائد و اعمال نکالتے ہیں۔ اور اُن پر پردہ ڈالنے کے لئے قرآن و حدیث کی عبارتوں کو توڑ مروڑ کر اپنے مطلب کے سانچے میں ڈھالتے ہیں وہ سب لوگ اور اُن کے سب ایسے مسائل قابل پرہیز ہیں حدیث شریف میں اور علمائے اُمت کی وصایا میں اُن سے پرہیز کی شدید تاکید ہے۔ پس اخیر پر میں عاجز بھی اُن کی پیروی میں اپنے ناظرین کو یہی تاکید کرتا ہوں کہ وہ طریق سنت پر عمل کریں کہ وہی طریقِ مستقیم ہے جسکی دُعا آپ سورۂ فاتحہ میں مانگتے ہیں۔ اور وہی صحابہ و تابعین و ائمہ مجتہدین اور دیگر بزرگانِ دین کا طریق ہے۔ جس پر عمل کر کے انہوں نے بڑے بڑے مراتب و مدارج حاصل کئے۔ خدا تعالٰی ہمیں بھی اُنکے ساتھ ملاوے آمین اور نیز یہ کہ وہ ہر بدعت سے نہایت کراہت سے پرہیز کریں۔ کیونکہ بغیر رسول اللہ صلعم کی اطاعت و اتباع کے سب اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ حق تعالٰی نے فرمایا:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ (محمد پ ٢٦)	اے لوگو جو ایمان لائے ہو فرمانبردار بنے رہو اللہ کے اور فرمانبردار بنے رہو اُس کے رسول کے اور نہ ضائع کرو اپنے عملوں کو

اب میں عاجز اس تفسیر کے مضمون کو اپنی پنجابی سی حرفی المعروف بہ **نین نامہ عارفانہ** کے ایک حرف غ پر ختم کرتا ہوں۔ جو محبوب رب العٰلمین سید المرسلین صلعم کے عشق میں بحالتِ کمال انبساط و انحظاظ لکھی گئی تھی

غ غیر ویناں نہ جوڑ یاری بعد نبی دے ہور رسول ناہیں — کیوں رسم محبوب دی چھوڑناایں من حکم تے کریں عدول ناہیں
باجھوں نبی دے کون نوں لبھ لیتا پھر عقل تیری جھول ناہیں — ڈھیر عملاں دے تیرے جالاوین باجھوں نبی دی مہر قبول ناہیں

تم التفسیر بحول اللہ وقوتہ وحسن توفیقہ والحمد للہ الذی بعزتہ وجلالہ تتم الصٰلحٰت والصلوٰۃ والسلام علٰی رسولہ وصفوۃ خلقہ محمد وآلہ واصحابہ وازواجہ اجمعین۔

نکتہ ج: مغضوب اور ضال اور صاف بیان کئے ہیں، کسی خاص فرقہ کا نام نہیں لیا۔ یہ کمال متانت ہے ١٢

٢٨- رجب ١٣٥٣ھ
٧ ر نومبر ١٩٣٤ء

خاکسار گنہگار
محمد ابراہیم میر سیالکوٹی

(کاتب مسکین محمد الدین امام جامع مسجد شیخاں محلہ کمنگراں شہر سیالکوٹ)

الاجمال بعد التفصیل

ان قریباً تین سو صفحات میں صرف سات آیتوں کی تفسیر میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے۔ وہ اگرچہ ان کے کلامِ خدا ہونے کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ بلکہ کچھ نسبت نہیں رکھتا، کیونکہ حق جل وعلا خود فرماتا ہے:۔

وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (لقمان پ ۲۱)	اور اگر جتنے درخت ہیں زمین میں سب کی قلمیں بن جائیں اور سمندر سیاہی بن جائے اس کے بعد سات سمندر اور ملائے جائیں تو نہ ختم ہوں خدا کی باتیں، بیشک اللہ تعالیٰ بڑا زبردست (اور بڑی) حکمت والا ہے،

اور حدیث شریف میں ہے:۔

لَا يَشْبَعُ مِنْهُ الْعُلَمَاءُ وَلَا يَخْلَقُ بِكَثْرَةِ الرَّدِّ وَلَا يَنْقَضِي عَجَائِبُهُ الحديث (مشکوٰۃ ص ۱۷۸)	اُس (قرآن) سے علما سیر نہیں ہوتے، اور وہ کثرتِ تکرار (قرأت وسماعت) سے پرانا نہیں ہوتا، یعنے اُس سے

بے رغبتی نہیں ہوتی اور اُسکے عجائبات کی انتہا نہیں ہے۔

اور امام رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں:۔

كل ما ذكرنا في هذا التفسير من لطائف القرآن فهو قطرة من البحر	ہمنے اس تفسیر (تفسیر کبیر) میں قرآن شریف کے جو لطائف بیان کئے ہیں۔ اُنکی وہ نسبت ہے جو قطرہ کو سمندر سے ہے۔

لیکن اگر میرے عجز وضعف اور قلتِ علم وقصورِ فہم کو دیکھا جائے، تو جو کچھ بھی بیان ہوا وہ بہت ہے۔ اور یہ بھی اُسکا فضلِ عظیم ہے۔ کہ مجھ عاجز کو اُسکی توفیق بخشی اسپر بھی میں وہ نہیں کہتا جو متنبی شاعر نے کہا ہے ؎

وَاِنِّیْ وَاِنْ کُنْتُ الْاَخِیْرَ زَمَانُہٗ
لَاٰتٍ بِمَا لَمْ تَاْتِہِ الْاَوَائِلُ

کیونکہ میں علمائے سابقین ہی کا خوشہ چین ہوں۔ اگر نقل ہے تو اُنہی سے ہے اور اگر فہم ہے

تو انہی کی برکت سے ہے، ورنہ مَیں کیا اور میری بساط کیا؟ اس وسیع میدان میں بڑے بڑے سیّاح رہ گئے۔ اور اِس دریائے ناپیدا کنار میں بڑے بڑے شناور بہ گئے۔ اور کسی کو کنارے کا پتہ نہ لگا۔ ہوسکتا ہے کہ بعض اصحاب کئی سو صفات کی تفصیل کو ذہن میں نہ رکھ سکیں۔ اسلئے مناسب جانتا ہوں۔ کہ اُن کے لئے آیات وکلمات فاتحہ کے ارتباط کو ملحوظ رکھتے ہوئے سادہ ترجمہ اور کسیقدر مختصر سی توضیح بھی کردوں۔ تاکہ وہ احباب اِس کو حفظ کرکے دریا کو کوزے میں یعنے اپنے کاسۂ سر میں کہ بس۔ واللہ الموفق،

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع (جامعِ جلال وجمال اور صاحبِ ہرکمال) اللہ کے نام سے جو رحمت عامہ وخاصہ کا مالک ہے۔

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ

(جو ذات ایسی بابرکت ہو وہ ضرور لائقِ حمد وثنا ہے اسواسطے) ہر حمد کے لائق (اسی) اللہ (کی ذات) ہے (کہ ذاتی طور پر لائقِ حمد ہونے کے علاوہ اسلئے بھی قابلِ تعریف وثنا ہے۔ کہ اُسکی ربوبیت کا سایہ

رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ (۲)

سارے عالمین پر ہے۔ کہ وہ سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ پس بمضمون جس کا کھائیے اُسی کو گائیے۔ اُسکے احسانِ تربیت کے شکریئے میں اُسکی حمد کرنی چاہئے۔ اور یہ احسانِ ایجاد وتربیت سب کچھ بتقاضائے رحمت ہے۔ کیونکہ وہ

اَلرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ (۳)

رحمتِ عامہ ورحمتِ خاصہ کا مالک ہے نہ تو اُسپر کسی کا سابقًا کوئی حق ہے۔ کہ اُس کے عوض میں تربیت کرے اور نہ اُسے آئندہ کسی سے کوئی غرض ہے کہ اُسکی توقع پر پرورش کرے۔ ایسا لائقِ حمد مہربان پروردگارِ عالمین خدا اپنی رحمت کی وجہ سے اپنے عاجز بندوں کے نیک اعمال رائگان نہیں گنواتا۔ بلکہ اُنپر جزا مترتّب کرکے مزید احسان کرتا ہے۔ چنانچہ اِس امر کے لئے اُس نے ایک خاص دن جزا وانصاف کے لئے مقرر کر رکھا ہے۔ جس میں سوائے اُسکے کسی کا کچھ بھی حکم واختیار نہ ہوگا۔ سو وُہی اُس

مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ (۴)

روزِ جزا کا مالک (ہے)

پس جب جزا کا مالک اور اُس دن کا حاکم وہی ہے۔ تو ہمیں صرف اُسی کی عبادت کرنی چاہیئے۔
اور اپنی ہر حاجت اُسی کے سامنے پیش کرنی چاہیئے۔ سوائے خدا! جو تو اِن سب صفاتِ مذکورہ کا صاحب ہے۔

إِيَّاكَ نَعْبُدُ

ہم سب (حاضر و غائب سب سے منہ موڑ کر) صرف تیری ہی عبادت و پرستش کرتے ہیں۔

وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ (۵)

اور (سب سے علاقے توڑ کر اپنی حاجات و ضروریات میں) صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ (۶)

(سو) تو ہمیں (اِس توحیدِ عبادت و توحیدِ استعانت کی) سیدھی راہ پر قائم رکھ اور اسپر چلنے کی توفیق عطا فرما

صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

وہ راہ جسپر تیرے انعام یافتہ (انبیاء و صدیق و شہداء اور صالحین) چلتے رہے۔

غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ

جنپر تُو آپ راضی رہا کہ اُن پر کسی قسم کا غضب غصّہ نہیں کیا گیا۔

وَلَا الضَّالِّينَ (۷)

اور تیری توفیق اسطرح اُن کے شاملِ رہی کہ وہ اُس سیدھی راہ سے مطلقاً نہیں بہکے بھٹکے۔

(آمِین ۵)

خداوندا! ہمنے جو کچھ تیری جناب پاک میں عرض کیا اپنی مہربانی سے اُسے قبول فرما۔ آمین

نکتہ لطیفہ سابقاً صفحہ ۴۲ پر ذکر ہو چکا ہے۔ کہ سورتِ فاتحہ کا ایک نام اُمّ القرآن بھی ہے اور اسکی وجہ یہ ہے۔ کہ ماں کا وجود اولاد کے وجود سے پہلے ہوتا ہے۔ بلکہ وہ ساری اولاد کا مبدء یعنے جائے پیدائش ہوتی ہے؛ اور اس کا شکم بالاجمال اُس اولاد پر مشتمل ہوتا ہے۔ جو اُس سے پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح یہ سورت سارے قرآن شریف کے مقاصدِ مہمہ پر حاوی و مشتمل ہے۔ یا یوں کہیئے یہ سورت سارے قرآن کی مجمل فہرست ہے،

اِسکے بعد اس نکتے کو سمجھئے کہ عموماً فہرست میں سلسلۂ عبارت میں ارتباط کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ ہر سرخی و ہر عنوان الگ الگ مضمون پر مشتمل ہو کر اُنکی عبارت میں آپس میں ارتباطی تعلق نہیں ہوتا۔ لیکن آپ اوپر کی اجمالی توضیح و ترجمہ سے سمجھ سکتے ہیں کہ سورتِ فاتحہ کی ایک ایک آیت کیا ایک ایک لفظِ متقدم و متاخر کو آپس میں نہایت شدید و باریک تعلق و ارتباط ہے۔

اِس سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ آنحضرت صلعم کا کلام نہیں ہے۔ کیونکہ آپ تو اُمّی تھے۔ اور کوئی اُمّی اتنے وسیع و اہم مقاصد کو اتنی مختصر عبارت میں ایسی خوبی و حُسن کے ساتھ بیان نہیں کر سکتا۔ کہ اُسپر ارتباطِ کلمات کی تار کہیں بھی نہ ٹوٹے، بلکہ یہ خالقِ جبّار، عزیز حکیم کا کلام ہے۔ جس کا ہر ہر کلمہ اور اُنکا ربط اعجازی ہے۔ اِسی اعجاز کا ذکر آنحضرت صلعم اس حدیث میں کرتے ہیں بُعِثْتُ بِجَوَامِعِ الْکَلِمِ یعنی مجھکو خدا تعالےٰ نے جامع کلمات دیکر بھیجا ہے۔ کہ تھوڑے الفاظ میں بڑے بڑے اہم مطالب و مقاصد نہایت صفائی و سادگی سے مذکور ہوتے ہیں۔

الحمدللہ کہ اُسکی توفیق سے مَیں عاجز یہ اہم کام انجام کو پہنچا سکا، اِس اثنا میں جو جو علائق و موانع مثل اشغالِ مُہمہ و تفکراتِ مُحیّرہ و امراضِ متواترہ کے عارض ہوتے رہے اُنپر نظر کرنے سے مجھے نہایت تشویش تھی۔ کہ شاید مَیں یہ کام پورا نہ کر سکونگا۔ لیکن اُسکا خاص فضل ہے کہ ایسے تشتّت و پراگندگی اور پریشانی و بیدلی کی حالت میں اُسنے ایسے نکات سمجھائے اور اُن کو احسن صورت میں واضح طور پر بیان کروادیا۔ جس سے اُمید ہے کہ یہ کتاب اپنے اسم کے مطابق **واضح البیان** ثابت ہوگی۔

التماس مکرر مَینے اپنی طرف سے نہایت احتیاط سے اس کتاب کو لکھا ہے اور اپنی ذمہ داری کو خوب ملحوظ رکھا ہے۔ پھر بھی انسان ہوں اگر اس میں کوئی خطا و غلطی ہوگئی ہو تو وہ میری طرف سے ہوگی۔ ورنہ خدا کا کلام غلطی سے بالکل پاک ہے۔ اہلِ علم اُسپر اطلاع پاکر مجھے اطلاع کریں جیسا کہ شروع کتاب میں صـ ۲۴ پر عرض کر چکا ہوں لیکن اتنی گذارش ضرور کرونگا۔ کہ مجھے اطلاع دینے سے پیشتر خود بھی کتبِ تفسیر یا حدیث یا لغت کا مطالعہ ضرور کرلیں۔ کیونکہ مقامِ احتجاج میں مَینے زیادہ تر انہی پر انحصار رکھا ہے۔ باقی سب کچھ شواہد و مؤیدات کی جنس سے ہے جنہیں مطابق مذاقِ مصنف اختلاف کا ہونا ضروری ہے اور ایسا اختلاف موجب فتنہ و فساد نہیں ہو سکتا۔ واللہ ولی الھدایۃ و الیہ البدایۃ والنہایۃ۔

خاکسار گنہ گار
محمد ابراہیم میر سیالکوٹی

۲۹ رجب سنہ ۱۳۵۳ھ نومبر سنہ ۱۹۳۴ء

خاتمۃ تفسیر فاتحہ

الجزء الثامن

وهو

نظام الكلام

في اثبات

ختم النبوة والجهر بالتامين وقراءة الفاتحة خلف الامام

للعبد الحقير محمد ابراهيم مير السيالكوتي

خاتمہ

اِس خاتمہ میں تین فصلیں ہیں،

فصل اوّل اِس امر میں کہ مرزائے قادیانی صاحب نے آیت صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ سے جو یہ استدلال کیا ہے۔ کہ سلسلۂ نبوت آنحضرت صلعم کے بعد بھی جاری ہے۔ سو بالکل باطل اور خلاف نصوصِ قطعیہ ہے،

فصل دوم، سورت فاتحہ کے بعد آمین کہنے کے متعلق،

فصل سوم۔ نماز میں سورت فاتحہ کے حکم کے متعلق، واللہ ولی التوفیق۔

فصل اوّل

اسمیں چند بحثیں ہیں۔ **بحث اوّل** اِس امر میں کہ وجوہاتِ اجرائے نبوت کی جہت سے نبوت آنحضرت صلعم پر ختم ہو گئی ہے۔

سو معلوم ہو کہ خدا تعالیٰ کا ایک نام **حکیم** ہے۔ اُس کا ہر کام حکمت سے ہے۔ جبتک اُسکی حکمت کا تقاضا رہا وہ نبی برپا کرتا رہا۔ اور جب اُسکو ختم کیا تو یہ بھی بتقاضائے حکمت کیا اسکی چند وجہیں ہیں۔

اوّل یہ کہ قرآن شریف کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ ایک نبی کے بعد دوسرے نبی کے ہونے کی ضرورت یوں ہوتی رہی۔ کہ کئی قومیں شرک و کفر اور انکار و عناد کی وجہ سے ہلاک کردی جاتی رہیں۔ اور تکمیل شریعت کا موقع نہ آیا۔ کیونکہ جب لوگ ایمان ہی نہیں لائے تو احکامِ شریعت کس کو سکھائے جائیں، پس ایک نبی کے بعد دوسرا نبی برپا ہوتا رہا۔ چنانچہ یہ بات قرآن شریف کے بہت سے مقامات سے واضح ہے۔ مثلاً سورۂ اعراف پ۸، سورۂ یونس پ۱۱، سورۂ ہود پ۱۲، سورۂ مومنون پ۱۸، اور سورۂ شعراء پ۱۹، وغیرہ،

اِن سب میں سے آپ اِسوقت سورتِ مومنون پ۱۸ کو سامنے رکھ لیں اور نمبروار ہمارے بیانات کو دیکھتے جائیں،

(۱) اِس کے رکوع نمبر ۲ میں پہلے خدا تعالےٰ نے حضرت نوحؑ کا ذکر کیا۔ اور اُن کی قوم کی ہلاکت کے ذکر کے بعد فرمایا:۔

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝ فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ (پ مومنون رکوع)	پھر ہمنے اُن کے بعد اُس زمانے کے اَور لوگ پیدا کئے۔ پس اُن میں بھی ایک رسول اُنہیں میں سے بھیجا۔

قرآن شریف کے دیگر مقامات پر مذکور ہے۔ کہ یہ قوم عاد تھی۔ اور اُن کے پیغمبر حضرت ھود تھے اسکے بعد اس قوم کی بھی ہلاکت اور اُنکے بعد اَور لوگوں کو پیدا کرنے کے متعلق فرمایا:۔

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ (ع)	پس سچ مچ پکڑ لیا انکو (عذاب الٰہی کی) سخت آواز نے، پس کر دیا ہمنے اُنکو کوڑا کرکٹ پس لعنت ہے ایسے ظالم لوگوں پر پھر پیدا کئے ہمنے بعد اُن کے زمانے دیگر،

اِس کے بعد ہر ہلاک شدہ اُمت کی میعاد و اجل کی نسبت فرمایا:۔

مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ۝	نہیں آگے ہوتی کوئی امت اپنی اجل کے اور نہ پیچھے ہوتی ہے،

یعنے ہر اُمت اُس میعاد و اجل سے جو عالم تقدیر میں اُس کے لئے مقرر ہے، نہ آگے ہلاک ہوتی ہے اور نہ اُسکے بعد قائم رہتی ہے، کیونکہ وہ ایک غیر مبدل امر ہے۔

اِسکے بعد رسولوں کے لگاتار بھیجتے رہنے اور اُن کی اُمتوں کی ہلاکت کے ذکر میں فرمایا:۔

ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ؕ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ (رکوع)	پھر بھیجے ہمنے رسول اپنے لگاتار، جب کبھی کسی اُمت کے پاس اُسکا کوئی رسول آیا تو اُنہوں نے اُسے جھٹلا دیا۔ پس ہم بھی ایک کو دوسرے کے پیچھے چلاتے رہے اور کر دیا انکو

کہانیاں، پس (خدا کی) پھٹکار ہے۔ اُن لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے،

قرآن شریف کے دوسرے مقامات پر مذکور ہے کہ یہ رسول حضرت صالح علیہ السلام حضرت لوط علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام تھے، جو موسےٰ علیہ السلام سے بہت پہلے ہوئے، اور اُنکی قومیں بھی بہ سبب تکذیب کے ہلاک کردیگئیں،

اِس کے بعد حضرت موسےٰ و ہارون علیہما السلام کا ذکر کیا، اور فرمایا:۔

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ۝ بِاٰيٰتِنَا	پھر بھیجا ہمنے موسٰے کو اور اسکے بھائی ہارون کو اپنے

وَسُلْطَانٍ مُّبِيْنٍ ۝ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَائِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ۝ فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عَابِدُوْنَ ۝	نشانات اور کھلی سند دیکر فرعون اور اُسکے ارکان (دربار) کی طرف۔ پس اُنہوں نے تکبر کیا، اور وہ (اُسوقت بوجہ حکومت کے) عالی (دماغ ومرتبہ) لوگ (بنے ہوئے) تھے پس کہنے لگے کہ

آیا ہم اِن دو آدمیوں پر ایمان لاویں جو ہماری طرح کے ہیں۔ اور اُنکی قوم ہماری غلام (وماتحت) ہے "

یعنے حکومت کے نشہ میں آکر اور حضرت موسٰیؑ اور حضرت ہارونؑ کو اپنی غلام وماتحت قوم کے افراد جانکر اُن کے تابعدار بننے کو موجب عار جانا اور ایمان نہ لائے،

اس کے بعد اُن کے انجام بد کا ذکر کیا اور فرمایا:۔ فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ یعنے پس جھٹلایا اُنہوں نے اُن دونوں کو پس ہو گئے وہ بھی (پہلوں کی طرح) منجملہ ہلاک شدگان کے "

فرعونی کافر تو تمام ہلاک کر دیئے گئے، لیکن بنی اسرائیل جو موسٰی علیہ السلام کی قوم تھی وہ ایمان لے آئی، اور اُنکی ہدایت کے لئے خدا تعالےٰ نے کتاب توریت جو حامل شریعت تھی نازل کی، لیکن وہ صرف بنی اسرائیل کے لئے تھی ساری دُنیا کے لئے نہیں تھی۔ اسلئے اسمیں عالمگیر و دائمی شریعت نہ تھی۔ بلکہ ایک محدود زمانے کے لئے تھی۔ چنانچہ فرمایا:۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝ (سجدہ پ۲۱)	"اور البتہ تحقیق دی تھی ہمنے موسٰےؑ کو کتاب۔ پس نہ ہو تو اسکے ملنے سے دھوکے میں، اور بنایا تھا ہمنے اُسکو (سبب) ہدایت واسطے بنی اسرائیل کے "

اور دوسرے موقع پر حضرت موسٰےؑ کی نسبت فرمایا:۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (ابراہیم پ۱۳)	اور البتہ تحقیق بھیجا ہمنے موسٰیؑ کو ساتھ اپنے نشانوں کے کہ نکال اپنی قوم کو اندھیروں سے روشنی کی طرف "

اسی طرح قرآن شریف میں متعدد مقامات میں مصرح ہے۔ کہ موسٰے علیہ السلام صرف اپنی قوم بنی اسرائیل اور فرعون اور فرعونیوں کی طرف بھیجے گئے تھے، اسی طرح حضرت عیسٰےؑ بھی صرف بنی اسرائیل کے لئے، اسی طرح آنحضرت صلعم سے پہلے سب انبیاءؑ اپنی اپنی قوم کی طرف مبعوث کئے گئے۔ اور اُنکی تبلیغ کا زمانہ اور میدان معدود و محدود رہا۔ صرف آنحضرت صلعم ایک ہیں۔ جو تمام دنیا کے لئے مبعوث ہوئے۔ نہ تو آپ کی تبلیغ کسی خاص قوم سے مخصوص ہے۔ اور نہ آپ کا زمانہ تبلیغ کسی خاص عہد تک

محدود۔ چنانچہ یہ امر کئی احادیث و کئی آیات میں بالتصریح مذکور ہے چنانچہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ہے۔ کہ آپ نے فرمایا:۔

...... وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً

متفق علیہ (مشکوٰۃ ص۵۱۲)

× × × (مجھ سے پیشتر) ہر نبی ایک خاص قوم کی طرف مبعوث ہوتا رہا۔ اور میں تمام لوگوں کی طرف مبعوث ہوا ہوں۔

اور قرآن شریف میں خدا تعالے نے فرمایا:۔

(۱) وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (سبا پ۲۲)

(۱) اور نہیں بھیجا ہمنے تجھکو مگر واسطے تمام لوگوں کے بشارت سنانیوالا۔ اور ڈر سنانیوالا کرکے لیکن اکثر لوگ اسکی حقیقت نہیں سمجھتے۔

(۲) قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا (اعراف پ۹)

(۲) (اے پیغمبر! النبی) کہو اے لوگو! میں تم سب کی طرف خدا کا رسول (ہوکر آیا) ہوں۔

نتیجہ چونکہ آنحضرت صلعم رَحْمَةً لِلْعٰلَمِيْنَ ہیں، اور **رحمت** کی شان ہے کہ لوگ عام عذاب سے امان میں رہیں اور **ایمان** لاکر اس رحمت سے فیض و برکت حاصل کریں۔ اسلئے اللہ علیم و حکیم نے آنحضرت صلعم کے جذبات کو لوگوں کی تکذیب پر اس طرح پر مضطرب نہیں ہونے دیا۔ کہ آپ کبھی بھی عام لوگوں کی ہلاکت کے لئے بددعا کریں۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے۔ کہ آپ نے فرمایا:۔

... لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ فَتَعَجَّلَ كُلُّ نَبِيٍّ دَعْوَتَهُ وَإِنِّي اخْتَبَأْتُ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِأُمَّتِي يَوْمَ الْقِيٰمَةِ الحدیث (صحیح مسلم جلد ۱ ص۱۱۲)

ہر نبی کی ایک دعا (جب وعدۂ الٰہی یقینی طور پر) مستجاب تھی۔ پس ہر نبی نے اپنی (وہ موعود) دعا مانگ لینے میں جلدی کی اور بیشک میں نے اپنی دعا کو قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کرنے کے لئے ریزرو (محفوظ) رکھ چھوڑا ہے۔

اسی رحمت عامہ کا تقاضا تھا کہ جب اہل طائف نے آپ سے نہایت درجے کی بدسلوکی کی تو باوجود اسکے کہ فرشتہ موکل جبال نے آپ سے کہا کہ اجازت ہو تو ان کو اخشبین پہاڑوں کے درمیان پیس ڈالا جائے لیکن آپ نے نہایت رحیمانہ طریق سے فرمایا۔ بَلْ أَرْجُو أَنْ يُخْرِجَ اللَّهُ مِنْ أَصْلَابِهِمْ مَنْ يَعْبُدُ اللَّهَ وَحْدَهُ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا متفق علیہ (مشکوٰۃ ص۵۱۵)

یعنے نہیں۔ بلکہ میں اُمید رکھتا ہوں، کہ خدا تعالےٰ اِن کی پُشتوں سے ایسے فرزند پیدا کرے گا۔ جو صرف اکیلے خدا کی عبادت کرینگے۔ (اور) اُسکے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہیں گردانیں گے۔"

اللہ! اللہ!! کِتنا حوصلہ اور کِتنی دُور کی نظر ہے۔

غرض ایک طرف تو خدا تعالےٰ نے اپنے حبیب اکرم کو رحمۃ للعالمین بنایا اور آپ کو حوصلہ بھی کمال درجے کا عنایت فرمایا، اور دوسری طرف سعادتمندوں کے دل آپ کی طرف جذب کردیئے۔ اور وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا (نصر پ) کی بشارت سُنا کر چند سالوں میں مُلکِ عرب کو شرک و کفر اور فسق و فجور کی گندگی سے پاک صاف کر کے شانِ وَیُزَکِّیْھِمْ ظاہر کردی۔ اِسی لئے آپ کے وقت میں مستاصل (بیخ کن) عذاب نہ آیا۔ اور آپ کو اپنے مومنین میں تعلیم شریعت کا پورا موقع ملگیا۔ اللّٰھم صل وسلم علی نبیک نبی الرحمۃ،

پس اِس وجہ کے رُو سے تو آپ کے بعد کسی نبی کے پیدا ہونے کی ضرورت نہ رہی، چنانچہ اللہ تعالےٰ نے آپ کی اِس دنیوی حیاتِ طیبہ کے آخری سال میں حجۃ الوداع میں سوا لاکھ آدمی کی جمعیت میں آپ پر یہ آیت اُتاری:۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ (مائدہ پ) یعنے آج (اِس عہد محمدی میں) میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کردیا۔" اور ظاہر ہے کہ کوئی شے جب کمال کے درجے پر پہنچ جائے تو بعد ازاں اسکے لئے ترقی کا کوئی درجہ باقی نہیں رہتا۔ اِسی لئے چودھویں راتِ کے چاند کو کہ اُس رات کو چاند اپنی انتہائی ترقی پر ہوتا ہے۔ بدرِ کامل کہتے ہیں۔ انگریزی میں بھی فُل مُون (Full Moon) اور ہندی میں پورن ماشی کہتے ہیں۔ غرض ہر زبان میں اُسے کمال کی صفت سے پکارتے ہیں، پس جب دین کامل ہوچکا اور اُس میں کوئی کسر باقی نہ رہی، تو اب کوئی نیا پیغمبر اِس غرض کے لئے پیدا نہیں ہوسکتا۔

دوسری وجہ۔ ایک نبی کے بعد دوسرا نبی پیدا ہوتے رہنے کی یہ ہے۔ کہ سابقہ زمانوں میں دنیا کے مختلف علاقوں اور مختلف قوموں کے میل ملاپ، اور اُنکے باہمی تعلقات، اور ایک مُلک سے دوسرے مُلک میں سفر کرنے کے وسائل، اور ایک زبان سے دوسری زبان میں تبلیغ کے ذرائع ایسے نہ تھے۔ جیسے آپ آنحضرت صلعم کے عہدِ نبوت میں دیکھتے آتے ہیں۔ اسلئے خدا تعالےٰ کی حکمت نے یہ چاہا۔ کہ دنیا کی ہر مستقل بولی والی اُمت میں ایک الگ رسول اُسی قوم اور اُسی

زبان کا مبعوث کرے۔ چنانچہ فرمایا،

(۱) وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (نحل پ۱۴)
(۱) اور البتہ تحقیق ہمنے مبعوث کیا ہر امت میں رسول کہ عبادت کرو اللہ کی اور پرہیز کرو طاغوت سے،

(۲) اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ (فاطر پ۲۲)
(۲) (اے پیغمبر) بیشک ہمنے بھیجا تجھکو ساتھ حق کے بشیر اور نذیر کر کے اور نہیں ہوئی کوئی امت مگر گذرا اسمیں ایک ڈرانے والا،

(۳) وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِیُبَیِّنَ لَهُمْ (ابراہیم پ۱۳)
(۳) اور نہیں بھیجا ہمنے کوئی رسول مگر اس کی قوم کی زبان میں تا کہ کھولکر بیان کرے واسطے اُن کے،

لیکن آنحضرت صلعم کی نسبت خدا کی حکمت اس صورت میں جلوہ گر ہوئی کہ اِدھر آپ کو تمام روئے زمین کی قوموں کے لئے رسول مبعوث فرمایا اور اُدھر آپ کی تبلیغ کے لئے ایسے اسباب پیدا کر دیئے کہ تمام دنیا کی ممالک کے باہمی تعلقات وارتباطات جوڑ دیئے۔ وسائل سفر اور ذرائع خط و کتابت آسان کر دیئے، اور دنیا کو ایسی صورت میں کر دیا کہ اگر ہم تمام براعظموں کو ملا کر ایک ملک قرار دیں اور ان کے کثیر التعداد ملکوں کو اس ملک کے مختلف شہر قرار دیں، تو بیجانہ ہوگا۔ سب سے بڑھکر یہ کہ آنحضرت صلعم کو شاہی اقتدار بخشکر آپ کی زبان عربی کو اس سُرعت سے دنیا پر پھیلا دیا کہ ایک صدی کے اندر وہ نصف معلوم دنیا میں رائج ہوگئی۔ اور یہ بات سابقًا کسی نبی کو عطا نہیں ہوئی۔ یہ آنحضرت صلعم کے خواصِ خاصّہ میں سے ہے۔ اور یہ بشارت وعدہ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَهُمْ (نور پ۱۸) کے ضمن میں سُنا دی گئی تھی، چنانچہ اسی عرصہ میں آپ کی تبلیغ دنیا کے ہر حصّے میں جا پہنچی، اور آپ کی یہ پیشگوئی کہ دنیا میں کوئی گھر اینٹ گارے کا یا اُون پارچہ کا باقی نہ رہیگا کہ وہاں کلمۂ اسلام نہ پہنچ جائیگا۔ چاہے کوئی اسے عزّت سے قبول کرکے عزّت پائے اور چاہے ذِلّت سے اُسکی فرمانبرداری (حکومت) کو قبول کرے (مشکوٰۃ ص) اسی معنے میں ہمارے شہر کے فخر ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب نے کہا ہے ؎

مغرب کی وادیوں میں گونجی اذاں ہماری
تھمتا نہ تھا کسی سے سیلِ رواں ہمارا

نتیجہ پس اِس ضرورت کے لئے بھی کہ دنیا کا کوئی گوشہ دینِ حق کی آواز سے خالی رہ گیا ہے کسی جدید نبی کی ضرورت نہیں،

لطیفہ لطف یہ ہے کہ مرزا صاحب قادیانی بقولِ خود ہندوستان میں مبعوث ہوئے جہاں خدا کے فضل سے سینکڑوں علمائے محمدیہ صلعم سنت نبویہ پر قائم ہو کر دین حق کے پہنچانیوالے موجود ہیں۔ اور وہ شریعت کے علم میں مرزا صاحب سے بدرجہا فائق ہیں۔ اور جس میں مسلمانوں کی تعداد تمام دُنیا کے ممالک سے زیادہ ہے۔

پھر لطف یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کی قدیم سُنّت کے برخلاف مرزا صاحب کو اس مُلک کی زبان میں وحی نہیں ہوتی۔ بلکہ عربی زبان میں اور اکثر اُس میں قرآن شریف کی آیات ہوتی ہیں یا انہیں قدرے تغیّر کرکے بنالیا جاتا ہے۔

پھر لطف یہ کہ مرزا صاحب کی اُس وحی کا بیشتر حصّہ قرآن شریف کی نصوص کے خلاف ہوتا ہے۔ ایسے حالات میں مرزا صاحب کی نبوّت بالکل بے معنی اور مضحکۂ اطفال یا فریبِ جُہّال ہے۔ اور بس،

تیسری وجہ پہلے زمانوں میں سلسلۂ نبوت کے جاری رکھنے کی یہ تھی۔ کہ درازیٔ زمانہ پر عام لوگوں کی غفلت و بے پرواہی اور طلب پرست علماء و مشائخ کی خود غرضیوں کے سبب پچھلی آسمانی کتابیں اور آثار انبیاء متروک ہوکر محفوظ نہ رہتے رہے، اور اُن کی بجائے اقوال الرجال، رائے و قیاسِ باطل، اور بے سند سُنی سنائی باتوں کی پیروی رائج ہوجاتی رہی جسکی وجہ سے تحریفِ لفظی و معنوی، وضع مسائل افترا علے اللہ، اور اختراع بدعات، سب کچھ ہوتا رہا اور ایسی مختلف فرقہ بندیاں ہوجاتی رہیں۔ اور امتیازی جماعتیں بنجاتی رہیں۔ کہ ہر فرقے کے نزدیک کتابِ آسمانی کا نسخہ الگ قرار پاجاتا رہا، اور دینِ حق اور احکامِ خداوندی اور سُننِ انبیاء کے معلوم کرنے کی کوئی صورت نہ رہتی رہی،

یہ اُمور جو ہمنے مجملاً ذکر کئے ہیں۔ یہود و نصاریٰ کے ذکر میں قرآن شریف میں بکثرت وارد ہیں اور صورتِ واقعی بھی یہی ہے۔ اور اُن کی کتابوں اور فرقوں کا حال ابھی تک ایسا ہی ہے، جب کتابَ اللہ محرف ہوگئی، سُننِ انبیاء کا رواج جاتا رہا، اور اُنکی بجائے لوگوں کی تصانیف اور تاریخی کتابوں پر قناعت ہونے لگی، تو بعد کی نسلیں انہی کو آسمانی کتابیں جاننے لگیں، ویدوں کا یہی حال ہے۔ توریت کی یہی صورت ہے انجیل بھی اسی رنگ میں ہے اس بات کی تصدیق کے لئے خود ان کتابوں کی اندرونی شہادتوں کے ہوتے کسی بیرونی ثبوت

کی ضرورت نہیں ہے،

دیگر یہ کہ ہر قوم پر عروج وزوال کے دو دن آتے رہے ہیں زوالِ حکومت کے وقت مخالف وغالب حکومت کی طرف سے عام قتل وغارتگری میں مذہبی علماء وکتب پر بالخصوص ہاتھ صاف ہوتا ہے

ہندوستان میں مسلمانوں کے زمانے سے بہت پہلے بدھوں اور جینیوں کے عروج کے زمانوں میں قریباً چھ سو سال تک ویدوں اور ویدوں کے جاننے والے پنڈتوں پر یہ آفت رہی کہ پنڈتوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کیا گیا۔ اور وید چُن چُن کر نذرِ آتش کئے گئے،

یہ بُرے دن یہودیوں پر بھی آئے، کہ یہودی احبار قتل کر دیئے گئے۔ اور توریت کے تمام نسخے جلا دیئے گئے،

پھر یہ مصیبت **عیسائیوں** پر بھی آئی چنانچہ اسلام سے پیشتر تمام عیسائی پادری تلاش کر کے تہ تیغ کر دیئے گئے۔ اور انجیل کے کل نسخے جلا کر خاک سیاہ کر دیئے گئے،

اب سوال یہ ہے۔ کہ جب آسمانی کتابیں جلا دی گئیں۔ اور اُن کتابوں کے جاننے والے علماء قتل کر دیئے گئے۔ اور اس آفت کا اثر گنتی کے چند سال نہیں بلکہ صدہا سال تک رہا۔ تو جو کتابیں اِن واقعات کے صدہا سال بعد پُرانی کتابوں کے نام سے ہمارے سامنے رکھی جائیں۔ اُنکی بابت اس امر کی تصدیق کیلئے کہ یہ وہی کتابیں ہیں جو اتنے سو سال قبل جلا دی گئی تھیں۔ ہمارے پاس کیا ضمانت ہے؟

دفع دخل شاید آپ جلدی میں کہہ اُٹھیں کہ فتنۂ تاتار اور سقوطِ بغداد کے وقت اِسلامی علماء اور اسلامی کتب خانہ پر بھی تو یہی آفت آئی۔ تو اب مسلمان کس طرح کہہ سکتے ہیں۔ کہ یہ قرآن شریف وہی ہے جو تاتاریوں نے بغداد کے کتب خانہ سمیت جلا دیا تھا۔

تو اس کا **جواب** یہ ہے کہ خدا کے فضل سے اسلام پر اگلی قوموں کے سے بُرے دن نازل نہیں ہوئے اسکی تفصیل یوں ہے۔ کہ ہندوؤں کی تباہی کے وقت ہندو مذہب ہندوستان سے باہر رائج نہیں تھا۔ اسی طرح یہودیوں اور عیسائیوں کے زوال کے وقت توریت وانجیل کی اشاعت فلسطین اور اسکے قریب کے علاقوں سے باہر نہ تھی۔ جو کچھ تھا وہ انہی علاقوں میں تھا۔ جن پر تباہی وبربادی آئی لیکن سقوطِ بغداد کے وقت قرآن شریف کی حکومت تمام معلوم دنیا کے طول وعرض میں قائم ہو چکی تھی،

اور اسکی اشاعت اسپین سے ہندوستان و چین تک پہنچ چکی تھی، اور اُسوقت کی متمدن و معلوم دنیا کے مشرق و مغرب کی یہی حدود تھیں، پس اگر عیسائیوں نے اسپین کے علماء اور ترکوں نے (اپنی جاہلیت کے زمانے میں) بغداد کے علماء قتل کردیئے اور اُنکے کتب خانے جلادیئے تو اس سے تمام دنیا کے علماء تو قتل نہیں ہو گئے تھے اور تمام دنیا کے کتب خانے جل نہیں گئے تھے،

دیگر یہ کہ خدا تعالےٰ نے قرآن شریف کی حفاظت کا ذمہ خود لے رکھا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (حجر پ۱۴) بیشک یہ نصیحتنامہ ہم ہی نے اُتارا ہے۔ اور ہم خود ہی اس کے محافظ (و نگہبان) ہیں، نیز فرمایا:۔

وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ (حٰمٓ سجدہ پ۲۴)

بیشک یہ کتاب نہایت زبردست ہے۔ اس میں باطل کا دخل نہیں نہ اس موجود وقت میں اور نہ اس سے بعد یہ حکمت والے ستائش والے (خدا) کی نازل کردہ ہے،

اور یہ ذمہ حفاظت روزِ اول سے ہے، کہ قرآن شریف پہلے اپنے اُمّی نبی (صلعم) کے پاک سینے میں حفظ کروایا، اور پھر آپ کے انوار سینہ کو منعکس کر کے آپ کے اُمّی صحابہ کے سینوں میں پہنچایا۔ چنانچہ فرمایا:۔

(۱) اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ (القیمۃ پ۲۹) یعنے (اے پیغمبر) اِس (قرآن) کو (تمہارے سینہ میں) جمع کرنا۔ اور (وقت پر صحیح طور پر) اسکا پڑھنا یعنے پڑھنے کی توفیق دینا ہمارا ذمہ ہے،

نیز اُمّی قوم کی نسبت فرمایا:۔

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (جمعہ پ۲۸)

(پاک و بے عیب خدا وہ ہے، جسنے اُمّی قوم میں انہیں میں کا ایک عظیم الشان، رسول برپا کیا، جو اُن پر اسکی آیات پڑھتا ہے۔ اور اُن کو ظاہر و باطن کی پلیدیوں سے) پاک کرتا ہے اور انکو کتاب اور حکمت (طریق عمل) بھی سکھاتا ہے بیشک لوگ اس سے پیشتر صریح گمراہی میں تھے،

صحابہؓ کے بعد خدا تعالےٰ نے اِس حفاظت کو اتنا عام اور ایسا محکم کر دیا کہ دنیا کی ساری قوموں کے رواج سے جدا اور اُن کے دستور سے الگ ہر زمانہ میں ہر طبقہ کے مسلمانوں کے دلوں میں **حفظِ قرآن** کا ایک ولولہ پیدا کر دیا۔ کہ شاید مسلمانوں میں اِس شوق کے برابر کوئی دوسرا علمی شوق کم ہوگا،

امیر و غریب، بادشاہ و رعیت، تاجر و پیشہ ور، کاشتکار و دستکار، آقا و خدمتگار، مزدور و طالبعلم

علماء و ناخواندہ، چھوٹے اور بڑے، بینا و نابینا اولیاء اللہ اور مجھ سے گنہ گار، غرض جس جس لحاظ سے بھی آپ مسلمانوں میں افرادِ انسانیہ کی تقسیمیں کرتے جائینگے ہر ہر قسم میں **حُفّاظِ قرآن شریف** ہر زمانہ میں اور ہر ملک میں بکثرت ملینگے اِتنے کہ آپ شمار کرتے کرتے تھک جائینگے اور ہم کہینگے۔ کہ اور گنو تو آپ، اُکتا کر گنتی چھوڑ دینگے، اور کہدینگے کہ بھائی ہمسے یہ **خُدائی فوج** گنی نہیں جاتی پھر ہم اِس کے مناسب حال یہ آیت پڑھینگے، ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ (ملک پ ٢٩)

قرآن شریف کا حفظ تو مسلمانوں میں ایک نہایت سہل بات ہے۔ خدا تعالےٰ نے خود فرمایا۔ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (القمر پ ٢٧) یعنے بیشک ہمنے قرآن شریف کو یاد کے لئے بہت آسان کیا ہے۔ تو کیا کوئی یاد کرنے والا ہے[۱]؟

قرآن شریف کے علاوہ بھی خدا تعالےٰ نے مسلمانوں کے شوقِ حفظ اور قوّتِ حافظہ میں وہ برکت و ہمت بخشی کہ اُسکی نظیر دُنیا کی کسی قوم میں نہیں پائی گئی۔ نہ زمانہ سابق میں نہ حال میں، وہ یہ کہ اُنہوں نے اپنے پیغمبر علیہ السلام کی سنّت و سیرت کو محفوظ رکھنے کے لئے بھی اِسی قوّتِ حافظہ سے کام لیا، چنانچہ خدا تعالےٰ نے اِس امر کے پورا کرنے کے لئے **گروہ محدّثین** کو پیدا کردیا، اور اُن کے دلوں میں شوق، اور اُن کے ارادوں میں بلندی اور اُنکی ہمتوں میں اِستقلال اور اُنکی قوّتِ حافظہ میں برکت بخشی۔ کہ اُنہوں نے فقر و فاقہ کی مصیبت کو اور دشت و جبل کے سفروں کی صعوبت کو نہایت شوق و استقلال سے برداشت کرکے اپنے **ہادی اکبر** صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو پہلے اپنے سینوں میں جمع کیا، اور پھر من وعن جس طرح سُنا تھا ٹھیک اُسی طرح بلا کم و کاست اور بغیر تغیر و تبدل کے کتابوں میں جمع کرکے اپنے بعد کی نسلوں کے لئے محفوظ کردیا، اور آنحضرت صلعم کی دُعا کے مصداق ہو گئے اور عاقبت کی سعادت حاصل کر لی چنانچہ حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا:۔

نَضَّرَ اللّٰهُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِيْ فَحَفِظَهَا وَوَعَاهَا وَاَدَّاهَا الحدیث (مشکوٰۃ ص ٢٢)	یعنے بارونق اور تروتازہ رکھے خدا تعالےٰ اُس (اپنے) بندے کا چہرہ جسنے میرا کلام (ایمان و اعتقاد) سے سنا پس اُسے حفظ کرلیا اور خوب نگاہ رکھا پھر اوروں کو پہنچا دیا [illegible]

[۱] بعض مفسرین نے اِس آیت میں ذِکر سے مراد یہی حفظ یاد کرنا بھی مراد لیا ہے۔ (رحمانی) منہ ۱۲

[۲] دوسری روایت میں فَبَلَّغَهُ كَمَا سَمِعَهُ وارد ہے اُس کے لحاظ سے ترجمہ میں یہ الفاظ بڑھائے ہیں مشکوٰۃ ص ٣٥ عن ابن مسعود رض ۱۲ منہ

حفظِ حدیث کا یہ دستور صدیوں تک قائم رہا۔ سقوطِ بغداد وپستین سے پہلے بھی اور پیچھے بھی،
سقوطِ بغداد ساتویں صدی ہجری کے نصف کے قریب ہوا۔ اور **خاتمۃ الحفاظ** حافظ
ابن حجر عسقلانی رح ۸۵۲ھ میں فوت ہوئے آپ نے ایک ضخیم کتاب بنام الدرر الکامنہ فی
اعیان المأئۃ الثامنہ صرف آٹھویں صدی کے علمائے اسلام کے حالات میں لکھی ہے۔
یہ کتاب بہ ترتیبِ حروفِ معجم ہے اُس کے خاتمہ پر مصنف نے لکھا ہے فرغ منہ فی شہور ۸۳۰ھ
(کشف الظنون) اس کتاب میں بہت سے **حفاظِ حدیث** کا ذکر ہے، جو آٹھویں صدی
میں ہوئے، اور جو اس سے پیشتر ہوئے اُن کی گنتی خدا جانے مَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلَّا ھُوَ (مدثر پ ۲۹)

نتیجہ پس جب قرآن شریف بھی حرفاً حرفاً محفوظ ہے، اور پیغمبرِ قرآن کا طریق عمل بلکہ آپ کے
صحابہؓ کے آثار بھی عین وعن بلاکم وکاست مکتوب ومسطور ہیں تو اِس امر کی ضرورت کہ خدا کی وحی اور اُسکی
پیغمبر کی سنت کو قائم کرکے از سرِ نو شریعتِ مطہرہ کو جاری کیا جائے، ہرگز نہ رہی، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ،

الغرض پہلے زمانوں میں سلسلۂ نبوّت کے جاری رہنے کی جسقدر ضرورتیں تھیں وہ آنحضرت صلعم
کی مبارک آمد پر سب پوری ہو چکی ہیں، اسلئے خدا تعالےٰ نے اپنے حبیب اکرم صلعم کو سارے
کمالات کا صاحب وجامع بنا کر اس سلسلہ کو آپ پر ختم کر دیا، اور اجرائے نبوّت پر مُہر لگادی، چنانچہ فرمایا:-

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا (احزاب پ ۲۲)	محمد صلعم تم میں سے کسی بالغ مرد کے باپ نہیں ہیں۔ ہاں خدا کے رسول ہیں۔ اور (رسول بھی ایسے کہ) **خاتم النبیین** [۱] ہیں اور خدا تعالےٰ ہر شئی (اور ہر ضرورت) سے خوب واقف ہے

یعنی جانتا ہے کہ اب اِن کے بعد نبوّت جاری رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور نہ کوئی لائق نبوّت پیدا کیا جائیگا)

دوسری بحث ختم نبوّت کی خاص دلیلوں کے بیان میں:-

(۱) سب سے پہلی دلیل آیت مذکورہ بالا ہے۔ جو آنحضرت صلعم پر نبوّت کے ختم ہو جانے میں
نص قطعی ہے اِسکی توضیح سے پہلے اسکا شانِ نزول بھی جاننا چاہیئے۔ کہ اُسے بھی **ختم نبوّت**
سے ایک گونہ تعلق ہے۔

شانِ نزول:- آنحضرت صلعم نے ۵ھ میں اپنی پھوپھی کی بیٹی حضرت زینب سے نکاح

---

[۱] **خاتم** کے معنے کے لئے آئندہ بیان کا مطالعہ کریں ۱۲ منہ

کیا اس سے پہلے وہ حضرت زیدؓ کے نکاح میں تھیں۔ جو آنحضرت صلعم کا آزاد کردہ غلام اور متبنٰے تھا۔ حضرت زینبؓ اور زید میں موافقت نہ ہی تو حضرت زیدرضؓ نے اُن کو طلاق دیدی، مُلکی رسم کے رُو سے متبنّٰے کو صُلبی بیٹے کی طرح جانا جاتا تھا۔ اور اِسکی وجہ سے اصلی وارثوں کے حقوق پر اثر پڑتا تھا۔ اور مصنوعی رشتے کو قُدرتی رشتے پر ترجیح دیجاتی تھی۔ یا اِسے اس کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ لہٰذا اس کو منسوخ کرنے کے لئے خدا تعالےٰ نے آنحضرت صلعم کو حکم کیا۔ کہ آپ زینبؓ سے نکاح کریں۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے نکاح کر لیا۔ مخالفین نے اعتراض کیا۔ کہ آپ نے اپنے بیٹے (متبنّٰے) کی مطلقہ سے نکاح کرلیا ہے۔ اِسپر خدا تعالےٰ نے فرمایا کہ محمّد صلعم تم سے کسی بالغ مرد کے باپ نہیں ہیں ہاں خدا کے رسول ہیں اور خاتم الانبیا ہیں اور خدا سب کچھ جانتا ہے۔ پس اِس بنا پر اعتراض بالکل لایعنی ہے۔ ہاں آپ کو رسالت کا ایک ایسا منصب حاصل ہے۔ جو اس رشتہ پدری سے بہت اونچا ہے۔ لیکن اِسکی وجہ سے اُمت کی عورتوں سے آپ کا نکاح منع نہیں ہوسکتا۔

اب سوال یہ ہے جواب تو اسیقدر کافی تھا اس کے ساتھ مسئلہ ختم نبوت کی کیا ضرورت تھی کہ خدا تعالےٰ نے اِسے بھی ذکر کردیا،

سو اِس کا جواب یہ ہے۔ کہ اِس نکاح میں سب سے بڑی روکاوٹ قوم کی طعن وعار تھی۔ کہ یہ نکاح سالہا سال کی رسم کے خلاف تھا۔ دشمن تو دشمن رہے معتقد بھی کہہ سکتے تھے۔ کہ آنحضرت صلعم کی پوزیشن کو معترضین کے اعتراضوں کا نشانہ بنانے کی کیا ضرورت ہے؟

سو خدا تعالےٰ نے فرمایا کہ رسومِ خلافِ شرع کی اصلاح کا یہی وقت ہے۔ تکمیل شریعت کا یہی عہد ہے۔ پچھلی شریعتوں کے بعض احکام کی منسوخی کا یہی زمانہ ہے۔ یہ شریعت آخری وابدی ہے جو نسخ وترمیم کی گنجائش اور تحریف وتبدیل کے اندیشے سے محفوظ ہے۔ کیونکہ یہ رسول خاتم النبیین ہے اِسکی اصلاح کو کسی اور وقت پر ڈالنا۔ اِسکی شانِ خاتمیت کے خلاف ہے۔ لہٰذا اِس اصلاح کا یہی زمانہ ہے۔ اور یہ کام خدا کے علم میں پہلے ہی سے اسی طرح مقرر تھا۔ چنانچہ اِس سے قبل فرمایا۔ وَکَانَ اَمْرُ اللّٰہِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا یعنے! اے نبی! یہ سارا معاملہ یعنے زید کا پہلے آکر فروخت ہونا اور تمہارا اُسکو متبنّٰے بنانا اور پھر زینب سے نکاح کرانا اور پھر اُس کا اُسے طلاق دیدینا اور پھر زینب کا

تمہارے نکاح میں آنا سب تقدیری معاملے ہیں کہ خدا تعالےٰ نے اِن کو اپنے علم ازلی میں اسی طرح مقدر کیا تھا کہ یہ سب کچھ یوں یوں ہوگا۔ اور یہ سب کچھ اسی رسم کی اصلاح کے لئے تھا۔

پھر فرمایا وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا یعنے خدا تعالےٰ کو سب باتوں کا علم ہے۔ اِس بات کا بھی کہ اِس نبی کے بعد کوئی شخص قابل نبوت پیدا نہیں کیا جائیگا۔ اور اس بات کا بھی کہ اگلے زمانوں میں کن مصلحتوں اور ضرورتوں کی بنا پر نبوت جاری رکھی گئی اور اس بات کا بھی کہ اب وہ ضرورتیں کلیتہً رفع ہوگئی ہیں۔ لہٰذا **نبوت** بالکل بند کر دیگئی ہے۔

یا اِن الفاظ میں سمجھئے کہ خدا تعالےٰ کا علم محیطِ کُل ہے۔ زمان گذشتہ و حال کے موجودات اور زمانہ مستقبل میں موجود ہونے والی سب چیزوں اور امروں پر حاوی ہے۔ تو اس حاطۂ کُلّی میں یہ بات بھی داخل ہے کہ **ختم نبوت** کے کیا وجوہات ہیں۔ اور یہ بھی کہ آگے کو کوئی قابل نبوت پیدا نہ ہوگا پس اُس نے اپنی حکمت بالغہ اور علم کلی سے آگے کے لئے نبوت کا دروازہ بالکل بند کر دیا۔ (وجوہات بحث اول میں مذکور ہو چکی ہیں)

آیت بالا میں حق تعالےٰ نے بالکل کھلے الفاظ میں فرمادیا کہ **محمد** صلعم **خاتم الانبیاء** ہیں، اب **خاتم** کے معنے کے لئے ذیل کی شہادتیں مطالعہ فرمائیں۔

(۱) حضرت شاہ رفیع الدین صاحب رح اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں۔

"نہیں ہے **محمد** (صلعم) باپ کسی کا مردوں تمہارے میں سے ولیکن پیغمبر خدا کا ہے اور **ختم کرنے والا** نبیوں کا، اور ہے اللہ ہر چیز کا جاننے والا"

(۲) حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رح اپنے ترجمہ قرآن میں اس آیت پر یہ حاشیہ ارقام فرماتے ہیں۔

"یعنے بعد از وے ہیچ پیغمبر نباشد (ص۵۶۶)

تمام منقولی و معقولی اور ادبی و صوفیانہ تفاسیر میں اِس آیت کے ذیل میں لکھا ہے کہ نبوت آنحضرت صلعم پر ختم ہوگئی اور آپ سلسلۂ انبیاء کے آخری نبی اور فرد اکمل ہیں۔ اسمیں کسی امام عالم سنت نے کبھی بھی اختلاف نہیں کیا،

(۳) چنانچہ امام سیوطی رح تفسیر اکلیل میں فرماتے ہیں:- **قولہٗ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ فیہ انہ لَانبیّ بعدہٗ وانہ مَن ادّعی النبوۃ بعدہٗ قُطِع بکذبہ** ۱۲ یعنی قولِ خداوندی

وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ اس امر کی دلیل ہے۔ کہ آنحضرت صلعم کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ اور نیز اس امر کی دلیل،
کہ جو شخص آپ کے بعد نبوت کا دعوے کرے وہ قطعی طور پر جھوٹا ہے"۔

(۴) تفسیر جامع البیان میں ہے:۔ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ اٰخِرُهُمْ ۱۲ "یعنی" آخری نبی"

(۵) امام زمخشری جو لغت وعلم فصاحت وبلاغت کے متبوع امام ہیں۔ تفسیر کشاف میں خاتم کے معنے آخری نبی کرتے ہیں۔ چنانچہ اس کے متعلق سوال وجواب کے طور پر فرماتے ہیں:۔ (فَإِنْ قُلْتَ) کیف کان اٰخر الانبیاء وعیسیٰ ینزل فی اٰخر الزمان (قلتُ) معنے کونہ اٰخر الانبیاء انہ لا ینبأ احد بعدہ وعیسیٰ ممن نُبِّئَ قبلہ الخ یعنی اگر تو کہے کہ آنحضرت صلعم آخر الانبیاء کس طرح ہوسکتے ہیں۔ حالانکہ حضرت عیسےٰ آخری زمانے میں نازل ہونگے۔ تو میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ آنحضرت صلعم کے آخر الانبیاء ہونے کے یہ معنے ہیں کہ کوئی شخص آپ کے بعد نبی نہیں بنایا جائیگا۔ اور حضرت عیسےٰ اُن میں سے ہیں جو آپ سے پیشتر نبی بنائے جا چکے ہیں۔ الخ "۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ علامہ زمخشری خاتم کے معنے آخری کرتے ہیں"

اسی طرح باقی تفسیروں میں مثلاً تفسیر ابی السعود رح تفسیر سراج منیر۔ تفسیر فتح البیان، تفسیر بیضاوی تفسیر مدارک، اور تفسیر معالم، ان سب میں خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ کے معنے اٰخِرُهُمْ لکھے ہیں۔ اور تفسیر فیضی میں لکھا ہے اَمَدُهُمْ لا رَسُوْلَ وَرَاءَہٗ "یعنے آپ آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا"

نوٹ:۔ علامہ فیضی نے خاتم کے معنے آمد کئے ہیں۔ اسلئے کہ انہوں نے اپنی اس تفسیر سواطع الالہام میں التزام کیا ہے۔ کہ اسمیں نقطہ دار حرف کوئی نہیں لایا جائیگا۔ اور آمد اور آخر کے معنے ایک ہی ہیں۔

اسی طرح تفسیر ابن کثیر میں ہے۔ فھذہ الآیۃ نص فی انہ لا نبی بعدہ ۱۲ "یعنے یہ آیت اس بارے میں نص قطعی ہے۔ کہ آنحضرت صلعم کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا"

اور تفسیر فتح البیان میں تحقیق لغوی کے طور پر محاورہ لکھا ہے۔ وَخَاتَمُ الشَّیْءِ اٰخِرُہٗ ۱۲

(۱۳) اسی طرح کتب لغات القرآن یعنے وہ کتابیں جنمیں قرآن شریف کے مفرد الفاظ کے معانی کتب لغت کی طرح حل کر کے لکھے ہیں۔ انمیں بھی اسکے معنے آخری اور تمام کنندہ لکھے ہیں۔ چنانچہ نزہۃ القلوب میں لکھا ہے:۔ (خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ) اٰخِرُ النَّبِيّٖنَ (جلد اول ص ۲۴۷)

سلہ یہ کتاب تفسیر حقانی مطبوعہ مصر شرفیہ کے حاشیہ پر چھپی ہے اسکے مولف امام ابوبکر بن محمد عزیز سجستانی ہیں ۱۲ منہ

(۱۴) اسی طرح امام راغب رحمۃ مفردات القرآن میں فرماتے ہیں:- وَخَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ لِاَنَّهٗ خَتَمَ النُّبُوَّةَ اَیْ تَمَّمَهَا بِمَجِیْئِهٖ (صـ۱۴۲) یعنے آنحضرت صلعم خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ ہیں۔ کہ آپ نے نبوت ختم کردی یعنے آپ نے آکر اُسے پورا اور تمام کردیا۔ یعنے آپ کے آنے سے نبوت ختم اور پوری ہوگئی، کہ اب کسی دیگر نئے نبی کی کوئی ضرورت باقی نہ رہی۔

(۱۵) اسی طرح عام لغت کی کتابوں میں بھی خَاتَم کے معنے آخری لکھے ہیں۔

چنانچہ لِسَانُ العَرَب میں ہے: خِتَامُ الْقَوْمِ وَخَاتِمُهُمْ وَخَاتَمُهُمْ اٰخِرُهُمْ عن اللحیانی ومُحَمَّدٌ (صلی اللہ علیہ وسلم) خَاتَمُ الاَنْبِیَاءِ (علیہ وعلیہم السلام) × × التہذیب والخَاتِمُ والخَاتَمُ مِنْ اَسْمَاءِ النَّبِیِّ (صلی اللہ علیہ وسلم) وفی التنزیل العزیز مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ اَیْ اٰخِرُهُمْ۔

یعنے: خِتَام القوم اور خَاتِم القوم (بالکسر) اور خاتَم القوم (بالفتح) ہرسہ کے معنے ہیں "قوم کا آخری شخص" اور تہذیب میں ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم انبیا کے خاتم ہیں، اور خاتِم (بالکسر) اور خاتَم (بالفتح) ہردو نبی صلعم کے نام ہیں، اور قرآن شریف میں ہے۔ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ الآیہ سو اسمیں خاتم النبیین کے معنے ہیں آخری نبی،

(۲) امام بغوی رحمۃ نے تفسیر معالم التنزیل میں اس آیت کے ذیل میں ایک مرفوع حدیث بھی نقل کی ہے جو بخاری و مسلم کی روایت سے ہے۔ اُسمیں آنحضرت صلعم نے اپنے پانچ اسماء (نام) بتائے ہیں، ایک اُن سے عاقب ہے اور عاقب کی تفسیر اسی حدیث میں مذکور ہے:-

والعاقب الّذی لانبیّ بعدہٗ یعنی عاقب وہ ہے جسکے بعد کوئی نبی نہیں۔ اور یہ تفسیر کسی راوی یا صحابی کی نہیں۔ بلکہ خود آنحضرت صلعم کی اپنی زبان مبارک کی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ فتح الباری میں اس حدیث کے ضمن میں لکھتے ہیں:-

وقع فی روایۃ سفیان بن عُیَینۃ عند الترمذی وغیرہ بلفظ الّذی لیس بعدی نبیٌّ (فتح الباری مطبوعہ دہلی صـ۳۱۳)	امام سفیان بن عُیینہ کی روایت میں امام ترمذی وغیرہ کے نزدیک یہ الفاظ یوں ہیں: میں عاقب ہوں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا[۵]

[۵] قاضی عیاض رحمۃ نے بھی شفاء میں ان الفاظ کو بصیغۂ متکلم ذکر کیا ہے - ۱۲ منہ

(۲) اسی طرح مسند امام احمدؒ میں حضرت انس رضؓ کی روایت ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا:۔

اِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَلَا نَبِیَّ (مسند جلد ص)	رسالت اور نبوت منقطع ہو چکی ہے۔ پس میرے بعد کوئی رسول اور کوئی نبی نہیں ہوگا؛

(۳) اسی طرح مشکوٰۃ شریف میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت سے حدیث ہے۔ جس میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ قوم بنی اسرائیل کی سیاست (ملکی) اُن کے انبیاء کے متعلق ہوتی تھی۔ ایک نبی فوت ہوجاتا تو اُس کا خلیفہ بھی نبی ہوتا۔ اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا؛ ہاں خلیفے ہونگے، اور وہ بہت ہونگے،، الحدیث، (مشکوٰۃ ص۳۱۲)

اِسکی توضیح یوں ہے۔ کہ نبی اللہ کے متعلق دو باتیں ہوتی ہیں تعلیم شریعت اور انتظام سیاست سو آنحضرت صلعم نے بنی اسرائیل کا ذکر کرکے سمجھادیا۔ کہ اُن میں تعلیم شریعت اور انتظامِ ملت ہر دو امر اُن کے انبیاء کے متعلق ہوتے تھے۔ جب ایک فوت ہوجاتا تو اس کا خلیفہ بھی اِن ہر دو کا جامع ہوتا۔ لیکن آپ نے اپنی بابت فرمایا۔ کہ میرے بعد صرف خلافت بغیر نبوت کے ہوگی۔ کیونکہ میرے بعد کوئی بھی نبی ہونے والا نہیں۔ اِسی لئے حضرات خلفائے راشدین اور اُن کے بعد کے سب خلفا صرف انتظام ملکی و ملی کے سپرد کار تھے۔ نہ اُنمیں سے کوئی واقعی نبی تھا۔ اور نہ مدعی نبوت ہوا۔ اِسکی تائید میں ذیل کی حدیث بھی مطالعہ فرمائیے:۔

(۴) صحیح بخاری شریف میں ہے۔ کہ آنحضرت صلعم غزوہ تبوک کیلئے نکلے، تو حضرت علی رضؓ کو اپنے پیچھے خلیفہ بنایا۔ حضرت علی رضؓ نے (جہاد میں جانے کے شوق کی وجہ سے) عرض کیا کہ آپ مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑکر جاتے ہیں۔ اسپر آپ نے حضرت علی رضؓ سے فرمایا:۔

اَلَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هٰرُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی اِلَّا اَنَّهٗ لَیْسَ نَبِیٌّ بَعْدِیْ (بخاری مصری ج۲ ص۱۵۵)	کیا تو راضی نہیں کہ تو مجھسے وہ نسبت رکھے جو ہارونؑ کو موسےؑ سے تھی مگر یہ کہ میرے بعد نبی کوئی نہیں ہوگا؛

اِسکی توضیح یوں ہے کہ حضرت موسےؑ جب کوہ طور پر جانے لگے تو حضرت ہارونؑ کو قوم میں خلیفہ چھوڑ گئے، چنانچہ قرآن شریف میں ہے:۔

وَقَالَ مُوْسٰی لِاَخِیْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ وَاَصْلِحْ (اعراف پ۹)	اور کہا موسےؑ نے اپنے بھائی ہارون سے کہ خلیفہ بن میرا میرے پیچھے میری قوم میں اور اُنکی اصلاح کرنا؛

اِسی طرح آنحضرت صلعم جب سفر تبوک کو چلنے لگے۔ تو اپنی غیر حاضری کی میعاد تک حضرت علی رضؓ کو اپنے پیچھے خلیفہ[۵] مقرر کر گئے۔ لیکن چونکہ حضرت ہارون ؑ نبی تھے۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ وَوَهَبْنَا لَهُ مِن رَّحْمَتِنَا أَخَاهُ هَارُونَ نَبِيًّا (مریم پ۱۶) یعنے ہمنے موسٰیؑ کو اپنی رحمت سے اُسکا بھائی ہارون نبی بناکر بخشا،

اور چونکہ آنحضرت صلعم کے بعد کوئی نبی ہونے والا نہیں تھا، اسلئے آپ نے اس خلافت کو حضرت ہارونؑ کی خلافت سے تشبیہ دیتے ہوئے دفع دخلِ مقدر کے طور پر فرمادیا۔ کہ اے علیؓ حضرت ہارون کی طرح تو میرا خلیفہ تو ہوگا۔ لیکن چونکہ میرے بعد نبی کوئی نہیں ہوسکیگا۔ اسلئے تیری خلافت بغیر نبوت کے ہوگی ؎

اِن ہر دو احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلعم کے بعد خلافت کا دروازہ تو کھلا ہے لیکن نبوت کا دروازہ بالکل مسدود ہے۔

(۴) آنحضرت صلعم کا بیان نہایت واضح و بلیغ ہوتا تھا۔ آپ نے ایک واضح مثال سے نہایت صاف طور پر سمجھا دیا۔ کہ میں آخری نبی ہوں۔ اور میرے بعد کسی شخص کے نبی بننے کی گنجائش باقی نہیں ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے۔ کہ آپ نے فرمایا:۔ میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال یہ ہے کہ کسی شخص نے ایک مکان بنایا ہو، اور اُسے نہایت خوبصورت و خوش وضع بنایا ہو، مگر ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ (چھوڑ دی ہو) پس لوگ اُس مکان کے گرد پھریں اور تعجب کریں، اور کہیں کہ (یہاں پر) یہ اینٹ کیوں نہیں لگائی گئی۔ آنحضرت نے فرمایا کہ پس، وہ (باقی رہی ہوئی) اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں" (صحیح بخاری مصری۔ جلد ثانی صفحہ ۲۳۱)

نوٹ خصوصی اس حدیث سے صاف ظاہر ہے۔ کہ آنحضرت صلعم قصرِ نبوت کی آخری اینٹ ہیں۔ آپ کی تشریف آوری پر قصرِ نبوت مکمل ہوچکا ہے۔ اب کسی نئی اینٹ کی گنجائش باقی نہیں،

دیگر یہ کہ امام بخاری رحؒ نے اس حدیث کو آنحضرت صلعم کے حالاتِ خصوصی میں ذکر کیا ہے اور اسپر عنوانِ باب یوں باندھا ہے۔ بَابُ خَاتَمِ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ[۶] اور علم حدیث کے

[۵] یہ خلافت وقتی و عارضی تھی، دائمی نہیں تھی، آنحضرت صلعم کی عادت تھی۔ کہ غزوات اور دیگر سفروں کے وقت اپنے پیچھے شہر کے انتظام اور مسجد کی امامت کسی صحابی کے سپرد کر جاتے تھے ۱۲ منہ

[۶] اس حدیث کی شرح میں حافظ ابن حجر رحؒ نے کہا کہ اس حدیث میں دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر رسول ختم کر دیئے اور دین کے طریقے کامل کر دئے (فتح جلد ۴، صفحہ ۳۱۴) ۱۲ منہ

واقف اصحاب جانتے ہیں۔ کہ امام بخاری رح کے عنوان باب باندھنے کی بھی کیا قدر ومنزلت ہے

(۵) آنحضرت صلعم نے مسئلہ ختم نبوت کو بالکل صاف کر دیا ہے۔ اور کسی پہلو سے بھی اس پر اندھیرا نہیں رہنے دیا۔ چنانچہ آپ نے اپنے بعد کے ہر مدعی نبوت کو دجال وکذاب کے نام سے یاد کیا ہے۔ چنانچہ جامع ترمذی میں حضرت ثوبان رضہ کی روایت سے ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے یہ بھی فرمایا:۔

× وَيَكُونُ فِي أُمَّتِي ثَلٰثُونَ كَذَّابُونَ كُلُّهُمْ يَزْعَمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ بَعْدِي هٰذا حديث صحيح (ترمذی جلد ۲ ص ۴۵)	اور میری اُمت میں (قیامت سے پہلے پہلے) تیس کذاب ضرور ہونگے ہر ایک اُن میں کا دعوےٰ کریگا کہ وہ نبی ہے حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

(امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں) یہ حدیث صحیح ہے۔

تنبیہ نمبر (۱) یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور جامع ترمذی میں حضرت ابوہریرہ رضہ سے بھی مروی ہے اور اس میں اِن مدعیان نبوت کے دو لقب دجال وکذاب بتلائے گئے ہیں،

دجال نہایت درجے کے فریبی اور ملمع ساز کو اور کذاب نہایت درجے کے جھوٹے اور مکار کو کہتے ہیں، (منتہی الارب، لسان العرب، المصباح المنیر)

کسی مکار اور فریبی کی مکاری اور فریب کاری پر واقف ہونا آسان کام نہیں ہے۔ اسلئے آنحضرت صلعم نے ازراہِ شفقت وصفائی بیان اِن سب مدعیانِ نبوت کا ایک ایسا مشترک نشان بتادیا، جس سے علم والے اور بے علم۔ لکھے پڑھے اور بے پڑھے اور شہری و دیہاتی سب طرح کے لوگ یکساں طور پر پہچان لیں، وہ نشان یہ ہے، کہ ہر ایک اُنہیں کا یہ دعوےٰ کریگا کہ وہ نبی ہے بس مجرد اُنکا ایسا دعوےٰ کرنا ہی اُن کے دجال وکذاب ہونے کی دلیل ہے، چنانچہ اسی بات کو واضح کرنے کے لئے ساتھ ہی فرمادیا، کہ "میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا"

تذییل اس حدیث سے علاوہ اس امر کے کہ آنحضرت صلعم کے بعد نبوت کا دعوےٰ کرنیوالا دجال وکذاب ہے۔ اور علاوہ اِس کے کہ آنحضرت صلعم خاتم النبیین ہیں یہ امر بھی ثابت ہوگیا کہ خاتم النبیین کے معنے یہ ہیں کہ آنحضرت صلعم کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ اور خاتم الانبیا اور آخر الانبیا کے ایک ہی معنے ہیں جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث ذیل میں بالتصریح وارد ہے۔

انی آخر الانبیاء ومسجدی آخر المساجد (مسلم)[۱]	میں آخر الانبیاء ہوں اور میری مسجد (مسجد نبوی) آخری مسجد ہے"

[۱] جلد اول ص ۴۴۶ - ۱۲

تنبیہ نمبر ۲ آنحضرت صلعم کی مسجد کے آخری ہونے کے یہ معنے ہیں، کہ وہ اُن مساجد میں آخری مسجد ہے جو انبیاء اللہ نے تعمیر کیں جیسا کہ آدم - ابراہیم - داؤد و سلیمان اور آنحضرت صلعم پس آنحضرت صلعم کی مسجد ان سب میں آخری ہوئی، چنانچہ یہ معنے دوسری حدیث میں صراحتہً مذکور ہیں، کہ آپ نے فرمایا:-

انا خاتم الانبیاء و مسجدی خاتم مساجد الانبیاء (کنز العمال مطبوعہ حیدرآباد جلد ششم صفحہ ۲۰۶ فضل الحرمین)	میں خاتم الانبیاء ہوں، اور میری مسجد انبیاء کی مساجد میں سے آخری مسجد ہے،

تنبیہ نمبر ۳ ان ہر دو احادیث کے ملانے سے یہ بھی معلوم ہو گیا۔ کہ **خاتم** کے معنے **آخری ہیں**

بحث سوم - اِس امر میں کہ بحث دوم میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے۔ اسکی ایک ایک بات پر مرزا صاحب قادیانی آنجہانی مدعیِ نبوت کے بھی تصدیقی دستخط ہیں،

سو معلوم ہو کہ مضمون بالا میں **پہلی بات** خاکسار (محمد ابراہیم میر سیالکوٹی) نے یہ بیان کی ہے، کہ **خاتم النبیین** والی آیت کے یہ معنے ہیں کہ آنحضرت صلعم آخری نبی ہیں، اور آپ نبیوں کے ختم کردینے والے ہیں۔ سو اسکی بابت مرزا صاحب اپنی کتاب **ازالہ اوہام** میں اس آیت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:-

"یعنی **محمد** صلے اللہ علیہ وسلم تم میں سے کسی مرد کا باپ نہیں مگر وہ رسول اللہ ہے"

"اور ختم کرنے والا نبیوں کا،" ۱

نیز فرماتے ہیں۔ "جاننا چاہیے کہ خدا تعالےٰ نے **تمام** نبوتوں اور رسالتوں کو قرآن شریف اور آنحضرت صلعم پر **ختم کر دیا ہے**،" ۲

دوسری بات خاکسار نے بحوالہ مسند امام احمد رح یہ بیان کی ہے۔ کہ رسالت اور نبوت آنحضرت صلعم کے بعد **منقطع** ہو گئی ہے اب کوئی نبی اور کوئی رسول نہیں ہو گا۔ سو اسکی بابت مرزا صاحب **ازالہ اوہام** کی عبارت مذکورہ بالا کے آگے سلسلۂ ذکر میں فرماتے ہیں:-

"ابھی ثابت ہو چکا ہے کہ اب وحی رسالت تا بقیامت **منقطع** ہے (صفحہ ۷۶۱ ازالہ مطبوعہ لاہور)"

دیکھئے یہ وہی الفاظ ہیں جو حدیث مسند احمد رح میں وارد ہیں،

نیز مرزا صاحب اپنے آئینہ کمالات میں فرماتے ہیں:-

---

۱ ازالہ اوہام مطبوعہ لاہور صفحہ ۱۱۵ ۱۲ منہ ۲ خط مورخہ ۱۷ - اگست ۱۸۹۹ء مطبوعہ الحکم نمبر ۲۹ جلد ۳ (منقول از ٹریکٹ نمبر ۸ مصنفہ مولوی محمد علی صاحب احمدی لاہوری مجریہ یکم مئی ۱۹۳۲ء) ۱۲ منہ

ماکان اللہ ان یرسل نبیًّا بعد نبیّنا خاتمِ النّبیّین وما کان ان یحدث سلسلۃ النّبوۃ ثانیًا بعد انقطاعھا (ص ۳۷۷)	یہ ہرگز نہیں ہوگا کہ اللہ تعٰ ہمارے نبی صلعم خاتم النبیین کے بعد کسی کو بھی نبی کرکے بھیجے اور نہ یہ ہوگا۔ کہ سلسلۂ نبوت کو منقطع ہوجانے کے بعد پھر دوبارہ جاری کرے گا

(۳) تیسری بات جو مینے بیان کی یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے عام طور پر بغیر تفریق تشریعی یا غیر تشریعی کے فرمایا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ اسکے متعلق بھی مرزا صاحب ایّام الصّلح اردو میں فرماتے ہیں

"حدیث لا نبی بعدی میں بھی لا نفی عام ہے۔ پس یہ کسقدر دلیری اور گستاخی ہے کہ"
"خیالِ رکیکہ کی پیروی کرکے نصوصِ صریحۂ قرآن کو عمدًا چھوڑ دیا جائے اور خاتم الانبیاء کے بعد"
"ایک نبی کا آنا مان لیا جائے اور بعد اس کے جو وحی منقطع ہو چکی ہے پھر سلسلہ وحی نبوت کا"
جاری کردیا جائے" (ص ۱۴۶) ۱۲

اسی طرح مرزا صاحب کی کتب کے دیگر حوالے بھی پیش کیئے جاتے ہیں جنمیں صاف اقرار ہے۔ کہ نبوت اور رسالت آنحضرت صلعم پر ختم ہوگئی اور آپ اس سلسلے کے آخری نبی ہیں۔

(۱) چنانچہ کتاب حقیقۃ الوحی ص ۱۴۱ میں مرقوم ہے:۔

"اللہ تعالٰی وہ ذات ہے۔ جو رب العٰلمین اور رحمٰن اور رحیم ہے۔ جسنے زمین اور آسمان کو"
"چھ دن میں بنایا۔ اور آدم کو پیدا کیا۔ اور رسول بھیجے اور کتابیں بھیجیں اور سب کے آخر حضرت"
"محمد مصطفٰے صلّی اللہ علیہ وسلّم کو پیدا کیا۔ جو خاتم الانبیاء اور خیر الرسل تھے۔" (ص ۱۴۱)

(۲) اور حمامۃ البشرٰے میں فرماتے ہیں:۔

"ویقولون ان ھذا الرّجل لا یعتقد "بان محمدًا صلّی اللہ علیہ وسلّم خاتم "الانبیاء ومنتھی المرسلین لا نبی بعدہٗ "وھو خاتم النّبیین × × فھذہٖ کلھا "مفتریات (ملخص ص ۹)	اور یہ معترض لوگ کہتے ہیں کہ یہ شخص مرزا (غلام احمد قادیانی) یہ اعتقاد نہیں رکھتا کہ محمد صلے اللہ علیہ سلم خاتم الانبیاء" اور منتہی المرسلین ہیں۔ کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا" اور آپ خاتم النبیین ہیں × × سو یہ سب افترا ہیں" (جو مجھ پر کیئے گئے)

"خدا تعالٰے جانتا ہے۔ کہ میں مسلمان ہوں۔ اور ان سب عقائد پر ایمان رکھتا ہوں۔ جو اہلسنت والجماعت"
"مانتے ہیں اور کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ کا قائل ہوں۔ اور قبلہ کی طرف"

"نماز پڑھتا ہوں اور مَیں نبوت کا مدعی نہیں۔ بلکہ ایسے مدعی کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا"
"ہوں (ص ۳)"

"(۴) نیز فرماتے ہیں "میرا یقین ہے کہ وحی رسالت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب"
"رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گئی۔ (اشتہار ۲۔ اکتوبر ۱۸۹۱ء مندرجہ کتاب حقیقۃ النبوت مصنفہ مرزا محمود صاحب ص ۸۹)"

"(۵) نیز فرماتے ہیں۔ اور اسکو خاتم الانبیاء مانتے ہیں۔ کیونکہ اسپر تمام نبوتیں اور تمام پاکیزگیاں اور تمام"
"کمالات ختم ہو گئے" (اشتہار مرزا صاحب مورخہ ۲۲ دسمبر ۱۸۹۵ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد ۴ ص ۲۳)"

"نیز ص ۹۲ نوٹس بنام آریہ صاحبان۔ نیز فرمایا تمام کمالات آپ پر ختم ہو گئے ص ۵ لیکچر سیالکوٹ"

"اِن ہر دو مقامات میں کمالات سے مراد کمالاتِ نبوت ہیں۔ چنانچہ مرزا صاحب فرماتے ہیں:۔
اللہ تعالیٰ نے جو کمالات سلسلۂ نبوت میں رکھے ہیں۔ وہ مجموعی طور پر ہادی کامل پر ختم ہو گئے حقیقۃ"
"النبوۃ ص ۹۵ بحوالہ کتاب دین الحق ص ۹۷)"

"(۶) نیز فرماتے ہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر تمام نبوت کے علم ختم ہو گئے نجم الہدے ص ۱)"

"نیز فرماتے ہیں۔ کمالاتِ نبوت کا دائرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گیا۔ (ص ۲۱ ڈائری مرزا حصہ اول)"

"نیز ازالہ اوہام میں لوگوں کی طرف سے خود سوال کرتے ہیں اور خود جواب دیتے ہیں۔
"سوال رسالہ فتح الاسلام میں نبوت کا دعوٰے کیا ہے۔ اما الجواب نبوت کا دعوٰے نہیں بلکہ محدثیت"
"کا دعوٰے ہے (ص ۱۷۴ مطبوعہ قادیان بار سوم)

"اِسی طرح شیخ الکل حضرت مولانا سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی اور مولانا ابو سعید محمد حسین صاحب"
"بٹالوی رحمہما اللہ کا ذکر نہایت بدتہذیبی سے کر کے لکھتے ہیں:۔

"یہ سراسر افترا ہے کہ ہماری طرف یہ بات منسوب کرتے ہیں کہ گویا ہمیں معجزات انبیاء علیہم السلام سے انکار ہے"
"یا ہم خود دعوٰے نبوت کرتے ہیں یا نعوذ باللہ حضرت سید المرسلین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء نہیں سمجھتے"
"یا ملائک سے انکاری یا حشر نشر وغیرہ اصول عقائد اسلام سے منکر ہیں۔ یا صوم وصلوٰۃ وغیرہ ارکان اسلام کو نظر"
"استخفاف سے دیکھتے ہیں۔ یا غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ بلکہ خدا تعالیٰ گواہ ہے۔ کہ ہم ان سب باتوں کے قائل ہیں۔"
"اور ان عقائد اور ان اعمال کے منکر کو ملعون اور خسر الدنیا والاخرۃ یقین رکھتے ہیں۔"

(۴) چوتھی بات یعنے یہ بیان کی ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے اپنے بعد کے مدعیانِ نبوت کو دجال وکذاب فرمایا ہے۔

سو اُسکی نسبت بھی مرزا صاحب کی تصریحات بیش از بیش ہیں۔ اُن میں چند بطور نمونہ حسب ذیل ہیں :-

"(١) ختم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدعی نبوّت کو کاذب اور کافر جانتا ہوں۔ اشتہار ٢ اکتوبر ١٨٩١ء"

"(٢) جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اُسے بیدین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔ (تقریر ٢٣ اکتوبر ١٨٩١ء)"

"(٣) ہم بھی مدعی نبوّت پر لعنت بھیجتے ہیں۔ (مجموعہ اشتہارات ص ٢٢٤)

"(٤) مجھے کب جائز ہے کہ میں نبوّت کا دعوے کرکے اسلام سے خارج ہو جاؤں (حمامۃ البشریٰ ص ٧٩ ترجمہ)"

"(٥) اِن لوگوں نے میرے قول کو نہیں سمجھا اور یہی کہا کہ یہ شخص نبوّت کا مدعی ہے۔ اور اللہ جانتا ہے کہ اِن کا"
" یہ قول صریح کذب ہے (حمامہ ص ٨ ترجمہ)

"(٦) کیا ایسا بدبخت مفتری جو خود رسالت اور نبوّت کا دعوے کرتا ہے۔ قرآن شریف پر ایمان رکھ سکتا ہے"
(انجام آتھم ص ٢٧ منقول از ٹریکٹ ٨ مصنفہ مولوی محمد علی صاحب لاہوری محرّرہ یکم مئی ١٩٣٢ء)

صاحبان! میں نے یہ بات بھی ذکر کی ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد نبوت بند ہے اور نظم"
اُمت و سیاست کیلئے خلافت و امارت جاری ہے۔ سو مرزا صاحب بھی اسی طرح فرماتے ہیں :-

"بیعت کرنیوالے کے لئے ان عقائد کا ہونا ضروری ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو رسول برحق اور قرآن"
" شریف منجانب اللہ کتاب اور جامع الکتب ہے۔ کوئی نئی شریعت اب نہیں آسکتی، اور نہ کوئی نیا رسول آ"
" سکتا ہے مگر ولایت اور امامت اور خلافت کی ہمیشہ راہیں کھلی ہیں۔ اور جس قدر مہدی دنیا میں آئے۔ یا"
" آئینگے اُن کا شمار خاص اللہ جل شانہٗ کو معلوم ہے۔ وحی رسالت ختم ہو گئی۔ مگر ولایت و امامت و خلافت"
" کبھی ختم نہیں ہوگی" (مکتوب مرزا صاحب مندرجہ رسالہ تشحیذ الاذہان ٦ جلد ٦ ص ٢٣)

مرزا صاحب کے اِن سب حوالجات سے یہ اُمور ثابت ہیں :-

(١) نبوت و رسالت آنحضرت صلعم پر ختم ہو گئی۔ (٢) آپ کے بعد کوئی شخص نبی نہیں ہو سکتا۔ (٣) ایسا مدعی نبوت کاذب۔ کافر۔ بیدین۔ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ ملعون۔ خسر الدنیا والآخرہ۔ بدبخت مفتری۔ اور بے ایمان ہے یہ مرزا صاحب کے اقوال ہیں۔ اور ہم بھی اسپر صاد کرتے ہیں۔

اگر کہا جائے کہ یہ سب حوالجات مذکورہ بالا نومبر ١٩٠١ء سے پیشتر کے ہیں اُسوقت مرزا صاحب کو عہدۂ رسالت نہیں ملا تھا اسلئے یہ سب تحریریں منسوخ شدہ سمجھنی چاہئیں۔ تو اِس کا **جواب** یہ ہے کہ نسخ عقائد میں نہیں ہوتا۔ بلکہ احکام میں ہوتا ہے اور کفر و اسلام میں نسخ نہیں ہے جو بات سابقاً کفر تھی وہ بعد میں اسلام نہیں ہو سکتی اور جو بات سابقاً اسلام تھی وہ بعد میں کفر نہیں ہو سکتی۔ فافہم

بحثِ چہارم

ردِّ شبہات میں

اِس بحث کی تفصیل سے پیشتر ایک اُصولی بات اچھی طرح دلنشین کر لینی چاہیئے۔ وہ یہ کہ منطقی لوگ کہتے ہیں **لَاحَجْرَ فِی التَّصَوُّرِ یَتَعَلَّقُ بِکُلِّ شَیْئٍ**[۱] یعنے تصور میں رُکاوٹ نہیں۔ ہر شئے کے متعلّق ہوسکتا ہے اگر ایک شئے کے متعلّق ہو تو اُسکی نقیض کے متعلّق بھی ہوسکتا ہے یعنی اگر آپ ایک شئے کو تصور میں لائیں تو اُسکی نقیض کو بھی تصوّر میں لاسکتے ہیں۔ اور ذہن میں بٹھا سکتے ہیں۔ حالانکہ واقعاً اور حقیقۃً ہر دو معاً صادق نہیں ہوتے، اگر ایک صادق ہے۔ تو دوسرا ضرور کاذب ہوگا۔ اِسکی وجہ یہ ہے کہ انسانی دماغ غلط فہمی سے یا فسادِ نیت سے ایسے اُمور تراش سکتا ہے اور فرض کرسکتا ہے جو حق کے **مشابہ** ہوں۔ کیونکہ سوائے **ذاتِ حق** کے ہر کسی میں عقلاً و فرضاً نفی و اثبات کے ہر دو پہلو ممکن ہیں۔ کیونکہ سب کسی کا وجود عارضی اور ممکن ہے جسمیں وجود و عدم ہر دو مساوی ہوتے ہیں، بلکہ منکرین تو اس غلط فہمی یا فسادِ نیت میں ایسے بڑھے ہوئے ہیں، کہ وہ ذاتِ حق کے وجود سے بھی انکار کر بیٹھتے ہیں، جس سے انکار نہیں ہوسکتا۔ اور مشرکین غیر اللہ کی معبودیّت کے قائل ہوگئے۔ جس کے اقرار کی کوئی صورت جائز نہیں، وجودِ باری کے نفسی و آفاقی دلائل بالکل روشن ہیں غیر اللہ کی معبودیّت کے باطل ہونے کے براہین واضح ہیں، لیکن پھر بھی بعض شبہات کی بنا پر جو اُنکو عارض ہوگئے ہیں۔ یا عارض کر لئے گئے ہیں، ہر دو فریق (منکرین و مشرکین) غلط رستے پر جا رہے ہیں اور **شُبہ** کو اسی لئے شُبہ کہتے ہیں کہ وہ ظاہری صورت میں مشابہ بالحق ہوتا ہے۔ حقیقۃً جس طرح کہ پیتل اور سونا رنگ و صورت میں قریباً متشابہ ہوتے ہیں اور کوئی دھوکے باز کسی سادہ انسان کو سونے کے نام پر پیتل دیدیتا ہے اِسی طرح کوئی مذہبی فریب کار سادہ لوح انسانوں کے سامنے ایسے اُمور پیش کر کے اُن کو غلطی میں ڈالدیتا ہے۔ جو شبیہ بالحق ہوتے ہیں۔ یا وہ لوگ اپنی سادگی یا فسادِ نیت یا زیغِ قلبی کے باعث اُن اُمور کو شبیہ بالحق سمجھکر بالکل حق اور درست گردان لیتے ہیں لیکن جس طرح سونے کے دھوکے سے پیتل کے لینے والے کے خیال کے ماتحت پیتل حقیقۃً سونا نہیں ہوجاتا۔ اِسی طرح مذہبی فریب کار کی مکاری سے باطل کی حقیقت حق اور درست نہیں ہوجاتی، حق حق ہے۔ چاہے اُسپر کتنے پردے پڑجائیں اور باطل باطل ہے

[۱] سلّم العلوم مجتبائی ص ۵۔ ۱۲ منہ

چاہے اُس پر کتنے رنگ چڑھ جائیں،

یہی حال نبوت وغیرہ امور کے متعلق مرزائی دلائل کا ہے۔ کہ اُن کی حقیقت **شبہات** سے بڑھکر کچھ بھی نہیں ہے کیونکہ قرآن وحدیث کی تصریحات سے نہایت صفائی سے واضح ہو چکا ہے اور اس حقیقت پر کوئی پردہ نہیں رہ گیا۔ کہ نبوت ورسالت آنحضرت صلعم پر ختم ہو چکی ہے۔ اور کہ آپ کے بعد اب تک نہ تو کوئی جدید نبی برحق پیدا کیا گیا۔ اور نہ آیندہ کیا جائیگا۔ اور جس کسی نے ایسا دعوےٰ کیا۔ یا آیندہ کو کرے گا۔ وہ بموجب حدیث نبوی **دجّال وکذّاب** ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام حضرت امام **ابن تیمیہ** رح جو علمائے اسلام میں بلحاظ جامعیت علوم وفنون خصوصیت سے ممتاز ہیں، اپنی مایہ ناز کتاب **منہاج السنہ** میں فرماتے ہیں:-

ومن اثبت نبیا بعد **محمد** (صلعم) فهو شبیه باتباع مسیلمة الکذاب وامثاله من المتنبئین (منہاج جلد ۳ صـ۱۷۴)

اور جو کوئی بعد محمد صلعم کے کسی کو نبی اعتقاد کرے۔ تو وہ مسیلمہ کذّاب اور اُسکی مثل دیگر (جھوٹے) مدعیان نبوت کے تابعداروں کی طرح ہے،

(۲) اِس قاعدہ مذکورہ کے ساتھ علم اُصول کا بھی ایک قاعدہ لحاظ میں رہے کہ جو امر قرآن وحدیث میں منصوص ومنطوق ہو اور اُسپر خدا تعالےٰ اور رسول اللہ صلعم کی تصریح کی مُہر لگ چکی ہو اُسکے خلاف کوئی استنباط، کوئی قیاس، کوئی عام استدلال، کوئی تمثیلی شہادت درست نہیں۔ ورنہ **دین** کا سارا نظام درہم برہم ہو جائیگا، اور خدا تعالےٰ اور رسول اللہ صلعم کی تصریحات کا کوئی فائدہ نہیں رہیگا۔ اور ہر خود غرض ومطلب پرست، کجرو اور کج فہم، مکّار وفریب کار۔ بقاعدہ مذکورہ بالا یعنے **لَا حَجْرَ فِی التَّصَوُّرِ** کسی نہ کسی طرح بات بنا کر (معاذ اللہ) قرآن وحدیث کی جملہ تصریحات کو بیکار کر سکیگا،

سو معلوم ہو کہ قادیانی منکرینِ ختم نبوت نے عوام میں چند شُبہے ڈال رکھے ہیں:-

شبہ اوّل

سُورت فاتحہ کی آیت صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ میں جن انعام یافتہ لوگوں کا ذکر ہے اُنکی تفصیل خود خدا تعالےٰ نے سورت نساء ع ۹ میں کردی ہے۔ چنانچہ فرمایا:-

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیْقًا ؕ

اور جو شخص فرمانبرداری کریگا۔ اللہ تعالےٰ کی اور اس رسول محمد کی تو اُنکو اُنکا ساتھ نصیب ہوگا جنپر خدا تعالےٰ نے انعام کیا ہے یعنے انبیاء کا اور صدیقوں کا اور شہیدوں کا اور صالحین کا اور یہ سب اچھے رفیق ہیں،

مرزائی کہتے ہیں کہ جب ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلعم کی اطاعت بھی کرتے ہیں اور صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ سے دعا بھی کرتے ہیں اور ہم صدیقیت اور شہادت اور صالحیت کے مراتب تک ترقی بھی کر سکتے ہیں تو آیت سورت النسآء میں ان سب کے ساتھ انبیاء کی رفاقت کا بھی ذکر ہے۔ تو اگر آنحضرت صلعم کے بعد نبوت بالکل بند ہے۔ اور کوئی شخص بھی نبی نہیں بن سکتا تو یہ دعا بالکل بیکار و ضائع جائیگی اور اطاعت بے ثمر رہیگی۔ پس لازم ہے کہ اس دعا کی قبولیت اور اس اطاعت کا ثمرہ عہدۂ نبوت کی عطا کی صورت میں بھی ہو۔[۱]

اس کا جواب بچند وجوہ ہے۔

وجہ اول: یہ استنباط خلافِ نص قرآنی اور خلافِ احادیث صحیحہ صریحہ ہے، لہٰذا باطل ہے جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے۔

وجہ دوم (ا) آیت صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں انعام یافتہ لوگوں کی راہ پر چلنے کی توفیق طلب کیجاتی ہے۔ نہ کہ نبی بننے کی درخواست پیش کیجاتی ہے۔ اگر کسی کی راہ پر چلنے کی دعا مانگنے سے اس کا عہدہ بھی ملجاتا ہے۔ تو جہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ (پ۸)

یعنے تحقیق یہی ہے میرا سیدھا رستہ پس تم اسی کی پیروی کرو۔

اگر کوئی شخص اس کے مطابق خدا تعالیٰ سے دعا مانگے کہ خداوندا! مجھے اپنے رستے پر چلنے کی توفیق دے اور اسپر عمل بھی کرے تو کیا اسے اس دعا اور عمل کے ساتھ خدائی کا چارج بھی ملجائیگا؟ أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ!

صاحبان! عقل سے کام لیجئے، اتباع اور شئ ہے اور عہدہ اور شئ ہے،

(ب) اور آیت سورہ نساء پ۵ میں انبیاء علیہم السلام کی رفاقت بروز قیامت ملنے کا ذکر ہے۔ نہ کہ عہدہ نبوت ملنے کا۔ جیسا کہ اس آیت کے شان نزول[۲] سے بھی واضح ہے اور خود اس آیت میں بھی الفاظ مَعَ اور رَفِيقًا صاف صاف موجود ہیں،

(ج) اور صدیقیت اور شہادت اور صالحیت کے مدارج مل سکنے کی وجہ یہ ہے۔ کہ ان کا دروازہ کھلا ہے۔ لیکن نبوت کا دروازہ آنحضرت صلعم کے بعد بند ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے فرمایا:-

وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصِّدِّيقُونَ وَالشُّهَدَاءُ عِندَ رَبِّهِمْ (حدید پ۲۷)	اور جو لوگ ایمان لائے اللہ پر اور اس کے سب رسولوں پر وہی صدیق و شہید ہیں نزدیک اپنے پروردگار کے و

[۱] (خلاصہ مستفاد از اعجاز المسیح تفسیر سورت فاتحہ مصنفہ مرزا صاحب قادیانی) ۱۲ منہ [۲] شان نزول کیلئے ص۳۸۲ کا حاشیہ دیکھئے ۱۲ منہ

اگر کسی کی معیت ورفاقت سے اُس کا عہدہ ملجانا لازم آتا ہے۔ تو قرآن شریف میں بہت سے مقامات پر خدا تعالے کی معیت کا بھی ذکر ہے۔ کہ وہ تم سب کے ساتھ ہے۔ وہ محسنین کے ساتھ ہے۔ وہ صابرین کے ساتھ ہے۔ وغیرہ وغیرہ تو کیا اس کے یہ معنے ہیں۔ کہ سب لوگوں کو یا محسنین و صابرین کو خدائی کا عہدہ اور چارج ملجاتا ہے۔ توبہ استغفر اللہ۔

تنبیہ اگر ہم نصوصِ قطعیہ یعنے آیت خاتم النبیین اور احادیث ختم رسالت کو نظر انداز کر کے مرزا صاحب اور مرزائی صاحبوں کی کھینچ تان کی استنباطی دلیلوں کو تسلیم کر لیں اور تیس دجالوں والی صحیح اور متفق علیہ حدیث کا بھی لحاظ نہ کریں اور بقول مرزاجی دعوٰی نبوت کو آنحضرت صلعم کے بعد بھی جائز جان لیں تو مرزاجی کے سوا دیگر مدعیانِ نبوت کے لئے بھی رستہ کھلا رہیگا۔ اور اُن کی تکذیب و تردید کے لئے ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں ہوگی۔ کیونکہ جب ہم (معاذ اللہ) ختم نبوت کے دلائل کو ایک دفعہ مرزاجی کیلئے بیکار و غیر مفید سمجھ چکے تو وہ اب دوسروں کے مقابلے میں بکار و مفید نہیں ہو جائینگے، چنانچہ اسی خیال نے کئی ایک احمدیوں کو جرات دلادی کہ اُنہوں نے نبوت کا کھلا دعوٰے کردیا، عبداللہ تیماپوری، احمد نور کابلی۔ نبی بخش کنسٹیبل و ماسٹر محمد سعید (ہر دو از ضلع سیالکوٹ) عبداللطیف (از ضلع جالندھر) فضل احمد (از ضلع راولپنڈی) وغیرہم۔ غرض یہ سب مدعیان نبوت اور ان جیسے دیگر جو آیندہ پیدا ہونگے، وہ سب اُنہی ہتھیاروں سے مسلح ہو کر آئے ہیں اور آئینگے۔ جو مرزاجی نے خود پہنے اور اِن کو بھی پہنائے۔ پس قادیانی حضرات مصدقین نبوتِ مرزاجی کا کوئی حق نہیں کہ اُن ہتھیاروں سے مرزاجی کو سجا دیکھ کر تو جری اللہ فی حلل الانبیاء مان لیں اور دیگروں کو جو اُسی روپ میں اور انہی ہتھیاروں سے سجے ہوئے ہیں۔ کاذب و مفتری قرار دیں، تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى (یہ تو بے انصافی کی تقسیم ہے)

وجہ سوم نبوت کا حصول دُعا و التجا سے نہیں، بلکہ وہ خدا تعالے کی دین ہے۔ وہ اپنے انتخاب سے جسے چاہتا ہے۔ نبی بناتا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

(۱) وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ط (القصص پ ۲۰)	(۱) اور اے پیغمبر! تجھے کچھ امید نہیں تھی۔ کہ تیری طرف کتاب اُتاری جائیگی۔ لیکن تیرے رب کی رحمت کی وجہ سے اُتری

اسی معنے میں کہا گیا ہے ؎

خدا کی دین کا موسٰے سے پوچھئے احوال ۔۔۔ آگ لینے جائیں، پیغمبری ملجائے ،

شُبہ دوم

قادیانی حضرات سادہ مسلمانوں کو دوسرا شبہ یہ ڈالتے ہیں کہ خَتَمَ کے معنے ہیں مُہر کرنا نہ کہ انجام دینا چنانچہ صراح میں ہے:۔ خَتَمَ، مُہر کردن، پس خَاتَمَ النَّبِیّٖن سے مراد یہ ہے۔ کہ آنحضرت صلعم کے بعد جو کوئی بھی نبی پیدا ہوگا۔ وہ آنحضرت صلعم کی اتباع سے ہوگا گویا کہ آنحضرتؐ نے اسکی نبوت پر مُہرِ تصدیق لگا دی۔ (ھٰکذا)

اِس کا جواب

یہ سراسر مغالطہ اور دھوکا ہے ورنہ اِس صورت میں تو یہ آیت اجرائے نبوّت کی دلیل ہوگی۔ نہ کہ اختتام کی اور یہ خدا تعالےٰ کی منشاء کے خلاف ہے۔ بلکہ کتاب اللہ کی تحریفِ معنوی ہے۔ یہودیوں کی بھی یہی چال تھی۔ کہ وہ کتاب اللہ کے کلمات کو اُن کے اُن معنوں سے جن پر وہ چسپان ہوتے پھیر کر اور طرف لگا لیتے چنانچہ فرمایا:۔

(۱) یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ (مائدہ پ۶)	(۱) بدلتے ہیں بات کو اُس کے ٹھکانے سے“
(۲) یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِہٖ (پ۶)	(۲) بے اسلوب کرتے ہیں بات کو اُسکا ٹھکانا چھوڑ کر“

یہی حال قادیانی اور قادیانیوں کا ہے۔ کہ آیات اللہ اور احادیث رسول اللہ صلعم کو خلافِ منشائے الٰہی اور خلافِ مراد رسول خدا صلعم بے ٹھکانا کر کے اختتام کو اجرا بنا لیتے ہیں، آنحضرت صلعم جن پر قرآن شریف اُترا وہ تو اسی آیت کو پیش کر کے فرمائیں کہ میں آخری نبی ہوں، نبوت اور رسالت میرے بعد منقطع ہوگئی، میں قصرِ نبوت کی آخری اینٹ ہوں۔ میں عاقبؐ ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ میرے بعد نبی بننے والا دجّال وکذّاب ہے۔ جیسا کہ اوپر مفصل گذر چکا اور قادیانی صاحبان یہ کہیں کہ اِس کے یہ معنے ہیں کہ آگے کو آنحضرتؐ کی مُہرِ تصدیق سے نبی بنتے رہینگے گویا کہ نبوت کی ٹکسال کھل جائیگی۔ توبہ استغفر اللہ!!

آیئے! ہم آپ کو بتائیں کہ صراح میں کیا لکھا ہے اور کسی کے انجام اور اُسپر مہر لگانے میں کیا مناسبت ہے، دیکھئے! جہاں صراح میں ختم کے معنے مُہر کردن لکھے ہیں۔ وہاں یہ بھی لکھا ہے:۔

”تمام گردانیدن، یُقَالُ خَتَمَ اللّٰہُ لَہٗ بِالْخَیْرِ وتمام خواندن قرآن را، اختتام بپایاں بردن“

”نقیض الافتتاح“ ۱۲

یعنے خَتَمَ کے معنے تمام کرنے کے بھی ہیں، چنانچہ محاورہ ہے۔ خُدا اُسکا خاتمہ بالخیر کرے“ اور تمام قرآن شریف کو پورا (شروع سے آخر تک) پڑھجانے کو بھی ختم کہتے ہیں۔ اور اختتام کے معنے ہیں کسی کام کو ”انجام دینا“

اور یہ نقیض ہے افتتاح کی، یعنے جس طرح افتتاح کسی کام کے شروع کرنے کو کہتے ہیں اُس طرح اس کے انجام دینے کو اختتام کہتے ہیں۔

اور دیکھئے صراح میں یہ بھی لکھا ہے :-

"خَاتِمَۃُ الشَّیْئِ اٰخِرُہٗ و محمّدٌ خَاتَمُ الْاَنْبِیَاءِ بِالْفَتْحِ

صلوات اللہ علیہ وعلیھم اجمعین ۱۲"

اور مُہر لگانے اور اختتام یعنے انجام دینے میں مناسبت یہ ہے۔ کہ مُہر انجام و اختتام پر لگائی جاتی ہے۔ چنانچہ یہ بھی صراح ہی میں لکھا ہے :-

"خِتَام گِل و موم کہ بروے مُہر کنند، وقولہ تعالیٰ خِتَامُہٗ مِسْکٌ

ای اٰخِرُہٗ ۱۲"

اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحب اس آیت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں "اُسکی مُہر جمتی ہے مُشک (کستوری) پر"

اس تفصیل سے معلوم ہوگیا۔ کہ مُہر نبوت سے مراد اختتامِ نبوت ہے نہ کہ اجرائے نبوت، چنانچہ یہ معنے حضرت علی رض والی حدیث صحیح بخاری سے واضح ہیں۔ جو سابقاً صــ میں گذر چکی کہ آنحضرت صلعم نے سفر تبوک پر تشریف لیجاتے وقت انکو فرمایا تھا:-

الا ترضیٰ ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لیس نبی بعدی (صحیح بخاری)	اے علی رض! کیا تو راضی نہیں کہ تجھے مجھسے نسبت ہو جو ہارون کو موسیٰ سے تھی، مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی ہونیوالا نہیں۔

اس حدیث سے صاف واضح ہے کہ آنحضرت صلعم اپنے بعد نبوت کی بندش کی بابت فرمارہے ہیں نہ کہ جاری ہونے کی بابت،

شبہ سوم

قادیانیوں کا یہ مُغالطہ پہلے مُغالطہ کی طرح بڑا بھاری ہے۔ اور وہ اِس میں بہت زور لگایا کرتے ہیں، وہ یہ کہ جب کسی شخص کو مثلاً خاتم الحفاظ، خاتم المحدثین، خاتم الشعرا کہا جاتا ہے۔ تو اِس سے مراد یہ نہیں ہوتی کہ دوسرا کوئی حافظ یا محدث یا شاعر اس کے بعد نہیں ہوا یا نہ ہوگا۔ بلکہ اس سے یہ مراد ہوتی ہے۔ کہ وہ شخص حفظ یا حدیث دانی یا شعر میں سب سے افضل ہے۔ کیونکہ لفظ خاتم بفتح تا جب جمع کی طرف مضاف ہو تو شکے

سلہ مطبوعہ مصر جلد ۳ صـ۵۹۶، ۱۲ منہ

معنے افضل کے ہوتے ہیں۔ چنانچہ وہ اُسکی تائید میں ذیل کی تائیدیں پیش کرتے ہیں؛۔

(۱) آنحضرت صلعم نے اپنے چچا حضرت عباس رضؓ سے فرمایا:۔ اِطْمَئِنَّ یَا عَمِّ فَاِنَّكَ خَاتَمُ الْمُهَاجِرِیْنَ فِی الْهِجْرَةِ كَمَا اَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ فِی النُّبُوَّةِ (کنز العمال جلد ۶ - ص۱۷۸)

اگر خاتم کے معنے آخری کئے جائیں۔ تو کیا حضرت عباس رضؓ کے بعد کسی نے ہجرت نہیں کی؟

(۲) ابو تمام طائی مؤلف دیوان حماسہ کی وفات پر حسن بن وہب عربی شاعر نے مرثیہ لکھا اُسمیں یہ شعر بھی ہے

فُجِعَ الْقَرِیْضُ بِخَاتَمِ الشُّعَرَاءِ ــــ وَغَدِیْرِ رَوْضَتِهَا حَبِیْبِ الطَّائِیْ

تو کیا ابو تمام کے بعد کوئی شاعر نہیں ہوا؟

نیز قادیانی کہتے ہیں کہ خاتم انگوٹھی کو کہتے ہیں۔ اور انگوٹھی زینت کے لئے ہوتی ہے۔ پس خاتم النبیین کے معنے یہ ہیں کہ آنحضرت صلعم نبیوں کی زینت ہیں۔

اِس شُبہ کا جواب

یہ شبہ سراسر باطل اور بے بنیاد ہے، علاوہ اِس کے کہ یہ احادیث صحیحہ اور ائمہ دین اور ائمہ لغت کی تصریحات کے خلاف ہے۔ اگر قادیانی سخن ساز تھوڑی سی عقل سے بھی کام لیتے تو اُن کو معلوم ہو جاتا۔ کہ اُنکی یہ توجیہ اُنکو مفید مطلب نہیں ہے۔ بلکہ سراسر اُن کے خلاف ہے۔ بلکہ اُن پر اقبالی ڈگری ہے۔ لیجئے ہم پہلے اُن کی عقلمندی بتاتے ہیں۔ پھر احادیث صحیحہ اور ائمہ دین اور ائمہ لغت کی تصریحات بتائینگے۔ پھر اُن کی پیش کردہ حدیث اور شعر کا جواب بتائینگے۔ واللہ الموفق،

(۱) اِس حدیث اور اس شعر سے قادیانیوں پر اقبالی ڈگری یوں ہے۔ کہ افضلیت کمال کا آخری درجہ ہوتا ہے۔ جبتک آپ اِسے نہیں مانینگے۔ افضلیت نہیں منوا سکینگے۔ پس یہ توجیہ ہمیں مفید ہے۔ اور آپ لوگوں کو مضر۔ فافہم

تنبیہ خاتمیت کا وجہِ فضیلت ہونا دیگر امر ہے۔ اور یہ بات کہ اِس کا معنے ومفہوم لغوی افضل ہے۔ دیگر امر ہے جو غلط ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا:۔

فُضِّلْتُ عَلَى الْاَنْبِیَاءِ بِسِتٍّ اُعْطِیْتُ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ، وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ، وَاُحِلَّتْ لِیَ الْمَغَانِمُ وَجُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ طَهُوْرًا وَّمَسْجِدًا وَّاُرْسِلْتُ	میں چھ امروں کی وجہ سے دیگر انبیاء پر فضیلت دیا گیا ہوں۔ (۱) مجھے جامع کلمات عطا ہوئے ہیں۔ اور (۲) میں رعب سے مدد دیا گیا ہوں۔ اور (۳) میرے لئے غنیمتیں حلال کی گئیں۔ اور (۴) زمین کی خاک تک تیمم

اِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً وَّخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّوْنَ ۔ (صحیح مسلم جلد اوّل ص۱۹۹ کتاب المساجد)	دضو اور غسل کی جگہ پاکیزگی دینے والی بنائی گئی اور (۵) میں تمام خلقت کی طرف رسول بناکر بھیجا گیا ہوں (۶) اور انبیاء میرے آنے سے ختم کئے گئے

اِس حدیث میں صریحاً مذکور ہے کہ ختمِ نبوّت آنحضرت صلعم کی وجہ فضیلت ہے جس طرح کہ دیگر پانچ چیزیں بھی وجوہ فضیلت ہیں پس جس طرح دیگر امور جو اِس حدیث میں مذکور ہیں۔ اُن کے معنے لغوی افضلیت کے نہیں ہیں اسی طرح ختم نبوت کے معنے بھی افضلیت کے نہیں ہیں۔ چنانچہ ہمارے اِس بیان کی تائید حافظ ابن حجر رح کے مندرجہ ذیل استنباط سے بھی ہوسکتی ہے۔ جو اُنہوں نے صحیح بخاری کے باب فی خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ کی مندرجہ حدیثِ نبوت کے ضمن میں لکھا ہے:۔

وفی الحدیث ضرب الامثال للتقریب للافهام وفضل النبی صلی الله علیه وسلم علی سائر النبیین وان الله ختم به المرسلین واکمل به شرائع الدین (فتح الباری دہلوی جزء ۱۴ ص۳۱۴)	اس حدیث میں افہام وتفہیم کے لئے ضرب الامثال کے بیان کرنے اور دیگر انبیاء پر آنحضرت صلعم کی فضیلت کی دلیل ہے اور نیز اس بات کی کہ خدا تعالیٰ نے آپ کی آمد پر رسلوں کو ختم کر دیا۔ اور آپ سے شریعت کے سب امور کامل کر دئے

سب سے بڑھکر یہ کہ آنحضرت صلعم ہی فرماتے ہیں۔ اَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ (صحیح بخاری ص۴۴۶) اور آنحضرت ہی فرماتے ہیں اِنِّي آخِرُ الْاَنْبِيَاءِ (صحیح مسلم جلد اول ص۴۴۶) تو اُس کے بعد کس کا سر پھرا ہے کہ وہ یہ کہے کہ خاتم کے معنے آخری نہیں ہیں،

مزید براں یہ کہ ائمہ لغت کی تصریحات جو سابقاً مذکور ہو چکی ہیں۔ اُن کے علاوہ تصریحات ذیل بھی ملاحظہ فرمائیں اور پھر قادیانیوں کے علم وایمان کی داد دیں۔

(۱) منتہی الارب میں زیر لفظ خاتم لکھا ہے:۔ وآخرِ ہر چیز و پایانِ آں و آخر قوم ۔ وخَاتَم بالفتح مثله ومحمد خاتم الانبیاء صلی الله علیه وعلیهم اجمعین (منتہی جلد اول ص۲۹۵) یعنے خاتِم (بالکسر) کے معنے ہیں ہر چیز کا آخر اور اِس کا انجام اور قوم کا آخری شخص، اور خَاتَم بالفتح بھی اسی کی مثل ہے یعنی اِسی کا ہم معنے ہے۔ اور **محمد** صلعم انبیاء علیہم السلام کے خاتَم ہیں، (یعنے آخری نبی ہیں)،

نیز اُسی میں ہے خاتمة کصاحبة آخر چیزے و پایانِ آں ۔ یعنے خاتمہ کے معنے ہیں ہر چیز کا آخر اور اُس کا انجام

نیز اُسی میں ہے۔ خَتَمَ الشَّيْءَ خَتْمًا کے معنے یہ ہیں کہ وہ اُس کام کے آخر کو پہنچگیا، یا یوں کہو کہ اُس نے اُسے تمام کر دیا یا یوں کہ اُسنے اُسے تمام پڑھ لیا، غرض اس کے سب محاورات میں آخر اور انجام کے معنے پائے جاتے ہیں

(۲) علامہ فیومی لغوی "المصباح المنیر میں فرماتے ہیں۔ ختمتُ القراٰن حفظتُ خاتمته وھی اٰخرہ والمعنی حفظته جمیعه عن ظھر غیب (ج ۱ - ص۲۶۰)

(۳) علامہ زمخشری اساس البلاغت میں فرماتے ہیں ختم القراٰن وکلّ عمل اذا اتمه وفرغ منه و التحمید مفتتح القراٰن والاستعاذة مختتمه (جلد اوّل - ص۲۱۷) یعنی ختم قرآن اور ہر عمل کے ختم کرنے کے معنے ہیں اُسے پورا کر دینا اور اُس سے فراغت حاصل کرنا، اور قرآن شریف کا افتتاح یعنے شروع خُدا کی حمد سے ہے۔ یعنے سورۃ الحمد سے قرآن شروع ہوتا ہے اور قرآن کا اختتام یعنے اخیر استعاذہ پر ہے۔ یعنے اس کے اخیر پر سورت قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ہے۔

(۴) شیخ محمد طاہر ؒ اپنی مایہ ناز کتاب لغات حدیث مجمع بحار الانوار میں زیر لفظ ختم فرماتے ہیں فنظرتُ الی خاتم النبوۃ بکسر تاء ای فاعل الختم وھو الاتمام وبفتحھا بمعنے الطابع ای شئی یدل علی انه لا نبی بعدہ (جلد اوّل ص۳۲۵) یعنے حدیث میں جو یہ آیا ہے۔ کہ ایک صحابی کہتا ہے۔ کہ میں نے آنحضرت صلعم کی مُہر نبوت کی طرف دیکھا تو اس کا حاصل یہ ہے۔ کہ وہ آنحضرت صلعم کے مونڈھوں کے درمیان) اَیسی چیز تھی جو اس بات پر دلالت کرتی تھی۔ کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ خواہ اِس لفظ کو خاتم بصیغہ اِسم فاعل پڑھیں۔ خواہ بالفتح بمعنے طابع پڑھیں۔ کیونکہ ختم کے معنے پورا اور تمام کرنے کے ہیں۔ اِس کے علاوہ اِسی مجمع البحار میں کئی ایک احادیث مذکور ہیں۔ جنہیں خواتم اور خواتیم کا لفظ وارد ہے۔ اور اُن سب میں اِس کے معنے ہیں اٰخر شیٔ مثلاً حدیث استودع اللّٰہ امانتك وخواتیم عملك ای اٰواخرہ، اور حدیث اوتیتُ جوامع الکلم وخواتمه ای القراٰن خُتمتْ به الکتب السّماویة اور حدیث والقراءۃ بالخواتیم ای باٰواخر السور اور حدیث ثم قرء العشر الاٰیات الخواتم صفة لعشر وھی ان فی خلق السمٰوٰت الخ

اِسی طرح ایک اور لفظ اِسی مادہ ختم سے خِتام ہے۔ جو قرآن وحدیث میں یوں وارد ہے خِتَامُهٗ مِسْكٌ (سورت تطفیف پ۳۰) اسکی نسبت مجمع البحار میں لکھا ہے۔ خِتَامُهٗ مِسْكٌ ھو طین یختم به ع ای اٰخرہ طعم المسك۔ اور اِسی میں بالخصوص خاتَم اور خاتِم کے متعلق لکھا ہے۔ وَالخَاتَمُ وَالخَاتِمُ من اسمائه صلی اللّٰہ علیه وسلم، ش بالفتح اسم ای اٰخرھم،

اِن تصریحات کے بعد کسی ایماندار کے لئے خاتم النبیّین کے معنے اٰخر الانبیاء ماننے کے متعلق

کسی قسم کے شک وتردد کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ یہ معنے خود آنحضرت صلعم کی زبان مبارک کے فرمائے ہوئے ہیں۔ اور آپ کے بعد جملہ صلحائے اُمت کیا محدثین اور کیا لغویین اور کیا فقہا اور کیا صوفیا اور کیا متکلمین سب کے سب اس کے یہی معنے کرتے اور مانتے آئے اور سب کا ایمان یہی رہا۔ کہ نبوت آنحضرت پر ختم ہوگئی اور آپ اس سلسلہ کے آخری نبی ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں ہوگا۔ اگر ایسا کوئی شخص ایسا دعوے کرے تو وہ دجال اور کذاب ہے۔

(۳) اب حضرت **عباس** رضؓ کی ہجرت والی حدیث کا جواب سُنئے، کہ فتح مکہ سے پیشتر ہجرت الی المدینہ فرض تھی۔ تاکہ تمام مسلمان مرکز اسلام یعنے مدینہ شریف میں جمع ہوکر قوت بھی پکڑ جائیں، اور کفار کے مظالم سے بھی بچے رہیں۔ لیکن جب رمضان **۸ھ** میں مکہ شریف فتح ہوگیا۔ تو اسلام غالب وقوی ہوگیا۔ اور کفر کا زور ٹوٹ گیا۔ تو آنحضرت صلعم نے پہلا حکم یعنے فرضیت ہجرت منسوخ کردیا۔ اور فرمادیا۔ **لَا هِجْرَةَ بَعْدَ فَتْحِ مَكَّةَ**[ٰلہ] (بخاری) یعنے فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے،، اور حضرت عباس رضؓ نے فتح مکہ سے قدرے ہی پیشتر ہجرت کی تھی چنانچہ خاتمۃ الحفاظ حافظ ابن حجر رحؒ اصابہ میں حضرت عباس رضؓ کے ترجمہ میں فرماتے ہیں:-

هَاجَرَ قَبْلَ الْفَتْحِ بِقَلِيْلٍ وَشَهِدَ الْفَتْحَ (جلد سوم صـ۶۶۸ مطبوعہ کلکتہ) یعنی حضرت عباسؓ نے فتح مکہ سے چندے پیشتر ہجرت کی اور آپ فتح مکہ میں حاضر تھے،،

آپ کے ہجرت کرنے کے بعد کسی دیگر شخص کی ہجرت ثابت نہیں ہے۔ پس حضرت عباس رضؓ **آخری** مہاجر ہوئے۔ اِس سے بھی ثابت ہوا کہ خاتم کے معنے **آخری** ہیں۔

تنبیہ آنحضرت صلعم نے حضرت عباس رضؓ کو جو خاتم المہاجرین فرمایا۔ تو اِس سے آپ کا مقصود حضرت عباس رضؓ کی دلداری اور تسلّی خاطر ہے۔ کیونکہ حضرت عباس رضؓ نے خیال کیا۔ کہ **مجھ سے** سابقیتِ ہجرت فوت ہوگئی ہے کیونکہ وہ ہجرت کے بہت پیچھے ایمان لائے تھے پس آنحضرت صلعم نے اُنکی تسلّی فرمائی۔ کہ چچا جان! سابقیت کے فوت ہونے کا غم نہ کریں۔ کیونکہ جس طرح سابقیت وجہِ فضیلت ہوسکتی ہے اِسی طرح خاتمیت بھی ہوسکتی ہے چنانچہ میں خاتم الانبیاء ہوں اور آپ خاتم المہاجرین ہیں۔ چنانچہ یہ بات آپ کے الفاظ اِطْمَئِنَّ یَا عَمِّ سے ظاہر ہے یعنے چچا جان! آپ تسلّی رکھیں،،

ٰلہ اس کا قصہ یوں ہے کہ فتح مکہ پر حضرت مجاشع بن مسعود سلمی اپنے بھائی مجالد کو آنحضرت صلعم کی خدمت میں لایا کہ میرا یہ بھائی آپ کے دست مبارک پر ہجرت کی بیعت کرنا چاہتا ہے۔ اسپر آپ نے فرمایا۔ فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے لیکن میں اسلام پر اسکی بیعت لے لیتا ہوں۔ (بخاری جزء ۱۲ صـ۱۳۶)

اور ابو تمام کے مرثیہ کے شعر میں جو اُسے خاتم الشعرا کہا گیا ہے تو وہ شاعر کے ظن کی بنا پر ہے کہ اُس کے نقطۂ خیال میں ابو تمام اِس کمال کا **آخری شخص** تھا۔ پس اگر کوئی دیگر شخص ابو تمام کے برابر بلکہ اُس سے بڑھکر بھی ثابت ہو جائے تو ہو سکتا ہے کیونکہ حسن بن وہب شاعر عالم الغیب نہیں تھا کہ اُسکا قول غلط نہ نکلے۔ لیکن جناب والا! یہاں تو خدا تعالےٰ جو عالم الغیب ہے آنحضرت صلعم کی نسبت فرما رہا ہے۔ کہ آپ **خاتم النبیین** ہیں اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہ ذات پاک ہیں جنپر خدا تعالےٰ بعض مغیبات کھولتا ہے آپ اُسکی تفسیر **آخر الانبیاء** سے کرتے ہیں تو آپ اِن دونوں (خدا تعالےٰ اور اُس کے رسول پاکؐ) میں سے کس کو حسن بن وہب جیسا گمان کر سکتے ہیں۔ کہ اُسکا علم ناقص و قاصر ہے اور اُسے حسن بن وہب کی طرح غیب پر اطلاع نہیں ہے۔ توبہ کرو استغفار پڑھو۔ ایسے واہی تباہی شکوک و شبہات کی بنا پر اپنے ایمان کی بے بہا متاع کو ضائع نہ کرو۔ اور دیگر لوگوں کے ایمانوں کو بھی خراب کرنے اور گمراہی میں ڈالنے کا بارِ گراں اپنے کمزور کندھوں پر نہ اُٹھاؤ۔

اب ہم اِس بیان کو کافی جانکر اِس مضمون کو ختم کرتے ہیں، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ مُلْهِمِ الْحَقَائِقِ،

فصل دوم

سورت فاتحہ کے بعد آمین پکارنے کی بابت

صحیح اور حسن ہر دو طرح کی احادیث سے ثابت ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جہری نماز میں سورت فاتحہ کے ختم پر بلند آواز سے **آمین** پکارتے تھے۔ (ابوداؤد، دارقطنی۔ ابن ماجہ، ترمذی وغیرہا)

لفظ آمین کا اصل اور اُس کے معنے

انگریزی لغت نویس اسے عبرانی الاصل لکھتے ہیں اور اِس کے معنے یہ لکھتے ہیں[1] "So let it be" یعنے یہ بات اسی طرح ہو"

عربی لغت نویس بھی اس کے یہ معنے بتاتے ہیں، چنانچہ لسان العرب میں ہے:۔ وَقِيْلَ مَعْنٰی "اٰمِيْنَ" كَذٰلِكَ يَكُوْنُ" یعنے ایسا ہی ہو" اور یہ معنے بھی لکھتے ہیں:۔ اَللّٰهُمَّ اسْتَجِبْ یعنے خداوندا! قبول فرما"

قطع نظر اِس سے کہ یہ لفظ اصل میں کس زبان کا ہے۔ عربی زبان میں اُس کے ماضی و مضارع کی گردان اور تبویب اسی طرح ہوتی ہے۔ جس طرح دیگر عربی الاصل الفاظ کی ہوتی ہے۔ مثلاً اٰمَنَ يُؤْمِنُ تَأْمِيْنًا،

[1] ویبسٹر اور نٹال وغیرہ ۱۲ منہ

ہو سکتا ہے کہ یہ لفظ عبرانی ہو اور عربوں نے اس میں تصرف کر کے اسے عربی سانچے میں ڈھال لیا ہو کیونکہ اس کا استعمال سوائے باب تفعیل کے اور صورت میں نہیں پایا گیا۔ اور عرب لوگ دوسری زبان کے الفاظ کو باب تفعیل میں لا کر اس پر عربی رنگ چڑھا لیتے ہیں۔ دیگر یہ کہ اس کا تلفظ آمین (بالمد) اور اَمین (بالقصر) ہر دو طرح پر مستعمل ہے۔ فعیل تو عربی الفاظ کا وزن ہے۔ لیکن فاعیل (بالالف) کوئی وزن نہیں ہے (المصباح المنیر) لہٰذا یہ لفظ عربی الاصل نہیں ہے۔ چنانچہ ذیل کے بیان سے بھی اسکی تائید ہو سکتی ہے۔

آمین کا رواج دعا کے موقع پر آمین کا دستور ملت ابراہیمی کی ہر سہ شاخوں میں برابر پایا جاتا ہے۔ یعنے یہودیوں میں بھی، عیسائیوں میں بھی اور مسلمانوں میں بھی۔

سورت یونس پ۱۱ میں وارد ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ نے فرعون اور فرعونیوں کے حق میں بددعا کی تو اسپر خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ قَدْ اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُکُمَا یعنے تمہاری دعا قبول ہو چکی ہے۔ دعا کرنے کے وقت صرف حضرت موسےؑ کا ذکر ہے۔ لیکن قبولیت کی بشارت کے وقت اسے ہر دو (حضرت موسیٰ و حضرت ہارونؑ) کی طرف مضاف کیا ہے۔ کیونکہ دَعْوَتُکُمَا میں کُمَا ضمیر مخاطب تثنیہ کی ہے اسکی بابت تفسیر سراج منیر[۱] میں لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ حضرت موسےؑ دعا مانگتے تھے۔ اور حضرت ہارونؑ آمین پکارتے تھے، چونکہ آمین کہنے والا بھی شریک دعا ہوتا ہے اسلئے مقام بشارت میں دعا کو ہر دو کیطرف مضاف کیا۔

نیز اس کا حوالہ زبور نمبر (۴۱)، آیت (۱۳) میں اور زبور نمبر (۱۰۶)، آیت (۴۸) میں بھی ملتا ہے۔ جس سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ کہ یہ لفظ عبرانی الاصل ہے۔ واللہ اعلم۔

عیسائیوں میں بھی آمین کا رواج برابر پایا جاتا ہے۔ اور وہ دعا و مناجات کے وقت باظہار اخلاص آمین پکارتے ہیں۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ آمین کا رواج ملت ابراہیمی کی ہر سہ شاخوں (یہود، نصاریٰ، اور مسلمین) میں برابر پایا جاتا ہے۔ اور یہ عبادت گذار لوگوں میں قدیمی دستور ہے۔

سورت فاتحہ اور آمین سورت فاتحہ کا ابتدائی حصہ اسمائے الٰہیہ اور اسکی حمد و ثنا اور اسکی صفات جلال و جمال میں ہے۔ درمیانی حصہ یعنے اِیَّاکَ نَعْبُدُ الآیہ میں اظہار عبودیت و احتیاج کا طریقہ بتایا گیا ہے۔

---

[۱] یہ توجیہ یعنے حضرت موسےؑ کا دعا کرنا اور حضرت ہارونؑ کا آمین پکارنا دیگر تفاسیر مثلاً خازن، ابن کثیر میں بھی مذکور ہے، لیکن اسکی نسبت حضرت ابن عباسؓ کی طرف سراج منیر میں مذکور ہے۔ اسلئے متن میں اسی کا ذکر کیا گیا ہے ۱۲ منہ

اور اخیر میں دعا و التجا کی تعلیم ہے اِسی دُعا و التجا کی وجہ سے اِس سورت کا نام سورۃ تعلیم المسئلہ - والدعا والمناجات بھی ہے یعنے ایسی سُورت جسمیں خدا تعالےٰ سے درخواست و سوال اور دعا کرنے اور اُس سے راز و نیاز کی باتیں کرنے کی تعلیم ہے پس جب یہ سورت دُعا اور مناجات اور درخواست و عرضِ معروض کی بھی متضمن ہے تو اِس کے خاتمہ پر آمین کا پکارنا نہایت موزون و مناسب ہے - یوں سمجھئے کہ جو کچھ اِس سورت کی قراءت میں بالتفصیل درگاہ الٰہی میں عرض کیگئی ہے - آمین میں اُسی کی درخواست بالاجمال کیگئی ہے - اور اسی مناسبتِ تفصیل و اجمال کی وجہ سے حضرت موسےٰ کے ساتھ حضرت ہارون نے آمین پکاری تھی، یعنے جو کچھ حضرت موسےٰ نے مفصلاً عرض کیا - وہی حضرت ہارون نے بالاجمال طلب کیا - اور یہی سِرّ اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ جب تم میں سے کوئی آمین کہتا ہے - تو آسمان میں فرشتے بھی آمین کہتے ہیں پس جسکی آمین کو ملائکہ کی آمین سے موافقت و مناسبت ہوگئی - اُسکے جملہ گذشتہ گناہ بخشے گئے (صحیحین) ملائکہ کی طہارت و پاکیزگی اور ذکر و عبادتِ الٰہی اُنکا مایۂ حیات ہونا معلوم ہے - اور بنی آدم کی کمزوری اور پریشانیٔ خاطر بھی معلوم ہے - پس جب بنی آدم بھی خشوع و خضوع اور حضورِ قلب و توجہ الی اللہ اور ذوق و شوقِ عبادت اور اخلاصِ دلی حاصل کرلیں - اور فرشتوں کی جماعت اُن کی دعا و آمین کے ساتھ آمین پکارے تو اُس عبادت و قراءت اور دُعا و آمین کا جو مرتبہ بڑھ سکتا ہے - وہ اہل دل کیلئے محتاج بیان نہیں -

اسرار و فضائل آمین بنی آدم کے ذکر و عبادت اور دعا و مناجات کی مجالس میں بوجہ روحانی مناسبت کے ملائکۃ اللہ بھی شامل ہوتے ہیں - جیساکہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا :-

ان للہ ملائکۃ یطوفون فی الطرق یلتمسون اھل الذکر الخ (حصن حصین ص۱۴۸)	خدا تعالےٰ کے بعض فرشتے ہیں جو رستوں میں پھرتے رہتے ہیں (اور) اہل ذکر (خدا یاد لوگوں) کو تلاش کرتے رہتے ہیں -

اُس مجلس ذکر و عبادت میں بنی آدم کا اخلاص و حضورِ قلب جسقدر زیادہ ہوگا - اُسی قدر ملائکۃ اللہ سے مناسبت زیادہ ہوگی - اور عالمِ ناسوت اور عالمِ ملکوت کے یہ اخلاص بھرے کوائف روحانیہ عالمِ بالا میں صعود کرکے شرفِ قبولیت پانے کے لائق ہوجاتے ہیں چنانچہ سورت فاطر میں فرمایا :-

اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ (فاطر پ۲۲) یعنے اُسی خدا کی طرف چڑھتا ہے کلمہ طیب اور وہی (خدا) عمل صالح کو بلند کرتا ہے[1]۔

[1] یرفعہ کی ضمیر فاعلی اور مفعولی کے لحاظ سے مفسرین سلف نے اس آیت کے دو اور معنے بھی لکھے ہیں - (۱) اسی خدائے تعالےٰ کی طرف چڑھتا ہے کلمہ طیب اور وہ کلمہ طیب عمل صالح کو بلند کرتا ہے - یعنے کلمہ طیبہ جو لا الہ الا اللہ ہے - یعنے خدا کی توحید کا اقرار و ایقان عمل صالح کے مقبول ہونیکا ذریعہ و سبب بنتا ہے ورنہ بغیر ایمان کے کوئی عمل بھی قبول نہیں ہوتا ۱۲ (۲) اُسی خدائے تعالےٰ کیطرف چڑھتا ہے ہر کلمہ طیب (جو بھی پاک کلمہ ہو) اور عمل صالح اس کلمہ کو بلند کرتا ہے یعنی زبان سے کوئی پاک کلمہ کہنے کے ساتھ اگر عمل صالح بھی شامل ہو تو وہ زبان کے کلمات بھی قبول ہوجاتے ہیں - ورنہ محض زبانی جمع خرچ بغیر عمل کے قبول نہیں ہوتا۔ (تفسیر معالم وغیرہ) ۱۲ منہ

ایسے خلوص و انابت کی حالت میں فرشتوں کی شمولیت میں جو دُعا کی جائے وہ قبولیت کے نہایت قریب ہو جاتی ہے چنانچہ اِسی معنے کو آنحضرت صلعم نے اس حدیث میں سمجھایا ہے کہ :-

اذا امّن الامام فامّنوا فانه من وافق تامینه تامین الملائکة غفرلهٗ ما تقدم من ذنبه قال ابن شهاب کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول اٰمین (صحیحین وغیرہما)

جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو۔ پس حقیقت یہ ہے کہ جس شخص کی آمین کو ملائکہ کی آمین کی موافقت و مناسبت ہو گئی تو اُس کے جملہ گذشتہ گناہ بخشے گئے۔ امام زہری رح جو اس حدیث کے راویوں میں سے ہیں کہتے ہیں کہ آنحضرت صلعم خود بھی آمین پکارا کرتے تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رح اپنی مایۂ ناز و سرمایۂ اعزاز کتاب **حُجّة اللّٰہ** میں یہ حدیث نقل کر کے فرماتے ہیں :-

(اقول) الملائکة یحضرون الذکر رغبة منهم فیه ویؤمّنون علی ادعیتهم لاجل ما یترشح علیهم من الملأ الاعلیٰ وفیه اظهار التأسی بالامام واقامةٌ لسنة الاقتداء (حجة اللّٰہ مطبوعہ مصر جلد ثانی)

(میں کہتا ہوں کہ) فرشتے ذکرِ الٰہی کے وقت اُسمیں رغبت رکھنے کی وجہ سے حاضر ہوتے ہیں اور عبادتگذاروں کی دُعاؤں پر **آمین** کہتے ہیں اُن برکات کی وجہ سے جو انپر ملاءِ اعلیٰ (ملائکہ مقربین و حاملین عرش) سے مترشح ہوتی ہیں۔ اور اسمیں امام کی پیروی کا اظہار بھی ہے اور طریق اقتداء کی اقامت بھی ہے۔

امام - مقتدی اور منفرد ہر ایک آمین کہے

اوپر کے بیان سے واضح ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلعم خود بھی **آمین** پکارا کرتے تھے۔ اور صحابہ رض کو بھی جو آپ کے مقتدی ہوتے تھے۔ **آمین** پکارنے کا حکم فرمایا کرتے تھے۔ اور صحابہ رض اس حکم کو بجالایا کرتے تھے، انہی سب احادیث کا خلاصہ مطلب حافظ ابن قیم رح نے نہایت مختصر الفاظ میں یوں کیا ہے۔

فاذا فرغ من قراءة الفاتحة قال اٰمین فان کان یجهر بالقراءة رفع بها صوته وقالها من خلفه (زاد المعاد جلد ۱ صفحہ ۵۴)

پس جب آپ قراءتِ فاتحہ سے فارغ ہوتے تو کہتے **آمین** پس اگر اونچی قراءت پڑھتے تو **آمین** بھی اونچی کہتے، اور صحابہ رض بھی جو آپ کے پیچھے ہوتے وہ بھی **آمین** کہتے۔

اِس بیان سے امام کا اور مقتدی کا **آمین** پکارنا اور فرشتوں کی حاضری اور فرشتوں کی موافقت اور امام کی پیروی اور اقتدار کا اظہار سب کچھ معلوم ہو گیا اَب صرف یہ باقی رہ گیا ہے۔ کہ کیا **اکیلا نمازی** بھی فاتحہ کے بعد **آمین** کہے۔ سو اس کے لئے تھوڑی سی توجہ درکار ہے۔ کہ جب آمین فاتحہ کے تابع ہے۔ تو اکیلا بھی جب فاتحہ سے فارغ ہو **آمین** کہے۔ حضرت امام شافعی رح **کتاب الاُم** میں فرماتے ہیں :-

واُحِبُّ قَوْلَهَا لِکُلِّ مَنْ صَلّٰی رجل او امرأة او صبی

اور میں (امام شافعی رح) محبوب رکھتا ہوں اِس (آمین) کا کہنا، واسطے

فِیْ جَمَاعَۃٍ کَانَ اَوْ غَیْرِ جَمَاعَۃٍ (جلد اول ص۹۵) | ہر شخص کے جو نماز پڑھے مرد ہو یا عورت ہو یا لڑکا ہو۔ جماعت میں ہو یا غیر جماعت میں ہو"

شیخ عبدالحق حنفی رحمہ شرح سفر السعادت میں فرماتے ہیں:۔

"آمین گفتن بعد قراءتِ فاتحہ در نماز سُنّت است و فضلِ بسیار دارد، خواہ منفرد باشد، خواہ امام وخواہ مقتدی۔ ہر چند امامش نگوید" (ص۵۱)

خاکسار (میر سیالکوٹی) کہتا ہے کہ اِس مسئلہ کا اصل صحیح مُسلم کی حدیث سے ماخوذ ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں:۔ اذا قال احدکم فی الصلوٰۃ اٰمین الحدیث۔ چنانچہ امام نووی رحمہ اس کے ذیل میں فرماتے ہیں:۔ "وَقَدِ اجْتَمَعَتِ الْاُمَّۃُ عَلٰی اَنَّ الْمُنْفَرِدَ یُؤَمِّنُ الخ[۱] یعنی اُمّتِ محمدیہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ منفرد بھی آمین کہے"

اُونچی قراءت کے وقت اُونچی آواز سے اور آہستہ کے وقت آہستہ سے آمین کہے

"جب معلوم ہو چکا کہ آمین سورتِ فاتحہ کے تابع ہے۔ تو اب اسکا طریقِ ادا معلوم کرنا نہایت آسان ہے۔ کہ" "اِسکے ادا کرنے کی کیفیت بھی سورتِ فاتحہ کی ادائگی کے مطابق ہونی چاہیئے۔ یعنے اگر سورتِ فاتحہ اونچی پڑھی جائے" "تو آمین بھی اونچی۔ اور اگر سورت فاتحہ آہستہ پڑھی جائے تو آمین بھی آہستہ کہی جائے جیسا کہ بسم اللہ شریف کے بیان" "میں گذر چکا کہ بسم اللہ شریف اونچی قراءت کے وقت اونچی پڑھی جائے اور خفیہ کے وقت خفیہ پڑھی جائے" "فرق صرف یہ ہے۔ کہ بسم اللہ شریف جزوِ سورت ہے۔ اور آمین جُزو نہیں ہے بلکہ تفصیلی" "دُعا کے خاتمہ پر اجمالی دعا ہے۔ تو جب تفصیلی دُعا اونچی آواز سے مانگی ہے۔ تو اب اجمالی دُعا اونچی آواز" سے کرنے میں کیا قباحت ہے! بلکہ یہ تو موافق و مناسب حال ہونے کی صورت میں نہایت ہی موزوں و معقول ہے۔ آنحضرت صلعم کی سنت یہی ہے۔ جیسا کہ آئندہ بیان سے خُدا کے فضل سے معلوم ہو جائیگا اور خوب یاد رکھیئے اور دل میں گرہ دیکر یاد رکھیئے۔ کہ آنحضرت صلعم کی ہر سُنّت اور آپکی ہر ادا اور آپکا ہر قول اور آپ کا ہر فعل، اور آپ کی ہر حرکت اور آپ کی ہر سکون باحکمت اور نہایت معقول اور مناسبِ وقت اور موافقِ حال ہوتی تھی۔ اور عُقلاء کے نزدیک یہ سب اُمورِ حکمت میں داخل ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو **مُعَلِّمِ حکمت** بنا کر بھیجا۔ چنانچہ فرمایا وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ (جمعہ پ۲۸) یعنے میرا نبی

[۱] امام شوکانی رحمہ نے بھی ایسا ہی لکھا ہے (نیل الاوطار جلد ۱ صفحہ ۱۱۶) ۱۲ منہ نووی جلد اول ص۱۷۶، ۱۲ منہ

(محمد صلعم) لوگوں کو کتاب الٰہی اور حکمت (مناسب طریق عمل) سکھاتا ہے"
لیجئے پہلے آنحضرت صلعم کی سنت سے اسکا ثبوت دیکھئے، پھر اسکی حکمت سمجھئے،
حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا:۔

اذا امن الامام فامنوا فانه من وافق تامينه تامين الملائكة غفر له ما تقدم من ذنبه قال ابن شهاب وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول آمين (موطا امام مالکؒ)	جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو، پس حقیقت یہ ہے کہ جسکی آمین کو فرشتوں کی آمین سے موافقت ہوگئی۔ اُس کے پہلے گناہ بخشے گئے؛ امام زہری کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی آمین کہا کرتے تھے۔

اس حدیث کی صحت میں کسی محدث اور کسی امام کو اختلاف نہیں۔ دنیا جہان کے محدثین نے اسے قبول کیا ہے۔
اوّل اسلئے کہ یہ موطا امام مالک رح کی روایت ہے اور موطا میں جو بھی مسند و مرفوع حدیث مکتوب ہے وہ صحیح ہے۔
دوم۔ اسلئے کہ اسے امام بخاریؒ و مسلمؒ نے بھی صحیحین میں امام مالکؒ کے واسطہ سے ذکر کیا ہے۔
سوم۔ اسلئے کہ شیخین کے علاوہ دیگر ائمہ حدیث نے بھی اِسے امام مالک رح کے واسطہ سے روایت کیا۔ مثلاً امام محمدؒ امام شافعی رح، امام ابوداؤد رح، امام ترمذی رح، امام نسائی رح (من غیر زیادۃ ابن شہاب)، امام بیہقی رح۔ اور بعض دیگر نے امام مالکؒ کی بجائے امام سفیان ابن عیینہ رح وغیرہ کے واسطہ سے روایت کیا اور وہ بھی علم حدیث میں امام مالک رح کی طرح جلیل القدر امام ہیں۔ غرض دنیا جہان کے محدثین کا اس حدیث کی صحت پر اتفاق ہے۔

وجہ استدلال حافظ ابن حجر رح شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:۔

وجه الدلالة من الحديث انه لو لم يكن التامين مسموعا للماموم لم يعلم به وقد علق تامينه بتامينه (فتح الباری مطبوعہ دہلی جزء ۲ - ص۲۲۶)	اِس حدیث سے صورت استدلال کی یہ ہے کہ اگر مقتدی امام کی آمین نہ سُنے تو اُسے اُسکا علم نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ آنحضرت صلعم نے اُسکی آمین کو اُسکی آمین سے وابستہ کیا ہے"!

امام ابن قیمؒ نے اعلام الموقعین میں اس حدیث مذکور الفوق کے متعلق امام شافعی رح کی نہایت مدلل تقریر نقل کی ہے۔ جسکا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

"ربیع کہتے ہیں کہ امام شافعی رح سے کسی نے پوچھا کہ آیا امام اونچی آواز سے آمین پکارے؟ تو آپ نے فرمایا ہاں! بلکہ جو لوگ امام کے پیچھے ہوں (مقتدی) بھی اپنی آوازیں (آمین کے ساتھ) بلند کریں۔ اِسپر میں نے عرض کیا کہ آپکی کیا دلیل ہے؟ تو آپ نے فرمایا۔ انبأنا مالكؒ رح الخ یعنے ہمکو امام مالک رح نے خبر دی اور امام صاحبؒ نے حضرت

" ابوہریرہ رضؓ والی حدیث جسکی صحت پر سب کا اتفاق ہے ذکر کی اور کہا کہ رسول اللہ صلعم کے فرمان "
" (واجب الاذعان) اذا امّن الامام فامّنوا (میں اس بات کی دلالت ہے کہ آپ نے امام کو امر "
" کیا ہے کہ وہ آمین بالجہر کہے، کیونکہ جو اس کے پیچھے ہیں وہ سوائے اس کے اُسکے آمین کہنے کا وقت "
" نہیں جان سکتے۔ کہ وہ آمین سنا کر کہے، پھر یہ کہ ابن شہاب (راوی حدیث) نے (صاف طور پر بیان بھی "
" کر دیا۔ کہ رسول اللہ صلعم آمین کہا کرتے تھے۔ پھر ربیع نے امام شافعی رحؒ سے عرض کیا کہ ہم تو امام کے آواز بلند "
" کرنے کو پسند نہیں کرتے۔ تو آپ نے فرمایا کہ یہ بات (ناپسندیدگی) اس کے خلاف ہے جو تمہارے "
" استاد اور ہمارے استاد نے رسول اللہ صلعم سے روایت کیا۔ اور اگر ہمارے پاس اور ان کے پاس "
" سوائے اس حدیث کے جو ہم نے (ابھی) امام مالک رحؒ سے نقل کی دیگر کوئی بھی علم نہ ہو تو پھر بھی بجا "
" ہے۔ کہ اس بات پر استدلال کریں۔ کہ آنحضرت صلعم بالجہر آمین کہتے تھے۔ اور نیز اس بات پر کہ آپ نے "
" امام کو امر کیا ہے۔ کہ وہ بالجہر کہے۔ کیونکہ اہل علم ہمیشہ اسپر عامل رہتے ہیں۔ اور حضرت وائل بن حجر رضؓ "
" (صحابی) نے بھی روایت کیا۔ کہ نبی صلعم آواز بلند کر کے آمین پکارا کرتے تھے۔ اور اُسے کھینچکر پکارنے "
" کی بھی روایت ہے۔ اور حضرت ابوہریرہ رضؓ اپنے امام سے کہا کرتے تھے کہ (میرے صفوں کی درست "
" کرنے کی حالت میں) مجھ سے پہلے پہلے آمین کہدیا کرنا، اور حضرت ابوہریرہ رضؓ اس وقت اس امام "
" (مروان) کے موذن تھے (امام شافعی رحؒ نے کہا):- "
" نیز ہمکو مسلم بن خالد زنجی مکی رحؒ نے امام ابن جریج مکیؒ سے انہوں نے حضرت عطا (تابعی مکی رحؒ) سے "
" خبر دی کہ حضرت عطاؒ نے کہا کہ میں حضرت عبد اللہ بن زبیر (صحابی مکیؓ) اور اُن کے بعد کے ائمہ کو اور اُن کے "
" پچھلے (مقتدی) لوگوں کو آمین کہتے سنا کرتا تھا حتیٰ کہ مسجد (حرم کعبہ) میں آوازیں (جمع ہو کر) بہت بلند "
" ہو جاتی تھیں۔ الخ (کذا) "
" حافظ ابن قیم رحؒ نے حضرت عطا تابعی رحؒ[۱] سے یہ قول بھی نقل کیا۔ کہ "میں نے اس مسجد (خانہ کعبہ میں) دوسو[۲۰۰] "
" اصحاب رسول اللہ صلعم کو پایا کہ جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہتا تو میں اُنکی آمین (بیک آواز "
" پکارنے) کی گرنج اور لہر سنتا تھا۔ (اعلام الموقعین جلد ۲ - صـ) "

۱ عطا بن ابی رباح اوساط تابعین میں سے بڑے اونچے مرتبہ کے امام ہیں حضرت ابن عباس رضؓ انکی بغایت عزت کیا کرتے تھے۔ امام ابوحنیفہ رحؒ روایت حدیث میں انکے شاگرد ہیں۔ ان کے حق میں آپ کی یہ گواہی ہے ما رأیت فیمن رأیت افضل من عطاء (میزان الاعتدال ترجمہ جابر جعفی) یعنی میں نے جتنے علماء دیکھے ان میں کسی کو عطا سے افضل نہیں دیکھا۔ بڑے بڑے جلیل القدر امام ان کے شاگرد ہیں۔ انہوں نے دوسو اصحاب رسول اللہ صلعم کو دیکھا ہے ۱۱۴ھ میں مکہ شریف میں فوت ہوئے ۱۲ منہ

کہ حدیث مذکور الفوق کی صحت میں کسی کو کلام نہیں، اور وجہِ استدلال جو حافظ ابن حجرؒ اور امام شافعیؒ کے کلام سے بیان ہوئی وہ بھی بالکل صاف ہے۔ اُس میں کوئی پیچیدگی یا تکلف نہیں ہے۔ اور اس کے مطابق خود آنحضرت صلعم کا عمل اور آپ کے پیچھے سینکڑوں صحابہ کرام کا بلند آواز سے آمین پکارنا ایک متبعِ سنت اور جماعتِ صحابہؓ کے پیرو یعنے اہل السنت والجماعت کے لئے کافی سے زیادہ موجبِ طمانیت ہے لیکن ہم اپنے مدعا کو زیادہ واضح کرنے کے لئے اسکی تائید میں دیگر روایات بھی ذکر کرتے ہیں، واللہ الموفق

(۱) سُنن نسائی میں نُعَیم مجمرؓ سے روایت ہے کہ:۔

(۱) عن نُعَیم المجمر قال صلّیتُ وراء ابی هریرةؓ فقرءَ بسم الله الرحمٰن الرحیم ثم قرءَ بام القرآن حتی اذا بلغ غیر المغضوب علیهم ولا الضّآلّینَ فقال اٰمین فقال الناس اٰمین ویقول کلّما سجد الله اکبر واذا قام من الجلوس فی الاثنین قال الله اکبر واذا سلّم قال والذی نفسی بیده انی لاشبهکم صلوٰة برسول الله صلی الله علیه وسلم (نسائی ص۱۵۱)

یعنے حضرت ابوہریرہؓ کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے پڑھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پھر (باقی) سورت فاتحہ پڑھی حتی کہ جب وقت غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پر پہنچے تو کہا آمین پس لوگوں (مقتدیوں) نے بھی کہا آمین اور آپ جب بھی سجدے میں جاتے تو کہتے اللہ اکبر اور جب دوسری رکعت کے تشہد سے کھڑے ہوئے۔ تو کہا اللہ اکبر اور جب سلام پھیری تو کہا قسم اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ کہ میں نماز میں تم سب سے بڑھکر رسول اللہ صلعم کے مشابہ ہوں۔

(۲) حضرت ابوہریرہؓ سے ایک دوسری مرفوع روایت بھی ہے۔ کہ وہ کہتے ہیں کہ:۔

قال کان النّبی صلی الله علیه وسلم اذا فرغ من قراءة ام القرآن **رفع صوته** وقال **اٰمین** (تلخیص الحبیر ص۸۹)

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سورت فاتحہ کی قراءت سے فارغ ہوتے۔ تو اپنی **آواز بلند** کرکے کہتے **آمین**۔

حافظ ابن حجرؒ نے تلخیص ہی میں اِس روایت کی اسناد کی نسبت لکھا ہے:۔

قال الدارقطنی اسناده حسن والحاکم صحیح علی شرطهما والبیهقی حسن صحیح (ص۸۹)

امام دارقطنی رح نے کہا اسکی اسناد حسن ہے۔ اور امام حاکمؒ نے کہا کہ بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے اور امام بیہقی رح نے کہا کہ حسن صحیح ہے۔

[1] نُعیم کا باپ مسجد نبوی کا خادم تھا۔ جو مسجد میں خوشبو دھکایا کرتا تھا جسکی وجہ سے اسکا نام مجمر پڑگیا۔ اِسی وصف سے بیٹے کا نام بھی مجمر مشہور ہوگیا۔ اور نُعیم خود بھی یہی خدمت بجالاتا تھا۔ ثقات تابعین سے ہیں۔ بیس برس تک حضرت ابوہریرہؓ کی صحبت میں رہا۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص۴۶۵)

(۳) ام حصینؓ ایک صحابیہ خاتون ہے۔ اُسنے آنحضرت صلعم کی اقتدا میں نماز گذاری۔ جب آپؐ نے

عن ام حصين انها صلت خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم فلما قال ولا الضالين قال امين فسمعته وهي في صف النساء (زيلعي ص۳۷۱ ج۱)

پڑھا ولا الضالین تو کہا آمین، پس اُس نے (آپ کی آمین) سن لی۔ حالانکہ وہ عورتوں کی صف میں (مردوں کے بہت پیچھے کھڑی) تھی

خاکسار کہتا ہے۔ کہ حافظ زیلعی رحنفی نے بھی تخریج ہدایہ میں اس روایت کا ذکر کیا ہے لیکن اسکی شرح حال کی نسبت سکوت کیا ہے۔ حالانکہ اس سے قبل کئی ایک احادیث جہر کے متعلق تنقیدی جرح بھی کر دی ہے۔!

(۴) اسی طرح امام ترمذیؒ نے حضرت وائل بن حجر حضرمیؓ سے روایت کیا ہے کہ:۔

عن وائل بن حجر رض قال سمعت النبي صلى الله عليه وسلم قرء غير المغضوب عليهم ولا الضالين وقال امين ومد بها صوته وفي الباب عن علي رض وابي هريرة رض قال ابو عيسى حديث وائل بن حجر حديث حسن وبه يقول غير واحد من اهل العلم من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم والتابعين ومن بعدهم يرون ان يرفع الرجل صوته بالتامين ولا يخفيها وبه يقول الشافعيؒ واحمدؒ واسحٰق۔

(ترمذی ج ۱ ۔ ص۳۴)

اُنہوں نے کہا کہ مینے آنحضرت صلعم کو غیر المغضوب علیہم ولا الضالین۔ پڑھتے سنا اور آپ نے کہا آمین اور آپ نے اُس (آمین) سے اپنی آواز کو کھینچا اور اس باب (آمین بالجہر) میں حضرت علیؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے بھی روایت ہے۔ ابو عیسیٰ (امام ترمذی رح) کہتے ہیں۔ کہ وائل بن حجرؓ کی یہ روایت حسن ہے اور اسی کے مطابق کہتے ہیں کئی ایک اہل علم اصحاب نبی صلعم میں سے اور تابعین میں سے اور۔ اُن کے بعد کے علماء تبع تابعین مجتہدین میں سے جن کا یہ مذہب ہے کہ آدمی آمین کے ساتھ اپنی آواز بلند کرے اور اسے مخفی نہ رکھے اور اسکے مطابق قول ہے امام شافعیؒ کا اور امام احمدؒ کا بھی اور امام اسحٰقؒ کا بھی۔

امام ترمذیؒ کی یہ روایت جو وائل بن حجرؓ سے ہے۔ بڑے معرکہ کی ہے اس کا مفصل حال اور اُس کے بعد امام ترمذی نے جو کچھ کئی ایک صحابہؓ و تابعین وغیرہم کے مذہب کے متعلق لکھا ہے۔ اسکی تشریح معلوم ہو جانے سے مسئلہ آمین بالجہر کا صاف صاف فیصلہ ہو جاتا ہے۔ اور کوئی الجھن باقی نہیں رہتی۔ چنانچہ ہم اُسکی بابت چند باتیں کسیقدر وضاحت سے لکھتے ہیں:۔

(۱) اس روایت میں یہ الفاظ ہیں:۔ مَدَّ بِهَا صَوْتَهُ (کھینچی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھ آمین کے

آواز اپنی) اسکے دو معنے ہو سکتے ہیں- ایک یہ کہ آواز کو بلند کیا- یعنے اونچی آواز سے کہا **آمین**-
دوم یہ کہ آمین کے الف کو کھینچکر یعنے مد سے پڑھا،

چونکہ امام ابوداؤد[1] اور امام دارقطنی[2] رح کی روایات میں مد بہا صوتہ کی بجائے رفع بہا صوتہ اور ابوداؤد کی ایک دوسری روایت میں الفاظ جہر بہا[1] وارد ہیں- بلکہ سنن دارقطنی میں حضرت وائل بن حجر رض کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمر رض اور حضرت ابوہریرہ رض کی روایات میں بھی رفع بہا صوتہ ہو اس سے صاف ظاہر ہے کہ مد بہا صوتہ سے مراد پہلے معنے ہیں- یعنے بلند آواز سے آمین پکارنا مراد ہے- کیونکہ ایک حدیث دوسری حدیث کی تائید وتصدیق اور تفسیر وتوضیح کرتی ہے-

(۲) دوسری بات جو امام ترمذی رح نے اس روایت میں کہی ہے یہ ہے- کہ یہ مضمون حضرت علی رض اور حضرت ابوہریرہ رض سے بھی مروی ہے سو حضرت ابوہریرہ رض کی روایت تو اوپر صفحہ ۲۹۶ پر مذکور ہو چکی ہے- باقی رہی حضرت علی رض کی روایت سو اُسے کنز العمال میں یوں نقل کیا ہے-

عن علی رض قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا قال ولا الضالین قال **آمین** یرفع بھا صوتہ وابن جریر وصححہ وابن شاہین (کنز العمال جلد ۴ صـ ۲۱۱)	نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت کہتے ولا الضالین تو کہتے **آمین** بلند کرتے ساتھ اس (آمین) کے آواز اپنی- روایت کیا اسے ابن ماجہ نے- اور ابن جریر نے بھی اور اسے صحیح کہا، اور ابن شاہین نے بھی اسے روایت کیا)

امام ابن ماجہ کے الفاظ یوں ہیں:-

عن حجیۃ بن عدی عن علی رض قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قال ولا الضالین قال **آمین** (ابن ماجہ صـ ۶۲)	حضرت علی رض کہتے ہیں کہ سنا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہ جس وقت آپ ولا الضالین کہتے تو کہتے **آمین**-

ابن ماجہ کی اس روایت کے سب راوی ثقہ ہیں- صرف حجیہ بن عدی میں اختلاف ہے- سو حافظ ذہبی رح میزان میں اس کا فیصلہ یوں کرتے ہیں- قلت روی عنہ الحکم وسلمۃ بن کھیل وابواسحٰق وھو صدوق ان شاء اللہ قد قال فیہ العجلی **ثقۃ**، (جلد اول صـ ۱۸۹) یعنے امام ذہبی کہتے ہیں، میں کہتا ہوں حجیہ سے حکم بن عتیبہ رح اور سلمہ بن کہیل رح اور ابواسحٰق سبیعی رح

[1] سنن ابی داود جلد اول صـ ۱۳۶ ۱۲ منہ [2] سنن دارقطنی جلد اول صـ ۱۲۷ - ۱۲ منہ

نے روایت کیا ہے (جو ثقہ اور بڑے پائے کے راوی ہیں) اور وہ یعنے حجیہ مذکور بفضل خدا صدوق (بہت سچا آدمی) ہے اور امام عجلی رحہ نے اُسکی بابت کہا ہے۔ کہ وہ ثقہ ہے "

اِسی طرح حافظ ابن حجر رحہ نے تہذیب التہذیب میں فرمایا:۔

وقال العجلی تابعی ثقۃ وذکرہ ابن حبان فی الثقات (جلد ۲ ۔ صـ۲۱۷)	امام عجلی رحہ نے کہا وہ (حجیہ) تابعی ہے اور معتبر ہے اور ابن حبان نے اُسے ثقات میں شمار کیا ہے "

(۳) تیسری بات امام ترمذی رحہ نے اِس حدیث کے متعلق یہ لکھی ہے۔ کہ یہ حدیث حسن ہے۔ اور اور حدیث حسن مقبول و قابلِ عمل ہوتی ہے۔

حضرت وائل کی یہ حدیث امام ترمذی کے علاوہ امام احمد اور امام ابوداؤد اور امام دارقطنی اور امام ابن حبان نے بھی روایت کی ہے۔ امام دارقطنی نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ اور امام شوکانی رحہ نے حافظ ابن حجر رحہ سے نقل کیا۔ کہ اِسکی اسناد صحیح ہے۔ نیز کہا:۔ وقد حسن الحدیث الترمذی وقال ابن سید الناس ینبغی ان یکون صحیحا (یعنے امام ترمذی رحہ نے اِسے حسن کہا ہے۔ اور امام ابن سید الناس رحہ نے کہا یہ حدیث اس لائق ہے۔ کہ صحیح ہو (جیسا کہ امام دارقطنی اور حافظ ابن حجر رحہ نے صحیح کہا ہے)۔ اور امام بخاری رحہ اور امام ابوزرعہ رحہ نے بھی امام سفیان رحہ اور امام شعبہ کے اختلاف کے ضمن میں اسکو اصح کہا ہے۔ غرض یہ حدیث اتنے ائمہ حدیث نقادِ فن کے نزدیک حسن صحیح قابلِ قبول و لائقِ عمل ہے۔ اور اِسکی نسبت کسی امامِ حدیث کو کلام نہیں ؛ بلکہ اِسے علمائے حنفیہ رحہ نے بھی قبول کیا ہے۔ چنانچہ ہم اُن کے اقوال آئندہ الگ طور پر نقل کرینگے۔ واللہ الموفق۔

(۴) چوتھی بات اِس حدیث پر امام ترمذی رحہ نے یہ فرمائی ہے۔ کہ اِس حدیث کے مطابق کئی ایک صحابہ رضہ اور تابعین اور تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین کا یہی مذہب ہے۔ کہ امام کی جہری قرات کے وقت آمین (بھی) بالجہر کہی جائے "

سو اس کی تشریح میں ہم بعض صحابہ رضہ اور تابعین رحہ وغیرہم کے اسمائے گرامی ذیل میں درج کرتے ہیں۔ جنسے آمین مختلف عنوانوں سے منقول ہے۔ کسی سے صریحًا اور کسی سے استنباطًا آمین بالجہر ثابت ہے کوئی ان میں سے اصالتًا مقام احتجاج میں قائم ہے۔ اور کوئی تائیدًا غرض مسئلہ آمین بالجہر کے ثبوت میں اب کوئی تردد باقی نہیں رہ سکتا۔

ا- صحابہؓ - حضرت علیؓ - حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت ابوہریرہؓ - حضرت عائشہؓ - حضرت بلالؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ام حصین صحابیہؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ حضرت انس بن مالکؓ - حضرت سلمانؓ، حضرت سمرہ بن جندبؓ - حضرت ابوموسیٰؓ، حضرت وائل بن حجرؓ، حضرت ابو زہیر نمیریؓ اور حضرت حبیب بن سلمہؓ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

یہ وہ اسماء ہیں جو تعییناً و تفصیلاً معلوم ہو سکے ہیں - اِن کے علاوہ جن کا ذکر اجمالاً وارد ہے - وہ بہت زیادہ ہیں - چنانچہ حضرت عطاء تابعیؒ کی روایت سے اوپر گذر چکا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اِسی مسجد بیت اللہ شریف میں دو سو اصحاب رسول اللہ صلعم کو پایا - جو امام کے پیچھے بلند آواز سے آمین پکارتے تھے - اور مسجد میں اُن کی متفقہ آواز سے ایک گونج پیدا ہو جاتی تھی - (ص ۳۹۵) اور خاکسار میر سیالکوٹی، نہایت وثوق سے بلاخوف تردید کہنے کو تیار کیا ہے - کہ آپ اسفارِ حدیث کی ورق گردانی کر کے تسلی کر لیں کہ کسی ایک صحابی سے بھی بسند صحیح منقول نہیں کہ اُسنے جہری قرأت کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خفیہ آمین نقل کی ہو، یا خود کہی ہو - اگر کوئی ایسی روایت آپ کو معلوم ہو تو اُسکی سند کی پڑتال سے آپ کو واضح ہو جائیگا کہ وہ صحیح نہیں ہے، واللہ الہادی،

اسمائے تابعین، تابعینؒ میں سے بھی ایک کثیر گروہ آمین بالجہر کا قائل اور اسپر عامل رہا ہے جنمیں سے بعض کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں :-

عطاء بن ابی رباحؒ مکی - ابن شہاب زہریؒ مدنی - ابن جریج رومی مکیؒ، ابو مصبح مقرائی (دمشقی)، نعیم مجمرؒ - عکرمہ وغیرہم - اور جملہ وہ تابعین جنہوں نے مذکورہ بالا صحابہؓ سے احادیث آمین بالجہر روایت کیں ان پر مزید ہیں -

ائمہ مجتہدین، امام شافعیؒ امام احمدؒ - امام اسحٰقؒ، امام اوزاعیؒ، امام عبداللہ بن مبارکؒ - امام سفیان ثوریؒ، امام عبدالرحمن بن مہدیؒ، امام داؤد طائیؒ، امام ابوزرعہ رازیؒ -

ائمہ محدثینؒ - امام بخاریؒ، امام مسلمؒ - امام ترمذیؒ امام دارقطنیؒ امام ابوداودؒ، امام نسائیؒ امام ابن ماجہؒ، امام دارمی، امام بیہقیؒ، وغیرہم،

علماء و شراح حدیث، امام ابن قیمؒ، امام نوویؒ، حافظ ابن حجرؒ، حضرت شاہ ولی اللہؒ امام شوکانیؒ، شیخ عبدالحق دہلوی حنفی، شیخ ابن الہمام حنفیؒ، مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی حنفیؒ -

مولوی سراج احمد صاحب سرہندی حنفی اور حضرت پیر عبدالقادر صاحب جیلانی رح

حدیث دان حنفی علماء جنہوں نے احادیث جہر کو قبول کیا۔

حنفی علماء علمی لحاظ سے دو طرح پر ہوئے ہیں۔ ایک وہ جنہوں نے اپنے مذہب کے متون و شروح اور اقوالِ ائمہ کو خوب ضبط کیا۔ لیکن ماہر حدیث نہ تھے۔ دوسرے وہ جنہوں نے اپنے مذہب کی تصریحات کے علاوہ علم حدیث میں بھی کمال حاصل کیا۔[۵] دوسری قسم کے علماء نے اکثر فروعی اختلافی مسائل میں طریق محدثین کو تسلیم کر لیا۔ یا وہ اسکی طرف مائل ہو گئے۔ اور جمودِ تقلید نے انکو اتباع حدیث سے نہ روکا۔ کیونکہ حدیث صحیح کے واضح ہو جانے کے بعد کسی مومن کے لئے مخالفت کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رح حجۃ اللہ میں فرماتے ہیں:۔

فان بلغنا حديث من الرسول المعصوم الذی فرض الله علينا طاعته بسند صالح يدل على خلاف مذهبه وتركنا حديثه واتبعنا ذالك التخمين فمن اظلم منا وما عذرنا يوم يقوم الناس لرب العالمين

(حجۃ اللہ مصری جلد اول ص ۱۵۵)

اگر ہمکو رسول معصوم کی حدیث جسکی اطاعت خدا نے ہم پر فرض کر دی ہے۔ صحیح سند کے ساتھ پہنچ جائے جو خلافِ مذہب ہو۔ اگر ہم اس حدیثِ رسول کو چھوڑ دیں اور ظنی قول کی پیروی کریں تو ہم سے بڑھکر ظالم کون ہوگا۔ اور قیامت کو جسدن تمام لوگ اللہ رب العلمین کے سامنے حاضر ہونگے ہمارا کیا عذر ہوگا۔

شاہ صاحب رح کا یہ قول قرآن شریف کی آیت کا مفہوم ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا (احزاب پ ۲۲)

کسی ایماندار مرد اور کسی ایماندار عورت کو نہیں پہنچتا کہ جب اللہ تعالی اور اسکا رسول کوئی معاملہ طے کر دے۔ تو ان کے لئے اس امر میں کسی قسم کا اختیار باقی رہے اور جو کوئی اللہ تعالی اور اسکے رسول کی نافرمانی کریگا تو وہ صریح گمراہی میں پڑ چکا۔

چنانچہ ہم ان باکمال حنفی علماء کے اقوال درج کرتے ہیں۔ جو جامع حدیث و فقہ ہوئے ہیں اور انہوں نے حدیث آمین بالجہر کو تسلیم کیا ہے۔

(۱) شیخ ابن ہمام۔ شارح ہدایہ حنفی علماء میں خاص قابلیت کے بزرگ ہوئے ہیں جن پر حنفی علماء کو بجا فخر ہے۔ آپ شرح ہدایہ میں روایات جہر و اخفائے آمین کا ذکر کرکے فرماتے ہیں:۔ اگر یہ معاملہ میرے سپرد ہو تو میں اس اختلاف کو یوں

ولوكان الی فی هذا لشئ لوفقت بان رواية الخفض يراد بها عدم القرع العنيف ورواية الجهر بمعنی قولها

رفع کرونگا کہ آہستہ کی روایت کے معنے زیادہ زور کی چیخ والی آواز سے نہ کہنا ہے اور جہر والی روایت کے معنے ہیں درمیانی آواز سے پکارنا۔

۵ یہ تقسیم ہمنے از خود نہیں کی بلکہ مولانا عبدالحی صاحب حنفی لکھنوی اور ملا علی قاری صاحب حنفی رح کی تصریحات سے لی ہے۔ فافہم ۱۲ منہ

فی ذبر الصوت وذیلہ یدل علی مافی ابن ماجۃ کان علیہ الصلوٰۃ والسلام اذا تلی غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَلَا الضَّآلِّیۡنَ قَالَ اٰمِیۡنَ حتّٰی یسمع من فی الصف الاول فیرتج بہا المسجد (فتح القدیر نولکشوری ۱۲ صفحہ)

اور اسکی دلیل وہ روایت ہے جو سنن ابن ماجہ میں ہے کہ آنحضرت صلعم جب غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھتے تھے تو آپ کہتے تھے آمین حتیٰ کہ وہ لوگ جو پہلی صف میں ہوتے تھے سن لیتے تھے پس اتنے زور کی متفقہ آواز کی، **آمین** سے مسجد (نبوی) لرزجاتی تھی۔

(۲) اسی طرح علامہ ابن ترکمانی حنفی رحہ بھی حنفیہ میں مشہور اور ستقابل فخر حدیث دان عالم ہیں۔ **جواہر النقی** میں جو آپ نے امام بیہقی محدث رحہ کی کتاب سنن کبریٰ کے جواب میں اور مذہب حنفی کی تائید میں لکھی ہے اس کے باب آمین بالجہر میں لکھتے ہیں:۔

والصواب ان الخبرین بالجہر بہا والمخافۃ صحیحان وعمل بکل من فعلیہ جماعۃ من العلماء وان کنت مختارا اخفض الصوت بہا اذ کان اکثر الصحابۃ والتابعین علی ذالک[۱] (جلد ۱۔ ص ۱۳۲)

درست یہ ہے کہ دونوں روایتیں یعنے آمین بالجہر کی اور آمین بالاخفا کی صحیح ہیں اور آنحضرت صلعم کے دونوں فعلوں (جہر و اخفاء) پر علماء کی ایک ایک جماعت نے عمل کیا ہے۔ اگرچہ میرا اپنا مختار مذہب آواز کو پست کرنا ہے کیونکہ اکثر صحابہؓ اور تابعین اسی طریق پر تھے[۱]

(۳) اسی طرح علامہ عینی جو حنفی مذہب کی حمایت میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑتے شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:۔

ویمکن ان یکون کلا الاسنادین صحیحا وقد قال بعض العلماء والصواب ان الخبرین بالجہر بہا وبالمخافۃ صحیحان وعمل بکل منہما جماعۃ من العلماء (عینی شرح بخاری جلد ۳ ص ۱۱۱)

اور ممکن ہے کہ ہر دو اسناد (امام سفیان کی بھی اور امام شعبہ کی بھی) صحیح ہو، اور بعض علماء نے تو کہدیا ہے۔ کہ درست یہ ہے کہ دونوں روایتیں یعنے آمین بالجہر کی اور آمین بالاخفاء کی صحیح ہیں اور آنحضرت صلعم کے ہر دو فعل (جہر اور اخفا) پر علماء کی ایک ایک جماعت نے عمل کیا

(۴) اسی طرح شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح جو ہندوستان میں علم حدیث کو فارسی زبان میں ترجمہ کر کے اس ملک میں علم حدیث کی اشاعت کرنے میں غالباً پہلے شخص ہیں اور حنفی مذہب کی تائید میں نہایت کوشش کرتے ہیں۔ شرح سفر السعادۃ میں ہر دو قسم کی روایات ذکر کر کے اور علامہ ابن ہمام رح کی تطبیق بالا بھی نقل کر کے اپنا فیصلہ یوں دیتے ہیں:۔

"وظاہر حمل بر فعل ہر دو صورت است تارۃ فتارۃ" (ص ۵۴)

یعنے ظاہر معنے ہر دو صورت (جہر اور اخفاء) کے فعل کے ہیں۔ کبھی اس طرح اور کبھی اس طرح"

[۱] علامہ ممدوح کا یہ کہنا کہ اکثر صحابہؓ و تابعین اسی طریق پر تھے۔ ان کا اپنا خیال ہے جو واقعہ کے لحاظ سے درست نہیں۔ کیونکہ صحابہؓ سے تو آہستہ کی کوئی روایت صحیح سند سے ثابت نہیں۔ ہاں بعض تابعین و مجتہدین آہستہ کہنے کے قائل ہیں لیکن ان کو اکثر کہنا درست نہیں اکثر تابعین و مجتہدین جہر کے قائل ہیں۔ خیر کچھ ہو ہمارا مقصود اس حوالہ سے یہ ہے کہ علامہ ابن ترکمانی حنفی ہو کر بھی آمین بالجہر کی روایت کو صحیح مانتے ہیں۔ بس اس زمانہ کے حنفیوں کو اس سے جھگڑ کر امت میں اختلاف نہیں ڈالنا چاہئے ۱۲ منہ

اسی طرح آپ اپنی مشہور کتاب مدارج النبوۃ میں فرماتے ہیں:۔

"و در سفر فاتحہ آمین می گفت، در نماز جہری بجہر و در سری بخفیہ و مقتدیان بموافقت آمین گفتندے"

"و در جہر بتامین در نماز جہری احادیث واقع شدہ (جلد اول ص۲۴۱)

یعنے آنحضرت صلعم سورت فاتحہ کے اختتام پر آمین کہتے تھے۔ جہری نماز میں جہری آواز سے، اور سری نماز میں خفیہ آواز سے، اور مقتدی (صحابہ رض) بھی آپ کی موافقت میں آمین کہتے تھے، اور جہری نماز میں آمین بالجہر کے متعلق کئی ایک احادیث وارد ہیں"

اس کے بعد ہر دو طرح کی روایات کا ذکر کیا ہے اور علامہ ابن ہمام رح کا قول شرح سفر السعادت کی طرح نقل کیا ہے۔

(۵) اسی طرح مولنا سراج احمد صاحب سرہندی حنفی رح شرح ترمذی[۱] میں مذاہب ائمہ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:۔

"واحادیث در جانب جہر بیشتر و صحیح تر آمدہ است (جلد اول ص۲۷۲)

یعنے آمین بالجہر کی احادیث تعداد میں بھی زیادہ ہیں اور صحت میں بھی زیادہ صحیح ہیں"

(۶) اسی طرح اس زمانہ کے حنفیہ کے قابل فخر حدیث دان علماء میں سے مولنا عبد الحی لکھنوی رح ہیں آپ شرح وقایہ کے حاشیہ عمدۃ الرعایہ میں فرماتے ہیں:۔

قد ثبت الجهر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم باسانيد متعددة يقوى بعضها بعضا فى سنن ابن ماجة والنسائى وابى داؤد وجامع الترمذى وصحيح ابن حبان وكتاب الام للشافعى رح وغيرها عن جمع من اصحابه بروايات ابن حبان فى كتاب الثقات وغيره

عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ جلد اول حاشیہ ۹ ص۱۶۷)

بیشک آمین بالجہر رسول اللہ صلعم سے کئی ایک سندوں کے ساتھ ثابت ہو چکی ہے۔ جو ایک دوسری کو قوت دیتی ہیں۔ جو سنن ابن ماجہ اور نسائی اور ابو داؤد اور جامع ترمذی اور صحیح ابن حبان اور امام شافعی کی کتاب الام وغیرہ میں صحابہ کی ایک جماعت سے ابن حبان کی کتاب الثقات وغیرہ کی روایات سے مروی ہیں"

[۱] مولنا سراج احمد صاحب مرحوم نے اس شرح کو ترجمہ صحیح مسلم کے بعد بتاریخ ۱۵ ذی الحجہ ۱۲۱۹ھ ہجری شروع کیا۔ اور بتاریخ ۱۶ ذی الحجہ ۱۲۲۲ھ ختم کر دیا۔ اتنی ضخیم کتاب کا ترجمہ اور شرح اتنی قلیل مدت میں خداتعالے کی خاص تائید و توفیق ہے۔ ۱۲ منہ

اسی طرح آپ التعلیق الممجد علی موطا الامام محمدؒ میں ہر دو طرف کے دلائل بیان کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

"والانصاف ان الجهر قوی من حیث الدلیل" انصاف یہ ہے کہ آمین بالجہر دلیل کے رُو سے قوی ہے"۔ (تعلیق ص۱۰۵ حاشیہ نمبر ۹)

(۷) حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحؒ کے مجموعہ فتاویٰ حصہ دوم میں ص۱۷ سے ص۲۵ تک کوئی چالیس سے زائد حنفی علماء کے دستخط درج ہیں جو مختلف مذاق اور مختلف بلاد کے بزرگ ہیں۔ جنہوں نے آمین بالجہر کی حدیث کو تسلیم کر کے فتوے دیا ہے۔ کہ اس سے نماز میں کوئی حرج واقع نہیں ہوتا۔ ان علماء کے فتووں کے نمونے کی عبارت حسب ذیل ہیں:-

(۱) اگر خود حنفی بھی آمین بالجہر کہے تو اُسکی نماز فاسد نہیں ہوتی۔ (ص۲)

(۲) حق یہ ہے کہ جہر و اخفاء دونوں فعل مسنون ہیں، ائمہ حنفیہ کو جوازِ جہر میں خلاف نہیں ہے (ص۲)

(۳) مولنا بحر العلوم ارکان اربعہ میں لکھتے ہیں:- در باب آہستہ گفتن آمین وارد نہ شدہ مگر حدیثے ضعیف (ص۱۳)

(۴) چونکہ آمین بالجہر پر تعامل صحابہ کا آثار رہا ہے۔ اسلئے آمین بالجہر کہنے والوں پر سب وشتم کرنا درپردہ صحابہؓ پر معترض ہونا ہے"۔ (ص۴)

(۵) جو شخص اہلحدیث ہو اور شریکِ جماعتِ احناف ہو اُس کا آمین بالجہر کہنا مفسد نمازِ احناف ہرگز نہیں (ص۴)

(۶) آمین بالجہر سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ اور نہ مکروہ ہوتی ہے۔ (ص۴)

(۷) غلط بیان کرتا ہے۔ جو کہتا ہے کہ آمین بالجہر سے دوسرے کی نماز فاسد ہوتی ہے۔ یا مکروہ (ص۸)

ان حوالجات سے صاف ظاہر ہے کہ ان حضرات نے باوجود حنفی ہونے کے آمین بالجہر کی حدیث کو تسلیم کیا ہے کسی نے اُسے بالاخفا کے برابر کہا اور کسی نے اُس سے بڑھکر۔ اس کا سبب یہی ہے کہ علم حدیث کے متون کے مطالعہ اور احوالِ احادیث کی پڑتال سے اُنپر واضح ہوگیا۔ کہ آمین بالجہر سے انکار نہیں ہوسکتا۔

اِلتماس لہٰذا میں عاجز (میر سیالکوٹی) برادرانِ احناف کی خدمت میں باادب التماس کرتا ہوں کہ وہ اپنے اِتنے بزرگوں کے خلاف چلکر جو آپ کے نزدیک علم حدیث کے ماہر تھے۔ آمین بالجہر سے چڑ کر امتِ مرحومہ کے اختلاف کو نہ بڑھائیں یہ زمانہ خانہ جنگیوں کا نہیں ہے خدا تعالےٰ ہمیں سمجھ دے اور طریق اعتدال پر چلائے آمین۔

"ورحم الله عبدًا قال امينًا"

بعض صوفیائے کرام جو آمین بالجہر کے قائل تھے

حضرات اولیاء اللہ کے اقوال ذکر کرنے سے پیشتر مناسب بلکہ ضروری ہے۔ کہ ہم یہ بھی بتا دیویں کہ مسائل فروعیہ میں ان مردانِ خدا کا مسلک کسی خاص مجتہد کے طریق کی تقلید و پابندی نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ سب کی تقلید سے آزاد ہو کر اصل چشمۂ شریعت یعنے آنحضرت صلعم کے مشربِ صافی سے سیرابی حاصل کرنے والے ہوتے ہیں۔ چنانچہ امام عبدالوہاب شعرانی رح اپنی کتاب میزان کبریٰ میں متعدد مقامات پر فرماتے ہیں کہ ولی کامل اُسی چشمۂ ہدایت سے علم حاصل کرتا ہے جس سے مجتہدین نے حاصل کیا، اور اُس سے سوائے رسول اللہ صلعم کے تمام علماء کی تقلید چھوٹ جاتی ہے۔ اور اگر کسی ولی کی نسبت یہ منقول ہو کہ وہ مثلاً شافعی تھا یا حنفی تھا۔ تو یہ نسبت قبل اسکے ہوتی ہے۔ کہ وہ **مقامِ کمال** پر پہنچے (ملا ۱۹)

پھر ص۲۰ پر یہی ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:۔

وقد قلتُ مرۃ لسیدی علی الخواص رضی اللہ عنہ کیف صح تقلید سیدی الشیخ عبدالقادر الجیلیؒ للامام احمد بن حنبلؒ وسیدی محمد الحنفی الشاذلیؒ للامام ابی حنیفۃؒ مع اشتہادھم بالقطبیۃ الکبریٰ وصاحب ھٰذا المقام لایکون مقلدا الا للشارع وحدہ فقال رضی اللہ عنہ قد یکون ذالک منھما قبل بلوغھما الی مقام الکمال ثم لمّا بلغا الیہ استصحب النّاس ذالک اللقب فی حقھما مع خروجھما عن التقلید (میزان شعرانی ص۲۰)

یعنے ایکدفعہ اپنے سردار (پیر و مرشد) علی خواص رض سے عرض کیا کہ حضرت سید عبدالقادر جیلانی رح کو امام احمد بن حنبل رح کی اور نیز سردار محمد شاذلی حنفی رح کو امام ابوحنیفہ رح کی تقلید کس طرح درست ہوئی باوجودیکہ یہ دونوں صاحب قطبیتِ کبریٰ میں مشہور ہیں اور اس مقام کا صاحب سوائے شارع (پیغمبر صلعم) کے کسی کا مقلد نہیں ہوتا تو آپنے فرمایا (رض) کہ یہ نسبت (تقلید) ان صاحبوں کے مقام کمال پر پہنچنے کے قبل تھی پھر جب وہ مقام کمال پر پہنچ گئے۔ تو لوگوں نے یہ لقب (مقلد) ان کے ساتھ ہی رکھا حالانکہ وہ دونوں (سید عبدالقادر جیلانی رح اور شیخ محمد شاذلی رح) تقلید سے نکل چکے تھے،

(۲) اسی طرح حضرت سید عبدالقادر جیلانی رح غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں:۔

فالمرید من کانت فیہ ھٰذہ الجملۃ والتصف بھٰذہ الصفۃ فھو ابدا مقبل علی اللہ عزّ وجلّ و طاعتہ، مُوَلٍّ عن غیرہ واجابتہ۔ یسمع من

خدا کی ذات کا چاہنے والا وہ ہے جسمیں یہ مذکورہ بالا امور سب پائے جائیں۔ اور وہ اس صفت سے موصوف ہو جائے۔ پس اسکا منہ ہمیشہ خدائے عزّوجلّ کی طرف اور اُسکی طاعت کی طرف رہتا ہے

ربه عزوجل فیعمل بما فی الکتاب والسنة و یصم عما سوی ذالك ویبصر بنور الله عزوجل الخ (غنیہ ص۵۰۶ مترجم فارسی)	اور وہ اس کے غیر اور اُسکی اطاعت سے مُنہ پھیر لیتا ہے اپنے رب عزوجل سے سُنتا ہے پس وہ اس کے مطابق عمل کرتا ہے جو خدا کی کتاب (قرآن شریف) اور اُسکے رسول صلعم کی) سُنت میں وارد

ہوتا ہے۔ اور اُس کے سوا سب سے بہرہ ہو جاتا ہے۔ اور وہ خدائے عزوجل کے نور سے دیکھتا ہے"

حضرات صوفیائے کرام اور اولیائے عظام کا یہ مسلک محتاجِ طوالت نہیں ہے۔ ہر شخص جو مکتوبات امام ربانی رح اور مکتوبات حضرت مرزا جانجاناں شہید رح اور مثنوی مولانا روم رح وغیرہ کتبِ قوم پر نظر رکھتا ہو۔ اِسے جانتا اور سمجھتا ہے۔

اِس تمہید کے بعد بعض اولیاء اللہ کے اقوال در بارہ آمین بالجہر ملاحظہ فرمایئے،

امام غزالی رح

آپ اپنی مشہور کتاب احیاء العلوم میں عنوان قرارت میں فرماتے ہیں:۔

ویقول امین فی اخر الفاتحة ویمد بها مدا یعنے سورتِ فاتحہ کے اخیر پر آمین کہے اور اُسے خوب کھینچکر ادا کرے" پھر اس کے بعد جہری قرارت کے ضمن میں فرماتے ہیں:۔ ویجهر بالتامین یعنے جہری قرارت میں امین بھی بالجہر کہے"

اِسی طرح علامہ عینی حنفی رح شرح صحیح بخاری میں امام غزالی رح کے حوالہ سے فرماتے ہیں:۔

وفی الخلاصة للغزالی رح ومن سنن الصلوۃ ان یجهر بالتامین فی الجهری (جلد ۳ - ص۱۱)	امام غزالی رح کی کتاب خلاصہ میں مرقوم ہے۔ کہ نماز کی سنتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جہری نماز میں آمین بھی بالجہر کہے"

امام شعرانی رح

عارفِ ربانی امام شعرانی رح[1] میزانِ کبریٰ میں امام شافعی رح وغیرہ کے بالجہر آمین کہنے کی وجہ عارفانہ میں فرماتے ہیں

والوجه الثانی ان الجهر بالتامین فیه اظهار التضرع والحاجة الی قبول الدعاء بالهدایة الی الصراط المستقیم (جلد اول ص۱۳۰)	دوسری وجہ یہ ہے۔ کہ آمین بالجہر میں اُس دعائے ہدایت کی قبولیت کی حاجت اور گڑگڑانے کا اظہار ہے جو آیت اہدنا الصراط المستقیم میں مانگی گئی ہے"

[1] امام شعرانی رح نے اس کتاب میں ائمہ مجتہدین کے اختلافی مسائل کی عارفانہ وجوہات بیان کی ہیں اور لکھا ہے کہ ائمہ مجتہدین کے اقوال بے اصل اور بے وجہ نہیں ہوتے۔ بلکہ ہر ایک کی ایک وجہ ہے جس کا ادراک اہل ذوق و اہل قلب کو حاصل ہوتا ہے پس کسی مجتہد سے بھی بدظن نہیں ہونا چاہیے۔ خدا کا شکر ہے کہ اُس نے اِس عاجز کو ائمہ دین کے ساتھ حسن تادب بخشا ہے۔ منہ

اور اس سے پیشتر امام ابو حنیفہ رحمہ کے مذہب اخفائے آمین کی وجہ کے ضمن میں بھی فرماتے ہیں فلا بأس بالجھر بھا یعنی آمین بالجہر کہنے میں کوئی بُرائی یا خطرہ نہیں ہے۔

غوث صمدانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سید عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں ۔ والجھر بالقراءۃ والامین والاسرار بھما (غنیہ مترجم فارسی ص۱۱) یعنے (جہری نماز میں قرارت اور آمین (ہردو) بالجہر کہنا اور (سرّی نماز میں ہردو کا) آہستہ کہنا (ھیئاتِ نماز میں سے ہے)۔

آمین بالجہر کی حکمت

ہمنے ص۲۹۳ پر وعدہ کیا تھا۔ کہ پہلے آپ آمین بالجہر کا فعل رسول اللہ صلعم ہونا سمجھ لیں پھر ہم خدا کے فضل سے اسکی حکمت بیان کرینگے۔ کیونکہ آنحضرت صلعم کا کوئی قول و فعل اور آپ کی کوئی حرکت و سکون حکمت سے خالی نہیں۔

(۱) سو معلوم ہو کہ حضورِ قلب اور عبادت میں حظ و سرور ایک وجدانی امر ہے۔ جسے وہی شخص جان سکتا ہے جس پر وہ کیفیت طاری ہو اور یہ کیفیت صرف اسی کو حاصل ہوتی ہے۔ جو اس کی تحصیل میں حضورِ قلب اور خلوص دِل سے رغبت اور ریاضت و مشق کرتا ہے۔ اور جو اسمیں رغبت و ریاضت نہ کرے۔ بلکہ دل میں اس سے نفرت رکھے تو وہ اس حقیقت کو نہیں پاسکتا۔ اور وہ اُن فیوض و برکات سے متمتع نہیں ہو سکتا۔ جن سے راغبین عاملین بہرہ اندوز ہوتے ہیں۔ ع "قدر ایں بادہ ندانی بخدا تا نچشی"

(۲) آنحضرت صلعم نے اِس امر پر ہمیشگی کی ہے کہ آپ فجر اور مغرب اور عشا کی نماز میں قرارت بالجہر پڑھتے تھے اور ظہر و عصر میں خفیہ اسکی حکمت یہ ہے کہ قدرتی طور پر سورج کی تمازت سے آواز میں دلکشی کم ہو جاتی ہے۔ اور طبیعت میں اشغال کی وجہ سے انتشار اور گھروں اور بازاروں اور رستوں میں آوازوں کی کثرت اور شور و غوغا کی زیادتی سے لذت میں کمی آجاتی ہے پس اِن اوقات میں قرارت آہستہ پڑھکر باطنی توجہ و خلوص سے اِس نقصان کی تلافی کیگئی۔ ہاں جمعہ اور عیدین اور کسوف وخسوف اور استسقا کی نمازوں میں مجمع عام میں طلوبین کی کثرت ہوتی ہے اسی کثرتِ اجتماع کی وجہ سے اِن سب نمازوں میں خطبہ مقرر کیا گیا ہے۔ اور اسی کثرتِ اجتماع کی وجہ سے اِن میں قرارت بھی جہری رکھی گئی ہے۔

لیکن سورج ڈوبنے سے سورج چڑھنے تک قدرتی طور پر آواز میں دلکشی اور حسن بڑھجاتا ہے۔ اِسی لئے گانے کی مجلسیں عموماً رات کے وقت منعقد کی جاتی ہیں۔ پس صبح اور مغرب اور عشا کی نمازوں میں قرارت بالجہر مقرر کی،

سلہ ہر چند کہ شریعت مطہرہ میں گانا بجانا مطلقاً حرام ہے کیونکہ ان میں حظِ نفس ہے۔ جو منافی حظِ روح ہے لیکن یہاں صرف وجدانیات و حسیات اور طبعی تاثرات وفلکی تاثیرات کا ذکر ہے۔ عام اس سے کہ وہ حرام ہیں۔ یا حلال۔ فتفکر ولا تعجل۔ ان شریعت مطہرہ نے ذکر اللہ میں جس میں حظ روح ہے۔ حسنِ صوت کی

معاونت گانے کی [illegible] سے بھی

[illegible] الطہر شریعۃ ۱۲ منہ

کہ جہارت سے خود قاری یا امام کے علاوہ سامعین کے قلوب پر بھی اثر پڑے، اور ہم اس اثر کو قراتِ جہری کے وقت واقعہ میں اپنے وجدان میں محسوس بھی کرتے ہیں وللہ الحمد،

(۳) جب یہ معلوم ہو چکا کہ صبح اور مغرب اور عشاء کی نمازوں میں قرات جہری ہے۔ اور یہی سہانے اور خوش آیند اوقات ہیں خصوصًا صبح کا وقت کہ وہ نہایت ہی اطمینانِ خاطر اور فراغت کا ہوتا ہے۔ اسمیں جہارتِ قرارت کے علاوہ طوالتِ قرارت بھی مسنون ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہو چکا۔ کہ جہارتِ آواز حضورِ قلب اور خلوصِ دل کے پیدا کرنے یا بڑھانے میں معاون ہے۔ خاصکر اس صورت میں کہ آنحضرت صلعم نے قرآن شریف بحُسنِ صوت خوش آوازی سے پڑھنے کا حکم دیا (بخاری) خود خدا تعالیٰ نے بھی ترتیل سے پڑھنا فرمایا (سورۂ مزمل) تو اب اس بات کے سمجھنے میں کچھ بھی دقت نہیں کہ سورۂ فاتحہ بلند آواز سے برعایتِ حُسنِ صوت وترتیل پڑھکر وجدانی کوائف اور قلبی تاثرات سے متمتع ہوتے ہوئے **آمین** بلند آواز سے کیوں نہ کہی جائے جو خاتمۃ الدعا ہے، (مستفاد از ابی داؤد) اور سامعین یعنے مقتدی جو اس کیفیتِ حظِّ قلبی میں امام کے شریکِ حال ہیں۔ جب وہ بھی اپنے امام کی اقتدا میں بخلوصِ دل گڑگڑا کر بلند آواز سے خدا کی جناب میں **آمین** کہہ کر بالاجمال اپنی التجائیں پیش کریں۔ تو انکی اجتماعی آواز سے جذبات پر عجب اثر پڑتا ہے۔ دل کوائف سے معمور ہو جاتا اور سینہ جوش سے بھر جاتا ہے۔ پس ایسے با خلوص و متاثر جذبات سے متفقہ آوازوں کہی ہوئی **آمین** ملائکہ کی آمین سے موافقت کرتی ہوئی باعثِ غفران و موجب رضائے الٰہی ہو جاتی ہے اسی معنے کو آنحضرت صلعم نے ان الفاظ میں سمجھایا ہے۔ جو صـ۳۹۲ پر گذر چکے ہیں۔ یعنے

اذا امّن الامام فامّنوا فانہ من وافق تامینہ تامین الملائکۃ غفر لہ ما تقدم من ذنبہ (بخاری مسلم وغیرہما)	جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ جسکی آمین کو ملائکہ کی آمین سے موافقت و مناسبت ہو گئی تو اس کے جملہ گذشتہ گناہ بخشے گئے۔

اسی لئے آنحضرت صلعم جہری قرارت کے وقت سورۂ فاتحہ کے اختتام پر بکمالِ احتفاظ و حضورِ قلب بلند آواز سے آمین پکارتے تھے اور آپکے ساتھ صحابہ بھی اُسی کیفیت سے متکیف ہو کر باواز بلند آمین پکارتے تھے۔ بلکہ بعض اوقات انہی خلوص بھرے جذبات کی وجہ سے آنحضرت صلعم مکرر سہ کرر باواز بلند آمین پکارتے تھے۔ کہ بعض اوقات انبساط واحتظاظ کی ایسی حالت ہوتی ہے کہ ایک دفعہ کے کہنے سے جذبات میں سکون واطمینان نہیں ہوتا تو جوش بھرے کلمات کو دو دو دفعہ بلکہ تین تین دفعہ دُھرایا جاتا ہے۔ (حصن حصین ومجمع الزوائد)

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ حُضُوْرَ الْقَلْبِ وَحَلَاوَةَ الذِّكْرِ وَاِدَامَةَ الْفِكْرِ وَغُفْرَانَ الذُّنُوْبِ

تَمَّ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ

فصل سوم

در حکم سورتِ فاتحہ در نماز

سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے۔ کہ نماز کی حقیقت اور صورت کیا ہے؟ اِس کے بعد یہ کہ نماز اور سورتِ فاتحہ میں کیا مناسبت ہے؟ پھر واضح طور پر معلوم ہوجائیگا۔ کہ سورتِ فاتحہ کو نماز کا رکن و جزوِ ضروری مقرر کرنا سراسر باحکمت ہے،

سو معلوم ہو کہ نماز کی حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے خالق و پروردگار خداوند تعالےٰ کی عظمت و کبریائی کے سامنے اقرارِ عبودیّت و اظہارِ عجز و نیاز ہے،

اور وہ صورۃً مرکب ہے۔ چند سنجیدہ و عاجزانہ اور باترتیب و باادب حرکاتِ بدن سے، جو خدائے واحد کی تعظیم اور انسانی عجز و انکساری کے نشانات ہیں۔ مثلاً قیام۔ رکوع اور سجود وغیرہا، اور چند پاک کلمات واذکار سے۔ جو خداوند تعالےٰ کی عظمت و کبریائی، اُس کے نام کی برکت، اور اُسکی حمد و ثنا اور تسبیح و تقدیس اور اپنی عبودیت کے اقرار اور اُسکی درگاہ کی نیازمندی، اور اُسکی جناب میں دعا و التجا پر مشتمل ہیں۔ مثلاً تکبیرات و تسبیحات، اور قراءتِ سورتِ فاتحہ جو بسم اللہ سے ولا الضّالین تک یعنے شروع سے آخر تک سب امورِ مذکورہ پر مشتمل ہے۔ یعنے بِسْمِ اللّٰہ میں خدا کے نام پاک کا تبرّک مطلوب ہے پھر اَلْحَمْدُ سے الدِّیْنِ تک خدا تعالےٰ کی حمد و ثنا، اس کے احسانوں کا اقرار و اعتراف، اور اُسکی مالکیّت و جبروت اور عظمت و سطوت کا بیان ہے۔ پھر اِیَّاكَ نَعْبُدُ سے نَسْتَعِیْنُ تک اپنی عبودیت کا اقرار اور اُسکی درگاہ کی نیازمندی کا اظہار ہے۔ پھر اِھْدِنَا سے وَلَا الضَّآلِّیْنَ تک دعا و التجا ہے۔ اِس بیان سے صاف ظاہر ہے۔ کہ نماز کے افعال اور سورت فاتحہ کی آیات میں کمال مناسبت ہے۔ اور یہ بھی کہ جس طرح قیام و رکوع و سجود فعلی نماز ہیں۔ اِسی طرح سورت فاتحہ **قولی نماز** ہے۔ اِسی لئے **حدیث قدسی** میں اِس کا نام اَلصَّلٰوۃ[1] رکھا گیا ہے۔ کہ یہ سراسر نماز ہے۔ یا نماز کا اہم رُکن ہے، اور کسی ایک اہم رکن پر خواہ وہ فعلی ہے خواہ قولی، کل نماز کا اطلاق قرآن و حدیث میں بہت جگہ وارد ہے۔ مثلاً صحیح مسلم میں ہے۔ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ

[1] صحیح مسلم جلد اول صنہ ۱۷۰ ۱۲ منہ

مِنْ ذَنْبِہٖ الخ (مشکوٰۃ ص۱۱۶) یعنے جس شخص نے قیام کیا رمضان میں خدا کا حکم جان کر اور ثواب کی نیت کر کے، اس کے تمام پہلے گناہ بخشے گئے۔

اس جگہ قیام رمضان سے مراد نماز تراویح ہے۔ اور اس حدیث میں نماز کو قیام سے تعبیر کیا ہے۔ اسلئے کہ قیام نماز کا ایک فعلی رکن ہے۔

اسی طرح رکوع، سجود کے الفاظ بھی نماز کے لئے قرآن و حدیث میں بہت جگہ وارد ہیں۔

اسی طرح قرأت قرآن کو بھی صلوٰۃ کی جگہ استعمال کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:-

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا (بنی اسرائیل پ۱۵)

(اے نبی!) قائم رکھ ہر نماز (جو) دن ڈھلے سے رات کے اندھیرے تک (ہے) خصوصاً فجر کی نماز کیونکہ فجر کی نماز فرشتوں کی (حاضری کی) نماز ہے۔

سید معین الدین صاحب اپنی مایہ ناز تفسیر جامع البیان میں قرآن الفجر کی تفسیر میں فرماتے ہیں:-

قُرْاٰنَ الْفَجْرِ صلوٰۃ الصبح سمیت قرآنا کما سمیت الصلوٰۃ رکوعا وسجودا لتسمیۃ الشیئ باسم رکنہ وجزئہ، عطف علی الصلوٰۃ (جامع البیان فاروقی ص۲۴۹)

قرآن فجر سے مراد نماز فجر ہے۔ اور نماز کا نام قرآن اسی طرح رکھا گیا۔ جس طرح اس کا نام رکوع اور سجود رکھا گیا۔ یعنے کسی شئے کے رکن اور جزء پر اس شئے کا نام رکھدینا اور یہ عطف ہے الصلوٰۃ پر۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ صلوٰۃ الفجر کو قرآن الفجر اسی لئے کہا گیا ہے۔ کہ قرأت قرآن بھی نماز کا ایک اہم رکن ہے،

اب اس بات کا سمجھنا کچھ بھی مشکل نہیں رہا۔ کہ جب نماز کی صورت افعال اور اقوال کا مجموعہ ہے، تو جنس اقوال میں سے قرأتِ قرآن جو اسی ذات حق کا کلام ہے جسکی صفت ثنا مقصود ہے اور جس کے سامنے عجز و نیاز کے آداب بجالانے مطلوب ہیں۔ رکن نماز ہونے میں سب سے زیادہ حقدار ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلعم نے فرمایا:-

اِنَّ هٰذِهِ الصَّلٰوۃَ لَا يَصْلُحُ فِيْهَا شَيْءٌ مِّنْ كَلَامِ النَّاسِ اِنَّمَا هِيَ التَّسْبِيْحُ وَالتَّكْبِيْرُ وَقِرَاءَةُ الْقُرْاٰنِ الحدیث رواہ مسلم (مشکوٰۃ ص۹۸)

نماز میں لوگوں کی کوئی بات بھی جائز نہیں، وہ تو صرف تسبیح و تکبیر اور قرأتِ قرآن ہے۔ (اور بس)

جو کچھ بیان ہوا مطلق قرارت کی فرضیت ورکنیت کے متعلق تھا۔ اسمیں کسی امام و مجتہد اُمت کو اختلاف نہیں- بلکہ سب کا اجماعی قول ہے کہ قرارتِ قرآن منجملہ فرائض نماز کے ہے، چنانچہ حنفی مذہب کی معتبر اور چوٹی کی کتاب **ھدایہ** میں ہے:۔ فرائض الصلوٰۃ ستۃٌ پھر تیسرے نمبر پر لکھا ہے۔ **والقراءۃ** لقولہ تعالیٰ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ،

ہاں قرآن شریف میں سے سورت فاتحہ کے معیّن ہونے میں اختلاف ہے۔ امام شافعی رح اور جمہور محدثین رح اِسے معیّن رکن قرار دیتے ہیں اور اس کے بعد باقی قرآن شریف کے کسی جزو کی قرارت بلاتعیین کا اختیار دیتے ہیں، اور حضرت امام ابوحنیفہ رح بغیر تعیین کے مطلق قرارت قرآن کو فرض کہتے ہیں۔ خواہ کوئی سورتِ فاتحہ پڑھے، خواہ کسی اور جگہ سے پڑھے۔ خواہ ایک آیت پڑھے، خواہ زیادہ پڑھے اور علی التعیین سورت فاتحہ کی قراءۃ کو واجب جانتے ہیں۔ جس کے ترک سے سجدہ سہو لازم آتا ہے اور نماز ناقص رہتی ہے؛

سو ہم تحقیق مسئلہ کے لئے پہلے ایک مقدمہ شناختِ رکنیت کے متعلق ذکر کرتے ہیں پھر امام شافعی رح اور جمہور محدثین رح کے دلائل فرضیت و تعیین فاتحہ کے دلائل بیان کرینگے۔ پھر اس کے بعد حضراتِ حنفیہ رح کے دلائلِ وجوب یا عذراتِ عدم رکنیت مع اُن کے جوابات کے بیان کرینگے۔ واللہُ الموفق

مقدمہ در شناخت ارکان نماز

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے اپنی مایۂ ناز کتاب حجۃ اللہ میں ایک باب اُن اُمور کے بیان میں باندھا ہے۔ جو نماز میں ضروری ہیں[۵۱] ہم اس کا خلاصہ مطلب بقدرِ حاجت اُردو زبان میں لکھتے ہیں۔ اُمید ہے کہ ناظرین اُس سے حظِ علمی کے علاوہ حظِ قلبی سے بھی بہرہ اندوز ہونگے۔ اور عمل کے لئے اُسے اپنے دل میں گرہ دیکر رکھینگے،

"نبی کریم صلعم نے چاہا کہ (اپنی) امت (مرحومہ) کے لئے دو حدیں مقرر کریں۔ ایک[ل] وہ جس سے کم (ادا کرنے) سے ذمہ پورا نہیں ہوتا۔ اور دوسری[۲] وہ جو اتم اکمل اور فائدۂ نماز کے لئے مستوفی ہو؛

"پہلی حد اُن امور[ل] پر بھی مشتمل ہے جنکے ترک کرنے سے نماز کا اعادہ واجب ہے۔ اور اُن امور پر[۲]

[۵۱] الامور التی لابد منہا فی الصلوٰۃ جلد ۲۔ صـ۳ ، ۱۲ منہ

"بھی جن کے ترک سے نماز میں نقصان تو ہو جاتا ہے۔ لیکن نماز کا اعادہ واجب نہیں۔ اور"
"اُن امور پر بھی جنکے ترک پر بغیر یقینی نقصان کے شدید ملامت کیجا سکتی ہے، × × × ×"
"(۲) اور جس امر کو نبی (کریم) صلعم نے لفظِ رکنیت سے ذکر کیا ہے۔ مثل آپؐ کے"
"قول لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب کے[1]۔ یعنے سورت فاتحہ کے پڑھے بغیر"
"نماز نہیں ہوتی۔ اور مثل آپؐ کے قول لَا تُجْزِئُ صَلٰوۃُ الرَّجُلِ حَتّٰی یُقِیْمَ ظَھْرَہٗ"
"فِی الرُّکُوْعِ وَالسُّجُوْدِ[2] کے یعنی کسی آدمی کی نماز کفایت نہیں کرتی حتّٰی کہ وہ رکوع"
"اور سجود میں اپنی پشت سیدھی کرے" اور (۳) امر جس کا نام ہی شارع (علیہ السلام)"
"نے نماز رکھدیا ہو، یعنے لفظ نماز کی بجائے اُس امر کا نام ذکر کیا ہو۔ کیونکہ یہ اُس کے رکن نماز"
"ہونے پر (نہایت) بلیغ تنبیہ ہے۔ مثلاً آپؐ کا فرمان مَنْ قَامَ رَمَضَانَ الحدیث[3]"
"یعنے جسنے قیام کیا رمضان شریف میں" اور آپ کا فرمان فَلْیَرْکَعْ رَکْعَتَیْنِ[4] (مشکوٰۃ ص۱۰۱)"
"یعنے نماز عشا کے بعد دو رکوع کرے" اور مثل خداوند تعالے کے فرمان وَارْکَعُوْا مَعَ"
"الرّٰکِعِیْنَ[5] کے (پ۱) یعنے رکوع کرو ساتھ رکوع کرنے والوں کے یعنے نماز باجماعت پڑھو۔"
"اور مثل فرمان خداوند تعالے کے وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ[6] (ق پ۲۶) یعنے سجدہ یعنے نماز کے"
"بعد خدا کی تسبیح و تحمید کیا کرو۔ اور مثل فرمان خداوندی وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ[7] کے (بنی اسرائیل پ۱۵)"
"یعنے اے نبیؐ! قائم کر نماز فجر (بھی) اور مثل قولِ الٰہی وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِیْنَ[8] کے (بقرہ پ۲)"
"یعنے قیام کرو یعنے نماز پڑھو واسطے اللہ کے عاجزی کرتے ہوئے" اور (۴) کسی امر کو ایسے طور پر ذکر کرنا جس"
"سے یہ سمجھا جائے کہ اس کے بغیر چارہ نہیں۔ مثل قولِ نبی (کریم) صلعم کے۔ تَحْرِیْمُھَا التَّکْبِیْرُ"
"وَتَحْلِیْلُھَا التَّسْلِیْمُ[9] یعنے نماز میں تکبیر (اللہ اکبر) سے داخل ہوں اور سلام (السَّلَامُ عَلَیْکُمْ"
"وَرَحْمَۃُ اللّٰهِ) کہکر خارج ہوں۔ اور مثل فرمان آنحضرت صلعم کے کہ فِیْ کُلِّ رَکْعَتَیْنِ التَّحِیَّۃُ[10] (مسلم"
"عن عائشۃ کنز الحقائق ص۹۶) یعنے ہر دو رکعت میں التحیات یعنے تشہد ہے[11] اور مثل فرمان آنحضرتؐ"

[1] قال الحافظ رح فی تخریج الہدایۃ متفق علیہ ۱۲ منہ [2] مشکوٰۃ صفحہ ۷۶ ۱۲ منہ [3] مشکوٰۃ صفحہ ۱۰۱ اسمیں نماز کو قیام سے یاد کیا ہے اسلئے کہ قیام نماز کا ایک رکن ہے ۱۲ منہ [4] اسمیں رکوع سے مراد نماز ہے یعنے دو رکعت نماز پڑھے" نماز کی بجائے رکوع کا لفظ اسلئے بولا گیا کہ رکوع بھی نماز کا ایک رکن ہے ۱۲ منہ [5] اسمیں بھی نماز کو لفظ رکوع سے تعبیر کیا ہے ۱۲ منہ [6] تفسیر جامع البیان میں اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے - اعقاب الصلوٰۃ - یعنے اے نبیؐ تم نماز کے بعد تسبیحات پڑھا کرو۔ اس آیت میں نماز کا ذکر لفظ سجود سے کیا ہے اسلئے کہ سجدہ بھی نماز کا ایک اہم رکن ہے ۱۲ منہ [7] اسکی تشریح سابق الکلام میں گذر چکی ہے ۱۲ منہ [8] اسمیں نماز کو قیام کے لفظ سے ذکر کیا ہے اسلئے کہ قیام بھی نماز کا ایک رکن ہے ۔ ۱۲ منہ [9] یعنے تکبیر تحریمہ اور سلام ہر دو منجملہ فرائض نماز کے ہیں ۱۲ منہ [10] نماز وتر و صبح آنحضرت صلعم کے خصوصی فعل کے اس سے مستثنے ہے ۱۲ منہ

"کے دربارۂ تشہد کہ جب تو یہ سب کچھ کر چکے تو تیری نماز پوری ہو چکی" [۱]

"(۳) **حاصل کلام** یہ کہ **نماز** جو آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم سے بطور تواتر ثابت ہے"
"اور اُمتِ مرحومہ نے آپ سے (نسلاً بعد نسلٍ) بطریقِ توارث حاصل کی یہ ہے کہ (پہلے) "
"طہارت (صغریٰ و کبریٰ یعنے استنجا، وضو اور غسل) کرے، اور (حدِ ضروری تک) سترِ عورت کرے[۲]"
"اور قیام کرے،
"اور قبلہ شریف کی طرف مُنہ کرے، اور حضورِ قلب سے خدا کی طرف متوجہ ہو، اور خاص اُسی (کی"
"رضا) کے لیے عمل کو خالص کرے، اور زبان سے اَللّٰہُ اَکْبَر پکارے اور **سورتِ فاتحہ**"
"پڑھے اور اس کے ساتھ قرآن شریف کی کوئی سورت بھی ضم کرے۔ مگر فرضوں کی تیسری"
"اور چوتھی رکعت میں (کہ ان میں سورت ضم کرنی ضروری نہیں) پھر رکوع کرے۔ اور اتنا جُھکا"
"ہو کہ ہاتھوں کی انگلیوں کے سرے گھٹنوں پر رکھ سکے (پھر ٹھیرا رہے) حتّٰے کہ قومہ میں اطمینان"
"پاوے، پھر سات اعضا یعنے دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں اور دونوں گھٹنوں اور چہرے کے"
"بل سجدہ کرے پھر (سجدے سے) سر اٹھا دے (اور جلسہ کرے) حتّٰی کہ جلسہ میں برابر ہو کر بیٹھ جاوے"
"پھر اسی طرح دوسری بار سجدہ کرے، پس یہ ایک **رکعت** ہوئی۔ پھر ہر دو رکعتوں پر قعدہ کرے"
"اور تشہد[۳] پڑھے پس اگر نماز کے اختتام پر ہو تو نبی (کریم) صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر درود شریف"
"پڑھے۔ اور جو دعا اُسے محبوب و پسند ہو وہ دعا پڑھے، اور (اُن) ملائکہ اور مسلمانوں پر سلام کہے"
"جو اُس کے آس پاس ہیں" پس یہ ہے نبی (کریم) صلعم کی وہ **نماز** جسکی بابت (ہرگز) ثابت نہیں"
"ہُوا کہ آپ نے فرضوں میں عمداً بغیر عذر کے اِن (امور مذکورہ) میں سے کچھ بھی کبھی بھی ترک کیا ہو"
"اور (یہی ہے نماز) صحابہؓ کی اور تابعین رحؒ کی اور اُن کے بعد کے ائمہ مسلمین کی اور یہی ہے۔"
"جس کا نام مسلمانوں نے نسلاً بعد نسلٍ وراثت میں یہ پایا کہ وہ (اسلامی) **نماز** ہے۔ اور وہ"
"ضروریاتِ مِلّت میں سے ہے[۴]"

خاکسار میر سیالکوٹی کہتا ہے۔ کہ ہر وہ شخص جِسے خدا تعالےٰ نے احادیث نبویّہ کے مطالعہ کی نعمت بخشی ہے اور آنحضرت صلعم کے جملہ کوائفِ عبادت اُسکی نظر میں ہیں، وہ اِس امر میں ایک لمحہ بھر بھی تردّد نہیں

---

[۱] صحیح بخاری ۱۲ منہ [۲] یعنے زیر ناف سے گھٹنوں تک ۱۲ منہ [۳] سوائے وتر نماز کے جیسا کہ سابقاً حاشیہ نمبر ... میں گذر چکا ۱۲ منہ
[۴] حجۃ اللہ مطبوعہ مصر جلد دوم صفحہ ... ۱۲ منہ

کر سکتا۔ کہ حضرت شاہ صاحب رحہ نے نہایت شستہ اور مختصر الفاظ میں آنحضرت صلعم کی نماز کے ضروری امور کا فوٹو کھینچ دیا ہے اور مجتہدین کے اصطلاحی اختلافات (فرائض و واجبات) کو ایسے لطیف پیرایہ میں اور ایسے جامع الفاظ میں سمجھا دیا ہے۔ کہ اگر اصطلاحوں کی تعریفات کی الجھنوں میں نہ پھنستے ہوئے صحابہ رض کی طرح **اتباع سُنت** کو لازم گردان لیں، اور اسی کو شعار و دثار (ظاہر و باطن) بنالیں، تو نماز کے متعلق مسلمانوں میں عملی طور پر کوئی اختلاف باقی نہیں رہ سکتا۔[1] بہر حال حضرت شاہ صاحب رحہ اصولی طور پر **قراءت فاتحہ** کو نماز کا ایک اہم **رُکن** شمار کرتے ہیں اس کے بعد ہم اس کی رکنیت کے مفصل دلائل بھی بیان کرتے ہیں۔ واللہ الموفق،

رُکنیت فاتحہ کے مفصل دلائل

امام شافعی رحہ کتاب "الام" میں فرماتے ہیں کہ:۔

وسنّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یقرء القاری فی الصلوٰۃ بام القرآن ودلّ علی انہا فرض علی المصلی اذا کان یحسن یقرءہا × × اخبرنا سفیان بن عیینۃ رحہ عن الزہری رحہ عن محمود رض بن ربیع عن عبادۃ رض بن الصامت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب (جلد ۱ - صہ ۹۳)

رسول اللہ صلعم نے اپنے عمل سے مقرر کر دیا کہ قاری نماز میں سورت فاتحہ پڑھے۔ اور بتلا دیا کہ سورت فاتحہ کا پڑھنا نمازی پر فرض ہے۔ جبکہ وہ سورت فاتحہ کو بخوبی پڑھ سکتا ہو۔ ہمکو امام سفیان رحہ نے امام زہری رحہ سے انہوں نے محمود بن ربیع رض سے انہوں نے عبادہ بن صامت صحابی رض سے روایت کر کے خبر دی۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جو (اسمیں) سورہ فاتحہ نہیں پڑھتا،

حضرت عبادہ رض کی اس حدیث کی صحت میں کسی امام، کسی مجتہد، کسی محدث۔ اور کسی فقیہ کو کلام نہیں

[1] یعنے ہم ان امور مذکورہ بالا کو اس نیت اور تقید سے ادا کریں کہ آنحضرت صلعم نے ان پر دائما التزام کیا ہے۔ خواہ ان کے ضروری ہونے کو الفاظ سے فرمایا۔ خواہ اپنے دائمی عمل سے سمجھایا۔ ہم بھی ان کو ادا کریں۔ اور فرض و واجب کی اصطلاحی فرقوں میں پڑ کر جھگڑے کھڑے نہ کریں۔ اور اپنی نمازوں کو خلاف سنت ادا کر کے ناقص و بیکار نہ کریں۔ کیونکہ فرض و واجب کا اصطلاحی فرق زمانہ نبوی میں نہ تھا حضرت عبداللہ بن عمر رض سے کسی نے پوچھا تھا۔ کہ نماز وتر فرض ہے یا کیا۔ تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ آنحضرت صلعم نے وتر پڑھے اور تمام مسلمین بھی پڑھتے ہیں (دار قطنی) ۱۲ منہ

کیونکہ اس کے سب راوی جلیل القدر ہیں۔ تین تو نہایت ذی شان امام ہیں یعنے امام شافعیؒ امام سفیان بن عیینہؒ اور امام ابن شہاب زہریؒ اور دو آنحضرت صلعم کی زیارت کے مشرف یافتہ ہیں یعنے محمودؓ بن ربیع، اور عبادہؓ بن صامت، محمود، حضرت عبادہؓ صحابی کے داماد تھے۔ آنحضرت صلعم نے ازراہِ شفقت اِن کے چہرے پر اپنے دہن مبارک کی کُلّی کے چھینٹے مارے تھے۔ اُسوقت اُن کی عمر پانچ سال کی تھی۔ اور حضرت عبادہ رضہ سابقین اوّلین انصاریوں میں سے ہیں فقہائے صحابہؓ میں سے تھے۔ بلکہ اُن بارہ نقبا میں سے ہیں جنکو آنحضرت صلعم نے قبلِ ہجرت اہل مدینہ میں اشاعت و تبلیغ اسلام کے لئے مقرر کیا تھا۔ جنگ بدر و جنگ احد و بیعتِ عقبہ و بیعت رضوان میں شامل تھے[۲]

حضرت عبادہؓ کی اس حدیث کو امام شافعی رحہ کے علاوہ امام احمد رح، امام بخاری رح، امام مسلم رح امام ابوداود رح، امام ترمذی رح، امام نسائی رح، امام ابن ماجہ رح، امام دارمی رح۔ اور امام دارقطنی رح وغیرہم نے اپنی اپنی کتاب میں اسی سلسلۂ اِسناد یعنے سفیان عن الزہری عن محمود عن عبادۃ، سے روایت کیا ہے اور ہر محدث و ہر فقیہ و مجتہد نے وجوب فاتحہ کے متعلق اس حدیث سے اِستدلال کیا ہے[۳] امام شافعی رحہ کتاب الام ہی میں ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں:۔

وان حدیث عبادۃ رضہ وابی ھریرۃ رضہ[۴] یدلان علیٰ فرض ام القران (ج ۱ ص ۹۰)

اور یہ کہ تحقیق عبادہؓ اور ابوہریرہؓ کی حدیثیں سورۂ فاتحہ کی فرضیت پر دلالت کرتی ہیں۔

امام بخاریؒ نے بھی اِس حدیث سے امام و مقتدی ہر دو پر قراءۃ فرض ہونے پر استدلال کیا ہے۔ چنانچہ عنوان باب یوں باندھتے ہیں:۔ باب وجوب القراءۃ للامام والماموم الخ

اور علامہ عینی حنفی رحہ شرح صحیح بخاری میں زیر عنوان ذکر ما یستنبط منہ یعنے ان امور کے ذکر میں جو اس حدیث سے مُستنبط ہوتے ہیں فرماتے ہیں:۔

استدل بھذا الحدیث عبد اللہ بن المبارکؒ والاوزاعی رح ومالک رح والشافعی رح واحمد رح

اِس حدیث سے امام عبداللہ بن مبارکؒ اور امام اوزاعیؒ۔ اور امام مالک رح۔ اور امام شافعی رح۔ اور امام احمد رح اور امام اسحق رح

[۱] صحیح بخاری کتاب العلم ۱۲ منہ [۲] اصابہ جلد دوم ص ۲۶۳ نیز کتاب القراءۃ للبیہقی رح ص ۱۸ ۱۲ منہ
[۳] اگرچہ بعض نے واجب بمعنے فرض کہا ہے۔ اور بعض نے واجب اصطلاحی مراد رکھا ہے۔ جیسا کہ آئندہ تفصیلاً معلوم ہو جائیگا۔ الخ ۱۲ منہ [۴] حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث قسمت الصلٰوۃ الخ آگے آئیگی انشاء اللہ ۱۲ منہ [۵] محدثین کے نزدیک فرض اور واجب کا ایک ہی حکم ہے واجب کا درجہ فرض سے کم ماننا حضرات حنفیہ کی اصطلاح میں ہے۔ فافہم ۱۲ منہ

واسحٰق رح وابو ثور و داؤد، علی وجوب قراءة الفاتحة خلف الامام فی جمیع الصلوات (عمدۃ القاری جلد ۳، صفحہ ۶۹)

اور امام ابو ثور رح اور امام داؤد رح نے سب نمازوں میں قراءتِ فاتحہ خلف الامام کے فرض ہونے پر استدلال کیا ہے،،

پھر اس کے چند سطر بعد حافظ ابن حزم رح قرطبی کا قول انکی کتاب محلّٰے سے نقل کرتے ہیں:۔

قال ابن حزم فی المحلی وقراءة ام القرآن فرض فی کل رکعة من کل صلوٰة اماما کان او ماموما والفرض والتطوع سواء والرجال والنساء سواء (عینی جلد سوم صفحہ ۶۲)

امام ابن حزم رح نے محلّٰی میں کہا کہ سورتِ فاتحہ کی قراءت ہر نماز کی ہر رکعت میں فرض ہے۔ خواہ کوئی امام ہو خواہ مقتدی۔ اور فرض و نفل اور مرد و عورتیں اسمیں سب برابر ہیں۔

صورت استدلال یہ ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے بغیر تخصیص و استثناء کے عام حکم دیا ہے، کہ جو شخص بغیر قراءتِ سورۃ فاتحہ کے نماز پڑھتا ہے۔ اسکی نماز ادا نہیں ہوتی۔ یعنے وہ شخص نماز سے عہدہ برآ نہیں ہوتا۔ بلکہ اسکے ذمہ باقی رہتی ہے۔ خواہ وہ نمازی امام ہے۔ خواہ مقتدی، خواہ منفرد (اکیلا) خواہ مرد ہے۔ خواہ عورت، اور خواہ وہ نماز سفر کی ہے۔ یا حضر کی، اور خواہ وہ نماز فرض ہے۔ خواہ نفل، اور خواہ وہ نماز اونچی قراءت والی ہے خواہ آہستہ قراءت والی، سب میں ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھنی فرض ہے۔ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ کیونکہ آنحضرت صلعم سے یہ حدیث نہایت شاندار صحت سے ثابت ہو چکی ہے۔ کہ آپ نے فرمایا لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَءْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ (بخاری مسلم وغیرہما) یعنے نہیں ہوتی نماز اس شخص کی جو نہ پڑھے سورتِ فاتحہ اور آپ کے دوامی عمل سے بلا اختلافِ احدے دلائل متواترہ سے ثابت ہو چکا ہے۔ کہ آپ نے کسی حالت میں بھی سورتِ فاتحہ کی قراءت ترک نہیں کی۔ نہ امام ہوتے ہوئے۔ نہ اکیلے نہ سفر میں نہ حضر میں۔ نہ فرضوں میں نہ نفلوں میں۔ چنانچہ یہ عموم استدلال حافظ ابن حزم رح کے کلام سے اوپر گذر چکا ہے۔ اور علامہ عینی حنفی اس حدیث کی شرح میں امام شافعی رح وغیرہ محدثین کی وجہ استدلال کی بابت لکھتے ہیں:۔

ثم وجه استدلال الشافعی رح ومن معه بهذا الحديث وهو انه نفی جنس الصلوٰة

امام شافعی رح اور ان کے ساتھ کے (محدثین) لوگوں کی وجہ استدلال یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے سورتِ فاتحہ

عن الجواز الّا بقراءۃ فاتحۃ الکتاب (جلد ۲ ص۱۱) کے پڑھے بغیر جنس صلوٰۃ کے جواز کی نفی کی ہے؛

امام بخاری رحمۃ اللہ نے بھی باب کی سُرخی عام ہی مقرر کی ہے۔ چنانچہ اُن کے الفاظ یہ ہیں :۔

باب وجوب القراءۃ[ط] للامام والماموم فی الصّلوٰت کلّھا فی الحضر والسفر ومایجھر فیھا ومایخافت (بخاری مصری جلد ۱ ص۹۰) پھر اس عنوان کے ضمن میں یہ حدیث حضرت عبادۃؓ والی بھی درج کی ہے؛

اِسی طرح امام بیہقی رحمۃ اللہ نے بھی کتاب القراءۃ خلف الامام میں یوں باب باندھا ہے۔ باب الدلیل علیٰ ان لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب یجمع الامام والماموم والمنفرد یعنے یہ باب ہے اِس بات کی دلیل کا کہ حدیث لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب امام اور مقتدی اور اکیلے سب کو شامل ہے۔

پھر اس کے ذیل میں یہی حدیث حضرت عبادۃؓ والی ذکر کی ہے ؛

غرض تمام محدثین بالاتفاق اِس حدیث کو ہر نمازی پر شامل کہتے ہیں۔

دوسری دلیل تعیین یارکنیت فاتحہ کی یہ حدیث ہے جو حضرت ابوہریرۃؓ سے صحیح مسلم اور مؤطا امام مالکؒ میں مروی ہے۔ کہ :۔

عن ابی ھریرۃ رضہ عن النّبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلم قال من صلّی صلوٰۃ لم یقرء فیھا بام القرآن فھی خداج ثلٰثا غیر تمام فقیل لابی ھریرۃ انا نکون وراء الامام فقال اقرأبھا فی نفسک فانی سمعتُ رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم یقول قال اللّٰہ تعالیٰ قسمتُ الصّلوٰۃ بینی وبین عبدی نصفین ولعبدی ماسأل فاذا قال العبد الحمد للّٰہ ربّ العٰلمین الیٰ اٰخر الحدیث

نبی صلعم نے فرمایا جس کسی نے ایسی نماز پڑھی جس میں اُس نے سورتِ فاتحہ نہیں پڑھی تو وہ نماز ناقص ہے ناقص " " " ہے ناقص " " ہے۔ غیر تمام ہے حضرت ابوہریرۃؓ سے کہا گیا کہ ہم کبھی امام کے پیچھے ہوتے ہیں (تو کیا اُس حالت میں بھی سورت فاتحہ پڑھا کریں ؟) اُنہوں نے کہا ہاں اُسے اپنے جی میں (آہستہ) پڑھ لیا کرو۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ کو یہ فرماتے سنا تھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان نصفا نصفی بانٹ لیا ہے۔ اور میرا بندہ جو کچھ بھی مانگے اُسے وہ سب دوں گا پس جب بندہ کہتا ہے الحمد للّٰہ ربّ العٰلمین

ملہ علامہ عینی رحمۃ اللہ نے کہا کہ ترجمۃ الباب میں فاتحہ کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ یہ حدیث عبادہ رضہ والی، اسپر دلالت کرتی کہ عنوان باب میں تو صرف (مطلق) قراءت کا ذکر ہے اور مطلق قراءت فاتحہ اور غیر فاتحہ سے اعم ہے۔ ۱۲ علمائے حدیث نے اس کے کئی ایک جوابات دیئے ہیں۔ خاکسار بھی ایک عرض کرتا ہے کہ سورتِ فاتحہ قرآن شریف کی جزو ہے۔ بلکہ القرآن العظیم ہے۔ جیسا کہ آئندہ ذکر ہوگا۔ (انشاء اللہ) تو لفظ قراءت اسپر بھی شامل ہے۔ پس عنوان باب اور حدیث الباب میں نہ منافات ہے نہ مغائرت۔ لہٰذا امام بخاری کا باب کے ضمن میں اس حدیث کو لانا بالکل درست اور موزون ہے۔ باقی رہا یہ کہ حضرت سعد رضہ کی شکایت والی روایت اور حضرت ابوہریرہ رضہ والی روایت متعلق مسئی الصلوٰۃ میں عام قراءت کا ذکر ہے اور فاتحہ کا ذکر نہیں ہے۔ تو اس کے جواب کا یہ موقع نہیں ہے۔ ۱۲ منہ

اِس حدیث میں دو مقام فرضیت و رکنیت فاتحہ کے ہیں۔

اوّل یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس نماز کو جس میں سورتِ فاتحہ نہ پڑھی جائے ناقص پیدائش کہا ہے۔ یعنے وہ ناقص الخلقت یا اسقاط شدہ بچہ کی طرح ہے۔

اِس کی وجہ یہ ہے۔ کہ اِس فصل کے مقدمہ میں گذر چکا ہے۔ کہ نماز چند پاک کلمات اور چند باادب حرکات سے مرکب ہے۔ اور اُن پاک کلمات میں سے ایک سورتِ فاتحہ ہے۔ جسے سب افعالِ نماز سے [illegible] مناسبت بھی ہے۔ اور ظاہر ہے۔ کہ جو چیز چند ضروری اجزا سے مرکب ہے اُسکی کوئی ضروری جزو ضائع ہو جائے۔ تو وہ چیز ناقص[1] و بیکار ہو جاتی ہے۔ اور ردّی کر کے پھینک دی جاتی ہے۔ پس جب سورتِ فاتحہ جو ضروری ہے۔ نہ پڑھی گئی، تو وہ نماز قبولیت کے درجہ سے گر گئی۔ اور ناقص الخلقت یا اسقاط شدہ بچے کی مثل ہو گئی۔ تو کسی کام کی نہ رہی۔ (اعاذنا اللہ منہ)

امام زمخشری رح اساس البلاغۃ میں زیر مادہ خدج محاورہ اَخْدَجَ صَلَاتَہٗ کے معنے لکھتے ہیں۔ نقص بعض ارکانہا (ص۲۳۱) یعنے اُس نے نماز کے بعض ارکان کم کر دیئے ۱۲

نکتہ | حدیث مذکور کا مفاد تو یہ ہے۔ کہ ایسی نماز جسمیں سورت فاتحہ نہ پڑھی جائے نقصان والی ہے یا کہ وہ ناقص الخلقت یا اسقاط شدہ بچے کی مثل ہے۔ لیکن الفاظِ حدیث میں یوں نہیں فرمایا۔ بلکہ یوں فرمایا ہے۔ فھی خِدَاجٌ یعنے وہ سراسر نقصان ہے۔ یا یہ کہ وہ "ناقص الخلقت" یا اسقاط شدہ بچہ ہے اِس طرز بیان میں مبالغہ ہے۔[2] جس کا فائدہ یہ ہے۔ کہ آنحضرت صلعم کو ایسی نماز ہرگز ہرگز پسند نہیں، اِسی لئے تین دفعہ دُہرا کر فرمایا ہے۔ ھِیَ خِدَاجٌ ھِیَ خِدَاجٌ ھِیَ خِدَاجٌ اور پھر چوتھی بار فرمایا۔ غَیْرُ تَمَامٍ یعنے ناتمام ہے۔ اِس سے صاف معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ جس نماز کو آنحضرت صلعم ایسی ناپسندیدگی سے ناقص و ناتمام فرمائیں وہ خدا کی درگاہ میں قبولیت کے قابل کب ہو سکتی ہے چنانچہ ایک اور حدیث کے یہ الفاظ ہیں لا تجزئ صلوٰۃ لا یقرء الرجل فیھا بفاتحۃ الکتاب ھٰذا اسناد صحیح (دارقطنی ص۱۲۱) یعنے وہ نماز کفایت نہیں کرتی جس میں آدمی سورہ فاتحہ نہ پڑھے ۱۲

اِس سے معلوم ہوا کہ قرأتِ سورتِ فاتحہ نماز کا ایک ضروری رُکن ہے۔

دوم یہ کہ اِس حدیث میں فرمایا کہ خدا تعالےٰ کا ارشاد ہے کہ سورتِ فاتحہ نماز ہے کیونکہ خدا تعالےٰ

---

[1] حضرات حنفیہ لفظ ناقص سے جو سہارا لیکر فرضیتِ فاتحہ کو تسلیم نہیں کرتے۔ اِسکا جواب آئندہ ملاک سرخی کے تحت دیا جائیگا۔ مترجم

[2] نہایہ ابن اثیر۔ لغت مفرداتِ حدیث نبوی ۱۲ منہ

کا فرمان ہے۔ قسمت الصلوٰۃ اور پھر اس کے بعد سورتِ فاتحہ کی آیات گن گنکر بتا دیا ہے۔
کہ اس سے مراد سورتِ فاتحہ ہے۔
اسکی وجہ بھی یہی ہے۔ کہ قراءتِ سورتِ فاتحہ نماز کا ایک اہم رکن ہے۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رح کی عبارت سے بتا آئے ہیں کہ جس امر کا نام ہی نماز رکھدیا گیا ہے وہ اس کا اہم رکن ہے چنانچہ حدیث میں وارد ہے۔ اَلْحَجُّ عَرَفَةُ ( ) یعنے حج عرفہ ہے۔ اسلئے کہ وقوف عرفات حج کا اہم رکن ہے۔ بلکہ اصل حج یہی ہے۔ کیونکہ بغیر عرفات پر جانے کے مجرد سعیِ صفا و مروہ اور طوافِ خانہ کعبہ کا نام عمرہ ہے۔ نہ حج،

امام نووی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:۔

قال العلماء المراد بالصلوٰۃ هنا الفاتحة سميت بذالك بانها لا تصح الا بها كقوله صلى الله عليه وسلم الحج عرفة ففيه دليل على وجوبها بعينها فى الصلوٰة (جلد ا صـ۱۷۰)

علمائے (حدیث) نے کہا ہے کہ اسجگہ صلوٰۃ سے سورت فاتحہ مراد ہے اس (سورت) کا یہ نام (نماز) اسلئے رکھا گیا کہ وہ (نماز) اسکے بغیر صحیح نہیں ہوتی۔ مثل آنحضرت صلعم کے اس فرمان کے کہ "حج عرفہ ہے۔ پس اس حدیث میں اس (سورت) کے علے التعیین نماز میں فرض ہونے کی دلیل ہے"

اسی طرح امام بیہقی رح کتاب القراءۃ میں اسی حدیث کے متعلق فرماتے ہیں:۔

وفى ذالك دلالة على كونها ركنا فيها حتى سماها باسمها ولم يفرق فيها بين الامام والماموم والمنفرد والذى حمل الحديث وهو اعرف بما روى حمل وجوب قراءتها على الجميع وامر الماموم بقراءتها سرًّا (صـ۱۵)

اس حدیث میں اس (سورت) کے رکنِ نماز ہونے کی دلیل ہے حتیٰ کہ اس کا نام اسکے نام پر رکھا ہے اور اس میں امام اور مقتدی اور منفرد (اکیلے) میں فرق نہیں بتایا اور جس نے اس حدیث کو روایت کیا۔ (یعنے حضرت ابوہریرہؓ) اور وہ اپنی روایت کے معنے دوسروں کی نسبت) زیادہ اچھے پہچاننے والے ہیں انہوں نے اس سورت کی قراءت کو سب پر فرض قرار دیا ہے۔ اور مقتدی کو بھی آہستہ طور پر پڑھنے کا حکم کیا ہے،

امام نوویؒ اور امام بیہقی رح کا یہ استدلال ایسا صاف ہے کہ اسکی مزید تشریح و توضیح کی ضرورت نہیں ہے،

تیسری دلیل۔ رکنیتِ فاتحہ کی یہ حدیث ہے۔ جو موطا امام مالک رح وغیرہ میں ہے کہ رسول اللہ

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نادی ابی بن کعب وھو یصلی فلما فرغ من صلاتہ لحقہ فوضع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدہ علی یدہ وھو یرید ان یخرج من باب المسجد فقال انی لارجو ان لا تخرج من المسجد حتی تعلم سورۃ ما انزل فی التوراۃ ولا فی الانجیل ولا فی القرآن مثلہا قال ابی فجعلت ابطئ فی المشی رجاء ذالک ثم قلت یارسول اللہ السورۃ التی وعدتنی قال کیف تقرء اذا افتتحت الصلوٰۃ قال فقرأت الحمد للہ رب العٰلمین حتی اتیت علی اخرھا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھی ھٰذہ السورۃ وھی السبع المثانی والقرآن العظیم الذی اعطیت (موطا امام مالک رح)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی رض کو آواز دی اور وہ نماز پڑھ رہے تھے پس جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہو گئے پس آپ نے اپنا ہاتھ مبارک ان کے ہاتھ پر رکھا در انحال کہ آپ دروازہ مسجد سے باہر گذرنا چاہتے تھے پس آپ نے فرمایا کہ (اے ابی) مجھے امید ہے کہ تو مسجد سے نکلنے سے پیشتر ایک ایسی سورت سیکھ لیگا۔ جسکی مثل نہ تو توریت میں (سورت) نازل ہوئی اور نہ انجیل میں اور نہ قرآن میں حضرت ابی کہتے ہیں کہ میں اس امر کی امید پر آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ پھر آپ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! وہ سورت (سکھا دیجئے) جسکا آنجناب نے وعدہ کیا تھا۔ (اسپر) آپ نے فرمایا۔ جبوقت تو نماز شروع کرتا ہے۔ تو کس طرح قرارت کرتا ہے؟ کہنے (سورت) الحمد للہ رب العٰلمین تا آخر پڑھ سنائی تو رسول اللہ صلعم نے فرمایا بس یہی وہ سورت ہے۔ اور یہی سبع مثانی اور القرآن العظیم ہے جو مجھے عطا ہوئی ؎

یہ حدیث مؤطا امام مالک رح کی مسند روایت ہے۔ جسکی صحت میں کلام نہیں ہو سکتا۔ اور اس واقعہ کو امام مالک رح کے علاوہ امام ترمذی رح امام نسائی رح امام احمد رح امام ابن خزیمہ رح اور امام بیہقی رح نے بھی حضرت ابو ہریرہ رض کی وساطت سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابی بن کعب رض کا واقعہ یوں یوں ہے۔ اور ایسا ہی ایک واقعہ حضرت ابو سعید بن معلی رض کا بھی ہے۔ جسے امام بخاری رح نے صحیح بخاری میں روایت کیا ہے۔ غرض حضرت ابی والے قصہ کو کثیر التعداد محدثین نے صحیح سندوں سے روایت کیا ہے لہٰذا اسکی صحت میں شک نہیں ہو سکتا ؎

وجہ استدلال یہ ہے کہ امام بیہقی رح نے کتاب القرارت میں اس حدیث کو بسندِ خود ذکر کر کے لکھا ہے

بن كعب رض كيف تقرء في صلوتك فاجابه
بام القران ولم يفصّل بين ان يكون
اماما او ماموما او منفردا ادل على ان لا
فرق بينهم في وجوب قراءتها على من
احسنها منهم في صلوته ودلّ على انه
كان مستفيضا شائعا فيما بينهم يعني القراءة
بالفاتحة حتى احاله المصطفى صلى الله
عليه وسلم فيما اراد ان يعلمه من السورة
على ما يقرء في صلوته واجابه ابي بها
دون غيرها من القران مع استحباب
قراءة غيرها منها والله اعلم
(كتاب القراءة بيهقي رح صفحہ ۳۴)

کس طرح قراءت کرتا ہے تو انہوں نے جواب میں سورت فاتحہ پڑھ سنائی، اور امام یا مقتدی یا منفرد (اکیلے) کی تفصیل بیان نہیں کی۔ تو اس بات نے صاف دلالت کردی کہ ان (امام، مقتدی اور منفرد) میں سے نماز میں سورت فاتحہ کی قراءت کے فرض ہونے کے متعلق کوئی فرق نہیں ہے۔ نیز اسپر بھی دلالت کردی کہ صحابہ میں قراءت فاتحہ عام طور پر مشہور و شائع تھی حتی کہ آنحضرت صلعم نے اس صحابی کو ایک سورت بتانے کا جو ارادہ کیا تو اس کا نشان اس طرح بتایا کہ وہ سورت (مراد ہے) جو تو اپنی نماز میں پڑھا کرتا ہے، اور حضرت ابی رض نے بھی (بغیر تامل و استفسار کے) جواب میں وہی سورت سوائے کسی دیگر سورت کے پڑھ سنائی باوجود اس کے کہ (بعد فاتحہ کے) کسی اور سورت کی قراءت بھی مستحب ہے۔"

امام بیہقی رح کا یہ استدلال بالکل صاف ہے۔ کہ آنحضرت صلعم حضرت ابی سے بغیر کسی تصریح یا تعیین کے پوچھتے ہیں کیف تقرء اذا افتتحت الصلوٰة یعنے تو جب نماز شروع کرتا ہے تو قراءت کس طرح کرتا ہے اور حضرت ابی رض بھی بغیر کسی استفسار کے سورتِ فاتحہ پڑھ سناتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسپر اظہار فرماتے ہیں کہ بس تم سے اسی سورت کی فضیلت بتانے کا وعدہ تھا تو اس سے صاف سمجھا جاسکتا ہے۔ کہ جب آنحضرت صلعم نے بغیر تعیین کے سوال کیا۔ اور حضرت ابی رض نے بغیر استفسار کے آنحضرت صلعم کی مراد سمجھکر جواب دیا۔ اور آنحضرت صلعم نے اس جواب کی تصدیق کی تو صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلعم اور صحابہ رض کے نزدیک نماز میں سورتِ فاتحہ کی قراءت مقرر تھی اور ایسی مشہور و شائع تھی، کہ بغیر توضیح و تعیین کے ذہن میں یہی آتی تھی[1] خدا تعالےٰ امام بیہقی رح پر اس

[1] فن بلاغت کا قاعدہ ہے کہ جو بات متکلم یا مخاطب یا سائل و مسئول ہر دو کے ذہن میں مقرر و معین ہو بیان میں اسکی تعیین و تصریح کی نسبت اشارہ و کنایہ ابلغ ہوتا ہے، ایسے ہی مواقع کی نسبت علمائے بلاغت کہتے ہیں۔ الكناية ابلغ من الصراحة یعنے (موقع مناسب پر) کنایہ صراحت سے زیادہ بلیغ ہوتا ہے“

لطیف استدلال کی جزا میں لاکھوں رحمتیں نازل فرمائے ، آمین،

اس حدیث سے دوسری وجہ استدلال یہ ہے۔ کہ اِسے خداتعالےٰ نے سبع مثانی اور القرآن العظیم کہا ہے۔ یہ دونوں بھی سورت فاتحہ کے نام ہیں۔ جیسا کہ ص۲۵ پر مذکور ہو چکا ہے۔ پیشتر اسکے کہ ہم ان اسماء کی وجوہ کی وضاحت کریں، ضروری ہے کہ اِن کی ترکیبِ نحوی بھی بیان کردیں۔ کیونکہ اوّل تو اس وجہ استدلال کا مدار اسی پر ہے۔ دوم اسلئے کہ یہ ترکیب بذاتِ خود ایک نکتہ ہے۔ اور یہ تفسیر واضح البیان سورتِ فاتحہ کے خاص اور باقی قرآن شریف کے عام نکات ہی کے بیان کرنے کے لئے لکھی گئی ہے۔ واللہ الموفق،

خدائے عزّوجلّ آنحضرت صلعم کو امتناناً واحساناً فرماتا ہے۔ کہ :۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ (الحجر پ۱۴)	(اے پیغمبر صلعم!) بیشک ہمنے تمکو سات آیتیں ایسی دی ہیں جو مثانی ہیں۔ اور القرآن العظیم بھی ہیں،

بموجب حدیث مُوطا زیر بحث اور مطابق حدیث صحیح بخاری کے اسجگہ سبع سے مراد سورت فاتحہ ہے[۱] جسکی بالاتفاق سات آیتیں ہیں اور من المثانی میں مِن بیانیہ ہے۔ اور اسپر القرآن العظیم کا عطف

---

[۱] اس کے سوا سبع مثانی کی تعیین میں جسقدر اقوال ہیں، وہ آنحضرت صلعم تک مرفوع نہیں ہیں۔ چنانچہ علامہ زرقانی رح شرح مؤطا میں فرماتے ہیں ورجح ابن جریر القول الاول لصحۃ الخبر فیہ عن رسول اللہ صلعم فلا معدل عنہ وقال ابن عبد البر وھو الصحیح والاثبت عن ابن عباس وقد روی الطبرانی باسناد حسن عن ابن عباس انہ قرء فاتحۃ الکتاب ثم قال ولقد اتینٰک سبعا من المثانی فقال ھی فاتحۃ الکتاب وباسناد جید عن عمرؓ ثم عن علیؓ السبع المثانی فاتحۃ الکتاب زاد عن عمرؓ تثنی فی کل رکعۃ ومن طریق ابی جعفر الرازی رح عن الربیع بن انس عن ابی العالیۃ السبع المثانی الفاتحۃ قلت للربیع انھم یقولون انھا السبع الطول قال لقد انزلت ھٰذہ الاٰیۃ وما انزل من الطول شیئ ۱۲ منہ

یعنے امام ابن جریر طبری رح نے پہلے قول یعنے سورت فاتحہ کی تعیین والے قول کو ترجیح دی ہے کیونکہ اس کے متعلق آنحضرتؐ سے صحیح حدیث ثابت ہوچکی ہے۔ پس اس سے پرے ہٹنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ اور حافظ ابن عبد البرّ مغربی رح نے کہا کہ حضرت ابن عباسؓ سے یہی قول صحیح اور اثبت ہے۔ کیونکہ امام طبری رح نے حضرت ابن عباسؓ سے باسنادِ حسن روایت کیا کہ آپ نے سورہ فاتحہ پڑھی پھر قرآن شریف کی یہ آیت ولقد اٰتینٰک سبعا من المثانی پڑھکر فرمایا کہ یہ سورتِ فاتحہ ہے اور حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے بھی باسناد جید منقول ہے کہ سبع مثانی سورتِ فاتحہ ہے۔ اور حضرت عمرؓ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ (اس کا نام مثانی اسلئے ہے کہ، یہ ہر رکعت میں دُہرائی جاتی ہے اور ابو جعفر رازی رح کے طریق سے ربیع بن انس رح سے انہوں نے ابو العالیہ سے روایت کیا کہ سبع مثانی فاتحہ ہے۔ (ابو جعفر رح کہتے ہیں) کہ یعنے ربیع سے کہا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ سبع مثانی سے مراد سات لمبی سورتیں ہیں تو ربیع نے جواب دیا۔ کہ یہ آیت یعنے ولقد اٰتینٰک سبعا من المثانی اسوقت اتری تھی۔ جب سات لمبی سورتوں میں سے کوئی بھی نہیں اتری تھی۔ یعنے اس آیت کا نزول اُن سورتوں کے نزول سے پہلے ہے تو اس سے وہ مراد کیسے ہوسکتی ہیں، ۱۲ منہ

من باب عطف الصفة على الصفة ہے۔ اور اسی ترکیب کے مطابق ہم نے آیت کا ترجمہ کیا ہے۔ چنانچہ علامہ محمد طاہر پٹنی رح مجمع البحار میں لکھتے ہیں۔ والقرآن العظیم عطف صفة على صفة (جلد اول ص۱۲۵) اسی طرح علامہ عینی حنفی رح شرح صحیح بخاری میں اس حدیث کی شرح میں امام کرمانی رح شارح بخاری کا قول یوں نقل کرتے ہیں:-

وقال الكرماني المشهور بين النحاة ان هٰذه الواو للجمع بين الوصفين فمعنى وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ اى ما يقال له السبع المثاني والقرآن العظيم وما يوصف بهما (عینی جلد ہشتم ص۱۰۹)

کرمانی رح نے کہا کہ یہ بات نحویوں میں مشہور ہے کہ یہ واو دو وصفوں کو جمع کرنے کے لئے ہے۔ پس آیت وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا الخ سے مراد وہ سات آیتیں ہیں جنکو سبع مثانی اور القرآن العظیم کہا جاتا ہے۔ اور وہ ان دونوں وصفوں سے موصوف ہیں ؛

غرضیکہ سورت فاتحہ کے بالخصوص دو اوصاف یا نام ہیں، اول مثانی اسلئے کہ اسے نماز کی ہر رکعت میں دہرایا جاتا ہے۔ جیسا کہ سابقا ص۲۲ کے حاشیہ میں حضرت عمر رض کے قول سے گذر چکا ہے۔ دوم القرآن العظیم، اسلئے کہ یہ سورت ثواب اور عظمت میں سارے قرآن کے برابر ہے۔ اسلئے کہ یہ سورت سارے قرآن کا خلاصہ ہے۔ یا یوں سمجھو کہ سارا قرآن شریف اسکی تفصیل و شرح ہے۔ جیسا کہ آپ اس تفسیر واضح البیان کے مطالعہ سے معلوم کر سکتے ہیں۔ اسی طرح آنحضرت صلعم نے سورہ اخلاص کی نسبت فرمایا:- انها لتعدل ثلث القرآن ( ) یعنے یہ سورت قرآن کے ثلث ($\frac{1}{3}$) حصے کے برابر ہے کیونکہ قرآن کے تین اہم مقاصد ہیں۔ توحید۔ نبوت اور معاد اور سورۂ اخلاص میں صرف توحید کا بیان ہے۔ جو تین میں سے ایک ہے؛

پس وجہ استدلال بالکل صاف ہے۔ کہ جب خدا تعالے نے اسکی صفت ہی یہ فرمائی کہ یہ ہر رکعت میں دہرائی جاتی ہے تو خدائے تعالے کے نزدیک نماز میں اس کا تقرر ثابت ہو گیا۔ اور اس کے تقرر کی حکمت اس کے دوسرے وصف القرآن العظیم سے ظاہر ہوتی ہے۔ کہ چونکہ یہ جملہ مضامین و اصول قرآن مجید پر شامل ہے اور اسکی قراءت آسان ہے تو خدائے تعالے نے اس کے مقرر کرنے سے یہ چاہا کہ نمازیان امت محمدیہ ہر رکعت میں بلا کلفت حکماً سارے قرآن کے ختم کا ثواب لے سکیں، اسی لئے آنحضرت صلعم نے فرمایا:- کہ

عن عبادة بن الصامت ان النبي صلى الله عليه وسلم قال ام القرآن عوض من غيرها وليس غيرها منها بعوض (دار قطني ج۱ ص۱۲۲)

سورتِ فاتحہ اپنے غیر کا عوض ہو سکتی ہے۔ یعنے یہ اسکی بجائے قائم ہو سکتی ہے اور اس کا غیر اسکا عوض نہیں ہو سکتا۔

دارقطنی کی اس حدیث کو امام بیہقی رح نے بھی کتاب القرات میں اپنے استاد حافظ ابو عبداللہ کے واسطے سے امام دارقطنی رح کے سلسلۂ اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اور اس کے اخیر پر کہا ہے:۔ قال ابو عبد اللہ رواتہ کلھم ثقۃ (ص۹) یعنے حافظ ابو عبداللہ رح نے کہا کہ اس کا ہر ایک راوی ثقہ ومعتبر ہے۔ ۱۲

حاصل کلام یہ کہ دلائل مذکورہ بالا اور دیگر دلائل سے جو انشاء اللہ ابھی آئندہ بیان ہونگے واضح ہے۔ کہ سورت فاتحہ کی قرات نماز کا ایک اہم رکن ہے۔ کیونکہ سورتِ فاتحہ **قولی نماز** ہے۔ خواہ امام ہو۔ خواہ منفرد۔ خواہ مقتدی سب پر فرض ہے امام اور منفرد ہو کر تو سب پڑھتے ہیں۔ لیکن مقتدی ہونے کی حالت میں بعض کا یہ مذہب ہے۔ کہ مقتدی کے لئے امام کی قرات کفایت کرتی ہے۔ اسکی تفصیل تو انشاء اللہ آئندہ آئیگی۔ لیکن سردست اتنا ضرور یاد رکھ لیجئے۔ کہ جب سورتِ فاتحہ کی قرات رکن نماز ہے۔ تو ارکان میں امام کی نیابت کام نہ آسکنے کی وجہ سے قرات فاتحہ میں بھی امام کی قرات کفایت نہ کرے گی۔ ورنہ رکوع وسجود میں بھی نیابت جائز ہوتی۔ اور اس کا کوئی بھی قائل نہیں، چنانچہ امام بخاری رح جزء القراۃ میں ارقام فرماتے ہیں:۔

وقيل له اتفق اهل العلم وانتم لا يحتمل الامام فرضا عن القوم ثم قلتم القراءة فريضة ويحتمل الامام هذا الفرض عن القوم فيما جهر الامام ولم يجهر ولا يحتمل الامام شيئا من السنن نحو الثناء والتسبيح والتحميد فجعلتم الفرض اهون من التطوع (ص۹)

اور اُسے (قرأۃ الامام لہ قراءۃ کے قائل کو) یہ بھی کہا جائیگا کہ سب اہل علم اور تم بھی اس بات پر متفق ہو کہ امام مقتدی کے فرض کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ پھر تمہارا یہ قول بھی ہے کہ (مطلق) **قرات فرض** ہے۔ اور امام قوم سے اس فرض کو اٹھا لیتا ہے۔ اُس نماز میں بھی جس میں وہ قرات بالجہر پڑھے۔ اور اس میں بھی جس میں بالجہر نہ پڑھے۔ لیکن امام کسی سنت کو مثل ثنا (سبحانک اللھم) اور تسبیح وتحمید کے نہیں اٹھاتا۔ سو تم نے (اس میں) فرض کو نفل سے ہلکا کر دیا جو درست نہیں۔ ۱۲ + + +

قراءتِ فاتحہ خلف الامام کے خاص دلائل

اوپر جو کچھ بیان ہوا وہ قراءتِ فاتحہ کے رُکن نماز ہونے کے متعلق تھا۔ جب یہ حال ہے تو قراءت فاتحہ مقتدی پر بھی فرض ہے۔ کیونکہ فرائض کی ادائگی۔ امام، مقتدی، اور منفرد سب پر لازم ہے۔ دیگر یہ کہ جب آنحضرت صلعم نے عام طور پر فرمادیا۔ لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْکِتَابِ یعنے اُس شخص کی نماز نہیں ہوتی جو (نماز میں) سُورت فاتحہ نہیں پڑھتا۔ تو عمومِ کلمہ مَنْ میں امام مقتدی منفرد سب آگئے۔ اگرچہ اِس دلیل کے بعد کسی خصوصی دلیل کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ لیکن بعض اشخاص کسی خاص دلیل سے بھی تسلی چاہتے ہیں اور وہ ہمارے پاس خدا کے فضل سے موجود ہے اسلئے ہم اسکے لئے الگ عنوان قائم کرکے بھی ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ وَاللہُ الْمُوَفِّقُ،

پہلی حدیث

امام بیہقی رح نے کتاب القراءت میں باسنادِ خود بغیر واسطہ محمد بن اسحاق رح کے حضرت عبادہ رض سے روایت کیا کہ:-

عن عبادة بن الصامت رض قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا صلوة لمن لم يقرء بفاتحة الكتٰب خلف الامام ۔	رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ اُس شخص کی نماز نہیں ہوئی۔ جس نے امام کے پیچھے سورت فاتحہ نہیں پڑھی،

حضرت عبادہ رض کی اِس روایت میں اُس روایت کی نسبت جو صلا پر اثبات رکنیت میں بخاری ومسلم کی روایات سے گذر چکی ہے۔ الفاظ خلف الامام زیادہ ہیں، امام بیہقی رح اس زیادت کی نسبت لکھتے ہیں:-

قال ابو الطيب[ل] رح قلت لمحمد[ل] بن سليمان خلف الامام؟ قال خلف الامام وهذا اسناد صحيح والزيادة فيه	ابو الطیب[ل] نے کہا میں نے (اپنے استاد) محمد[ل] بن سلیمان سے (استفسارًا) کہا خلف الامام؟ تو آپ نے کہا (ہاں!) خلف الامام یہ اسناد صحیح ہے اور اسمیں جو زیادت (خلف الامام

[ل] ہر دو اس روایت کے راویوں میں سے ہیں۔ ابو الطیب شاگرد ہیں اور محمد بن سلیمان اُن کے اُستاد ہیں۔ ۱۲ منہ

كالزيادة التى فى حديث مكحول وغيره فهى عن عبادة بن الصامت رضى الله عنه صحيحة مشهورة من اوجه كثيرة وعبادة بن الصامت رضى الله عنه من اكابر اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم وفقهاءهم (صـ۴۷)	کی ہے وہ مکحول وغیرہ راویان کی حدیث کی زیادت کی طرح ہے۔ پس یہ (زیادت) حضرت عبادہ رضہ سے (باسناد صحیح ثابت ہے) جو کئی ایک وجہات کر مشہور ہے۔ اور (خود) حضرت عبادہ رضہ اکابر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہیں۔ اور صحابہ رضہ کے فقہاء (مجتہدین) میں سے ہیں!

دُوسری حدیث

امام بیہقی رحہ نے کتاب القراءۃ میں بغیر واسطہ محمد بن اسحٰق رحہ کے باسنادِ خود روایت کیا کہ

عن عبادة بن الصامت رضہ قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لا صلوٰة لمن لم يقرء بفاتحة الكتاب اماما وغير امام (صـ۲۱)	حضرت عُبادہ بن صامت رضہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلعم کو یہ فرماتے سُنا کہ نہیں ہوتی نماز اُس شخص کی جو نہ پڑھے سورۃ فاتحہ امام ہو یا غیر امام (مقتدی ومنفرد)

تیسری حدیث

امام سیوطی رحہ جامع صغیر میں معجم طبرانی سے نقل کرتے ہیں۔ اور اسے حسن کہتے ہیں:۔

مَن صلى خلف امام فليقرء بفاتحة الكتاب (طب) عن عبادة (ح) جامع صغير مطبوعہ مصر جلد ۲ صـ۱۲۹	جو شخص نماز پڑھے پیچھے امام کے پس چاہیئے کہ پڑھے وہ سورتِ فاتحہ؛

علامہ ہیثمی رحہ نے مجمع الزوائد میں اس حدیث کی نسبت کہا۔ رجاله موثقون۔ یعنے اُس کے سب راوی ثقہ ہیں۔

تنبیہ ان ہرسہ روایات سے واضح ہوسکتا ہے کہ حدیثِ فاتحہ محدثین نے حضرت عُبادہ رضہ سے مختلف عنوانوں سے روایت کی ہے۔ اور اُس کے سب طرایق روایت صحیح ہیں۔ کسی روایت میں تو اختصار ہے۔ اور کسی میں تفصیل۔ بخاری ومسلم کی روایت جو اثباتِ رکنیتِ فاتحہ کے ضمن میں صـ۵ پرگذر چکی

ہے۔ اس میں اختصار ہے۔ کیونکہ مقتدی اور امام اور منفرد سب کا فاتحہ پڑھنا لفظ مَن کے عموم کے ماتحت ہے اور عام غیر مخصوص البعض علمائے حنفیہ کے نزدیک اپنے افراد پر مثل خاص کے بطور قطعیت شامل ہوتا ہے۔ کیونکہ اسکا عموم شمولی ہوتا ہے۔ نہ کہ بدلی، اور اسکی تخصیص حنفیہ کے نزدیک خبر واحد اور قیاس سے نہیں ہو سکتی[1] یہ وہ باتیں ہیں، جو حنفی علمائے اصول کے نزدیک مسلم ہیں[2]۔ اور جہاں عموم اشخاص یا افراد پایا جائیگا۔ وہاں لازماً عموم احوال بھی پایا جائیگا۔

چنانچہ امام تاج الدین سبکی رحہ جمع الجوامع میں فرماتے ہیں۔

وعموم الاشخاص یستلزم عموم الاحوال والازمنة والبقاع (جلد ۲ صفحہ ۲۷)	اور عموم اشخاص لازم پکڑتا ہے۔ حالات اور زمانوں اور مقامات کے عموم کو بھی"

اور امام جلال الدین محلی رحہ شرح میں اسکی وجہ یہ بتلاتے ہیں۔ لانہ لا غنی للاشخاص عنہا یعنے اشخاص ان امور مذکورہ سے غنی و بے پرواہ نہیں ہو سکتے"

پس جب آنحضرت صلعم نے عام طور پر فرمایا من لم یقرء تو اس کے ضمن میں ہر فرد نمازی اور اُن کے سب حالات (امامت، اقتدا اور انفراد) بھی آگئے، پس صحیح بخاری و مسلم والی روایت میں جو امور کلمۂ مَن کے ضمن میں داخل ہیں۔ اُن میں سے بعض امام بیہقی رحہ اور امام طبرانی کی روایات میں صراحتہً مذکور ہیں۔ پس نہ تو انہیں مخالفت ہے اور نہ شذوذ کا عذر ہو سکتا ہے[3]۔ بلکہ اختصار و تفصیل کی بات ہے۔ اوبس

چوتھی حدیث

اِس حدیث سے قرارت سورتِ فاتحہ خلف الامام کی نزاع بالکل ختم ہو جاتی ہے۔ اور کسی طالبِ حق متبع دلیل کے لئے کوئی خرخشہ باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ اسمیں اونچی قرارت ہی کے وقت میں آنحضرت صلعم نے خاص اپنے پیچھے سورت فاتحہ پڑھنے کا حکم کیا ہے۔ اور ممانعت اِس کے سوا باقی قرارت سے کی ہے چنانچہ امام نسائی اپنی سُنن میں باب قراءۃ ام القرآن خلف الامام فیما جھر بہ الامام میں بنادِ خود حضرت عبادہ رضہ سے روایت کرتے ہیں: ۔ کہ

[1] اگر روایت من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ وغیرہ کو اِس کا مخصص بنایا جائے تو درست نہ ہوگا۔ جیسا کہ انشاء اللہ آئندہ اس کے موقع پر مفصل ذکر ہوگا۔ ۱۲ منہ [2] مثلاً اصول بزدوی، مسلم الثبوت، توضیح تلویح وغیرہا ۱۲ منہ
[3] جیسا کہ صاحبِ آثار السنن کو وہم ہوا ہے ۱۲ منہ

(۱) عن عبادة بن الصامت رضؓ قال صلّی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض الصلوٰۃ التی یجھر فیھا بالقراءۃ فقال لا یقرأن احد منکم اذا جھرتُ بالقراءۃ الا بام القرآن (مطبوعہ نظامی ص ۱۵۳)

پڑھائی ہمکو آنحضرت صلعم نے بعض وہ نماز جس میں قرارت اونچی پڑھی جاتی ہے۔ یعنے فجر کی، تو آپ نے (نماز سے فارغ ہو کر) فرمایا کہ جب میں اونچی قرارت پڑھوں تو تم میں سے کوئی بھی سوائے سورتِ فاتحہ کے کچھ نہ پڑھا کرے۔

امام نسائی کی اس روایت کے سب راوی ثقہ ہیں۔ اور اسکا سلسلہ اسناد بالکل متصل ہے۔

(۲) اس حدیث کو امام دارقطنی رحؒ نے بھی اسی سلسلہ سے باسنادِ خود (مطولاً) روایت کیا ہے۔ اور اسکی اسناد کو حسن اور اس کے سب راویوں کو ثقہ کہا ہے۔ چنانچہ نافع بن محمود سے روایت کر کے لکھتے ہیں۔

انه سمع عبادة بن الصامت یقرأ بام القرآن وابو نعیم یجھر بالقراءۃ فقلت رأیتك صنعت فی صلوتك شیئا قال وماذاك قال سمعتك تقرء بام القرآن وابو نعیم یجھر بالقراءۃ قال نعم صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض الصلوات التی یجھر فیھا بالقراءۃ فلما انصرف قال منکم من احد یقرء شیئا اذا جھرت بالقراءۃ قلنا نعم یا رسول اللہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا اقول مالی انازع القرآن فلا یقرأن احد منکم شیئا من القرآن اذا جھرتُ بالقراءۃ الا بام القرآن ھذا اسناد حسن ورجالہ ثقات کلھم (دارقطنی ص ۱۲۱)

نافع بن محمود نے کہا کہ میں نے عبادہ بن صامتؓ کو (دراں حال کہ ابو نعیم اونچی قرارت پڑھ رہا تھا) سورتِ فاتحہ پڑھتے سنا (جب نماز سے فارغ ہوئے تو) میں نے کہا میں نے آپ کو نماز میں کچھ پڑھتے دیکھا ہے۔ آپ نے کہا وہ کیا؟ میں نے کہا آپ کو سورتِ فاتحہ پڑھتے سنا (دراں حال کہ ابو نعیم اونچی قرارت پڑھ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں (ایسا عمداً کیا ہے کیونکہ ایکدفعہ آنحضرت صلعم نے ہمکو بعض وہ نماز پڑھائی جس میں اونچی قرارت پڑھی جاتی ہے۔ تو جب آپ فارغ ہوئے تو فرمایا کیا تم سے کوئی اس وقت جب میں اونچی قرارت پڑھ رہا تھا قرآن میں سے کچھ پڑھتا تھا ہم نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ صلعم، پس رسول اللہ صلعم نے فرمایا میں (دل میں) بھی تو کہہ رہا تھا کہ کیا بات ہے کہ میرے ساتھ قرآن میں منازعت ہوتی ہے پس جب میں اونچی قرارت پڑھوں تو تم میں سے کوئی بھی سوائے سورتِ فاتحہ کے کچھ بھی نہ پڑھا کرے۔ (امام دارقطنیؒ کہتے ہیں) اسکی اسناد حسن ہے اور اس کے سب راوی ثقہ (اور معتبر) ہیں۔

(۳) امام دارقطنی کے علاوہ اس حدیث کو امام بیہقی رحؒ نے بھی باسنادِ خود نافع ہی کی روایت سے اس سے

بھی مفصل ذکر کیا ہے :-

عن نافع × × × عن عبادة بن الصامت رضؓ وکان
على ايليا فابطأ عبادة رضؓ عن صلوة الصبح فاقام
ابونعيم الصلوة وكان اول من اذن ببيت
المقدس فجئت مع عبادة رض حتى صففنا
مع الناس وابونعيم يجهر بالقراءة فقرء
عبادة رض بام القرآن حتى ختمها وفي رواية
الحافظ حتى فهمتها منه فلما انصرف قلت
سمعتك تقرء بام القرآن قال نعم۔
صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم
بعض الصلوة التي يجهر فيها بالقراءة
فقال لا يقرأن احد منكم اذا جهرت
بالقراءة الا بام القرآن (کتاب القراءة ص۴۲)

(نافع عبادہ بن صامت کا ذکر کرکے کہتے ہیں کہ جس زمانہ میں) حضرت عبادہ والیِ ایلیا (بیت المقدس) تھے، (ایکدن) آپ کو صبح کی نماز میں دیر لگ گئی، پس ابونعیم نے جماعت کرائی، اور ابونعیم وہ شخص ہے جسنے بیت المقدس میں سب سے پہلے اذان دی۔ پس میں حضرت عبادہ رض کے ساتھ آیا اور ہم دونوں صف میں لوگوں کے ساتھ شامل ہوگئے۔ ابونعیم اسوقت اونچی قرارت پڑھ رہے تھے پس حضرت عبادہ رض سورتِ فاتحہ پڑھنے لگے حتّٰی کہ اُسے ختم کیا۔ اور حافظ ابو عبداللہ کی روایت میں یوں ہے کہ حتّٰی کہ مَیں نے سمجھ لیا۔ کہ آپ فاتحہ پڑھ رہے ہیں۔ پس جب نماز سے فارغ ہوئے تو مَیں نے کہا۔ مَیں نے آپ کو سورتِ فاتحہ پڑھتے سُنا ہے، تو آپ نے فرمایا، ہاں! (ایکدن) ہمیں رسول اللہؐ نے بعض وہ نماز پڑھائی۔ جسمیں اونچی قرارت پڑھی جاتی ہے۔ پس آپ نے فرمایا جب میں اونچی قرارت پڑھوں تو تم میں سے کوئی بھی سوائے سورتِ فاتحہ کے (کچھ بھی) نہ پڑھا کرے۔

(۴) اِن کے علاوہ اسے امام ابوداؤد نے بھی باسنادِ خود یوں روایت کیا ہے :-

قال نافع ابطأ عبادة رض عن صلوة الصبح فاقام
ابونعيم المؤذن الصلوة فصلى ابونعيم
بالناس واقبل عبادة رض وانا معه حتى صففنا
خلف ابي نعيم وابونعيم يجهر بالقراءة
فجعل عبادة رض يقرء بام القرآن فلما
انصرف قلت لعبادة رض سمعتك تقرء
بام القرآن وابونعيم يجهر قال اجل

نافع نے کہا کہ (ایکدن) حضرت عبادہؓ کو صبح کی نماز میں دیر ہوگئی تو (آپ کی بجائے) ابونعیم مؤذن نماز پڑھانے کھڑے ہوئے (بعد ازاں) حضرت عبادہ بھی آگئے۔ اور میں آپ کے ساتھ تھا حتّٰی کہ ابونعیم کے پیچھے صف میں شامل ہوگئے اور ابونعیم اونچی قرارت پڑھ رہا تھا۔ پس حضرت عبادہؓ سورتِ فاتحہ پڑھنے لگے۔ پس جب نماز سے فارغ ہوئے تو مَیں نے حضرت عبادہؓ سے کہا مَیں نے آپ کو سورتِ فاتحہ پڑھتے

وابو نعیم یجهر قال اجل صلّی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض الصلوات التی یجھر فیھا القراءۃ قال فالتبست علیہ القرأۃ فلما انصرف اقبل علینا بوجھہ فقال ھل تقرؤن اذا جھرت بالقراءۃ فقال بعضنا انا نصنع ذالک ۔ قال فلا ۔ وانا اقول مالی ینازعنی القرآن ۔ فلا تقرؤا بشیئ من القرآن اذا جھرت الا بام القرآن	حالانکہ ابونعیم قرأت بالجہر پڑھ رہا تھا۔ تو آپ نے کہا ہاں! ہمکو (ایکدن) آنحضرت صلعم نے بعض وہ نماز پڑھائی جس میں قرأت اونچی پڑھی جاتی ہے۔ پس آپکو قرأت میں التباس پڑ گیا۔ تو جب آپ نماز سے فارغ ہوئے اور ہماری طرف اپنا چہرہ مبارک کرکے فرمانے کہ کیا تم جب میں اونچی قرأت پڑھتا ہوں کچھ پڑھتے ہو۔ ہم میں سے بعض نے عرض کیا۔ ہاں حضور! ہم ایسا کیا کرتے ہیں آپ نے فرمایا۔ پس نہیں۔ میں تو کہتا تھا۔ کہ کیا بات ہے
(سنن ابی داؤد مع عون المعبود جلد اول ص۳۰۳)	کہ مجھ سے قرآن میں منازعت ہوتی ہے۔ پس جس وقت

میں اونچی قرأت پڑھوں۔ تو تم قرآن میں سے سوائے سورتِ فاتحہ کے کچھ بھی نہ پڑھا کرو"

(د) امام بیہقی رحمۃ بھی اپنے سلسلۂ اسناد کو امام داؤد کی اِس روایت کے سلسلۂ اسناد سے ملاتے ہوئے اِس روایت کی تخریج کی ہے۔ اور اخیر پر کہا ہے وھذا اسناد صحیح ورواتہ ثقات یعنی یہ اسناد صحیح ہے اور اِس کے سب راوی ثقہ ہیں۔ چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں :۔

عن نافع بن محمود بن الربیع الانصاری قال کنت اغدوا الی المسجد مع عبادۃ بن الصامت فابطأ عبادۃ رض ذات یوم قال فجئنا وابو نعیم یصلی بالناس الصبح قال فصففنا خلفہ فسمعت عبادۃ رض یقرء بفاتحۃ الکتاب فلما انصرف ابو نعیم قلت یا ابا الولید رأیتک تقرء مع الامام و لا ادری تعمدتہ ام سھوت قال لم انسہ ولکن تعمدتہ صلّی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض الصلوات	نافع بن محمود انصاری رح نے کہا کہ میں صبح کو حضرت عبادہ رض بن صامت رض کے ساتھ مسجد میں آیا کرتا تھا ایک روز حضرت عبادہ رض کو دیر ہوگئی، جب ہم آئے تو ابونعیم لوگوں کو صبح کی نماز پڑھا رہے تھے پس ہم اس کے پیچھے صف میں شامل ہوگئے، پس مینے حضرت عبادہ کو سورت فاتحہ پڑھتے سنا۔ جب ابونعیم نماز سے فارغ ہوا۔ تو مینے (حضرت عبادہ رض سے) کہا، یا ابا الولید! مینے آپ کو امام کے ساتھ پڑھتے دیکھا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ آپ نے ایسا عمدًا کیا یا آپ کو سہو ہوگیا۔ آپ نے فرمایا۔ مجھے سہو نہیں ہوا۔ بلکہ مینے عمدًا کیا ہے کیونکہ

التی یجهر فیها بالقراءة قال فالتبست
علیه القراءة فلما انصرف قال هل تقرؤن
معی قلنا نعم قال لا تفعلوا الا بام
القرآن فانه لا صلوة لمن یقرؤ بها
وهذا اسناد صحیح ورواته ثقات وقد
اخرجه ابوداود السجستانی رحمه الله
فی کتاب السنن بعد حدیث محمد بن
اسحٰق بن یسار (کتاب القراءة صفحہ ۴۲/۴۳)

ایکدن، ہمکو رسول اللہ صلعم نے بعض وہ نماز پڑھائی جس میں قرارت بالجہر پڑھی جاتی ہے۔ پس آپ کو قرارت میں التباس ہوگیا۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ کیا تم میرے ساتھ کچھ پڑھتے ہو۔ ہمنے کہا ہاں حضورؐ! آپ نے فرمایا۔ سوائے سورت فاتحہ کے کچھ نہ پڑھا کرو۔ کیونکہ جو شخص اُسے نہیں پڑھتا اُس کی نماز نہیں ہوتی۔ یہ اسناد صحیح ہے اور اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔ اور اسے امام ابوداؤد رحہ نے بھی اپنی کتاب السنن میں محمد بن اسحٰق[1] کی حدیث کے بعد روایت کیا ہے۔"

اِس ساری تفصیل سے صاف صاف معلوم ہوگیا۔ کہ اس روایت کے سب سلسلوں کے راوی معتبر ہیں۔ اور بڑے بڑے نقاد محدثین نے اسکی تصحیح کی ہے۔ لہٰذا اسکی سند میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا باقی رہا اس کا متن سو اسمیں بھی امر مشترک میں سب متفق ہیں، کسی روایت میں کوئی امر بالاختصار ہے کسی میں بالتفصیل۔ اِسی طرح کسی روایت میں کسی امر کو زائد جانکر حذف کردیا گیا ہے۔ اور کسی میں اُسکی تصریح کردیگئی ہے۔ غرض مخالفت کسی میں نہیں۔ اِن سب روایات کو ملا کر پورا مضمون مع تشریح ضروری کے یوں ہے کہ:۔

"حضرت عبادہ بن صامت رضہ صحابی والیٔ بیت المقدس تھے۔ اور حسب قاعدہ نماز کے امام بھی یہی تھے"
"ابونعیم مسجد کے مؤذن تھے۔ اتفاق سے ایک روز صبح کی نماز میں حضرت عبادہ رضہ کو دیر لگ گئی۔ تو ابونعیم"
"مؤذن امام بنے۔ حضرت عبادہ رضہ آئے تو حسب مسئلہ پیچھے کھڑے ہوگئے۔ نافع اُن کا نواسہ تھا۔ وہ ہمیشہ"
"آپ کے ساتھ ہی آیا کرتا تھا۔ آج بھی حسب معمول اُن کے ساتھ آیا۔ اور صف میں اُن کے پاس ہی کھڑا"
"ہوا، حضرت عبادہؓ جو پیچھے آئے تو۔ فاتحہ ایسی طرح پڑھنی شروع کی۔ کہ اُن کے نواسے نافع نے جو"
"اُن کے ساتھ ہی کھڑا تھا سمجھ لیا۔ کہ وہ سورتِ فاتحہ پڑھ رہے ہیں۔ نماز سے فارغ ہوکر نافع نے حضرت"
"عبادہؓ سے بطور مسئلہ دریافت کیا۔ تو حضرت عبادہ رضہ نے آنحضرت صلعم کے وقت کا ایک واقعہ"
دُہرا سنایا کہ یوں یوں واقعہ ہوا تو اسپر حضور سرورِ عالم صلعم نے فرمایا تھا کہ جب میں اونچی "

[1] محمد بن اسحٰق کی روایت صفحہ ۴ پر آگے دیکھو ۱۲ منہ

"قرات پڑھوں تو سوائے سورتِ فاتحہ کے کچھ بھی نہ پڑھا کرو۔ کیونکہ اس کے"
"بغیر نماز نہیں ہوتی"

تنبیہ ذیل میں ہم حضرت عبادہؓ کی اس حدیث کے متعلق چند فوائد لکھتے ہیں۔

فائدہ نمبر ۱۔ حضرت عبادہ رضؓ کی اس روایت کے جتنے سلسلے اوپر مذکور ہوئے، انہیں محمد بن اسحٰق راوی نہیں ہے جنکے متعلق حضرات حنفیہ کو کچھ عذر[1] ہے بلکہ اُن کی بجائے امام مکحول شامیؒ سے زید بن واقد شامیؒ راوی ہیں۔ اور زید بن واقد شامی کو حضرت امام احمدؒ، امام دارقطنیؒ، امام یحییٰ بن معینؒ، امام عبدالرحمٰن بن ابراہیم دحیم وغیرہم کبار محدثین نے بالاتفاق **ثقہ** کہا ہے (تہذیب التہذیب)

فائدہ نمبر ۲۔ زید بن واقد کے علاوہ امام مکحول سے یزید بن یزید بن جابر دمشقیؒ اور علاء بن حارث دمشقیؒ اور نعمان بن منذرؒ اور عبدالرحمٰن بن علاء دمشقیؒ بھی روایت کرتے ہیں، یہ سب راوی بتصریح ائمہ محدثین **ثقہ** ہیں، پس جب امام مکحول سے ایک جماعت ثقات کی وہی روایت کرتی ہے جو محمد بن اسحٰق کرتے ہیں، تو اگر بالفرض محمد بن اسحاق تنہا حجت نہ بھی ہوں تو اتنے ثقات کی متابعت[2] کے بعد اُن کی روایت کی صحت میں کوئی خدشہ باقی نہیں رہ سکتا، چہ جائیکہ وہ خود تنہا بھی ثقہ ہوں۔ قابل احتجاج ہوں۔ اور بقول بعض ائمہ حدیث امیر المؤمنین فی الحدیث ہوں چنانچہ امام بیہقیؒ اپنے شیخ الشیخ حافظ ابواحمد بن عدیؒ کا قول یوں نقل کرتے ہیں:—

قال قد فتشت احادیث محمد بن اسحٰق الکثیر فلم اجد فی احادیثه ما یتهیأ ان یقطع علیه بالضعف ولم یتخلف عن الروایة عنه الثقات والائمة وقد تابع محمد بن اسحٰق بن یسار علی هذه الروایة عن مکحول غیره من ثقات الشامیین،
(کتاب القراءة ص[illegible])

میں نے محمد بن اسحاق کی بہت سی احادیث کی تفتیش کی، پس میں نے اسکی احادیث میں کوئی ایسی بات نہ پائی جس سے اس کے قطعاً ضعیف ہونے کے حکم پر جرأت ہوسکتی ہو۔ دیگر یہ کہ ثقہ راوی اور ائمہ حدیث اس سے روایت لینے سے نہیں (پس اسکی روایت کا اعتبار کیوں نہ کیا جائے) اور تحقیق اس روایت پر مکحول سے محمد بن اسحاق کے سوا دیگر ثقات اہل شام نے اسکی متابعت بھی کی ہے،

---

[1] حضرت حنفیہ کا وہ عذر مع اس کے جواب کے آئندہ مذکور ہوگا۔ انشاء اللہ منہ

[2] محدثین رحؒ کی اصطلاح میں متابعت یہ ہے کہ کسی راوی کے اکیلے ہونے کے خیال سے دیکھا جائے کہ آیا اسمیں کوئی اور راوی بھی اس کے موافق روایت کرتا ہے۔ پس اگر پایا جائے تو پہلے راوی کی روایت کی تقویت ہوجاتی ہے۔ (استفادہ از شرح نخبہ)

اِسکے بعد علی الترتیب علاؒ بن حارث عن مکحولؒ، عبد اللہ بن عمرو بن حارثؒ عن محمود الربیعؓ، زیدؒ بن واقد دمشقی رح، یزیدؒ بن یزید بن جابر دمشقی رح، نعمانؒ بن منذر دمشقی رح، عبد اللہؒ بن علاء دمشقی رح، کی متابعات مکمل اسنادوں کے ساتھ ذکر کی ہیں، (ص۴۲ سے ص۴۶ تک) یہ سب راوی شامی ہیں، اور انہی کو امام بیہقی رح اوپر کی عبارت میں ثقات الشامیین کہہ رہے ہیں،

فائدہ نمبر ۳۔ مکحول خود ائمہ شام سے ہیں اور اُن کے سب مذکورہ بالا شاگرد شامی ہیں نافع جو مکحول کے شیخ حدیث ہیں۔ اِن سے مکحول کے ساتھ حرام بن حکیم بھی اِس حدیث کو روایت کرتے ہیں، یہ بھی شامی ہیں، اور ثقہ ہیں،

پھر مکحول جس طرح نافع سے روایت کرتے ہیں اُس طرح اُس کے باپ محمودؓ صحابی سے بھی روایت کرتے ہیں۔ پھر محمود رضؓ سے نافع اور مکحول کے علاوہ، رجاؒ بن حیوہ رح بھی روایت کرتے ہیں (کتاب القراءۃ ص۴۶) اور رجا بن حیوہ بڑے پایہ کے ائمہ شام سے ہیں،

اِس تفصیل سے ظاہر ہوگیا کہ یہ حدیث نافع رح سے اور اُس کے باپ محمودؓ سے بڑے بڑے ثقہ راویوں اور اماموں کے واسطے سے مروی ہے، اور یہ بھی کہ علاقہ شام میں اس حدیث کی کافی شہرت اور عام قبولیت تھی۔ اور حالات صحابہؓ پر نظر رکھنے والے پر روشن ہے کہ آنحضرت صلعم کے بعد فتوحات خلافتِ راشدہ کے وقت جو صحابی جس علاقہ میں جاکر رہا، اُسکی روایات بیشتر اُسی علاقہ میں مشہور ہوئیں، اِس کے بعد محدثین رح نے دُور دراز سفر کی صعوبتیں برداشت کرکے ہر علاقے کی مرویات کو اپنے سینے میں جمع کرکے سفینہ (کاغذ) پر نقل کیا۔ فجزاھم اللہ عنا خیر الجزا چنانچہ امام بیہقی اس حدیث قراءتِ فاتحہ خلف الامام کی نسبت جو حضرت عبادہؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں:

فهذا حديث سمعه مكحول الشامي وهو احد ائمة اهل الشام من محمود بن الربيع ونافع بن محمود كلاهما عن عبادةؓ وسمعه حرام بن حكيم من نافع بن محمودؓ عن عبادة رض وسمعه رجاء بن حيوةؒ وهو احد ائمة اهل الشام من محمود بن الربيع عن عبادةؓ (كتاب القراءة ص۴۶)

پس یہ وہ حدیث ہے جسے مکحول شامی نے محمودؓ بن ربیع اور نافع رح سے سُنا اور وہ (مکحول) اہل شام کے ائمہ سے ہے۔ اور یہ دونوں حضرت عبادہ رضؓ سے روایت کرتے ہیں نیز اِسے نافع بن محمود سے حرام بن حکیمؒ نے سنا اور نافع نے حضرت عبادہؓ سے روایت کی نیز اسے رجاء بن حیوہؒ نے کہ وہ بھی اہل شام کے ائمہ سے ہے محمود بن ربیع سے سنا اور انہوں نے عبادہؓ سے روایت کی۔

پھر اسکے چند سطر بعد فرماتے ہیں:-

وفی ذلک دلالة علی انتشار هذا الحدیث عن عبادة بن الصامت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مسندا ثم من فتواہ بہ موقوفا (صـ۴۴)،

اس سارے بیان میں اسبات کی دلیل ہے کہ یہ حدیث حضرت عبادہ رضہ سے عام طور پر مشہور ہو چکی تھی اور وہ اس کو آنحضرت صلعم سے مسنداً بھی روایت کرتے تھے اور اس کے مطابق اُن کے فتوے سے موقوفاً بھی مروی ہے؛

فائدہ نمبر ۴ - یہ حدیث یعنے ایک دفعہ آنحضرت صلعم پر فجر کی نماز میں قرارت بھاری ہو جانے اور آپ کا یہ فرمان کرنے کی کہ تم جہری قرارت کے وقت سوائے سورت فاتحہ کے اَور کچھ بھی نہ پڑھا کرو حضرت عبادہ رضہ کے علاوہ دیگر بعض صحابہ رضہ سے بھی مروی ہے. مثلاً حضرت انس رض اور حضرت ابوہریرہ رض اور حضرت ابوامامہ رض سے یہ سب روایات امام بیہقی رح نے کتاب القرارت میں باسناد ذکر کی ہیں بنظرِ اختصار مضمون ہم انکو نقل نہیں کرسکتے، واللہ الهادی؛

امام محمد بن اِسحاق رح کی روایت

اگرچہ اوپر کے مفصّل بیان کے بعد ہمیں محمد بن اسحاق رح کی روایت ذکر کرنے کی حاجت نہیں رہی تھی، لیکن قرارت فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ میں اہلحدیث کی طرف سے یہ روایت پیش ہوتی رہتی ہے اور حنفی بزرگ اِس میں کلام کرتے ہیں۔ اِس لئے مناسب ہے۔ کہ علمی تحقیقات کو پورا کرنے کے لئے ہم اِس روایت کو بھی بیان کرکے اسکے شبہاتِ متعلّقہ کو بھی دُور کردیں۔ واللہ الموفق،

محمد بن اسحاق کی روایت سُنن دارقطنی میں یوں ہے:

وحدثنا اسمٰعیل هو ابن علیة عن محمد بن اسحٰق عن مکحول عن محمود بن الربیع الانصاری وکان یسکن ایلیا عن عبادة بن الصامت رضہ قال صلّی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الصبح فثقلت علیہ القراءة فلما انصرف قال انی لاراکم تقرؤن من

حدیث بیان کی ہمسے اسمٰعیل بن عُلیۃ رح نے اُسنے محمد بن اسحٰق رح اُسنے مکحول سے اُسنے محمود بن ربیع انصاری رض سے اور وہ ایلیا (بیت المقدس) میں سکونت رکھتا تھا۔ اُسنے حضرت عبادہ رض سے کہ انہوں نے کہا کہ (ایکدن) رسول اللہ صلعم نے صبح کی نماز پڑھی۔ تو آپ پر قرارت بھاری ہوگئی۔ پس جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ تم اپنے امام کے پیچھے قرارت

وراء امامكم قال قلنا أجل والله يا رسول الله هذًّا قال فلا تفعلوا الا بأم القرآن فانه لا صلوٰة لمن لم يقرأبها هذا اسناد حسن (دارقطنی جلد ۱ صفحہ ۱۲۰)

کرتے ہو۔ حضرت عبادہ رضہ نے کہا ہمنے عرض کیا کہ ہاں قسم بخدا یا رسول اللہ صلعم ہم ایسا کرتے ہیں (اسپر) آپ نے فرمایا پس نہ پڑھا کرو سوائے اُم القرآن کے، کیونکہ اُس شخص کی نماز نہیں ہوتی۔ جو اُسے نہیں پڑھتا امام دارقطنی کہتے ہیں یہ اسناد حسن ہے

اِس روایت کو امام دارقطنی کے علاوہ دیگر بہت محدثین رحؒ نے بھی روایت کیا ہے۔

چنانچہ امام ترمذی رحؒ نے روایت کرنے کے بعد امام دارقطنی رح کی طرح اسے حسن کہا ہے۔

نیز امام ابوداؤد رحؒ نے بھی اِسے اپنی سُنن میں روایت کیا، حافظ ابن حجر رح نے اِسکی بابت تلخیص میں کہا وصححہ ابوداؤد، یعنے امام ابوداؤد رحؒ نے اِسے صحیح کہا،

نیز اسے امام احمد رح نے اپنی مُسند میں اور امام بخاری رح نے جزء القراۃ میں روایت کیا،

سوال و جواب اِن سب روایات میں محمد بن اسحٰق عن مکحول ہے۔ حضرات حنفیہ رح کہتے ہیں کہ محمد بن اسحٰق مدلس ہے[۲] اور مدلس[۳] راوی صیغہ عن سے روایت کرے تو اُسکی روایت حجت نہیں ہو سکتی۔ (شرح نخبہ وغیرہ)

اِس کا جواب یہ ہے کہ امام احمد رح اور امام دارقطنی رح اور امام بیہقی رح کی دیگر روایات میں قال محمد بن اسحٰق حدثنی مکحول بھی وارد ہے۔ اور مسلم ہے کہ جب صاحب تدلیس راوی حدثنی وغیرہ صیغے استعمال کرے جس سے سماع کی تصریح ہو جاتی ہے۔ تو مظنہ تدلیس کا جاتا رہتا ہے (شرح نخبہ وغیرہ)

چنانچہ امام بیہقی رح کی روایت یوں ہے:۔ واخبرنا ابوبکر بن الحارث الفقیہ انبأ علی بن عمر الحافظ ثنا ابن صاعد ثنا عبید اللہ بن سعد ثنا عمی ثنا ابی، عن ابن اسحٰق قال حدثنی مکحول بھذا وھذا اسناد صحیح ذکر فیہ سماع محمد ابن اسحٰق من مکحول (کتاب القراءۃ صفحہ ۴۱)

غرض محمد بن اسحاق رح کی یہ روایت بہمہ وجوہ قابل احتجاج ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے:۔

(۱) محمد بن اسحاق بذاتِ خود ثقہ ہیں[۱] (خلاصہ وغیرہ)

(۲) وہ مکحول سے بصیغہ تحدیث روایت کرتے ہیں۔ پس مظنہ تدلیس کا جاتا رہا،

---

[۱] تقریب میں ہے، امام المغازی صدوق یدلس [۲] بعض راوی بعض وقت اپنے اصلی شیخ کو چھوڑ کر اوپر کے اُستاد کا نام لفظ عن سے ذکر کر دیتے ہیں۔ ایسے راوی کو مدلس کہتے ہیں۔ [۳] خلاصہ میں ہے عن ابن شہاب رح لا یزال بالمدینۃ علم جم ما کان فیھا ابن اسحٰق۔ وقال احمد حسن الحدیث، وقال البخاری رأیت علی بن عبد اللہ (ابن المدینی) یحتج بہ ۱۲ نیز شیخ ابن ہمام حنفی امام شعبہ رض کے قول سے لکھتے ہیں ھو امیر المؤمنین فی الحدیث (فتح القدیر جلد ۱ صفحہ ۹) ۱۲ منہ

(۳) اُس کی متابعت زید بن واقد وغیرہ ثقات راویوں نے کی ہے پس وہ متفرد نہ رہا۔[1]

(۴) اسی قصّہ کے متعلق عبادہ رضہ کی شواہد دیگر صحابہ رضہ کی روایات بھی ہیں، جو امام بیہقی رحمہ نے بالتفصیل و باسنادِ خود کتاب القراءۃ میں ذکر کی ہیں[2] مثلاً حضرت انس رضہ حضرت ابوہریرہ رضہ حضرت عبداللہ رضہ اور حضرت ابوامامۃ رضہ اور حافظ ابن حجر رحمہ نے بھی تلخیص[3] میں بعض کا ذکر کیا ہے۔ اور محمد بن ابی عائشہ عن رجلٍ من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم والی روایت کی نسبت کہا ہے۔ اسنادہ حسن یعنے اِسکی اِسناد حسن ہے۔

قراءتِ سُورت فاتحہ اور حضراتِ حنفیہ[4]

سابقاً جو کچھ بیان ہُوا وہ جمہور محدثین کا مذہب تھا۔ آپ اُسکو پھر دیکھیں کہ اُسمیں سوائے تتبع نصوص کے اَور کچھ نہیں ہے۔ اور اِتباعِ شریعت میں صحابہ رضہ کا طریق یہی تھا۔ لیکن حضرات حنفیہ رحمہ کا طریقِ استدلال اُن سے قدرے مختلف ہے۔ کیونکہ یہ حضرات پہلے قواعد بتلاتے ہیں۔ پھر اُنکے مطابق نصوص پر نظر ڈالتے ہیں۔ اگر قاعدے اور نص میں مطابقت ہوگئی تو ہوالمراد ورنہ قاعدے کو بحال رکھتے ہوئے نص کی تاویل کردی (خواہ قرآنی ہو خواہ حدیثی) یا اس میں کوئی شرط یا قید بڑھا دی۔ یہی صورت رکنیتِ فاتحہ کے متعلق ہے۔ کہ ایک قاعدے کی پابندی کی وجہ سے اُن کو حدیث لاصلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب کے زور کو کمزور کرنا پڑا۔ اور اُس کی قرارت کو فرض سے اُتار کر واجب کہنا پڑا۔ چنانچہ اُصول شاشی میں بحثِ عام، غیر مخصوص البعض میں مرقوم ہے:۔

وبمثلہ نقول فی قولہ تعالیٰ فاقرؤا ما تیسر من القرآن عام فی جمیع ما تیسر من القرآن ومن ضرورتہ عدم توقف الجواز علی قراءۃ الفاتحۃ وجاء فی الخبر انہ لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب فعملنا بھما علی وجہ

اور اسی طرح ہم کہتے ہیں۔ کہ فاقرءوا ما تیسر من القرآن عام ہے۔ سب میں جو قرآن سے میسر آسکے اور اس سے لازم آتا ہے کہ نماز کا جواز سورت فاتحہ کی قرارت پر موقوف نہیں ہے۔ اور حدیث میں وارد ہے۔ کہ فاتحہ کے سوا نماز نہیں ہوتی۔ پس ہم (حنفیوں) نے ان ہردو (آیت اور

[1] کتاب القراءۃ للبیہقی رح ص۲۴ سے ص۲۶ تک ۱۲ منہ [2] کتاب القراءۃ للبیہقی رح ص۴۸ سے ص۵۳ تک ۱۲ منہ

[3] تلخیص جلد اوّل ص۲۴ ۱۲ منہ [4] مولانا انور شاہ صاحب مرحوم دیوبندی کے رسالہ فصل الخطاب کی بنا و تعمیر سب کچھ اسی مسلک پر ہے ۱۲ منہ

لایتغیر به حکم الکتاب بان یحمل الخبر علی نفی الکمال حتی یکون مطلق القراءة فرضا بحکم الکتاب وقراءة الفاتحة واجبة بحکم الخبر (اصول شاشی مجتبائی ص۵)	حدیث) پر ایسے طریق پر عمل کیا کہ اس سے قرآن کا حکم متغیر نہیں ہوتا، جسکی صورت یہ ہے۔ کہ حدیث کو نفی کمال پر حمل کریں۔ تاکہ مطلق قرارت تو قرآن کے حکم سے فرض ہو اور قرارتِ فاتحہ بحکم حدیث واجب ہو،

اور اسکی شرح فصول الحواشی میں لکھا ہے:۔

فاذا تقابلا عملنا بهما علی وجه لایتغیر به حکم الکتاب بان یحمل الخبر علی نفی الکمال ویجعل معناه لاصلوٰة کاملة الا بفاتحة الکتاب فیجوز الصلوٰة بمطلق القراءة لکن یتمکن فیها نقصان بترك الواجب وفیه تقریر فرضیة القراءة کما هو موجب الکتاب وایجاب الفاتحة عملاً بالخبر (فصول ص ۳۲/۳۳)	پس جب دونوں (آیت اور حدیث) ایک دوسرے کے بالمقابل ہوگئیں۔ تو ہم نے ایسی وجہ پر عمل کیا کہ اس سے قرآن کا حکم متغیر نہ ہو، بدیں صورت کہ حدیث نفی کمال پر حمل کی جائے اور اسکے معنے یہ کئے جائیں کہ نماز بغیر فاتحہ کے کامل نہیں ہوتی پس نماز مطلق قرارت سے جائز تو ہو جائیگی لیکن واجب کے ترک کرنے سے نقصان ضرور رہیگا۔ اور اسمیں فرضیت قرارۃ کا مقرر کرنا بھی ہے۔ جو بحکم قرآن ہے

اور حدیث پر عمل کر کے فاتحہ کو واجب ماننا بھی ہے:

اِسی کے قریب علامہ عینیؒ شرح بخاری میں فرماتے ہیں:۔

واستدل اصحابنا بقوله تعالیٰ (فاقرؤا ما تیسر من القرآن) امر الله تعالیٰ بقراءة ما تیسر من القرآن مطلقاً وتقییده بالفاتحة زیادة علی مطلق النص وذا لا یجوز لانه نسخ فیکون ادنی ما ینطلق علیه القرآن فرضاً لکونه مأموراً به (عینی جلد ۳ ص۶۵)	ہمارے اصحاب (حنفیہ رح) نے قول خداوندی فاقرؤا ما تیسر من القرآن سے استدلال کیا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے مطلقاً جو کچھ قرآن میں سے میسر آوے اُس کے پڑھنے کا حکم کیا ہے۔ اور اسے فاتحہ سے مقید کرنا مطلق نص پر زیادت ہے جو جائز نہیں کیونکہ یہ نسخ ہے پس کم از کم جس پر قرآن کا اطلاق ہو سکتا ہے فرض ہوگا۔ کیونکہ اسی کا حکم ہے،

اِسی طرح دوسرے علمائے حنفیہ کی بھی تصریحات ہیں، جن کو ہم بخوفِ طوالت نقل نہیں کر سکتے اِس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ حضرات حنفیہ کے استدلال کا اصل مدار آیت فاقرؤا ما تیسر من القرآن کا عموم ہے۔ اور دیگر کوئی دلیل جو اسکے عموم کو توڑے مؤثر نہیں ہو سکتی،

تنبیہ علمائے حنفیہ رح کو اس آیت سے مطلق قراءت کی فرضیت پر استدلال کرنے میں قراءت خلف الامام کے متعلق ایک سخت مشکل پیش آگئی ہے۔ جو آجتک علمی طور پر اُن کے بڑے سے بڑے امام اصول سے بھی حل نہیں ہو سکی۔ وہ یہ کہ حضراتِ حنفیہ رح کے نزدیک مقتدی سے قراءت قطعاً ساقط ہو جاتی ہے۔ بلکہ بعض نے تو اسے ناجائز و حرام بھی لکھدیا ہے۔ حالانکہ جب مطلق قراءت فرض ہے تو وہ بحالتِ اقتدا بھی فرض ہے۔ کیونکہ فرائض بحالتِ اقتدا بھی ساقط نہیں ہوتے، اور دلیل اُنکی عام طور پر آیت وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا الآیہ (اعراف پ۹) ہے۔ یعنے جب قرآن پڑھا جائے تو اُسے غور سے سُنو اور چپ رہو۔ اُنکے نزدیک اس آیت سے جہری نماز میں مقتدی کیلئے قراءت منع ہے، خواہ وہ سورۂ فاتحہ ہو یا کسی اور مقام سے ہو۔ پس مشکل یہ آپڑی کہ تعیین فاتحہ سے انکار کے وقت تو انہوں نے اپنے مذہب کے مطابق آیت فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ کے عموم سے استناد کرلیا - اور حدیث لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَءْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ کو وجوبِ فاتحہ کے لئے کہدیا۔ لیکن اس کے ساتھ ان کا مذہب مقتدی کو قراءت سے مطلقاً منع کرتا ہے۔ تو اس مقام پر عمومِ آیت کو نظر انداز کر دیا ہے۔ حالانکہ جس طرح یہ آیت نصابِ قراءت کے لئے عام ہے اُسی طرح نمازی کی حالت کیلئے بھی عام ہے - اور اس امر کا علمائے حنفیہ کو اقرار ہے۔ جیسا کہ ذیل میں اُنکی تصریحات سے واضح ہوجائیگا۔ جب مقتدی کو بھی آیتِ قرآنی ہی کی رُو سے منع کیا تو ایک اور مشکل پیدا ہوگئی کہ ایک آیت کی رُو سے تو مقتدی پر قراءت فرض ثابت ہوتی لیکن دوسری کی رو سے منع ہے۔ تو اب (معاذ اللہ) آیاتِ قرآنیہ میں تعارض ہو گیا - اور ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ علمائے حنفیہ رح کا ان ہر دو آیات کے متعلق یہی خیال ہے۔ کہ ان دونوں میں تعارض ہے۔ اِسلئے اُن کے نزدیک یہ دونوں آیتیں ساقط ہو جاتی ہیں۔ یعنے نہ اپنے مضمون میں یہ مفید اور نہ وہ کارگر - دونوں اثباتِ حکم سے ساکت (خاموش ہیں) چنانچہ حنفی اصول کی مشہور و متداول کتاب نورالانوار میں ہے:-

مثاله قوله تعالى فاقرءوا ما تيسر من القرآن مع قوله تعالى وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا فان الاول بعمومه يوجب القراءة على المقتدى والثانى بخصوصه ينفيه وقد وردا فى الصلوة جميعا فتساقطا فيصار

اسکی مثال آیت فاقرءوا ما تیسر من القرآن مع قول خداوندی واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا کے ہے کہ پہلی آیت اپنے عموم سے مقتدی پر بھی قراءت کو واجب کرتی ہے۔ اور دوسری آیت اپنے خصوص سے اُس کی نفی کرتی ہے۔ حالانکہ دونوں آیتیں نماز کے متعلق ہیں۔ پس ہر دو ساقط ہوگئیں۔ اور اُس کے

بعد حدیث کی طرف جانا پڑتا ہے	اہل حدیث بعمل کا الخ (نور الانوار مطبوعہ لکھنؤ ص۱۹۲)

اسی طرح کشف الاسرار شرح اصول بزدوی اور تلویح شرح توضیح میں دو آیتوں میں تعارض[له] کی صورت میں حدیث کی طرف رجوع کرنے کی مثال میں انہی دو آیتوں کو پیش کیا ہے۔

ان حوالجات سے ہمارے دو مقصد بالکل واضح ہیں۔ اوّل جو اصل مقصد ہے کہ حضراتِ حنفیہ رح نے اس آیت فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ کو آیت وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ الآیہ سے متعارض جانکر ساقط کر دیا ہے۔

دوم بالتبع یہ کہ حضرات حنفیہ رح نے ان دونوں آیتوں کے تعارض کو اٹھایا نہیں، بلکہ یکے بعد دیگرے نقل کرتے چلے آئے ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے۔ کہ جبتک وہ دائرۂ تقلید سے نہ نکلیں، اور حدیث لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب کے مطابق سورۂ فاتحہ کو رکنِ نماز معین نہ کریں۔ اور امام کے پیچھے بھی اسکے پڑھنے کے قائل نہ ہوں۔ یہ مشکل حل نہیں ہو سکتی"، چنانچہ انشاء اللہ آئندہ معلوم ہو جائیگا۔

له تعارض یہ ہے کہ دو مساوی القوۃ دلیلیں ایک دوسری کے سامنے آجائیں۔ اور ایک دوسری کے حکم کو نہ چلنے دے۔ چنانچہ توضیح میں ہے۔ وھی ورود دلیلین یقتضی احدھما عدم ما یقتضیہ الآخر۔ اور یہ امر نہ تو دو آیتوں میں ہو سکتا ہے۔ نہ دو صحیح حدیثوں میں اور نہ آیت اور حدیث صحیح میں، باوجود اس کے حنفی کتب اصول میں اسکی تصریح کیگئی ہے۔ سو اسکی وجہ ان بزرگوں سے خدا ان سے راضی ہو۔ خود بیان کر دی ہے۔ کہ وہ تعارض حقیقۃً نہیں ہوتا۔ کیونکہ کلام خدا اور کلام رسولؐ میں تعارض نہیں ہو سکتا۔ بلکہ وہ ظاہر نظر میں ہوتا ہے۔ یا تو ہماری غلط فہمی سے ہمکو نظر آتا ہے۔ یا ناسخ و منسوخ کی تاریخ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے بہرحال ہمارا مقصود یہ ہے۔ کہ حنفی علماء ان ہر دو آیتوں کو متعارض جانتے ہیں۔ اور کسی نے بھی اس تعارض کو صحیح طور پر دفع نہیں کیا۔ شیخ ابن ہمام رح نے فتح القدیر میں کہا ہے۔ کہ حدیث من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ آیت فاقرؤا ما تیسر من القرآن کی مخصص ہے۔ لیکن یہ جواب اصولِ حنفیہ کے رو سے درست نہیں۔ کیونکہ اوّل تو اس حدیث کا قولِ رسول اللہ صلعم ہونا ثابت نہیں۔ جیسا کہ امام بخاری رح نے جزء القراءۃ میں فرمایا ہے۔ دوم یہ کہ حنفیہ کے نزدیک آیت کی تخصیص حدیث متواتر یا مشہور سے ہو سکتی ہے لیکن اخبار احاد سے نہیں ہو سکتی۔ اور یہ روایت اخبار احاد سے ہے۔ ہمارے زمانہ کے فخر احناف حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رح جنکی قدر ہمارے دل میں بہت ہے۔ انہوں نے سبیل الرشاد و ہدایت المعتدی میں فرمایا ہے کہ آیت فاقرؤا ما تیسر من القرآن میں فرضیت صلوٰۃ تہجد طویل منسوخ ہو کر قدر ما تیسر کی فرضیت باقی رہی تھی بعد اسکے جب نماز پنجگانہ فرض ہوئی۔ تو اسوقت بھی قرارت امام و مقتدی سب پر فرض رہی، پھر ایک مدت کے بعد آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا سے قرارت مقتدی منسوخ ہوئی (ص۵)۔ حضرت مولانا صاحب مرحوم نے کوشش تو بہت کی کہ اپنے اسلاف سے تعارض کے قائل ہونے کے بوجھ کو ہلکا کر دیں۔ اگرچہ انکی قرارداد کے خلاف چلکر ہی ہو۔ لیکن اس کے ثبوت میں جتنی روایتیں لکھیں یا تو وہ ضعیف ہیں۔ یا مرسل و منقطع ہیں پس ایسی روایات معارک محدثین میں پیش نہیں ہو سکتیں۔ غالباً اسی وجہ سے اسلاف حنفیہ نے جو علم میں مولانا مرحوم سے برتر تھے ان روایات کیطرف توجہ نہیں کی۔ اور انکو تعارض کا قائل ہونا پڑا۔ بہرحال یہ ایک مشکل ہے جو حضرات حنفیہ سے آجتک حل نہیں ہو سکی۔ لیکن محدثین کے مسلک پر خدا کے فضل سے نہ آیتوں میں تعارض ہوتا ہے نہ آیت اور حدیث میں تخالف ۱۲ منہ

دُوسرا جواب

اِس کے بعد یہ بھی گذارش ہے کہ علمائے تفسیر کے اِس آیت فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰن میں دُو قول ہیں۔ اوّل یہ کہ اسجگہ قرأت سے مراد صلوٰۃ (نماز) ہے کیونکہ قرأتِ قرآن نماز کا ایک رُکن ہے چنانچہ اِسکی تفصیل اس فصل کے مقدمہ میں اور اُس سے پیشتر بھی ہوچکی ہے۔ اِس بنا پر اِس کے یہ معنے ہونگے کہ نمازِ تہجد کے وقت جتنی رکعات بلحاظ درازی یا کوتاہی شب، یا بحالتِ صحت یا مرض یا بوقت سفر یا حضر تمکو میسر آسکیں، اُتنی رکعات پڑھ لیا کرو، تم پر خاص تعداد کی تحدید نہیں ہے۔ اِن معنی کے رُو سے حضراتِ حنفیہ کا یہ عذر کہ اِس آیت میں مطلق قرأت کا حکم ہے اور وہی فرض ہے۔ اور حدیث لَا صَلوٰۃَ لِمَنْ لَمْ یَقْرَءْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ اپنے اقتضائے فرضیت سے اُتر کر وجوب کی مقتضی ہے درست نہ رہا۔ چنانچہ امام خطیب شربینی رح تفسیر سراج منیر میں اس قول کی بنا پر لکھتے ہیں :-

واذا کان ذالک علیٰ قیام لا فی قدر القراءۃ فلا دلیل فیہ علیٰ ان الفاتحۃ لا تتعیّن فی الصلوٰۃ بل ھی متعیّنۃ فی کل رکعۃ لخبر الصحیحین لاصلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب. ولخبر لا تجزیٔ صلاۃٌ لا یقرء فیھا بفاتحۃ الکتاب. رواہ ابنا خزیمۃ وحبان فی صحیحیھما ولفعلہ صلی اللہ علیہ وسلم کما فی صحیح مسلم مع خبر البخاری صلّوا کما رأیتمونی اُصلّی۔ (جلد چہارم صفحہ ۳۴۸)

اور جب یہ حکم قدرِ قرأت کے متعلق نہیں ہے۔ بلکہ قیام کے متعلق ہے تو اسمیں اس امر پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ کہ فاتحہ نماز میں معین رکن نہیں ہے۔ بلکہ وہ تو ہر رکعت میں متعیّن رکن ہے۔ بدلیل حدیث لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب۔ نیز حدیث لا تجزیٔ صلوٰۃ لا یقرء فیھا بفاتحۃ الکتاب کے، جسے امام ابن خزیمہ و ابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں (بسند صحیح) روایت کیا، نیز بدلیل نبی صلعم کے فعل کے جس طرح کہ صحیح مسلم اور صحیح بخاری کی حدیث میں ہے۔ کہ آپ نے فرمایا "نماز پڑھو جس طرح تمنے مجھکو نماز پڑھتے دیکھا ہے" (اور آنحضرت صلعم نماز میں دائماً سورتِ فاتحہ پڑھا کرتے تھے)"

اِس حدیث کی یہ تفسیر محض محدثین و شوافع ہی نے نہیں کی بلکہ حضراتِ حنفیہ میں سے بھی جو مفسر ہوئے اُنہوں نے بھی اسے بلا انکار لکھا ہے۔ چنانچہ علامہ ابو السعود رح جو حنفی مفسرین میں خصوصیت سے نکتہ رس ہوئے ہیں لکھتے ہیں :-

(فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ) فصلّوا ما تیسّر لکم من صلوٰۃ اللیل عبّر عن الصلوٰۃ

فاقرءوا ما تیسّر من القرآن کے معنے یہ ہیں کہ رات کی نمازِ (تہجد) میں سے جو کچھ تمکو میسر آسکے پڑھا کرو، اس آیت میں

بالقراءۃ کما عبّر عنہا بسائر ارکانہا (ابوالسعود برحاشیہ تفسیر کبیر جلد ہشتم ص۲۸۵)

نماز کو قرارت سے تعبیر کیا ہے جس طرح کہ اسے اس کے دوسرے ارکان (رکوع سجود) سے تعبیر کیا ہے ''

(۲) اِسی طرح علامہ زمخشری جو فنِ بلاغت کے امام ہیں۔ اور فروع میں حنفی المذہب ہیں اپنی مائیہ ناز تفسیر کشاف میں اِس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں:۔

وعبر عن الصلوٰۃ بالقراءۃ لانہا بعض ارکانہا کما عبر عنہا بالقیام والرکوع والسجود یرید فصلوا ماتیسر علیکم ولم یتعذر من صلوٰۃ اللیل (کشاف جلد ثانی ص۵۱۸ مطبوعہ مصر)

اور نماز کو قرأت سے اسلئے تعبیر کیا۔ کہ قرارت اسکا ایک رکن ہے، جس طرح کہ (بعض جگہ) اُسے قیام رکوع اور سجود سے تعبیر کیا ہے۔ جس کے معنے یہ ہیں کہ رات کی نمازیں سے جو کچھ تمکو میسر آوے اور تمکو اس میں عذر نہ ہو پڑھا کرو ''

(۳) اسی طرح علامہ آلوسی رح جو متاخرین حنفیہ میں بڑے پائے کے مفسر ہیں وہ بھی اِسی کے مطابق لکھتے ہیں،

(۴) اِسی طرح صاحبِ کنزالدقائق علامہ نسفیؒ جو مشہور حنفی فقیہ ہیں، اپنی مشہور تفسیر مدارک میں اُسے نقل کرتے ہیں،

اِسی طرح دیگر تفاسیر جو علمائے محدثین رح یا علمائے شافعیہؒ کی ہیں اُن میں بھی یہ تفسیر بلا انکار لکھی ہے کہ علماء نے اِس آیت میں قرأت سے مراد نماز بھی لی ہے مثلاً تفسیر کبیر۔ ابن کثیر، سراج منیر، فتح البیان بیضاوی، خازن۔ رحمانی، اور معالم التنزیل، اِن سب تفاسیر میں یہ قول لکھا ہے،

اِس آیت کی تفسیر میں دوسرا قول یہ ہے۔ کہ اِس میں قراءتِ قرآن کا حکم ہے۔ عام اِس سے کہ نماز میں ہو یا خارج از نماز بطور تلاوت و دراست ہو، چنانچہ تفسیر سراج منیر میں ہے:۔

والقول الثانی ان المراد بقولہ تعالیٰ فاقرءوا ما تیسر من القرآن دراستہ وتحصیل حفظہ وان لایعرض للنسیان سواء کان فی صلوٰۃ او غیرھا (جلد چہارم ص۳۲۸)

اور دوسرا قول یہ ہے۔ کہ فاقرءوا ما تیسر سے مراد اُسکی تلاوت و دراست اور اس کے حفظ کو حاصل کرنا ہے تاکہ اُس پر نسیان کا عارضہ نہ ہو جائے برابر ہے کہ یہ تلاوت نماز میں ہو یا نماز کے سوا (خارجاً بطور منزل) ہو''

اسی طرح تفسیر کبیر میں لکھا ہے:۔ والغرض منہ دراستہ للقرآن لیحصل الامن من النسیان ۱۲ یعنے اِس سے مراد تلاوت و دراستِ قرآن ہے تاکہ نسیانِ قرآن سے بےخوفی ہو جائے ''

یہ دوسرا قول بھی محدثین رح اور شوافع رح کی تفاسیر کے علاوہ حنفی علماء کی تفاسیر میں بھی مرقوم ہے مثلاً تفسیر مدارک اور تفسیر کشاف، جنکی عبارتیں ہم بخوف طوالت نقل نہیں کر سکتے ،

پس اگر خارج از صلوٰۃ تلاوت و دراست مراد لیجائے۔ تو قطعاً اسمیں نماز میں قرارت کے فرض ہونے کی دلیل نہ ہوگی، کیونکہ حنفی مذہب میں بھی قرآن شریف کی تلاوت خارج از صلوٰۃ فرض نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ نسفی حنفی رح نے اسی آیت میں اس قولِ ثانی کے رُو سے فاقرؤا سے قراءتِ قرآن مراد لینے کی صورت میں کہا ہے :-

(فاقرءوا) في الصلوٰة والامر للوجوب او في غيرها والامر للندب (ص ۳۲۵ جلد ۲)

" پس قرارت کرو" نماز میں؛ اس کے رو سے صیغہ امر وجوب کیلئے ہوگا۔ یا "غیر نماز میں" اس کے رو سے صیغہ امر استحباب کیلئے ہوگا

اور اگر نماز کے اندر قرآن شریف پڑھنے کا حکم قرار دیا جائے۔ تو اُس سے ماعدا فاتحہ کے مراد ہوگی یعنے وہ قرارت جو سورتِ فاتحہ کی قرارت کے بعد پڑھی جاتی ہے، اور یہ صورت روایۃً اور فقاہۃً ہر دو طرح سے درست ہے۔ روایۃً تو اِس طرح کہ امام بیہقی رح نے باسناد خود امام دارقطنی رح کے واسطہ سے روایت کیا کہ قیس بن حازم رح نے کہا کہ :-

عن قيس بن حازم رح قال صليت خلف ابن عباس بالبصرة فقرء في اول ركعة بالحمد وآية من البقرة ثم قام في الثانية فقرء الحمد لله والاية الثانية من البقرة ثم ركع فلما انصرف اقبل علينا فقال ان الله تعالى يقول فاقرؤا ما تيسر منه قال علي الدارقطني رحمه الله هذا اسناد حسن وفيه حجة لمن يقول ان معنى قوله فاقرؤا ما تيسر منه ان ذالك انما هو بعد قراءة فاتحة الكتاب. والله اعلم

(ص ۱۵۳-۱۵۴ كتاب القراءة)

یعنے بصرہ میں حضرت ابن عباس رض کے پیچھے نماز پڑھی، تو آپ نے پہلی رکعت میں سورتِ الحمد پڑھی اور سورت بقرہ کی ایک آیت پڑھی، پھر (جب) دوسری میں کھڑے ہوئے۔ تو سورتِ الحمد پڑھی۔ اور سورت بقرہ کی دوسری آیت پڑھکر رکوع کیا پس جب نماز سے فارغ ہوئے تو ہماری طرف چہرہ کر کے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فاقرؤا ما تیسر من القرآن

امام دارقطنی نے کہا کہ یہ اسناد حسن ہے۔ اور اسمیں اُس شخص کی دلیل ہے جو یہ کہتا ہے کہ فاقرؤا ما تیسر منہ کے معنے یہ ہیں۔ کہ یہ حکم سورت فاتحہ کے بعد کی قرارت کے متعلق ہے " واللہ اعلم

قیس بن حازم کی اس روایت کو امام بغوی رحہ نے تفسیر معالم میں، اور امام خطیب نے تفسیر سراج منیر میں اور حضرت سید نواب صاحب رحہ نے فتح البیان میں، نقل کیا ہے۔ اور جیسا کہ امام بیہقی رحہ نے امام دار قطنی رحہ سے اسکی تحسین نقل کی ہے۔ اسی طرح حضرت سید نواب صاحب رحہ نے بھی امام دار قطنی رحہ اور امام بیہقی رحہ سے اسکی تحسین نقل کی ہے۔

غرض حضرت ابن عباس رض سے باسناد ثابت ہے۔ کہ وہ اس آیت سے قراءت بعد فاتحہ مراد سمجھتے تھے۔
پس جب یہی مراد ہوئی تو حدیث لاصلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب پر اس کا کچھ بھی اثر نہ پڑا کیونکہ اسمیں فاتحہ سے بعد کی قرارت کا حکم ہے۔ اور یہی درست ہے۔

اگر کہا جائے گا اس صورت میں بھی تو بعد فاتحہ والی قرارت کا حکم مقتدی، امام اور اکیلے سب کے لئے رہیگا، پھر آپ (اہلحدیث) مقتدی کو جہر کے وقت بعد فاتحہ کی قراءت سے کیوں منع فرماتے ہیں تو اسکا جواب یہ ہے کہ یہ امر حدیث صحیح میں آچکا ہے۔ اور وہ حدیث متعدد صحابیوں سے، متعدد طرق سے مروی ہے۔ اور شہرت کی اس حد تک پہنچ چکی ہے۔ کہ اس سے بالاتفاق آیت قرآن کی تخصیص ہوسکتی ہے۔ پس مقتدی کے لئے بحکم حدیث صرف فاتحہ کا حکم ہوگا۔ اور جہری قراءت کے وقت اسی ماعدا فاتحہ سے ممانعت ہوگی۔ اور حدیث ہی کے رو سے سرّی میں ماعدا فاتحہ میں اُس کا اختیار رہے چاہے پڑھے چاہے نہ پڑھے لیکن فاتحہ کسی صورت میں بھی ترک نہیں ہوسکتی، کیونکہ وہ رکن نماز ہے۔ یہ مذہب بالکل صاف ہے۔ اور اس میں سب احادیث صحیحہ اور آیات متعلقہ جمع ہوجاتی ہیں۔ اور کوئی دقت دو آیتوں یا دو حدیثوں، یا آیت و حدیث صحیح میں تعارض و تخالف کی باقی نہیں رہتی، وللہ الحمد،

مفسرین رحہ کے دوسرے قول کا فقاہت کے رُو سے بھی درست ہونا یوں ہے کہ سورتِ مزمل کا یہ رکوع نماز تہجد میں تخفیف کے لئے اترا ہے۔ اور تخفیف دو طرح پر ہوسکتی ہے۔ اوّل تعداد رکعات میں دوم مقدارِ قرارت میں۔ سو قولِ اوّل کے رُو سے تعداد رکعات میں تخفیف ہے۔ یعنے جس صورت میں کہ قرارت سے مراد نماز لیجائے اور قولِ ثانی کی بنا پر مقدارِ قرارت میں تخفیف ہے۔ یعنے جس صورت میں قرارت سے حقیقۃً قراءتِ قرآن اور وہ بھی نماز کے اندر مراد ہو۔ اور ظاہر ہے۔ کہ قرارت کی درازی اور چھوٹائی ماعدا فاتحہ میں ہوسکتی ہے۔ جسکی مقدار ایک آیت سے لیکر سارے قرآن تک ہے۔ سورت فاتحہ تو آگے ہی چھوٹی سی سورت ہے۔ اسکا پڑھنا کسی پر دوبھر نہیں ہے۔ کوئی سفر میں ہو یا حضر میں

بیمار ہو یا تندرست، تھوڑے وقت پڑھے، یا زیادہ پر سب کے لئے آسان ہے۔ اور پھر یہ کہ عظمت اور ثواب میں سارے قرآن کے برابر بھی ہے۔ جیسا کہ سابقاً میں آیت وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ۝ (الحجر پ۱۴) اور حدیث صحیح بخاری سے واضح ہو چکا ہے۔ اور یہی حکمت نماز میں اس کے متعین کرنے کی ہے۔ کہ یہ سب پر آسان بھی ہے۔ اور عظمت اور ثواب میں سب سورتوں سے بڑھکر بھی ہے۔ اور اسے دیگر فعلی ارکانِ نماز سے کامل مناسبت بھی ہے۔ اور اسی کامل مناسبت کی وجہ سے خود خدا تعالے نے اسکا نام الصّلوٰۃ بھی رکھا ہے جیسا کہ حدیث قدسی سے ص پر گذر چکا ہے۔ اور معلوم ہے کہ تخفیف کی وجوہات اِسی آیت میں خدا تعالے نے خود فرما دی ہیں چنانچہ ارشاد ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ (المزمل پ۲۹)

(اے پیغمبر) بیشک تمہارا رب جانتا ہے کہ تم (نماز تہجد کے لئے) رات کی دو تہائی کے قریب یا اسکا نصف یا اسکا ثلث حصہ کھڑے ہوا کرتے ہو اور تمہارے اصحاب کی ایک جماعت بھی (اسیطرح اٹھتی ہے) اور رات اور دن کی ساعات کا اندازہ تو بس خدا ہی کے اختیار میں ہے اسے خوب معلوم ہے کہ تم ایک قرار نماز کی نگہداشت نہیں کر سکو گے۔ پس اس نے تم پر مہربانی کر دی تو اب تم نماز یا قرآن میں سے جسقدر بآسانی سے پڑھ سکو پڑھ لیا کرو۔ اسے یہ بھی معلوم ہے کہ کبھی (تم میں سے کوئی بیمار ہو جایا کرینگے۔ اور بعض) دیگر خدا کے فضل (روزی) کی تلاش میں زمین میں سفر کیا کرینگے اور بعض دیگر خدا کی راہ میں

اور اسی سہولت و جامعیت اور عظمت و مناسبت کی وجہ سے حدیث مسیٔ الصّلوٰۃ میں بھی ما تیسر معك من القراٰن سے مراد یہی سورت فاتحہ ہے۔ جیسا کہ انشاء اللہ آئندہ مفصّل ذکر ہو گا۔

امام بیہقی رحمہ کتاب القراءۃ میں روایات مسیٔ الصّلوٰۃ میں ما تیسر سے سورت فاتحہ مراد ہونا اور حضرت ابن عباس رضی کے نزدیک آیت فاقرءوا ما تیسر من القراٰن میں فاتحہ کے بعد کی قراءت کا حکم مراد ہونا ذکر کر کے فرماتے ہیں۔

ثم قراءۃ الفاتحۃ اولی السور والآیات بوقوع ما تیسر علیها لسهولتها علی الالسن وابتداء المتعلمین بتعلمها واستفتاح المصلین صلوٰتهم بقراءتها حتّٰی لا یکاد یوجد مصلّ یقرء فی کل

پھر یہ کہ سورت فاتحہ کی تلاوت ما تیسر کا مصداق ہونے میں سب سورتوں اور آیتوں سے اَولیٰ (اور اقدم) ہے۔ کیونکہ وہ زبانوں پر سہل ہے اور سب سیکھنے والے ابتداءً اسی کو سیکھتے ہیں۔ اور سب نمازی اپنی نمازوں کا شروع اسی کے ساتھ کرتے ہیں حتّٰی کہ کوئی نمازی ایسا نہیں ملیگا۔ جو اپنی نماز کی ہر رکعت میں

ملے یعنی اس آیت کی رو سے من تبعیضیہ ہے کہ یعنے قرآن میں سے وہ سورت پڑھا کرو۔ جو ما تیسر بہت آسان ہے۔ معك یعنی وہ تجھے ایسی یاد ہے کہ ہر وقت تیرے ساتھ ہی رہتی ہے ۱۲ منہ

ركعة من صلوته غير الفاتحة فان اراد ان يقرء غيرها ابدأ بها (ص۰)

سوائے سورت فاتحہ کے اور کچھ ضروری طور پر پڑھا ہو اور اگر اس کے علاوہ کچھ اور بھی پڑھنا چاہے تو پہلے اسکو یعنے فاتحہ کو ضرور پڑھیگا۔

الغرض آیت فاقرءوا ما تیسر میں اگر قراءت سے مراد قراءت القرآن فی الصلوٰۃ مراد لیجائے تو اس سے مراد فاتحہ کے بعد کی قرارت ہے۔ کیونکہ اسی آیت میں جو وجوہات و عذرات پیش نظر رکھکر یہ حکم دیا گیا ہے وہ سب سورت فاتحہ پر نہیں بلکہ ما بعد فاتحہ ہی پر منطبق ہو سکتے ہیں جیسا کہ آیت کے سوق کلام سے ظاہر ہے۔ ان سب امروں کو ہم نہایت مختصر عبارت میں بھی بیان کر دیتے ہیں تاکہ اگر کوئی حفظ کرنا چاہے تو اسے آسانی ہو۔

قلت المراد من قوله تعالى ما تيسر من القرآن اما قراءة نفس الفاتحة نظرا الى روايتي ابي داؤد رح والبيهقي رح من حديثي ابي هريرة رض ورفاعة بن رافع رض واما ما بعد الفاتحة نظرا الى سوق الكلام وتفسير ابن عباس رض ومراعاة لحال المعذورين من المرضى والمسافرين والمجاهدين المذكورين في نفس الآية وعدم ضبط ساعات التنبه من النوم كما يشير اليه قوله تعالى والله يقدر الليل والنهار علم ان لن تحصوه فتاب عليكم فاقرءوا ما تيسر من القرآن وتطبيقا بين الآية والاحاديث الصحيحة الثابتة المتواترة او المستفيضة الواردة في ايجاب قراءة الفاتحة في الصلوة وجمعا بين الادلة واعتبارا بمداومة النبي صلى الله عليه وسلم بقراءتها طول عمره وعدم تركها

میں کہتا ہوں کہ قول خداوندی ما تیسر من القرآن سے مراد یا تو خاص سورت فاتحہ کی قرأت ہے۔ امام ابوداؤد رح اور امام بیہقی رح کی ان ہر دو روایات پر نظر رکھتے ہوئے جو حضرت ابوہریرہ رض اور حضرت رفاعہ بن رافع رض سے مروی ہیں۔ اور یا سورت فاتحہ کے بعد کی قرارت مراد ہے۔ سیاق کلام اور حضرت ابن عباس رض کی تفسیر پر نظر رکھتے ہوئے یا برعایت حال معذوروں کے یعنے بیماروں اور مسافروں کے اور مجاہدوں کے جو اسی آیت میں مذکور ہیں اور بوجہ نیند سے جاگنے کی ساعات کے اختیار انسانی میں نہ ہونے کے جیساکہ قول الٰہی یقدر اللیل والنہار علم ان لن تحصوہ فتاب علیکم فاقرءوا ما تیسر من القرآن اس کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اور واسطے تطبیق دینے کے درمیان اس آیت اور ان صحیح وثابت احادیث متواترہ یا مستفیضہ کے جو نماز میں سورت فاتحہ کی قرارت کے واجب ہونے میں وارد ہوئی ہیں۔ اور تمام دلائل کو جمع کرنے کے لئے اور واسطے اس امر کے اعتبار کے لئے کہ آنحضرت صلعم نے تمام عمر اسکی قرأت پر ہمیشگی کی ہے اور آپ نے کبھی بھی عمداً ترک نہیں کیا ہے

حضرات حنفیہ کی دوسری دلیل

قرأت فاتحہ کے رُکن نماز نہ ہونے پر حنفیہ کی دوسری دلیل یہ ہے کہ مسیئی الصلوٰۃ کو آنحضرت صلعم نے فرمایا تھا۔ ثم اقرء ما تیسر معک من القرآن (بخاری وغیرہ) اور ابوداؤد کی ایک روایت میں ولیقرء بما شاء من القرآن بھی آیا ہے۔ یعنی قرآن میں سے جہاں سے چاہے پڑھے۔

اَب ظاہر ہے کہ اِن احادیث میں عام اختیار دیا گیا ہے۔ اور کوئی خاص مقام فاتحہ وغیرہ مقرر نہیں کیا گیا،

اِس کا جواب،

یہ ہے کہ مسیئی الصلوٰۃ کا قصہ دو صحابیوں سے مروی ہے۔ ابوہریرہؓ اور رفاعہ بن رافعؓ سے[1] اِن ہر دو کے جمیع طرق کو جمع کیا جائے تو قرأت کے متعلق آنحضرت صلعم کا فرمان اِن الفاظ میں ملتا ہے:۔

(۱) اقرء ما تیسر معک من القرآن (خ-م-د-ت من حدیث ابی هریرة رض)

(۲) یقرء بما شاء من القرآن (د- من حدیث رفاعة)

(۳) ثم اقرء (بیہقی عن رفاعة فی کتاب القراءة)

(۴) ثم اقرء بام القرآن وبما شاء الله ان تقرء (الشافعی رح فی الام وابوداؤد عن رفاعة رض)

(۵) قراءت بام القرآن ثم قراءت بما معك من القرآن (بیہقی من حدیث ابی هریرة رض)

(۶) فان کان معك قرآن فاقرء به والا فاحمد الله عزوجل وکبره وهلله (ش-ت-د-عن رفاعة رض)

(۷) یحمد الله ویمجده ویکبره ویقرء ما تیسر من القرآن مما علمه الله واذن له فیه (النسائی وابوداؤد بمعناه عن رفاعة)

اِن سب روایتوں کو جمع کرنے سے واضح ہو گیا کہ قرأت کے متعلق آنحضرت صلعم نے تین حکم فرمائے ہیں:۔
اوّل سورت فاتحہ، دوم زائد از فاتحہ، سوم جسے فاتحہ یاد نہ ہو وہ کسی اَور مقام سے پڑھ لے، اور اگر دیگر مقام سے بھی یاد نہیں تو تحمید (الحمد لله)، اور تکبیر (الله اکبر) اور تہلیل (لا الٰہ الا الله) پڑھے۔[2]

[1] امام ترمذی رح نے فی الباب میں عمار بن یاسر رض کا بھی نام لیا ہے لیکن ہم کو انکی روایت کے الفاظ نہیں ملے۔ [2] آنحضرت صلعم کی تعلیم قولی یا فعلی حسب موقع بقدر حاجت ہوتی تھی۔ اس لئے کسی مسئلہ کے اثبات کے لئے سب احادیث قولیہ وفعلیہ کو جو اس کے متعلق ہوں۔ دیکھ کر حکم لگانا پڑتا ہے نماز کے متعلق سب سے جامع حدیث یہی مسئی الصلوٰۃ ہے باوجود اس کے کئی ضروری امور اسمیں بھی مذکور نہیں ہیں اسلئے اس جامع حدیث کے لئے بھی دیگر احادیث متعلقہ پر نظر رکھنی پڑتی ہے۔ یہی وجہ ہے یعنے اوّل فاتحہ، فاتحہ یاد نہ ہو تو قرآن کا کوئی دیگر مقام وہ بھی یاد نہ ہو تو تحمید وغیرہ کلمات طیبات کی ترتیب اس حدیث کو دیکھکر ہم نے لکھی ہے۔ چنانچہ امام دارقطنی رح نے حضرت عبادہ رض سے روایت کی کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ ام القرآن عوض من غیرها ولیس غیرها منها بعوض (ص ۱۲۲ جلد اول) یعنے سورۂ فاتحہ اپنے غیر کا عوض ہو سکتی ہے۔ لیکن اس کا غیر اس کا عوض نہیں ہو سکتا۔ یعنے فاتحہ یاد ہو تو یہی مقرر ہے۔ اس کے عوض کوئی دیگر مقام نہ پڑھے ہاں اس کے ساتھ پڑھ لے۔ البتہ فاتحہ یاد نہ ہو تو کوئی دیگر مقام پڑھ لے اگر وہ بھی یاد نہ ہو تو تحمید وغیرہ پڑھے۔

اِن سب روایات اور دیگر احادیث متعلقہ کو ملحوظ رکھکر امام نووی رح نے نہایت جچی تُلی بات لکھی ہے:۔

واما حدیث اقرء ما تیسر فمحمول علی الفاتحۃ فانھا میسرۃ او علی ما زاد علی الفاتحۃ بعدھا او علی من عجز عن الفاتحۃ (نووی علی صحیح مسلم ۱۷۰ جلد ۱)	لیکن حدیث اقرء ماتیسّر کی سو وہ محمول ہے۔ فاتحہ پر، کیونکہ وہ آسان ہے۔ یا فاتحہ کے بعد کی قرارت پر یا اُس شخص کے لئے جو فاتحہ کے پڑھنے سے عاجز ہو۔

اِسی طرح حافظ ابن حجر رح نے کہا کہ امام بخاری رح نے حضرت عُبادہ رض کی حدیث مذکورہ یعنے لاصلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب، کے بعد یہ حدیث مُسیئ الصلوٰۃ جو بیان کی تو اسکی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ امام بخاری رح نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کہ سورتِ فاتحہ اُس شخص پر لازم ہے۔ جو اُسے بخوبی پڑھ سکے لیکن جو بخوبی نہ پڑھ سکتا ہو۔ وہ جہاں سے چاہے قرارت کرلے، اور حضرت ابوہریرہ رض کی حدیث میں مطلق قرارت کا جو ذکر ہے سو مقید بالفاتحہ ہے جیسا کہ حدیث عبادہ رض میں وارد ہے۔ پھر حافظ صاحب رح نے اِسی قول کے قریب امام خطابی رح سے بھی نقل کیا ہے۔[۱]

حضرات حنفیہ کا ایک الزامی جواب

حضرات حنفیہ اہلحدیث کو الزاماً کہتے ہیں کہ اگر تم قرارتِ فاتحہ کو فرض جانتے ہو تو بعض احادیث میں فاتحہ سے زائد کا پڑھنا جو آیا ہے۔ اُسے فرض کیوں نہیں جانتے، مثلاً صحیح مسلم و سنن ابی داؤد وغیرہما کتب حدیث میں الفاظ فصاعداً اور ما تیسر وغیرہما حضرت ابوہریرہ رض وغیرہ اصحاب سے مروی ہیں۔ اور حدیث مُسیئ جس کا بیان اوپر ہو چکا ہے۔ اُس میں بھی آنحضرت صلعم نے یہی فرمایا ہے ثم اقرء بام القرآن وبما شاء اللہ ان تقرء

اِس کا جواب

کئی طریق پر ہے۔ اوّل یہ کہ جب حضرت امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک مطلق قرارت بلاتعین کسی خاص مقام کے فرض ہے۔ اور اُسکی مقدار کم از کم ایک آیت ہے۔ جس پر قرآن کا اطلاق ہو سکتا ہے تو چونکہ فاتحہ جزوِ قرآن ہے

[۱] امام شافعی رح نے کتاب الام میں باب من لا یحسن القراءۃ واقل فرض الصلوٰۃ (کتاب الام ص ۹۴ جلد ۱) کے ذیل میں حدیث رفاعہ ذکر کرکے اُسکی تشریح میں متعدد بار ذکر کیا ہے کہ یہ حکم اُس شخص کیلئے ہے جو سورۃ فاتحہ یا مطلقاً قرآن شریف میں سے بخوبی پڑھ سکتا ہے۔ اور جو ایسا نہ کرسکے اس کے لئے تحمید وغیرہ اذکار کافی ہیں۔ اِسی طرح آپ باب القراءۃ بعد التعوذ میں فرماتے ہیں۔ ودل علی انھا فرض علی المصلی اذا کان یحسن یقرؤھا (ج ۱ ص ۹۳) اور اس بات کی دلیل ہے کہ سورت فاتحہ نمازی پر فرض ہے۔ جبکہ وہ اُسے بخوبی پڑھ سکتا ہو۔ اس کے بعد فرضیت فاتحہ میں حضرت عبادہ والی حدیث ذکر کی ہے ۱۲ منہ

اور اسکی سات آیتیں ہیں. تو اگر صرف سورتِ فاتحہ ہی پڑھی جاوے تو عہدۂ فرضیت تو بخوبی پورا ہو جاتا ہے۔ پھر فصاعدًا اور ماذاد کی زیادت کے کیا معنے ہوئے؟ اگر آپ (حضرات حنفیہ) یہ کہیں کہ زیادت واجب ہے نہ کہ فرض، تو اس صورت میں بھی حکمِ فاتحہ اور فصاعدًا میں درجات کا تفاوت لازم آیا۔ اور یہ آپ کے نزدیک درست نہیں۔ کیونکہ آپ اہلحدیث کو یہ الزام دیتے ہیں کہ تم فاتحہ کو فرض جانتے ہو تو ماذاد کو جو اس کے ساتھ ہی ہے۔ فرض کیوں نہیں جانتے؟ پس جو الزام اہلحدیث پر ہے۔ وہ آپ پر بھی ہے۔ فافہم

(۲) دیگر یہ کہ ہر چند کہ مطلق قرارت حضرات حنفیہ کے نزدیک فرض ہے۔ اور تعیینِ فاتحہ کے مقابلہ میں اسی بات کا جھگڑا ہے۔ لیکن آج ہم ایک عجیب بات ذکر کرتے ہیں۔ کہ ظہر اور عصر اور عشاء چار رکعت والی نمازوں کی پچھلی دونوں رکعتوں میں اور مغرب کی تیسری رکعت میں حضرات حنفیہ کے نزدیک اس مطلق قرارت میں بھی رخصت ہے یعنے پہلی دو رکعتوں میں تو قرارت فرض جانکر پڑھتے ہیں۔ لیکن پچھلی رکعتوں میں اختیار دیتے ہیں۔ چاہے کوئی فاتحہ پڑھے۔ چاہے تسبیح پڑھے اور چاہے بغیر ذکر خدا کے چپ چاپ کھڑا رہے اور رکوع میں چلا جائے۔ چنانچہ وقایہ اور اسکی شرح میں ہے۔ ویقرء فیما بعد الاولیین الفاتحۃ فقط وھی افضل وان سبح او سکت جاز (شرح وقایہ لکھنوی ص۱۷ جلد ۱) یعنے پہلی دو رکعات کے بعد صرف فاتحہ پڑھے۔ اور یہ افضل ہے اور اگر صرف تسبیح ہی پڑھے یا چپ رہے تو بھی جائز ہے۔ پس جس صورت میں حضرات حنفیہ مطلق قرارت جو فرض ہے۔ عمدًا چھوڑ سکتے ہیں تو وہ اہلحدیث پر ماذاد کے متعلق کیا اعتراض کر سکتے ہیں، اس کے بعد

تحقیقی جواب

یہ ہے کہ اہلحدیث خدا کے فضل سے حدیثِ رسول اللہ صلعم کی اتباع میں سب سے آگے ہیں۔ یہی بات تو ان کا طرۂ امتیاز ہے۔ حدیث کی اتباع یہ نہ کرینگے۔ تو اور کون کریگا؟ سو معلوم ہو کہ اہلحدیث جو کچھ کرتے اور جو کچھ کہتے ہیں سب حدیثِ رسول اللہ صلعم کی بنا پر کرتے اور کہتے ہیں۔ اپنی رائے محض سے نہ کچھ کہتے ہیں نہ اس پر عمل کرتے ہیں۔ چونکہ آنحضرت صلعم نے بعض رکعات میں سورتِ فاتحہ کے بعد ضمِ سورت کیا ہے۔ اور بعض میں نہیں کیا لیکن فاتحہ کبھی ترک نہیں کی اسلئے محدثین رحمہم اللہ فاتحہ کے سوا دوسری قرارت کی فرضیت کے قائل نہیں ہیں اور یہی بات ماسوائے فاتحہ کے فرض یا واجب نہ ہونے کی دلیل ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلعم فرائض و واجبات کو چھوڑ نہیں سکتے اور یہی ہر دو میں فرق کرنے والی ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم[1] میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم

[1] اس حدیث کو امام مسلم کے علاوہ امام بخاری، امام ابوداؤد، امام نسائی، امام ابن ماجہ رحمہم اللہ نے بھی روایت کیا ہے ۱۲ منہ

ظہر اور عصر کی پہلی دو (۲) رکعتوں میں سورتِ فاتحہ اور کوئی سورت پڑھتے تھے، اور کبھی کبھی ہم کو کوئی آیت سُناتے بھی تھے،[1] اور پچھلی دو (۲) رکعتوں میں (صرف) سُورت فاتحہ پڑھتے تھے۔[2] الحدیث[3]

---

[1] یعنی بعض اوقات کوئی آیت ہمکو سنائی دیتی تھی، ذوق شوق کی حالت میں آہستہ قراءت میں بھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی آیت یا اسکا کوئی حصہ بلا قصد ایسی آواز سے منہ سے نکل جاتا ہے۔ کہ دوسرا آدمی اُسے سُن لیتا ہے۔ یہ جزء القراءۃ میں امام بخاریؒ نے بھی بیان کیا۔

[2] اس حدیث کو امام بخاریؒ نے بھی جزء القراءۃ میں حضرت جابر بن عبداللہؓ سے بھی روایت کیا ہے، نیز امام بیہقیؒ نے کتاب القراءۃ میں علی بن عبداللہؓ سے۔

[3] ہدایہ متن ہدایہ میں ہے ویقرأ فی الرکعتین الاخریین بفاتحۃ الکتاب وحدها "یعنی پچھلی دو رکعتوں میں صرف سورتِ فاتحہ ہی پڑھے" ہدایہ میں اسکی دلیل میں یہی حضرت عبادہؓ والی روایت مذکورہ بالا لکھی ہے، لیکن اس کے بعد، عایتِ مذہب لکھدیا ہے۔ ھذا بیان الافضل یعنی صاحب ہدایہ کا یہ قول کہ اخیر کی دونوں رکعتوں میں صرف سورتِ فاتحہ پڑھے اس بات کے اظہار کے لئے ہے کہ اسکی قراءت افضل ہے، کوئی فرض واجب نہیں ہے۔ حیرانی ہے کہ صاحب ہدایہ کو حدیث بھی ملگئی۔ وہ صحیح بھی ہے۔ اس کے خلاف آنحضرت صلعم سے کچھ بھی ثابت نہیں پھر بھی اس میں افضل کا ضمیمہ لگا کر اسکے ترک کردینے کو سہل جاننا اُس عہدِ تقلید کو پورا کرنا ہے۔ جو نہ خود اپنے اوپر لازم کرلیا ہے۔ صاحب ہدایہ نے اپنے امام رح کے قول کو دیکھا کہ وہ اس میں اختیار دیتے ہیں۔ لیکن آنحضرت صلعم کے حکم لاصلوٰۃ اور دائمی عمل کو نہ دیکھا، کہ آپ نے فاتحہ کسی رکعت میں بھی کبھی بھی ترک نہیں کی۔ اور کم از کم اس امر کو بھی نہ دیکھا کہ مطلق قراءت تو حضرت امام رح کے نزدیک بھی فرض ہے پچھلی دو رکعتوں میں اسکی تخفیف کس طرح ہو سکتی ہے؟ اور نہ اس کا خیال کیا۔ کہ حدیث لاصلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب میں مقتدی کو مستثنےٰ کرتے ہوئے ہم تسلیم کر چکے ہیں۔ کہ یہ حکم امام اور منفرد سے مخصوص ہے۔ تو اس کے خلاف اب امام اور منفرد یا صرف منفرد کو بھی چپ چاپ کھڑا رہ سکنے کی اجازت دینا حدیث لاصلوٰۃ کو بالکل بے وزن کردینے کے برابر ہو جائیگا۔ اور اس بارے میں جو جو آثار موقوفہ اُن کے ستدراہ ہوئے ہیں اوّل تو وہ مرفوع کا مقابلہ نہیں کر سکتے نیز وہ ضعیف و منقطع الاسناد ہیں۔ اور نہ اسکو زیر نظر۔ کما تسبیح تہلیل وغیرہ سورت فاتحہ کے عوض تو اس صورت میں پڑھ سکتے ہیں۔ جب فاتحہ یاد نہ ہو لیکن جب دو پہلی رکعات میں فاتحہ پڑھ لی ہے تو اب یاد نہ ہونے کا عذر جاتا رہا۔ لہٰذا اب تسبیح وغیرہ فاتحہ کا عوض نہ ہو سکیگی۔ جیسا کہ سابقاً صفحہ ۴۴۴ میں حدیث دارقطنی سے گذر چکا ہے۔ اور نہ اس بات کا لحاظ کیا۔ کہ دو رکعتوں کے قیام میں بغیر قراءت کے چُپ چاپ کھڑا رہنے سے کیا عبادت ہوگی اور دربارِ خداوندی میں ایسی خشک حاضری سے کیا حاصل ہوگا؟ حالانکہ حنفیہ کے نزدیک محض سکوت یعنی چُپ کوئی مسنون طریق عبادت نہیں ہے۔ (فصل الخطاب مصنفہ مولٰنا انور شاہ صاحب مرحوم دیوبندی ص ۹۵)

دیکھئے کہ حنفیہ کے نزدیک ادائے جمعہ کی شرائط میں سے خطبہ بھی ہے، چنانچہ اسی ہدایہ متن ہدایہ میں ہے۔ ومنہا الخطبۃ یعنی شرائط ادائے جمعہ میں سے ایک شرط خطبہ بھی ہے۔" اس کے بعد ہدایہ میں اسکی دلیل میں کہا ہے لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما صلاھا بدون الخطبۃ فی عمرہ ۱۲ "یعنی کیونکہ نبی صلعم نے ساری عمر میں کبھی بھی بغیر خطبہ کے جمعہ نہیں پڑھا، کفایہ شرح ہدایہ میں اسکے ذیل میں لکھا ہے۔ ولو جاز ذالک لترک مرۃ تعلیما للجواز ۱۲ "یعنی اگر ترک خطبہ جائز ہوتا، تو آپ صلعم (کم از کم) ایک دفعہ تو تعلیم جواز کیلئے اسے ترک کردیتے"، اسی طرح مولٰنا عبدالحی صاحب مرحوم حاشیہ ہدایہ بین السطور میں عنایہ شرح ہدایہ سے نقل کرکے لکھتے ہیں فلو لم یکن واجبًا لترکہ مرۃ تعلیمًا للجواز ۱۲ "یعنی اگر خطبہ واجب نہ ہوتا۔ تو آپ (کم از کم) ایک دفعہ تو تعلیم جواز کیلئے اُسے ترک کرتے"، اسی طرح مولٰنا صاحب مرحوم نے عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ میں بھی لکھا ہے ۱۲ ان حوالجات سے معلوم ہو گیا۔ کہ کسی عمل پر آنحضرت صلعم کا دوام کرنا حنفیہ کے نزدیک اس عمل کے شرط اوا اور فرض واجب ہونے کی دلیل ہے۔ لبس اسی بنا پر ہم بھی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے ساری عمر میں کوئی رکعت بغیر فاتحہ کے نہیں پڑھی پس یہ بھی فرائض وارکان نماز میں سے ہے۔ لطف یہ ہے کہ مولٰنا عبدالحی صاحب مرحوم لکھنوی نے ہدایہ کے حاشیہ بین السطور میں لکھا ہے کہ اس (عدم ترک خطبہ) کو امام بیہقی رحمہ نے ذکر کیا ہے۔ یہ عاجز کہتا ہے کہ امام بیہقی رحمہ نے کتاب القراءۃ میں اس امر کو بھی ذکر کیا ہے کہ آنحضرت صلعم نے سورت فاتحہ ساری عمر میں کبھی نہیں چھوڑی لہٰذا اسے بھی فرض و رکن نماز مانا جانا چاہئے۔ فخذ ھذا فانہ لطیف جدًا ۱۲

دیگر یہ کہ زیادت فصاعدًا وغیرہ کی تحقیق میں دو امر ہیں۔ اوّل اسکی صحت کی بابت، دوم اسکے معنے اور حکم کی بابت سو امر اوّل کی بابت عرض ہے کہ اجلۂ محدثین وحفاظِ حدیث نے اس زیادت کو تسلیم نہیں کیا چنانچہ حافظ ابن حجرؒ **تلخیص** میں فرماتے ہیں :-

حدیث عبادة بن الصامت لا صلوٰة لمن لم یقرء فیها فاتحة الکتاب **متفق علیه** وفی روایة مسلم وابی داؤد وابن حبان بزیادة **فصاعدًا** قال ابن حبان تفرد بها معمرًا عن الزهری واعلها البخاری فی جزء القراءة (تلخیص جلد ۱ ص۸۴)

حضرت عبادہ کی حدیث لا صلوٰۃ الخ **متفق علیہ** ہے اور مسلم اور ابوداؤد اور ابن حبان کی ایک روایت میں فصاعدًا زائد ہے کہا ابن حبان نے متفرد ہوا ہے معمر ساتھ اس زیادت کے۔ زہری سے روایت کرنے میں اور امام بخاریؒ نے بھی اس زیادت کو جزء القراءۃ میں **معلول** کہا ہے

وعامة الثقات لم یتابع معمرًا فی قوله فصاعدًا مع انه قد اثبت فاتحة الکتاب (جزء القراءة ص۴)

عام ثقہ راویوں نے معمر کی اس کے قول فصاعدًا میں متابعت نہیں کی باوجود اس کے اس نے بھی فاتحہ کو ثابت ہی کیا ہے۔

اِسی طرح امام بیہقیؒ نے کتاب القراءۃ میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایات کے مختلف الفاظ فما زاد اور ولو بفاتحۃ الکتاب محض الا بفاتحۃ کو بیان کر کے بعدہٗ فرمایا:

اجمع سفیان بن سعید الثوری ویحیی بن سعید القطان وهما امامان حافظان علی روایة باللفظ الذی هو من کورسفے خبرهما فالحکم لروایتهما (ص۱۵)

امام سفیان ثوری رحؒ اور یحییٰ بن سعید قطان رحؒ نے اس روایت کے الفاظ پر اجماع کیا ہے جو انکی روایت میں مذکور ہیں یعنے بغیر زیادت فصاعدًا کے اور یہ دونوں (حدیث کے) امام وحافظ ہیں پس فیصلہ انہی دونوں کی روایت پر ہے۔

امر دوم یعنے زیادت فصاعدًا کے معنے اور حکم کے متعلق یہ عرض ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ سے کہ وہ بھی سورۂ فاتحہ کی فرضیت اور قراءت خلف الامام کے قائل ہیں۔ صحیح مسلم میں منقول ہے کہ کسی شخص نے حضرت ابوہریرہؓ سے کہا کہ ان لم ازد علی ام القرآن ؟ یعنے اگر میں سورۂ فاتحہ سے اور کچھ زیادہ قراءت نہ کروں تو ؟ اسپر آپؓ نے فرمایا اِن زدت علیها فهو خیر وان انتهیت الیها اجزءت عنك یعنی اگر تو اسپر کچھ زیادہ کرے تو اچھا ہے۔ لیکن اگر اسپر قراءت کو ختم کر دے تو تجھے کافی ہے[۱]۔

حافظ ابن حجر رحؒ نے فتح الباری میں زیر بحث زیادت فصاعدًا حضرت ابوہریرہؓ کے اس قول کی تائید میں ایک مرفوع روایت ابن خزیمہؒ سے نقل کی ہے کہ :-

ولابن خزیمة من حدیث ابن عباس رضـ ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلّم قام فصلی رکعتین لم یقرء فیهما الا بفاتحة الکتاب[۲] (فتح الباری مطبوعہ دہلی جزء ۳ ص۱۵۱)

حضرت ابن عباس رضؓ نے کہا کہ نبی کریم صلعم کھڑے ہوئے پس پڑھیں آپ نے دو رکعتیں نہ قراءت کی ان میں سوائے سورۂ فاتحہ کے وا

---

[۱] حضرت ابوہریرہؓ کی یہ روایت صحیح بخاری میں بھی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔ ان لم تزد علی امّ القرآن اجزأت وان زدت فهو خیر۔

[۲] اس حدیث کو امام بیہقیؒ نے بھی کتاب القراءۃ ص۶ میں باسنادِ خود روایت کیا ہے ۱۲ منہ

اِن روایات سے معلوم ہوگیا کہ بقدرِ فرض تو صرف سورۂ فاتحہ ہی ہے۔ اور اُس سے زائد جتنا ہو سکے بہتر ہے۔ اور یہی فصاعداً کے معنے درست ہیں۔ زائد از فاتحہ درجۂ وجوب میں نہیں ہے، ورنہ آنحضرتؐ محض فاتحہ پر اکتفا نہ کرتے، چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضہ کے قول من قرء بام الکتاب فقد اجزأت عنه ومن زاد فهو افضل کے ذیل میں امام نووی فرماتے ہیں:۔

فيه دليل لوجوب الفاتحة وانه لا يجزي غيرها وفيه استحباب السورة بعدها وهذا مجمع عليه في الصبح والجمعة والاوليين من كل الصلوات وهو سنة عند جميع العلماء (شرح مسلم جلد ۱ ص ۱۷۰)

اس میں فاتحہ کے واجب ہونے کی دلیل ہے نیز اسکی کہ اس کے سوا دیگر کافی نہیں اور اس میں اس کے بعد کسی دیگر سورت کے مستحب ہونیکی دلیل ہے۔ اور اس بات پر صبح اور جمعہ اور ہر نماز کی پہلی دو رکعتوں میں پڑھنے پر اجماع ہے اور وہ تمام علمائے (سنت) کے نزدیک سنّت ہے،

اِسی طرح حافظ ابن حجر رح شرح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضہ کے مذکور الفوق قول کے ذیل میں فرماتے ہیں:

وفي هذا الحديث ان من لم يقرأ الفاتحة لم تصح صلاته وهو شاهد لحديث عبادة رضه المتقدم وفيه استحباب سورة او الآيات مع الفاتحة وهو قول الجمهور في الصبح والجمعة والاوليين من غيرها (فتح جزء ۳ ص ۱۴۲)

اور اس حدیث میں اس امر کی دلیل ہے۔ کہ جسنے سورت فاتحہ نہ پڑھی تو اسکی نماز صحیح نہ ہوئی۔ اور یہ حدیث، حضرت عبادہ کی گذشتہ حدیث کی شاہد ہے۔ اور اسمیں اسکی بھی دلیل ہے کہ فاتحہ کے ساتھ چند آیات یا کوئی ساری سورت پڑھنی مستحب ہے اور یہ قول ہے جمہور کا صبح اور جمعہ اور دیگر نمازوں کی پہلی دو رکعتوں میں۔

اِنہی آثارِ مرفوعہ وموقوفہ کے رو سے اور وجوب فاتحہ کے سب دلائل کو زیرِ نظر رکھکر امام بخاری رح نے فرمایا:۔

وقوله فصاعدا غير معروف ما اردت له حرفا او اكثر من ذلك الا ان يكون كقوله صلعم لا يقطع اليد الا في ربع دينار فصاعدا فقد يقطع اليد في دينار وفي اكثر من دينار (جزء القراءة ص ۴)

اور معمر کا قول فصاعداً غیر معروف ہے۔ اس کے صرف یہی معنے صحیح ہو سکتے ہیں کہ یہ مثل اس قول آنحضرت صلعم کے ہے کہ ہاتھ نہ کاٹا جائے مگر (کم از کم) چوتھائی دینار میں پس اس سے زیادہ کیونکہ ہاتھ پورے دینار اور اس سے زیادہ پر بھی کاٹا جاتا ہے۔[1]

[1] مولانا انورشاہ صاحب مرحوم دیوبندی نے فصل الخطاب میں امام بخاری رح کے ان معانی کا جواب دیا ہے۔ وہ پُر از تکلفات ہے اسمیں مولانا مرحوم نے آنحضرت صلعم کے دستور العمل اور تصریحاتِ علمائے محدثین کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے ۱۲ منہ

حضرات حنفیہ کی تیسری دلیل

حضرات حنفیہ کی طرف سے مقتدی کو امام کے پیچھے بالخصوص جہری نماز میں قرارت اور فاتحہ سے منع کرنے کی دلیل اکثر آیت وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا (اعراف پ ۹) پیش ہوتی رہتی ہے اگرچہ اُسکا الزامی جواب سابقاً صفحہ ۲۲۳ میں گذر چکا ہے۔ کہ حنفی علمائے اُصول اِس آیت کو آیت مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ کے معارض ٹھیرا کر اسے ساقط اور مُدعا سے ساکت قرار دے چکے ہیں۔ اسلئے اُن کے پیرو اس آیت سے منع فاتحہ کی دلیل نہیں پکڑ سکتے۔ لیکن چونکہ باوجود اس کے بھی حنفی علماء اور عوام اکثر اسے پیش کرتے رہتے ہیں۔ اسلئے ہمنے مناسب جانا کہ مستقل عنوان سے بھی ظاہر کر دیا جائے۔ کہ اس آیت کو منع قراءت مقتدی سے کوئی بھی تعلق نہیں ہے، وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ،

مولانا **رشید احمد** صاحب مرحوم گنگوہی اپنے رسالہ **ہدایۃ المعتدی** (ص ۵) میں فرماتے ہیں:-

"بعد اُس کے جب نماز پنجگانہ فرض ہوئی۔ تو اُسوقت بھی قرارت امام و مقتدی سب پر فرض رہی پھر ایک"
"مدت بعد آیت اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا سے قراءتِ مقتدی منسوخ ہوئی چنانچہ بیہقی رحمہ وغیرہ"
"نے لکھا ہے۔ عن محمد بن کعب القرظی قال کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا قرء فی الصلوٰۃ"
"اجابہ من وراءہ اذا قال بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم قالوا مثل ذالک حتی تنقضی الفاتحۃ"
"والسورۃ فلبث ماشاء اللّٰہ ان یلبث ثم نزلت وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا (مص)"

جواب

اِس کا جواب کئی وجہ سے ہے۔ اوّل یہ کہ محمد بن کعب رح تابعی ہیں اور بغیر واسطہ کسی صحابی کے روایت کرتے ہیں۔ اِسلئے یہ روایت متصل الاسناد نہ ہونے کی وجہ سے قابلِ احتجاج نہیں ہے۔

دوم یہ کہ اِس روایت سے بسم اللّٰہ کا جزو سورۂ فاتحہ ہونا ثابت ہوتا ہے، اور حنفیہ کے نزدیک بسم اللّٰہ جزو سورۂ فاتحہ نہیں ہے۔ اِسی لئے وہ چھٹی آیت اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ پر ختم کرکے سات آئتیں پوری کرتے ہیں نیز اس روایت سے بسم اللّٰہ کا جہر پڑھنا ثابت ہوتا ہے۔ اور یہ بھی حنفیہ کا مختار مذہب نہیں ہے۔ چنانچہ دونوں مسئلوں کے متعلق علامہ نسفی رح کنز الدقائق میں فرماتے ہیں:-

وسمّی سِرًّا فی کلّ رکعۃ وھی اٰیۃ من القرآن	اور ہر رکعت میں بسم اللّٰہ آہستہ پڑھے اور وہ آیت تو قرآن شریف کی

اُنْزِلَت للفصل بین السورتین لیست من الفاتحۃ ولا من کل سورۃ (کنز مجتبائی ص۲۳)	دو سورتوں میں فاصلہ کے لئے اُتری (لیکن) فاتحہ کی جزو نہیں ہے اور نہ دیگر ہر سورت کی (جزو ہے)،

پس اگر یہ سقا حضرات حنفیہ کے نزدیک قابل استناد ہے۔ تو پھر دو امر میں بسم اللہ کے متعلق حنفیوں کا مذہب اس کے خلاف کیوں ہے؟

سوم یہ کہ نسخ کے لئے ہر دو کی تاریخ معلوم ہونی ضروری ہے۔ کہ منسوخ پہلے اُتری ہو اور ناسخ پیچھے اور یہ بات ہرگز ہرگز ثابت نہیں کہ آیت اذا قرئ القراٰن الخ آیت فاقرؤا ماتیسر کے بعد نازل ہوئی۔ بلکہ برخلاف اس کے یہ بات ثابت شدہ ہے کہ احادیث ثبتہ قراءت فاتحہ خلف الامام آیت وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ کے بعد فرمائی گئی تھیں، کیونکہ سورۂ اعراف جسمیں آیت واذا قرئ القراٰن وارد ہے مکی ہے اور احادیث فاتحہ مدنی ہیں کیونکہ حضرت عبادہؓ بن ثابت جو راوی حدیث ہیں۔ وہ مدنی ہیں، نیز حضرت ابوہریرہ رضؓ جو وہ بھی قراءت خلف الامام کی حدیث کے راوی ہیں۔ سال خیبر میں ۷ھ میں مشرف باسلام ہوئے۔

چہارم یہ کہ اس آیت کے شان نزول کے متعلق مختلف اقوال ہیں۔ کوئی خطبہ کے متعلق بتاتا ہے۔ کوئی نماز میں آنحضرتؐ کے پیچھے کلام کرنے کی بابت، کوئی آنحضرتؐ کے ساتھ ساتھ پڑھتے جانے کی بابت۔ اور یہ سب اقوال روایۃً و درایۃً مخدوش ہیں۔ لطف یہ کہ حضرت ابوہریرہ رضؓ جنسے اسکا شان نزول نماز میں کلام کرنے کی ممانعت کے متعلق منقول ہے۔ اور امام زہریؒ اور مجاہدؒ جنسے آنحضرتؐ کے ساتھ ساتھ قراءت کرنے کی ممانعت کی روایت منقول ہے یہ ہر سہ بزرگ فاتحہ خلف الامام کے قائل اور اس کے عامل تھے۔ (کتاب القراءۃ بیہقی) پھر کس طرح کہا جاسکتا ہے کہ یہ آیت قراءت خلف الامام کی ممانعت میں نازل ہوئی۔

پنجم یہ کہ حنفیہ کا مذہب ہے۔ کہ خطبہ جمعہ میں سب سامعین خاموشی سے خطبہ سنیں، اور کتب فقہ میں دلیل میں یہی آیت پیش کیگئی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ان علماء نے خدا اُن پر رحمت کرے یہ بھی لکھدیا ہے۔ کہ اگر خطیب درود شریف کی آیت یعنے یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا پڑھے تو سامعین اسوقت آہستہ طور پر اپنی زبان سے درود شریف پڑھ لیں چنانچہ شرح وقایہ میں ہے۔ الا اذا قرء قولہ تعالیٰ صلوا علیہ فیصلی سرا ادفصل فی القرءۃ یعنے مگر جب خطیب قول خداوندی صَلُّوْا عَلَیْہِ پڑھے تو سامع آہستہ سے درود شریف پڑھ لے، اسی طرح کفایہ شرح ہدایہ میں ہے۔ فیصلی السامع فی نفسہ ای یصلی بلسانہ خفیاً (کفایہ جلد اول ص۲۶۲) یعنے صاحب ہدایہ کی عبارت فیصلی السامع فی نفسہ کے معنے یہ ہیں کہ سامع اپنی

زبان سے آہستہ آواز سے درود شریف پڑھ لے۔ ان حوالجات سے دو امر معلوم ہو گئے۔ اوّل یہ کہ حکمِ شرعی کی تعمیل میں آہستہ آہستہ پڑھ لینا حنفیہ کے نزدیک مخلِ استماع وانصات نہیں ہے۔ دوم یہ کہ اس عام حکمِ استماع وانصات کے وقت اگر کوئی خاص حکم قراءت یا وظیفہ کا ہو تو اس خاص حکم پر عمل کر لینا جائز ہے۔ اور وہ اس عام حکم استماع وانصات کے خلاف نہیں ہوگا۔

اِس بنا پر ہم بھی کہتے ہیں۔ کہ اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اس آیت کے عموم میں نماز میں قراءت کے وقت استماع وانصات کا حکم بھی شامل ہے۔ تو قراءت فاتحہ خلف الامام کا خاص حکم جو صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ (جیسا کہ سابقاً گذر چکا) اُسکا امام کے سکتات کے وقت پڑھ لینا مخلِ استماع وانصات نہیں ہو سکتا بلکہ جیسا کہ بقول صاحب فتح القدیر خطبہ کی حالت میں آیتِ درود شریف کی تعمیل میں درود شریف پڑھ لینے سے دونوں فضیلتیں (استماع خطبہ اور آیتِ درود شریف کی تعمیل) کا حصول ہو جاتا ہے،

اِسی طرح امام کے پیچھے اُس کے سکتات یا اوقافِ آیات کے وقت قراءتِ فاتحہ کے خاص حکم اور استماعِ قراءتِ امام کے حکم کی تعمیل ہر دو کی فضیلت حاصل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالحی صاحب مرحوم نے شرح وقایہ کے حاشیہ عمدۃ الرعایہ میں اسی عبارت مذکورہ بالا کے حاشیہ ۲ میں لکھتے لکھتے یہاں تک لکھ دیا

والحق انہ لا مانع من جواز کل ما منعوہ حالۃ سکتات الامام اذا لم یخل بالاستماع من دون التقیید بوقت دون وقت کما اوضحناہ فی السعایۃ (جلد اول ص ۱۷۵)	اور حق یہ ہے کہ جن امروں سے فقہاء رحہ نے منع کیا ہے امام کے سکتات کیوقت اُنکے جواز سے کوئی مانع نہیں ہے، جبکہ استماع میں خلل نہ ڈالے بغیر کسی خاص وقت کی قید کے۔ جیسا کہ ہمنے سعایہ میں بالوضاحت بیان کر دیا ہے،،

ف مولانا صاحب رحہ نے جو فرمایا کل ما منعوہ سو متنِ کتاب میں ان تین امروں سے منع کیا ہے۔ مقتدی کا قراءت کرنا۔ امام آیتِ ترغیب و ترہیب پڑھے تو مقتدی کا دعا کرنا۔ خطیب جب خطبہ کرے یا درود شریف پڑھے تو سامع کا درود شریف پڑھنا۔ ان سب کے متعلق مولانا ممدوح فرماتے ہیں۔ کہ سکتات امام کے وقت سورتِ فاتحہ اور آیتِ ترغیب و ترہیب کے وقت دعا کرنا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پاک کے ذکر پر درود شریف کا پڑھ لینا منع نہیں ہے بشرطیکہ استماع میں خلل نہ پڑے پس مولانا مرحوم کے قول کے مطابق ہم بھی کہتے ہیں۔ کہ کم از کم یہ تسلیم کر لیا گیا ہے۔ اور اِس سے چارہ بھی نہیں ہے کہ جب امام اونچی قراءت پڑھتا ہو۔ تو اُس کے سکتات کے وقت یا اوقافِ آیات کے وقت مقتدی کا سورۃ فاتحہ پڑھ لینا منع نہیں ہے۔ کیونکہ اسکی نسبت صحیح احادیث میں خاص حکم آچکا ہے اور خاص حکم۔ عام حکم پر مقدم ہوتا ہوتا ہے۔ یہ امر بسبیل تنزل لکھا گیا ہے؛ فافہم، مولانا مرحوم کی دیگر تصریحات متعلق قراءت خلف الامام ان شاء اللہ تعالیٰ الگ عنوان کے تحت لکھی جائینگی ۱۲ منہ

تحقیقی جواب اور آیت کی صحیح تفسیر

اِس آیت کے جواب میں جو کچھ اوپر گذر چکا وہ سب حضرات علمائے حنفیہ کی تصریحات سے الزامی جواب میں کہا گیا ہے۔ اب اِس آیت کا تحقیقی جواب اور اس کی صحیح تفسیر معلوم کیجئے کہ اِس آیت کو سورتِ فاتحہ کی قراءت سے نفیاً یا اِثباتاً کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ اور نہ اس کا خطاب مومنوں سے ہے جس نے اسکا خطاب مومنوں سے سمجھا اُس نے سلسلۂ عبارت اور سیاقِ مضمون پر نظر نہیں کی۔ کیونکہ یہ آیت اُن منکروں کے جواب میں اُتری جو آنحضرت صلعم سے صداقتِ نبوت کے لئے کوئی خاص معجزہ طلب کرتے تھے۔ چنانچہ سلسلۂ کلام یوں ہے:-

وَإِذَا لَمْ تَأْتِهِم بِآيَةٍ قَالُوا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ط
قُلْ إِنَّمَا أَتَّبِعُ مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ مِن رَّبِّي ۚ هَٰذَا بَصَائِرُ
مِن رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ
وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا
لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (اعراف پ ۹)

(اے پیغمبر!) جب تم اُن کے پاس کوئی (سفارشی) معجزہ نہیں لاتے تو کہتے ہیں کہ تو از خود کیوں نہیں لاآیا۔ (اے پیغمبر!) تم (انسے) کہو کہ میں تو صرف اُسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف میرے رب کی طرف سے وحی کیا جاتا ہے۔ یہ (قرآن) تمہارے رب کیطرف سے (خزانۂ) بصیرت ہے۔ اور مومنوں کے لئے (سراسر) ہدایت و رحمت ہے۔ اور جب قرآن پڑھا جایا کرے۔ تو اُسے غور سے سنا کرو۔ اور چپ رہا کرو تاکہ (مومنوں کی طرح تم پر بھی) رحمت ہو جائے یعنے تم بھی ایمان لے آؤ۔

دیکھئے! اِس میں سورتِ فاتحہ وغیرہا کی قراءت کا نہ صراحۃً ذکر ہے نہ کنایۃً، اور نہ یہ اُس کا کوئی موقع ہے بلکہ بات صرف اتنی ہے۔ کہ کفار نے آنحضرت صلعم سے خاص اقتراحی معجزات طلب کئے۔ یعنے خاص خاص امر از خود اصرار کر کے مقرر کئے، اور ان کی نسبت کہا۔ کہ آپ اگر رسول برحق ہیں تو یہ اُمور خدا تعالےٰ سے پورے کرا دیجئے۔ اِس پر اللہ تعالےٰ نے جواب دیا کہ اے پیغمبر! اِن سے کہو کہ میں خدا تعالےٰ پر اصرار نہیں کر سکتا۔ میں تو اُسکی وحی کا پیرو ہوں۔ اور اگر تم میری صداقتِ نبوت کا نشان طلب کرتے ہو۔ تو یہ قرآن شریف اِس مقصد کے لئے کافی ہے۔ کیونکہ یہ اہلِ بصیرت (اہل کشف وشہود) کو تو **عین الیقین** کے رُتبے پر پہنچاتا ہے۔ کیونکہ یہ بصائر ہے۔ اور اہلِ استدلال کو **علم الیقین** کا کمال حاصل کرتا ہے۔ کیونکہ یہ ھُدًی ہے اور اہل سعادت کو **حق الیقین** کا مرتبہ دلاتا ہے۔ کیونکہ یہ **رحمت** ہے لیکن ان مراتب کے لئے ایمان شرط ہے۔ اسلئے یہ صرف ایمانداروں کو حاصل ہوتے ہیں۔ سو تم بھی ایمان لے آؤ جسکی صورت یہ ہے کہ جب

قرآن پڑھا جائے تو تم ضد و تعصب چھوڑ کر اسے غور سے سنو اور شور و غوغا جسکے تم نے منصوبے گانٹھ رکھے ہیں ترک کر کے خاموشی اختیار کرو۔ تاکہ تم کو بھی ایمان نصیب ہو اور تم پر خدا کی رحمت ہو جائے۔ دیکھئے کیسی صاف اور سیدھی بات ہے۔ جسے نظر انداز کر کے کچھ مطلب بنالیا گیا ہے۔ اور قرأت فاتحہ کو اسمیں خواہ مخواہ داخل کر لیا گیا ہے،

تنبیہ اگرچہ مضمون بہت طویل ہو جائیگا۔ اور تفسیر کا حجم آگے ہی اندازہ مجوزہ سے اوپر جا رہا ہے لیکن اگر میں عاجز اسوقت اپنی طبع کی روانی کو روکوں، اور اس آیت کے متعلق جو جو لطائف و معارف خدائے قدوس نے اس عاجز پر کھولے ہیں اور وہ میرے سینے میں اپنے ظہور کے لئے موجیں مار رہے ہیں۔ اُن کو بند رکھوں تو علاوہ اپنی طبیعت کو بیقرار کرنے کے اپنے ناظرین کو علمی فوائد سے محروم رکھونگا۔ اس لئے میں عاجز **غلبۂ حال** سے مجبور ہو کر خدا کی توفیق سے اُن معارف کو بیان کرتا ہوں۔ کیونکہ یہ **تفسیر واضح البیان** قرآن شریف کے اعجازی کمالات کے اظہار کے لئے لکھی جا رہی ہے۔ نہ کہ تجارتی کاروبار کیلئے۔ واللہ الموفق،

فائدہ نمبر ۱۔ قرآن مجید کے متعدد مقامات میں مذکور ہے۔ کہ کفار آنحضرتؐ سے سفارشی معجزے طلب کرتے تھے اور یہ بھی بکثیر مقامات پر مصرح ہے۔ کہ قرآن کریم کلام الٰہی ہے جس کا معارضہ جن انس وغیرہا مخلوقات سے ناممکن ہے۔ اور یہی معجزہ کی حقیقت ہے۔ کہ مخلوق اُس کے معارضے سے عاجز آجائے پس اگر کفار کے سفارشی معجزے کی طلب پر خداتعالےٰ نے آنحضرت صلعم کی تصدیق نبوت کے لئے قرآن مجید کو پیش کیا ہے۔ تو بالکل بااصول اور حقیقت واقعی کے لحاظ سے کیا ہے۔ اسکی ایک مثال تو یہی سورہ اعراف کی آیت ہے۔ دوسری آگے فائدہ نمبر ۲ میں پڑھئے۔

فائدہ نمبر ۲۔ خداتعالےٰ نے سورۂ عنکبوت میں فرمایا:۔

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (عنکبوت پ ۲۱)	منکر کہتے ہیں کہ اس (رسول) پر اس کے رب کی طرف سے (ہمارے مطلوبہ) معجزات کیوں نہیں اُتارے جاتے (اے پیغمبرؐ) تم کہو معجزات تو صرف خدا کے اختیار میں ہیں۔ (اسپر میرا زور نہیں) اور میں تو ایک نذیر مبین ہوں کیا یہ کوئی دیگر معجزہ مانگتے ہیں) انسان کو یہ کافی نہیں کہ ہم نے تیرپر کتاب

(قرآن) اُتاری جو انکو پڑھ پڑھ کر سُنائی جاتی ہے۔ بیشک اِسمیں مومنوں کے لئے رحمت اور نصیحت ہے"

اِس مقام کو سورۂ اعراف کی آیت سے ملاکر دیکھئے۔ کہ دونوں جگہ ایک ہی سوال ہے۔ اور ایک ہی جواب ہے

"فنعم الوفاق و حبذا الانطباق"

فائدہ نمبر۳۔ سورۂ عنکبوت کی آیت میں ایک مزید علمی نکتہ ہے۔ جو اِس جواب کا اصولی مدار ہے۔ کہ یہاں پر فرمایا اَوَ لَمْ یَکْفِھِمْ جس کا ماحصل یہ ہے۔ کہ اگر یہ لوگ آنحضرت صلعم کی تصدیقِ نبوت کیلئے معجزہ طلب کرتے ہیں، تو قرآن شریف اس امر کے لئے **کافی** ہے۔ اور دلیل کافی کے ہوتے فریقِ مقابل کسی دوسری دلیل کا مطالبہ نہیں کر سکتا؛

اِسکی توضیح یوں ہے۔ کہ دعوے پر دلیل قائم کرنا اور اس کا ثبوت پیش کرنا مدّعی کا کام ہے۔ پس جس دلیل کو وہ پیش کرتا ہے۔ اُسپر نظر کرنی چاہیئے۔ کہ وہ اس کے دعوے کو ثابت کرتی ہے۔ یا نہیں۔ اگر کرتی ہے تو اُسے قبول کر لینا چاہیئے۔ ورنہ اسپر نقض یا منع یا معارضہ پیش کیا جائے۔ اور فنِ مناظرہ کے رُو سے سائل یعنے فریق ثانی کے یہی تین حق ہیں[۵۱]۔ اسکا کوئی حق نہیں کہ مدعی کی پیش کردہ دلیل پر باقاعدہ بحث کئے بغیر خود مقرر کردہ دوسری دلیل کا مطالبہ کرے، اِسے تعنّت کہتے ہیں، جو جائز نہیں چنانچہ امام المتکلمین، فخر المناظرین امام فخر الدین رازی آیت سورۂ اعراف کی تفسیر کے ذیل میں فرماتے ہیں:۔

ثم بیّن ان عدم الاتیان بتلك المعجزات التی اقترحوھا لایقدح فی الغرض لان ظھور القرآن علیٰ وفق دعواہ معجزۃ بالغۃ باھرۃ فاذا ظھرت ھٰذہ المعجزۃ الواحدۃ کانت کافیۃ فی تصحیح النبوۃ فکان طلب الزیادۃ من باب التعنت[۵۲] (جلد۴ صفحہ ۳۵۰)	پھر یہ بیان کیا کہ سفارشی معجزات کا نہ لانا اصل غرض میں خلل نہیں ڈالتا، کیونکہ آنحضرت صلعم کے دعوے کے موافق قرآن کا ظہور کامل اور ظاہر و باہر معجزہ ہے۔ پس جب یہ ایک ہی معجزہ ظاہر ہو گیا تو وہ تصحیح نبوت محمدیہؐ میں کافی ہے۔ پس اِسپر کسی زائد معجزہ کا طلب کرنا۔ از قسم تعنّت ہے۔

اگر ایسا کرنا یعنے دلیل کافی کو بغیر بحث کے تسلیم نہ کرتے ہوئے کوئی دلیل طلب کرنا جائز ہو تو سائل ہر دلیل پر یہی کہتا جائیگا۔ کہ اَور دلیل لاؤ۔ یا جو میں کہتا ہوں، وہ پورا کر دو۔ اِس سے تو کوئی بھی مقصد ثابت نہیں ہو سکیگا۔ اسلئے خداتعالٰے نے بالکل بااُصول جواب دیا۔ کہ قرآن شریف اثباتِ مدعا کے لئے کافی ہے؛

۵۱ دیکھو رشیدیہ مطبوعہ لکھنؤ از صفحہ ۲۷ تا صفحہ ۲۹ ۔ ۱۲ منہ،
۵۲ امام رازیؒ کی یہ عبارت امام خطیب شربینی رح نے بھی اپنی تفسیر السراج المنیر میں نقل کی ہے۔ ۱۲ منہ

ور اسپر زیادہ کا مطالبہ کرنا ہٹ دھری اور تسلیم حق سے سرکھسکانا ہے۔ جس سے اعراض مناسب ہے۔

فائدہ نمبر ۴ - آیت سورہ اعراف میں قرآن شریف کو بصائر کہا گیا ہے۔ اب ہم بتاتے ہیں کہ بصائر کا لفظ قرآن شریف میں حسّی اور فعلی معجزات پر بھی بولا گیا ہے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام اپنے معجزات کی نسبت فرعون کو خطاب کرکے فرماتے ہیں:-

قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ (بنی اسرائیل ۱۲)	(موسیٰ نے کہا) اے فرعون! بیشک تو جان چکا ہے کہ ان معجزات کو صرف زمین و آسمان کے پروردگار نے بصائر کرکے نازل کیا ہے

پس جس طرح موسیٰ علیہ السلام کے معجزات ید بیضا اور عصا وغیرہما کو بصائر کہا گیا ہے۔ کہ ان سے موسیٰؑ کی صداقتِ نبوت بطورِ مشاہدہ نظر آجاتی ہے۔ اسی طرح قرآن شریف کو بھی بصائر کہا گیا ہے۔ کہ یہ بھی صداقت نبوتِ محمدیہ کے دیکھنے کے لئے بصیرت و نور پیدا کرتا ہے۔ کہ اہل بصیرت انسان رتبۂ عین الیقین پر ہو کر **صداقتِ محمدیہ** کو عیاناً دیکھ لیتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے۔ کہ موسیٰؑ علیہ السلام کے معجزات حسّی اور فعلی ہیں کہ ان سے مادی چیزوں میں انقلاب ہوگیا۔ جو وہیں ختم ہوگیا۔ اور قرآن شریف علمی معجزہ ہے۔ جو ہمیشہ قائم رہیگا۔ اور ظاہر ہے کہ دائمی اور علمی کا رتبہ حسّی اور وقتی سے بہت بلند ہے۔

فائدہ نمبر ۵ - آیت سورۂ اعراف میں جو زیر بحث ہے قرآن شریف کا مومنوں کے لئے ہدایت و رحمت ہونا جملۂ اسمیہ سے ذکر کیا۔ جو تحقق و ثبوت کے لئے ہوتا ہے۔ یعنے یہ ثابت شدہ حقیقت ہے۔ کہ قرآن شریف مومنوں کے لئے ہدایت و رحمت ہے۔ لیکن اس سے آگے کفار کو لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ سے رحمت کی صرف امید دلائی ہے۔ یعنی اگر تم قرآن شریف کو توجہ سے سنو اور اسکی قرارت کے وقت شور و غوغا نہ کرو۔ جس کا منصوبہ تم نے گانٹھ رکھا ہے۔ تو تم سے اُمید رکھی جاسکتی ہے۔ کہ تم خدا کی رحمت یعنے ایمان میں داخل ہوجاؤ گے۔ اس سے بھی صاف معلوم ہوسکتا ہے۔ کہ فَاسْتَمِعُوْا اور اَنْصِتُوْا کا خطاب کفار سے ہے۔ نہ کہ مومنوں سے،

فائدہ نمبر ۶ - زیر بحث آیتِ سورۂ اعراف میں فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ اور اَنْصِتُوْا دو حکم فرمائے۔ اسکی یہ وجہ ہے۔ کہ آنحضرت صلعم جب تبلیغ کے لئے مجمع عام میں قرآن شریف پڑھتے، تو خود قرآن شریف کی زبان کی پاکیزگی، اور اس کے اسلوبِ بیان کی لطافت اور صادق الحال نبی اللہ کے پاک دل کے پاک جذبات میں ڈوبا ہوا اندازِ قراءت، اور خود آنحضرت صلعم کی حُسنِ صوت یعنے خوش آوازی کہ قدرت نے

آپ کو یہ نعمت بھی بدرجۂ اتم عطا کی تھی۔ اور سب کے بعد یہ کہ آپ کی بے لوث و بے طمع دعوت الی الحق، یہ سب مؤثرات جمع ہو کر کفار کے دل میں ایک کشش پیدا کرتے لیکن جن کے سر پر شقاوت ازلی سوار تھی اور خباثت باطنی کی وجہ سے جن کے دلوں پر مُہر لگ چکی تھی، انہوں نے آپس میں منصوبہ گانٹھا کہ جب آنحضرتؐ قرآن پڑھیں تو تم اُسے ہرگز نہ سُنو۔ بلکہ اس اثنا میں شور و غوغا مچادو، تالیاں اور سیٹیاں بجانے لگ پڑو۔ اور بیہودہ باتیں اور آوازے شروع کردو۔ تاکہ تم اپنے مقصد میں کہ آپ کی قرارت بے اثر رہے غالب و کامیاب ہو جاؤ۔ چنانچہ خدا تعالےٰ نے سورۂ حٰم فصلت میں اُن کے اس مشورہ کا ذکر کیا ہے۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ (حٰم سجدہ پ۲۴)	اور کہا کفار نے کہ نہ سنو اس قرآن کو اور اس میں بیہودہ باتیں اور حرکتیں کرو تاکہ تم غالب آجاؤ[1]

اِس آیت میں کفار کی تین باتیں ذکر کی ہیں:۔

اوّل لَا تَسْمَعُوا لِهَٰذَا الْقُرْآنِ یعنے اس قرآن کو (جو تمہارے دین بُت پرستی کے خلاف ہے) نہ سُنو،

دوم۔ وَالْغَوْا فِيهِ یعنے اِسکی قرارت کے وقت لغو باتیں اور بیہودہ حرکتیں کرو۔

سوم۔ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ یعنے تاکہ تم اِس تدبیر سے غالب آجاؤ۔ کیونکہ آنحضرتؐ شور و غوغا اور بیہودہ کلام اور حرکات سے تنگ آکر قراءتِ قرآن چھوڑ دینگے اور تمہارا مقصود پورا ہو جائیگا۔ کہ آپ کی قرارت بے اثر گئی۔

اللہ تعالےٰ نے زیر بحث آیت سورۂ اعراف میں اُنکی ایک ایک بات کا جواب دیا ہے۔ ہم ان سب کو دو کالموں میں بالمقابل لکھکر نقشہ آپ کے سامنے رکھدیتے ہیں، آپ خود انصاف فرمالیں کہ آیت وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ سے صاحبِ قرآن خدا تعالےٰ کا کیا مقصود ہے:۔

مقولہ کفار در سورت حٰم سجدہ	جواب از جانب خدائے جبار در سورۂ اعراف
(۱) لَا تَسْمَعُوا لِهَٰذَا الْقُرْآنِ (ترجمہ) نہ سُنو تم اس قرآن کو	(۱) وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ (ترجمہ) اور جب پڑھا جائے قرآن تو غور سے سُنو اسکو
(۲) وَالْغَوْا فِيهِ (ترجمہ) اور شور کرو بیچ اس کے	(۲) وَأَنْصِتُوا (ترجمہ) اور خاموش رہو۔
(۳) لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ (ترجمہ) تاکہ تم غالب آجاؤ	(۳) لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ۔ (ترجمہ) تاکہ تم رحمت میں آجاؤ

[1] وَالْغَوْا فِيهِ کے مفہوم میں وہ سب باتیں داخل ہیں۔ جو ہمنے اوپر کی تقریر میں بیان کی ہیں۔ اور مفسرینؒ نے ان سب کو اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے ۱۲ منہ

اِس نقشہ سے بغیر کسی قسم کے تکلف اور کھینچ تان کے صاف صاف کھل جاتا ہے۔ کہ کفارِ مکہ نے آنحضرت صلعم کی تبلیغ کو بے اثر کرنے کے لئے جو جو تجویزیں پاس کی تھیں، خدا تعالےٰ نے سورۂ اعراف کی آیت میں ایک ایک کر کے علے الترتیب اُن سب کا جواب دیا ہے۔ پس آیتِ سورۂ اعراف یعنے وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ میں سورۂ فاتحہ وغیرہا کا مطلقاً ذکر نہیں، اور نہ اسکا خطاب مسلمانوں سے ہے۔ اور نہ اسمیں خطبۂ جمعہ یا عیدین کے متعلق کوئی حکم ہے۔ کیونکہ جمعہ اور عیدین مدینۂ طیبہ میں بعد ہجرت کے قائم ہوئیں۔ اور سورۂ اعراف ہجرت سے پیشتر مکہ شریف میں اُتر چکی تھی۔ اور خطبۂ جمعہ اور عیدین کے استماع اور خاموشی کا حکم احادیث میں وارد ہوا ہے۔ نہ کہ قرآن شریف میں، اور وہ بھی اُسوقت جب وہ مدینہ منورہ میں بعد ہجرت کے قائم کی گئیں۔ واللہ الھادی

تنبیہ مولٰنا انورشاہ صاحب مرحوم دیوبندی نے فصل الخطاب ص۴۲ میں وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا میں صیغۂ امر کے متعلق علم نحو اور علم اصول کی لمبی بحث لکھی ہے اور خوب لکھی ہے۔ لیکن ایک آنچ کی کسر رہجانے کی وجہ سے مقصود پورا نہیں ہو سکا کیونکہ سب سے پہلے یہ دیکھنا ضروری تھا۔ کہ اس نمود (فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا) میں مخاطب کون ہے؟ پس نظم قرآنی سے یعنے سیاقِ عبارت سے جو بھی اس کا مخاطب قرار پاتا اُسپر قواعدِ نحویہ واصولیہ کا لشکر چڑھاتے تو زور بر محل لگتا اور کوشش ٹھکانے لگتی۔ لیکن یہ تو حسب تحریر گذشتہ مبرہن ہو چکا ہے۔ کہ فَاسْتَمِعُوْا کے مخاطب کفارِ مکہ ہیں۔ تو سب محنت لاحاصل گئی۔ وَالْعِصْمَةُ لِلّٰهِ

پھر اگر آپ کلمہ اذا کے عموم اور قُرِئَ فعل مجہول کی بنا پر مقتدی کو بھی شامل کرینگے۔ تو زیادہ سے زیادہ اُسے دلالۃ النص کے درجے پر لاسکینگے۔ لیکن اسکے مقابلہ میں حضرت عبادہ رضہ والی حدیث خلف الامام مقتدی پر بھی فاتحہ کو بعبارۃ النص ثابت کر رہی ہے کیونکہ عبارۃ النص سب پر مقدم ہوتی ہے۔ کما تقرر فی الاصول، پس اذا قرئ القرآن کا عموم مخصوص البعض ہوگا۔[۵] اور قراءتِ فاتحہ بوجہ خاص دلیل سے ثابت ہونے کے اس حکم سے مستثنےٰ رہیگی۔ اور اس کا حکم بعد فاتحہ تک رہیگا جس سے ہمیں انکار نہیں، ورنہ آنحضرت صلعم کی تصریحات (معاذ اللہ) بالکل بے وزن ہو جائینگی، اور عمومی استنباطی کھینچ تان کے مقابلہ میں کوئی بھی نص محفوظ نہ رہیگی۔ نیز قرآن وحدیث میں تطابق مشکل ہو جائیگا۔ اور آپ کے علمائے اصول کی تقسیمات نصوص اور انکے مراتب سب بیکار پڑے رہینگے۔ وَاللّٰهُ الْهَادِیْ،

نیز یہ کہ مولٰنا ممدوح نے حدیث عبادہؓ کی تشریح میں تسلیم کیا ہے۔ کہ امام کے پیچھے الحمد کا پڑھ لینا مباح ہے تو حسب آپ کی تصریحات جب صیغۂ امر وجوب کے لئے ہُوا، اور کلمۂ اذا عام غیر مخصوص البعض ہوا۔ تو یہ عام مفید قطعیت ہوا پس جس حکم کا وجوب دلیل قطعی سے ثابت ہوا اُسکی خلاف ورزی مباح کیسے ہوگی؟ فافھم ولا تعجل۔

[۵] حضرات حنفیہؒ نے جن جن مسائل میں اس حکم فَاسْتَمِعُوْا کو نظر انداز کر دیا ہے انمیں سے بعض کا بیان تو سابقاً ہو چکا ہے اور بعض دیگر عنوانِ امام بخاریؒ اور آیت فَاسْتَمِعُوْا کے ضمن میں ملاحظہ کیجئے، ۱۲ منہ

امام بخاریؒ اور آیتِ فَاسْتَمِعُوْا

امام بخاری رحمہ قراءتِ فاتحہ خلف الامام کے سخت حامی ہیں، آپ نے ایک خاص رسالہ جزء القراءۃ خاص اسی باب میں لکھا ہے جس میں احادیث مرفوعہ و موقوفہ سے اس مسئلہ کو پورے طور پر ثابت کر دیا ہے اور جن دلائل سے حضرات حنفیہ منع قراءت خلف الامام کی دلیل پکڑتے ہیں۔ ان سب کو ذکر کرکے ان کے جوابات بھی دیئے ہیں۔ چنانچہ اس میں آیت واذا قرئ القرآن کے جواب میں الزاماً فرماتے ہیں:-

واحتج بعض ھؤلاء فقال لا یقرء خلف الامام لقول اللہ تعالیٰ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا فقیل لہٗ فیثنی علی اللہ والامام یقرء قال نعم، قیل لہ لم جعلت علیہ الثناء والثناء عندک تطوع یتم الصلوۃ بغیرہ، والقراءۃ فی الاصل واجب اسقطت الواجب بحال الامام بقول اللہ تعالیٰ فَاسْتَمِعُوْا وامرتہ ان لا یسمع عند الثناء ولم تسقط عنہ الثناء وجعلت الفریضۃ اھون حالا من التطوع وزعمت انہ اذا جاء والامام فی الفجر فانہ یصلی رکعتین لا یستمع ولا ینصت لقراءۃ الامام وھذا خلاف ما قالہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا المکتوبۃ

ان (حنفیہ رحمہ) میں سے بعض نے یہ دلیل پکڑی ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کے قول فاستمعوا لہ وانصتوا سے امام کے پیچھے قراءت نہ کیجائے پس اسے کہا گیا امام کی قراءت کے وقت سبحانک اللھم بھی پڑھنے دیا نہیں، ؟ تو اس نے کہا کہ ہاں (پڑھے) اسے کہا گیا۔ کہ ثنا کو تو نے اس (مقتدی) پر مقرر کیا، اور تیرے نزدیک ثنا نفل ہے جسکے بغیر نماز پوری ہوجاتی ہے۔ اور قراءت (بہرحال) اصل میں تو فرض ہے تو تو نے امام کی موجودگی میں خدا تعالیٰ کے قول فاستمعوا سے فرض کو تو ساقط کر دیا لیکن ثنا کو اس (مقتدی) سے ساقط نہ کیا بلکہ اسی حکم کیا۔ کہ ثنا کے وقت (قرآن) نہ سنے تو تو نے فرض کو نفل سے ہلکا کر دیا نیز تیرا قول ہے کہ جب کوئی شخص آوے اور امام فجر کی نماز میں ہو تو وہ دو رکعت (سنتِ فجر) پڑھ لے۔ اور امام کی قراءت نہ سنے اور خاموش نہ رہے۔ اور یہ اجازت خلاف ہے اس کے جو فرمایا نبی کریم صلعم نے کہ جس وقت نماز قائم کر دیجائے تو سوائے فرض نماز کے کوئی نماز نہیں (ہوتی)"

توضیح امام بخاریؒ کا بیان بالکل صاف ہے، کہ آپ (حضراتِ حنفیہؒ) آیت وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ کی تعمیل میں مقتدی کو مطلق قراءت اور فاتحہ پڑھنے سے تو منع کرتے ہیں حالانکہ مطلق قراءت کی فرضیت آپ کے نزدیک بھی مسلم ہے۔ اور قراءتِ فاتحہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے مقتدیوں کو خطاب کرکے فرمایا فلا تفعلوا الا بامّ القرآن لیکن آپ صاحبان امام کی قراءت کے وقت

مقتدی کو سبحانک اللھم الخ پڑھنے سے منع نہیں کرتے بلکہ اُسکی ترغیب دیکر اجازت دیتے ہیں، حالانکہ اسکی تاکید نہ قرآن میں نہ حدیث میں، نہ عموماً اور نہ خصوصاً اور نہ آپ کے نزدیک اُس کا پڑھنا فرض یا واجب بلکہ مستحب و نفل ہے تو یہ تفاوت حکم کیوں ہے؟ اگر اذا کے عموم میں مقتدی شامل ہے، اور فاستمعوا کے امر سے مقتدی کو فاتحہ جو قرآن کا جزء ہے پڑھنا منع ہے۔ تو سبحانک اللھم الخ جو غیر قرآن ہے اسکی اجازت کیوں ہے اور اگر غیر قرآن کی اجازت ہے۔ تو خاص قرآن کے پڑھنے کی کیوں ممانعت ہے؟

اسی طرح ادراک فریضہ کے ضمن میں آپ (حضرات حنفیہ؟) کا قول ہے کہ اگر کوئی شخص ایسی حالت میں آوے کہ امام نماز فجر پڑھ رہا ہو۔ اور اسنے فجر کی سُنتیں نہ پڑھی ہوں۔ تو وہ سُنتیں پڑھکر جماعت میں شامل ہو۔ اسمیں بھی استماع قرآن کا حکم نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اور آپ لوگ نماز پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں حالانکہ یہ بھی آنحضرتؐ کے فرمان واجب الاذعان کے سخت خلاف ہے کیونکہ آپ نے فرمایا کہ جب جماعت قائم ہو جائے تو سوائے فرض نماز کے جسکی اقامت کہی گئی ہے اور جسکی جماعت کھڑی ہو چکی ہے کوئی نماز نہیں ہوتی (؛

(۲) جزء القراءۃ میں امام بخاریؒ نے یہی سمجھایا ہے کہ امام سے اگر قراءت میں کسی قسم کی غلطی ہو جائے۔ تو بالاتفاق بموجب روایات مرفوعہ صحیحہ کے مقتدی کا امام کو لقمہ دینا درست ہے پس اگر مطلقاً بلاتخصیص استماع قراءت واجب ہے تو یہ لقمہ دینا کس طرح جائز ہوا یعنے جس طرح امور مذکورہ بالا اس حکم استماع سے خاص دلیل کی وجہ سے مستثنےٰ سمجھے گئے ہیں۔ اسی طرح سورۂ فاتحہ کی قراءت بھی بنا بر روایات صحیحہ اس حکم سے مستثنےٰ ہے۔ چنانچہ امام بخاریؒ کا ارشاد یہ ہے ؛

قال البخاری واحتج سلیمان بن حرب بحدیث ابی فی القراءۃ ولم یر ابن عمر بالفتح علی الامام بأسا (جزء القراءۃ)	سلیمان بن حرب نے دلیل پکڑی ہے۔ ابی کی حدیث سے جو قراءت کے متعلق ہے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے امام کو بتلانے میں مضائقہ نہیں سمجھا۔

اسکے بعد امام بخاریؒ نے قراءت میں امام کو بتلانے کے متعلق کئی ایک مرفوع روایت ذکر کی ہیں اور ایک محدث کی شان یہی ہے کہ ہر مسئلہ کو قرآن و حدیث ہی سے ثابت کرے نہ کہ محض خیال اور رائے سے، یا خود ساختہ قواعد و اصول سے بنائے، واللہ الھادی۔

سلہ منیۃ المصلی میں ہے:۔ اور جب پاوے امام کو در آنحالیکہ وہ اونچی قراءت پڑھتا ہے تو (قراءت) سُنے اور چپ رہے۔ اور کہا بعض نے کہ امام کے سکتات کے وقت ایک ایک کلمہ کرکے سبحانک اللھم الخ پڑھ لے۔ اور فقیہ ابو جعفرؒ سے روایت ہے کہ جس وقت امام کو فاتحہ میں پالیوے تو بالاتفاق ثنا (سبحانک اللھم) پڑھ لے۔ اسے ذخیرہ میں ذکر کیا ہے۔ لیکن جمعہ اور عیدین میں جس وقت امام سے دور ہو تو اس میں متاخرین نے اختلاف کیا ہے اور اگر امام کو رکوع میں پاوے تو غور کرے اگر اس کا غالب ظن یہ ہو کہ ثنا پڑھکر امام کے ساتھ کسیقدر رکوع میں شامل ہو جاوے گا۔ تو ثنا پڑھ لیوے۔ ورنہ رکوع میں چلا جاوے اور امام کی متابعت کرے۔ انتہیٰ مترجماً۔ ۱۲ منہ، تنبیہہ ضروری یہ مسئلہ حدیث کے خلاف ہے۔ اور محض رائے سے جوڑا ہوا ہے۔ متبع سنت اسپر عمل نہ کرے کیونکہ حدیث کے رُو سے امام کی جہری قراءت کے وقت فاتحہ کے سوا اور کچھ پڑھنا منع ہے،

سلہ ہدایہ متن وآیہ میں ہے:۔ ومن انتہی الی الامام فی صلوٰۃ الفجر وھو لم یصل رکعتی الفجر ان خشی ان تفوتہ رکعۃ ویدرك الاخری یصلی رکعتی الفجر عند باب المسجد ثم یدخل ۱۱ یعنے جو شخص فجر کی نماز میں امام تک پہنچے در آنحالیکہ اس شخص نے فجر کی سنتیں ابھی نہیں پڑھیں تو اگر اُسے ظن ہو کہ ایک رکعت فوت ہو جائیگی اور دوسری مل جائیگی تو مسجد کے دروازے کے پاس فجر کی دو سنتیں پڑھ لے پھر داخل ہو۔ کفایہ شرح ہدایہ میں اس عبارت کی شرح میں لکھا ہے وحکی عن الفقیہ ابی جعفر انہ علی قول ابی یوسف وابی حنیفۃ؟ یصلی رکعتی الفجر ان رجا وجدان القعدۃ قالیضًا لان ادراك التشھد عندھما کادراك کلہ ۱۲ یعنے فقیہ ابو جعفر سے روایت ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے اقوال کے مطابق اگر قعدہ اخیر کے ملنے کی بھی امید ہو تو بھی (جماعت میں نہ شامل ہوتے ہوئے) فجر کی سنتیں پڑھے کیونکہ قعدہ پالینا اُن دونوں کے نزدیک ساری نماز پالینے کی طرح ہے ۱۲ تنبیہہ ضروری:۔ ان دونوں حاشیوں میں فقہ حنفیہ کے دونوں مسئلے حدیث صحیح کے خلاف ہیں۔ متبع سنت کو ان پر عمل نہ کرنا چاہئے ۱۲ منہ

حضرات حنفیہ رح کی چوتھی دلیل

قراءت خلف الامام کے انکار میں حضرات حنفیہ کی چوٹی کی دلیل جس پر اُن کے اصحابِ اصول و فروع سب متفق ہیں، اور اُسے پورے وثوق سے بیان کرتے ہیں یہ حدیث ہے۔ جو صاحبِ ہدایہ نے بیان کی ہے:۔

لنا قوله عليه السلام من كان له امام فقراءة الامام له قراءة[1] (ہدایہ لکھنوی ج ۱ ص ۱۰۰ فصل القراءة)	ہماری دلیل آنحضرت صلعم کا یہ فرمان ہے کہ جس کسی کا امام ہے۔ تو امام کی قراءت اُسکی قراءت ہے۔

(۱) امام زیلعی حنفی رح نے اسکی تخریج میں کہا ہے:۔ قلت روی من حدیث جابر بن عبد اللہ ومن حدیث ابن عمرؓ۔ ومن حدیث الخدریؓ۔ ومن حدیث ابی ہریرۃ رض، ومن حدیث ابن عباسؓ، ۱۲ (ص ۲۳۰ جلد ۱) اس کے بعد ہر ایک کی رفع اور وقف، اور صحت و ضعف کے متعلق مفصل بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اسکے جتنے طرق مرفوع ہیں وہ سب ضعیف ہیں۔ اور جو سنداً صالح ہیں وہ سب موقوف ہیں حتّیٰ کہ امام بیہقی رح سے حافظ ابو موسےٰ رازی حنفی رح کا قولِ ذیل نقل کیا ہے۔ (اور اسپر کچھ بھی کلام نہیں کیا) کہ امام بیہقی رح نے کتاب المعرفۃ میں یہ بھی کہا ہے کہ:۔

قال (البیہقی رح) اخبرنا ابو عبد اللہ الحافظ قال سمعت سلمة بن محمد الفقیه یقول سألت ابا موسےٰ الرازی الحافظ عن حدیث من کان له امام فقراءة الامام له قراءة فقال لم یصح عن النبی صلی اللہ علیه وسلم فیه شیئ انما اعتمد مشائخنا فیه علی الروایات عن علی وابن مسعود وغیرهما من الصحابة قال ابو عبد اللہ الحافظ اعجبنی هذا لما سمعته فان ابا موسی احفظ من رأینا من اصحاب الرأی علی ادیم الارض[2] (زیلعی جلد ۱ ص ۲۳۰)	ہمیں حافظ ابو عبد اللہ نے خبر دی کہ میں نے سلمہ بن محمد فقیہ کو یہ کہتے سنا کہ میں نے حافظ ابو موسےٰ رازی کو حدیث من کان له امام الخ کی بابت پوچھا تو انہوں نے کہا کہ اس مضمون کے متعلق نبی کریم صلعم سے کچھ بھی صحیح ثابت نہیں ہوا اسمیں ہمارے مشائخ (حنفیہ) نے اُن روایات پر اعتماد کیا ہے۔ جو حضرت علی اور ابن مسعود وغیرہما صحابہؓ سے منقول ہیں۔ حافظ ابو عبد اللہ نے کہا کہ مجھے یہ سنکر بہت خوشی ہوئی کیونکہ اہل رائے (حنفیہ) میں سے ہمنے طبقۂ زمین پر جس جس کو دیکھا حافظ ابو موسےٰ اُن سب سے بڑا حافظ ہے۔

[1] صاحبِ نور الانوار اور صاحبِ توضیح اور شارحِ اصول بزدوی نے آیت فاقرءوا ما تیسر من القرآن اور آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا له کو متعارض قرار دیکر ہر دو آیات کو مقتدی کی قراءت اور عدم قراءت کی دلالت سے ساقط کرکے اسی حدیث من کان له امام الخ کی طرف رجوع کیا ہے۔ ۱۲ منہ

[2] اس روایت کو امام بیہقی رح نے کتاب القراءۃ ص ۱۵۰ میں بھی ذکر کیا ہے ۱۲ منہ

تنبیہ ضروری امام بیہقی رح نے کتاب القراءۃ میں اس حدیث کے جمیع طرق اور اس کے ہر پہلو پر نہایت مفصل اور سیر کن بحث کی ہے۔ اور بڑے بڑے ائمہ وحفاظ حدیث کے اتفاق سے فیصلہ یہی دیا ہے۔ کہ اس حدیث کی رفع یعنے آنحضرت صلعم کی طرف نسبت صحیح نہیں ہے بلکہ یہ روایت موقوف ہے۔ تفصیلی نقل موجب طوالت ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رح اور حدیث من کان لہ امام

ہاں ایک امر کو ہم بلا نقل کئے نہیں رہ سکتے، ورنہ ہماری ساری تحریر تشنہ تحقیق رہجائیگی۔ وہ یہ کہ اس حدیث کی روایت رفع کے راویوں میں سے سیدنا حضرت **امام ابوحنیفہ** رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔ امام دارقطنی رح نے اپنی سنن میں جو اس کا جواب دیا ہے اُسمیں حضرت امام صاحب رح کی ذات گرامی زیر بحث آگئی ہے۔[۱] جس سے بعض احناف مثلاً علامہ عینی رح شیخ ابن ہمام رح اور مولانا عبدالحی لکھنوی مرحوم کو سخت طیش آگیا۔ اور انہوں نے امام دارقطنی رح کے حق میں بعض نالائم الفاظ لکھدیئے اور بعض ایسے اعتراضات[۲] بھی لکھدیئے۔ جو انکی شان علمی سے بعید ہیں (عفا اللہ عنا وعنھم) لیکن جو طریق امام بیہقی رح نے (خدا ان کو جزا خیر دے) امام ابوحنیفہ رح والی روایات کی تحقیق میں اختیار کیا ہے۔ اُسمیں امام صاحب ممدوح کی شخصیت زیر بحث نہیں آتی، اور بات صاف ہو جاتی ہے۔ امام بیہقی رح ہر دو روایات کو مفصل ذکر کرنے کے بعد بطور فیصلہ فرماتے ہیں:۔

---

[۱] اس عاجز کے اکثر ہم عصر اہلحدیث اور حنفی علماء کو بخوبی معلوم ہے۔ کہ اس عاجز کو سیدنا حضرت امام حنیفہ رح سے کسقدر عقیدت ہے تاریخ اہلحدیث (مصنفہ عاجز) جو اخبار اہلحدیث امرتسر میں عرصہ تک مسلسل چھپتی رہی ہے اُسمیں بضمن ذکر فقہ حنفیہ حضرت امام صاحب رح سے کس قدر مدافعت کی ہے۔ اور آپکے مناقب کس شان سے بیان کئے ہیں۔ آپکا ادب وہ تھا اس عاجز کو اشارہ غیبی سے بتایا گیا ہے۔ اسی ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے یعنے اس روایت زیر بحث کو دلخراش طریق پر ذکر کرنا ترک کر کے امام بیہقی رح کے طریق پر بیان کرنا پسند کیا ہے۔ اور اگر بمجبوری مجھے وہ طریق بھی بیان کرنا پڑے جسمیں حضرت امام صاحب کی شخصیت زیر بحث آجاتی ہے۔ تو خدا کے فضل سے اُسے بھی ایسی طرز سے نبھاؤں کہ محدثین عظام کے اقوال کو ترازوے عدل پر رکھتے ہوئے اور اُن کے صحیح محامل بتاتے ہوئے دامن ادب ہاتھ سے نہ چھوٹنے

[۲] مثلاً مولانا عبدالحی رح حاشیہ موطا امام محمد رح میں علامہ عینی کے حوالے سے لکھتے ہیں۔ ومن این لہ تضعیف ابی حنیفۃ رح وھو مستحق التضعیف وقد روی فی مسندہ احادیث سقیمۃ ومعلولۃ ومنکرۃ وموضوعۃ (م ۹۸ حاشیہ) مولنا عبدالحی مرحوم علامہ عینی کے ترجمہ میں اپنی کتاب الفوائد البہیہ میں لکھتے ہیں۔ ولو لم یکن فیہ رائحۃ التعصب المذہبی لکان اجود واجود ۱۲ اگر کسی مصنف کے ضعیف ہونے کی یہ وجہ درست ہے۔ کہ اسکی تصنیف میں ضعیف ومعلول اور منکر وموضوع ہر قسم کی احادیث پائی جاتی ہیں۔ تو پھر بہت کم محدثین ثقہ ثابت ہونگے۔ یہ معیار علامہ عینی رح اور مولنا عبدالحی صاحب رح کی شان علمی کے خلاف ہے۔ سنن ابن ماجہ میں مذکورہ بالا اقسام کی احادیث پائی جاتی ہیں۔ باوجود اس کے وہ صحاح ستہ میں شمار ہوتی ہے۔ اور اس کے مصنف کو ثقۃ کبیر متفق علیہ محتج بہ لہ معرفۃ وحفظ (خلاصہ) اور تنقید حدیث میں امام دارقطنی کا پایہ تو ابن ماجہ سے بہت بلند ہے۔ کیونکہ امام دارقطنی تو امام بخاری امام احمد امام عبدالرحمن بن مہدی کی طرح ائمہ عارفین علت حدیث میں سے تھے۔ (شرح نخبہ ص ۱۲۸) ۱۲ منہ

هذا هو الصحيح عن الليث بن سعد عن يعقوب وكذالك رواه خلف بن ايوب عن ابي يوسف عن ابي حنيفة والحكم بن ايوب عن زفر عن ابي حنيفة عن موسى بن ابي عائشة عن عبد الله بن شداد عن ابي الوليد عن جابر عن النبي صلى الله عليه وسلم مختصرا في قراءة الامام له قراءة وفي رواية الليث بن سعد وهو احد الائمة عن يعقوب ابي يوسف دليل على ان قصة سبح اسم ربك الاعلى انما رواها ابو حنيفة عن موسى بن ابي عائشة عن عبد الله بن شداد عن جابر رض وليس فيها ان قراءته له قراءة وهي القصة التي رواها عمران بن حصين رض ونحن نذكرها ان شاء الله واما القصة التي فيها فان قراءته له قراءة فان اباحنيفة انما رواها عن موسى بن ابي عائشة عن عبد الله بن شداد عن ابي الوليد عن جابر وهو رجل مجهول كما قال الدارقطني رحمه الله ولا تقوم به حجة ومن روى هذا الحديث عن ابي بكر الحارثي عن الدارقطني واسقط من اسناده ابا الوليد[1] او رواه عن الحاكم

امام لیث کی روایت جو امام ابو یوسف سے ہے وہی صحیح ہے اور اسی طرح اسے خلف بن ایوب نے امام ابو یوسف سے انہوں نے امام ابو حنیفہ رح سے روایت کیا۔ نیز حکم بن ایوب نے امام زفر سے انہوں نے امام ابو حنیفہ رح سے انہوں نے موسیٰ بن ابی عائشہ رح سے انہوں نے عبداللہ بن شداد سے انہوں نے ابو الولید سے انہوں نے حضرت جابر رض سے۔ انہوں نے نبی کریم صلعم سے قراءۃ الامام لہ قراءۃ کے متعلق مختصراً روایت کیا اور امام لیث جو وہ بھی اماموں میں سے ایک امام ہیں۔ انکی جو روایت امام ابو یوسف رح سے ہے۔ اس میں اس امر کی دلیل ہے کہ سورت سبح اسم ربک کا قصہ امام ابو حنیفہ رح نے موسیٰ ابن ابی عائشہ سے۔ انہوں نے عبداللہ بن شداد سے۔ انہوں نے حضرت جابر رض سے روایت کیا تو اس میں ان قراءتہ لہ قراءۃ کے الفاظ نہیں ہیں اور وہ وہی قصہ ہے جسے عمران بن حصین صحابی نے روایت کیا۔ اور ہم آگے ان شاء اللہ ذکر کرینگے۔

لیکن وہ قصہ جس میں الفاظ فان قراءتہ لہ قراءۃ وارد ہیں اسے امام ابو حنیفہ رح نے موسیٰ بن ابی عائشہ سے انہوں نے عبداللہ بن شداد سے انہوں نے ابو الولید سے۔ اس نے حضرت جابر رض سے روایت کیا اور وہ (ابو الولید) مجہول شخص ہے جیسا کہ امام دارقطنی نے کہا اور اسکی روایت سے حجت قائم نہیں ہوسکتی۔ اور جس شخص نے یہ حدیث ابو بکر حارثی سے بواسطہ امام دارقطنی روایت کی۔ اور اسکی اسناد سے ابو الولید (مذکور) کو گرا دیا۔ یا امام حاکم سے بواسطہ حافظ ابو علی روایت کیا

[1] کسی راوی نے اس روایت سے ابو الولید کو جو ساقط کیا تو یا تو خطا سے کیا یا عمد سے۔ عمد سے کیا تو خیانت ہے۔ اور اگر خطا سے کیا ہے۔ تو اس کی یہ وجہ ہے کہ عبداللہ بن شداد کی کنیت بھی ابو الولید ہے۔ جب عبداللہ بن شداد کا ذکر آ گیا۔ تو اس نے سمجھا کہ جب یہی ابو الولید ہے تو دوسری دفعہ اس کے ذکر کی کیا ضرورت ہے۔ حالانکہ معاملہ یوں نہیں ہے۔ بلکہ اسی طرح ہے جس طرح امام بیہقی رح نے ذکر کیا۔ کیونکہ عبداللہ بن شداد کی بے واسطہ روایت حضرت جابر رض سے پائی نہیں جاتی۔ اسماء الرجال کی کتب کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ ان ہر دو کے تراجم میں انکی استادی شاگردی کا تعلق کسی کتاب میں مذکور نہیں ہے۔ (دیکھو تذکرۃ الحفاظ، خلاصہ، تہذیب التہذیب الخ)

ابی عبد اللہ عن ابی علی الحافظ واسقط من اسنادہ ابن شداد واوھم ان اباالولید کنیۃ ابن شداد فانہ لم یسلک سبیل الصدق فی روایۃ الحدیث (کتاب القراءۃ ص۱۰۳)

اور اس کی اسناد سے ابن شداد کو ساقط کر دیا۔ اور یہ وہم ڈالنا چاہا کہ ابوالولید، ابن شداد کی کنیت ہے وہ روایتِ حدیث میں صدق وراستی کا رستہ نہیں چلا۔

اسی طرح خاتمۃ الحفاظ حافظ ابن حجرؒ نے تلخیص میں فرمایا:-

حدیث من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ مشھور من حدیث جابر ولہ طرق عن جماعۃ من الصحابۃ وکلھا معلولۃ[۱] (جلد ا ص۸۵)

حدیث من کان لہ امام الخ حضرت جابر کی روایت سے زیادہ مشہور ہے۔ اور صحابہ رض کی ایک جماعت سے اس کے کئی طریق ہیں۔ اور وہ سب معلول ہیں۔

اسی طرح امام بخاریؒ نے جزء القراءۃ میں ہے:-

ھذا خبر لم یثبت عند اھل العلم من اھل الحجاز واھل العراق وغیرھم لارسالہ وانقطاعہ رواہ ابن شداد عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم (ص۳)

یہ ایک ایسی حدیث ہے۔ جو حجاز (مکہ و مدینہ) اور عراق کے علماء (حدیث) وغیرہم کے نزدیک بوجہ اسکے مرسل اور منقطع ہونے کے ثابت نہیں ہوئی۔ کیونکہ اسے ابن شداد نے نبیؐ سے روایت کیا ہے (اور وہ صحابی نہیں ہے)۔

الغرض یہ مفروغ عنہ اور ثابت شدہ حقیقت ہے کہ ائمۂ حدیث اس بات پر متفق ہیں کہ یہ روایت [illegible] وصلاً آنحضرت صلعم سے ثابت نہیں ہے۔ علامہ عینیؒ اور شیخ ابن ہمامؒ اور مولانا عبدالحی رح صاحب نے اس کے متعلق جسقدر زور مارا ہے۔ وہ سب لاحاصل ہے۔ ان بزرگوں نے خدا تعالےٰ ان پر رحمت کرے۔ ایک بھی حافظِ حدیث کی شہادت سے اسکا وصل ورفع ثابت نہیں کیا۔ حمایتِ مذہبی میں بات کی کھینچ تان اور بات ہے اور اثبات مسئلہ اور بات ہے۔ پس اُن احادیث کے مقابلہ میں جو بالخصوص اثباتِ فاتحہ خلف الامام کے بارے میں صحیح سند کے ساتھ آنحضرت سے ثابت شدہ ہیں اور بعد آنحضرت صلعم کے بھی بڑے بڑے جلیل القدر اور مجتہد صحابہؓ کا اُن پر عمل رہا۔ اور وہ امام کے پیچھے الحمد شریف برابر پڑھتے رہے۔ یہ حدیث منع فاتحہ خلف الامام کے بارے میں ہرگز قائم نہیں ہو سکتی۔ اور اگر بالفرض

[۱] حافظ زیلعی حنفیؒ نے تخریج ہدایہ میں اور امام بیہقی رح نے کتاب القراءت میں اُن سب کا ذکر کر کے اُن کی علتیں بیان کردی ہیں اور علامہ عینی رح نے شرح بخاری میں ان علتوں کی وجہ سے اس حدیث کو ضعیف تسلیم کر لیا ہے۔ لیکن یہ عذر کیا ہے کہ اس کا اور طریق بھی ہے جو صحیح ہے یعنی موطا امام محمدؒ والی روایت ذکر کی ہے۔ اور اس طرف نظر نہیں کی۔ کہ عبداللہ بن شداد جو حضرت جابر سے روایت کرتا ہے اُسکی یہ روایت حضرت جابر سے ثابت بھی ہے۔ یا نہیں۔ اگر ثابت ہے۔ تو شہادات سے ثابت کریں۔ ورنہ اس کے مرسل ہونے میں کیا شک ہے۔ امام دارقطنیؒ امام بیہقیؒ اور امام بخاریؒ ائمہ حدیث یہی بات سمجھاتے ہیں ۱۲ منہ

اسکا کچھ اعتبار کیا بھی جائے۔ تو احادیث مثبتہ قراءت فاتحہ خلف الامام کو مقدم کرکے اس کا حکم بالعموم فاتحہ کی قراءت پر لگایا جائیگا اور قراءت فاتحہ اس سے مستثنیٰ رہیگی کیونکہ احادیث مثبتہ قراءت فاتحہ جو بالکل صحیح اور مرفوع ہیں انکو ساقط الاعتبار نہیں کرسکتے۔ چنانچہ امام بخاری جزء القراءۃ میں فرماتے ہیں:۔

ولو ثبت الخبران کلاهما لکان هذا مستثنی من الاول لقوله لا یقرأن الا بام القرآن وقوله من کان له امام فقراءة الامام له قراءة جملة وقوله الا بام القرآن مستثنی من الجملة کقول النبی صلی اللہ علیه وسلم جعلت لی الارض مسجدا وطهورا ثم قال فی احادیث اخر الا المقبرة والحمام وما استثناه من الارض خارج من الجملة وکذالك فاتحة الکتاب خارج من قوله من کان له امام فقراءة الامام له قراءة مع انقطاعه (ص۴)

اگر دونوں حدیثیں ثابت بھی ہوں تو یہ حدیث یعنے اثباتِ قراءتِ فاتحہ والی حدیث پہلی یعنے (کفایت قراءت امام والی) حدیث سے مستثنیٰ ہوگی۔ بدلیل قول آنحضرت ؐ کہ ہرگز نہ پڑھے سوائے سورۂ ام القرآن کے کیونکہ آپکا قول (بالفرض) من کان له امام الخ عام حکم ہے اور آپ کا قول الا بام القرآن اس سے مستثنیٰ ہے۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا بنائی گئی میرے لئے تمام زمین مسجد اور وضو کی چیز پھر دوسری احادیث میں آپ نے فرمایا سوائے قبرستان و حمام کے۔ تو جس جس جگہ کو آپ نے زمین سے مستثنیٰ کیا ہے وہ اس عام حکم سے خارج ہے۔ اسی طرح سورۂ فاتحہ کا حکم آپکے عام حکم من کان له امام الخ سے خارج ہے باوجود اس کے کہ وہ منقطع بھی ہے۔"

تنبیہ ضروری جن جن روایتوں میں کفایتِ قراءتِ امام یا منعِ قراءتِ مقتدی کا ذکر ہے ان کے متعلق ہمارے ناظرین ہماری اِن باتوں کو گرہ باندھکر یاد کرلیں کہ یا تو وہ مرفوع نہیں، موقوف ہیں، یا صحیح نہیں ضعیف ہیں، یا موصول نہیں منقطع ہیں۔ یا ان میں مابعد فاتحہ کا حکم ہے۔ جیسے واذا قرء فانصتوا میں اگرچہ یہ زیادت غیر محفوظ ہے۔ یا امام کے پیچھے اونچی آواز سے پڑھنے سے ممانعت ہے۔ نہ کہ اصل قراءت سے جیسے مالی انازع القرآن والی حدیث میں کیونکہ لا تفعلوا الا بام القرآن سورت فاتحہ کی قراءت کو مستثنیٰ کرتی ہے اور حسب تفصیل گذشتہ یہ حدیث صحیح اور ثابت شدہ ہے۔ پس جب صبح کی نماز میں جب آپ اونچی قراءت پڑھتے تھے۔ آپ نے اسے مستثنیٰ رکھا تو دیگر نمازوں میں جو جہری ہیں یا سری ہیں۔ یہ کیوں منع ہونے لگی؟ اس طریق سے سب احادیث جمع ہوجاتی ہیں اور مسئلہ بالکل صاف ہوجاتا ہے دیگر۔ یہ کسی حدیث کی بھی دلالت منعِ فاتحہ پر ایسی واضح نہیں ہے جیسی کہ اثباتِ فاتحہ والی حدیث کی ہے۔ پس طوالتِ مضمون سے بچنے کے لیے ہم دلائل حضراتِ حنفیہ کے مضمون کو اسی ایک تنبیہ ضروری پر ختم کردیتے ہیں۔ کیونکہ اس میں ہر قسم کی دلیل کا بالاجمال والاختصار جواب آگیا ہے۔ واللہ الموفق والهادی۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحؒ اور بعض محققین حنفیہؒ

اگرچہ بیانِ سابق میں اصل مسئلہ بالکل صاف ہوچکا ہے۔ کہ سورتِ فاتحہ رکنِ نماز ہے اور رکن کسی صورت میں بھی عمداً بلا عذر ترک نہیں کیا جاسکتا۔ اور یہ بھی کہ سورتِ فاتحہ کی قراءت امام کے پیچھے بھی اسی طرح واجب ہے جس طرح امام ہوتے ہوئے اور اکیلے پڑھتے ہوئے فرض ہے خواہ

امام بشری نماز پڑھے خواہ جہری لیکن باوجود اس کے ہمارے حنفی بھائی بوجہ حضرت امام صاحب رحمہ کے مقلد ہونے کے عذر کرتے ہیں۔ کہ جب ہمارے امام صاحب اس کے قائل نہیں ہیں تو ہم کیسے پڑھیں؟ سو انکی تسلی کیلئے ہم اس امر کو بھی خاص عنوان کے ماتحت بیان کرتے ہیں واللہ الموفق، اوّلاً معلوم ہو کہ تقلید غیر منصوص احکام میں ہوتی ہے۔ اور وہ بھی اس شرط سے کہ اپنے میں اہلیت استدلال کی نہ ہو لیکن جب نصِ شرعی موجود ہو یا آدمی خود اہل نظر واہل علم ہو[۵] تو اسپر دلیل کی اتباع واجب ہے۔ چنانچہ علامہ شامی شرح دُرِمختار میں فرماتے ہیں۔

اذا صح الحديث وكان على خلاف المذهب عمل بالحديث ويكون ذالك مذهبه ولا يخرج مقلده من كونه حنفيا بالعمل به فقد صح عنه انه قال اذا صح الحديث فهو مذهبى وقد حكى ذالك ابن عبد البر عن ابى حنيفة رح وغيره من الائمة ۲ ونقله ايضا الامام الشعرانى رح عن الائمة الاربعة ولا يخفى ان ذالك لمن كان اهلا للنظر فى النصوص ومعرفة محكمها من منسوخها فاذا نظر اهل المذهب فى الدليل وعملوا به صح نسبته الى المذهب لكونه صادرا باذن صاحب المذهب ۱۲ (رج ا ص۴)

جب حدیث صحیح ثابت ہو جائے۔ اور وہ اپنے تقلیدی مذہب کے خلاف ہو تو حدیث ہی پر عمل کرے اور وہی اُس کا امام کا مذہب ہوگا۔ اور اس حدیث پر عمل کرنے سے اُس امام کا مقلد حنفی ہونے سے خارج نہیں ہو جائیگا کیونکہ یہ بات بالتحقیق آپ سے صحیح طور پر ثابت ہو چکی ہے۔ کہ آپ نے فرمایا کہ جب حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو میرا مذہب وہی ہے اور یہ بات حافظ ابن عبدالبر مغربی رحمہ نے بھی امام ابوحنیفہ رحمہ وغیرہ ائمہ سے نقل کی ہے ۲ نیز امام شعرانی رحمہ اللہ نے بھی ائمہ اربعہ سے نقل کیا۔ اور مخفی نہ رہے کہ یہ بات اس شخص کیلئے ہے جو نصوص میں نظر ہو اور محکم و منسوخ کی معرفت رکھتا ہو پس جب اہل مذہب دلیل میں نظر کریں۔ اور اُس دلیل پر عمل کریں تو اُسکی نسبت اس مذہب کی طرف صحیح ہے کیونکہ وہ نظر یا عمل صاحب مذہب کے اذن سے ہے۔

اِسی طرح حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی عقد الجید میں تقلید کی دو قسمیں واجب اور حرام بتا کر ہر ایک کی تفصیل کرتے ہیں خلاصہ اسکا یہ ہے کہ جو شخص قرآن و حدیث سے ناواقف ہو وہ کسی عالم سے پوچھکر عمل کرے پھر اس کے نشان کی بابت حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

[۵] جیسا کہ حضرات دیوبند میں سے بعض فضلاء کی نسبت ہمارا حُسنِ ظن ہے۔ کہ وہ بالغ النظر اہل علم تھے لیکن پھر بھی اُنہوں نے نصوص صریحہ واضحۃ الدلالت کے مقابلہ میں تقلید نہیں چھوڑی۔ یہی محل نزاع ہے۔ احادیث صحیحہ منقح و منقح ہو چکی ہیں۔ ان کے متعلق کوئی بھی پہلو پردۂ خفا میں نہیں ہے بنا اپنے کچھ زیادت ہو سکتی ہے۔ پس اگر وہ واقعی بالغ النظر علماء ہیں۔ اور عام و خاص ناسخ و منسوخ مطلق و مقید صحیح و سقیم وغیرہ امور کو پہچان سکتے ہیں اور اپنے امام صاحب کی تائید میں دلائل بیان کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں تو دلیل کو سمجھکر پیروی کرنے کا نام تقلید کیوں ہے اور وہ مقلد کیسے ہوئے۔ اور اگر وہ دلائل و نصوص کے سمجھنے اور پرکھنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ تو بے ادبی معاف ہم نہیں کہتے۔ حافظ ابن قیم رحمہ حافظ ابن عبدالبر رحمہ سے نقل کرکے لکھتے ہیں قال ابو عمر وغیرہ من العلماء اجمع الناس على ان المقلد ليس معدودا من اهل العلم وان العلم معرفة الحق بدليله (اعلام الموقعين جلد ا صفحہ) یعنی علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ مقلد کا زمرہ علماء میں شمار نہیں کیونکہ علم نام ہے حق کو دلیل سے پہچاننے کا الٰہی تو ہمکو علم حقیقی اور معرفت حق اور اتباع سنت کی توفیق عنایت کر، آمین ۱۲ منہ

وامارة هذا التقليد ان يكون عمله بقول المجتهد كالمشروط بكونه موافقا للسنة فلا يزال متفحصا عن السنة بقدر الامكان فمتى ظهر حديث يخالف قوله هذا اخذ بالحديث واليه اشار الائمة (ص۸۴ مطبوعہ مع ترجمہ)

اور اس تقلید کا نشان یہ ہے کہ اس کا عمل مجتہد کے قول پر سنت کے موافق ہونے کی شرط سے مشروط ہونے کی طرح ہو پس وہ مقلد ہمیشہ بقدر امکان خود سنت کی تلاش میں لگا رہے جب ایسی حدیث جو اس قول کے خلاف ہو مل جائے تو اس حدیث کو اختیار کر لیوے اور اسی طرف اماموں نے اشارہ کیا ہے۔

اور دوسری قسم جو حرام ہے۔ اسکی نسبت فرماتے ہیں:۔

فان بلغه حديث واستيقن بصحته لم يقبله لكون ذمته مشغولة بالتقليد فهذا اعتقاد فاسد وقول كاسد ليس له شاهد من النقل والعقل وما كان احد من القرون السابقة يفعل ذالك (ص۸۵)

پس اگر اس (مقلد) کو حدیث مل جائے اور اسے اسکی صحت کا یقین بھی ہو جائے اسپر بھی اسے قبول نہ کرے اس وجہ سے کہ اس کا ذمہ تقلید سے مشغول ہے تو یہ اعتقاد فاسد ہے۔ اور غیر رائج (کھوٹا) قول ہے۔ نقل (قرآن وحدیث و اجماع) اور قیاس شرعی میں سے اسکا کوئی بھی شاہد نہیں ہے اور قرون سابقہ میں سے کسی نے بھی ایسا نہیں کیا۔

اسیطرح مولانا عبدالحی مرحوم تعلیق ممجد ۵ میں مقلدین وغیر مقلدین ہر دو فریق کی افراط تفریط کی شکایت کرکے فرماتے ہیں:۔

وانا برئ الى الله من هؤلاء وهؤلاء ضل احدهما بالتقليد الجامد وثانيهما بالظن الفاسد والوهم الكاسد يتنازعون فيما لا ينفعهم بل يضرهم (ص۱۵)

اور میں خدا کی طرف بریت وبیزاری ظاہر کرتا ہوں ان (جامد مقلدوں) سے بھی اور ان (بے ادب غیر مقلدوں) سے بھی ایک انمیں سے تقلید جامد کے سبب گمراہ ہوا اور دوسرا فاسد ظن اور کھوٹے وہم سے، وہ ایسی باتوں میں تنازع کرتے ہیں جو انکو نفع نہیں دیتیں بلکہ ضرر دیتی ہیں۔

(۲) اس کے بعد معلوم ہو کہ حضرت امام ابوحنیفہ رح کا آخری مذہب جسپر انکا عمل بھی شاہد ہے یہ ہے کہ وہ قرأت فاتحہ خلف الامام کو مانتے ہیں اسی لئے بہت سے محققین حنفیہ بھی اسکے قائل ہوئے ہیں۔ چنانچہ مولانا عبدالحی صاحب حاشیہ امام الکلام میں امام شعرانی کا قول نقل کرتے ہیں:۔

لابي حنيفة ومحمد قولان احدهما عدم وجوبها على الماموم بل ولا تسن وهذا قولهما القديم وادخله محمد في تصانيفه القديمة وانتشرت النسخ الى الاطراف وثانيهما استحسانها على سبيل الاحتياط

امام ابوحنیفہ رح اور امام محمد رح کے دو قول ہیں، ایک مقتدی پر عدم وجوب بلکہ عدم مسنون ہونا، اور یہ ان دونوں کا قدیم قول ہے اور امام محمد نے اسی کو اپنی قدیم تصانیف میں درج کیا۔ اور وہی نسخے اطراف میں منتشر ہو گئے اور دوسرا مستحسن ہونا فاتحہ کا بر سبیل احتیاط اور نہ مکروہ ہونا اسکا

۵؎ اور یہی مسلک اس عاجز گنہ گار کا ہے کہ باوجود اس کے کہ میں کسی خاص امام کا مقلد نہیں ہوں۔ بلکہ خدا کے فضل سے قرآن وحدیث کے چشمہ صافی سے براہ راست سیراب ہونیوالا ہوں پھر بھی ائمہ مجتہدین اور دیگر فقہاء و محدثین کے اقوال کو نہایت عزت سے دیکھتا ہوں اور جہانتک میری نظر ہے ان کے ماخذ تلاش کرتا ہوں۔ اور ان کے محامل کو سمجھتا ہوں کیونکہ ان کی نیتیں نیک تھیں۔ انکے علم پختہ تھے۔ اور ان کے جذبات نفسانیت کی آلودگی سے پاک تھے۔ احب الصالحین ولست منهم۔ لعل الله يرزقني صلاحا۔ ہاں وہ معصوم بھی نہ تھے کہ ان سے خطا نہ ہو۔ یا ان کی اصلاح کیلئے وحی اترے۔ جو ایک پیغمبر برحق سے مخصوص ہے۔ البتہ جو شخص ان کی شان میں گستاخی کرے اسکی نسبت حق الیقین کے طور پر سمجھتا ہوں کہ اسپر فیضان الٰہی کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ جب ان مقبولان بارگاہ الٰہی کے قول کا ماخذ صحیح مل جاتا ہے اور ان کے قول کی توجیہ قرآن وحدیث کے خلاف نہ ہو سمجھ میں آجاتی ہے۔ تو اسے نور علی نور اور قلب کا سرور سمجھکر کینہ دل میں رکھ لیتا ہوں۔ ورنہ ان صالحین کو معذور جانکر خالص قرآن وحدیث پر عمل کرتا ہوں۔ یا اللہ! تو گواہ رہ کہ میرا ایسا اعتقاد وعمل ہے۔ تو مجھ اسی پر زندہ رکھ اور اسی پر مار اور اسی پر میرا حشر کر۔ آمین،

وعدم کراھتھما عند المخافتۃ للحدیث المرفوع لاتفعلوا الا بام القرآن وفی روایۃ لاتقرؤا بشئ اذا جھرت الا بام القرآن وقال عطاء کانوا یرون علی الماموم القراءۃ فیما یجھر فیہ الامام وفیما یسر فرجعا من قولھما الاوّل الی الثانی احتیاطا ۱۲ (غیث الغمام ص ۱۵۶)

وقت آہستہ نماز کے بدلیل حدیث مرفوع لاصلوٰۃ الا بام القرآن کے روایت کیا ہے کہ اور کچھ نہ پڑھا کرو جب میں اونچی قرارت پڑھوں مگر سورۃ فاتحہ اور کہا امام عطا رحمہ نے (سلف صالحین) مقتدی پر قرات جائز جانتے تھے۔ امام اونچی قرارت پڑھے یا آہستہ پس ان دونوں (امام ابوحنیفہ اور امام محمدؒ) نے احتیاطاً اپنے پہلے قول سے دوسرے کی طرف رجوع کیا۔

(۲) الجوہرہ نیرہ شرح مختصر قدوری میں ہے:۔ وعن محمد انہ قال استحسن لہ قراءۃ الفاتحۃ فی صلاۃ المخافتۃ (ص ۵ ج ۱) یعنی امام محمد رح سے روایت ہے۔ کہ انھوں نے کہا میں مقتدی کیلئے سری نمازوں میں قرارت فاتحہ مستحسن جانتا ہوں۔

(۳) اسی طرح ہدایہ میں ہے۔ ویستحسن علی سبیل الاحتیاط فیما یروی عن محمد رح یعنی بموجب اس روایت کے جو امام محمد رح سے کیجاتی ہے۔ برسبیل احتیاط (قرارت فاتحہ خلفِ امام) مستحسن ہے۔

(۴) مولنا عبدالحی صاحب مرحوم تعلیق ممجد میں فرماتے ہیں:۔

وقد ذکر صاحب الھدایۃ وجامع المضمرات وغیرھما ایضا ان علی قول محمد یستحسن قراءۃ ام القرآن خلف الامام علی سبیل الاحتیاط لکن قال ابن الھمام الاصح ان قول محمد کقولھما فان عباراتہ فی کتبہ مصرحۃ بالتجافی عن خلافہ والحق انہ وان کان ضعیفا روایۃ لکنہ قوی درایۃ ۱۲ (ص ۹۶ حاشیہ ۹)

اور تحقیق صاحب ہدایہ اور صاحب جامع مضمرات وغیرہما نے بھی ذکر کیا ہے۔ کہ ازراہِ احتیاط امام محمدؒ کے قول کے مطابق امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کا پڑھ لینا مستحسن ہے لیکن ابن ہمام رح نے کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ امام محمد رح کا قول مثل ان دونوں (امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف) کے قول کے ہے کیونکہ امام محمدؒ کی کتابوں میں ان کے خلاف سے دور رہنے کی صریح عبارتیں موجود ہیں۔ اور حق یہ ہے کہ اگرچہ امام محمدؒ کی یہ روایت روایۃً ضعیف ہے لیکن درایۃً رفعاً قوی ہے۔

(۵) اسی طرح مولنا عبدالحی مرحوم حضرت امام صاحب رح اور امام محمدؒ ہر دو کے متعلق عمدۃ الرعایہ میں فرماتے ہیں:۔

وروی عن محمد انہ استحسن قراءۃ الفاتحۃ للموتم فی السریۃ وروی مثلہ عن ابی حنیفۃ صرح بہ فی الھدایۃ والمجتبیٰ شرح مختصر القدوری وغیرھما وھذا ھو مختار کثیر من مشائخنا وعلی ھذا فلا یستنکر استحسانھا فی الجھریۃ ایضا اثناء سکتات الامام بشرط ان لا یخل بالاستماع (جلد اول ص ۱۴۳ البضمن حاشیہ لہٰدا)

امام محمدؒ سے روایت کیا گیا ہے کہ آپ نے سری نمازوں میں مقتدی کے لئے قرارت فاتحہ کو مستحسن جانا ہے اور اسی طرح امام ابوحنیفہ رح سے بھی مروی ہے۔ اسکی تصریحات ہدایہ میں اور مجتبیٰ شرح مختصر قدوری وغیرہما کتابوں میں ہیں اور ہمارے بہت سے مشائخ حنفیہ رح کا مختار مذہب یہی ہے اور اِس بنا پر اس کے استحسان سے جہری نمازوں میں بھی انکار نہیں ہو سکتا امام کے سکتات کے وقت بشرطیکہ استماع میں مخل نہ ہو۔

اِن حوالجات سے واضح ہوگیا۔ کہ کتب فقہ میں حضرت امام ابوحنیفہ رح اور امام محمد رح سے سری نمازوں میں قرارت فاتحہ خلف الامام کے جواز کے اقوال موجود ہیں مولانا عبدالحی صاحب مرحوم دلائل پر نظر کرتے ہوئے اِس سے آگے بڑھ کر کہتے ہیں کہ جہری نمازوں میں سکتات امام کے وقت الحمد پڑھ لینی درست ہے۔ بشرطیکہ مخلِ استماع نہ ہو۔ اِس کے بعد ہم مولانا عبدالحی صاحب مرحوم سے پیشتر کے صاحبِ حمایت حنفی کی نقل بتلاتے ہیں۔ کہ وہ بھی اپنے بعض علمائے حنفیہ رح کی نسبت تسلیم کرتے ہیں۔ کہ وہ ازراہِ احتیاط سب نمازوں میں سورتِ فاتحہ پڑھنے کو مستحسن جانتے ہیں۔ علامہ عینی حنفی مذہب کے مشہور حامی شرح بخاری میں لکھتے ہیں کہ اگر ہم حضرت ابوہریرہ رض کے قول اقرأ بها فی نفسك کو حقیقی قرارت پر محمول تسلیم کر بھی لیویں۔ تو ہم اس کے وجوب کو تسلیم نہیں کرسکتے۔ اور مستحسن ہونا تو ہمارے بعض اصحاب نے کہا ہے۔ چنانچہ اُن کے الفاظ یہ ہیں:۔

ولئن سلّمنا انّ المراد هو القراءة حقيقة فلا نسلّم انه يدل على الوجوب على ان بعض اصحابنا استحسنوا ذالك على سبيل الاحتياط فی جميع الصّلوات ومنهم من استحسنها فی غير الجهرية

(عمدة القاری ج ۳ ص ۶۹ زیر شرح حدیث عبادہ رض)

اور اگر ہم تسلیم بھی کرلیں کہ ابوہریرہ رض کے قول میں حقیقی قرارت مراد ہے۔ تو ہم اسے تسلیم نہیں کرتے۔ کہ وہ وجوب پر بھی دلالت کرتا ہے۔ علاوہ بریں یہ کہ ہمارے بعض اصحاب (حنفیہ) نے سب نمازوں میں ازراہِ احتیاط اسے مستحسن جانا ہے۔ اور بعض نے غیر جہری نمازوں میں مستحسن جانا ہے۔

اِسی طرح ملا جیون صاحب استاد حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر احمدی میں فرماتے ہیں:

فان رأيت الطائفة الصوفية والمشائخين الحنفية تراهم يستحسنون قراءة الفاتحة للمؤتم كما استحسنه محمد رح احتياطا فيما روی عنه

پس اگر تو طائفہ صوفیہ رح اور مشائخ حنفیہ کی طرف نظر کرے تو تو اُنکو دیکھیگا کہ وہ مقتدی کے لئے قرارتِ فاتحہ کو مستحسن جانتے ہیں جس طرح کہ امام محمد رح نے اُسے احتیاطاً مستحسن جانا ہے۔

یہ حوالجات محض اسلئے ذکر کئے گئے ہیں کہ حضرت امام صاحب اور امام محمد رح اور اُن کے بعد کے بہت سے حنفی بزرگ قرارت فاتحہ خلف الامام کے قائل ہیں۔ اس کے بعد ہم مولانا عبدالحی صاحب مرحوم کی بعض تصریحات دربارہ موازنہ دلائل فریقین ذکر کرتے ہیں۔ مولانا ممدوح شیخ ابن ہمام کی طویل تقریر کے جواب میں فرماتے ہیں:۔

وفيه نظر وهو انه لم يرد فی حديث مرفوع صحيح النهی عن قراءة الفاتحة خلف الامام وكل ما ذكره مرفوعا فيه اما لا اصل له واما لا يصح كحديث من قرء خلف الامام ملئ فوه نارا اخرجه ابن حبان فی كتاب الضعفاء واتهم به مامون بن احمد احد الكذابين ذكره ابن حجر رح فی تخريج احاديث الهداية

اور شیخ ابن ہمام کی اس تقریر میں نظر ہے۔ اور وہ یہ کہ قرارت فاتحہ خلف الامام کی ممانعت کے متعلق کوئی حدیث مرفوع صحیح ثابت نہیں ہوئی اور جس قدر کچھ اُنہوں نے ازقسم مرفوع ذکر کیا ہے یا تو وہ بالکل بے اصل ہے۔ یا صحیح نہیں ہے۔ مثل اس حدیث کے کہ جو شخص امام کے پیچھے پڑھے اُس کے منہ میں آگ بھری جاتے۔ اس روایت کو امام ابن حبان رح نے کتاب الضعفاء میں نکالا۔ اور مامون بن احمد کو جو

والحديث من قرء خلف الامام فلا صلوٰة له ذكره صاحب النهاية وغيره مرفوعًا ولا اصل له (تعليق ممجد ص۱ بضمن حاشیہ ۱)	جھوٹوں میں ایک یہ اس سے متہم کیا ہے اسی حافظ ابن حجرؒ نے تخریج ہدایہ میں ذکر کیا ہے۔ اور مثل اس حدیث کے کہ جو کوئی امام کے پیچھے پڑھے تو اس کے منہ میں انگارڈالا جاوے اسی صاحب نہایہ نے مرفوعًا ذکر کیا ہے لیکن اس کی کوئی اصل نہیں

پھر اس کے بعد اسی طرح بعض روایات جو حنفی علماء منع قراءت فاتحہ کے متعلق بیان کیا کرتے ہیں ان پر تفصیلی بحث کر کے اور انکو ضعیف یا ساقط عن الاعتبار ثابت کرنے کے بعد فرماتے ہیں:-

فظهر انه لا يوجد معارض لاحاديث تجويز القراءة خلف الامام مرفوعًا (تعليق ص۱ بضمن حاشیہ ۱)	پس (اس تفصیل سے) ظاہر ہو گیا کہ جو احادیث قرارت خلف الامام کو جائز بتاتی ہیں ان کے معارض کوئی مرفوع روایت ثابت نہیں ہوئی۔

اِن حوالجات کے متعلق ہم اپنے حنفی بھائیوں سے چند گذارشیں کرنا چاہتے ہیں:- اوّل یہ کہ آپ کو معلوم ہو گیا۔ کہ حضرت امام صاحبؒ صحیح حدیث پر عمل کرنا اپنا مذہب ظاہر کرتے ہیں۔ گویا کہ وہ صاف صاف اقرار کرتے ہیں۔ کہ میں اہلحدیث ہوں پس آپ بھی انہی کے قول پر عمل کرتے ہوئے حدیث صحیح کی پیروی کریں تو آپ اُن سے منحرف نہیں کہلا سکینگے۔ دوم یہ کہ حضرت امام صاحب اور دیگر علمائے حنفیہ کا قرارت فاتحہ خلف الامام کو مستحسن جاننا معلوم ہو چکا ہے۔ پس اُن کے معتقدوں کو بھی کم از کم اسے مستحسن جانکر پڑھ لینا چاہئے۔ اور پڑھنے والوں سے جھگڑنا نہیں چاہئے۔ کیونکہ اصل قرارت میں تو سب متفق ہوگئے۔ اب رہے فرض۔ واجب اور مستحب کا درجہ دیگر امر ہے۔ سوم یہ کہ اگر مذہب محدثین دلیل کے رُو سے قوی اور عمل کے رُو سے احوط نہ ہوتا تو یہ حنفی حضرات جو صاحب علم و تقویٰ ہوئے ہیں مذہب محدثین کی پیروی نہ کرتے۔ واللہ ولی التوفیق۔

حضراتِ صوفیا قائلین قراءتِ خلف الامام

اکثر صوفیائے کرام کا مذہب بھی قراءتِ خلف الامام کا تھا۔ چنانچہ مُلا جیون صاحبؒ کی عبارت سے ابھی گذر چکا ہے۔[۱] اس کے علاوہ حضرت سید عبد القادر جیلانی رحؒ غنیۃ الطالبین میں ارکان الصلوٰۃ کی تفصیل میں فرماتے ہیں۔ وقراءة الفاتحة (ص۱) یعنی فاتحہ کا پڑھنا بھی ایک رکن نماز ہے۔ اسی طرح آپ دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:-

فان قراءتها فريضة وهي ركن تبطل الصلوٰة بتركها (غنیہ مترجم فارسی ص۸۵۳)	کیونکہ سورتِ فاتحہ کی قرارت فرض ہے۔ اور وہ ایک رُکن ہے اسکی ترک سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔

(۲) اسی طرح حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی ایک عبارت توحجۃ اللہ میں سے ص۱۴۱ پر گذر چکی ہے۔ دوسری عبارت یہ ہے کہ آپ مصفّٰی شرح مؤطا میں تعیین رُکن کے ضمن میں تتبع نصوص و اشارتِ شرع کی مثال میں فرماتے ہیں:-

"مثال آں لا صلوٰة لمن لم يقرء بفاتحة الكتاب" الخ (ص۲۰)

اسی طرح جنابؒ مرزا مظہر جانجاناں دہلوی رحؒ اور حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ اور امام غزالی رحؒ اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے والد شاہ عبد الرحیم صاحبؒ جو اولیاء اللہ میں سے تھے۔ یہ سب صاحب فاتحہ خلف الامام پڑھا کرتے تھے

چنانچہ مولانا عبد الحی رحؒ غیث الغمام میں فرماتے ہیں:- اور یہی مختار ہے صاحب حجۃ اللہ شاہ ولی اللہ رحؒ کا۔ اور اُن کے والد ماجد کا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے انفاس العارفین میں اپنے والد ماجد شاہ عبد الرحیم رحؒ کی بابت کہا کہ وہ اکثر فروعی مسائل میں مذہب حنفی کے موافق عمل کرتے تھے مگر بعض مسائل میں جبکہ آپکو حدیث نبوی یا وجدانِ (روایت) کے رُو سے کسی دوسرے مذہب کی ترجیح معلوم ہو جاتی (تو اسی پر عمل کرتے) منجملہ اُن کے قراءتِ فاتحہ ہے۔ حالتِ اقتدا میں اور نماز جنازہ میں (انتہیٰ مترجماً ص۱۵۶)

تَمَّ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ

[۱] ص۱۴۱ ۱۲ منہ

مسئلہ اِدراکِ رکوع

بعض اشخاص کو اِس بات سے ٹھوکر لگتی ہے۔ کہ جب رکوع میں ملنے سے رکعت شمار ہو جاتی ہے تو سورتِ فاتحہ کی قراءت فرض واجب کہاں رہی؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ بیشک ایک گروہ علماء کا اِس کا قائل ہے۔ لیکن تحقیق کرنے پر بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ یہ مسئلہ بالکل بے ثبوت ہے،

اِسکی **توضیح** یوں ہے کہ شرعی حکم کا ثبوت چار طرح پر ہوتا ہے، یا قرآن[1] شریف کی صریح آیت سے یا حدیث[2] صحیح صریح سے، یا اجماع[3] مجتہدین سے، یا آخر[4] کار اِن اُصول ثلاثہ کے نصوص پر قیاس صحیح سے۔

اُصول الشرع ثلٰثۃ الکتاب[1] والسنّۃ[2] واجماع[3] الامۃ والاصل الرابع القیاس[4] المستنبط من ھٰذہ الاصول (حسامی ص۲)	دلائلِ شرع تین[3] ہیں۔ قرآن[1] اور سنّت[2] اور اجماعِ[3] امت اور چوتھی[4] دلیل قیاس ہے۔ جو انہی تین دلائل سے مستنبط ہو؛

پس اِدراکِ رکوع سے ادراکِ رکعت کے قائل سے پوچھا جائے، کہ آپ کا استدلال اِن چاروں[4] میں سے کس دلیل سے ہے، کتاب اللہ سے یا سنّتِ[2] رسول اللہ صلعم سے، یا اجماع[3] سے، یا قیاس[4] صحیح سے،

دا ظاہر ہے، کہ قرآن شریف میں اس امر کے لئے کوئی آیت واضح الدلالۃ نہیں ہے، اور آیت وَارْکَعُوا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ (پ۱) سے استدلال کرنا تکلف محض ہے، کیونکہ[1] منطوق آیت باجماعت نماز پڑھنے میں ہے،

[1] شیخ الاسلام امام تیمیہؒ نے منہاج السنۃ میں شیعوں کے جواب کے ضمن میں کہا ہے:۔ وقد قیل ذکر ذالك لیبین انھم یصلون جماعۃ لان المصلی فی الجماعۃ انما یکون مدرکًا للرکعۃ بادراكِ رکوعھا بخلاف الذی لم یدرك الا السجود فانہ قد فاتتہ الرکعۃ واما القیام فلا یشترط فیہ الادراك (ص۹۳ جلد۴) سو معلوم ہوا کہ اول تو شیخ الاسلام رحؒ نے اسے بصیغہ تضعیف یعنے بلفظ قیل (فعل مجہول) ذکر کیا ہے۔ دوم یہ کہ کسی رُکن کا نام لیکر ساری نماز مراد ہونا۔ تو قرآن وحدیث میں متعارف ہے، لیکن ایک رُکن کے پالینے سے باوجود فوتیدگی کسی دیگر رُکن کے رکعت کا معدود ہو جانا اِسکی نظیر سنت میں نہیں پائی جاتی، مستدل صاحب کو کھٹکتا تھا کہ مدرکِ رکوع سے صرف فاتحہ ہی ترک نہیں ہوئی۔ بلکہ اُس سے قیام بھی چھوٹ گیا ہے اسلئے اُس نے نہایت ہوشیاری سے پیشدستی کر کے کہہ دیا کہ قیام کا ادراک شرط نہیں۔ کیوں صاحب! قیام کا ادراک شرط کیوں نہیں کیا وہ رُکن نماز نہیں ہے؟ پھر آپ اسے نظر انداز کیوں کرتے ہیں؟ یہ تو متفق علیہا مسئلہ ہے، کہ فرض کے فوت ہونے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ اور اعادہ واجب ہوتا ہے۔ چنانچہ حنفی مذہب کے بڑے زور کے حامی علامہ عینیؒ شرح بخاری میں بضمن شرح حدیث مسیٔ الصلوٰۃ فرماتے ہیں۔ الثامن فیہ الاعادۃ علی من یخل بشیئٍ من الارکان (عینی جلد۳ ص۱۸) یعنے اس حدیث سے آٹھواں استنباط یہ ہے۔ کہ جس شخص سے کوئی رکن چھوٹ جائے۔ اُسپر نماز کا لوٹانا واجب ہوتا ہے۔ (جیسا کہ آپؐ نے اس مسیٔ الصلوٰۃ کو بار بار نماز دُہرانے کا حکم کیا ہے) چونکہ قیام فرض ہے۔ اور رکوع میں ملنے والے سے فاتحہ کے علاوہ قیام بھی چھوٹ گیا ہے۔ تو اب اِسکی یہ رکعت شمار ہو گی؟ ۱۲ منہ

یعنی یہودیوں کو حکم ہوتا ہے۔ کہ کفر نہ کرو، بلکہ تم اسلام میں داخل ہوکر مسلمان نمازیوں کے ساتھ شامل ہوکر نماز پڑھو، اس میں رکوع میں ملنے سے رکعت کا ملجانا مذکور نہیں، اور نہ اس امر کو اس سے کچھ تعلق ہے۔ خطاب یہود کو ہو رہا ہے۔ اور مسئلہ رکوع میں ملکر رکعت پا لینے کا نکل رہا ہے۔ ایں چہ؟

ملا جیون حنفی رح تفسیرات احمدیہ میں اس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں:- اعلم ان ھذا خطاب لاھل الکتاب پھر اس کے کئی ایک سطر بعد فرماتے ہیں وحاصل الخطاب امرھم باتباع المسلمین باداء صلوٰۃ المسلمین ۱۲ یعنے حاصل خطاب کا یہ ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے ان کو مسلمانوں کی نماز ادا کرکے مسلمانوں کی پیروی کا حکم کیا ہے۔

(۲) اسی طرح تفسیر معالم میں کہا ہے:-

ای صلوا مع المصلین محمد صلے اللہ علیہ وسلم واصحابہ وذکر بلفظ الرکوع لان الرکوع رکن من ارکان الصلوٰۃ ۱۲	نمازیوں یعنے محمد صلعم اور آپ کے صحابہؓ کے ساتھ ملکر نماز پڑھو۔ اور نماز کو لفظ رکوع سے اسلئے ذکر کیا۔ کہ رکوع ارکان نماز میں سے ہے،

(۳) اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رح اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں "و نماز گذارید با نماز گذارندگان"

(۴) اور تفسیر رحمانی میں لکھا ہے۔ ای صلوا بالجماعۃ یعنی نماز با جماعت پڑھا کرو"

(۵) اور تفسیر اکلیل میں ہے:-

قال الرازی سے یفید اثبات فرض الرکوع فی الصلوٰۃ (اکلیل برحاشیہ تفسیر جامع البیان)	امام رازی نے کہا یہ آیت نماز میں رکوع کے فرض ہونیکا ثبوت دیتی ہے،

اسی طرح دیگر تفاسیر میں بھی ہے جنکے حوالجات کی نقل موجب طوالت ہے،

غرض اس تفصیل سے یہ ہے۔ کہ جب جملہ مفسرین اس آیت میں لفظ رکوع کا استعمال نماز کے لئے لکھتے ہیں۔ تو اس میں ادراک رکوع سے ادراک رکعت کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

(۲) اور یہ بھی معلوم ہے۔ کہ اس مسئلہ پر اجماع بھی نہیں ہے۔ کیونکہ ایک جماعت صحابہؓ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کی اسکی قائل نہیں۔ چنانچہ امام بیہقی رح کتاب القراءت میں فرماتے ہیں:-

ولا یدخل علی قولنا فاذا ادرک امامہ راکعا فاتہ عنہ لا یصیر بادراکہ مدرکا للرکعۃ حتی یدرکہ القیام ویاتی بالقراءۃ ورواہ عن ابی ھریرۃ رض	اور آپ کے قول اذا ادرک امامہ راکعا پر یہ بات وارد نہیں ہوتی کیونکہ آپ کے نزدیک رکوع کے پالینے سے رکعت کا پانا نہیں ہو سکتا۔ جبتک کہ قیام بھی نہ پالے اور قراءت فاتحہ بھی نہ کرے

لا یجزیہ حتی یدرك الامام قائما وفی روایۃ
اخری عن ابی ھریرۃ رض اذا ادرکت القوم رکوعا
لم تعتد بتلك الرکعۃ قال البخاری وقال ابو سعید
وعائشۃ لا یرکع احد کم حتی یقرء بام القرآن
قال البخاری وقال ابو قتادۃ رض وانس رض وابو ھریرۃ رض
عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا اتیتم الصلوۃ
فما ادرکتم فصلوا وما فاتکم فاتموا فمن فاتہ
فرض القراءۃ والقیام فعلیہ اتمامہ کما امر النبی
صلی اللہ علیہ وسلم (کتاب القراءۃ ص۱۵۷)

اور روایت کیا اسے ابو ہریرہ رض سے کہ مسبوق کی نماز کفایت
نہیں کرتی حتیٰ کہ امام کو قیام میں نہ پائے اور دوسری روایت
یں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رض نے کہا کہ جب تو قوم کو رکوع میں پائے
تو اس رکعت کو شمار نہ کرنا، کہا امام بخاری رحمہ نے کہ حضرت ابو سعید رض
اور حضرت عائشہ رض نے کہا کہ تم میں سے کوئی رکوع نہ کرے
حتیٰ کہ سورہ فاتحہ نہ پڑھ لے، کہا امام بخاری رح نے کہ حضرت ابو قتادہ رض
اور حضرت انس رض اور حضرت ابو ہریرہ رض نے نبی کریم صلعم سے روایت
کیا کہ جب تم نماز کو آؤ تو جو کچھ پاؤ اسے پڑھو۔ اور جو رہ جائے اُسے
(پیچھے) پورا کرو۔ پس جس شخص سے دو فرائض[2] یعنی قرأت اور قیام
فوت ہوگئے۔ اُسپر نماز کا پورا کرنا لازم ہے جس طرح کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم کیا، حافظ ابن حجر رح نے حدیث
ما ادرکتم فصلوا الخ کے ذیل میں کہا۔ کہ اِس سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ جس نے امام کو رکوع میں پایا اُسکی وہ رکعت شمار نہیں ہوگی کیونکہ
مافات کے پورا کرنیکا حکم ہے۔ اور (مسبوق سے) قیام اور قرأت فوت ہوگئے ہیں۔ اور یہی قول ہے ابو ہریرہ رض کا اور ایک جماعت کا
بلکہ امام بخاری رح نے قرأت خلف الامام میں ہر اُس (امام) سے جو وجوب قرأت خلف الامام کا قائل ہے یہی حکایت کیا ہے پس داعیہ ادراک رکعت پر اجماع ثابت نہ ہوا
(۳) اب دیکھئے کہ قیاس سے کیا معلوم ہوتا ہے۔ کہ ادراک رکوع سے رکعت ہو جاتی ہے یا نہیں، سو اس کی
توضیح اس طرح ہے کہ قیام اور قرأت بالاتفاق ارکان نماز سے ہیں۔ مدرک رکوع سے یہ دونوں فوت
ہوگئے ہیں۔ دو[3] رکن فوت ہو جانے سے رکعت کس طرح ہو جائیگی۔ علاوہ اس کے یہ کہ آنحضرت صلعم کا فرمان ہے
کہ جو کچھ تمکو ملجائے امام کے ساتھ پڑھ لو۔ اور جو کچھ نہ ملے اُسے پیچھے پورا کر لو۔ پس قیام و قرأت دو فرض جو فوت
ہوگئے ہیں اُنکو امام کے سلام پھیرنے کے بعد خود تنہا پورا کرنا پڑے گا۔ یہی مطلب امام بخاری رح کی عبارت مذکورہ بالا کا ہے
اور اگر آپ کہیں کہ ہمارے نزدیک مقتدی پر قرأت فرض نہیں ہے۔ تو اس کے جواب میں ہم کہینگے کہ یہ
نہیں تو قیام تو فرض ہے، وہ کس طرح ساقط ہوگیا۔ اور حنفیہ کا مذہب ہے کہ فعل ارکان میں امام متحمل نہیں ہوسکتا[1]
اور اگر آپ کہیں کہ نیت اور تکبیر تحریمہ قیام ہی کی صورت میں ہوتی ہے پس وہ بھی حاصل ہوگیا۔

[1] حسن خاتمہ کے طور پر مینے مناسب جانا کہ اس کتاب کا اختتام اپنے اُستاد و ہادی حضرت مولانا و برکتنا مولانا ابو عبد اللہ عبید اللہ
غلام حسن صاحب سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ القول الفصیح سے انتخاب کرکے بیان کروں کیونکہ مجھ عاجز پر خدا تعالےٰ کی ظاہری باطنی
اور علمی وقلبی سب طرح کی جو جو عنایتیں ہیں اُن میں زیادہ حصہ اِنہی کے فیض و برکت کا ہے۔ رب اغفر لی ولوالدی ولاساتذتی
واجعلھم فی الندی الاعلیٰ وانزلھم المقعد المقرب عندك یوم القیمۃ۔ (دیکھو ص۴۸ سطر نمبر۹ تفسیر ثنائی) منہ

تو ہم کہیں گے کہ یہ قیام اضطرار کا ہے۔ نہ کہ عبادت کا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے انسان کو پیدا ہی سیدھی قامت پر کیا ہے۔ اور مطلوب قیام عبادت ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ (پ۲) اور کھڑے ہو تم خدا کے سامنے باادب ہو کر۔ اور محض خاموشی سے کھڑا ہونا بھی عبادت نہیں۔ اسی لئے قیام میں سورۂ الحمد تعلیم کی گئی۔ کہ یہ خدا کی تعریف اور خلوصِ عبادت و خلوصِ دعا پر مشتمل ہے پس رکوع میں شامل ہو کر ملنے کی صورت میں یہ قیامِ عبادت میں امام کے ساتھ نہیں ملا۔ پس اسکے عوض اضطراری قیام عبادت میں شمار نہیں ہوگا۔ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ، چنانچہ امام بیہقی کتاب القراءۃ میں فرماتے ہیں:

ولان القيام يسقط عنه بادراك الركوع والقدر الذى يأتى به من القيام للتكبير ليس هو بالقيام الذى هو محل القراءة (جزء ص۵۸)

اور اسلئے بھی کہ رکوع سے ملنے کی حالت میں مقتدی سے قیام رہ جاتا ہے اور وہ تھوڑا سا قیام جسمیں وہ تکبیر تحریمہ کہتا ہے وہ قیام نہیں ہے جو بحکم شرع محل قراءت ہے۔ کیونکہ وہ تو تکبیر تحریمہ کے بعد ہے

حاصل کلام یہ کہ ادراکِ رکوع سے ادراکِ رکعت قیاس پر بھی صحیح نہیں اترتا۔ بلکہ قیاس اُس کے خلاف ہے

(۴) اب باقی رہ گئی **حدیث شریف**، سو اُسکا بیان اس طرح ہے۔ کہ اس کے متعلق دو روایتیں ہیں۔ پہلی یہ ہے جو حضرت ابوہریرہؓ سے مروی کہی جاتی ہے:۔

عن ابى هريرة رض ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من ادرك ركعة من الصلوة فقد ادركها قبل ان يقيم الامام صلبه ( )

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے پائی ایک رکعت نماز کی تو اُس نے پا لیا اُس نماز کو پیشتر اس سے کہ قائم کرے امام پشت اپنی (

حضرات حنفیہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں رکعت سے مراد رکوع ہے۔ اور اس میں صاف صاف مذکور ہے کہ اگر کوئی امام کے سیدھا کھڑا ہونے سے پہلے پہلے رکوع میں شامل ہو جائے۔ تو اُسکی رکعت ہو جاتی ہے۔

اس کا **جواب** یہ ہے کہ اس روایت میں زیادت قبل ان يقيم الامام صلبه یحیی بن حمید کی روایت سے ہے۔ اور یحیی بن حمید یہ حدیث قرۃ بن عبدالرحمٰن بن حیوئیل سے روایت کرتے ہیں۔ اور یہ دونوں اُستاد و شاگرد ناقابلِ اعتبار ہیں۔ یحیی کی بابت تو امام بخاریؒ نے کہا مجهول لا يعتمد عليه یعنے یہ شخص مجہول ہے۔ اسکی حدیث کا اعتبار نہیں (جزء القراءۃ ص) اور امام دارقطنی رح اسے ضعیف کہتے ہیں (میزان الاعتدال)۔ اور قرۃ بھی سخت ضعیف ہے امام احمد اسے منکر الحدیث جداً کہتے ہیں۔ نیز نسائی ضعیف الحدیث کہتے ہیں (تہذیب التہذیب)

غرض جب اس حدیث کے دو راوی اُوپر نیچے ضعیف ہیں، تو یہ روایت سورت فاتحہ کی فرضیت ثابت کرنیوالی

احادیث صحیحہ متواترہ ومشہورہ کی تخصیص نہیں کرسکتی۔ بڑے بڑے جلیل القدر حفاظِ حدیث نے اس کے الفاظ جو روایت کئے وہ صرف اتنے ہی ہیں:۔ من ادرک رکعۃ من الصلوٰۃ فقد ادرک الصلوٰۃ چنانچہ امام بخاری رح اسی قدر الفاظ کی نسبت فرماتے ہیں وھو خبر مستفیض عند اھل العلم بالحجاز وغیرھا وقولہ قبل ان یقیم الامام صلبہ لا معنی لہ ولا وجہ لزیادتہ (جزء القراءۃ ص۴۶) یعنے یہ حدیث (صرف اتنے ہی الفاظ کے ساتھ) علاقہ حجاز (مکہ شریف ومدینہ طیبہ) وغیرہ کے اہل علم کے نزدیک (عام طور پر) مستفیض (ومشہور) ہے اور یحیی کے قول قبل ان یقیم الامام صلبہ کے کچھ بھی معنے نہیں، اور اسکی زیادت کی کوئی بھی وجہ نہیں ہے پس اس روایت میں جو جملہ محل استدلال ہے۔ جب وہی ثابت نہیں تو اس سے استدلال درست نہ رہا اور جتنے الفاظ صحیح ثابت ہیں اُن سے رکوع میں ملنے سے رکعت کے شمار ہوسکنے کی کوئی دلیل نہیں، کیونکہ اس کے تین معنے ہوسکتے ہیں چنانچہ استاذنا وبرکتنا حضرت مولنا ابو عبداللہ عبید اللہ **غلام حسن** صاحب رح سیالکوٹی اپنی مایہ ناز کتاب القول الفصیح فی وجوب الفاتحۃ علی الماموم فی المذہب الصحیح میں فرماتے ہیں:۔

ومعناہ حینئذ علی ما صرح بہ النووی رح فی المنہاج یحتمل ثلاثۃ وجوہ احدھا من سقط عنہ الفرض لمانع لشرعی فبعد ارتفاع المانع ان ادرک زمانا یسع لاداء رکعۃ فقد ادرک صلوٰۃ ذلک الوقت یعنی لزمہ قضاءھا وثانیھا من ادرک رکعۃ من الصلوٰۃ مع الامام فقد ادرک فضل الصلوٰۃ مع الجماعۃ وثالثھا من ادرک رکعۃ من الصلوٰۃ فی وقتھا فقد ادرک تلک الصلوٰۃ یعنی یتمھا اداءً لا قضاءً انتھی بحاصلہ (ص۵)

اب اس حدیث کے ثابت شدہ الفاظ کے معنے بموجب تصریح امام نووی رح کے تین وجہ پر ہوسکتے ہیں۔ اول یہ کہ جس شخص سے کوئی فرض بسبب مانع شرعی کے ساقط ہوگیا۔ پس بعد دور ہو جانے اس مانع کے اگر اس نے ایک رکعت کے ادا کرنے کا بھی وقت پالیا ہے تو اس نے اُسوقت کی نماز پالی یعنی اُسکو قضا کرنا اس نماز کا لازم ہے دوم یہ کہ جس نے امام کے ساتھ نماز کی ایک رکعت پالی بیشک اس نے نماز با جماعت کی فضیلت پالی۔ سوم یہ کہ جس نے وقت نماز میں ایک رکعت کا وقت بھی پالیا۔ بیشک اس نے وہ نماز پالی۔ یعنے وہ شخص اپنی نماز اداءً پوری کرے نہ قضاءً۔

بموجب تصریح امام نووی رح کے اس حدیث کے معنے انہی تین وجوہ پر ہوسکتے ہیں۔ دیگر کوئی وجہ نہیں ہوسکتی، اور ظاہر ہے کہ ان تین وجوہ پر مسئلہ زیر بحث یعنے ادراکِ رکوع سے ادراکِ رکعت ثابت نہیں ہوسکتا۔

یہ عاجز **میر سیالکوٹی** کہتا ہے کہ امام نووی رح نے تیسرے معنے جو لکھے ہیں۔ اُنکی تائید حدیث مرفوع میں موجود ہے۔ جو حضرت ابوہریرہؓ رسول اللہ صلعم سے منقول ہے۔ اور صحیح بخاری ہی میں حدیث ابوبکرہؓ سے پیشتر مکتوب ہے

عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من ادرک الصبح رکعۃً قبل ان تطلع الشمس فقد ادرک الصبح ومن ادرک رکعۃ من العصر قبل ان تغرب الشمس فقد ادرک العصر (صحیح بخاری)

رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جس شخص نے صبح کی ایک رکعت سورج چڑھنے سے پیشتر پالی۔ تو اس نے صبح کی نماز پالی اور جس نے عصر کی ایک رکعت سورج غروب ہونے سے پیشتر پالی۔ تو اس نے عصر کی نماز پالی ؛

پس بقاعدۂ تصنیف را مصنف نکو کند بیاں " جب خود آنحضرت صلعم سے اس حدیث کے معنے ثابت ہو گئے تو اب کسی بھی امتی کو حق نہیں پہنچتا۔ کہ آنحضرت صلعم کی تصریحات کے خلاف اس سے کوئی مسئلہ استنباط کرسکے دیگر یہ کہ کلام شارع علیہ السلام میں رکعت کا لفظ قیام، رکوع اور سجود اور ان کے درمیانی امور کے مجموعہ پر بولا گیا ہے۔ پس یہ اسکی حقیقت شرعی ہوئی۔ اور اہل اصول میں بالاتفاق مسلم ہے۔ کہ حقیقت شرعی حقیقت لغوی پر مقدم ہوتی ہے۔ پس اس حدیث میں رکعت کے معنے رکوع لینا اور پھر صلوٰۃ کے معنے رکعت لینا اس مفہوم کے خلاف ہے، جو عرف شرع میں متعارف ہے ؛

(۲) ادراکِ رکعت کے ثبوت میں دوسری روایت یہ پیش کیجاتی ہے،

عن ابی بکرۃ رض انہ دخل المسجد والنبی صلی اللہ علیہ وسلم راکع فرکع قبل ان یصل الی الصف فذکر ذالک للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال زادک اللہ حرصًا ولا تعد رواہ البخاری فی الصحیح

حضرت ابو بکرہ رض سے روایت ہے۔ کہ وہ داخل ہوا مسجد میں درآنحال کہ نبی کریم صلعم رکوع میں تھے پس رکوع کیا اس نے قبل صف میں پہنچنے کے پھر یہ بات آنحضرت کے پاس ذکر کی تو آپ نے فرمایا خدا تعالیٰ تیرا شوق زیادہ کرے پھر ایسا نہ کرنا ؛

صورتِ استدلال یہ ہے کہ حضرت ابو بکرہ صحابی صف میں پہنچنے سے پہلے رکوع کی حالت میں ہو کر اور اسی حالت میں چلکر صف میں سلے تو اسکی یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ انہوں نے رکوع میں ملنے سے رکعت کے پالینے کے خیال سے ایسا کیا۔ اور پھر جب آنحضرت صلعم کو یہ قصہ معلوم ہوا تو آپ نے اس امر سے تو منع کیا کہ ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا لیکن رکعت دہرانے کا حکم نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلعم نے اسکی نماز کو کامل سمجھا پس ادراکِ رکوع سے رکعت کا شمار ہونا ثابت ہو گیا۔ سو

اس کا جواب

حضرت الاستاذ قدس سرہٗ کے رسالہ القول الفصیح سے استفادہ کر کے اسے اپنے الفاظ میں مع کسی قدر اضافہ و توضیح کے لکھتا ہوں۔ واللہ الموفق

حضرت ابوبکرہؓ والی حدیث بے شبہ صحیح ہے۔ لیکن امر مطلوب پر اُسکی دلالت غیر مسلم ہے۔ اوّل اسلئے کہ حضرت ابوبکرؓ سے ہرگز ثابت نہیں کہ انہوں نے رکوع کے پالینے سے رکعت کے پالینے کا قائل ہوتے ہوئے ایسا کیا۔ نہ اِس حدیث میں اور نہ کسی دیگر روایت میں۔ پس اسکی تجویز ایک خیالی امر ہے۔ جو میدانِ دلائل میں مفید نہیں، دوم اسلئے کہ کسی قوی و ضعیف روایت میں مذکور نہیں۔ کہ حضرت ابوبکرہؓ نے اِس رکعت کو شمار کرتے ہوئے اس کے عوض آنحضرتؐ کی سلام کے بعد دوسری رکعت نہ پڑھی۔ سلسلۂ روایات پڑھنے یا نہ پڑھنے ہر دو امر سے بالکل خاموش ہے۔

پس مستدل کا استدلال درست نہیں۔ کیونکہ عدم مثبت حکم نہیں ہو سکتا۔ جب حضرت ابوبکرہؓ کا پڑھنا یا نہ پڑھنا کچھ بھی مذکور نہیں۔ تو کس طرح کہا جا سکتا ہے۔ کہ آنحضرت صلعم کا سکوت اس بات کی دلیل ہے۔ کہ مدرکِ رکوع مدرکِ رکعت ہو جاتا ہے۔ کیونکہ آپ کا سکوتِ محض مثبتِ حکم نہیں۔ بلکہ تقریر کے یہ معنے ہیں کہ کوئی کام آپکے سامنے کیا جائے۔ اور آپ اُسے برقرار رکھتے ہوئے اُس سے منع نہ فرمائیں چنانچہ نور الانوار میں ہے۔

السنۃ تطلق علی قول الرسول صلعم فقط وسکوتہ (ص۱۷۵ مطبوعہ یوسفی)	سنّت کا لفظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول اور آپ کے سکوت پر بولا جاتا ہے ۱۲

اور لفظ سکوتہ پر مولانا عبد الحلیم صاحب لکھنوی والدِ ماجد جناب مولانا عبد الحی صاحبؒ لکھتے ہیں۔

قولہ وسکوتہ ای عند امر یعاینہ یعنے ایسے امر پر آپ کا سکوت کرنا کہ آپ کے سامنے کیا جائے اور آپ اُسے برقرار رکھتے ہوئے اُس سے منع نہ فرمائیں۔

ارشاد الفحول میں بہت مفصّل لکھا ہے:۔

البحث السابع التقریر وصورتہ ان یسکت النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن انکار قول قیل بین یدیہ او فی عصرہ وعلم بہ او سکت عن فعل فُعِلَ بین یدیہ او فی عصرہ وعلم بہ فان ذالک یدل علی الجواز (ارشاد مطبوعہ مصر ص۳۹)	ساتویں بحث تقریر میں ہے۔ اور اُسکی صورت یہ ہے۔ کہ نبی کریمؐ ایسے قول پر انکار کرنے سے خاموش رہیں۔ جو آپ کے سامنے یا آپ کے عصر میں کہا جائے اور آپ کو معلوم ہو جائے۔ یا ایسے فعل پر خاموش رہیں۔ جو آپ کے سامنے یا آپ کے عصر میں کیا جائے اور آپ کو معلوم ہو جائے پس یہ اُس قول یا فعل کے جواز کی دلیل ہے

پس جب کسی روایت میں یہ مذکور ہی نہیں کہ ابوبکرہ رضؓ نے وہ رکعت دوبارہ پڑھی یا نہیں پڑھی تو آنحضرتؐ کا سکوت کس امر پر سمجھا جائے۔ فافہم ولا تکن من القاصرین،

پس مستدل کا استدلال تعریفِ تقریر کی حد سے باہر ہونے کی وجہ سے درست نہ رہا۔

؎ اور مولانا عبد الحی رحمۃ نے غیث الغمام ص۲۵ میں جو روایت جزء القراءۃ سے نقل کی ہے وہ عبد اللہ بزاز کی روایت سے ہے جو منکر الحدیث ہے۔ خصوصاً جبکہ وہ یونس ؟
[illegible]

اگر کہا جائے کہ اگر نہ پڑھنا مذکور نہیں تو پڑھنا بھی تو مذکور نہیں۔ پھر آپ شمار نہ ہوسکتے کو کہاں سے لیتے ہیں۔ تو اُس کے جواب میں ہم عرض کرتے ہیں۔ کہ عدم شمار کی دلیل یہ حدیث نہیں ہے۔ کیونکہ یہ حدیث دونوں پہلوؤں کے اثبات سے ساکت ہے۔ ہماری دلیل دیگر احادیث صحیحہ مستفیضہ ہیں۔ جو قیام اور قرارت فاتحہ کی فرضیت ثابت کرتی ہیں۔ اُن کو سامنے رکھکر آنحضرت صلعم کے فرمان وَ مَافَاتَکُمْ فَاَتِمُّوْا (بخاری) کے رُو سے کہتے ہیں کہ رکوع میں ملنے والے سے قیام اور قرارت فاتحہ یا کم از کم قیام اور مطلق قرارت یا اُس سے بھی کم قیام جو آپ کے نزدیک بھی فرض ہے۔ ترک ہوگیا ہے۔ پس اُسپر قیام و قرارت فاتحہ یا قیام و مطلق قرارت یا محض قیام (جس طرح پر بھی آپ مان سکیں) کو پورا کرنے کے لئے دوسری رکعت پڑھنی لازم ہوگی۔ یہ بات چالیس سیر اور سولہ آنے پوری ہے۔ اِس میں کوئی پیچ یا تکلف نہیں ہے۔ واللہ الہادی؛

اِس روایت کے بعد جو بھی روایت مرفوع اس بارے میں ہے وہ ضعیف ہے۔ اور جو بھی اقوال صحابہؓ ہیں انہیں سے بھی اکثر بے اصل و غیر ثابت ہیں۔ اور اگر کوئی جرح سے خالی تسلیم بھی کرلیا جائے تو وہ موقوف ہونے کی وجہ سے اُن مرفوع احادیث کے مقابلہ میں قائم نہیں ہوسکتا۔ جو قیام اور قرارت فاتحہ کی فرضیت کو ثابت کررہی ہیں۔ امام شوکانی نے حدیث ابی بکرہ کا جواب حافظ ابن حزم سے یوں نقل کیا ہے۔

"اِس میں اُنکی کوئی دلیل نہیں، کیونکہ اِس میں اُس رکعت کے کافی ہونے کا ذکر نہیں ہے۔ بدلیل حدیث ما ادرکتم فصلوا و ما فاتکم فاتموا رکعت کے شمار کیلئے ادراکِ قیام و قرارت سے چارہ نہیں۔ کسی رکعت یا رکن یا ذکر مفروض کے فوت ہوجانے میں کوئی فرق نہیں۔ کیونکہ ہر ایک اُنہیں سے فرض ہے جس کے بغیر نماز پوری نہیں ہوتی، اُس مسبوق کو حکم ہے۔ کہ جو کچھ امام اُس سے پہلے ادا کرچکا ہے۔ اُسے وہ قضا کرکے پورا کرے پس اُنہیں سے کسی امر کی تخصیص بغیر نص (شرعی) کے جائز نہیں، جسکے موجود ہونے کی کوئی راہ نہیں، اور بعض نے اس (اعتدادِ رکعت) پر اجماع کا دعوی کیا ہے اور وہ اس میں غلط گو ہے۔ کیونکہ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے۔ کہ وہ اس رکعت کو شمار نہیں کرتے جبتک کہ سورہ فاتحہ پڑھی نہ جائے، اور ایسا امر بن زید بن وہب[۵۱] رح کا فیصلہ بھی مروی ہے۔ (انتہی مترجما۔ نیل الاوطار ص ۱۱۳ جلد ۲)"

تمّ والحمد للہ

---

[۵۱] زید بن وہب مخضرم ہیں۔ آنحضرت صلعم کی حیات طیبہ میں ایمان لائے۔ زیارت کے لئے وطن سے چلے۔ لیکن ابھی رستے ہی میں تھے۔ کہ آنحضرت ؐ کی وفات ہوگئی ۱۲ منہ

نماز جنازہ اور سُورتِ فاتحہ

حضراتِ حنفیہ کے نزدیک نمازِ جنازہ میں سُورتِ فاتحہ یا قرآن شریف کے کسی دیگر مقام سے قراءت کی نیّت سے پڑھنا درست نہیں۔ ہاں اگر ثنا یا دُعا کی نیّت سے سُورت فاتحہ پڑھ لے تو درست ہے۔ چنانچہ فتح القدیر شرح ہدایہ میں ہے:۔

قالوا لا یقرء الفاتحۃ الا ان یقرأھا بنیۃ الثناء ولم تثبت القراءۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفی مؤطا مالک رح عن نافع ان ابن عمرؓ کان لا یقرء فی الصلوٰۃ علی الجنازۃ،

(جلد اوّل صفحہ ۲۸۲ مطبوعہ نولکشور)

(فقہاء نے) کہا ہے۔ نہ پڑھے فاتحہ مگر ثنا کی نیّت سے پڑھے۔ تو پڑھے۔ اور نہیں ثابت ہوئی قراءت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے" اور نافع سے روایت ہے کہ عبد اللہ بن عمرؓ نماز جنازہ میں قراءت نہیں پڑھا کرتے تھے،"

برخلاف اس کے امام شافعی رح دوسری نمازوں کی طرح نمازِ جنازہ میں بھی سُورتِ فاتحہ کی قراءت کو فرض جانتے ہیں، آپ نے کتاب الام[1] میں اِس مسئلہ پر سیر کن بحث کی ہے۔ اور احادیثِ مرفوعہ موقوفہ سے ثابت کیا ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے کئی جنازوں پر سورت فاتحہ پڑھی ہے اور آپ کے بعد صحابہؓ بھی پڑھتے رہے اور شہادت دیتے رہے کہ نماز جنازہ میں سورتِ فاتحہ کا پڑھنا طریقِ مسنون ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں:۔

(۱) عن جابر بن عبد اللہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کبّر علی المیت اربعًا وقرء بامّ القرآن بعد التکبیرۃ الاولیٰ۔

(۱) جابر بن عبد اللہ رضؓ سے روایت ہے۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک میت پر چار تکبیریں کہیں اور تکبیر اولیٰ کے بعد سورتِ فاتحہ پڑھی،"

(۲) عن طلحۃ بن عبد اللہ بن عوف قال صلّیت خلف ابن عباس علی جنازۃ فقرء فیھا بفاتحۃ الکتٰب فلمّا سلّم سألتہ عن ذالک فقال سنّۃ وحق

(۲) طلحہ بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ کے پیچھے نماز پڑھی تو آپ نے اس میں سورتِ فاتحہ پڑھی۔ جب سلام پھیر لیا۔ تو میں نے آپ سے اسکی بابت پوچھا آپ نے فرمایا سنت اور حق ہے۔

(۳) عن سعید بن ابی سعید المقبری قال سمعت

(۳) سعید بن ابی مقبری کہتے ہیں۔ میں نے ابن عباس رضؓ کو

[1] فائدہ: امام پڑھے نہ مقتدی، سبحان اللہ یہ کیسی نماز ہے جس میں قراءت ہی ندارد ہے۔ ۱۲ منہ [2] امام شافعی رح نے یہ احادیث مع اسناد ذکر کی ہیں اور بعض جگہ ان پر کچھ تشریحی و استدلالی نوٹ و ریمارک بھی کئے ہیں۔ ہم نے بقصد اختصار ان سب کو حذف کر کے نقل کیا ہے ۱۲ منہ

ابن عباس رض یجهر بفاتحة الکتاب علی جنازة
وقال انما فعلت لتعلموا انها سنة
(۴) عن رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ
وسلم ان السنة فی الصلوٰة علی الجنازة ان یکبر
الامام ثم یقرء بفاتحة الکتاب بعد التکبیرة
الاولی سرا فی نفسہ ثم یصلی علی النبی صلی
اللہ علیہ وسلم ویخلص الدعاء للمیت فی التکبیرات
لا یقرء فی شیء منهن ثم یسلم سرا فی نفسہ،
(۵) عن ابی امامة قال السنة ان یقرء علی الجنازة
بفاتحة الکتاب، (کتاب الام جلد اول ص ۲۴۰، ۲۴۱)

"جنازہ پر سورتِ فاتحہ الجہر پڑھتے سنا فراغت پر آپ نے فرمایا کہ
میں نے ایسا اس لئے کیا کہ تم جان لو کہ یہ (قرارتِ فاتحہ آنحضرت) کی سنت ہے۔
(۴) آنحضرت صلعم کے ایک صحابی رض سے روایت ہے کہ جنازے میں سنت
طریق یوں ہے کہ پہلے امام تکبیر اولیٰ کہے۔ پھر بعد تکبیر اولیٰ کے
اپنے جی میں آہستہ سورت فاتحہ پڑھے۔
پھر آنحضرت صلعم پر درود پڑھے۔ اور باقی تکبیرات
میں میت کے لئے اخلاص سے دعا کرے۔ اُن میں کسی میں
بھی قرارت نہ پڑھے۔ پھر اپنے جی میں آہستہ سلام پھیر دے"
(۵) حضرت ابو امامہ رض (صحابی) سے روایت ہے کہ سنت یہ ہے کہ
نماز جنازہ پر سورتِ فاتحہ پڑھے"

ان روایات کے نقل کرنے کے بعد امام شافعی رح فرماتے ہیں:۔

واصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یقولون
بالسنة والحق الا لسنة رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم ان شاء اللہ (ص ۲۴۱)

اور بفضل خدا نبی صلعم کے اصحاب (لفظ) سُنّت و لفظ
حق نہیں بولتے "مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کی سنت پر"

اس کے بعد امام شافعی رح بعض صحابہؓ کے فعل سے قراءتِ فاتحہ کا ثبوت دیتے ہیں:۔

(۱) عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص انہ کان
یقرء بام القرآن بعد التکبیرة الاولی علی الجنازة
وبلغنا ذالک عن ابی بکر الصدیق رض وسہل
بن حنیف وغیرهما من اصحاب النبی صلی اللہ
علیہ وسلم (ص ۲۴۲)

(۱) حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رض سے روایت ہے
کہ وہ جنازہ پر تکبیر اولیٰ کے بعد سورتِ فاتحہ پڑھتے تھے۔
اور یہی بات ہمکو حضرت ابو بکر صدیق رض اور حضرت
سہل بن حنیف رض (صحابی) وغیرہما رسول اللہ صلعم
کے اصحاب سے پہنچی ہے"

احادیث مذکورہ بالا کے جواب میں کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ ان میں بظاہر امام کا سورتِ فاتحہ پڑھنا ثابت ہوتا ہے مقتدی کا نہیں۔ تو اس وہم کو دور کرنے کے لئے امام شافعی رح فرماتے ہیں:۔
والناس یقتدون بامامهم یصنعون ما یصنع (ص ۲۴۲) یعنے لوگ اپنے امام کے مقتدی ہوتے ہیں وہ بھی

وہی کچھ کریں جو اُن کا امام کرتا ہے ۔' یعنے سُورت فاتحہ کا حکم جس طرح دوسری نمازوں میں امام و مُقتدی ہردو کے لئے ہے ۔ اسی طرح نماز جنازہ میں بھی امام و مقتدی ہردو پر ہے ۔ اور حضرت امام اعظم نے جنازہ میں جو قراءتِ فاتحہ سے انکار کیا ہے ۔ اُسکی طرف اشارہ کرکے کہتے ہیں ۔ وقال بعض الناس لایقرؤ فی الصلوٰۃ علی الجنازۃ یعنی بعض لوگوں کا قول ہے ۔ کہ نماز جنازہ میں قراءت نہ کرے ۔' اس کے بعد فرماتے ہیں ۔ انّا صلّینا علی الجنازۃ وعلمنا کیف سنۃ الصلوٰۃ فیہا الرسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فانا وجدنا لرسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سنۃ اتبعناھا ۱ یعنے ہمنے جنازہ پر نماز پڑھی اور جان لیا کہ اسمیں رسول اللہ علیہ وسلم کا طریق مسنون کس طرح ہے ۔ پس جب ہمنے رسول اللہ صلعم کی سنّت کو پالیا ۔ تو ہمنے اُسکی پیروی کرلی ۔ یعنے یہی تو رسول اللہ صلعم کو خدا کا رسول پیغمبر جاننے کے معنے ہیں ۔ پھر اس میں کلام کیا ۔ اِس کے بعد حضرت امام ابوحنیفہؒ کی طرف اشارہ کرکے اُن کی طرف سے عذر کرتے ہیں ۔ الّا ان یکون رجل لم تبلغہ السنۃ فیھا ۱ یعنے ہم اُن کی طرف سے سوائے اس کے کیا کہہ سکتے ہیں کہ اُن کو اس بارے میں طریق سُنّت کی کیفیت نہیں پہنچی ۔' یعنے وہ معذور ہیں ۔ لیکن جب اوروں کو ملگئی ہے ۔ تو اُن کو اسپر عمل کرنا چاہئے ۔ سبحان اللہ کیا خوب لکھا ہے ۔ کہ دامن ادب نہیں چھوٹا اور طریق سنّت سے بھی انحراف نہیں ہُوا ۔ خداوندا ! تُو اُن سب بزرگانِ دین پر صدہا رحمتیں بھیج ۔ آمین ۔

تنبیہہ امام شافعیؒ کے حوالجات میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت جو ہمنے ۲/۱ پر لکھی ہے ۔ وہ صحیح بخاری میں بھی ہے ۔ حافظ ابن حجرؒ نے اُسکی شرح میں امام نسائی کے حوالہ سے لکھا ہے :۔

فقرء بفاتحۃ الکتاب وسورۃ وجھر حتی اسمعنا فلما فرغ اخذت بیدہ فسالتہ فقال سنۃ وحق (ص ۱۹۰ جزء ۵ مطبوعہ دہلی)	پس آپ نے فاتحہ اور ایک دیگر سورت بالجہر پڑھی حتّٰی کہ ہمکو سنائی ۔ پس جب فارغ ہوئے تو مینے آپ کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ سنت ہے اور حق ہے ۔'

حیرانی ہے ۔ کہ شیخ ابن ہمام حضرات حنفیہ میں فن حدیث میں بالغ النظر بزرگ ہیں ، پھر قراءتِ فاتحہ کی احادیث کتاب الام صحیح بخاریؒ اور سنن نسائی میں ہوتے ہوئے انہوں نے کس طرح لکھدیا لم تثبت القراءۃ عن النبی صلعم یعنے نماز جنازہ میں آنحضرت صلعم سے قراءت ثابت نہیں ہے (فبحان من لاینسیٰ)

اور حضرت شیخ صاحب نے مؤطا امام مالک کے حوالہ سے حضرت ابن عمرؓ کی جو روایت لکھی ہے کہ وہ نماز جنازہ میں قراءت نہیں پڑھتے تھے اس کے **جواب** میں شاہ ولی اللہ صاحب مسوّیٰ حاشیہ مؤطا میں فرماتے ہیں :

تعقب بحدیث الشیخین من السنۃ قراءۃ الفاتحۃ فی صلوٰۃ الجنازۃ " یعنے ابن عمرؓ کی روایت پر حدیث صحیحین سے تعاقب کیا گیا ہے۔ جو یہ ہے کہ نماز جنازہ میں قرات سورتِ فاتحہ طریقِ مسنون ہے؛ اور صحابی من السنۃ کا لفظ کہے تو وہ حدیث **مرفوع** سمجھی جاتی ہے۔

گذارش۔ اس کے بعد ہم حضرات حنفیہ کی خدمت میں باادب التماس کرتے ہیں کہ آپ حضرت امام اعظم رحمہ کے زریں قول اذا صح الحدیث فھو مذھبی کو کبھی نہ بھولا کریں۔ جہاں پر حدیث صحیح ملجائے۔ اسپر بے کھٹکا عمل کر لیا کریں۔ بہ نیت ثنا و دعا تو آپ کے سب بزرگ مانتے ہیں، ان کے علاوہ آپ کے بعض بزرگوں نے اسے تحقیق کے رُو سے بھی تسلیم کیا ہے۔ کہ بہ نیت قرات درست ہے۔ اس میں کوئی کراہت نہیں۔ چنانچہ حضرت مولٰنا عبدالحی صاحبؒ نے اس امر میں ایک خاص رسالہ تصنیف کیا ہے۔ جو اُن کے رسالہ امام الکلام فیما یتعلق بالقراءۃ خلف الامام کی آخری جزو بعنوان **خاتمہ** ہے آپ اسمیں فرماتے ہیں:۔

والمرجح فی ذالک ھو القراءۃ علی وجہ الاستحباب او السنیۃ لثبوت ذالک بالاخبار المتواردۃ (ص ۲۳۳)

اور اس بارے میں قرارت کو ترجیح دی ہے بوجہ استحباب یا سُنیت، بوجہ ثابت ہونے اس کے اُن احادیث سے جو اس بارے میں وارد ہیں؛

اور بعض حضرات احناف نے جو اسے مکروہ لکھا ہے اور بعض نے بہ نیت ثنا یا دعا نہ بہ نیتِ قرارت لکھا ہے۔ اس کے جواب میں فرماتے ہیں:۔

والقول بالکراھۃ مطلقاً او بالکراھۃ بنیۃ القراءۃ لا بنیۃ الثناء لا یدل علیہ دلیل باحد الوجوہ الدالۃ (ص ۲۳۳)

اور جو قول مطلقاً مکروہ ہونے، بہ نیتِ قرارت نہ بہ نیت ثنا مکروہ ہونے کا ہے۔ اسپر دلائل شرعیہ کی وجوہ اربعہ میں سے کوئی دلیل دلالت نہیں کرتی؛

(۲) حضرت مولانا ممدوح نے اپنے تک ہی بس نہیں کی، بلکہ اپنے سے پہلے کے ایک مسلّم حنفی بزرگ کا حوالہ بھی دیتے ہیں کہ:۔

وقد صنف الشرنبلالی فی ھذہ المسئلۃ رسالۃ سماھا بالنظم المستطاب لحکم القراءۃ فی صلوٰۃ الجنازۃ بام الکتاب وحقق فیہ ان القراءۃ اولیٰ من ترک القراءۃ ولا دلیل علی الکراھۃ (ص ۲۳۷)

"امام شرنبلالی رحمہ حنفی نے اس مسئلہ میں ایک خاص رسالہ تصنیف کیا ہے اور اُس کا نام النظم المستطاب لحکم القراءۃ فی صلوٰۃ الجنازۃ بام الکتاب رکھا ہے اور اس میں تحقیق کیا ہے کہ قرارت کا پڑھنا نہ پڑھنے سے اولیٰ ہے اور مکروہ ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے"

(۴) اسی طرح قاضی ثناء اللہ صاحب حنفی پانی پتی قدس سرہٗ **مالا بد منہ** میں فرماتے ہیں: نزدِ امام اعظم رح سورۂ فاتحہ خواندن در نماز جنازہ مشروع نیست واکثر علماء بر آنند کہ **فاتحہ** ہم بخوانند (۸۲) خیر اس حوالہ میں تو اختلافِ ائمہ کے اشارے سے سمجھائے گئے ہیں، اپنے جنازہ کی بابت جو وصیت کی ہے۔ اسمیں فرماتے ہیں:- و نماز جنازہ بجماعتِ کثیر وامامِ صالح مثلِ حافظ محمد علی دیا حکیم سکھوا یا حافظ پیر محمد بجا آرند و بعد تکبیر اولیٰ **سورۂ فاتحہ ہم بخوانند**،

ولیکن ھذا اٰخر الکتاب بعون الملک الوھاب وصلی اللہ علی رسولہ محمد الناطق بالحق والصواب،

حضرات! اِس تفسیر کے مقدمۂ عربی میں پڑھ اور دیباچۂ اردو میں پڑھ آپ مطالعہ فرما چکے ہیں کہ بنا بر اختلافِ طبائع علمائے مفسرین کے مذاق مختلف ہوئے ہیں **محدثین** نے اپنے فن کے رو سے اُسکی تفسیر بیان کی یعنی آیاتِ قرآنیہ کے ذیل میں انکی مناسب و متعلق احادیث نبویہ ذکر کیں کیونکہ آنحضرت صلعم جب طرح امین وحی ہیں اسطرح شارح و **مبین قرآن** بھی ہیں۔ چنانچہ خداوند تعالےٰ نے فرمایا:- وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ (ن پ) یعنے (اے پیغمبر) ہمنے خاص تمہاری طرف یہ ذکر (قرآن شریف) اسلئے نازل کیا کہ تم لوگوں کے لئے وہ سب کچھ کھولکر بیان کردو جو اُن کی طرف اُتارا گیا" یعنے اس ذکر میں جو جو احکام انکو کئے گئے۔ وہ سب اُن کو کھولکر سمجھادو عام اس سے کہ وہ بیان آنحضرت صلعم اپنی زبان وحی ترجمان سے فرمائیں یا اپنے طریق عمل سے سمجھائیں۔ اور کرکے دکھادیں،

اسی طرح **فقہاء** نے اِس سے مسائل فقہیہ استنباط کئے کیونکہ قرآن شریعت محمدی کا سب سے پہلا ماخذ ہے۔

اسی طرح **متکلمین** رح نے معقول و منقول میں تطبیق دیکر اور ملحدین و منکرین کے جوابات دیکر قرآن کی مدافعت کی۔ اور جہاد **باللسان والقلم** کا عہدہ پورا کیا۔ اور **حضرات صوفیا** رح نے تہذیبِ نفس۔ اخلاصِ نیت تبتل الی اللہ۔ ایثارِ آخرت۔ کثرتِ ذکر۔ دوامِ فکر و مراقبہ۔ اور بہر حال میں اس بات کا دھیان لگائے رکھنا۔ کہ میں خدا کے سامنے حاضر ہوں۔ تاکہ کوئی قول یا فعل جو حضور کے منافی ہو سرزد نہ ہوجائے وغیرہ وغیرہ امور کے بیان میں وہ حصہ لیا کہ دیگر نہ لے سکتے تھے۔ اور **اہل ادب و معانی** نے قرآن شریف کی زبان کے متعلق کہ وہ نہایت میٹھی اور شستہ ہے۔ اور درجۂ اعجاز پر فصیح و بلیغ ہے۔ اُس کے کلمات کی عذوبت و جامعیت اور اس کے جملوں کی ترکیب کے لطائف بیان کرکے اسکا بشری طاقت سے بالاتر ہونا ظاہر کیا۔ اور یہی

پانچ امر تفسیر قرآن کے اصولی طریقے ہیں۔

ہر چند کہ مجھ عاجز کو کسی فن میں بھی کمال حاصل نہیں ہے۔ لیکن علمائے سابقین کی دریوزہ گری کرکے اور کچھ خدائے تعالےٰ کے فیض سے بہرہ پاکر یہ کوشش کی ہے۔ کہ اس تفسیر میں ان پانچوں طریقوں کو جمع کردوں تاکہ ہر مذاق والا شائق اپنے مذاق کے مناسب فائدہ حاصل کرسکے۔ پس آپ کو اس میں جو کچھ اپنے ذوق طبع کے علاوہ ملے اس سے بددل ہوکر کتاب کو پھینک نہ دیں۔ بلکہ اپنے مناسب طبع امور سے بہرہ ور ہوکر باقی کو دوسرے صاحب ذوق کے لئے چھوڑ دیں۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَقَدَّسَ وَتَعَالٰی۔

شکر و دعا بدرگاہِ خدا

الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ یہ **تفسیرِ واضح البیان** اسوقت رات کے پونے تین بجے شب جمعہ مبارک درمیان ۴ و ۵، ماہ رجب ۱۳۵۲ھ مطابق شب درمیان ۳ و ۴ ماہ اکتوبر ۱۹۳۳ء کو بوقت سحر اختتام کو پہنچی۔

اللھم احسن عاقبتنا فی الامور کلھا واجرنا من خزی الدنیا وعذاب الاخرۃ ط

خداوندا! میں کس دل اور کس زبان سے تیرا شکر کروں، کہ باوجود ہجومِ ہموم و غموم، اور تواترِ امراض و احزان، اور کثرتِ اشغال و اسفار، اور وفورِ تکاسل و تانّی اور عمومِ تسویف و تعویق، جو اکثر میرے شاملِ حال رہتے ہیں، **تو نے** محض اپنے فضل و کرم سے مجھ ناتوان کو توفیق بخشی اور ہمت دی کہ میں اس تفسیر کو انجام دے سکا۔ خصوصاً اس نعمت کا شکریہ کسی طرح بھی ادا نہیں کر سکتا۔ جو تو نے فہم قرآن اور علم اسرار شریعت کے متعلق عطا کی۔

خداوندا! تو جانتا ہے۔ اور میں اقرار کرتا ہوں۔ کہ میں نے اس تفسیر کے لکھنے سے پہلے بھی بیشمار گناہ کئے اور اسکی تصنیف کے عرصہ میں بھی میرے گناہوں کی کوئی حد نہیں رہی، سوائے میرے ستار و غفار خدا! جس طرح تو نے میرے گناہوں پر نظر نہ رکھتے ہوئے محض اپنی مہربانی سے مجھ پر اپنی ظاہری و باطنی۔ عمومی و خصوصی عنایات کی بارش جاری رکھی۔[1] اگر تو آئندہ بھی میرے ماضی و حال و استقبال کے گناہوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی عنایات کا سلسلہ جاری رکھے اور سارے قرآن مجید کی تفسیر کے اتمام کی توفیق عطا کر دے۔ اور اسکی طبع کے اسباب مہیا کر دے، تو گو میں اس احسان کے لائق نہیں ہوں لیکن تیری شانِ قدوسیت سے تو بعید نہیں۔ پس تو اپنی شانِ کریمی کے لائق مجھ پر کرم کر اور میری جملہ خطیات و تقصیراتِ صغیرہ و کبیرہ۔ ظاہری و باطنی۔ دانستہ و نادانستہ سے گذر کر اور میرے اس حقیر کام کو قبول فرما۔ شاہا! بر کرم من منگر۔ بر کرم خویش نگر۔ تیرے بندے تو بہت ہیں اور سب تیرے بندے ہی ہیں۔ لیکن تو جانتا ہے۔ کہ تیرے سوا میرا تو کوئی دوسرا مالک نہیں ہے۔ بس مجھے اتنی ہی خوشی اور فخر کافی ہے۔ کہ **تو میرا مالک ہے**۔ اللھم جئتک بما انا اھلہ فعاملنی بما انت اھلہ **وصل** وسلم علی صفوۃ بریتک الذی اکرمتنی بتشبث ذیلہ وعلی الہ واصحابہ الذین اتبعوہ فی صعب تحیاھم وسھلہ

[1] کما قال الشاعر ؎ کما احسن اللہ فیما مضیٰ ؛ کذالک یحسن فیما بقی ۱۲ منہ

شائق خریداروں سے گذارش

حضرات! اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ! اِس تفسیر **واضح البیان** کی طباعت شعبان ۱۳۵۲ھ مطابق نومبر ۱۹۳۳ء میں شروع ہوئی تھی، خیال تھا کہ دو ماہ میں کام ختم ہو کر عید الفطر ۱۳۵۲ھ تک تفسیر آپ کے ہاتھوں میں پہنچ جائیگی۔ لیکن بجائے دو ماہ کے دو سال گذر گئے اور اس عرصہ میں آپ کو شتاقانہ انتظار کا جو بوجھ اٹھانا پڑا اور یاد دہانی کیلئے خطوط نویسی کرنی پڑی مجھے اسکا از حد افسوس ہے۔ لیکن آپ کو کیا معلوم ہے کہ اس عرصہ میں مجھ پر کیا کچھ گذرتا رہا۔ ان امور پر نظر رکھتے ہوئے میری تو ہمت ٹوٹ گئی تھی۔ کہ شاید یہ کام ادھورا رہ جائیگا، آپ تو حیران ہونگے کہ دیر کیوں لگی؟ اور میں حیران ہوں کہ یہ کام پورا کس طرح ہو گیا۔؟ کثرتِ اشغال وقلتِ فرصت تو میرے لئے رجسٹری شدہ الفاظ ہیں۔ بلکہ لوحِ محفوظ میں میرے خانۂ قسمت میں لکھے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن ایک خاص اور غیر معمولی بات جو اس تفسیر کی تالیف کے زمانہ میں مجھ پر وارد ہوئی وہ نہایت حیرت انگیز ہے۔ وہ یہ کہ بعض اوقات باوجود صحت وفرصت کے کئی کئی ماہ تک طبیعت بند رہتی رہی اور ایک حرف لکھنے کو جی نہ چاہا۔ اس عرصہ میں توقف کے خیال سے انقباض واضطراب بھی ہوتا لیکن طبیعت رجوع نہ کرتی اور میری حالت ایسی ہو جاتی کہ گویا میں معمولی شُد بُد جانتا ہوں اور اس سے آگے میری بساط نہیں ہے۔ پھر یک بیک خدائے تعالیٰ کی طرف سے ایسا دروازہ کھل جاتا اور مضامین کی ایسی آمد ہو جاتی۔ کہ ان کو حیزِ تحریر میں لانا تو درکنار مجھے اپنی طبیعت سنبھالنی مشکل ہو جاتی اس حالت میں مجھے اسباب کی ہوش نہ رہتی۔ کہ یہ ناتوان جان جس سے میں اتنی محنتِ شاقہ لے رہا ہوں ۔ اپنی ہے یا کرایہ پر لی ہوئی ہے۔ نہ بیماری کی فکر۔ نہ نیند کی پرواہ، نہ گرمی کی شدت ستاتی۔ اور نہ راتوں کی بیداری تھکاتی۔ معمولی ما قوتِ غذا بھی چھوٹ جاتی اور سوائے اشارے سے بات کرنے کے ہمت نہ رہتی۔ ایسی حالت میں یا میں ہوتا یا میرا قلم اور کتب خانہ، دو تین دفعہ کے ایسے سلوک سے سمجھا کہ اگر بالفرض میں انقباض کی حالت میں معمولی باتوں سے تسوید اوراق کر دیتا۔ اور خریداروں کے شوق کو پورا کرنے کے لئے اس کتاب کو جلد شائع کر دیتا۔ تو یہ **علمی نکتے** اسمیں نہ آسکتے۔ یہ خدا تعالیٰ کی خاص عنایت ہے۔ کہ اُسنے اپنے تصرفِ غیبی سے میری خواہش کے خلاف اسمیں دیر لگوائی، اور اس میں اُسکی **حکمت** یہ تھی کہ اپنے **خزانہ غیب** سے اس عاجز کو بھی بہرہ اندوز کرے۔ سو اب آپ کو انتظار کی زحمت فراموش کر کے خوش ہونا چاہیئے۔ کہ اگر آپ اس تفسیر کو اس سے قبل مطالعہ کرتے تو بہت سے نکات ومعارف سے محروم رہتے۔

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ کَمَا یَنْبَغِیْ لِجَلَالِ وَجْھِکَ وَلِعَظِیْمِ سُلْطَانِکَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِکَ وَنَبِیِّکَ

عام ناظرین سے گذارش

صاحبان میں نے اس تفسیر کو جس طرح مجھ سے ہوسکا۔ خدا کے فضل سے اختتام کو پہنچایا۔ اگرچہ میں نے ہر پہلو کو نظر میں رکھا ہے۔ لیکن پھر بھی انسان ہوں۔ ذہول و نسیان میری سرشت میں ہے خدا جانے کتنی غلطیاں ہوئی ہونگی۔ باوجود اس کے آپ کو اس کتاب کے مطالعہ کی ترغیب نہیں بلکہ تکلیف دینے کی جراُت کرتا ہوں۔ کہ آپ ایک اس بات کو دل میں رکھ کر اس کا مطالعہ کریں کہ "ہر بات نکتہ نہیں ہوتی۔ ورنہ نکتہ کی امتیازی حیثیت کچھ بھی نہ رہے" اسکو ایک مثال سے واضح کرتا ہوں۔ کہ بادام میں چھلکا بھی ہوتا ہے اور مغز بھی۔ پھر مغز میں روغن بھی ہوتا ہے اور کھلی بھی۔ روغن کم ہوتا ہے۔ اور کھلی زیادہ۔ قدرت نے **روغن بادام** کھلی میں اس طرح محفوظ کر رکھا ہے۔ کہ ظاہری آنکھ سے نظر نہیں آتا۔ لیکن حقیقت بین اور خواص شناس دماغ سمجھتا ہے کہ اس کے اندر ایک مفید و کارآمد **جوہر** ہے۔ ضرور تمند سمجھدار انسان اُس **بادام** کو کھلی سمیت کھاتا ہے اور اس جوہر کا فائدہ حاصل کر لیتا ہے۔

اسی طرح آپ کو اس تفسیر میں میرے الفاظ میں نہ خدا کے کلام میں قشر بھی نظر آئیگا۔ اور کھلی بھی دکھائی دیگی ظاہری آنکھ سے روغن نظر نہیں آئیگا۔ لیکن مطالعہ کے بعد (خدا کے فضل و کرم سے) اسکا پاک و صاف اور شیرین و خوش ذائقہ **روغن روحانیت و نورانیت** اپنے باطنی اثر و کیف سے آپ کے دماغ کو روشن اور دلکو سرور کردے گا۔ والاستعداد شرط لتحصیل الرشاد والجهاد يفتح عليك باب المراد۔

معذرت

کثرت مشاغل اور پریشانیوں کی وجہ سے خاطر خواہ تصحیح نہیں ہوسکی۔ اور یہ خدمت ہی ایسی ہے کہ اسمیں نیکنامی مشکل سے حاصل ہوتی ہے۔ تصحیح میں کبھی مصحح سے، کبھی کاتب سے اور کبھی سنگساز سے غلطی چھوٹ جاتی ہے۔ انسان ضعیف ہے اسکا کام ہر پہلو سے مکمل ہونا مشکل ہے۔ بعض غلطیاں معمولی ہیں۔ ناظرین خود سمجھ سکتے ہیں۔ بعض جو موٹی ہیں اُنکی تصحیح نقشہ[1] میں کردیگئی ہے۔ قارئین کرام مطالعہ سے پہلے اُنکو اپنے قلم خوش رقم سے درست کرلیں۔

یوم الجمعہ ۵ رجب المرجب ۱۳۵۴ھ
مطابق ۴ اکتوبر ۱۹۳۵ء

طالب شفاعت رسول کریم
محمد ابراہیم میر سیالکوٹی

[1] یہ نقشہ ابتدائی اوراق فہرست کے ساتھ دیکھو ۱۲ منہ

ترجمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ میں بہت عرصے سے مناظر جلیل اور عالم کبیر **علامہ محمد ابراہیم سیالکوٹی** کا ذکر سنتا تھا جس سے
قلب ان کا محبوب [illegible] ہو گئے اور یہ بھی کوئی تعجب نہیں کیونکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کان آنکھ سے پیشتر عاشق
ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ مجھے [illegible] نہایت قیمتی اور [illegible] نفع [illegible] کیلئے [illegible] اخبار الاعتصام اور [illegible] دوست اور فاضل دوست [illegible] غلام رسول مہر
[illegible] عبد المجید سالک [illegible] **علامہ سیالکوٹی** کی [illegible] **واضح البیان فی تفسیر**
القرآن کے دیکھنے کی نسبت [illegible] اس کتاب کے شروع میں خوب
دیکھے۔ ان کے الفاظ [illegible] **تسبیح** [illegible] چارہ نہیں [illegible]
[illegible] لوگوں کو بھی [illegible] واقفیت کی غرض
[illegible] **خطبے** [illegible] ایک شان [illegible] **نور کے قلم سے لکھے** [illegible]
اور درحقیقت [illegible] **مقدمہ** [illegible]
[illegible] حضرت
علامہ صاحب قرآن [illegible] **محمد فواد** [illegible]
ہیں [illegible] **فاضل علامہ** [illegible] **روشن اسلوب بیان** [illegible]
[illegible]
[illegible] اپنی زندگی [illegible] فلسفہ [illegible]
[illegible] کو گرا دینے والی ہیں [illegible] **سیرت محمدیہ**
مطالعہ [illegible] (۱) [illegible]
ہمارے فاضل ابراہیم [illegible] (۲) [illegible]
[illegible] (۳) [illegible]
[illegible] والسلام

محمد فواد

[illegible]

از محمد الدین کاتب تفسیر ھذا

چھپ گئی تفسیر کیا ہے ام الکتاب	وا مفسر نے کیا عرفاں کا باب
میں کروں اسکا وصف کیا کچھ بیان	ہے یہ ہر اک مذہب کا کافی جواب
دوستو! دوڑو! خریدو! جلد لو!	پاؤ گے پڑھنے سے اسکے تم ثواب

ضروری

قابلِ التفات گذارش

اپنے منہ اور اپنے قلم سے اپنی تعریف کرنی کسی کو بھی زیبا نہیں۔ اور مجھے تو طبعاً
لیکن آئندہ کے لئے طباعت تفسیر قرآن کے سلسلے کو جاری رکھنے کے لئے
اظہار کر دینا ضروری جانتا ہوں کہ میرے واقف و شناسا احباب کو میرا عجز بخوبی سب کچھ
اور جو مجھے نہیں جانتے اُن کے لئے میری اس **تفسیر واضح البیان** سے بڑھکر کوئی
وکیل نہیں ہو سکتا۔ سو سب واقف و ناواقف مطالعہ کنندگان تفسیر ہذا کی خدمت
التماس ہے کہ اگر آپ اس سلسلے کے جاری رکھنے کو پسند فرماتے ہیں۔ تو ابھی سے سورۃ
کی تفسیر بنام **تحفۃ البررہ فی تفسیر سورۃ البقرہ** کی خریداری کیلئے آمادگی
تحریر کر دیں۔ خدا کے فضل سے میں نے اس سورت کی تفسیر بھی شروع کر رکھی ہے۔
انشاء اللہ کم از کم **تین ۳۰۰ سو** خریداروں کی فرمائش پر چھپنی شروع ہو جائیگی۔ آپ
کو معلوم ہے کہ عہد حاضر میں بعض ناکس علوم عربیہ سے بالکل ناواقف ہونے پر بھی قرآن شریف کی تفسیریں لکھ
رہے ہیں، اور قرآن و حدیث اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی تصریحات کے خلاف محض اپنے خیال سے قرآن کی تاویل
کر رہے ہیں۔ لہذا اس الحاد و زندقہ کی اشاعت کے وقت اس امر کی سخت ضرورت ہے کہ کوئی ایسی تفسیر لکھی جائے
جس میں قرآن و حدیث کی تصریحات کی ماتحتی میں مذاق و ضروریات زمانہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے قرآن شریف کی
اور اسلامی تعلیم کے محاسن بیان کئے جائیں۔ سو اگر آپ الحاد و زندقہ کے زہر سے بچکر قرآن و حدیث
وشافی سے سیرابی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ تو آج ہی ایک کارڈ اس تفسیر واضح البیان کیلئے لکھ دیں
اور یہ بھی ظاہر کر دیں کہ ہم اس کے بعد سورۃ بقرہ کی تفسیر کے بھی خواہشمند ہیں۔ اور اگر یہ تفسیر واضح البیان آپ
کے پاس موجود ہی ہے تو صرف سورۂ بقرہ کی تفسیر کیلئے تحریر فرما دیں۔ اور اس عاجز کی صحت و بقا کے لئے دعا
کریں کہ خدا تعالیٰ مجھ عاجز کو اس کام عظیم کے پورا کرنے کی توفیق عطا کرے۔ آمین۔ پتہ اتنا کافی ہے

حافظ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی۔ محلہ میانہ پورہ۔ شہر سیالکوٹ

(ثنائی برقی پریس ہال بازار امرتسر میں باہتمام ابو رضا عطاء اللہ پرنٹر چھپی)